مقالاتِ عُثمانی

شیخ الاسلام حضرت مولانا ظفر احمد عُثمانی نور اللہ مرقدہٗ
کے چند علمی، دینی، اصلاحی اور سیاسی مقالات و بیانات
کا حسین اور نادر مجموعہ

مرتّب
حافظ محمّد اکبر شاہ بخاری

بیت العُلوم
۲۰- نابھہ روڈ، پرانی انارکلی لاہور۔ فون: ۷۳۵۲۲۸۳

168

مقالاتِ عثمانی

شیخ الاسلام حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی نور اللہ مرقدہٗ
کے چند علمی، دینی، اصلاحی اور سیاسی مقالات و بیانات
کا حسین اور نادر مجموعہ

مرتّب
حافظ محمد اکبر شاہ بخاری

بیت العلوم
۲۰- نابھہ روڈ، پرانی انارکلی لاہور۔ فون: ۷۳۵۲۴۸۳

بسم اللہ الرحمن الرحیم



پیش لفظ

فقیہ العصر حضرت مولانا مفتی عبدالشکور ترمذی مدظلہم العالی

شیخ الاسلام حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ برصغیر پاک و ہند کے ان اکابر علماء میں سے تھے جن پر پوری ملت اسلامیہ بجا طور پر ناز کر سکتی ہے۔ وہ نہ صرف پاکستان کے جید اکابر میں سے تھے بلکہ پورے عالم اسلام کے علماء و مشائخ کی صفِ اوّل میں ایک بلند اور ممتاز مقام کے مالک تھے اور حقیقت میں اسلام کی یادگار تھے اور شریعت و طریقت اور علم و عمل کی ایسی جامع کمالات ہستیاں کہیں صدیوں میں پیدا ہوتی ہیں اور فی الوقت ایسی عزیز الوجود ہستیاں کمیاب ہی نہیں بلکہ نایاب ہوتی جارہی ہیں، پرانے علماء و بزرگ سب چلے گئے ہیں اور موجودہ دور میں ایسی باکمال شخصیات نہ ہونے کے برابر ہیں کہ جو اپنے پیش رووں کے خلاء کو پر کر سکیں، بلاشبہ سیدی و مرشدی حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی قدس سرہ کا نام نامی اپنے زمانے میں برصغیر کے ان مشاہیر اہل علم و فضل کے سلسلہ میں سر فہرست آتا تھا بلکہ آپ اپنے زمانہ کے اُن علماء کے صدر نشین تھے جن کے تبحر علمی، تقدس و بزرگی، دینی علوم میں جامعیت و بصیرت اور تفقہ کو علمی حلقوں میں بطور سند پیش کیا جاتا تھا، رحمۃ اللہ رحمۃ واسعۃ

زیرِ نظر کتاب مقالاتِ عثمانی عزیز مکرم حافظ محمد اکبر شاہ بخاری سلمہ ٗ کی محنت و کاوش کا ثمرہ اور نتیجہ ہے، عزیز سلمہ ٗ کو اپنے بزرگوں کے ساتھ دلی لگاؤ اور محبت کا خصوصی تعلق ہے اور بزرگوں کے سوانح و حالات اور ان کے خطبات و مقالات کو جمع کرنے کا خصوصی ذوق ہے۔ مقالاتِ عثمانی کتاب میں شیخ الاسلام سیدی حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ جیسی علمی روحانی شخصیت کا صرف نام نامی ہی آجانا اس کتاب کی اہمیت و افادیت کے لئے کافی وافی ہے۔ علوم و معارف پر مشتمل یہ گرانقدر مقالات و بیانات کا مجموعہ علم و حکمت کا عظیم سرمایہ ہے، ہمارے عزیز سلمہ نے محنت و جانفشانی سے حضرت کے ان علمی فقہی اور اصلاحی مضامین کو یکجا کر کے ملت اسلامیہ پر بڑا احسان کیا ہے۔ ابھی حضرت کے بہت سے مقالات و مضامین رہ گئے ہیں، دعا ہے عزیز سلمہ ٗ ان تمام مضامین کو تلاش کر کے ایک دوسرا مجموعہ مرتب کرنے میں کامیاب و کامران ہوں۔

اللہ تعالیٰ عزیز سلمہ ٗ کو اس کی جزائے خیر عطا فرمائیں اور اللہ تعالیٰ مزید ان کو اپنے اکابر کے علوم و معارف کی ترتیب اور اشاعت کی توفیق عطا فرمائیں۔

آمین

سید عبد الشکور ترمذی عفی عنہ

مہتمم جامعہ حقانیہ ساہیوال سرگودھا

عرض مرتب

اللہ تعالیٰ نے ہمارے حضرت اقدس مفتی محمود اشرف عثمانی زید مجدہم کو جہاں اور نمایاں خصوصیات سے نوازا ایک خاص بات ان میں یہ بھی ہے کہ انہیں بزرگوں کی تصانیف سے گویا عشق ہے، وہ اکابر کی تحریرات سے نہ صرف محظوظ ہوتے ہیں۔ بلکہ اکابر علماء کی تحریرات کو محفوظ رکھنے کے دلی خواہشمند ہیں۔

اسی وجہ سے وہ اکابر کی نایاب تحریر کو تلاش کر کے چھپواتے رہتے ہیں۔ چند سال پہلے اسی سلسلے میں احقر کے ذمہ کام لگایا کہ میں حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ کی نایاب تالیفات کو جمع کر دوں۔ حضرت کی دعا وتوجہ ہوئی کہ اللہ تعالیٰ کے فضل سے آج حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی رحمہ اللہ کے قریباً تمام مضامین و کتابیں جو اکثر و بیشتر مختلف رسائل کی فائلوں میں دفن تھے حاصل کر لئے گئے، ہندو پاک میں جہاں جہاں سے حضرت والا رحمہ اللہ کے مضامین ملنے کی امید تھی خطوط لکھے بعض علاقوں کا سفر کیا۔ اس طرح نادر و نایاب مضامین یکجا ہوگئے جن میں سے چند کتابیں شائع ہو چکی ہیں اور انہیں علماء نے قدر کی نگاہ سے دیکھا ہے۔

اب یہ مختلف مضامین و رسائل کا مجموعہ و مقالات عثمانی (جلد ثانی) کے نام سے شائع ہو رہا ہے۔ مگر اب یہ ادارہ

اسلامیات کی بجائے بیت العلوم لاہور سے شائع ہو رہا ہے۔ کیونکہ بیت العلوم کے مالک مولانا محمد ناظم اشرف صاحب مدظلہ نے اس سے پہلے مقالات عثمانی کے نام سے ایک مجموعہ شائع کیا ہے۔

احقر نے جب ان مضامین و رسائل کا مجموعہ حضرت مولانا مفتی محمد اشرف صاحب عثمانی مدظلہم کی خدمت میں پیش کیا تو حضرت والا نے فرمایا۔ چونکہ پہلا مجموعہ مولوی ناظم اشرف نے شائع کیا ہے یہ بھی ان کو دیدو تاکہ ایک جگہ سے چھپ جائے۔ اس طرح یہ مجموعہ بیت العلوم لاہور سے شائع ہو رہا ہے۔

اللہ تعالیٰ اس کوشش کو قبول فرمائے اور ان کتابوں و رسالوں کو صدقہ جاریہ بنائے۔ آمین۔

شفیع اللہ عفا اللہ عنہ
جامعہ دارالعلوم کراچی کورنگی
۱۱۔۸۔۱۴۲۵ھ

فہرست

فہرست مقالات

فہرست

اس صدی کا امام اعظمؒ تھا

عالم باعمل ظفر احمد عارفِ بے بدل ظفر احمد
علم و عرفان و آگہی کا چراغ لمعہء نور صاحب ما زاغ
قائد حاملانِ دینِ متین رہبرِ عالمانِ شرع مبین
عالم و ماہر شریعت بھی سالک و رہبرِ طریقت بھی
مرد عارف بھی صاحب دل بھی بندہ حق بھی شیخ کامل بھی
ختم عرفان و آگہی اُس پر فاش اسرار باطنی اس پر
رونقِ بزم اولیاء بھی وہی مسند آراء اتقیاء بھی وہی
چشمہء فیض بارگاہِ خلیلؒ یعنی مُرشدِ نگاہ خلیل
ملک گوہر فشاں اشرف بھی اور دست و زبانِ اشرف بھی
مُرشد تھانویؒ کا نورِ نظر صاحب علم و فضل و عقل وہنر
رہ نماؤ مفکر و دانا مُرشد و مفتقد رؤف مولانا
عالم و فاضل فقیہ و ادیب حافظ قاری و امام وخطیب
مفتی واعظ و مقرب بھی ناقد و شارح و مفسر بھی
مقتدائے محدثین بھی وہی پیشوائے محققین بھی وہی
اس سے اعلاء سنت نبویؐ اس کے سر پر لواء مصطفویؐ

پیشۂ علم کا وہ ضیغم تھا
اس صدی کا امام اعظم تھا

(قمر احمد عثمانی)

شیخ الاسلام حضرت مولانا ظفر احمد عثمانیؒ

حیات وخدمات

ولادت وتعلیم:

آپ ۱۳ ربیع الاول ۱۳۱۰ھ کو دیوبند ضلع سہارنپور کے معروف ومعزز عثمانی خاندان میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد محترم شیخ لطیف احمد عثمانی مرحوم صوم وصلوٰۃ کے پابند اور با اخلاق انسان تھے۔ دیوبند کے مشہور پیر طریقت حضرت حاجی عابد حسین دیوبندیؒ سے بیعت تھے۔ آپ کے دادا مرحوم شیخ نہال احمد عثمانی دیوبند کے ایک معزز بااثر سخی اور بہت بڑے رئیس تھے۔

دارالعلوم دیوبند کی عمارت والی زمین انھی کی عطیہ کردہ ہے، مولانا محمد قاسم نانوتویؒ، شیخ نہال احمد صاحب مرحوم کے خاص بہنوئی تھے۔ حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی کی والدہ محترمہ حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ کی حقیقی ہمشیرہ تھیں اور آپ حضرت حکیم الامت تھانوی کے خواہر زادہ اور حقیقی بھانجے تھے۔

ابتدائی تعلیم آپ نے دارالعلوم دیوبند میں حاصل کی۔ پھر اپنے ماموں حضرت حکیم الامت قدس سرہ کی زیر نگرانی خانقاہ امدادیہ مدرسہ امدادالعلوم میں داخل ہو کر مولانا محمد عبداللہ گنگوہیؒ سے تعلیم حاصل کی۔ ۱۳۲۳ھ میں جامع العلوم کانپور میں داخلہ لیا اور حضرت مولانا محمد

اسحاق بردوانی اور مولانا محمد رشید کانپوری سے عربی ادب کی اعلیٰ کتب پڑھیں۔ پھر حضرتِ اقدس مولانا خلیل احمد سہارنپوری کی خدمت اقدس میں مدرسہ مظاہر العلوم سہارنپور میں دورۂ حدیث کی تکمیل کی اور ۱۳۲۸ھ میں اعلیٰ نمبروں میں سند الفراغ حاصل کی۔

علمی و تدریسی خدمات

فراغتِ تعلیم کے بعد آپ اپنے استاد حضرت اقدس مولانا خلیل احمد سہارنپوری کی زیر نگرانی مدرسہ مظاہر العلوم سہارنپور میں ۱۳۲۹ھ میں علمی و تدریسی خدمات انجام دینے لگے اور ۱۳۳۶ء تک مسلسل سات سال اسی مدرسہ میں تدریس کے فرائض انجام دیتے رہے۔ ابتداء میں شرح وقایہ، نورالانوار وغیرہ کے اسباق آپ کے سپرد ہوئے۔ پھر بتدریج ترقی ہوتی گئی اور فقہ میں ہدایہ، حدیث میں مشکوٰۃ شریف، فلسفہ میں میبذی اور علم کلام میں شرح عقائد وغیرہ مختلف فنون کی کتابوں کا درس آپ نے دیا۔ اور علم ادب عربی میں سبعہ معلقہ اور متنبیؔ کی کتابیں پڑھائیں۔

سات سال مظاہر العلوم میں درس دینے کے بعد ۱۳۳۶ء میں سہارنپور سے رخصت لے کر تھانہ بھون کے قریب مدرسہ ارشاد العلوم گڑھی پختہ میں آپ نے ۱۳۳۸ تک دوسری کتابوں کے علاوہ بخاری شریف اور مسلم شریف کا درس دیا۔ ۱۳۳۹ھ میں حج سے واپسی کے بعد آپ کا مستقل قیام تھانہ بھون کی خانقاہ امدادیہ اور مدرسہ امداد العلوم میں ہو گیا۔ یہاں درس و تدریس اور تصنیف و تالیف کے علاوہ فتویٰ نویسی کا شعبہ بھی آپ کے سپرد کر دیا گیا تھا اور آپ ان تمام شعبوں میں حضرت حکیم الامت تھانویؒ کی زیر نگرانی علمی خدمات انجام دیتے رہے۔ مدرسہ امداد العلوم تھانہ بھون میں آپ نے بیضاوی شریف اور دورۂ حدیث کی کتابوں کا درس دیا۔ اور تمام علوم و فنون کی کتابیں پڑھائیں۔ یہاں سے فارغ ہونے والے طلباء کی دستار بندی حکیم الامت تھانویؒ کے دست مبارک سے ہوئی تھی۔ خانقاہ امدادیہ تھانہ بھون کے قیام میں حضرت تھانوی کے انفاسِ قدسیہ اور توجہات عالیہ کی برکت سے جو قابل قدر علمی اور تالیفی کارنامہ حضرت مولانا عثمانی قدس

سرہ نے انجام دیا۔ اس کی مثال علماء سلف اور قدما کے کاموں میں بھی نایاب نہیں تو کمیاب ضرور ہے۔

۱۳۴۶ھ میں مدرسہ راندھیر یہ رنگون تشریف لے گئے تھے۔ جہاں اڑہائی سال تک تبلیغی و علمی خدمات انجام دیتے رہے۔ ۱۳۴۹ھ میں پھر تھانہ بھون واپسی ہوئی اور یہاں پہنچ کر حسبِ سابق حضرت حکیم الامت تھانوی کی خدمت میں رہ کر درس و تدریس تصنیف و تالیف اور فتویٰ نویسی کے شعبوں میں خدمات انجام دیتے رہے اور سلسلہ یہ ۱۳۵۸ھ تک جاری رہا حضرت سے حکیم الامت تھانوی کی خدمتِ بابرکت میں اتنی طویل مدت اور عرصہ دراز تک قیام کرنے اور حضرت سے علمی استفادہ اور روحانی استفاضہ کا موقع حضرت عثمانی مرحوم کے برابر حضرت تھانویؒ کے متوسلین میں سے کسی دوسرے کو میسّر نہیں آیا اور اس شرف میں حضرت عثمانی مرحوم، حضرت اقدس تھانویؒ علیہ الرحمۃ کے غالباً تمام ہی متوسلین پر سبقت لے گئے ہیں۔

ایں سعادت بزور بازو نیست

تانہ بخشد خدائے بخشندہ

۱۳۵۸ھ میں حضرت مولانا عثمانی مرحوم کے بعض احباب نے آپ کو ڈھاکہ یونیورسٹی میں بلانے کی تحریک کی۔ اس پر آپ حضرت حکیم الامت تھانوی کی اجازت سے تھانہ بھون سے ایک سال کی رخصت لے کر ڈھاکہ یونیورسٹی سے وابستہ ہو گئے۔ یونیورسٹی میں بھی اگرچہ آپ کے سپرد بخاری شریف، مسلم شریف، کتاب التوحید اور ہدایہ وغیرہ کے بڑے بڑے اسباق تھے لیکن آپ کے ذوق علمی کو پورا کرنے کے لئے یہ اسباق بھی کافی نہ ہوئے۔ چنانچہ آپ نے یونیورسٹی کے مذکورہ اسباق کے علاوہ مدرسہ اشرف العلوم ڈھاکہ میں جو آپ کی ہی سرپرستی میں آپ کے احباب نے قائم کیا تھا موطا امام مالک، بیضاوی شریف اور مثنوی مولانا روم کے اسباق بلا معاوضہ پڑھانے شروع کر دیئے۔ ان اسباق میں ڈھاکہ یونیورسٹی کے بعض پروفیسر بھی شریک ہوتے۔ چنانچہ ڈاکٹر شہید اللہ مرحوم، ڈاکٹر سراج الحق صاحب اور پروفیسر جیلانی صاحب اسی زمانے کے مولانا عثمانی کے شاگرد ہیں۔

مدرسہ اشرف العلوم کے اکثر حضرات مدرسین بھی مؤطا امام مالک اور مثنوی کے

درس میں شریک ہوا کرتے تھے۔ ان اسباق کے علاوہ اس مدرسہ میں بھی آپ بخاری شریف کا درس دیا کرتے تھے۔

چوتھے سفر حج سے واپسی کے بعد لال باغ کی شاہی مسجد میں مولانا عثمانی کی زیر سرپرستی ایک عظیم دینی درسگاہ جامعہ قرآنیہ لال باغ ڈھاکہ کے نام سے قائم ہوئی۔ اس درسگاہ کے ناظم اعلیٰ حضرت مولانا شمس الحق فریدپوری جو حضرت حکیم الامت تھانوی سے بیعت تھے اور ان کا اصلاحی تعلق حضرت مولانا عثمانی قدس سرہ سے تھا۔ حضرت تھانویؒ کے وصال کے بعد مولانا عثمانیؒ سے تجدید بیعت کرلی اور آپ کے مخصوص خلفاء میں شمار ہوتے ہیں۔

موصوف کے علاوہ حضرت حکیم الامت تھانویؒ کے خلیفہ و مجاز حضرت حافظ جی حضور مشرقی پاکستان کی مایہ ناز علمی وروحانی شخصیت ہیں۔ جامعہ قرآنیہ کے مدرس اول اور شیخ الحدیث ہیں۔ اس مدرسہ میں بھی حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی صاحب نے بخاری شریف کا درس کم و بیش پندرہ سال تک نہایت پابندی سے دیا ہے۔ اس میں بھی جامعہ قرآنیہ کے تمام مدرسین شریک ہو کر علمی استفادہ کرتے رہے ہیں۔ ڈھاکہ سے ترک تعلق کے بعد جب آپ مغربی پاکستان تشریف لے آئے تو جامعہ قرآنیہ کی سرپرستی بدستور فرماتے رہے اور ہر سال رمضان المبارک کی تعطیلات وہیں جا کر گزارتے تھے اور شوال کے مہینہ میں بخاری شریف کے اسباق شروع کرانے کے بعد واپس تشریف لاتے تھے اور شعبان کے مہینہ میں آپ ہی کے اختتامی درس سے ختم بخاری شریف کا ہوا کرتا تھا۔ جامعہ قرآنیہ کے بیشتر مدرسین آپ کے مرید و شاگرد ہیں۔ اس کے علاوہ ۱۹۴۸ء سے ۱۹۵۴ء تک آپ مدرسہ عالیہ ڈھاکہ کے بھی صدر مدرس رہے۔ یہاں مدرسہ کی تعلیمی نگرانی اور اساتذہ میں تقسیم اسباق کے علاوہ بخاری شریف، الاشباہ والنظائر، اصول بزدوی کے اسباق بھی آپ کے سپرد رہے۔ علاوہ ازیں ڈھاکہ یونیورسٹی سے تعلق کے زمانہ میں یونیورسٹی کی تعطیلات گرما میں جامعہ اسلامیہ ڈابھیل ضلع سورت میں بھی آپ نے درسِ حدیث کی خدمات انجام دی ہیں اور مسلم شریف وترمذی شریف کے اسباق بھی پڑھائے ہیں۔

۱۹۵۴ء میں مسلم لیگ، عوامی لیگ اور دوسری پارٹیوں سے مقابلہ ہوا جس میں

مسلم لیگ ناکام رہی۔ جس کی وجہ سے آپ مشرقی پاکستان میں قیام سے دل برداشتہ ہو گئے اور مغربی پاکستان میں مستقل قیام کا ارادہ کر لیا۔ مدرسہ عالیہ سے سبکدوش ہونے کے بعد آپ نے حج کا قصد کیا۔ اور سفر حج سے واپسی کے بعد ڈھاکہ تشریف لائے ہی تھے کہ حضرت مولانا احتشام الحق تھانوی دارالعلوم الاسلامیہ ٹنڈوالہ یار میں شیخ الحدیث کے عہدہ پر بلانے کے لئے ڈھاکہ پہنچ گئے اور آپ نے وہاں آنا منظور فرمالیا۔

اکتوبر ۱۹۵۴ء کے آخر میں آپ دارالعلوم الاسلامیہ ٹنڈوالہ یار کے عہدہ شیخ الحدیث پر فائز ہو کر مسلسل بیس سال تک قرآن وحدیث کی خدمت اور تعلیم و تدریس میں مشغول رہے اور اپنی قوت و طاقت سے بڑھ کر زندگی کے آخری لمحات تک علوم قرآن وحدیث کی تعلیم اور نشرو اشاعت میں مصروف رہے۔ بہر حال آپ کی علمی و تدریسی خدمات کی تفصیل کی یہاں گنجائش نہیں ہے۔

آپ کا فیض پورے برصغیر پاک وہند بنگلہ دیش سے نکل کر حرمین شریفین اور یوگنڈا تک پھیلا ہوا ہے۔ پھر یہ سلسلہ واسطہ در واسطہ ہو کر بہت سے دوسرے اسلامی ممالک میں بھی دور دراز تک پھیلا ہوا نظر آئے گا اس لئے آپ سے فیض علمی حاصل کرنے والوں کی صحیح تعداد اور آپ کے نمائندہ کا قطعی انداز میں شمار کرنا از بس دشوار ہے۔ چند مشہور تلامذہ کے اسمائے گرامی سے ہی اندازہ لگائیے کہ جن کی علمی شخصیت اور تبحر علمی بجائے خود مسلم ہے اور جو بجا طور پر اپنے دور کے بلند پایہ استادانِ حدیث اور اکابر علماء میں شمار ہوتے ہیں ان سب کو حضرت مولانا عثمانی قدس سرہ، سے نسبت تلمذ و شرفِ استفاضۂ علوم حاصل ہے:۔

☆ شیخ الحدیث والتفسیر حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ

☆ حضرت مولانا سید بدر عالم میرٹھیؒ

☆ شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا کاندھلویؒ

☆ حضرت مولانا عبدالرحمٰن کاملپوریؒ

☆ حضرت مولانا اسعد اللہ سہارنپوریؒ

☆ حضرت مولانا احتشام الحق تھانویؒ

☆ حضرت مولانا عبدالرحمٰن کاندھلویؒ

☆ حضرت مولانا عمر احمد سورتی۔ اور

☆ حضرت مولانا عبدالرزاق افریقی وغیرہ مشاہیر علماء آپ کے تلامذہ میں شمار ہوتے ہیں۔
(تفصیل کے لئے علمی خدمات ''تذکرۃ الظفر ''میں ملاحظہ فرمایئے)

تصنیفات و تالیفات

مولانا عثمانی مرحوم کا نام اپنے زمانے میں بر صغیر کے ان مشاہیر اہل علم و عمل کے سلسلہ میں سر فہرست آتا تھا۔ بلکہ آپ ان کے صدر نشین تھے جن کے تبحر علمی، تقدس و بزرگی اور دینی علوم میں کمال جامعیت و بصیرت اور تفقہ کو علمی حلقوں میں بطور سند پیش کیا جاتا تھا۔ آپ نے حضرت حکیم الامت تھانوی کی زیر نگرانی خانقاہ تھانہ بھون میں عرصہ دراز تک درس و تدریس اور فتویٰ نویسی کی گراں قدر خدمات انجام دیں اور اسی زمانے میں آپ کی نوکِ قلم سے ایسی بلند پایہ تالیفات و تصنیفات عالم ظہور میں آئیں جن پر عالمِ اسلام کے مشاہیر علماء کرام نے آپ کو شاندار الفاظ میں خراجِ تحسین پیش کیا۔ بڑے بڑے محدث اور جلیل القدر مفسر آپ کے شاگردانِ کرام کی صف میں نظر آئے اور بہت سے جدید علوم کے ماہرین نے آپ کی ذات بابر کات سے علمی استفادہ کیا، درس و تدریس اور تبلیغ و اصلاح کی خدمت کے علاوہ مختلف موضوعات پر ایک سو کے قریب چھوٹی بڑی کتب منظر عام پر آئیں جن کا مختصراً ذکر کیا جاتا ہے۔

علم تفسیر

تھانہ بھون کے زمانۂ قیام میں حضرت مولانا عثمانی مرحوم نے علم تفسیر اور علم حدیث کی بڑی گراں قدر خدمات انجام دی ہیں اور بہت بڑی مایہ ناز کتابیں فنِ تفسیر اور حدیث میں

آپ نے یہاں کے قیام میں تالیف اور تصنیف فرمائی ہیں۔ یہاں کے زمانۂ قیام میں آپ نے ایک سال کی محنت میں تفسیر بیان القرآن کا خلاصہ "تلخیص البیان" کے نام سے کیا تھا اور اس خلاصہ کو حضرت تھانوی قدس سرہ نے بہت پسند فرمایا تھا۔

فقہ اسلامی حنفی کن کن آیات سے ماخوذ ہے اور علمائے احناف نے کون کون سی آیات سے کون کون سے مسائل فقہیہ کا استنباط کیا ہے۔ "احکام القرآن" میں ان کو جمع کر دیا گیا ہے۔ اس طرح سے قرآن کریم سے فقہ حنفی کے دلائل کا ایک بہت عمدہ اور مستند مجموعہ عربی زبان میں شائع ہو گیا ہے۔ علم تفسیر میں آپ کا یہ بہت بڑا کارنامہ ہے۔ "القول المیسور فی تسہیل ثبات الستور" حضرت تھانوی کے رسالہ ثبات الستور کی یہ تسہیل ہے آپ نے ایسی خوبی کے ساتھ یہ تسہیل فرمائی ہے کہ اصل رسالہ بہت ہی سہل اور آسان ہو گیا ہے۔

علم حدیث

مولانا عثمانی کا علم حدیث میں سب سے بڑا علمی شاہکار "اعلاء السنن" ہے جو اس صدی کا ہی نہیں بلکہ شاید علم حدیث کا بہت بڑا کارنامہ اعلاء السنن اور اس کے مقدمہ کی تصنیف ہے جو کہ بیس ضخیم جلدوں میں بڑے سائز کے چھ ہزار صفحات پر مشتمل ہے۔ "احکام القرآن اور اعلاء السنن" دونوں ایسی عجیب وغریب کتابیں ہیں جن کی مثال سے علمی دنیا تقریباً ایک ہزار سال سے خالی تھی۔

حضرت حکیم الامت تھانوی قدس سرہ کی سرپرستی میں مولانا عثمانی مرحوم کے قلم گوہر رقم سے یہ نایاب موتیوں کا مخفی علمی خزانہ دنیا کو دستیاب ہوا۔ "اعلاء السنن" کے بارے میں یہاں صرف حضرت مولانا محمد یوسف بنوریؒ کا تاثر ہی ناظرین کے لئے اس کتاب اور اس کے مصنف کے مقام و مرتبہ کو پہچاننے کے لئے کافی ہے۔ مولانا بنوریؒ فرماتے ہیں :

"مولانا عثمانی بے شمار چھوٹی بڑی کتابوں کے مصنف تھے۔ اگر اُن کی تصانیف میں

اعلاءالسنن کے علاوہ اور کوئی تصنیف نہ ہوتی تو تنہا یہ کتاب ہی علمی کمالات حدیث و فقہ و رجال کی قابلیت و مہارت اور بحث و تحقیق کے ذوق محنت و عرق ریزی کے سلیقہ کے لئے برہانِ قاطع ہے۔ اعلاءالسنن کے ذریعے حدیث و فقہ اور خصوصاً مذہب حنفی کی وہ قابلِ قدر خدمت کی ہے جس کی نظیر مشکل سے ملے گی یہ کتاب ان کی تصانیف کا شاہکار اور فنی تحقیق ذوق کا معیار ہے۔ مولانا موصوف نے یہ وہ قابل قدر کارنامہ انجام دیا ہے جس پر جتنا رشک کیا جائے کم ہے۔ اس کتاب کے ذریعے جہاں علم پر احسان کیا ہے وہاں حنفی مذہب پر بھی احسان عظیم کیا ہے۔ علماء حنفیہ قیامت تک ان کے مرہون منت رہیں گے۔"

علم فقہ

آپ کو علم حدیث کی طرح علم فقہ میں بھی بہت مہارت اور بڑی دستگاہ حاصل تھی۔ اور اس فن میں کمال اور رسوخ کے حصول میں حضرت اقدس مولانا خلیل احمد سہارنپوریؒ کے فیض صحبت کا بڑا دخل تھا۔ تھانہ بھون کے زمانہء قیام میں تالیف و تصنیف اور درس و تدریس کے ساتھ فتاویٰ کے لکھنے کا کام بھی آپ کے سپرد تھا۔ آپ خانقاہ تھانہ بھون کے مفتی بھی تھے۔ آپ کے فتاویٰ کا ایک مجموعہ "امداد الاحکام" کے نام سے حضرت مفتی محمد شفیع صاحب کی نگرانی میں مکتبہ دارالعلوم کراچی سے شائع ہوا ہے جو علم فقہ کا مخفی خزانہ ہے۔ اس کے علاوہ علم فقہ پر متعدد کتب شائع ہوئیں جن میں "القول الماضی فی نصب القاضی" "کشف الدجی عن وجہ الربوا" جبریہ تعلیم کے خلاف فتویٰ وغیرہ۔

علم تصوف

اس علم کی بھی مولانا مرحوم نے بڑی خدمت انجام دی ہے بہت سے متعلقین و متوسلین کی اصلاح و تربیت کر کے ان میں ذوق معرفت پیدا کرنے کے ساتھ بطورِ فن کے بھی اس

علم کی مشکلات اور تحقیقات کا بہت بڑا ذخیرہ آپ کے قلم سے ظہور پذیر ہوا ہے۔ اس سلسلہ میں "اسباب المحمودیہ" روحِ تصوف مع عطر تصوف "مرام الخاص" "الدر المنضود" "رحمۃ القدوس" "انکشاف الحقیقت" "القول المنصور فی ابن المنصور" "حقیقت معرفت" "الظفر الجلی باشرف العلی" وظائف وافادات وغیرہ۔

ان کے علاوہ مختلف موضوعات پر بہت سی کتب ورسائل تصنیف فرمائیں جن میں "تحذیر المسلمین عن موالاۃ المشرکین" "تردید پرویزیت" "رد منکرین حدیث" "تردید غیر مقلدیت" "براءۃ عثمانؓ" "کف اللسان" "عن معاویہ ابن ابی سفیان" "فضائل قرآن" "فضائل جہاد" "فضائل سید المرسلین" "ولادت محمدیہ کاراز" "جوائج بشریہ اور تعلیم نبوت" "سفر نامہ حجاز" "انجاء الوطن" "علمائے ہند کی خدمتِ حدیث" "حیاتِ اشرف" "انوار النظر فی آثار الظفر" "مسلمانوں کے زوال کے اسباب" "دینی مدارس کے انحطاط کے اسباب" اور "ذلتِ یہود اور عربوں کی حالیہ شکست" وغیرہ قابل ذکر ہیں۔

مولانا عثمانی کی سیاسی خدمات

شیخ الاسلام حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ کا سیاسی مسلک بالکل وہی تھا جو آپ کے ماموں حضرت حکیم الامت تھانویؒ کا تھا۔ حضرت مولانا عثمانی مرحوم تحریکِ خلافت کے طریق کار اور کانگریس کی متحدہ قومیت کے ساتھ اختلاف کرنے میں نہ صرف یہ کہ حضرت حکیم الامت تھانویؒ کے ساتھ تھے بلکہ حکیم الامت کے دست راست اور عملی و تحریری خدمات میں پیش پیش اور شریک کار ہو کر حضرت تھانوی کے مسلک کی توضیح اور اشاعت میں بڑھ چڑھ کر مولانا عثمانی مرحوم حصہ لے رہے تھے۔ اس لئے لوگوں کی طرف سے جوش انتقام میں بے سوچے سمجھے جو کچھ اذیتیں اور تکلیفیں حضرت تھانویؒ کو پہنچائی گئیں ان سب میں مولانا عثمانی بھی حضرت حکیم الامت تھانویؒ کے ساتھ برابر کے شریک اور حصہ دار بنے رہے۔

اسی زمانے میں مولانا مفتی کفایت اللہ دہلوی مرحوم حضرت حکیم الامت تھانویؒ سے مسائل حاضرہ میں گفتگو کرنے کے لئے تشریف لائے۔ اس گفتگو سے فارغ ہو کر مفتی صاحب نے مولانا ظفر احمد عثمانیؒ سے پوچھا کہ حضرت تھانویؒ جو ہندوؤں کے ساتھ مل کر کام کرنے سے کراہت کرتے ہیں تو اس کی کیا وجہ ہے؟ حالانکہ کہ احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ بعض دفعہ حضور ﷺ نے یہود کو اپنے ساتھ جہاد میں لیا ہے۔

مولانا عثمانی مرحوم نے جواب میں کہا کہ کفار و مشرکین کو جہاد میں اس وقت لے سکتے ہیں کہ جھنڈا مسلمانوں کا رہے اور کفار ہمارے حکم کے تحت میں ہوں۔ اس وقت حالت برعکس ہے کانگریس میں ہندوؤں کا غلبہ ہے۔ اور ان ہی کا حکم غالب ہے۔"

غرضیکہ حضرت عثمانی مرحوم ایک رفیق کار ہونے کی حیثیت سے حضرت حکیم الامت تھانویؒ کے سیاسی مسلک کی تائید میں تحریری اور تقریری خدمات بجا لاتے رہے۔ تحذیر المسلمین اور الخیر الفامی وغیرہ رسائل مولانا عثمانی کے اسی زمانے کے ہیں۔ جن میں مولانا نے خلافت کمیٹی کے بعض لیڈروں کے محرمات اور کفریات پر متنبہ فرمایا ہے اور جس مسلک کو حق سمجھا اس کے برملا اظہار میں ہرگز دریغ نہیں کیا اور نہ کسی اپنے پرائے کی رعایت مد نظر رکھی بلکہ ہر طرح کے طعن و تشنیع برداشت کر کے کلمۂ حق کا اعلان کرتے رہے۔ حضرت حکیم الامت تھانوی کی وصیت میں مولانا عثمانی مرحوم ہمیشہ سے مسلمانوں کی علیحدہ تنظیم کے حامی رہے اور کسی دور میں بھی مسلمانوں کے لئے کانگریس کی شرکت سے متفق نہیں رہے اس لئے جب تک مسلم لیگ نے کانگریس کا ساتھ دیا اور دونوں جماعتیں آپس میں متحد رہیں اس وقت تک ان حضرات نے مسلم لیگ کا بھی ساتھ نہیں دیا پھر جب یہ صورت حال سامنے آئی کہ مسلم لیگ نے کانگریس سے اب علیحدگی اختیار کر لی ہے تو اس وقت ان حضرات نے مسلم لیگ کا ساتھ دیا۔

جھانسی کا الیکشن اور حضرت تھانوی کا فتویٰ

مسلم لیگ نے کانگریس سے علیحدگی اختیار کرنے کے بعد پہلا الیکشن جھانسی میں لڑا تھا۔ جھانسی کے مسلمانوں نے حضرت حکیم الامت تھانویؒ سے بذریعہ تار دریافت کیا کہ مسلم لیگ اور کانگریس میں سے کس کو ووٹ دیا جائے؟

ابھی تک حضرت حکیم الامت کا ذہن مسلم لیگ کی حمایت کے بارے میں واضح نہیں تھا بلکہ بجا طور پر یہ خدشہ محسوس کرتے تھے کہ یہ لوگ مصطفیٰ کمال پاشا کی طرح دین کو مسخ نہ کر دیں اس لئے اس تار کا جواب دینے کے لئے آپ نے اپنے مشیران خاص سے مشورہ کیا تو حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی نے یہ مشورہ دیا کہ :۔

"آپ کانگریس کی حمایت کے تو خلاف ہیں ہی، صرف تامل مسلم لیگ کی حمایت کرنے میں ہے اس لئے آپ یہ جواب دیں کہ کانگریس کو ووٹ نہ دیا جائے"

یہ جواب حضرت حکیم الامت نے پسند فرمایا اور اس مضمون کا تار روانہ کر دیا گیا جس کے نتیجہ میں مسلم لیگ کامیاب ہو گئی۔ الیکشن میں مسلم لیگ کی کامیابی کی خوشخبری سنانے کے لئے مولانا شوکت علی مرحوم اور ان کے چند رفقاء تھانہ بھون آئے انھوں نے بتایا کہ ہم نے حضرت تھانویؒ کے جوابی تار کو حضرت حکیم الامت تھانوی کے فتویٰ کی صورت میں بڑی تعداد میں چھپوا کر تقسیم کرایا اور جگہ جگہ چسپاں کیا۔ اس کا اثر یہ ہوا کہ جو لوگ کانگریس کو ووٹ دینے کے لئے آئے تھے وہ بھی اس فتویٰ کو دیکھ کر مسلم لیگ کو ووٹ دیتے تھے۔ مولانا شوکت علی مرحوم نے تھانہ بھون میں جلسہ بھی کیا تھا جس میں حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی مرحوم نے حضرت حکیم الامت تھانویؒ کی طرف سے تقریر کی تھی اور فرمایا تھا کہ :۔

مسلم لیگ اور کانگریس کی آویزش کے دوران حضرت تھانویؒ کی خدمت میں سوالات آتے رہتے تھے۔ حضرت تھانویؒ نے مسلم لیگ کے حق میں فتویٰ دینے سے پہلے حالات اور واقعات کی مکمل تحقیق کی۔ اور کانگریس کی حامی جمعیت علماء ہند اور مسلم لیگ سے کچھ ضروری

سوالات بھی کیئے تھے یہ سوالات حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی نے ہی حضرت حکیم الامت تھانویؒ کے حکم سے لکھے تھے۔ جب مکمل تحقیق کر لی گئی تو حضرت تھانوی قدس سرہ نے مسلم لیگ کی حمایت وشرکت کی رائے دی اور آپ کا فتوی بنام "تنظیم المسلمین" شائع ہوا۔ یہ فتویٰ ۹ ذی الحجہ ۱۳۵۶ھ بمطابق ۱۰ فروری ۱۹۳۸ھ کا تحریر شدہ ہے اس کے ساتھ ہی مسلم لیگ کی دینی حالت کے درست کرنے کے لئے حضرت تھانویؒ کی طرف سے مختلف اوقات میں متعدد وفود زعماء مسلم لیگ کے پاس بھیجے گئے۔

قائداعظم سے ملاقاتیں

مسلم لیگ کی باقاعدہ حمایت کے بعد حضرت تھانویؒ نے مسلم لیگ کے زعماء اور خصوصاً قائداعظم کی دینی تربیت کے لئے اپنے متعلقین ومتوسلین علماء کرام کو مختلف مقامات پر تبلیغ کے لئے بھیجا۔ سب سے پہلے مسلم لیگ کے سالانہ اجلاس پٹنہ منعقدہ ۲۶ دسمبر ۱۹۳۸ء کو حضرت حکیم الامت نے ایک تبلیغی وفد بھیجا اس وفد نے قائداعظم کو نماز کی تبلیغ کی اور اس اجلاس میں حضرت حکیم الامت تھانویؒ نے جو تاریخی بیان بھیجا اس کو عام اجلاس میں پڑھ کر سنانے کی خدمت حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی نے ہی انجام دی تھی۔ اجلاس پٹنہ سے ایک دن پہلے اس وفد نے قائداعظم سے ملاقات کی۔ مولانا ظفر احمد عثمانیؒ نے قائداعظم سے فرمایا کہ مسلمان ایک مذہبی قوم ہے۔ جب تک سیاست کو مذہب کے ساتھ نہ ملایا جائے گا کامیابی نہ ہو گی۔ آپ بھی مسلم لیگ میں مذہب کو شامل کر لیں۔

قائداعظم نے پہلے تو اپنا یہ خیال ظاہر کیا کہ سیاست کو مذہب سے علیحدہ رکھا جائے مگر جب اس پر مولانا نے فرمایا کہ یہ تو یورپ کی سیاست ہے۔ اسلامی سیاست یہ ہے کہ خلیفہ اسلام قائد حرب بھی تھا اور نماز کا امام بھی تھا جب تک مسلمان رہے یہی صورت رہی جب سے سیاست نے مذہب کو چھوڑا ہے۔ مسلمانوں کا تنزل شروع ہو گیا مصطفیٰ کمال نے مذہب کو چھوڑا تو اس کی سلطنت

مختصر ہو کر رہ گئی جب تک مذہبی شان تھی خلیفہ اسلام کی بڑی سلطنت تھی اور رعب تھا۔ امان اللہ خان نے بھی مذہب چھوڑا تو قوم نے علیحدہ کر دیا۔

قائداعظم پر اس کا یہ اثر ہوا کہ اگلے دن کھلے اجلاس میں اعلان کر دیا کہ :۔

"اسلام عقائد و عبادات، معاملات، اخلاق اور سیاست کا مجموعہ ہے۔ قرآن نے سب کو ساتھ ساتھ بیان کیا ہے اس لئے سیاست کے ساتھ مذہب کو بھی لینا چاہیے۔"

قائداعظم کی اس تقریر کو اخبار الامان میں اس سرخی کے ساتھ شائع کیا تھا "مولانا حکیم الامت کی روحانیت کی تاثیر اور قائداعظم کی تقریر۔"

اسی ملاقات میں تھانہ بھون کے وفد نے مسلم لیگ کے ذمہ دار ارکان کو نماز پڑھنے کی تبلیغ بھی کی تھی اور ان سے درخواست کی تھی کہ وہ نماز پڑھا کریں۔ اس کا اثر یہ ہوا کہ مسلم لیگ کا اجلاس ۲ بجے یہ کہہ کر ملتوی کر دیا گیا کہ سب نماز پڑھیں قاضی شہر امام بنے اور قائداعظم سمیت تمام لوگوں نے جن کی تعداد ایک لاکھ سے بھی زیادہ تھی ان کے پیچھے نماز ادا کی۔

حکومت برطانیہ نے ایک بل آرمی بل کے نام سے پاس کیا تھا۔ کانگریس نے بظاہر اس کی مخالفت کی تھی لیکن اس کے برعکس مسلم لیگ نے اس کی حمایت کی تھا اور بظاہر مسلم لیگ کی یہ حمایت مسلمانوں کے مفاد میں نہیں تھی۔ اس کی تحقیق کے لئے بھی حضرت تھانویؒ نے جو وفد قائداعظم کے پاس بھیجا تھا۔ مولانا ظفر احمد عثانی مرحوم بھی اس میں شریک تھے۔ مولانا عثانی کے دریافت فرمانے پر قائداعظم نے کہا کہ اس کی مخالفت تو کانگریس نے بھی نہیں کی بلکہ وہ یہ مطالبہ کر رہی ہے کہ فوج میں تناسب آبادی کی رعایت رکھی جائے۔ اس وقت فوج میں ساٹھ فیصد سے زیادہ مسلمان ہیں۔ ہندو چالیس فیصد سے بھی کم ہیں۔ کانگریس کا مطالبہ ہے کہ مسلمانوں کو فوج میں ۲۵ فیصد رکھا جائے تو ہم آرمی بل مان سکتے ہیں۔ قائداعظم نے کہا کہ انقلاب آنے والا ہے اس لئے ضرورت ہے کہ فوج میں مسلمانوں کی ہی اکثریت قائم رہے۔ اس لئے میں نے آرمی بل کی حمایت کی تھی مگر اس شرط پر مسلمان فوج کو مسلمانوں کے مقابلہ میں نہ بھیجا جائے اور جو مسلمانوں کا تناسب تھا

اس کو بر قرار رکھنے کا حکومت نے وعدہ کیا تھا۔

تحریک پاکستان میں عظیم کارنامے

تحریک پاکستان کے سلسلہ میں جب علماء کرام کے کردار پر بحث کی جائے گی اور پاکستان بنانے میں علماء کی عملی جدوجہد کا ذکر آئے گا تو قائداعظم محمد علی جناح اور ان کے سیاسی رفقاء کے ساتھ ساتھ جن علماء کرام کا نام لیا جائے گا ان میں دیوبندی حلقہ کے سرخیل حضرت حکیم الامت تھانویؒ کے متوسلین کا نام سرفہرست ہوگا۔ حضرت تھانویؒ تحریک پاکستان کو شاہراہ کامیابی پر گامزن رکھتے ہوئے ۱۹۴۳ء میں عالم آخرت کو تشریف لے گئے مگر حضرت تھانوی کی جماعت اور ان کے متوسلین مطالبہ پاکستان کی حمایت کرتے رہے خصوصیت سے حضرت مولانا ظفر احمد عثمانیؒ نے حضرت حکیم الامت تھانویؒ کے اس مشن کو کامیابی سے ہمکنار کرنے کے لئے جس کا ذکر مولانا عبدالماجد دریا آبادیؒ سے حضرت تھانوی نے ۱۹۲۸ء میں فرمایا تھا۔ جیسا کہ اسی کتاب میں پہلے گزر چکا ہے۔ تحریکِ پاکستان میں بیش بہا کام کیا اور مولانا عثمانی مرحوم نے ہندوستان کے چپہ چپہ اور گوشہ گوشہ میں اپنی تقاریر اور عملی جدوجہد کے ذریعے تحریکِ پاکستان کو مقبول عام بنانے میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ یہ درست ہے کہ اس وقت جمعیت علماء ہند کانگریس کا ساتھ دے رہی تھی مگر ان علماء دیوبند کی خدمات کو نظر انداز کر دینا اور یہی پروپیگنڈہ کرتے رہنا کہ علماء کی سرگرمیاں پاکستان کے سراسر خلاف تھیں اور ان کو تحریکِ پاکستان کے ساتھ کوئی تعلق ہی نہ تھا۔ یہ بات کس قدر حقیقت کے خلاف ہے کہ جنھوں نے نہ صرف پاکستان کی حمایت میں فتوے جاری کیئے بلکہ خود بہ نفسِ نفیس حصہ لیا حقیقت حال یہ ہے کہ حضرت مولانا ظفر احمد عثمانیؒ کا شمار بھی قوم کے انھی محسنوں میں ہوتا ہے جنھوں نے نہ پر صرف یہ کہ پاکستان کی زبانی تائید کی تھی بلکہ عملی طور پر بھی اسی کے لئے کارہائے نمایاں انجام دیئے تھے۔

جب پاکستان کے نام پر لڑے جانے والے الیکشن قریب آگئے اور مخالفین کی طرف

سے اس قسم کا پروپیگنڈہ زوروں پر تھا کہ مسلم لیگ بے دین امراء کی نمائندہ ہے اسے جماعت علماء کی تائید حاصل نہیں ہے ایسے حالات میں اگر مسلم لیگ کو مقتدر علماء کی باثر جماعت کی حمایت و تائید حاصل نہ ہوتی تو الیکشن کا جیتنا آسان کام نہ تھا۔ اسی نزاکت حال کا احساس کرتے ہوئے مولانا ظفر احمد عثمانیؒ اور مولانا محمد شفیع صاحب وغیرہ دیگر مقتدر علماء کرام نے یہ تجویز کیا کہ مطالبہ پاکستان کے لئے علماء کو اپنا مستقل مرکز قائم کرنا چاہیے۔ چنانچہ اکتوبر ۱۹۴۵ء کو محمد علی المبارک کلکتہ میں زیر صدارت مولانا ظفر احمد عثمانی مرحوم آل انڈیا جمعیت علماء کانفرنس کے ۲۶، ۲۷ اور ۲۸ اکتوبر کی تاریخوں میں چار روز تک مسلسل اجلاس ہوتے رہے پانچ سو سے زائد علماء اور مشائخ نے اس میں شرکت کی۔ عام تاثر یہ تھا کہ خلافت کانفرنس کلکتہ کے بعد ایسی کانفرنس منعقد نہیں ہوئی۔ اس کانفرنس میں جمعیت علماء اسلام کی بنیاد رکھی گئی اور مولانا ظفر احمد عثمانی کی زیر صدارت مختلف قراردادیں پاس ہوئیں اور ایک قرارداد میں متفقہ طور پر مسلم لیگ کی حمایت کے اعلان کے ساتھ ساتھ ووٹروں سے اپیل کی گئی کہ مسلم لیگ کے سوا کسی دوسری جماعت کے نمائندہ کو ووٹ نہ دیا جائے۔

کلکتہ کے اس اجلاس میں مولانا ظفر احمد عثمانی کی تحریک پر شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانیؒ کو جمعیت علماء اسلام کا صدر منتخب کیا گیا اور مولانا ظفر احمد عثمانیؒ کو نائب صدر مقرر کیا گیا۔ لیکن علامہ شبیر احمد عثمانی کافی عرصہ سے علیل ہونے کی وجہ سے سیاسیات سے عملی طور پر علیحدگی اختیار کیئے ہوئے تھے اور جمعیت علماء ہند کے طریقِ کار سے اگرچہ عرصہ سے ان کو اختلاف چلا آرہا تھا مگر عملی طور پر اس سے بھی اختلاف کا اظہار ابھی تک نہیں کیا تھا جب اس صدارت کی قرارداد کو لے کر مولانا ظفر احمد عثمانی دیوبند پہنچے تو علامہ شبیر احمد عثمانی آبدیدہ ہو گئے اور فرمایا کہ :۔

"بھائی میں تو سولہ مہینے سے صاحبِ فراش ہوں، مجھ میں سفر کی ہمت کہاں؟ اس کے لئے تو صدر کو جابجا جلسے کرنا اور تقریریں کرنا ہوں گی۔"

مولانا ظفر احمد صاحب نے علامہ عثمانی کی معذرت کے جواب میں کہا کہ آپ صدارت قبول فرمالیں۔ کام کی ذمہ داری میں اپنے ذمہ لیتا ہوں۔

علامہ عثمانی نے خوش ہو کر جمعیت علماء اسلام کی صدارت قبول فرمالی۔ غرضیکہ مولانا ظفر احمد عثمانی نے ہی انھیں اس علالت کے باوجود صدارت کے قبول کرنے پر مجبور کیا۔ اور بالآخر اس شرط پر سیاسیات میں حصہ لینے پر آمادہ ہوگئے کہ اگر علالت کی وجہ سے کام نہ کر سکے تو مولانا ظفر احمد عثمانیؒ ان کی نیابت کرتے رہیں گے جسے منظور کر لیا گیا۔

یہ زمانہ تحریک پاکستان کا نازک ترین دور تھا۔ اور اس زمانہ میں مجلس احرار نیشنلسٹ مسلمان اور جماعتِ اسلامی جمعیت علماء ہند اور خدائی خدمت گار سب مسلم جماعتیں اپنی اپنی اغراض اور مصالح کی بناء پر پاکستان کے خلاف متحد تھیں اور بالواسطہ یا بلاواسطہ کانگریس کی تائید کر رہی تھیں۔

مولانا عثمانی کے طوفانی دورے

۱۹۴۵ء کے تاریخی الیکشن کے موقع پر جبکہ برصغیر کے بارے میں یہ فیصلہ کرنا تھا کہ کانگریس کے مطالبہ کے مطابق ہے یا مسلم لیگ کے موافق ہند اور پاکستان میں تقسیم ہو جائے۔ جماعتِ اسلامی اور جمعیت علماء ہند نے مسلم لیگ کی ڈٹ کر مخالفت کی اور مسلمانوں کو مسلم لیگ کی حمایت کی بجائے کانگریس میں شرکت کرنے کا مشورہ دیا۔ حضرت مولانا ظفر احمد عثمانیؒ نے اولین فرصت میں کانگریس اور اس کی حامی جماعتوں کی تردید میں ایک زوردار بیان جاری کیا اور فرمایا کہ :۔

"مسلمانوں کا مشرکین کے ساتھ جہادِ آزادی میں اشتراک عمل اس شرط سے جائز ہے کہ حکم اہل شرک غالب نہ ہو مسلمان مشرکین کے جھنڈے تلے جمع نہ ہوں بلکہ مشرکین اسلامی جھنڈے کے نیچے ہوں چنانچہ شرح سیر کبیر ص ۲۴۱ جلد ۳ میں یہ مسئلہ مذکور ہے۔ اب فیصلہ اہلِ انصاف کے ہاتھ میں ہے کہ کانگریس میں اس وقت حکم شرک غالب ہے یا حکم اسلام؟ رہا مطالبہ پاکستان، سو جب تمام ہندوستان کو اسلامی سلطنت بنانا حالتِ موجودہ کسی طرح ممکن نہیں تو کم از کم ان صوبوں کو جہاں مسلم اکثریت ہے اسلامی سلطنت بنا لینا کہ

وہاں اسلامی سلطنت اسلامی اصولوں پر قائم کی جاسکے لازم اور ضروری ہے۔"
(حیات محمد علی جناح صفحہ ۴۵۳ از تعمیر پاکستان)

علاوہ ازیں علامہ شبیر احمد عثمانی ؒ، مولانا ظفر احمد عثمانی ؒ اور مولانا مفتی محمد شفیع صاحب وغیرہ علماء کرام جن کا مذاق ہی شروع سے الیکشنوں کے طوفان سے یکسوئی تھا ملک کے طول و عرض میں مسلم لیگ کی امداد اور پاکستان کی حمایت حاصل کرنے کے لئے پھیل گئے۔ کیونکہ یہ الیکشن ایک صحیح مقصد یعنی اسلامی سلطنت کے قیام کے لئے لڑا جارہا تھا جس کا قیام ہندوستان کے ایک حصہ میں مسلم لیگ کی حمایت و کامیابی پر موقوف تھا۔ حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی ؒ نے اس پاکستان الیکشن کے سلسلہ میں تقریباً چار ماہ تک پورے ہندوستان کا ایک ایسا طوفانی دورہ کیا جس کی لپیٹ میں یوپی، بہار، بنگال، پنجاب، سندھ اور سرحد سبھی آگئے۔ جلسوں کی کثرت کا یہ عالم تھا کہ ہر روز جلسہ ہوتا تھا بلکہ ایک دن میں کئی کئی جلسے ہوتے تھے۔ صبح کو کسی جگہ اور شام کو کسی جگہ اور عشاء کے بعد تیسری جگہ۔ یہاں تک کہ مولانا عثمانی ؒ کا کوئی ساتھی ان کے ساتھ نہ چل سکا۔ مسلسل سفر کی صعوبت اور شب بیداری کی وجہ سے مولانا کے ساتھی اکثر بیمار ہوجاتے اور مولانا مرحوم کو بعض مقامات پر تنہا جانا پڑتا۔ مگر بفضلہ تعالیٰ مولانا مرحوم کے بڑھاپے میں بھی ان کی صحت ان کا برابر ساتھ دیتی رہی۔ یہ جہاں بھی پہنچتے ان کی بے غرضانہ اور مخلصانہ آواز پر عوام لبیک کہتے اور دیکھتے ہی دیکھتے ہوا کا رخ بدل جاتا۔ چار ماہ کی مسلسل تگ ودو کا یہ نتیجہ نکلا کہ عامۃ المسلمین کانگرس کی متحدہ قومیت کا مورچہ فتح کرنے کے لئے مردانہ وار مسلم لیگ کے جھنڈے کے نیچے جمع ہوکر میدانِ عمل میں نکل آئے اس دورے میں مولانا عثمانی اعظم گڑھ بھی تشریف لے گئے تھے اور جامع مسجد کے اندر ایک عظیم الشان جلسہ میں مولانا نے بڑی ولولہ انگیز تقریر کی۔ تقریر کے بعد جامع مسجد سے ایک جلوس نکالا گیا یہ اتنا مرعوب کن جلوس تھا کہ جونہی یہ شہر کی روڈ پر پہنچا تو ہندوؤں کی ساری دکانیں بند ہوگئیں۔ جس کی یاد وہاں کے لوگوں میں اب تک باقی ہے۔ (رسالہ دارالعلوم دیوبند)

ایسے ہی بیانات اور طوفانی دوروں سے ہوا کا رخ بدل گیا جو لوگ ابھی تک مسلم لیگ کی حمایت کے لئے کھڑے نہیں ہوئے تھے وہ بھی اس میں شامل ہوکر اس کے ممد و معاون بن گئے۔

جس کا خود قائداعظم کے ایک روحانی رفیق نے اپنے مکتوب مورخہ ۲۶ جنوری ۱۹۴۶ء میں یوں اعتراف کیا کہ :۔

"کل سے یہاں (لاہور میں) جمعیت علماء اسلام کی کانفرنس ہو رہی ہے۔ حضرت مولانا علامہ شبیر احمد عثمانیؒ، حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی تھانوی، حضرت مولانا قاری محمد طاہر صاحب دیوبندی، حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب مفتی اعظم دارالعلوم دیوبند اور بیسیوں حضرات علماء کرام تشریف لائے ہوئے ہیں اور مسلم لیگ کی بڑی شدومد سے حمایت کر رہے ہیں۔ ان بزرگوں کی آمد سے ہوا کا رخ بدل گیا ہے۔"

(مشاہدات وارادات صفحہ ۱۰،۹)

۲۷ نومبر ۱۹۴۵ء کے انتخابات ہندوستانی مسلمانوں کے لئے ایک فیصلہ کن حیثیت رکھتے تھے۔ ضلع مظفر نگر اور ضلع سہانپور سے ضمنی انتخاب کے لئے کانگریس نے اپنا امیدوار محمد احمد کاظمی منتخب کیا تھا۔ کاظمی صاحب بعض نمایاں خدمات مثلاً کاظمی ایکٹ ۱۹۳۰ء میں حصہ لینے کی وجہ سے سیاسی اور مذہبی حلقوں میں خاصی شہرت کے حامل تھے۔ اس کے علاوہ کاظمی صاحب کی امداد کے لئے مولانا حسین احمد مدنیؒ بھی اس حلقہء میں دورہ کر رہے تھے۔ مسلم لیگ نے اس حلقہء انتخاب کے لئے نواب زادہ لیاقت علی خان کو ٹکٹ دیا۔ مگر اس علاقہ میں لیگ کی کامیابی کی توقع نظر نہیں آ رہی تھی۔ اس لئے لیاقت علی خان نے سردار امیر اعظم خان سابق مرکزی وزیر کو تھانہ بھون بھیجا۔

اتفاق کی بات ہے کہ محمد احمد کاظمی مولانا ظفر احمد عثمانی کے قریبی رشتہ دار تھے مگر مولانا عثمانی مرحوم نے دین کے معاملہ کو قرابت داری سے بلند رکھتے ہوئے ایثار سے کام لیا اور اپنے رشتہ دار کے مقابلہ میں نظریہ پاکستان کی حمایت کے لئے لیاقت علی خان کو ترجیح دی اور دینی حیثیت کو سامنے رکھتے ہوئے مولانا عثمانی نے سہارنپور، ڈیرہ دون، مظفر نگر اور بلند شہر کے اضلاع میں لیاقت علی خان کی تائید کے لئے دورہ کیا وہ بحمد اللہ کامیاب رہا اور اس کے بڑے مفید اور دوررس نتائج پیدا ہوئے۔

مولانا انیس احمد صدیقی لکھتے ہیں کہ :۔

"حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی نے ہندوستان میں بہت سے اضلاع اور مقامات پر تشریف لاکر مسلمانوں کو مسلم لیگ کے ساتھ وابستہ رہنے اور پاکستان کے قیام میں جدو جہد کرنے کی تلقین فرمائی۔ حضرت عثمانی اس سلسلہ میں قصبہ کھاتولی ضلع مظفر نگر میں تشریف لائے۔ سردار امیر اعظم خان جو لیاقت علی خان مرحوم کے منیجر کے صاحبزادے ہونے کے علاوہ خود پاکستان کے معروف آدمی ہیں۔ آٹھ دس سال مرکزی وزارت میں شامل رہے اور اب کراچی میں بہت بڑے کاروبار الاعظم لمٹیڈ کے روح رواں ہیں۔ سردار صاحب نے آپ کی خدمت میں کچھ روپے (تقریباً دو صد روپے) پیش کیۓ کہ آپ کرایہ وغیرہ میں صرف فرمائیں اور ہماری طرف سے یہ ہدیہ منظور فرمائیں۔ حضرت نے یہ رقم لینے سے انکار کر دیا کہ مسلم لیگ یا پاکستان کا کام تمھارا یا تمھارے والد یا لیاقت علی خان کا کام نہیں ہے میرا اور میری قوم کا کام ہے مجھے اس سلسلہ میں نذرانہ قبول کرنے سے معذور سمجھیں، اصرار کے باوجود ہرگز قبول نہ فرمایا۔"

(مکتوب بحوالہ تذکرۃ الظفر)

لیاقت علی خان مرحوم نے اپنے کامیاب ہونے پر پہلے مبارک باد کا تار مولانا ظفر احمد صاحب کے نام دیا اور اس میں یہ بھی تھا کہ انھوں نے تین ہزار ووٹوں سے کاظمی صاحب کو شکست دی ہے۔ اس کے بعد لیاقت علی خان نے مولانا عثمانی مرحوم کے نام سے شکریہ کا ایک مفصل مکتوب ڈھاکہ سے روانہ کیا جس کے چند جملے ملاحظہ فرمایئے :۔

"مرکزی اسمبلی کے انتخابات میں اللہ پاک نے ہمیں بڑی نمایاں کامیابی عطا فرمائی اور اس سلسلہ میں آپ جیسی ہستیوں کی جدو جہد بہت باعث برکت رہی آپ حضرات کا اس نازک موقع پر گوشۂ عزلت سے نکل کر میدانِ عمل میں سرگرمی کے ساتھ جدو جہد کرنا بے حد موثر ثابت ہوا۔ اس کامیابی پر میں آپ کو مبارک باد پیش کرتا ہوں۔ خصوصاً اس حلقۂ انتخاب میں جہاں ہماری لیگ نے مجھے کھڑا کیا تھا آپ کی تحریروں اور تقریروں نے باطل کے اثرات بہت بڑی حد تک ختم کر دیئے اب اس سے

سخت معرکہ سامنے ہے۔ اس سلسلہ میں آپ کی تحریریں اور تقریریں اور مجاہدانہ سرگرمیاں آنے والی منزل کی دشواریوں کو بھی معتدبہ حد تک ختم کر سکیں گی۔"

قائد ملت لیاقت علی خان مرحوم کا یہ خراجِ تحسین اور اعترافِ حقیقت ان لوگوں کے لئے جو کہتے ہیں کہ پاکستان کے لئے قربانیاں کرنے والوں میں علماء کہیں نظر نہیں آتے۔ اور اس طرح وہ پاکستان سے علماء کرام کا اثر ورسوخ مٹانے کے درپے ہیں۔ سرمۂ بصیرت اور تازیانۂ عبرت کی حیثیت رکھتا ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ دارالعلوم دیوبند کے سرپرستِ اعلیٰ حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ اور ان کے متوسلین کی حمایت نے مسلم لیگ میں ایک نئی روح پھونک دی تھی۔ جس کا اعتراف اس وقت کے مسلم لیگ کے تمام عمائدین کو تھا۔ اگر یہ حضرات حمایت نہ کرتے تو جمعیت علماء ہند کے مقابلے میں جس میں مشاہیر علماء کی بڑی تعداد شامل تھی اور وہ کانگریس کا ساتھ دے رہی تھی تو ان حالات میں مسلم لیگ کا کامیاب ہونا سب کو دشوار معلوم ہو رہا تھا۔

حضرت مولانا عثمانی مرحوم کے طوفانی دوروں اور جلسوں کی خبریں علامہ شبیر احمد عثمانی کو اخبارات اور خطوط سے ملتی رہتی تھیں۔

اسی زمانے میں مولانا عثمانی جب ایک بار دیوبند گئے تو علامہ شبیر احمد عثمانی نے خوش ہو کر فرمایا:۔

"ہمیں یہ امید نہیں تھی کہ آپ اس جفاکشی سے کام لیں گے واقعی آپ نے تو بڑے بڑے ہمت والوں کے بھی حوصلے پست کر دیئے۔"

مرکزی اسمبلی کے انتخابات میں مسلم لیگ کو سو فیصد کامیابی ہوئی۔ تو ہر جگہ خوشی میں جلسے ہوئے۔ کلکتہ میں عظیم الشان اجلاس ہوا جس میں تقریباً دس لاکھ کا اجتماع تھا، مولانا ظفر احمد عثمانی نے بھی ڈھاکہ سے تشریف لا کر اس اجلاس سے خطاب فرمایا تھا۔

۸ مارچ ۱۹۴۶ء کو ڈھاکہ کے ایک شخص مسمی محی الدین کے استفسار پر مولانا عثمانی مرحوم نے بعض دوسرے حضرات کے ساتھ جن میں علامہ سید سلیمان ندوی بھی تھے مسلم لیگ کے حق میں فتویٰ لکھا کہ اس وقت مسلمان کانگریس اور اس کی امدادی جماعتوں سے بالکل علیحدہ رہ کر

صرف مسلم لیگ کی حمایت کریں۔(عصر جدید کلکتہ مارچ ۱۹۴۶ء)

پشاور میں ایک عظیم الشان جلسہ سے خطاب کرتے ہوئے مولانا ظفر احمد عثمانی نے فرمایا تھا کہ شریعت کی رو سے ہر مسلمان پر فرض ہے کہ وہ اپنی قومی جماعت مسلم لیگ کا ساتھ دے تا کہ اپنے قومی نصب العین پاکستان کے حاصل کرنے میں آسانی ہو۔ ہندوستان کی پیچیدہ صورت حال کا حل صرف اور صرف پاکستان ہے۔ ایک بیان میں مولانا عثمانی نے فرمایا کہ "مسلم لیگ اگر بحیثیت جماعت پیچھے ہی رہ جائے تو اب ہندوستان کے ہزاروں علماء جمعیت علماء اسلام کے پلیٹ فارم پر جمع ہو چکے ہیں پاکستان کے حصول میں اگر ہماری جانیں بھی کام آجائیں تو ہم اس سے دریغ نہیں کریں گے۔ حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب نے جب کانگریس اور مسلم لیگ کے متعلق شرعی فیصلہ شائع فرمایا۔ اس پر بھی منجملہ اکابر علماء دیوبند کے حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی مرحوم کی تصدیق بھی ثبت ہے۔

حضرت مولانا عثمانی نے ۱۸ اپریل ۱۹۴۶ء کو ایک تار برطانوی کابینہ وفد کے نام دہلی روانہ کیا کہ مسلم لیگ مسلمانوں کی واحد نمائندہ سیاسی تنظیم ہے۔ کل ہند جمعیت علماء اسلام متحدہ طور پر مسلم لیگ کی پشت پر ہے۔ پاکستان مسلمانوں کا قومی ملی مطالبہ ہے اس مطالبہ کے انکار کا تصور بھی کسی صورت میں نہیں کیا جا سکتا۔ مسلمان اس سوال پر کمی بیشی کوئی مصالحت کرنے کے لئے تیار نہیں۔ مسلمان اس مطالبہ ملی کے حصول کے لئے ہر قربانی کے لئے تیار ہیں۔" (۲۱ اپریل ۱۹۴۶ء

سلہٹ کا ریفرنڈم

صوبائی اسمبلی کے انتخابات میں مسلم لیگ کی کامیابی نے انگریز اور کانگریس دونوں کو مطالبہ پاکستان کے ماننے پر مجبور کر دیا۔ مگر بنگال اور پنجاب کی تقسیم پر کانگریس اڑ گئی اور قائد اعظم نے اس کو منظور کر لیا۔

۹ جون ۱۹۴۷ء کو مسلم لیگ ہائی کمان کا جلسہ دہلی میں اس لئے منعقد ہوا کہ اس

طرح پاکستان منظور کرنے یا نہ کرنے پر غور کیا جائے۔ اس جلسہ میں شرکت کے لئے علامہ شبیر احمد عثمانی کے ساتھ مولانا ظفر احمد عثمانی کو بھی دعوت دی گئی تھی۔ جلسہ میں مختلف انداز میں تقریریں ہوئیں۔ قائداعظم کی رائے یہ تھی کہ :۔

”اگر تقسیم بنگال و پنجاب کو منظور نہ کیا گیا تو پاکستان نہیں بن سکے گا، میری رائے یہ ہے کہ اس کو منظور کر لیا جائے۔“

اسی طرح سلہٹ اور سرحد کے بارے میں کانگریس کو ریفرنڈم پر اصرار تھا کہ وہاں کے مسلمانوں کی رائے علیحدہ معلوم کی جائے کہ وہ پاکستان میں رہنا چاہتے ہیں یا ہندوستان کے ساتھ الحاق کرنا چاہتے ہیں۔ قائداعظم نے اس کو بھی منظور کر لیا۔ قرارداد پاکستان منظور ہو گئی تو ۱۱ جون ۱۹۴۷ء کو علامہ شبیر احمد عثمانی کے ساتھ علامہ ظفر احمد عثمانی قائداعظم سے ملاقات کے لئے ان کی کوٹھی پر تشریف لے گئے اور قائداعظم سے ان مسلمانوں کے بارے میں جو تقسیم ملک کے بعد ہندوستان میں رہ جائیں گے اپنی تشویش کا اظہار کیا۔ دوران گفتگو میں قائداعظم نے کہا کہ مجھے سرحد اور سلہٹ کے ریفرنڈم کا بہت فکر ہے۔ کیونکہ قائداعظم کی نظر میں سرحد تو پاکستان کی ریڑھ کی ہڈی ہے اور سلہٹ کا علاقہ اگر پاکستان میں نہ آیا تو آسام کی بہت سی چیزوں سے پاکستان محروم رہ جائے گا۔ جیسے ناریل وغیرہ۔

جمعیت علماء اسلام کے ان دونوں عظیم رہنماؤں نے کہا کہ ہم انشاء اللہ دونوں صوبوں کا دورہ کریں گے اور انشاء اللہ مسلم لیگ ہی کامیاب ہو گی۔ مگر آپ اس کا اعلان کر دیں کہ پاکستان کا آئین اسلامی ہو گا۔ اس پر قائداعظم نے کہا کہ جب پاکستان میں مسلمانوں کی اکثریت ہو گی تو آئین اسلامی کے سوا اور کیا ہو سکتا ہے ؟ ان دونوں حضرات نے اس کے جواب میں ترکی سلطنت کا ذکر کیا کہ وہاں مسلمانوں کی اکثریت کے باوجود حکومت نے اسلامی قانون جاری نہیں کیا بعض لوگوں کو مسلم لیگ سے بھی ایسا ہی خطرہ ہے۔

اس پر قائداعظم نے کہا کہ آپ میری طرف سے اس کا اعلان کر دیں کہ پاکستان کا آئین اسلامی ہو گا۔ اس کے بعد طے ہوا کہ سلہٹ کی ریفرنڈم کے لئے حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی

کام کریں گے۔ چنانچہ مولانا نے اپنے احباب کو ڈھاکہ خطوط لکھے کہ سلہٹ جا کر کوشش کریں تاکہ مسلمان مسلم لیگ کو ووٹ دیں۔ مگر سلہٹ میں مولانا حسین احمد مدنیؒ کے شاگرد اور مرید زیادہ تھے۔ مولانا مدنی ہر سال رمضان بھی وہاں گزارا کرتے تھے۔ اس لئے جمعیت علماء ہند کا وہاں پورا تسلط تھا۔ مولانا عثمانی مرحوم کے احباب کے خطوط آئے کہ آپ کو خود یہاں پہنچنا چاہیے زمین بہت سخت ہے۔ اِدھر ڈھاکہ یونیورسٹی میں نوابزادہ لیاقت علی خان کا تار مولانا کے سلہٹ پہنچنے کے لئے آیا۔ مولانا اس وقت تھانہ بھون میں تشریف لائے ہوئے تھے۔ وہاں پر بھی تار پر تار آئے۔ تو مولانا تھانہ بھون سے ڈھاکہ اور وہاں سے سلہٹ پہنچے۔ اس وقت پولنگ میں صرف پانچ دن باقی تھے اور نوابزادہ لیاقت علی خان ان دنوں سلہٹ اور آسام کا دورہ کر رہے تھے واپسی میں غضر گاؤں میں کانگریسی لوگوں نے جلسہ میں گڑبڑ مچادی تو مولانا عثمانی مرحوم کے پاس آدمی بھیجا گیا کہ جلدی سے غضر گاؤں آئیں۔ چنانچہ مولانا عثمانی غضر گاؤں کے لئے روانہ ہو گئے۔ میمن سنگ اسٹیشن سے حسین شہید سہروردی مرحوم بھی اسی گاڑی میں سوار ہو گئے۔ جو غضر گاؤں میں گڑبڑ کی وجہ سے رات کو وہاں میمن سنگ آ گئے تھے اور اب دوسرے جلسہ میں شرکت کے لئے پھر غضر گاؤں جا رہے تھے۔ اس جلسہ کی صدارت مولانا ظفر احمد عثمانی کو کرنی تھی۔ جب آپ غضر گاؤں پہنچے تو مسلم لیگ نیشنل گارڈ نے آپ کا استقبال کیا ظہر کی نماز کے بعد جلسہ شروع ہوا، مولانا نے اپنے خطبہ میں دلائل شرعیہ سے حمایت پاکستان کی ضرورت اور مخالفین کے شبہات بیان کیئے۔ جلسہ بڑے سکون و آرام سے ہوا اور شروع سے آخر تک کوئی ہنگامہ نہیں ہوا۔ اس کے بعد مولانا عثمانی نے مولانا سہول صاحب عثمانی کو ہمراہ لیا اور سلہٹ کے مضافات میں ان مقامات کا دورہ کیا جو پاکستان کے مخالف تھے۔

اب پولنگ میں دو روز باقی تھے کہ اتفاق سے اس وقت شاہ جلال کا عرس بھی تھا۔ لاکھوں آدمی اطرافِ سلہٹ سے اس عرس میں آئے ہوئے تھے، مسلم لیگ نے شاہ جلال رحمۃ اللہ علیہ کی مسجد میں جلسہ کا انتظام کیا بڑے وسیع پیمانے پر لاؤڈ سپیکر لگائے گئے تاکہ سارے مجمع کو آواز پہنچ جائے۔ عشاء کے بعد مولانا نے حضرت شاہ جلال کے مزار پر فاتحہ خوانی کی۔ پھر جلسہ کا افتتاح ہوا۔ مولانا عثمانی نے پاکستان کا دار الاسلام اور ہندوستان کا دار الحرب ہونا دلائل سے ثابت کیا اور بتایا

کہ جس حصہ کا دارالاسلام بنانا ممکن ہو اس کو دارالاسلام بنانا مسلمانوں پر واجب ہے اور یہ جو اشکال پیش کیا جاتا ہے کہ سارے ہندوستان کو دارالاسلام بنانا چاہیئے یہ اس لئے غلط ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے بھی مکہ مکرمہ سے ہجرت فرما کر پہلے مدینہ منورہ کو دارالاسلام بنایا اور مکہ کو دارالحرب رہنے دیا۔ کیونکہ اس وقت مکہ کو دارالاسلام بنانے کی نسبت مدینہ منورہ کو دارالاسلام بنانا آسان تھا۔ کیونکہ مدینہ کی فضا سازگار تھی جب مکہ میں ایسے حالات پیدا ہو گئے تو مکہ کو بھی دارالاسلام بنادیا گیا۔ اس لئے ہم بھی پہلے اسی حصے کو دارالاسلام بنانا چاہتے ہیں جس کی فضا سازگار ہے اور آسانی سے وہ حصہ دارالاسلام بن سکتا ہے۔ ظاہر ہے کہ وہ حصہ مسلم اکثریت کے صوبوں کا ہی ہو سکتا ہے۔

ان کی یہ تقریر تقریباً ڈیڑھ گھنٹہ جاری رہی اور اس تقریر کا عوام پر بہت اثر ہوا۔ سب سے بڑا شبہ یہ تھا کہ پاکستان اسمبلی میں ہندو بھی ہوں گے تو وہاں اسلامی حکومت کس طرح ہو گی؟

مولانا عثمانی صاحب نے فرمایا کہ اکثریت مسلمانوں کی ہو گی۔ ہندو ہمارے تابع ہوں گے، مسلم لیگ کے پرچم کے نیچے ہوں گے تو اسلامی حکومت ہونے میں کیا شبہ ہے؟ رسول اکرم ﷺ نے جو معاہدہ یہودِ مدینہ و مشرکین سے کیا تھا اس میں صراحت موجود تھی کہ ہم سب مل کر ایک ہیں اور بصورت اختلاف رسول اللہ ﷺ کا فیصلہ سب کو ماننا پڑے گا تو کیا یہ اسلامی مملکت نہ تھی۔

علماء سے بھی مولانا نے فرمایا کہ آپ عوام سے نہ اُلجھیئے جو اشکال اور اعتراض کرنا ہو اس کا جواب دینے کو میں حاضر ہوں۔ اس کے بعد علماء نے بھی عوام کو مسلم لیگ کی مخالفت پر آمادہ کرنا چھوڑ دیا۔

اس کے بعد ضلع سلہٹ کے کئی مقامات کا آپ نے دورہ کیا اور سفر کی صعوبتیں جھیلیں۔ اس دورہ میں مولانا ظفر احمد صاحب کے ساتھ مولانا محمد سہول صاحب عثمانی بھی تھے۔ مولانا نے پولنگ کے دن تک سلہٹ میں کام کیا جس دن پولنگ شروع ہوئی، مولانا عثمانی نمازِ فجر کے بعد معمولات سے فارغ ہو کر لیٹ گئے تو غنودگی کی حالت میں مولانا نے دیکھا کہ مسلم لیگ

اور جمعیت علماء ہند دونوں پولنگ میں ساتھ ساتھ ہیں اور کوئی اختلاف نہیں ہے۔

ناشتہ سے فارغ ہو کر مولانا عثمانی پولنگ پر تشریف لے گئے۔ تو دیکھا کہ واقعی جمعیت علماء ہند اور مسلم لیگ کے جھنڈے ساتھ ساتھ ہیں اور لوگ نعرے لگا رہے ہیں، جمعیت علماء ہند، مسلم لیگ بھائی بھائی۔ مولانا ظفر احمد عثمانی صاحب نے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا کہ خواب سچا ہو گیا۔

شام کو رائے شماری کا نتیجہ نکلا تو ثابت ہوا کہ عظیم اکثریت نے پاکستان کے حق میں رائے دی اور پولنگ اسٹیشن سے اطلاع ملی کہ مسلم لیگ ۵۰ ہزار ووٹ سے جیت گئی اور سلہٹ پاکستان میں شامل ہو گیا۔ مولانا نے شکرانے کے نفل پڑھے اور ڈھاکہ روانہ ہو گئے۔

مسلم لیگ کی اس کامیابی پر مولانا عثمانی نے نوابزادہ لیاقت علی خان کو مبارکباد دی تو انھوں نے جواب دیا کہ اس مبارک باد کے آپ مستحق ہیں سلہٹ کی کامیابی کا سہرا آپ ہی کے سر ہے اور یہ آپ کا عظیم کارنامہ ہے۔

بہر حال ۲۷ رمضان المبارک بمطابق ۱۴ اگست ۱۹۴۷ء کو پاکستان منصۂ ظہور پر جلوہ گر ہوا۔ ڈھاکہ میں پرچم کشائی کی رسم کے لئے قائداعظم کی ہدایت کے مطابق خواجہ ناظم الدین مرحوم نے مولانا ظفر احمد عثمانی کی تحریک پاکستان میں عظیم خدمات کو مد نظر رکھتے ہوئے آپ کو دعوت دی۔ آپنے سورہ انا فتحنا کی ابتدائی آیات تلاوت کیں۔ تمام وزراء اور عمائدین مسلم لیگ خاموش وباادب سنتے رہے پھر بسم اللہ کر کے مولانا عثمانی نے پاکستانی پرچم لہرایا، خوشی میں توپ خانے سے سلامی کی توپیں چلیں۔ پھر وزراء نے اسمبلی ہال میں حلف اٹھایا۔ اس تقریب میں بھی مولانا ظفر احمد عثمانی مع جماعت علماء شریک رہے اور چیف جسٹس مشرقی پاکستان سے آپ نے حلف لیا۔ اس کے بعد چیف جسٹس نے گورنر، وزیر اعلیٰ اور دوسرے وزراء سے حلفِ وفاداری لیا۔

آئینِ اسلامی اور مولانا عثمانیؒ

ابھی ملک تقسیم بھی نہیں ہوا تھا اس وقت سے ہی حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی اور ان کے رفقاء علامہ شبیر احمد عثمانی، مولانا محمد شفیع، مولانا اطہر علی، مولانا احتشام الحق تھانوی، مولانا محمد ادریس کاندھلوی اور دوسرے اکابر علماء دیوبند پاکستان کے لئے اسلامی آئین بنانے والے کے لئے قائدین مسلم لیگ کو آمادہ کرتے رہے اور مسلم لیگ کے عمائدین سے اس سلسلہ میں گفتگو کر کے ان سے پاکستان میں آئین اسلامی جاری کرانے کا وعدہ لیتے رہے اور اپنی تقریروں اور تحریروں کے ذریعے بھی ہمیشہ اس پر زور دیتے رہے۔ عام مسلمانوں کو بھی جلسوں میں اس پر آمادہ کرتے رہے۔ چنانچہ تقسیم سے پہلے ۱۱جون ۱۹۴۷ء کو مولانا ظفر احمد عثمانی کی قائداعظم سے جو ملاقات ہوئی تھی اس میں بھی قائداعظم سے پاکستان میں آئین اسلامی ہونے کے اعلان کرنے کو کہا تھا۔ ۱۹۴۸ء میں قائداعظم کو پھر ان کے دورہ مشرقی پاکستان کے موقع پر اس کی طرف توجہ دلائی اور ۱۹۴۹ء میں علامہ شبیر احمد عثمانی کے ساتھ جلسوں میں شرکت کرتے رہے اور قرارداد مقاصد کی منظوری میں بھرپور حصہ لیا اور اپنی تقاریر میں دستورِ اسلامی کے جلد نافذ کیئے جانے کی حکومت پاکستان کو تاکید کرتے رہے۔ ۱۹۴۹ء میں قرارداد مقاصد منظور کرانے کے بعد لیاقت علی خان مرحوم نے قومی اسمبلی کے ذریعے آئین کے بنیادی اصولوں کی کمیٹی تشکیل کرائی تھی۔ اس کمیٹی کا کام یہ تھا کہ وہ پاکستان کے دستور کا خاکہ تیار کرے۔

لیاقت علی خان نے ۱۹۵۰ء میں ایک دستور پیش کیا تھا جس کو ملت پاکستان نے تسلیم نہیں کیا اور وزیراعظم لیاقت علی خان مرحوم کے چیلنج کے جواب میں مولانا احتشام الحق تھانوی کی دعوت پر ہر مکتب خیال کے ۳۳ علماء کے دستخط سے ۲۲ نکاتی دستور بنا کر حکومت کو بھیجا۔ مولانا ظفر احمد عثمانی نے بھی بحیثیت صدر مرکزی جمعیت علماء اسلام علماء کے اس اجتماع میں شرکت فرمائی اور ایک بیان میں حکومت سے صاف صاف لفظوں میں احتجاج کیا اور فرمایا:۔

میں جناب لیاقت علی خان وزیراعظم حکومت پاکستان سے دریافت کرنا چاہتا ہوں

کہ بنیادی حقوق اور بنیادی اصولوں کی کمیٹی کی سفارشات قرآن وحدیث کو سامنے رکھ کر تیار کی گئی ہیں یا برطانیہ اور امریکہ کے قوانین کو؟ لیاقت علی خان کو قائداعظم کے اور خود ان کے وہ اعلانات اور وعدے یاد دلانا چاہتا ہوں جن میں بار بار کہا گیا تھا کہ دستور پاکستان، آئین قرآن و نظام اسلام کے مطابق ہوگا۔ میری جماعت جمعیت علماء اسلام ایسی سفارشات ہرگز منظور نہیں کرے گی جس میں قرارداد مقاصد اور آئین اسلامی کو نظر انداز کیا گیا ہو تو اس لئے جمعیت کے تمام ارکان کو اپنی اپنی جگہ سفارشات کے خلاف برابر احتجاج کرتے رہنا چاہئے تاآں کہ ان کو ردی کی ٹوکری میں ڈال دیا جائے۔"

(دستوری سفارشات اور ان پر تنقید و تبصرہ صفحہ ۵۵)

۱۹۵۱ء میں لیاقت علی خان کو شہید کر دیا گیا یہ ملتِ اسلامیہ کے خلاف لادین عناصر کی ایک خطرناک سازش تھی۔ اس اندوہناک واقعہ پر ملت نے سخت رنج و غم کا اظہار کیا۔ مولانا ظفر احمد عثمانی نے ڈھاکہ میں ایک زبردست تقریر کی جس میں لیاقت علی خان کی شہادت پر سخت غم و غصہ کا اظہار فرمایا۔

لیاقت علی خان کی شہادت کے بعد خواجہ ناظم الدین ملک کے وزیر اعظم اور ملک غلام محمد گورنر جنرل بنا دیئے گئے۔ ۱۹۵۲ء میں جب ملک غلام محمد صاحب ڈھاکہ گئے تو اس موقع پر بھی مولانا عثمانی نے علماء کی جماعت کے ساتھ ان سے ملاقات کی اور دستورِ اسلامی جلد سے جلد جاری کرنے پر زور دیا۔

۱۹۵۳ء میں بنیادی اصولوں کی کمیٹی کی دوسری رپورٹ خواجہ ناظم الدین مرحوم نے پیش کی۔ جس پر غور کرنے کے لئے مولانا احتشام الحق صاحب نے ہر مکتب فکر کے علماء کرام کو دوبارہ کراچی میں جمع کیا اس میں بھی مولانا ظفر احمد عثمانی مرحوم شریک تھے۔ قریب تھا کہ یہ دستور اسمبلی میں پاس ہو جائے کہ ۱۷ اپریل ۱۹۵۳ء کو دستوری روایات کے خلاف خواجہ ناظم الدین اور ان کی کابینہ کو ملک غلام محمد گورنر جنرل نے برطرف کر دیا جب کہ مجلس قانون ساز کی اکثریت خواجہ صاحب کے حق میں تھی مگر مسئلہ قادیانی میں ان کی نازیبا روش کی وجہ سے پبلک ان کے خلاف تھی۔

اس بات کو گورنر جنرل نے بھانپ لیا اور موقع مناسب دیکھ کر خواجہ صاحب اور ان کی کابینہ کو برطرف کر دیا اگر خواجہ صاحب مرحوم نے مجلس تحفظ ختم نبوت کا مطالبہ منظور کر کے چوہدری ظفر اللہ قادیانی کو وزارت سے الگ کر دیا ہوتا تو گورنر جنرل کا دستوری روایات کے خلاف یہ طرز عمل ہرگز کامیاب نہ ہوتا۔

اس طرح خواجہ ناظم الدین کے دور میں جو آئین تیار ہوا تھا وہ دھرے کا دھرا رہ گیا۔ پھر ۱۹۵۶ء کے آئین میں اگرچہ قرارداد مقاصد کے مطابق آئینی طور پر تسلیم کر لیا گیا کہ پاکستان کا کوئی قانون قرآن و سنت کے خلاف نہیں بنایا جائے گا اور مروجہ قانون میں جو قانون قرآن و سنت کے خلاف ہوگا اس کو قرآن و سنت کے موافق بنادیا جائے گا۔ لیکن اس کے باوجود اس آئین میں بھی کئی دفعات خلافِ اسلام پائی جاتی تھیں۔ علماء کرام نے جن میں حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی بھی شامل تھے۔ اس آئین پر غور و خوض کیا اور اس کی مذکورہ بنیادی اس دفعہ کو کہ کوئی قانون قرآن و سنت کے خلاف نہیں بنایا جائے گا پیش نظر رکھتے ہوئے قرآن و سنت کے موافق ایسی شرعی ترمیمات پیش کیں جن کو شامل کرنے سے ۱۹۵۶ء کا یہ آئین مکمل طور پر اسلامی آئین بن جاتا تھا۔ اسی لئے مولانا عثمانی ان ترمیمات کے ساتھ ہی ۱۹۵۶ء کے آئین کی بحالی کے حق میں تھے اگر مولانا عثمانی ؒ کے منشاء کے مطابق یہ آئین بحال ہو جاتا تو آج ملک کی تقسیم کے صدمۂ جانکاہ سے امت مسلمہ دوچار نہ ہوتی۔ کیونکہ اس آئین کو جس طرح چند ترمیمات سے شرعی اور اسلامی بنایا جا سکتا تھا اسی طرح اس میں پاکستان کے مغربی اور مشرقی دونوں حصوں میں اس قدر گہرا تعلق قائم رکھنے پر زور دیا گیا تھا اور ایک دوسرے کو اس طرح مربوط قرار دیا گیا تھا کہ ایک حصہ کو دوسرے حصہ سے جدا ہونے کا تصور باقی نہیں رہتا تھا۔ مگر پاکستان کے مخالف عناصر نے ۱۹۵۶ء کے آئین کی بحالی کو اپنے اغراض و مقاصد کے خلاف دیکھا اس لئے اس کی بحالی کے مطالبہ کی مخالفت کی اور نئے آئین کا مطالبہ کیا جس کے نتیجہ میں جو قیامت برپا ہوئی اور ملی سالمیت کو جس قدر شدید اور ناقابل تلافی نقصان پہنچا ہے ہر محب وطن پر واضح ہے۔ (تذکرۃ الظفر)

قیام پاکستان کے بعد ۱۹۴۸ء میں مولانا عثمانی مرحوم جمعیت علماء اسلام مشرقی

پاکستان کے صدر کی حیثیت سے علماء مشرقی پاکستان کے ایک نمائندہ وفد کے قائد بن کر کراچی تشریف لائے۔ اس وفد میں حضرت مولانا اطہر علی صاحب اور مولانا مفتی دین محمد خان صاحب آپ کے ساتھ تھے۔ اور اردو کو پاکستان کی سرکاری زبان بنانے کے لئے پانچ لاکھ بنگالی مسلمانوں کے دستخطوں کے ساتھ ایک یادگار تحریری دستاویز قائد اعظم کی خدمت میں پیش کی جس کے بعد قائد اعظم نے ڈھاکہ پہنچ کر اپنی تاریخی تقریر میں سرکاری زبان کی حیثیت سے اردو زبان کی تائید میں اعلان فرمایا تھا۔

۱۹۴۹ء میں خواجہ شہاب الدین وزیر داخلہ پاکستان کی طرف سے حکومت سعودی عربیہ کے لئے خیر سگالی مشن میں ایک ممبر کی حیثیت سے شرکت فرمائی اور حج کے موقع پر میدان عرفات میں سلطان ابن سعود مرحوم کی درخواست پر مسلمانانِ عالم کو خطاب فرمایا۔

مسٹر حسین شہید سہروردی کی وزارتِ عظمیٰ کے عہد میں حکومت پاکستان کی طرف سے ملکی قوانین کو اسلامی اصولوں کی روشنی میں مدون کرنے کے لئے ایک لاء کمیشن قائم کیا گیا تھا جس کے اعزازی رکن کی حیثیت سے مولانا عثمانی نے اس کے متعدد اجلاسوں میں شرکت فرما کر اراکین لاء کمیشن کی دینی رہنمائی فرمائی۔

آخر میں اہل سیاست کی باہمی آویزشوں اور قوم کی متعصّبانہ صوبہ پرستیوں سے دل برداشتہ ہو کر از خود عملی سیاسیات سے کنارہ کش ہو گئے اور دار العلوم اسلامیہ ٹنڈوالہ یار میں جو حضرت شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی کی قائم کردہ ایک علمی درسگاہ ہے شیخ الحدیث کی حیثیت سے درس و تدریس اور اصلاح و تبلیغ کا سلسلہ شروع کر دیا۔ جو آخر دم تک جاری رہا۔

۱۹۶۹ء میں کراچی کے مقام پر مشرقی و مغربی پاکستان کے مقتدر علماء کرام کے ایک نمائندہ اجتماع میں مرکزی جمعیت علماء اسلام کا احیاء عمل میں آیا اور مولانا عثمانیؒ کو جمعیت کا امیر اعلیٰ منتخب کیا گیا۔ انتہائی ضعف و پیرانہ سالی کے باوجود سوشلزم اور دوسرے لادینی نظریات کا مقابلہ کرنے کے لئے آپ نے یہ ذمہ داری قبول فرمائی۔ چنانچہ مشرقی اور مغربی پاکستان کے اہم مقامات پر جمعیت کے خصوصی اجتماعات میں جہاں تک ممکن ہو آپ شرکت فرماتے رہے۔

الغرض قیام پاکستان اور اس کے بعد نظام اسلام کے لئے آپ کی خدمات نا قابل فراموش ہیں۔ ساری زندگی خدمتِ اسلام میں بسر کی اور ۲۳ ذوالقعد ۱۳۹۴ھ بمطابق ۸ دسمبر ۱۹۷۴ء کو یہ مردِ حق خالقِ حقیقی سے جاملے۔ اللہ تعالیٰ آپ کے درجات بلند فرمائے۔ آمین

(مولانا عثمانی کی علمی و سیاسی خدمات کی تفصیل "تذکرۃ الظفر" مولفہ سید مفتی عبد الشکور ترمذی میں ملاحظہ فرمائیے)

شیخ الاسلام حضرت مولانا ظفر احمد عثمانیؒ

﴿مشاہیر علماء کی نظر میں﴾

حضرت مولانا ظفر احمد عثمانیؒ کی شخصیت علمائے ربانی میں وہ عظیم شخصیت تھی جس کو دین وسیاست کے رجالِ کار کبھی فراموش نہیں کر سکتے۔ کل کا مؤرّخ جب پاکستان کے بانی، محرک اور مؤید اہل فکر اور نظریۂ پاکستان کو فروغ دینے والے مدبرین و مبصرین پر قلم اُٹھائے گا تو علمائے حق میں سے شیخ الاسلام حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ کے اسمِ گرامی کو سنہری حروف سے لکھنے پر مجبور ہو گا۔ آپ کو نہ صرف ہندوستان وپاکستان کے اہلِ علم بلکہ تمام دنیائے اسلام متفقہ طور پر آسمانِ علم و حکمت وسیاست کا نیر اعظم تصور کرتی ہے۔ یوں تو دنیا میں بڑے بڑے اہل علم گزرے ہیں مگر ایسی شخصیت جس کو یکساں طور پر تفسیر، حدیث، فقہ، علم کلام و معقولات و منقولات، تقریر و تحریر اور سیاسیات میں بصیرت حاصل ہو کوئی کوئی ہوتی ہے۔

حضرت مولانا عثمانیؒ کی شخصیت دین وسیاست کا سنگم تھی اور تمام علوم کی جامع، پھر

ان سب کا یہ کمال تھا کہ وہ دین اور بین الاقوامی مسائل کو ہم آہنگ بنانے میں ید طولیٰ رکھتے تھے۔ آپ کی شخصی عظمت اور علمی و روحانی مقام کے بارے میں حکیم الاسلام مولانا قاری محمد طیب صاحب قاسمی مہتمم دارالعلوم دیوبند فرماتے ہیں کہ :۔

"حضرت مولانا ظفر احمد عثمانیؒ اس تاریک دور میں علم و عمل، اخلاص و ہمت اور علم ظاہری و باطنی کے آفتاب و ماہتاب تھے، رُشد و ہدایت کے اعلیٰ مقام پر فائز تھے۔ آخر وقت تک تحریر و تقریر اور درس و تدریس کے ذریعے حقیقت و معرفت کی شمعیں جلاتے رہے اور راہِ طریقت و تصوف کے ذریعے خلق اللہ کے تزکیۂ نفس اور باطنی اصلاح میں مصروف تھے۔ سینکڑوں علماء اور ہزارہا افراد آپ کے فیوض و برکات سے مستفید ہوئے۔"

(ماہنامہ الرشید لاہور دسمبر ۱۹۷۶ء)

مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب دیوبندی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ :۔

"حضرت عثمانی عہد حاضر کے آئمہ فن علماء اولیاء اتقیاء کی صف میں ایک بلند اور ممتاز مقام رکھتے تھے۔ حق تعالیٰ نے اُن کو علمی و عملی مقامات میں ایک خاص امتیاز عطا فرمایا تھا اور ساتھ ہی بزرگانِ دین کی صحبت نے تواضع اور فروتنی کی بھی وہ صفت عطا کر دی تھی کہ جو علماء دیوبند کا خاص امتیاز ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو علمی کمالات کے ساتھ باطنی کمالات سے بھی مزین فرمایا تھا۔ حقیقت یہ ہے کہ ایسی جامع علم و عمل باخدا ہستیاں کہیں قرنوں میں پیدا ہوتی ہیں۔"

(ماہنامہ بینات کراچی)

یہ فخر روزگار عالم ۱۳ ربیع الاول ۱۳۱۰ھ کو شیخ لطیف احمد صاحب عثمانی کے گھر قصبہ دیوبند ضلع سہارنپور میں پیدا ہوا۔ آپ حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی قدس

سرہ کے حقیقی بھانجے تھے۔ والدہ محترمہ کا انتقال پیدائش کے تین ماہ بعد ہی ہو گیا تھا۔ ابتدائی تربیت دادی صاحبہ نے کی۔ پانچ سال کی عمر میں دارالعلوم دیوبند میں قرآن شریف پڑھنا شروع کیا۔ پھر حضرت مفتی اعظم مولانا محمد شفیع صاحب کے والدِ محترم مولانا محمد یٰسین صاحب دیوبندی سے فارسی، ریاضی اور منطق پڑھی۔ اس کے بعد تھانہ بھون میں حضرت مولانا عبداللہ گنگوہی سے عربی زبان کا درس لیا اس سے فارغ ہوئے تو حضرت حکیم الامت تھانوی قدس سرہ آپ کو کانپور لے گئے جہاں پر مولانا محمد اسحٰق بردوانی اور مولانا محمد رشید کانپوری سے دینی تعلیم حاصل کی۔ یہاں سے فارغ ہوئے تو مظاہر العلوم سہارنپور میں اس زمانہ کے نامور بزرگ محدث حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوری قدس سرہ کی شاگردی کا شرف حاصل کیا۔ نامور اُستاذ کا یہ ہونہار شاگرد تعلیم و تربیت کی یہ تمام منازل اٹھارہ سال کی عمر میں طے کر گیا تھا اور ۱۳۲۸ھ کو اپنی تعلیم مکمل کر کے اسی درسگاہ ''مظاہر العلوم سہارنپور'' میں مدرس مقرر ہوا۔ حضرت عثمانی، حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوری کے شاگرد ہی نہیں تھے بلکہ اپنی روحانی صلاحیتوں کی وجہ سے اُن سے شرفِ خلافت بھی حاصل کیا ہوا تھا۔ ان کے علاوہ امام العصر حضرت علامہ محمد انور شاہ کشمیریؒ اور عارف باللہ حضرت مولانا محمد یحیٰ صاحب کاندھلویؒ سے بھی کافی عرصہ فیضان حاصل کیا۔

بلاشبہ عہد حاضر میں حضرت عثمانی قدس سرہ، کا شمار ان علماء دین میں کیا جاتا ہے جن پر عرب و عجم ہمیشہ ناز کرتا رہے گا۔ سات سال مظاہر العلوم سہارنپور میں درس و تدریس دینے کے بعد آپ تھانہ بھون چلے آئے جہاں آئندہ سات برس تک حدیث و فقہ اور منطق کا درس دیتے رہے۔ اسی دوران آپ نے اپنی معرکۃ الآرا کتاب ''اعلاء السنن'' بیس ضخیم جلدوں میں علمِ حدیث پر عربی زبان میں تصنیف کی۔ اس بلند پایہ علمی تالیف کو عالم اسلام کے مشاہیر علماء نے جس طرح خراج تحسین پیش کیا وہ قابلِ دید ہے۔ چند مشاہیر علماء کی مختصر آراء پیش کی جاتی ہیں۔ ملاحظہ فرمایئے

''مصر کے نامور محقق عالم علامہ زاہد الکوثریؒ اسی کتاب کو دیکھ کر فرماتے ہیں کہ۔

''اس کتاب کے مولف جو حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ کے بھانجے ہیں یعنی محدث، محقق، مدبر، ناقد زبردست فقیہ، مولانا ظفر احمد عثمانی تھانویؒ کو اللہ تعالیٰ علمی خدمات

کے زیادہ سے زیادہ مواقع مہیا فرمائے میں تو اس غیرت مند عالم کی علمی قابلیت و مہارت اور اس مجموعہ کو دیکھ کر حیران وشدر رہ گیا جس میں اس قدر مکمل تحقیق و جستجو اور تلاش و تدقیق سے کام لیا گیا ہے کہ ہر حدیث پر فنِ حدیث کے تقاضوں کے مطابق متن پر بھی اور سند پر بھی اس طریقہ سے کام کیا گیا ہے کہ اپنے مذہب کی تائید پیش کرنے میں تکلیف کے آثار قطعاً نظر نہیں آتے بلکہ اہلِ مذاہب کی آراء پر گفتگو کرتے ہوئے یوں معلوم ہوتا ہے کہ انصاف کا دامن کہیں ہاتھ سے نہیں چھوٹا۔ مجھے اس کتاب کے مصنف پر انتہائی درجے کا رشک ہونے لگا مردوں کی ہمت اور بہادروں کی ثابت قدمی اس قسم کے نتائج فکر پیدا کیا کرتی ہے۔ خدا ان کی زندگی کو خیر و عافیت کے ساتھ دراز فرمائے کہ وہ اس قسم کی مزید تصنیفات پیش کر سکیں۔"

(المفتی دیوبند ۱۳۵۷ھ بحوالہ ہفت روزہ صوت الاسلام لاہور)

محدث العصر حضرت مولانا محمد یوسف صاحب بنوری مدظلہ تحریر فرماتے ہیں کہ :۔

"اگر حضرت عثمانیؒ کی تصانیف میں اعلاء السنن کے علاوہ اور کوئی تصنیف نہ ہوتی تو بھی تنہا یہ کتاب ہی علمی کمالات، حدیث و فقہ و رجال کی قابلیت و مہارت اور بحث و تحقیق کے ذوق کو محنت و عرق ریزی کے سلیقہ کے لئے برہان قاطع ہے۔ اعلاء السنن کے ذریعہ حدیث و فقہ اور خصوصاً مذہب حنفی کی وہ قابلِ قدر خدمت کی ہے جس کی نظیر مشکل سے ملے گی۔ یہ کتاب ان کی تصانیف کا شہکار اور فنی و تحقیقی ذوق کا معیار ہے اور یہ وہ قابلِ قدر کارنامہ ہے جس پر جتنا رشک کیا جائے کم ہے۔ موصوف نے اس کتاب کے ذریعے جہاں علم پر احسان کیا ہے وہاں حنفی مذہب پر بھی احسان عظیم کیا ہے۔ علماء حنفیہ قیامت تک ان کے مرہونِ منت رہیں گے۔ حق تعالیٰ اُن کو رحمت و رضوان کے درجاتِ عالیہ سے سرفراز فرمائے۔ آمین۔" (ماہنامہ بینات کراچی ذوالحجہ ۱۳۹۴ھ)

شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالحق صاحب حقانی مدظلہ، بانی دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک پشاور فرماتے ہیں کہ :۔

حضرت مولانا عثمانی قدس سرہ کی سب سے بڑی خصوصیت یہ تھی کہ اللہ تعالی نے آپ کو حدیث رسولؐ کی خدمت جلیلہ سے نوازا تھا پھر حضرت حکیم الامت قدس

اللہ سرہ جیسے مرشد وہادی و شیخ کامل کی رہنمائی اور سرپرستی میں علمی خدمات سرانجام دینے کا موقع عطا فرمایا۔ اور اپنی ذہانت تبحر علمی کے بدولت احادیث مبارکہ سے مذہب حنفی کی تائید و تقویت کا عظیم الشان کارنامہ "اعلاء السنن" جیسی شہرہ آفاق تصنیف کی شکل میں انجام دیا جس پر حنفی دنیا بالخصوص اور تمام علمی دنیا بالعموم ہمیشہ فخر کرتی رہے گی حق تعالیٰ آپ کی مساعی جمیلہ اور خدمات جلیلہ کو اپنی بارگاہ میں شرفِ قبولیت بخشے۔ آمین۔"

(ماہنامہ الرشید دسمبر ۱۹۷۶ء)

اعلاء السنن کے بارے میں حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی قدس سرہ، کا ارشاد گرامی یہ ہے کہ :۔

"ان کے مرکزِ علمی خانقاہ امدادیہ تھانہ بھون سے اگر اس کتاب کی تالیف کے علاوہ کوئی دوسری علمی خدمت انجام نہ دی ہوتی تو اپنی فضیلت و کرامت کے اعتبار سے یہی ایک کتاب بہت کافی تھی۔" (ہفت روزہ صورت الاسلام لاہور ۱۸ ستمبر ۱۹۷۰ء)

حضرت عثمانی قدس سرہ نے کم وبیش ۲۵ برس تک حضرت حکیم الامت تھانوی قدس سرہ کی رفاقت میں تصنیف و تالیف اور تبلیغ وافتاء کی گرانقدر خدمات انجام دی ہیں۔ اسی دوران میں "احکام القرآن" اور "امداد الاحکام" جیسی تفسیر و فقہ کی عظیم الشان تالیفات آپ کے قلم فیض رقم سے منصۂ شہود پر آئیں جو آپ کے علمی و فقہی بصیرت کا بیّن ثبوت ہیں۔ اسی لئے تو حکیم الامت آپ کی علمی صلاحیتوں سے اس قدر متاثر اور مطمئن تھے کہ اپنے ذاتی معاملات میں بھی آپ ہی سے مشورہ فرماتے تھے۔ ایک دفعہ فرمایا کہ مولانا ظفر احمد صاحب اس دور کے امام محمدؒ ہیں اور علوم دین کا سرچشمہ ہیں۔ آپ نے وفات سے پہلے وصیت کی تھی کہ میری نماز جنازہ مولوی ظفر احمد صاحب پڑھائیں گے۔ چنانچہ یہ سعادت بھی آپ ہی کو نصیب ہوئی آپ کے شیخ ومربی عارف کامل محدث وقت مولانا خلیل احمدؒ سہارنپوری فرمایا کرتے کہ :۔

"مولانا ظفر احمد عثمانی اپنے ماموں حکیم الامت تھانویؒ کا نمونہ ہیں۔"

(انوار النظر فی آثار الظفر)

حضرت عثمانی قدس سرہ کے علمی وروحانی مقام کا اندازہ اس امر سے بھی لگایا جا سکتا ہے کہ ان کے تلامذہ اور خلفاء میں ایسے جید علماء بھی شامل ہیں کہ جن کا نام آتے ہی گردنیں احترام سے جھک جاتی ہیں۔ شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد الیاس صاحب کاندھلویؒ، حضرت مولانا بدرِ عالم میرٹھی مہاجر مدنی، حضرت مولانا عبد الرحمٰن کامل پوری، حضرت مولانا اسعد اللہ صاحب سہارنپوریؒ، حضرت مولانا شمس الحق فرید پوری "شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا کاندھلوی، حضرت مولانا احتشام الحق تھانوی اور حضرت مولانا سید عبد الشکور صاحب ترمذی جیسے اکابر آپ کے شاگرد اور خلفاء میں سے ہیں۔ ان کے علاوہ لاکھوں تلامذہ اور مریدین ملک وبیرون ملک میں دینی، علمی اور اصلاحی خدمات انجام دے رہے ہیں۔ غرضیکہ آپ کا فیض افریقہ سے لے کر مشرق بعید تک پھیلا ہوا ہے اور بالخصوص سابق مشرقی پاکستان کے توچپے چپے پر آپ کے جلائے ہوئے چراغ روشنی پھیلا رہے ہیں۔

تھانہ بھون سے برما کے مسلمانوں کی خواہش پر آپ مدرسہ محمدیہ رنگون تشریف لے گئے اور وہاں دو برس تک حدیثِ رسولؐ کے چراغ جلائے۔ پھر ڈھاکہ یونیورسٹی سے آپ کو دینی علوم کے سرپرست کی حیثیت سے اپنے ہاں آنے کی دعوت دی گئی۔ تو حضرت حکیم الامت کی اجازت سے آپ وہاں تشریف لے گئے اور کئی سال تک اس یونیورسٹی میں علم کے موتی رولتے رہے۔ اس کے بعد مدرسہ عالیہ ڈھاکہ میں بھی آٹھ سال تک صدر مدرس رہے۔ یہیں پر "جامعہ قرآنیہ" لال باغ کی اپنے دستِ مبارک سے بنیاد رکھی۔ یوں آج مشرقی پاکستان کا کوئی چھوٹا بڑا شہر یا قصبہ ایسا نہ ہوگا جہاں آپ کے تلامذہ اور مریدین علم دین کو پھیلانے کی خدمت سرانجام نہ دے رہے ہوں۔ اور یوں آپ نے عمر کا ایک طویل حصہ اس سرزمین پر اسلامی علوم کی جوت جگانے میں صرف کیا۔ پھر مولانا احتشام الحق صاحب تھانوی کے اصرار پر وہاں سے دار العلوم الاسلامیہ ٹنڈو اللہ یار میں شیخ الحدیث کی حیثیت سے تشریف لائے اور آخر دم تک یہیں دینی، علمی اور اصلاحی خدمات انجام دیتے رہے۔

دینی، علمی، تبلیغی اور اصلاحی خدماتِ جلیلہ کے ساتھ ساتھ ملکی اور سیاسی خدمات بھی

نا قابل فراموش ہیں۔ آپ کی سیاسی زندگی کا آغاز با قاعدہ طور پر مسلم لیگ کے اجلاس پٹنہ ۱۹۳۸ء سے ہوا۔ جب نواب اسماعیل کی سرکردگی میں مسلم لیگ نے ایک مجلس عمل قائم کی تھی جس کا کام علماء سے رابطہ قائم کرنا تھا اس کی وساطت سے اس اجلاس میں حضرت عثمانی حکیم الامت کے خصوصی نمائندے کی حیثیت سے شریک ہوئے۔ اجلاس سے پہلے آپ کی قائداعظم سے ملاقات ہوئی۔ سیاست اور مذہب کی علیحدگی اور یکجائی کے مسئلہ پر بات چیت ہوئی۔ قائداعظم اس گفتگو سے اس قدر متاثر ہوئے کہ انھوں نے اگلے روز کے اجلاس میں کھلم کھلا شاید پہلی مرتبہ یہ بات کہی کہ مذہب اور سیاست ساتھ ساتھ چلنے چاہئیں۔

۱۹۴۵ء میں مسلم لیگ کی حمایت میں عملی طور پر حصہ لیا اور مسلم لیگ اور کانگریس کے آخری فیصلہ کن الیکشن میں پورے ہندوستان کا دورہ کر کے مسلم رائے عامہ کو پاکستان کے حق میں ہموار کیا اور جہاں جہاں کانگریس کا اثر تھا ان مقامات پر پہنچ کر ان کے اثرات کو باطل کر دیا۔ پاکستان کی کامیابی میں مولانا عثمانی کے اس دورہ، ہندوستان کو بہت بڑا دخل ہے جس کا اقرار نواب زادہ لیاقت علی خان نے اپنے ایک خط میں کیا ہے جو انھوں نے نجی طور پر حضرت عثمانی کو لکھا تھا۔ آخر میں قائداعظم کی خصوصی درخواست پر سلہٹ ریفرنڈم کی مہم میں جو نہایت معرکۃ الآرا مہم تھی حضرت مولانا عثمانی قدس سرہ ہی نے سر کی تھی۔ اکتوبر ۱۹۴۵ء میں کلکتہ کے مقام پر جمعیت علماء اسلام کا قیام حضرت عثمانی کے ہاتھوں عمل میں آیا اور شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی نے آپ کی درخواست اور خواہش پر جمعیت علماء اسلام کی صدارت قبول فرمائی تھی۔

۱۴ اگست ۱۹۴۷ء کو قائداعظم کی خواہش پر پاکستان کی پہلی رسم پرچم کشائی کا شرف بھی مغربی پاکستان میں علامہ شبیر احمد عثمانی کو اور مشرقی پاکستان میں مولانا ظفر احمد عثمانی کو حاصل ہوا۔ قیام پاکستان کے بعد حضرت عثمانی مشرقی پاکستان کی جمعیت علماء اسلام کے صدر کی حیثیت سے علماء مشرقی پاکستان کے ایک نمائندہ وفد کے قائد بن کر کراچی تشریف لائے۔ اس وفد میں حضرت مولانا اطہر علی صاحب اور مولانا شمس الحق صاحب فرید پوری کے علاوہ مفتی دین محمد خان بھی شامل تھے۔ آپ نے اردو زبان کو پاکستان میں سرکاری زبان بنانے کے لئے پانچ لاکھ بنگالی

مسلمانوں کے دستخطوں کے ساتھ ایک یادگار تحریری دستاویز قائداعظم کی خدمت میں پیش کی۔ جس کے بعد قائداعظم نے ڈھاکہ پہنچ کر اپنی تاریخی تقریر میں سرکاری زبان کی حیثیت سے اردو زبان کی تائید میں حمایت کا اعلان کیا تھا۔ ۱۹۴۹ء میں خواجہ شہاب الدین وزیر داخلہ پاکستان کے ہمراہ حکومت کی طرف سے حکومت سعودی عرب کے لئے خیر سگالی مشن میں ایک ممبر کی حیثیت سے شرکت فرمائی اور میدانِ عرفات میں سلطان ابن سعود کی درخواست پر مسلمانانِ عالم کو خطاب فرمایا تھا۔

پاکستان میں اسلامی نظام کے نفاذ کے سلسلہ میں علامہ شبیر احمد عثمانی اور مفتی محمد شفیع صاحب کے شانہ بشانہ کام کیا اور قراردادِ مقاصد پاس کرانے میں کامیاب ہو گئے۔ پھر جب حکومت پاکستان کی طرف سے ملکی قوانین کو اسلامی اصولوں کی روشنی میں مدون کرنے کے لئے ایک لاء کمیشن قائم کیا گیا تو مولانا عثمانی نے ایک اعزازی رکن کی حیثیت سے اراکین لاء کمیشن کی دینی رہنمائی فرمائی اور اس کے بعد ہر مکتب فکر کے جید علماء نے ۲۲ نکات پر مشتمل ایک دستوری خاکہ تیار کیا تو آپ بھی اس میں شامل تھے۔ بہر حال حضرت عثمانیؒ کی خدمات اتنی ہیں کہ احاطہ کرنا بہت مشکل ہے۔ آپ اپنے آخری وقت میں اکثر ذکر و اذکار میں مشغول رہتے اور زندگی کا آخری حصہ درس و تدریس اور تبلیغ و اصلاح میں صرف کیا۔ مگر جب بھی ملک میں کسی نئے فتنے نے سر اُٹھایا تو آپ باوجود پیرانہ سالی اور ضعف و علالت کے میدان عمل میں کود پڑتے تھے اور ہمیشہ ہر جابر و ظالم کے سامنے کلمۂ حق ادا کرتے رہے۔ آخر کار یہ مرد حق اپنی دینی، علمی، روحانی اور سیاسی خدمات انجام دیتے ہوئے ۲۳ ذوالقعد ۱۳۹۴ھ بمطابق ۸ دسمبر ۱۹۷۴ء بروز اتوار اپنے خالق حقیقی سے جا ملے۔

﴿انا لِلّٰہ و انا الیہ راجعون﴾

ہزاروں عقیدت مندوں نے نمازِ جنازہ میں شرکت کی اور نمازِ جنازہ مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب دیوبندی نے پڑھائی اور پاپوش نگر کراچی کے قبرستان میں دفن کیا گیا۔ آپ کی وفات پر پورے عالم اسلام کے مشاہیر علماء نے رنج و غم کا اظہار کیا اور آپ کی شخصی عظمت اور خدماتِ جلیلہ کا اعتراف کیا۔

حافظ الحدیث حضرت مولانا محمد عبد اللہ درخواستی مدظلہ نے اپنے تعزیتی بیان میں فرمایا کہ "مولا: عثمانی کی وفات سے جو خلاء پیدا ہوا ہے وہ کبھی پر نہیں ہوگا۔ وہ اس وقت برصغیر میں ایک ممتاز اور جید عالم دین تھے ان کی ساری زندگی قرآن وحدیث کی خدمت میں بسر ہوئی۔"

خطیب ملت حضرت مولانا احتشام الحق صاحب تھانوی نے اپنے بیان میں فرمایا کہ "حضرت مولانا عثمانی کی وفات سے تمام علمی و دینی حلقے یتیم ہو گئے اور پاکستان اپنے مذہبی بانی و سرپرست سے محروم ہو گیا ہے۔"

محدث عصر حضرت مولانا سید محمد یوسف صاحب بنوری مدظلہ نے اپنے تعزیتی اداریے میں تحریر فرمایا کہ "حضرت عثمانی کے عظیم سانحہ نے ہمارے قلوب کو مجروح کر دیا ہے اور ان کی رحلت سے مسند علم و تحقیق، مسند تصنیف و تالیف، مسند تعلیم و تدریس، مسند بیعت و ارشاد بیک وقت خالی ہو گئیں۔ ان کو پر کرنے والا مستقبل میں کوئی نظر نہیں آیا ہے۔"

فخر اسلاف حضرت مولانا محمد تقی عثمانی صاحب فرماتے ہیں کہ "ان کی وفات پورے عالم اسلام کا عظیم سانحہ ہے اور ان کے ساتھ ہی موجودہ صدی کی ایک تاریخ رخصت ہو گئی ہے۔ اللہ تعالیٰ انھیں جوارِ رحمت میں جگہ عطا فرمائے۔"

مخدوم العلماء حضرت مولانا مفتی جمیل احمد صاحب تھانوی مدظلہ اپنے تاثرات میں فرماتے ہیں کہ :۔

آہ! مولانا ظفر احمد رئیس کارواں — علم کے کوہ بلند اور زہد کے شبلی صفات

عالم باقی و دائم کی طرف ہو کر رواں — چھوڑ بیٹھے ہیں ہمیشہ کو جہان بے ثبات

اب کہاں وہ فیض علمی اور کہاں اصلاح حال — اب کہاں وہ جامع شرع و طریقت نیک ذات

شمس علم ظاہر و باطن ہوا ہے غروب — روز روشن بخت کا اب بن گیا تاریک رات

عارف باللہ حضرت بابا نجم احسن صاحب نگرامی نے یہ تاریخ وفات لکھی ہے :۔

ظفر احمد رہے مردِ حق آگاہ !
مکیں خلد شد مغفور باللہ

۱۳۹۴ھ

حضرت مولانا ظفر احمد عثمانیؒ

توحید خالص

توحید خالص یہ ہے کہ خدا کے سوا کسی پر نظر نہ کرے، کیونکہ وہ یکتا ہے (صمد ہے، سب اسی کے محتاج ہیں، وہ کسی کا محتاج نہیں) جب تم نے "یااللہ!کہا، تو اللہ کو اسم اعظم سے یاد کیا، مگر تم اس کی عظمت وہیبت سے ہنوز محروم ہو کیونکہ تم نے اپنی شان کے موافق کہا ہے، اس نام کی شان کے موافق نہیں کہا!

اے عزیز! خدا کی قسم قربِ الٰہی میں نہ وصال ہے نہ جدائی، نہ حلول ہے نہ انتقال، نہ حرکت ہے نہ سکون، نہ چھونا ہے نہ پاس ہونا، نہ مقابلہ ہے نہ برابری، نہ سامنا ہے نہ مماثلت، نہ ہم شکل ہونا ہے نہ ہم جنس ہونا، نہ کوئی جسم ہے نہ کوئی تصور، نہ تاثر ہے نہ تغیر و تبدل، یہ تو سب کی

سب تیری صفات ہیں۔ حق سبحانہ تیری ان صفات و کیفیات سے منزہ ہے، یہ تو اسی کی بنائی ہوئی ہیں۔ پھر وہ ان کے ذریعہ سے یا ان کے اندر کیونکر ہو سکتا ہے، یہ تو خود اسی سے ظاہر ہوئی ہیں۔ وہ ان سے ظاہر نہیں ہوا، وہ ان شکلوں، صورتوں اور معانی سے پاک اور منزہ ہے! نہ وہ ان میں چھپا ہوا ہے نہ ان سے ظاہر ہوا، نہ کسی کا فکر اُس تک پہنچا، نہ کسی کی نظر نے اس کا احاطہ کیا!

گفتگو کا دائرہ حقیقت کے بیان سے قاصر ہے، اللہ تعالیٰ کی صفات کو اپنی صفات پر قیاس نہ کرو۔ اشارہ کے طور پر صفاتِ الٰہی کے متعلق جو کچھ کہا گیا ہے، یہ محض سمجھانے کے لئے ہے، اس کا یہ مطلب نہیں کہ ان صفات کی جو حقیقت تم سمجھے ہو، اللہ تعالیٰ کی صفات ویسی ہی ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی جو صفات بیان کی جاتی ہیں اور جو کچھ اس کی تعریف کی جاتی ہے وہ صرف اس لئے کہ اللہ تعالیٰ جن کمالات کا مستحق ہے، اُن کو ثابت کیا جائے، اور عیبوں سے دامن کو پاک سمجھا جائے۔ مگر درحقیقت وہ جس عظمت کا مستحق ہے، وہ تو علم اور عقل و فہم کے ادراک سے بہت دُور ہے! ولا یحیطون به علماً لوگوں کا علم اس کو محیط نہیں ہو سکتا! رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے :۔

﴿لا احصی ثناء علیك انت کما اثنیت علی نفسك﴾

اے اللہ! میں آپ کی پوری تعریف نہیں کر سکتا، بس آپ ویسے ہی ہیں
جیسا آپ نے خود اپنی تعریف کی ہے!

دوستو! کیا کہا جائے، کیا بیان کیا جائے؟ خدا کی قسم! زبانیں گونگی، عقلیں حیران اور دل سوختہ ہیں، حیرت اور دہشت کے سوا کسی کے پاس کچھ نہیں۔

دُور بینان بارگاہ الست! غیر ازیں پے نہ بردہ اند کہ ہست!
در طریقت آنچہ می آید بدست حیرت اندر حیرت اندر حیرت است!

اے اللہ! اپنے بارے میں میری حیرت کو اور زیادہ کیجئے کہ یہ حیرت ہی مطلوب ہے، جس کو یہ میسّر نہیں وہ محروم ہے۔

مصلحت نیست مرا سیری ازاں آبِ حیات زادنی اللہ به کل زمان عطشا !

دوستو! ہم کو ظاہری توحید پر محض رحمت کی وجہ سے چھوڑ دیا گیا ہے، تاکہ تم دعوتِ توحید کے جھنڈے تلے آجاؤ، چونکہ نرمی کرنا مقصود ہے، اس لئے تمھاری ظاہری طاعت اور دعویٰ توحید پر اکتفا کیا گیا تاکہ تم الٹے نہ لوٹ جاؤ اس لئے ظاہر پر دعوی توحید کی بناء پر تمھارا نام مسلم رکھ دیا گیا، اس کی حقیقت کا مطالبہ نہیں کیا گیا، کیونکہ وہ تو تمھاری طاقت سے باہر ہے اور اللہ تعالیٰ کسی کو طاقت سے زیادہ کا مکلف نہیں بناتے، پس جس شہادتِ توحید کا تم سے مطالبہ کیا گیا ہے، اسلام سے تمھارا وہی حصہ ہے، اسی سے تم منکرین کے زمرہ سے نکل گئے! اگرچہ ابھی تک حقیقی مومنوں کے زمرہ میں داخل نہیں ہوئے:۔

﴿قالت الاعراب امنا قل لم تومنوا ولکن قولوا اسلمنا!﴾

یہ دیہاتی کہتے ہیں کہ ہم ایمان لے آئے، فرما دیجئے تم ایمان نہیں لائے ہاں یوں کہو کہ تابعدار بن گئے!

یہ گمان نہ کرنا کہ کسی کو توحید کی حقیقت کا ادراک ہو گیا ہے۔ بس ہر شخص کی توحید اس کے درجہ کے موافق ہے، جس کو کشفِ الٰہی سے جتنا حصہ ملا ہے، وہی توحید سے اس کا حصہ ہے۔ ورنہ حقیقتِ توحید کو کون پا سکتا ہے! متناہی غیر متناہی کا احاطہ نہیں کر سکتا! حادث قدیم کا ادراک نہیں کر سکتا۔ بس جو کچھ ہے کشفِ الٰہی کی عطائیں ہیں اور اس کی کوئی حد نہیں، اگر ایسا ہوتا تو سیدنا رسول اللہ ﷺ سے یوں نہ کہا جاتا:۔

﴿وقل رب زدنی علما﴾

یہ دعا کرتے رہو کہ اے رب میرے علم کو بڑھاتا رہ!

اس سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ ﷺ کے علم و معرفت میں برابر ترقی ہوتی رہتی تھی، جب حضورؐ جیسی کامل ہستی بھی برابر ترقی میں ہے تو کسی دوسرے کی کیا مجال ہے جو یہ دعویٰ کر سکے کہ میں نے قربِ الٰہی کے تمام مراتب اور وصول کے تمام درجات طے کر لئے اور ایسی غایت پر پہنچ گیا ہوں جس کے آگے کوئی درجہ اور مرتبہ نہیں رہا اور یہ تمام گفتگو محض لفظی دلائل اور سمجھانے کے عنوانات ہیں۔ ورنہ جن حقیقت شناسوں کو حقیقت کی کچھ خبر ہے، اُن کے پاس تو وہ

براہین اور دلائلِ قطعیہ ہیں جن کے ہوتے ہوئے ان لفظی دلائل اور متکلمانہ عنوانات کی کچھ ضرورت نہیں، وہ اپنی حقیقتِ حال سے جانتے ہیں کہ ان کا سرمایہ عجز ہے اور انتہا یہ ہے کہ سمجھنے سے قاصر ہیں۔

ایں مدعیاں در طلبش بے خبر اند　　　آنراکہ خبر شد خبرش باز نیامد

بندہ کے لئے اپنے پروردگار کو پہنچاننے کا طریقہ یہ ہے کہ اپنے آپ کو پہچانے۔ جس نے اپنے آپ کو پہچان لیا اس نے اللہ تعالیٰ کو پہچان لیا۔ جس نے یہ جان لیا کہ میں خدا کا ہو (یہ ہے اپنا پہچاننا) وہ اپنا سب کچھ خدا پر قربان کردے گا (یہ ہے خدا کو پہچاننا) جو اپنے نفس سے اور تمام اغیار سے الگ ہو گیا جس نے طبیعت کے گرد فکر سازو سامان، تکبر و عجب پر لات ماردی وہ جہل کی قید سے چھوٹ گیا اور عارف ہو گیا، معرفت کی حقیقت یہ نہیں کہ اونی جبہ ہو، سر پر کلاہ ہو، اونچے کپڑے ہوں، بلکہ معرفت یہ ہے کہ خشیت و غم کا جبہ ہو، سچائی کا تاج ہو، توکل کا لباس ہو۔ اگر ایسا ہو تو بس تم عارف ہو گئے! عارف کا ظاہر شریعت کی چمک سے اور باطن محبت الٰہی کی آگ سے خالی نہیں ہوتا۔

کارِ مرداں روشنی و گرمی است!　　　کاردو نان حیلہ و بے شرمی است!

وہ حکم کے ساتھ ٹھہر جاتا ہے اور راستہ سے ہٹنے نہیں پاتا۔ اس کا دل وجد کی چنگاریوں پر لوٹتا رہتا ہے، اس کا وجد ایمان ہے، اس کا سکون یقین ہے (جس کے حاصل کرنے کا طریقہ اتباع سنت اور کثرتِ ذکر ہے) ذکر اللہ کی پابندی کرو، کیونکہ ذکر وصال کا مقناطیس ہے۔ قرب کا ذریعہ ہے (اور قرب ہی سے توحید کامل ہوتی ہے) جو اللہ کو یاد کرتا ہے وہ اللہ سے مانوس ہو جاتا ہے اور جو اللہ سے مانوس ہو گیا وہ اللہ تک پہنچ گیا۔ مگر ذکر اللہ عارفین کی صحبت و برکت سے دل میں جمتا ہے! کیونکہ آدمی اپنے دوست کے طریقہ پر ہوتا ہے (اگر ذاکران عارفین سے میل جول رکھے گا ذکر و معرفت سے حصہ پائے گا اور غافلوں کی صحبت میں رہے گا، غفلت میں گرفتار ہو گا) اس علم سے کیا فائدہ جس پر عمل نہیں اور اس عمل سے کیا نفع جس میں اخلاص نہیں؟ اور اخلاص کٹھن راستہ کے

کنارہ پر ہے، اب بتا تجھے عمل کے لئے کون ابھارے گا؟ ریا کے زہر کا جو تیرے اندر بھرا ہوا ہے کون علاج کرے گا؟ اور اخلاص حاصل ہو جانے کے بعد تجھے بے خوف وخطر راستہ کون بتلائے گا؟ جاننے والوں سے پوچھو اگر تم نہیں جانتے!

﴿فاسئلوا اهل الذكر ان كنتم لاتعلون!﴾

امام شافعیؒ نے ان تمام باتوں کو جو توحید کے بارے میں بیان کی جاتی ہیں، اپنے اس ارشاد میں جمع کر دیا ہے کہ خالق جل شانہ کے متعلق جس کی معرفت ایسے موجود پر ختم ہو گئی جس تک اس کا ذہن پہنچ سکتا ہے، وہ مشبہ ہے، اور جس کی معرفت خالص عدم تک پہنچ کر ساکن ہو گئی وہ معطل ہے اور جس کے دل کو ایسے موجود پر قرار ہوا جس کی معرفت سے عاجز ہونے کا دل نے اقرار کر لیا تو یہ موحد ہے!

دوستو! اللہ تعالیٰ کو مخلوقات کے عیوب اور اُن جیسی صفات سے پاک سمجھو! اس قسم کی باتوں سے اپنے عقائد کو محفوظ رکھو کہ معاذ اللہ وہ عرش پر اس طرح قرار پکڑے ہوئے ہے، جیسا ایک جسم دوسرے جسم پر قرار پکڑتا ہے اس سے اللہ تعالیٰ کا عرش میں حلول کرنا لازم آتا ہے اور وہ اس سے بلند وبالا ہے کہ کوئی اس کا احاطہ کر سکے، اور مکان مکین کو محیط ہوتا ہی ہے۔ پس خدا مکان سے پاک ہے) خبردار! اللہ تعالیٰ کے لئے جہت اور مکان وغیرہ ثابت نہ کرنا۔ نیز اجسام کی طرح اس کے لئے نزول وعروج کے قائل نہ ہونا۔ کتاب وسنت میں اگر کہیں ایسے الفاظ آئے ہیں، تو اسی کتاب و سنت میں دوسری نصوص بھی موجود ہیں۔ جو اللہ تعالیٰ کا مخلوق کی طرح نزول وعروج واستقرار وغیرہ سے پاک ہونا بتلاتی ہیں۔ اب اس کے سوا کچھ چارہ نہیں کہ سلفِ صالحین کی طرح یوں کہا جائے کہ ہم ان متشابہات کے ظاہر پر ایمان لاتے ہیں اور مراد کے علم کو اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ ﷺ کے حوالے کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کو جہت اور کیفیت اور مخلوقات کے عیوب سے پاک سمجھتے ہیں ہمارا کام متشابہات کو پڑھ لینا اور خاموش رہنا ہے اللہ تعالیٰ اور سول اللہ ﷺ کے سوا کسی کو ان کی تفسیر کا حق نہیں، متشابہات کو محکم پر محمول کرنا چاہئے کیونکہ کتاب اللہ میں اصل وہی آیات ہیں جو محکم میں متشابہ محکم کا معارض نہیں ہو سکتا (محکم وہ آیات ہیں جن کا مطلب واضح نہیں ہو سکتا ہے اعتقاداً نہی

کے موافق رکھنا چاہیے۔ اگر متشابہات ظاہر میں ان کے خلاف ہوں تو سمجھنا چاہیے کہ حقیقی مراد اُن کی بھی محکم ہی کے موافق ہے۔ گو ہم نہ سمجھے ہوں، کیونکہ متشابہات کے متعلق خود قرآن کا فیصلہ ہے کہ اُن کی اصلی مراد کو اللہ ہی جانتا ہے!) (ماخوذ فاران کراچی توحید نمبر)

﴿استماع الملاهی و الجلوس علیها و ضرب المزامیر و الرقص کلها حرام!﴾ (جامع الفتاویٰ)

(لہو ولعب سُننا، اور ایسی محفل میں بیٹھنا اور مزامیر کا بجانا اور رقص کرنا، یہ سب باتیں حرام ہیں)

رسول اکرم ﷺ کی وصیتیں

حدیث مبارک: ''حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا مجھے کچھ وصیت کیجئے۔''

فرمایا: ''میں تم کو اللہ سے ڈرنے کی وصیت کرتا ہوں کہ وہ تمھارے ہر کام کو زینت بخشنے والا ہے، میں نے عرض کیا کچھ اور فرمایئے۔ فرمایا تلاوتِ قرآن اور ذکر اللہ کی پابندی رکھو کہ اس سے عالم بالا میں تمھارا تذکرہ ہوتا رہے گا اور زمین میں تم کو خاص نور حاصل ہوگا، میں نے عرض کیا کچھ اور فرمایئے فرمایا ''خاموش زیادہ رہا کرو کیونکہ خاموشی شیطان کو بھگانے والی اور دین کے کاموں میں تمھاری مددگار ہے۔''میں نے عرض کیا کچھ اور فرمایئے فرمایا زیادہ ہنسنے سے بچو کیونکہ زیادہ ہنسنے سے دل مردہ ہو جاتا ہے اور چہرہ کی رونق جاتی رہتی ہے۔ میں نے عرض کیا کچھ اور فرمایئے فرمایا حق بات کہو اگرچہ تلخ ہو میں نے عرض کیا کچھ اور فرمایا! اللہ کے معاملہ میں کسی ملامت کرنے والے کی ملامت کی پرواہ نہ کرو۔ میں نے عرض کیا کچھ اور فرمایئے، فرمایا ''جو کچھ تم اپنے بارے میں جانتے ہو وہ تم کو لوگوں کے درپے ہونے سے روک دے۔''(اس حدیث کو حافظ بیہقی اور امام احمد اور طبرانی نے روایت کیا ہے)

شرح

تقویٰ کمال ایمان کو کہتے ہیں جو شخص اللہ سے ڈرے گا دینی احکام کو بھی بجالائے گا اور جن کاموں سے منع کیا گیا ہے ان سے بچے گا اسی سے ایمان کامل ہوتا ہے اور اسی سے دنیا بھی سنورتی ہے اور دین بھی آج جو مسلمانوں میں جرائم کی کثرت ہے کہ روزانہ اخبارات میں اغوا، قتل، چوری، ڈکیتی، رشوت، ذخیرہ اندوزی دغا فریب وغیرہ کے واقعات چھپتے رہتے ہیں اس کا سبب اسکے سوا کچھ نہیں کہ دلو ں سے خوفِ خدا اور اندیشۂ آخرت اُٹھ گیا ہے۔ مسلمانوں نے آجکل یہ سمجھ لیا ہے کہ بس کلمہ پڑھ لیا یہی کافی ہے عمل کی کچھ ضرورت نہیں ان کو یاد رکھنا چاہیے کہ صرف کلمہ پڑھ لینے سے اللہ تعالیٰ کی مدد ان کے ساتھ نہ ہوگی، اللہ تعالیٰ کی مدد صبر و تقویٰ کے بعد نازل ہوا کرتی ہے۔

﴿بلی ان تصبروا و تتقوا ویاتوکم من فورهم هذا یمددکم ربکم بخمسة الاف من الملائکة مسومین O﴾

﴿ولوان اهل القرٰی اٰمنو ا و اتقوا لفتحنا علهم برکات من السماء والارض ولکن کذبوا فاخذنا هم بما کانوا یکسبون۔ O﴾

بے شک اگر تم صبر واستقلال اور تقویٰ اختیار کرو اور دشمن دفعۃً تم پر حملہ کر دے تو تمھارا پروردگار پانچ ہزار فرشتوں سے تمھاری مدد کرے گا جو خاص نشان لگائے ہونگے دوسری جگہ ارشاد ہے۔

اور اگر یہ بستی والے ایمان اور تقویٰ اختیار کرتے تو یقیناً ہم ان پر آسمان و زمین کی برکتیں نازل کرتے اور رحمت کے دروازے کھول دیتے لیکن انھوں نے جھٹلایا کہ ایمان و تقوی کی ضرورت نہیں تمھاری ہمت و تدبیر ہی سے سب کام بن جائیں گے تو ہم نے ان کے اعمال بد کے سبب ان کو پکڑ لیا۔

چونکہ تقویٰ پر دنیاو آخرت دونوں کی فلاح موقوف ہے اس لئے قرآن میں

بھی اس کی

معاذ اسے اپنی محبت کا اظہار کر کے اس کی وصیت فرمائی ہے حدیث سے نمازوں کے بعد دعا کا بھی ثبوت ہو گیا جو تمام مسلمانوں میں ہر نماز کے بعد معمول ہے۔ حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک شخص کو وصیت فرمائی کہ جب سونے کی جگہ میں جاؤ یعنی سونے کا قصد کرو تو سورۃ الحشر پڑھ لیا کرو۔ اگر تم اس رات مر گئے تو شہید مرو گے اس کو ابن السنی نے عمل الیوم واللیلہ میں روایت کیا ہے۔ ایک روایت میں بجائے سورہ الحشر کے اواخر سورۃ الحشر ھو اللہ الذی لا الہ الا ھو علم الغیب والشھادۃ سے ختم سورت تک پڑھنے کا یہی ثواب آیا ہے۔"

حضرت براء بن عازبؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک شخص کو وصیت فرمائی کہ جب سونے کے لئے خواب گاہ کا ارادہ کرو تو یہ پڑھا کرو:۔

اللھم اسلمت نفسی الیك و فوضت امری الیك ووجھت و جھی الیك و الجات ظھری الیك رغبة ورھبة الیك لا ملجاء منك الا الیك امنت بکتابك الذی انزلت و نبیك الذی ارسلت O

"اے اللہ! میں اپنی ذات کو آپ کے حوالے کرتا ہوں اپنے ہر کام کو آپ کے سپرد کرتا ہوں اپنے چہرہ کا رخ آپ کی طرف پھیرتا ہوں، آپ ہی سے پشت پناہی چاہتا ہوں آپ ہی سے امید رکھتا ہوں اور آپ ہی سے ڈرتا ہوں، آپ سے بھاگنے کی اور پناہ کی جگہ آپ کے سوا کوئی نہیں آپ کی اس کتاب پر ایمان لایا جو آپ نے نازل کی ہے اور آپکے نبیؐ پر بھی ایمان لایا جن کو آپ نے بھیجا ہے۔"

"حضور اکرم ﷺ نے فرمایا کہ اگر تم رات ہی کو مر گئے تو فطرت واسلام پر مرو گے اور اگر صبح کو اچھے خاصے اُٹھ گئے تو خیر وبرکت پاؤ گے۔" اس کو امام بخاری نے اپنی صحیح بخاری میں

روایت کیا ہے۔

ضرغامہ بن علیہ بن حرملۃ عنبری اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ وہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا یارسول اللہ ﷺ! مجھے کچھ وصیت فرما دیجئے فرمایا اللہ سے ڈرتے رہو اور جب تم کسی مجلس میں بیٹھو پھر وہاں سے کھڑے ہو جاؤ اور لوگوں کو ایسی باتیں کرتے سنو جو تم کو پسند ہوں تو اس مجلس میں پھر آؤ اور اگر ان کو ایسی باتیں کرتے سنوں جو تم کو ناگوار ہوں تو اس مجلس کو چھوڑ دو۔ اس کو امام احمدؒ اور ابن سعید نے روایت کیا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ جن لوگوں کو اپنے پیچھے بھی اچھی باتوں اور اچھے کاموں میں مشغول پاؤ ان کو اپنا جلیس بناؤ اور جن لوگوں کو اپنے پیچھے بری باتوں اور برے کاموں میں مشغول پاؤ انکو اپنا ہم نشین نہ بناؤ ان سے الگ رہنا ہی اچھا ہے۔

"حضرت معاذ بن جبلؓ نے رسول اکرم ﷺ سے عرض کیا مجھے کچھ وصیت کیجئے فرمایا اپنے دین میں اور دین کے کاموں میں اخلاص پیدا کرو تھوڑا عمل بھی کافی ہو جائے گا۔" یہ حقیقت ہے کہ اخلاص کے بغیر کوئی عمل بارگاہ الٰہی میں قبول نہیں ہوتا اور اخلاص کے ساتھ تھوڑا عمل بھی وزنی ہو جاتا ہے۔ حضرات صحابہؓ کو جو اولیاءِ اُمت یہ ہے کہ یاد رکھو ہر وقت موت کے لئے تیار رہو۔" (شاید ہمیں نفس، نفس واپسیں بود!)

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے عرض کیا یارسول اللہ! مجھے کچھ وصیت کیجئے فرمایا! غصہ نہ کیا کرو کیونکہ غصہ ایمان کو ایسا خراب کر دیتا ہے جیسا کہ شہد کو ایلواء (اس کو حاکم اور بیہقی نے روایت کیا ہے) مراد بے جا غصہ ہے جس کی شریعت سے اجازت نہ ہو اور جہاں شریعت نے غصہ کرنے کی اجازت دی ہے وہاں غصہ کرنا جائز ہے مگر وہاں بھی حدود کی رعایت ضروری ہے، حد سے تجاوز کرنا جائز نہیں!

حضرت سعد بن ابی وقاص سے روایت ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا مجھے کچھ وصیت کیجئے فرمایا لوگوں کے پاس جو کچھ ہے اس سے امید قطع کر لو اور طمع و حرص سے بچتے رہو کہ یہ نقد احتیاج ہے (حریص آدمی محتاج ہی ہے گو بظاہر دولت مند ہو اور ایسی بات اور ایسے کام سے بچو جس سے بعد میں معذرت کرنی پڑے اسود بن احرم حارثی کہتے ہیں کہ میں نے رسول

اللہ ﷺ سے عرض کیا مجھے کچھ وصیت کیجئے : فرمایا! تمہیں اپنی زبان پر قابو ہے ؟ میں نے کہا اگر مجھے اپنی زبان پر بھی قابو نہ ہو تو کس چیز پر قابو ہو گا۔ فرمایا! تم کو اپنے ہاتھوں پر قابو ہے ؟ میں نے کہا اگر میں اپنے ہاتھوں پر بھی قابو نہ رکھوں تو کس چیز پر قابو رکھوں گا فرمایا! تو بس اپنی زبان سے اچھی بات کے سوا کچھ نہ نکالو اور اپنے ہاتھ کو نیکی کے سوا کسی چیز پر یا کسی کام کی طرف نہ بڑھاؤ!

سبحان اللہ! کس خوبی کے ساتھ نصیحت فرمائی ہے کہ پہلے بتا دیا کہ انسان کی زبان اور ہاتھ پیر اسی کے اختیار میں ہیں اور ان سے جو گناہ ہوتے ہیں اختیار سے ہوتے ہیں بے اختیار نہیں ہوتے، پس انسان کو اپنے اختیار سے کام لینا اور زبان ہاتھ پیروں کو گناہوں سے بچانا چاہیے اور معلوم ہے کہ زیادہ تر گناہ ان ہی سے ہوتے ہیں جس نے ان کو بچا لیا اس نے گویا اپنے آپ کو پوری طرح گناہ سے بچا لیا۔"

اشرف البیان۔ فی معجزات القرآن

رشحات قلم مولانا ظفر احمد عثمانیؒ

بعد الحمد والصلوۃ قرآن نمبر کے لئے چند واقعات لکھتا ہوں جن میں سے بعض تو حضرت حکیم الامت مولانا محمد اشرف علی تھانوی قدس سرہ سے سُنے ہیں۔ بعض دوسرے ثقات سے سُنے ہیں۔ بعض میرے سامنے گزرے ہیں۔

حضرت حکیم اُلامت نے فرمایا بھوپال میں ایک قاری صاحب تھے ان کو حج کا شوق ہوا اور اتنا تقاضا ہوا کہ بے چین ہو گئے۔ جیب میں ایک ہی روپیہ تھا اسی پر ارادہ کر لیا۔ بارہ آنے کا تھیلا سلوایا چار آنے کے بھنے ہوئے چنے تھیلے میں بھر کر پانی کے لئے لوٹا اور گلاس لے کر بھوپال سے بمبئی کو پیدل روانہ ہو گئے راستہ میں کسی نے دعوت کر دی تو قبول کر لی ورنہ چنے کھا کر پانی پی لیا۔ اسی طرح بمبئی پہنچ گئے جہاز جدہ کے لئے تیار تھا ان کے پاس ٹکٹ کے دام نہ تھے۔ کپتان کے پاس پہنچے اور کہا کہ مجھے حج کا شوق ہے مگر ٹکٹ کے دام نہیں، اگر کوئی نوکری جہاز میں مل جائے تو میں مکہ پہنچ جاؤں گا۔ کپتان نے کہا نوکری تو ہے مگر آپ کے لائق نہیں آپ مقدس آدمی ہیں اور نوکری گندی ہے فرمایا

اس کی پرواہ نہیں جیسی بھی نوکری ہو مجھے منظور ہے اس نے کہا کام مشقت کا ہے، آپ سے نہ ہو گا فرمایا کیسی ہی مشقت ہو میں کرلوں گا۔ کہا اچھا یہ بوری غلہ کی بھری ہوئی ہے آپ اس کو اُٹھالیں تو نوکری دے دوں گا قاری صاحب نے دعا کی "اے اللہ یہاں تک تو میرا کام تھا آگے آپ کا کام ہے کہ اس بوری کو مجھ سے اٹھوا دیجیئے۔ یہ دعا کر کے بسم اللہ پڑھ کر بوری کو اٹھایا اور سر سے اوپر لے گئے کپتان کو حیرت ہوگئی خوش ہو کر کمر تھپکی اور کہا کام یہ ہے کہ روزانہ نل سے سمندر کا پانی عرشہ پر بہادیا جائے اور پاخانوں میں بھی پانی بہادیا جائے۔ قاری صاحب نے یہ کام منظور کیا اور لنگی باندھ کر روزانہ یہ کام کرتے اور نماز کے وقت غسل کر کے دوسرے کپڑے پہن لیتے رات کو تہجد میں قرأت سے قرآن پڑھتے خوش الحان تھے۔ ایک رات کپتان عرشے پر دیکھ بھال کے لئے آیا تو قاری صاحب کو نماز میں قرآن پڑھتے ہوئے سنا تو کھڑا ہو کر سننے لگا اس کے دل پر بہت اثر ہوا نماز کے بعد قاری صاحب سے پوچھا کہ آپ یہ کیا پڑھ رہے تھے فرمایا یہ قرآن ہے۔ اللہ کا کلام ہے۔ کہا ہم کو بھی پڑھاؤ فرمایا اس کے لئے شرط یہ ہے کہ آپ غسل کر کے پاک کپڑے پہن کر آئیں کپتان غسل کر کے پاک کپڑے پہن کر آیا قاری صاحب نے اسے کلمۂ طیبہ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ پڑھایا پھر قل ہو اللہ احد پڑھائی۔ کپتان بہت خوش ہوا اور چلتے پھرتے قل ہو اللہ احد پڑھتا تھا دوسرے انگریزوں نے اس سے کہا کہ تم مسلمان ہو گئے ہو کہا نہیں ہمنے اپنے خلاصی سے یہ سبق سیکھا ہے۔ لوگوں نے کہا تم مسلمان ہو گئے ہو۔ کپتان قاری صاحب کے پاس آیا اور پوچھا کیا میں مسلمان ہو گیا ہوں ؟ فرمایا تم تو کئی دن پہلے مسلمان ہو گئے ہو۔ کپتان یہ سن کر پہلے تو چونکا پھر کہا اچھا ہم مسلمان ہو گئے ہیں تو مسلمان ہی رہیں گے۔ اس کے بعد اپنی بیوی سے کہا ہم مسلمان ہو گئے ہیں اگر تم مسلمان ہونا چاہو تو ہمارے ساتھ رہو ورنہ الگ ہو جاؤ۔ اس نے انکار کیا تو اس کو الگ کر دیا جب جہاز جدہ پہنچا اور قاری صاحب جہاز سے اترنے لگے تو کپتان نے استعفیٰ لکھ کر اپنے نائب کو دیا کہ اب تم میری جگہ کام کرو اور حکومت کو میرا استعفیٰ بھیج دو، میں بھی مکہ جا رہا ہوں حج کروں گا۔ پھر وہ قاری صاحب کے ساتھ روانہ ہو گیا اور مکہ پہنچ کر قاری صاحب کے ساتھ حج ادا کیا۔ اللہ تعالیٰ نے قدم قدم پر قاری صاحب

کی مدد کی اور یہ کپتان بھی ان کے ساتھ آرام سے کھاتا پیتا رہا پھر دونوں مدینہ منورہ پہنچے۔

دوسرا واقعہ حضرت حکیم الامت مولانا محمد اشرف علی تھانوی قدس سرہ نے کسی اخبار کے حوالہ سے بیان فرمایا تھا کہ امریکہ میں ایک فلم کمپنی کے مالک کو نماز کی فلم لینے کا شوق ہوا تو اس نے چند عرب والوں سے جو امریکہ میں مقیم تھے اپنا خیال ظاہر کیا اور کہا کہ آپ لوگوں میں جو خوش الحان موذن ہو اور خوش الحان قاری ہو اس کو لائیے اور دس پندرہ مقتدی بھی ساتھ ہوں۔ میں نماز کی فلم لوں گا چنانچہ عشاء کے وقت یہ سب فلم کمپنی میں آئے۔ موذن نے اذان دی تو کمپنی کے مالک پر اس کا بڑا اثر ہوا، پھر نماز شروع ہوئی، قاری کی قرأت سن کر زار زار رونے لگا۔ نماز ختم ہوئی تو فلم کمپنی کے مالک نے امام صاحب سے کہا مجھے مسلمان کر لو۔ انھوں نے غسل کرا کر اسے کلمہ پڑھایا اور مسلمان کر لیا۔ اس نے کہا آپ ایک دو گھنٹہ روزانہ مجھے قرآن اور تعلیماتِ اسلام کا سبق دے دیا کیجئے میں آپ کی خدمت کروں گا۔ امام نے کہا اس کی ضرورت نہیں یہ تو میرا اسلامی فرض ہے۔ کہا آپ اپنا فرض ادا کریں میں اپنا فرض ادا کروں گا۔

اس کے بعد فلم کمپنی بند کر دی یا فروخت کر دی اور اپنے گھر میں گوشہ نشین ہو گیا۔ دوستوں نے ٹیلیفون پر اس سے پوچھا کہ تم کو اسلام سے کیا ملا؟ بظاہر تو نقصان ہی ہوا کہ اتنا بڑا کاروبار چھوڑ دیا جس سے لاکھوں روپے کی آمدنی تھی اس نے جواب دیا کہ مجھے اسلام سے سکونِ قلب اور راحتِ قلب حاصل ہوئی ہے جو کسی چیز سے حاصل نہیں ہوئی تھی۔ میں نے پہلے کپڑے کی دکان کی جس میں بہت فائدہ ہوا مگر سکون قلب حاصل نہ ہوا پھر سائیکلوں، موٹروں کا کاروبار کیا اس میں بھی بہت آمدنی ہوئی مگر سکونِ قلب نصیب نہ ہوا۔ پھر فلم کمپنی کھولی اس سے بہت آمدنی ہوئی مگر سکونِ قلب نصیب نہ ہوا۔ اسلام قبول کر کے کلمہ پڑھا تو دل کو سکون واطمینان اور ٹھنڈک حاصل ہوئی۔ اب مجھے کسی کاروبار کی ضرورت نہیں میرے پاس اتنی دولت ہے کہ میری اولاد سات پشتوں تک آرام سے کھا سکتی ہے اب جو دولت مجھے اسلام سے حاصل ہوئی ہے میں اس میں ترقی کرنا چاہتا ہوں۔

حضرت حکیم الامت نے یہ واقعہ بیان کر کے فرمایا کہ واللہ کفار کے قلوب کو سکون واطمینان نصیب نہیں گو ظاہر میں سامانِ راحت ہزار ہوں یہ دولت صرف اسلام ہی سے حاصل

ہوتی ہے۔ اس ارشاد کی وضاحت میں یہ واقعہ سنایا کہ ہمارے قصبہ میں حاجی عبدالرحیم نو مسلم موجود ہیں۔ وہ کہتے تھے کہ جب ہم نے ۱۷، ۱۸ سال کی عمر میں اسلام قبول کیا تو ہندوؤں سے چھپ کر نمازیں پڑھتے تھے ابھی ہم نے اپنا اسلام ظاہر نہیں کیا تھا صرف اُستاد کو علم تھا جن سے ہم اردو فارسی پڑھتے تھے۔ انھی کے ہاتھ پر اسلام لائے تھے، وہ کہتے تھے کہ ان نمازوں کی کیفیت اور حلاوت کو نہ پوچھو جو ہم چھپ کر پڑھتے تھے۔ پھر فرمایا ایک دفعہ میں سہارنپور سے لکھنؤ کا ارادہ کر کے ریل میں سوار ہوا۔ مجھے دیکھ کر منشی حبیب احمد تھانوی بھی میرے ڈبے میں آ گئے جب ریل چھوٹ گئی تو باتیں کرنے لگے میں نے پوچھا آپ کہاں جا رہے ہیں۔ کہا میں میرٹھ جا رہا ہوں میں نے کہا ممکن ہے آپ میرٹھ پہنچ جائیں لیکن یہ ریل گاڑی تو لکھنوء جا رہی ہے۔ میرا ٹکٹ لکھنو کا ہے یہ سن کر وہ بڑے پریشان ہوئے میں نے کہا اب پریشانی بیکار ہے یہ گاڑی رڑکی سے پہلے نہیں رکے گی، اطمینان سے باتیں کرو۔ جب گاڑی رکے گی اتر جانا اور دوسری ٹرین سے میرٹھ چلے جانا مگر میں نے دیکھا کہ ان کی پریشانی کم نہ ہوئی، بڑھتی ہی جاتی تھی۔ اس وقت میں نے سوچا کہ میرا اطمینان و سکون اور ان کی پریشانی کا سبب اس کے سوا کچھ نہیں کہ میں سیدھے راستہ پر تھا اور وہ غلط راستے پر تھے۔ مسلمان کے دل کو سکون و اطمینان اسی واسطے ہوتا ہے کہ وہ جانتا ہے میں سیدھے راستے پر ہوں کبھی نہ کبھی منزل مقصود (یعنی جنت) پر پہنچ جاؤں گا۔ کافر کو سیدھے راستہ پر ہونے کا یقین نہیں اس لئے ان کو اطمینان و سکون و راحت قلب نہیں۔ گو ظاہر میں کیسا ہی سامان راحت جمع کر لیں۔

ایک واقعہ بعض دوستوں نے بیان کیا اور کہا یہ اخبارات میں بھی شائع ہو گیا ہے کہ ایک دفعہ اے کے فضل الحق مرحوم (جو کسی زمانہ میں مسلم لیگ کی وزارتِ بنگال، کلکتہ میں وزیر اعظم تھے) دہلی سے کلکتہ جانے کے لئے فرسٹ کلاس میں سوار ہوئے اور ملازم سے پوچھا ہمارا قرآن شریف بھی آ گیا ہے؟ ملازم نے کہا ابھی پورا سامان ڈبے میں نہیں آیا قرآن جس بکس میں ہے وہ بھی نہیں آیا ابھی لاتا ہوں یہ سن کر وہ فوراً ڈبے سے یہ کہہ کر اُتر گئے کہ تم کو ہم نے بار بار کہا ہے کہ قرآن حکیم سب سے پہلے آنا چاہیے، سامان اتار لو ہم اس گاڑی سے نہ جائیں گے دوسری گاڑی سے جائیں

گے۔ چنانچہ سامان اُتار لیا گیا۔ بعض ہندو جو اس ڈبے میں سوار تھے اے کے فضل الحق کی اس بات پر ہنسنے لگے کہ عجب مذہبی دیوانہ ہے کہ قرآن پہلے نہ آیا تو گاڑی ہی چھوڑ دی جب یہ گاڑی کلکتہ کے قریب پہنچی تو فرسٹ کلاس کے اس ڈبے کے نیچے سے بم پھٹا اور ڈبے کے پرخچے اُڑ گئے جتنے سوار تھے اکثر ہلاک ہو گئے۔ بعض زخمی ہوئے۔ معلوم ہوا کہ بعض ہندوؤں نے جو اے۔ کے فضل الحق کے دشمن تھے یہ سن کر کہ فضل الحق اس گاڑی سے آرہے ہیں فسٹ کلاس کے ڈبے کے نیچے بم رکھ دیا تھا وہ تو قرآن کی برکت سے بچ گئے کہ اس گاڑی کو چھوڑ چکے تھے دوسری کی شامت آگئی اور دوسری گاڑی سے جب اے کے فضل الحق کلکتہ پہنچے انھیں اس واقعہ کا علم ہوا تو تقریر میں فرمایا ہندو مجھے مار ڈالنا چاہتے ہیں۔ وہ یاد رکھیں کہ میرے پاس قرآن ہر وقت رہتا ہے میرا کوئی کچھ نہیں بگاڑ سکتا جو ہندو اس ڈبے میں سوار تھے اور زخمی ہوئے تھے انھوں نے اخبار میں یہ واقعہ لکھ کر کہا کہ جب فضل الحق اس ڈبے سے اُترے تو ہم ہنس رہے تھے مگر اب معلوم ہوا کہ ان کا اُتر جانا اچھا ہوا قرآن نے ان کو بچا لیا۔

ایک واقعہ میرا خود دیکھا ہوا ہے جس زمانہ میں میرا قیام مدرسہ راندیریہ رنگون میں تھا تو ہندوستان سے ایک شخص رنگون آیا اس کے ساتھ لڑکی بھی تھی جس کی عمر چار سال سے زیادہ نہیں تھی اس نے کہا یہ لڑکی حافظ قرآن ہے اور بغیر پڑھے پڑھائے پیدائشی حافظ ہے۔ آپ جہاں سے چاہیں ایک آیت اس کے سامنے پڑھ دیں یہ اس سے آگے دس بارہ آیتیں پڑھ دے گی چنانچہ رنگون میں بہت مقامات پر اس کا امتحان لیا گیا تو جیسا کہا تھا ویسا ہی دیکھا گیا۔ رنگون کے لوگوں نے اس لڑکی کو بہت انعام دیا۔ اس کے باپ کی آمدنی اسی لڑکی کے اس کمال ہی سے تھی میں نے اس سے کہا اس کو آمدنی کا ذریعہ نہ بناؤ مجھے اندیشہ ہے کہ اس طرح یہ لڑکی زیادہ نہ جیئے گی چنانچہ میرا خیال صحیح نکلا۔ اگلے سال میں نے سن لیا کہ اس بچی کا انتقال ہو گیا ہے۔

ایک واقعہ مجھ سے ایک نو مسلم نے اس وقت بیان کیا جب میں موضع گری پختہ ضلع مظفر نگر میں مدرسہ ارشاد العلوم کا مدرس اول تھا۔ اس موضع کے رئیس سرکار کی طرف سے مجسٹریٹ بھی تھے۔ ان کے یہاں دیہات کے مقدمات آیا کرتے تھے۔ یہ نو مسلم بھی ایک مقدمہ کے

سلسلہ میں وہاں آیا تھا کیونکہ خان صاحب کی عدالت میں اس نے مقدمہ دائر کیا تھا۔ میرے پاس سفارش کے لئے آیا کہ خان صاحب سے سفارش کر دوں اس کو کسی نے کہہ دیا تھا کہ خان صاحب میری بات کو رد نہیں کرتے میں نے اس سے دریافت کیا کہ تم نے اسلام کیوں قبول کیا؟ کہنے لگا مجھے میری بیوی نے مسلمان کیا ہے جس کی تفصیل یہ ہے کہ شادی کے بعد مجھے بخار ہو گیا اور اس نے اتنا طول پکڑا کہ مجھے دق ہو گئی میرا بڑا بھائی ڈاکٹر تھا اور اچھا ڈاکٹر تھا۔ بڑی محنت و شفقت سے علاج کر رہا تھا مگر میری حالت بگڑتی گئی یہاں تک کہ ایک دن اس نے میرے منہ پر کہہ دیا کہ اب علاج بے کار ہے۔ اور تمھاری حالت خطرہ کی حد تک پہنچ چکی ہے اب جو چاہو کھاؤ پیو دوا یا پرہیز کی کچھ ضرورت نہیں وہ تو یہ کہہ کر چلا گیا اب بیوی میرے پاس آئی اور پوچھا کیا حال ہے؟ میں نے رو کر کہا حال کیا ہوتا بھائی صاحب کہہ گئے ہیں کہ میرے بچنے کی کوئی امید نہیں اب دوا اور پرہیز کی کوئی ضرورت نہیں۔ بیوی نے کہا اگر میں تم کو اچھا کر دوں تو جو میں کہوں گی اس پر عمل کرو گے؟ میں نے کہا جان سے زیادہ پیاری کوئی چیز نہیں اگر تو نے مجھے اچھا کر دیا تو جو تو کہے گی میں وہی کروں گا۔ اس نے کہا اب تم بے فکر رہو میں تم کو اچھا کر دوں گی یہ کہہ کر اس نے میرے پلنگ کے پاس کرسی ڈالی اور کچھ پڑھنا اور مجھ پر دم کرنا شروع کیا پانی پر بھی دم کر کے مجھے پلاتی۔ اس لڑکی کا باپ آریہ تھا اس نے اس کو وید بھی پڑھایا تھا اور کچھ انگریزی بھی، میں نے سمجھا کہ شاید یہ وید کا کوئی منتر پڑھتی ہے ایک ہفتہ کے بعد میں اس قابل ہو گیا کہ اپنے گھر میں بے تکلف چلنے پھرنے لگا حالانکہ اب تک میں کروٹ بھی خود نہیں لے سکتا تھا۔ دوسرے ہفتہ گھر سے باہر بھی آنے لگا۔ تیسرے ہفتہ دکان پر بھی جانے لگا چوتھے ہفتے میں بالکل تندرست ہو گیا تھا۔ رنگ روپ بھی تندرستوں جیسا ہو گیا۔ کھانا پینا حسب معمول ہو گیا۔ جب ایک مہینہ گزر گیا بیوی نے کہا اپنا وعدہ یاد ہے؟ میں نے کہا یاد ہے اب تو جو کہے گی ویسا ہی کروں گا۔ بیوی نے کہا میں مسلمان ہوں، تم بھی مسلمان ہو جاؤ۔ میں نے کہا تو مسلمان کیسے ہو گئی تیرا باپ تو بڑا پکا آریہ ہے اور مسلمانوں کا دشمن ہے کہنے لگی ہمارے پڑوس میں ایک ملاجی تھے جو مسلمانوں کی مسجد کے امام تھے اور بچوں کو بھی قرآن اور اور دینی کتابیں پڑھاتے تھے۔ گھر میں ملانی لڑکیوں کو پڑھاتی تھی۔ پڑوس کی وجہ سے میں اکثر ان کے یہاں جاتی تھی اور مذہبی بحث کرتی تھی ایک دن ملانی

نے کہا بیٹی تم نے وید تو پڑھا ہے میں نے کہا ہاں خوب پڑھا ہے۔ ملانی نے کہا اب میری رائے یہ ہے کہ تم مجھ سے قرآن کا ترجمہ بھی پڑھ لو جب قرآن پورا کر لو گی پھر بحث کرنا میں نے ترجمۂ قرآن پڑھنا شروع کر دیا ملانی پہلے مجھے وضو کراتیں پھر ترجمہ پڑھاتیں ایک پارہ کا ترجمہ پڑھ کر میں نے کہا یوں مزہ نہیں آتا مجھے قرآن بھی پڑھاؤ اور ترجمہ بھی ملانی نے کہا بہت اچھا اردو پڑھنے والے کو قرآن پڑھنا مشکل نہیں اب میں نے قرآن مع ترجمہ پڑھنا شروع کیا اور سال بھر میں ختم کر لیا۔ جب قرآن پورا ہو گیا تو ملانی نے پوچھا ہاں بیٹی اب کہو اسلام پر تم کو کیا اعتراض ہے ؟ مجھے رونا آ گیا۔ میں نے کہا ملانی جی! سچی بات تو یہ ہے کہ قرآن برابر برابر کیا اس کے پاسنگ بھی کوئی کتاب نہیں۔ وید کی اس کے سامنے کوئی حقیقت نہیں۔ اب تم مجھے مسلمان کر لو۔ ملانی نے مجھے غسل کرایا، پاک کپڑے دیے اور نماز پڑھائی اور کہا بیٹی ابھی اسلام کو ظاہر نہ کرنا تیرا باپ بڑا ظالم ہے ہمیں پریشان کر دے گا، ابھی اپنے اسلام کو مخفی رکھو۔ موقعہ پر ظاہر کرنا جب خطرہ نہ رہے اور میرے گھر آ کر نمازیں پڑھتی رہو۔ چنانچہ سال بھر تک میں اسی طرح مخفی مسلمان رہی جب تم سے شادی ہوئی تو میں نے ملانی سے کہا میرا قرآن میری ڈولی میں رکھ دینا۔ ملانی نے میری ماں سے کہا کہ اس لڑکی کا ہمارے یہاں آنا جانا تھا ہم اس کو اپنی اولاد کی طرح سمجھتے تھے میں چاہتی ہوں رخصتی کے وقت دو چار جوڑے میں بھی اس کو دے دوں۔ میری ماں نے کہا یہ آپ کی محبت ہے، مجھے اس سے انکار نہیں چنانچہ ملانی نے رخصتی کے وقت دو چار جوڑے میرے واسطے بنائے اور ان کے بیچ میں قرآن شریف رکھ کر ڈولی میں رکھ دیا۔ یہ کہہ کر اس نے اپنا بکس کھولا اور قرآن مجھے دکھلایا اور کہا میں نے اس قرآن کی سورہ الم نشرح پڑھ کر تم کو جھاڑا ہے۔ اسی کو پانی پر دم کر کے پلایا ہے میں نے کہا اگر میں قرآن سے اچھا ہوا ہوں تو مجھے اسلام لانے میں کوئی عذر نہیں۔ بیوی نے مجھے غسل کرایا پاک کپڑے پہنائے اور کلمہ طیبہ لاالہ الا اللہ محمد رسول اللہ پڑھا کر مجھے مسلمان کیا اور نماز بھی سکھلائی۔ میں نے کہا ابھی اس بات کو مخفی رکھو موقعہ پر اعلان کریں گے۔ اس وقت تک میں اپنے باپ کی دکان پر کام کرتا تھا اور وہ مجھے معقول تنخواہ دیتا تھا میں نے روپیہ جمع کر کے اپنی دکان علیحدہ کھول لی۔ باپ نے بھی اس میں میری مدد کی جب میری دکان خوب چل گئی تو میں نے اپنے اسلام کا اور بیوی کے اسلام کا اعلان کر دیا۔ اس پر میرے

باپ اور بیوی کے باپ کو بڑا غصہ آیا۔ میرے باپ نے اپنی جائیداد سے مجھے محروم کردیا۔ مگر میری ماں نے اپنی جائیداد میرے نام کر دی۔ ہندوؤں نے یہ کوشش کی کہ میرے ماں کی جائیداد بھی مجھے نہ ملے۔ اس کا مقدمہ آپ کے خان صاحب کی عدالت میں میں نے دائر کیا ہے۔ آپ سفارش کر دیں۔ چنانچہ میں نے سفارش کر دی اور خان صاحب نے اس کے حق میں فیصلہ کر دیا۔ نو مسلم نے کہا میری بیوی کے باپ نے اپنے بیٹے کو میری بیوی کے پاس بھیجا کہ اس کو سمجھاوٗ وہ وید بھی پڑھا ہوا تھا اور انگریزی بھی۔ وہ ہمارے گھر آیا اور اپنی بہن کو سمجھانے لگا کہ اسلام میں کیا خوبی ہے مسلمان تو گئو ہتیا کرتے ہیں۔ میری بیوی نے کہا بھائی صاحب آپ تو وید پڑھے ہوئے ہیں کیا اس میں آپ نے اس یہ نہیں پڑھا کہ ایک راجہ کے زمانہ میں بڑی وبا پھیلی تو پنڈتوں نے کہا سو گائیں ذبح کر کے جنگل میں ڈال دو کہ درندے یا پرندے ان کا گوشت کھائیں تو وبا دور ہو جائے گی، راجہ نے ایسا ہی کیا تو وبا دور ہو گئی۔ تو جس گئو کا گوشت درندوں پرندوں کے کھانے سے وبا دور ہوتی ہے۔ اگر خود انسان کھائے تو کیا ہو گا اس پر وہ لاجواب ہوا تو دوسرا سوال کیا کہ مسلمانوں کے یہاں یہ بھی مسئلہ ہے کہ کنویں میں چوہا مر جائے تو بیس بیس ڈول نکال دو، مرغی مر جائے تو چالیس پچاس ڈول نکال دو، بلی مر جائے تو ستر اسی ڈول نکال دو، یہ تو عقل کے خلاف ہے اگر کنواں ان چیزوں کے مرنے سے ناپاک ہو جاتا ہے تو بیس تیس چالیس پچاس ڈول نکالنے سے کیا ہو گا سارا پانی نکالنا چاہیے۔ بیوی نے کہا آپ تو ڈاکٹر ہیں کیا آپ کو معلوم نہیں کہ جس آدمی کا خون خراب ہو جاتا ہے تو ڈاکٹر حکیم فصد کے ذریعے سا تھوڑا سے خون نکال لیتے ہیں جس سے سارا خون اچھا ہو جاتا ہے سارا خون کوئی نہیں نکالتا اسی طرح بعض جانوروں کے مرنے سے پانی خراب ہوتا ہے مگر سارا پانی نکالنے کی ضرورت نہیں ہوتی تھوڑا سا نکالنا سارے پانی کو اچھا کر دیتا ہے، سارا پانی نکالنے کی ضرورت نہیں ہوتی۔ اس پر بھی وہ لاجواب ہوا تو میری بیوی نے کہا آپ نے وید پڑھا ہو گا کہ بیکنٹھ (جنت) کے دروازہ پر ایک کلمہ لکھا ہوا ہے جب تک آدمی وہ کلمہ نہ پڑھے بیکنٹھ میں نہیں جا سکتا۔ پنڈت ہر ایک کو نہیں بتلاتے وہ کلمہ کیا ہے؟ مگر میرے استاد نے مجھے بتایا ہے کہ وہ کلمہ وہی ہے جس کو "ان کہنی" کہا جاتا ہے جب کسی ہندو کی جان کئی دن تک نہیں نکلتی تو اس سے کہا جاتا ہے "ان کہنی" کہہ دے وہ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ

کہتا ہے تو جان آسانی سے نکل جاتی ہے۔ اس پر میری بیوی کا بھائی خاموش ہو کر چلا گیا اور باپ سے کہہ دیا کہ اس کے ہندو بننے کی کوئی امید نہیں، وہ خوب سمجھ بوجھ کر مسلمان ہوئی ہے۔

اس پر مجھے حضرت مولانا قاسم صاحب قدس سرہ بانی دار العلوم کی بات یاد آگئی جو حضرت حکیم الامت سے سنی تھی کہ مولانا کے پڑوس میں ایک ہندو بیار رہتا تھا اس کی دکان سے مولانا کے یہاں سودا بھی آتا تھا اسکا انتقال ہو گیا تو مولانا نے اسے خواب میں دیکھا کہ جنت میں گشت کر رہا ہے مولانا نے پوچھا لالہ جی تم یہاں کیسے پہنچ گئے؟ تم تو ہندو تھے ساری عمر بت پوجا کرتے، سود بٹہ لیا کرتے تھے جنت تو مسلمان کے لئے ہے۔ کہا مولوی جی آپ کی صحبت سے مجھے اسلام سے محبت ہو گئی جب میں مرنے لگا تو لوگوں نے کہا "ان کہنی" کہہ لے جان آسانی سے نکل جائے گی۔ اب تک فرشتے میرے سامنے نہیں آئے تھے میں نے دل سے کلمہ پڑھ لیا وہ قبول ہو گیا اور میں جنت میں پہنچ گیا۔

ایک واقعہ میں نے پانی پت میں ثقات سے سنا ہے کہ وہاں ایک قاری صاحب تھے جن کو قاری "لالا" کہتے تھے۔ غالباً اصلی نام لعل محمد ہوگا۔ ان کی یہ کرامت مشہور تھی کہ جب وہ رمضان میں تراویح کی نماز پڑھاتے تو انکا قرآن سن کر کسی کی مجال نہ تھی کہ آگے قدم بڑھائے سننے کے لئے کھڑا ہو جاتا خواہ مسلمان ہوتا یا ہندو جب تک وہ رکوع میں نہ جاتے سڑک والے قرآن سنتے رہتے جب رکوع کرتے اس وقت لوگ اپنے کام کو جاتے۔

ان کی دوسری کرامت یہ بھی سنی کہ وہ ایک سفر میں چلے جا رہے تھے چند شاگرد بھی ساتھ تھے ایک جگہ مغرب کا وقت ہو گیا۔ وضو کے لئے پانی کی فکر ہوئی وہاں ایک کنویں پر رہٹ لگا ہوا تھا قاری لالا نے قرآن شریف پڑھنا شروع کیا تھوڑی دیر میں رہٹ خود بخود چلنے لگا سب نے وضو کیا نماز پڑھی پانی پیا پھر آگے چل دیئے اور رہٹ برابر چلتا رہا۔

جب غدر ۱۸۵۷ء میں انگریزوں نے پانی پت والوں کی معافی ضبط کر لی تو قاری لالا صاحب قسطنطنیہ چلے گئے ماہ شعبان کا اخیر تھا، سلطان عبد الحمید خانؒ نے شیخ الاسلام سے فرمایا کہ جامع مسجد تک جانے کی میری ہمت نہیں (شاید بڑھاپے کی وجہ سے ضعف زیادہ ہو گیا تھا کسی قاری کو

تجویز کرو جو شاہی محل میں ہم کو تراویح میں قرآن سنا دے۔ شیخ الاسلام نے اعلان کر دیا کہ سلطان اپنے محل میں قرآن تراویح میں سننا چاہتے ہیں جو قاری حافظ اس کے لئے آمادہ ہو اپنا نام پیش کرے۔ کسی حافظ کی ہمت نہ ہوئی تو قاری "لالا" صاحب نے شیخ الاسلام سے کہا میں سلطان کو قرآن سناؤں گا ، آپ میرا نام بھیج دیں۔ شیخ الاسلام نے کہا سلطان خود بھی حافظ ہیں۔ ان کے آگے وہی قرآن پڑھ سکتا ہے جو پکا حافظ ہو، کہا آپ میرا نام بھیج دیں، میں اس کے لئے تیار ہوں چنانچہ نام بھیج دیا گیا اور سلطان کا حکم صادر ہوا کہ ان قاری صاحب کو ہمارے پاس بھیج دو۔ پہلے ہم ان کا امتحان لیں گے۔ انکو پیش کر دیا گیا اور سلطان نے کسی خاص مقام سے جو (جو حفاظ کے یہاں دشوار ہے) قرآن پڑھنے کی فرمائش کی قاری "لالا" صاحب نے پڑھنا شروع کیا۔ جب کئی رکوع پڑھے گئے ، سلطان پر بڑا اثر ہوا اور فرمایا بس ہم آپ کا قرآن ضرور سنیں گے۔ جب تراویح میں قرآن ختم ہو گیا تو سلطان نے شیخ الاسلام سے فرمایا قاری صاحب کو اتنی اشرفیاں اور خلعتِ فاخرہ دے دیا جائے۔ قاری صاحب نے کہا حضور میں اس واسطے ہندوستان سے نہیں آیا اور قرآن سنا کر روپیہ لینا مجھے گوارہ بھی نہیں۔ میں تو دوسرے کام سے آیا ہو، فرمایا وہ کیا؟ کہا انگریزوں نے میری بستی کے مسلمانوں کی معافی ضبط کر لی ہے کیونکہ وہ بھی غدر میں شریک تھے۔ آپ بادشاہ ہیں آپ سفارش کر دیں کہ پانی پت کے مسلمانوں کی معافی بحال کی جائے۔ سلطان نے کہا میں یہ بھی کر دوں گا آپ میرا ہدیہ قبول فرمائیں یہ قرآن کا معاوضہ نہیں ہے سلطان نے ملکہ وکٹوریہ کو خط لکھ دیا اور اس کی نقل قاری "لالا" صاحب کو دے دی تاکہ وائسرائے ہند کو دکھلا دیں اس طرح پانی پت کے مسلمانوں کی معافی ضبط ہونے کے بعد بحال ہو گئی۔

ایک واقعہ ۱۹۶۵ء کے اخبارات میں شائع ہوا تھا کہ جب ہندو مسلمانوں میں جنگ ہو رہی تھی تو ہندوؤں کی بمباری سے پاکستان کا ایک ٹینک تباہ ہو گیا اگلے دن چند سکھ اسلامی کیمپ میں آئے اور کہا رات جو ٹینک ہماری بمباری سے تباہ ہوا تھا اس کے آدمی تو سب مر گئے مگر دو قرآن محفوظ رہ گئے وہ ہم لے کر آئیں ہیں اور کہا کہ واقعی یہ قرآن کا معجزہ ہے کہ ٹینک کی ہر چیز تو جل گئی مگر قرآن محفوظ رہا۔

ایک واقعہ میرا چشم دید ہے ضلع سہارنپور میں ایک موضع سہارنپور اور گنگوہ کے درمیان "یتر ون" نام سے مشہور ہے وہاں ہمارے مولانا خلیل احمد صاحب قدس سرہ کے ایک مرید پٹواری تھے ان کے پاس ایک بھنگی آیا اور کہا میری مرغی نے ایک انڈا دیا ہے اس پر کچھ لکھا ہوا ہے آپ پڑھ کر دیکھیں کیا لکھا ہے پٹواری صاحب نے جیب میں سے ایک آنہ نکال کر بھنگی کو دیا انڈا اس وقت پیسہ دو پیسہ کا تھا بھنگی سے کہا تو اس کا ایک آنہ لے لے اور انڈا مجھے دے دے۔ یہ تیرے کام کا نہیں میرے کام کا ہے اس انڈے کا چھلکا اس طرح اُبھرا ہوا تھا کہ عربی خط میں ایک طرف لا الہ الا اللہ پڑھا جاتا اور دوسری طرف محمد رسول اللہ پڑھا جاتا تھا۔ پٹواری صاحب نے انڈے کی زردی سفیدی نکال کر اس میں چونا بھر لیا تھا تا کہ محفوظ رہے وہ یہ انڈا لے کر سہارنپور حضرت مولانا خلیل احمد قدس سرہ کو دکھلانے لائے۔ حضرت نے ہم سب کو دکھلایا۔

قرآن کی کرامت و اعجاز ہر زمانے میں ظاہر ہوتی رہتی ہے مگر نفع اسی کو ہوتا ہے جس کے مقدر میں اسلام ہے

تقریر بموقع

ختم بخاری شریف

درج ذیل تقریر مولانا ظفر احمد عثمانیؒ کی ہے جو موصوف نے تیس سال قبل ختم بخاری شریف کے موقع پر فرمائی جسے مولانا عبد القدوس صاحب نے ضبط کر کے ارسال کیا ہے امید ہے قارئین اس سے مستفید ہونگے۔

امام بخاری کی فضیلت :

یہ صحیح بخاری کا آخری باب ہے اور امام بخاریؒ کی یہ بڑی فضیلت ہے کہ انھوں نے چھ لاکھ احادیث میں سے چار ہزار کو منتخب کیا ہے اور ان میں مناسبت اور ترتیب کی رعایت کی۔

کتاب کی ابتداء اور انتہا میں مناسبت

علامہ ابن حجرؒ نے فتح الباری کے اندر جملہ ابواب کی مناسبت ایک دم بیان کر دی ہے فرماتے ہیں کہ امام بخاریؒ نے کتاب کو شروع کیا بدا الوحی سے کہ وحی کی ابتداء کیسے ہوئی، وحی کسے کہتے ہیں؟

﴿کلام الله المنزل علی نبی من الانبیاء﴾

اللہ کا وہ کلام جو اتارا گیا کسی نبی کے اوپر انبیاء میں سے وہ کلام اللہ ہے

تو کتاب کو شروع کیا کلام اللہ سے اور ختم بھی کیا اسی بحث کے اوپر۔ چنانچہ اس کے اوپر کا جو باب ہے باب قرأة الفاجر و المنافق وا صواتهم یہ آخری باب ہے اس پر ختم کیا ہے کتاب کو جس بحث سے جس مضمون سے کتاب شروع کی گئی اسی پر ختم کیا ابتداء میں اور انتہا میں مناسبت ہے۔

صفت کلام کا مطلب؟

کیونکہ یہ وہ زمانہ تھا جس زمانہ میں صفت کلام پر بحث ہو رہی تھی حق تعالیٰ کو متکلم سب مانتے تھے۔ مگر اس کی حقیقت کیا ہے؟ کہ حق تعالیٰ خود ہی کلام کرتے ہیں؟ یا خود کلام نہیں کرتے۔ کسی شی میں کلام پیدا کر دیتے ہیں جیسا کہ موسیٰ علیہ الصلوۃ والسلام کے لئے درخت میں آواز پیدا ہو گئی تھی۔ وہ کہتے ہیں کہ حق تعالیٰ یوں کلام کرتے ہیں۔ کسی شی میں پیدا کر دیتے ہیں کلام اور یہ اشکال اس واسطے پیش آیا کہ انھوں نے خدا کو قیاس کیا اپنے اوپر ہم جیسے بولتے ہیں ایک لفظ بولا وہ ختم ہوا، دوسرا بولا، تیسرا بولا، چوتھا بولا، الفاظ پہلے ختم ہوتے جاتے ہیں۔ سارے الفاظ ایک دم سے ہم نہیں بول سکتے۔

تو کلام کے اندر تعاقب اور فنا پایا جائے گا۔ ایک جملہ ایک لفظ فنا ہو پھر دوسرا پایا جائے۔ اگر ایسا ہو تو صفت کلام حادث ہو گی، قدیم نہیں۔ جس صفت کے اندر تعاقب ہو ترتیب ہو،

فنااور بقا ہوا ایک لفظ فنا ہو تا ہے ایک لفظ پایا جاتا ہے۔ یہ فنااور بقا یہ صفت حادث کی ہے قدیم کی نہیں۔ انھوں نے قیاس کیا اپنے اوپر خدا کو خدا بھی ایسے بولے گا۔ اس کے کلام میں بھی یہ صورت ہو گی۔ ایک پایا جائے گا ایک فنا ہو گا۔ لازم آئے گا خدا کا کلام حادث ہے،

لہذا معتزلہ نے سرے سے انکار کر دیا کہ حق تعالیٰ متکلم بایں معنی نہیں ہیں کہ اپنے آپ بولتا ہے، اپنے آپ نہیں بولتا۔ وہ کسی شی میں کلام پیدا کر دیتا ہے۔

موسیٰ علیہ السلام کے لئے پیدا کیا درخت میں اور حضور کے لئے پیدا کیا جبرئیل کے اندر جبرئیل میں کلام الٰہی پیدا ہوا، اور جبرئیل نے آکر کے وہ کلام الٰہی بیان کیا یہ تو ہے کلام اللہ۔ مگر یہ قدیم نہیں۔ جبرئیل کے اندر پیدا کیا گیا ہے مخلوق ہے۔

قرآن کریم کو مخلوق ماننے کے فتنہ کی ابتداء

یہ فتنہ اٹھا کہ القرآن کلام اللہ مخلوق او غیر مخلوق۔ یہ قرآن جو اللہ کا کلام ہے یہ مخلوق ہے یا غیر مخلوق ہے یا قدیم ہے، یہ بڑا فتنہ چلا اور اس فتنہ میں بہت سے علماء مارے بھی گئے۔ قید بھی کیئے گئے۔

امام احمد ابن حنبلؒ کو بھی قتل کرنا چاہا تھا۔ اس واسطے کہ وہ کلام اللہ کو مخلوق نہیں کہتے تھے۔ ان کا قول یہی تھا جو قول سلف کا ہے القرآن کلام اللہ غیر مخلوق مگر حکومت کو خطرہ تھا۔ اس لئے کہ امام صاحب بڑے عالم تھے، بڑے محدث تھے، بڑے مجتہد تھے، بڑے متقی تھے تو خلافت کو خطرہ محسوس ہوا ان کو اگر مارا گیا تو مسلمان بگڑ جائیں گے۔ اصلاح کے لئے انکو جیل بھیج دیا اور دراصل اس فتنہ کی بانی خلافت عباسیہ تھی۔

اور خلافت عباسیہ میں بھی مامون الرشید نے یہ فتنہ اٹھایا بر سر عام ہوا امیہ نے اس فتنہ کا سر کچل دیا شروع میں سب سے پہلے جامع ابن صفوان جس کی طرف فرقہ جہمیہ منسوب ہوا اس نے کہا تھا القرآن کلام اللہ مخلوق۔ قرآن کلام اللہ ہے مگر مخلوق ہے۔ اس کی گفتگو امام صاحبؒ سے

ہوئی----امام صاحب نے ارشاد فرمایا۔

﴿فاخرج عنی یا کافر﴾

اے کافر میرے پاس سے ہٹ جا، نکل جا

تبع تابعین نے بالاتفاق یہ فتوی دیا کہ یہ شخص کافر ہے۔ کیونکہ صفت الٰہی نہیں مانتا کہ وہ صفت الٰہی تو قدیم ہے کہ قرآن کلام اللہ بھی ہو پھر مخلوق بھی ہو حادث بھی ہو اس کے کیا معنی ؟

یہ بدعت ہے یہ کفر ہے، اس کو مار اگیا، اس کا شاگرد تھا، بشر ابن ریاس اویسی اس نے بھی یہ فتنہ برپا کرنا چاہا اس کو مار اگیا تو بنو امیہ نے یہ فتنہ نہیں چلنے دیا۔ بنو عباس نے اس فتنہ کو چلایا، خود خلیفہ نے چلایا، کہ قرآن کو کلام اللہ کہو مخلوق بھی کہو، قدیم نہ کہو، حادث کہو۔

امام بخاری کی اصلاح

امام بخاریؒ نے اس مسئلہ میں ایک اصلاح کی وہ یہ ہے کہ قرآن کلام اللہ جو ہے وہ تو غیر مخلوق ہے۔ لیکن اس قرآن کو جو ہم پڑھتے ہیں ہمارا پڑھنا، ہماری تلاوت یہ مخلوق ہے، یہ حادث ہے۔

القرأة حادثة والمقروقديم ہماری قرأت حادث ہے، اس واسطے کہ مومن، منافق حسن الصوت، قبیح الصوت سب ہی پڑھتے ہیں، تو سب کی قرأت میں اختلاف ہے کوئی اچھا پڑھتا ہے۔، کوئی صحیح پڑھتا ہے، کوئی غلط پڑھتا ہے، کوئی قرأت سے پڑھتا ہے، کوئی بلا قرأت پڑھتا ہے۔ سب پڑھ رہے ہیں قرآن ہی۔ قرآن تو ایک ہے یہ اختلاف کس چیز میں ہے ؟ یہ اختلاف ہماری قرأت میں، ہمارے تلفظ میں، ہماری ادائیگی میں، اس لئے ان کے منہ سے نکل گیا القرآن کلام اللہ غیر مخلوق و لفظی بالقرآن مخلوق ۔ کہ قرآن کلام اللہ ہے مخلوق نہیں ہے یہ تو قدیم ہے۔ مگر میرا تلفظ، میرا پڑھنا یہ حادث ہے۔

امام ذھلی کی برہمی

ان کے استاذ امام یحیٰی الذھلی بگڑ گئے اور کہا کہ یہ اصلاح بدعت ہے۔ جو سلف کہتے آ رہے ہیں وہی کہو القرآن کلام الله غیر مخلوق اس میں ترمیم کرنا اصلاح کرنا لفظی بالقران مخلوق یہ عوام کو مغالطہ میں ڈالے گا۔ اور بدعتیوں کو سہارا ملے گا۔ اہل بدعت کو سہارا مت دو وہی کہو جو سلف کہتے آرہے ہیں،

﴿القرآن کلام الله غیر مخلوق۔﴾

کیونکہ امام بخاریؒ پر اس مسئلہ کے اندر بہت یورش ہوئی بہت حملہ ہوا۔ اس واسطے انھوں نے وحی سے کتاب کو شروع کیا اور قرأت پہ ہی ختم کیا۔

مبدا بھی وحی، منتہا بھی وحی اور منتہا کے اندر یہ بتلادیا کہ ہماری قرأت ہماری تلاوت یہ حادث ہے، یہ قدیم نہیں ہے، اللہ کا جو کلام ہے وہ قدیم ہے۔

وحی کی ضرورت

نیز بدأالوحی سے کتاب کو شروع کر کے وحی کی عظمت بھی ظاہر کر دی کہ مسلمان کو سب سے پہلے وحی کی معرفت کی ضرورت ہے، وحی کو پہچانو، اس واسطے کہ وحی مبدأ ہے نبوت کا مبدأ ہے رسالت کا نبی اور رسول وہی ہے جس پر اللہ کی وحی آئی ہو۔

ایمان سے پہلے بھی معرفتِ وحی کی ضرورت ہے۔ اس واسطے باب بدأالوحی کو پہلے رکھا اور اس کے بعد میں کتاب الایمان، کتاب العلم۔

پھر جیسا کہ آپ پڑھ چکے ہیں باب مبدأالوحی کے اندر اول حدیث جو ہے وہ انما الاعمال باالنیات ہے۔ یہ دراصل مبدأوحی کے متعلق نہیں، یہ تمھید ہے دیباچہ ہے۔

تمہید اور خاتمہ

ایسے ہی کتاب تو ختم ہو چکی ہے باب قرآۃ الفاجر پر۔ یہ حدیث جو آخر میں بیان کی ہے، یہ بات جسے آخر میں بیان کیا ہے یہ خاتمہ ہے جیسے خاتمۃ الطبع لکھا کرتے ہیں۔ کتاب ختم ہو جاتی ہے پھر لکھتے ہیں خاتمۃ الطبع۔

ایسے ہی یہ کتاب کا خاتمہ ہے اور کتاب ختم ہو چکی ہے اس سے پہلے اس میں مناسبت ظاہر ہے کہ کتاب کو ختم کیا ایسے باب پر جو انسان کا منتھا ہے۔ مبدأ عمل نیت ہے۔ نیت سے عمل شروع ہوتا ہے، بلانیت کے عمل معتبر نہیں ہے یہ الگ بحث ہے کہ صحیح ہے کہ نہیں، مگر معتبر نہیں ثواب نہیں، ثواب ملتا ہے نیت سے، عمل معتبر ہوتا ہے نیت سے وہ مبدأ ہے اور منتھا یہ ہے کہ تمھارے اعمال کا تمھارے اقوال کا وزن ہوگا، خاتمہ کتاب پر متنبہ کر دیا جیسا کہ فاتح پر متنبہ کیا ہے کہ نیت درست کر کے، نیت صحیح کر کے حدیث پڑھو۔ حدیث رسول کی عظمت کو سمجھو اور نیت کو درست کر کے پڑھو۔

اس لئے کہ " انما الاعمال بالنیات" ایسے منتھا پر متنبہ کر دیا کہ جو عمل کرو جو بات منہ سے نکالو یہ سمجھ لو کہ تمھارے اعمال اور تمھارے اقوال کا وزن ہوگا۔ "ونضع الموازین القسط الیوم القیامۃ" حق تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ہم موازین قائم کریں گے انصاف کے لئے قیامت کے دن۔

میزان ایک ہی ہوگا

موازین جمع لائی گئی ہے نہ اس واسطے کہ وہاں میزان بہت سے ہیں میزان تو ایک ہی ہے مگر کیونکہ موزون کے انواع مختلف ہیں موزونات بہت ہیں، اس میں اقوال کا بھی وزن ہے، اعمال کا بھی وزن ہے اور صحف کا وزن بھی ہے۔ صحیفے بھی وزن کیئے جائیں گے اور بلکہ معلوم ہوتا ہے بعض احادیث سے کہ انسان کا بھی وزن ہوگا۔ حدیث میں آتا ہے کہ بعض لوگوں کے گناہ زیادہ ہوں گے لیکن ھلکے پڑ جائیں گے۔

نابالغ بچے بھی اعمال میں داخل ہیں

ان کے نابالغ بچے آ کر بیٹھ جائیں گے میزان میں وہ کہیں گے اب وزن کرو۔ ارے بھائی یہ تو اعمال کا وزن ہے۔ وہ کہیں گے "نحن من کسب آبائنا" ہم بھی اپنے باپ کے اپنی ماں کے کسب میں سے ہیں۔ ہم بھی ان کے عمل کا نتیجہ ہیں، ہم بھی ان کے اعمال میں داخل ہیں ہم کو وزن کرو۔

ملائکہ سے بحث ہو گی، حق تعالیٰ فیصلہ فرمادیں گے، بھائی یہ معصوم بچے ہیں ضد ان کی پوری کرو، ہم بھی ضد پوری کرتے ہیں ان کی تم بھی پوری کرو۔ وزن کرو ان کے ساتھ، تو ان کے ماں باپ کی حسنات کا پلہ بھاری ہو جائے گا۔ تو معصوم بچے یہ بھی آپ کے اعمال میں داخل ہیں، گو بالغ بچے بھی اعمال میں داخل ہیں مگر بالغوں کو اپنی اپنی پڑے گی نفسی نفسی۔ یہ معصوم بچے بے فکر ہوں گے۔ ان کو اپنی فکر نہیں ہو گی اس واسطے کہ بخشے ہوئے ہیں، بخشے بخشائے ہیں۔

اسی واسطے نماز جنازہ کے اندر جو بچوں کی دُعا ہے وہاں بچوں کے لئے دُعائے مغفرت نہیں اپنے لئے دعا ہے۔ اے اللہ اس کو ہمارے لئے ذخیرہ بنا دے، اس کو ہمارے لئے ثواب بنا دے، اس کو ہمارے لئے فرط بنا دے۔ "واجعله شافعا و مشفعا" اور اس کو ہماری شفاعت کرنے والا اور شفاعت قبول کیا ہوا بنا دے۔ یہ دعا کی جاتی ہے بچوں کے لئے اس لئے کہ وہ بخشے بخشائے ہیں۔ ان کے واسطے دعائے مغفرت نہیں باقی بچوں کی قبر پہ جا کر ثواب پہنچا سکتے ہو------ قرآن پڑھ کے۔ اس واسطے کہ آپ کے اعمال میں اضافہ بھی ہو گا، وہ بھی آپ کا عمل ہے، جو آپ پڑھیں گے یہ بھی آپ کا عمل ہے۔ اس سے وہ خوش ہوں گے۔

تو متنبہ کر دیا کتاب کے آخر میں خاتمے کے اوپر کہ مقصود تو ہمارا پورا ہو چکا ہے، اگر ہم متنبہ کرتے ہیں کہ اپنے عمل اپنے اقوال اپنے افعال کے اندر کوشاں رہو۔

یہ مت سمجھو کہ ہم نے جو کچھ کہہ دیا وہ اُڑ گیا ہوا کے اندر۔ نہیں۔ تمھارے اقوال

بھی وزن ہوں گے، تمھارے اعمال بھی وزن ہوں گے۔

اس پر امت کا اجماع ہے کہ میزان عمل کا قائم ہونا واجب ہے، فرض ہے۔

معتزلہ کی گمراہی

معتزلہ نے یہاں بھی انکار کیا۔ جو بات ان کی عقل میں نہ آئے یہ اس کا انکار کر دیتے ہیں یہ بڑی زیادتی ہے۔ ان کو سمجھنا چاہیے کہ شریعت کے اندر کوئی بات خلاف عقل نہیں ہے مگر یہ ہو سکتا ہے کہ عقل کی رسائی سے آگے ہو۔ خلاف عقل کوئی بات نہیں۔

خلاف عقل اور ماورائے عقل میں فرق

خلاف عقل ایک چیز ہوتی ہے کہ ضدین کا اجتماع ہو، نقیضین کا اجتماع ہو یہ شریعت میں کہیں نہیں ہے۔ بس یہی ہے خلاف عقل اور جتنی چیزیں ہیں آخرت سے متعلق ہیں، غیب کے متعلق ہیں وہ عقل کی رسائی سے باہر ہیں۔ اس واسطے کہ عقل تو محسوسات سے کچھ دیکھ کر معلومات حاصل کرتی ہے۔ چند محسوسات، چند معلومات کے ذریعے سے اور معلوم، اور علوم حاصل کر لیے۔ مگر جو اس کی دسترس سے، جو اس کی رسائی سے باہر ہیں عالم آخرت میں، وہاں پر عقل چلتی نہیں، مگر یہ بھی نہیں ہے کہ عالم آخرت کی باتوں کو عقل کے خلاف کہا جائے وہ خلاف عقل نہیں ہیں، عقل اس سے انکار نہیں کر سکتی۔ ہاں یہ کہہ سکتی ہے عقل کہ ہم سمجھے نہیں، ہماری فہم سے بالا ہے۔ صحیح ہے اگر تمھاری فہم سے بالا نہ ہوتے تو پھر رسول کی ضرورت کیا تھی، وحی کی ضرورت کیا تھی۔ وحی تو اسی واسطے آئی۔ اسی واسطے بھیجی گئی انبیاء علیھم السلام پر بہت سی باتیں عالم آخرت کی ہیں وہ

تمھاری عقل میں نہیں آسکتی۔ عقل وہاں تک نہیں پہنچتی۔

سعدی فرماتے ہیں ؎

نہ ہر جائے مرکب تواں تاختن — کہ جاہا سپر باید انداختن

ہر جگہ عقل کے گھوڑے نہ دوڑاؤ بعض جگہ تم کو ڈھال دینا پڑے گا، ڈھال ڈال کر اس واسطے کہ بہت سی باتیں ایسی ہیں کہ عقل کی رسائی سے باہر ہیں مگر وہ خلاف عقل نہیں اب جو بات آپ کی عقل میں نہ آئے اس کا انکار کردو۔ یہ بڑی زیادتی ہے، بڑی غلطی ہے۔

بہت سے اعراض کا وزن

پہلے زمانہ میں فلاسفہ نے اس کا انکار کیا تھا کہ گرمی کا ہوا کا، سردی کا، وزن ہو سکتا ہے، یہ چلا کی کہ سردی اور گرمی یہ عرض ہے اور عرض قائم بالذات نہیں۔ اس کا وزن نہیں۔ اس کا وزن نہیں ہو سکتا۔ مگر آج آپ کی تحقیقات سامنے ہیں۔ تھرمامیٹر سے گرمی کا اندازہ ہوتا ہے۔ اتنی ڈگری بخار ہے، اتنی ڈگری ہے اور محکمہ موسمیات سارے صوبہ کی گرمی کو بیان کرتا ہے۔ اس تاریخ میں گرمی کا یہ درجہ ہے، سردی کا یہ درجہ ہے، مکان کی سردی، گرمی کے لئے بھی لگایا گیا ہے۔ آلہ ہے ایک اس آلہ سے اپنے مکان کی گرمی، سردی کو معلوم کرسکتے ہیں۔ تو معلوم ہوا کہ بہت سی باتیں وہ تھیں جو پہلے عقل میں نہیں آتی تھیں آج عقل میں آگئی ہیں۔

پہلے عقل میں نہیں آتا تھا کہ چاند پر پہنچ سکتے ہیں۔ آج یہ کوشش کر رہے ہیں اور ہم تو کہتے ہیں کہ اللہ کرے پہنچ جائیں۔ چاہے وہاں پہنچ کر دھکے ہی ملیں مگر پہنچ جائیں۔ اس واسطے کہ اس سے ہماری معراج کا ثبوت ہو جائے گا۔

یہ بے وقوف معراج کا انکار کر رہے ہیں کہ کیسے ہو سکتا ہے کہ اتنی سرعت کے ساتھ اتنی تیزی کے ساتھ ایک رات کے اندر پیغمبر پہنچ گیا آسمان پر اور صبح سے پہلے پہلے اپنے مکان

میں آ گیا۔

کیا چاند پر پہنچنا ممکن ہے ؟

مگر اب وہ خود ایجاد کر رہے ہیں ایک گھنٹہ میں دس ہزار میل چلنے والا جہاز اور کہتے ہیں کہ اس سے بھی آگے بنائیں گے۔ ارے کب تک پہنچیں گے چاند پر ؟ تو پندرہ بیس ہزار میل فی گھنٹہ کی رفتار سے بنانے کے لئے کوشش کر رہے ہیں تاکہ چاند پر پہنچ جائیں۔ مگر ان کو خبر نہیں ہے کہ یہ چاند سورج کی ایسی مثال ہے جیسے کہ پہاڑ کو آپ دیکھتے ہیں دور سے معلوم ہوتا قریب ہے۔ مگر چلتے چلتے بڑی لمبی مسافت طے کرنا پڑتی ہے اور دور سے معلوم ہوتا ہے قریب ہے۔

ایسے ہی یہ عقل مند سمجھتے ہیں کہ چاند تو یہ قریب ہے، مگر چل کر دیکھیں مسافت طے کریں۔ سوا نو لاکھ میل سے کم نہیں ہے۔ زیادہ ہی ہے۔ یہ پندرہ ہزار، بیس ہزار میل کی رفتار سے اگر پہنچیں گے ایک لاکھ میل پہنچیں گے۔

مگر خیر مان لیا تسلیم کر لیا کہ سرعت سیر کی منتہا نہیں سیر کی رفتار اور سرعت بڑھ چکی ہے۔ اس کا منتہا کوئی نہیں۔ تو پھر کیا اشکال ؟ حق تعالیٰ نے اپنے رسول کے لئے براق بھیج دیا۔ وہ براق تمھارے تمام براقوں سے بڑھ کر تیز تھا۔ اس کا ایک قدم پڑتا تھا منتہا ئے بقاپر جہاں نگاہ پہنچتی تھی اور نگاہ بھی اس کی بہت تیز تھی تمھاری نگاہ کے برابر نہیں تھی۔ بہت تیز نگاہ تھی اور جہاں نگاہ پہنچتی وہیں قدم پہنچتا۔

اور صوفیا کا کشف ہے کہ براق صورت حیات ہے۔ اللہ تعالیٰ کے ہاں ہر چیز کی صورت ہے موت کی بھی صورت ہے یہ پڑھا ہوگا آپ نے حدیث میں موت کو لایا جائے گا کبش اسود کی صورت میں۔ سیاہ دنبہ کی شکل میں اور پوچھیں گے جنتیوں سے، جہنمیوں سے اس کو دیکھو پہچانتے ہو ؟ سب کہیں گے کہ ہاں پہچانتے ہیں، ہم گذرے ہیں اس کے ساتھ، یہ تو سب کو آئی ہے موت۔ تو سب دیکھ کر پہچان لیں گے کہ ہاں موت ہے۔

عالم آخرت میں اعراض بھی جواہر ہیں،

فلاسفہ کہتے ہیں حیات، موت یہ عرض ہیں مگر عالم آخرت کے اندر اعراض بھی جوہر ہیں ہر عرض کی شکل جوہری موجود ہے۔ ایسے ہی حیات ہے عرض مگر عالم آخرت کے اندر اس عرض کی صورت جوہری براق ہے۔ زندگی کی اگر کوئی شکل ہوتی تو براق ہے۔ اس کو دیکھ کر آپ پہچان لیں گے کہ وہ زندگی جس کا نام ہے وہ یہ ہے۔

تو جس رسول کی سواری میں خود حیات ہو، خود زندگی ہو، زندگی پر سوار ہو اس کو خطرہ کس چیز کا؟ خطرہ اس کو ہوگا جس کو موت کا اندیشہ ہو۔ اور جس کا مرکب حیات ہو، عین حیات پر ہو، وہ سارے جو کے طے کر جائے گا بلا خطر۔ اس کو نہ آگ جلا سکتی ہے نہ زہر ہی اس کو پریشان کر سکتا ہے۔ کیونکہ حیات پر سوار ہے حیات اس کا مرکب ہے اور حیات سے بڑھ کر رفتار کسی چیز کی نہیں۔ جتنی رفتار آپ بنا رہے ہیں وہ اسی حیات کے ذریعے سے، اسی دماغ کے ذریعے سے، جو عین حیات پر سوار ہے وہ ظاہر ہے کہ اس کی رفتار کی کوئی انتہا نہیں۔ تو بہر حال بہت سی باتیں عقل میں نہیں آتی تھیں اب آہستہ آہستہ عقل میں آرہی ہیں۔

معراج کا نفیس عقلی ثبوت

اس واسطے ہم تو کہتے ہیں کہ یہ پہنچ جائیں چاند پر، اچھا ہے، ہم پھر کہیں گے کہ تم نے انکار کیوں کیا تھا معجزات کا؟ کیوں انکار کیا تھا معراج کا؟ جب تم پہنچ گئے ہو کوشش کر کے چاہے برسوں میں پہنچے، چاہے مصیبت سے پہنچے تو جو خلاق عالم، صانع عالم اور قادر مطلق ہے اس کی قدرت سے کیا بعید ہے کہ اپنے رسول کو ایک رات کے اندر کہیں سے کہیں پہنچا دے اور صبح سے پہلے واپس لے آئے۔ تو معتزلہ نے انکار کیا وزن اعمال کا اسی واسطے کہ عقل میں نہیں آیا۔ اگر آج زندہ ہوتے تو ان کو معلوم ہوتا کہ عقل میں آتا ہے۔

آج ایسے آلے موجود ہیں جن سے گرمی کا اور سردی کا وزن ہوتا ہے۔ یہ بھی اعراض ہیں، یہ بھی کیفیات ہیں۔ تو اب کیا اشکال ہے؟ کہ ہمارے قول کا وزن ہو؟ ہمارے عمل کا وزن ہو؟

اور عبد اللہ ابن عباسؓ کی روایت ہے کہ جتنے اعراض یہاں پر نظر آتے ہیں وہ سب عالم آخرت میں جواہر ہیں۔ وہ جواہر بن جائیں گے۔ جیسا کہ میں نے عرض کیا کہ موت کی شکل ہے سیاہ دُنبہ، حیات کی شکل ہے براق، تو عالم آخرت کے اندر ہر چیز کی ایک جوہری شکل ہے۔

کفار کے اعمال کا وزن نہیں ہو گا

ہمارے ہر قول کی صورت ہے، جوہری صورت ہے، وہ وزن کی جائے گی اب کیا اشکال؟ اب یہ وزن ہو گا کس کا؟ ہر شخص کے اعمال کا۔ کفار کے اعمال کا وزن نہیں ہو گا تو بعض علما کا قول یہ ہے کہ وزن اعمال ہو گا مومنین کا۔ کفار کا نہیں ہو گا۔ ان کے واسطے تو آیت موجود ہے۔

فلا نقیم لهم یوم القیامة وزنا

ان کے لئے وزن قائم نہیں کیا جائے گا۔ یہ تو کافر ہیں۔ ان کے کفر نے ساری نیکیاں برباد کر دی ہیں۔ وہ جہنم میں جائیں گے۔ بلا حساب جہنم میں جائیں گے۔

جیسا کہ بعض مومنین بھی ایسے ہیں کہ بلا حساب جنت کے اندر جائیں گے، ان کا وزن نہیں ہو گا۔

ستر ہزار ضرب ستر ہزار مومن بلا حساب جنت میں جائیں گے

حدیث میں ہے ستر ہزار بے حساب جائیں گے جنت میں اور ہر ایک کے ساتھ ان میں سے ستر ہزار ہوں گے۔ تو ستر ہزار ضرب ستر ہزار۔ یہ جماعت مومنین بے حساب جائیں گے جنت کے اندر۔ یہ انبیا علیہم السلام کے علاوہ۔ انبیا علیہم السلام کا حساب بھی نہیں ہو گا۔ وہ تو بے حساب جائیں گے۔ "نہیں" مومنین کے اندر۔ اُمت محمدیہ کے اندر بتلایا گیا ہے کہ ستر ہزار ضرب ستر

ہزار یہ جائیں گے بے حساب جنت کے اندر اور بقیہ کے اعمال کا وزن ہو گا واللہ سریع الحساب اور اللہ تعالیٰ بہت جلد حساب کرنے والے ہیں۔ جو کام ہم کرتے ہیں مدتوں میں، وہاں ہو جاتا ہے سکنڈ اور منٹ میں، کسی کو یہ خیال نہ ہو کہ مخلوق تو بہت بے انتہا مخلوق ہے۔ ان کے اعمال کا وزن ہوتے ہوتے لگ جائیں گی مدتیں۔ ''نہیں'' تو قرآن میں ہے۔

واللہ سریع الحساب اللہ بہت جلدی حساب لینے والے ہیں، وہاں دیر نہیں ہو گی مومن سارے ہیں۔ نیک بندوں کو قیامت کا دن ایسا معلوم ہو گا جیسا کہ عصر سے مغرب تک اور کفار کے لئے خمسین الف سنة پچاس ہزار سال ان کو لمبا لگے گا۔ طویل معلوم ہو گا۔ مومن کو لمبا نہیں معلوم ہو گا۔

تو فرماتے ہیں۔ وان اعمال بنی آدم و اقوالھم یوزن بنی آدم کے اعمال اور ان کے اقوال وزن کیئے جائیں گے۔

اور مجاہد کہتے ہیں۔ القسطاس العدل بالرومیة لفظ قسط کی مناسبت سے قسطاس کے معنی بیان کر دیئے۔ قسط کے معنی تو ہیں ہی انصاف کے، عدل کے، مجاہد کہتے ہیں کہ قسطاس کے معنی بھی یہی ہیں۔

وزنوا بالقسطاس المستقیم وزن کرو درست انصاف کے ساتھ، اچھے انصاف کے ساتھ

اور لفظ رومیہ سے شبہ نہ ہو کہ قرآن تو عربی ہے لفظ رومی کہاں سے آ گیا۔

قرآن کریم میں عربی زبان کے علاوہ اور زبانوں کے الفاظ بھی موجود ہیں

نہیں بھائی قرآن کے اندر لفظ رومی بھی ہیں، لفظ فارسی بھی ہیں، لفظ ہندی بھی ہیں

مگر وہ عرب کے استعمال میں کثرت سے آئے تو فصیح وبلیغ ہو گئے۔

تو لفظ قسطاس یہ لفظ رومی تھا، مگر عرب میں کثرت سے استعمال ہو گیا۔ اور کثرت استعمال سے لفظ فصیح وبلیغ ہو جاتا ہے۔

جیسے حصب جہنم آپ نے پڑھا ہو گا، لغت حبشی ہے۔ عرب میں استعمال کثرت سے حصب کہتے ہیں ایندھن کو۔

ایسے ہی سجین آپ نے پڑھا ہے سورۃ الفیل کی تفسیر میں۔

قال ابن عباس سنگ گل۔ یہ سنگ وگل کا معرب ہے

ایسے ہی کافور، یہ کپور کا مادہ ہے۔ کپور ہندی لفظ ہے، ہندوستان کی پیداوار ہے کافور یہیں سے گیا عرب میں ہندی کپور کہتے ہیں۔ زبان عربی نے اس کو کافور کر دیا۔ کافور فصیح لفظ ہے، بلیغ ہے۔

ایسے ہی قرنفل----------

ے ریح الصباجات بری القرنفل

امرأ لقیس بڑا فصیح وبلیغ شاعر ہے اس نے قرنفل استعمال کیا ہے۔ اور قرنفل کہتے ہیں لونگ کو۔ اس کی اصل کیا تھی؟ قرن پھول، قرن پھول کا بنایا ہے قرنفل اور قرن پھول ہوتا ہے کان میں پہننے کا زیور یہ اس کے مشابہ ہے۔ لونگ اس کے مشابہ ہے تو قرن پھول کو قرنفل کہیے۔ مگر فصیح ہے کثرت استعمال کی وجہ سے تو جب کہ لغت عرب کسی زبان کے لفظ کو اپنے اندر شامل کر لے، اور کثرت سے اس کا استعمال ہو جائے تو فصیح ہو جاتا ہے۔

لفظ القسط کی لغوی وصرفی تحقیق

اب بتلاتے ہیں کہ یہاں پر دو لفظ ہیں اَلْقِسْط، اَلْقِسْط، قسط کا اسم فاعل باب مجرد سے نہیں آیا، باب مجرد سے قاسط جو ہے وہ اسم فاعل ہے قسط کا اور قسط کہتے ہیں ظلم کو اور قاسط کہتے ہیں

ظالم کو۔

القسط کا اسم فاعل باب افعال سے آتا ہے "المقسط"۔ یہ اشتقاق کبیر ہے، صغیر نہیں ہے یہ نہیں کہہ سکتا صرفی کہ قسط مصدر ہے مقسط کا مقسط کا مصدر ہے الاقساط "نہیں" مطلب یہ ہے کہ معنی کے لحاظ سے مقسط کا مصدر القسط ہے۔ اس واسطے کہ آپ اگر القاسط کہیں گے، وہ معنی میں عادل کے نہیں، باب مجرد سے القاسط معنی ظالم کے ہیں، وہ فاعل ہے قسط کا، اس کا فاعل باب مجرد سے نہیں آتا۔ باب افعال سے آتا ہے المقسط۔ حق تعالیٰ کے نام میں المقسط الجامع الغنی المغنی مقسط عادل اور منصف۔ واما القاسط فهو الجائر

اس کے بعد بیان کرتے ہیں حدیث

رجال حدیث پر محدثانہ کلام

حدثنا احمد بن اشکاب، محدثین میں محمد بن اشکاب بھی ہے، علی بن اشکاب بھی ہے۔ اور احمد بن اشکاب بھی ہے، مگر یہ بھائی نہیں اتفاق سے ان کے باپ کا نام اشکاب ہے اور احمد، محمد علی یہ بھائی نہیں ہیں آپس میں۔ ہیں محدث،

وہ روایت کر رہے ہیں کہ محمد بن فضیل بن غزوان سے وہ عمارہ ابن قعقاع سے۔ وہ ابو زرعہ سے۔ یہ ابو زرعہ راوی وہ نہیں ہیں جو احمد بن حنبل کے ہم عصر ہیں وہ متاخر ہیں یہ تابعی کبیر ہیں، یہ جریر بن عبداللہ بزدوی کے اولاد میں ہیں، ان کے پوتے ہیں غالباً اور یہ حدیث صحیح ہے مگر غریب ہے، محمد بن فضیل تنہا راوی ہیں عمارہ ابن قعقاع سے عمارہ ابن قعقاع تنہا راوی ہیں ابو زرعہ سے، وہ تنہا راوی ہیں، ابو ہریرہ سے، محمد فضیل سے غرابت شروع ہو گئی۔ مگر یہ حدیث صحیح ہے۔

اس لئے کہ رواۃ تمام ثقہ ہیں۔ اور یہ حدیث فقط ابو ہریرہ سے مروی نہیں ہے اور صحابہؓ نے بھی روایت کیا ہے۔ اس کی متابعت تو نہیں موجود اگر متابعت ہوتی تو یہ غربت نہ رہتی۔ ہاں شواہد موجود ہیں۔

شاہد وہ حدیث ہے، جو ایک حدیث کے معنی میں ہے مگر راوی صحابی دو ہیں، یا تین ہیں کئی صحابہؓ سے روایت ہے یہ حدیث۔ وله شواهد كثيرة اور اس کے شواہد ہیں۔ اور شاہد نہ بھی ہوں تو سند صحیح ہے۔ راوی تمام ثقہ ہیں۔

الفاظ حدیث

﴿قال النبی صلی الله علیه وسلم کلمتان حبیبتان الی الرحمن خفیفتان علی اللسان ثقیلتان فی المیزان سبحان الله و بحمده سبحان الله العظیم۔﴾

"دو بول ہیں جو اللہ کو محبوب ہیں، اور زبان پر ہلکے ہیں پڑھنے میں آسان ہیں، مگر میزان کے اندر بھاری ہیں، میزان عمل کے اندر بہت بھاری ہیں۔

صفت رحمانی لانے کی وجہ

سبحان الله و بحمده سبحان الله العظیم یہاں حق تعالیٰ کے ناموں میں سے صفت رحمٰن کو لایا گیا، دو وجہ سے ایک تو وزن قافیہ رحمان، لسان، میزان، سب کا قافیہ ہے دوسرے اس واسطے کتنے عمل قلیل پر کتنا اجر کثیر یہ غایت رحمت ہے۔ دو بول ہیں ہلکے جن کا پڑھنا آسان ہے مگر اللہ کو محبوب ہیں، اللہ کو پسند ہیں، اور میزان عمل کے اندر اس کا وزن بہت ثقیل ہے، بہت بھاری ہے۔

آپ نے پڑھا ہے حدیث میں سبحان الله تملأ نصف المیزان نصف میزان کو بھر دیتی ہے سبحان اللہ، یہ رحمان کو محبوب کیوں ہیں؟ اس واسطے کہ حق تعالیٰ اپنی تعریف کو پسند کرتے ہیں۔ حق تعالیٰ سے بڑھ کر تعریف کا چاہنے والا کوئی نہیں۔

حدیث میں آتا ہے اللہ سے زیادہ عذر کو ظاہر کرنے والا کوئی نہیں ہے۔ اسی واسطے

انبیا کو بلا حساب کے لے جائے گا تا کہ عذر باقی نہ رہے، اور اللہ سے زیادہ تعریف کو پسند کرنے والا کوئی نہیں، اسی لئے اپنی تعریف کرتے ہیں، اور اسی لئے آپ کو پیدا کیا تا کہ اللہ کی تعریف کریں، اللہ کی حمد و ثنا کریں۔

تمھارے واسطے عیب ہے تعریف کا چاہنا اور تمھارے لئے عیب ہے تکبر کرنا اللہ کے لئے ہے الکبریاء ردآئی والعظمۃ ازاری۔ اسی کے لئے کبریا عین کمال ہے اسی کے لئے ہے مدح کو چاہنا، حمد کو چاہنا عین کمال ہے، اس لئے کہ وہ قابل حمد ہے، حمد اسی کے لئے ہے اور جتنے بھی ہیں وہ مجازاً قابل حمد ہیں، وہ تعریف اس کی نہیں، تعریف اس کے بنانے والے کی ہے ؎

کہ باشد آں نگارا کہ بندگی نگارد

کہ جس نے ایسے ایسے بنا دیے حسین وہ خود کیسا؟

تو بتلا دیا کہ جتنی تعریفیں ہیں سب میرے لئے، سب میرے بنائے ہوئے ہیں، سب مخلوقات ہیں، اور مخلوق کی تعریف در حقیقت خالق کی تعریف ہے۔

------------------ اور حق تعالیٰ کو یہ پسند ہے کہ بندہ اس کی تعریف کرے۔

صفات کی دو قسمیں

اور تعریف کے اندر یہ دو کلمے بڑے جامع ہیں سبحان اللہ وبحمدہ کیونکہ صفات دو قسم پر ہیں۔ ایک صفات سلبی، ایک صفات وجودی ایک جلالی ایک صفات جمالی۔ ”سبحان اللہ“ یہ تمام صفات سلبیہ کو شامل ہے۔ اللہ تعالیٰ پاک ہے سب عیبوں سے، اس میں کوئی عیب نہیں۔

فرمایا لا شریک لہ اس کا کوئی شریک نہیں۔ لا ندلہ اس کی کوئی نظیر نہیں کوئی مقابل نہیں، لیس کمثلہ شئی اس کی مثل کوئی چیز نہیں، اور لا کفولہ اس کا ہمسر اس کے برابر کوئی نہیں، تو سبحان اللہ میں تمام تنزیہات آگئیں۔ اللہ سب عیبوں سے پاک ہے۔

والحمد ھو الثناء علی الجمیل اچھی بات پر تعریف کرنا یہ حمد ہے۔ تو صفات

جمال صفات کمال سب کو شامل ہے بحمدہ

اور بحمدہ کا حروف جر جو ہے بأیہ متعلق محذوف کے ہے۔ جیسا کہ سبحان اللہ یہ مفعول مطلق ہے فعل مقدر کا نسبح اللہ سبحانہ

ایسے ہی بحمدہ کا حرف جر یہ متعلق محذوف کے ہے نحمدہ ، نسبح اللہ سبحانہ ونحمدہ و بحمدہ، یہ واوٴ عاطفہ لائی گئی اسی واسطے، کہ ہم اللہ کو پاک سمجھتے ہیں سارے عیبوں سے اور موصوف سمجھتے ہیں تمام کمالات سے۔

اس کی حمد کرتے ہیں اسکے افعال جمیل پر، اس کے اقوال جمیل پر، اس کی صفات جمیل پر۔ تو صفات جلال وہ ہیں جس کو سبحان اللہ شامل ہے۔ اور صفات جمال کو بحمدہ شامل ہے۔

اسی واسطے حدیث میں آتا ہے فقط سبحان اللہ وبحمدہ کے -------- دن میں سو مرتبہ پڑھنے سے اس کے سب گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔

صغائر اور کبائر کی تقسیم حق تعالیٰ کی عنایت ہے

ولو کان مثل زبد البحر اگرچہ سمندر کی جھاگ کے برابر ہوں، مگر مراد صغائر ہیں اس واسطے کہ کبائر بلا توبہ کے معاف نہیں ہوتے، ہاں صغائر معاف ہو جاتے ہیں اور ہمارے پاس کیا صغائر تھوڑے ہیں ؟ یہ صغائر، کبائر بھی حق تعالیٰ کی عنایت ہے کہ دو قسمیں کر دی ہیں گناہوں کی۔ ورنہ نافرمانی چھوٹی بھی ہو نافرمانی ہے۔ کیا صغیرہ اور کیا کبیرۃ۔ مگر اس کی عنایت ہے، مہربانی ہے کہ کچھ گناہوں کو کبائر قرار دیا اور کچھ کو صغائر یعنی مقدمات حرام وہ صغائر کہلاتے ہیں۔ فعل حرام وہ کبیرہ ہیں، جھوٹ بولنا کبیرہ ہے اور بہت بولنا بک بک کرنا یہ صغیرہ ہے۔ اس لئے کہ بکواس سے ہی جھوٹ کی طرف پہنچ جاتا ہے ماسلم مکثار بہت بولنے والا نہیں بچتا ہے خطا سے، لغزش سے، جھوٹ سے کتنی شریعت نے سکوت کی تعریف کی ہے سکوت کی ترغیب دی ہے کہ زیادہ نہ بولو زیادہ خاموش رہا کرو، ضرورت سے بولو سمجھ کر بولو، مایلفظ من قول الا لدیہ رقیب عتید انسان کوئی بات نہیں بولتا ہے مگر اس کے پاس تیار ہے لکھنے والا نگہبان۔

صغائر اور کبائر کی تعریف

تو اکثر یہ ہے کہ مقدمات حرام وہ صغائر کہلاتے ہیں اور جو حرام قطعی ہے نفس کے اندر وہ کبائر ہے۔ زنا حرام قطعی

﴿ولا تقربوا الزنا انه كان فاحشة كان خطأ كبيرًا﴾

بڑا گناہ ہے فاحشہ ہے، اور اس کے مقدمات نظر کرنا، نا محرم کو دیکھنا یہ صغائر ہیں جو مفتی ہو جاتا ہے اس کی طرف۔

پردہ پر اعتراض کے مسکت جواب

اور آج کل لوگ کہتے ہیں کہ صاحب پردہ اُٹھادو اور دلیل کیا ہے کہ مسلمانوں کی قوم عورتوں کے پردہ کی وجہ سے ایک پہیہ پر چل رہی ہے اور دوسری قوم دو پہیے پر چل رہی ہے۔ ان کی گاڑی کے دو پہیے ہیں اور تمھاری کا ایک پہیہ مرد کام کرتا ہے عورتیں پردہ میں ہیں وہاں مرد بھی کام کر رہے ہیں عورتیں بھی کام کر رہی ہیں۔

ارے اللہ کے بندو تین چار سو برس پہلے کی تاریخ پڑھو۔ مسلمانوں کی گاڑی ایک ہی پہیہ پر چلتی تھی اور دنیا پر بھاری تھی اور یہ دو پہیے پر چلنے والے تمھارے ماتحت تھے۔ تم سے مرعوب تھے، مغلوب تھے، تمھارے اسلاف نے کب پردہ اُٹھایا تھا حضرت عائشہؓ جب جنگ جمل میں آئی تھیں تو ---------- پردہ میں تھیں، بے پردہ نہیں تھیں حالانکہ ماں تھیں اُم المومنین سب مسلمانوں کی ماں تھیں ماں سے پردہ نہیں، مگر حضور نے حکم دیا اپنی بیبیوں کو کہ گو تم ماں ہو امت کی مگر پردہ کرو۔

حضرت عائشہؓ جنگ میں شریک ہیں قائد حرب ہیں مگر پردہ میں ہودج کے اندر اور تقریر کر رہی تھیں اور جب تک وہ تقریر کرتی رہیں حضرت علیؓ کی بہادری اور تلوار بے کار رہی،

تو فرمایا کہ جب تک ان کا اونٹ کھڑا رہے گا اور تقریر کرتی رہیں گی ہم غالب نہیں آ سکتے اونٹ کو بٹھلاؤ اونٹ بیٹھ جائے ان کی آواز نہ پہنچے لشکر میں تو غالب آئیں گے چنانچہ ایسا ہی کیا گیا اونٹ پر تیر پھینکے گئے حضرت عائشہ ؓ کے اوپر بھی اونٹ پر تیر مارے گئے پکے نشانے والے تھے نشانہ صحیح لگا اونٹ ہی کو لگا۔ دوسری طرف نہیں، اونٹ بیٹھ گیا ان کی آواز نہیں پہنچی چنانچہ پھر حضرت علیؓ غالب آئے اور یہ واقعہ تاریخی بڑا مبسوط ہے کہ جنگ کیوں ہوئی۔

دراصل یہ تباہی قوم کو ہمیشہ پریشان کرتی رہی۔ مسلمانوں میں اسی نے جنگ کرائی۔ ورنہ ان حضرت نے کوئی عداوت نہیں کی دشمنی نہیں کی۔

جنگ جمل کا تاریخی پس منظر

ایک مطالبہ تھا حضرت علیؓ مان گئے صلح ہو گئی اب اس صلح کی تکمیل ہوئی رات کے بعد صبح کو رات کا معاملہ طے ہو گیا۔ یہ قبائل قاتلان عثمانؓ یہ سمجھے تھے کہ اگر صبح ہو گئی ہم مارے گئے۔ مطالبہ یہ تھا کہ عثمانؓ کے قاتلوں کو گرفتار کیا جائے، سزا دی جائے۔ صبح سے پہلے انھوں نے رات ہی کو حملہ کر دیا۔ حضرت عائشہؓ کی فوج وہ سمجھی کہ حضرت علیؓ نے صلح تسلیم نہیں کی ان کو جواب دو۔ جواب دیا گیا۔

حضرت علیؓ سمجھے کہ حضرت عائشہؓ کو صلح منظور نہیں۔ جنگ ہو گئی بے خبری کے اندر بعد میں معلوم ہوا کہ ساری شرارت تھی تباہیوں کی اپنے آپ لڑ کے ایک طرف ہو گئے یہاں جنگ شروع ہو گئی، سب کو غلط فہمی ہوئی۔ بہر حال دشمنی کچھ نہیں تھی عدوات کچھ نہیں تھی۔ بس یہ مطالبہ تھا کہ عثمانؓ کے قاتلوں کو گرفتار کیا جائے ان کو سزا دی جائے ان سے قصاص لیا جائے۔ جو قاتل ہیں ان کو مارا جائے جو قتل میں شریک نہیں ہیں مشورے میں شریک ہیں ان کو سزا دی جائے، جیل کیا جائے۔

یہ مطالبہ تھا۔ یہ سراسر دین تھا۔ حضرت علیؓ مان گئے تھے کہ ہاں ایسا ہو گا مگر میری

خلافت نئی نئی تھی لہذا میں نے جلدی نہیں کی۔ اب تم مطالبہ کرتے ہو تم میرا ساتھ دو میں انھیں گرفتار کروں گا۔ بات طے ہو گئی، صلح ہو گئی۔

تو میں یہ عرض کر رہا تھا کہ پردہ کے اندر ہمیں ترقی تھی۔ ہماری امہات المومنین نے پردہ کیا اور بڑے بڑے کارنامے کیئے پردہ کے اندر آپ کیا کہیں گے ؟ کہ پردہ اُٹھے اور پردہ اُٹھ جائے گا تو دو پہیے کی گاڑی چلے گی۔ ارے بے وقوفو چار سو برس پہلے ایک ہی پہیہ پر گاڑی چل رہی تھی اور کامیاب تھی۔ کیوں ؟ تم مسلمان تھے۔ اللہ تمھارے ساتھ تھا تو اللہ کی مدد اور نصرت تمھارے ساتھ تھی۔

پردہ ختم کرنے کی خرابی

یہ گفتگو کہاں سے شروع ہوئی گئی تھی ؟ مقدمات حرام صغیرہ ہوتے ہیں نظر ڈالنا نا محرم کو دیکھنا یہ مقدمہ زنا ہے۔ اس لئے منع کیا شریعت نے اب لوگ چاہتے ہیں کہ پردہ اُٹھا دو تو کیا ہو گا ؟ اگر پردہ اُٹھ گیا تو لاکھوں نگاہیں زنا کریں گی نا محرم کو دیکھنا اور ان سے چھیڑ چھاڑ بھی کرتے ہیں غنڈے لوگ تو یہی اعلان کرتے ہیں کہ صاحب پردہ اُٹھا دو تا کہ دو پہیے پر گاڑی چلے۔

پردہ کس لئے ہے

ارے بے وقوفو پردہ اس واسطے نہیں ہے کہ ہماری عورتیں بد چلن ہیں بلکہ پردہ اس لئے ہے کہ ہماری عورتیں قیمتی ہیں اور قیمتی شی کو رکھتے ہیں محفوظ تجوری کے اندر۔ کیا تم سے ہو سکتا ہے کہ اپنے مرغ اٹھا کر چل دو لوگ ڈال رکھتے ہیں تجوری میں چھپا کر۔ نوکر کو دیکھتے ہیں کہ کتنا روپیہ ہے۔ کیوں چھپاتے ہیں کہ دیکھو یہ قیمتی شی ہے اس کے چور بہت ہیں۔ ایسے ہی عورت قیمتی چیز ہے اس کے چور بہت ہیں اس لئے چھپاتے ہیں

جو عورت پردہ میں رہے گی وہی عورت کہلانے کی مستحق ہے

العورۃ ما یستر کہ عورت وہ ہے جو چھپائی جائے۔ عورت کا لفظ ہی بتارہا ہے لغت عرب کے اندر کہ عورت چھپانے کی چیز ہے۔ یہ عورت ہے اور جو عورتیں باہر پھرتی ہیں بے پردہ وہ عورت نہیں ہیں۔ وہ مردانی ہیں وہ عورتیں کہاں ہیں؟ گھر کی خدمت گھر کا کام کاج وہی کرے گی جو پردہ میں رہتی ہے اور جو بے پردہ ہے وہ گھر کا کام نہیں کرے گی وہ کہے گی خان سامہ کو۔ خان سامہ کھانا پکائے ملازم کھانا پکائے۔

مگر جو لوگ شریف ہیں وہ سمجھتے ہیں کہ خان سامہ اور ملازم کے ہاتھ میں کھانے کی لذت نہیں ہے جو لذت کہ اپنی بیوی کے ہاتھ میں ہے۔ جو عورتوں کے ہاتھ میں ہے وہ خان ساموں کے ہاتھ میں نہیں ہے۔ مگر آج کل لوگ بے حس ہوگئے ہوٹلوں میں کھاتے ہیں انھیں پتہ ہی نہیں کہ عورت کے ہاتھ میں کیا لذت ہے۔ مرد کے ہاتھ میں کیا ہے جو عورتیں پردہ میں رہتی ہیں وہ گھر کو سنبھالنے والی ہیں وہ گھر کی ملکہ ہیں بادشاہ ہیں یہ غلط کہا جاتا ہے کہ صاحب گھر میں قید کر کے قیدی بنادیا "ہرگز نہیں" مسلمانوں کے گھروں میں عورتیں بادشاہت کرتی یں۔ مرد باہر کا ملازم ہے باہر کا کام کرتا ہے۔ وہ گھر کی بادشاہ ہیں۔ گھر کے کام میں دخل نہیں دیتا مرد۔ گھر کا نظام یہ جانتی ہیں وہ نہیں جانتا۔ اس کی عصمت اور اس کی عزت اسی میں ہے۔

خواتین میں علم دین کا چرچا اور بہادری

ہمارے بزرگوں نے عورتوں کو گھر میں رکھ کر تعلیم دی ہے۔ تاریخ پڑھو بڑی بڑی محدثہ بڑی بڑی حدیث دان اور فقیہہ بہت عورتیں ہیں۔ اسماء الرجال کے اندر عورتوں کا باب الگ ہے بڑی بڑی محدث ہیں۔

اور خوبی یہ ہے ما علمنا فی النساأ من سرقت او ا تہمت ----- علامہ ذہبی کہتے

ہیں مردوں کے اندر تو بعضے راوی متہم بھی ہیں متروک بھی ہیں عورتوں میں کوئی راوی متروک نہیں متہم نہیں اماثقة او مستورة بڑی بڑی محدث عورتیں ہیں۔ ہمارے پاس جو سند ہے موطا محمدؒ کی اس میں زینت قریشیہ محدث ہیں۔ علامہ زمخشری کو سند دی ہے موطا کی علامہ زمخشری ان کے شاگرد ہیں بڑی بڑی عورتیں ہوئیں مگر وہ اسکول کی پڑھی ہوئی نہیں تھیں۔

بات یہ ہے کہ باپ، بھائی جو پڑھتے تھے اور عورتیں پڑھتی تھیں اپنے باپ کے ہاں بھائی کے ہاں، شوہر پڑھتا تھا بیوی کو تعلیم دیا کرتا تھا۔ اب آج کل میاں چاہتے ہیں کہ ہم تو رہیں جاہل بیوی ہو بی۔ اے۔

ارے بھائی اگر تم بیوی کو بی۔ اے کرنا چاہتے ہو تم پہلے بی۔ اے ہو بی۔ اے بن کر پھر پڑھاؤ یہ تو خود جاہل رہیں گے اور بیوی صاحبہ بی۔ اے ہو جائے۔ ہمارے ایک دوست جج ہیں ان کی لڑکیاں بی۔ اے ہیں۔ مگر گھر میں رکھ کر پڑھایا، امتحان دلوایا۔ امتحان میں پردہ میں گئیں امتحان دیا مگر پڑھایا خود۔ انھوں نے اپنے آپ کو نہایت ہی پردہ کے اندر کیونکہ بی۔ اے تھا بہت قابل تھا اب خود تو چاہتے ہیں کہ آرام سے رہیں اور لڑکیاں بی اے ہوں "یہ نہیں" خود آپ ہتھیار چلانا سیکھیں بندوق کا نشانہ سیکھیں، بندوق چلانا سیکھو، ہنر جنگ سیکھو، اور گھر میں سکھاؤ لڑکیوں کو۔

ایک تحصیل دار کا واقعہ

ہمارے ایک تحصیل دار تھے سات لڑکیاں تھیں قریب قریب ان کی سات لڑکیاں اور ساتوں بندوق باز اور بندوق کا نشانہ باز تھیں تو جس محلّہ میں رہتی تھیں وہاں چوری نہیں ہوتی تھی چور کانپتے تھے جہاں ذرا خطرہ ہوا وہیں فوراً فائر کر دیا تحصیلدار کی لڑکیاں تھیں۔ تو طریقہ یہ ہے تم تعلیم حاصل کرو دینی بھی دنیوی بھی اور وہ سکھلاؤ دوسروں کو لڑکی کو اپنی بیوی کو۔ حضرات صحابہؓ نے اپنی بیویوں کو سب سکھایا۔ اپنی بیٹیوں کو سب کچھ سکھلایا مگر مدرسہ میں نہیں گھر میں سکھلایا نہ اسکول تھے نہ کالج ذرا تاریخ پڑھ کر دیکھو بڑی تلوار چلانے والی بڑی نشانہ باز تیر انداز بڑی بہادر عورتیں تھیں

فتوحات شام میں بڑے کام کیے مگر پردہ کے ساتھ گھوڑے پر سوار ہیں نقاب پڑا ہوا ہے اور تلوار چلا رہی ہیں۔ یہ سب کچھ ہو سکتا ہے پابندی شریعت کے ساتھ چار سو برس پہلے کی تاریخ پڑھو تمھاری عورتیں دیندار تھیں پاک دامن تھیں عفیف تھیں گھر کی رہنے والی تھیں۔ نامحرم نے کبھی ان کا چہرہ دیکھا نہیں مگر بڑی کامیاب تھیں اور خیر و برکت تھی۔ آج تم نے پردہ اُٹھادیا ہے کیا ہوا؟ بے چینی، بے اطمینانی، پریشانی اس لئے فرماتے ہیں۔ اس حدیث پر ختم کرتے ہیں کتاب کو کہ یہ دو بول ہیں رحمان کو محبوب ہیں۔ محبوب کیوں؟ اس واسطے کہ اسمیں اللہ کی تعریف ہے۔ بڑی تعریف ہے اور زبان پر ہلکے ہیں ہلکے ہلکے لفظ ہیں صاد نہیں ہے طا نہیں ہے قاف نہیں ہے ضاد نہیں ہے ہلکے ہلکے الفاظ ہیں بولنا آسان ہے بچوں کو بھی بڑوں کو بھی عورتوں کو بھی مردوں کو بھی مگر میزان عمل کے اندر بھاری ہیں اس واسطے کہ اللہ کی حمد و ثنا کامل ہے سبحان الله وبحمده سبحان الله العظيم یہ تو آخر کا ثواب ہے کہ میزانِ عمل کے اندر بہت بھاری ہیں اور سبحان الله و بحمده کافی تھا اس کے بعد سبحان الله کا پھر تکرار ہے اس واسطے کہ انسان نے خطاء کی ہے غلطی کی ہے صفات سلبیہ کے اندر صفات کمال میں غلطی کم کرتے ہیں۔ صفات سلبیہ میں غلطی کرتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ اللہ کے شریک میں لاشریک نہیں کرتے .... اور اللہ نے اس بندے کے حوالے کر دیا ہے کام یہ بھی کرتا ہے اس کے بندے خاص کرتے ہیں ہندو کہتے ہیں رام کرشن کے .... حوالے خدا نے کیا اور علم کی دیوتی الگ ہے .... روزی کی دیوتی الگ ہے .... کالی دیوتی الگ ہے .... وہ سمجھتے ہیں کہ خدا خود سارے کام نہیں کر سکتا وہ تھک جائے گا نہیں" ولا يؤده حفظهما اے اللہ تو نہیں تھکتا آسمان و زمین کے سنبھالنے سے بھی آسمان و زمین کتنی بڑی چیزیں ہیں شمس و قمر، چاند سورج کتنی بڑی چیزیں ہیں۔ ان کو سنبھالنے سے وہ نہیں تھکتا افعيينا بالخلق الاول کیا پہلی بار پیدا کر کے ہم تھک گئے؟ "نہیں" اس کو تھکان نہیں ہے اس کو اونگھ نہیں ہے۔ اس کو نیند نہیں ہے تو صفات سلبیہ میں غلطی کرتا ہے انسان اس واسطے تسبیح کو بار بار لایا گیا ہے قرآن کے اندر بھی حدیث کے اندر بھی یہاں بھی سبحان اللہ کر رہے ہے سبحان الله و بحمده سبحان الله العظيم۔ آپ قرآن کا مطالعہ کریں گے تو تسبیح کا بہت امر ہے اور تسبیح کا بہت اہتمام ہے۔

﴿سبحان الله سبحانك هذا بهتان عظيم، سبحان الذی اسری بعبده لیلا، فسبح بحمد ربك و استغفره، سبح اسم ربك الاعلی سبح باسم ربك العظیم﴾
تسبیحات کا بہت ذکر ہے اس واسطے کہ اس میں غلطی کرتے ہیں بہت لوگ حق تعالیٰ نے صفات سلبیہ پر بہت زور دیا ہے اللہ کو سب عیبوں سے پاک ہونا چاہیے اس کے برابر کوئی نہیں لیس کمثله شئی وهو السمیع البصیر اس کے مانند اس کی مثال کوئی نہیں ہے وہ تھکتا نہیں ہے، وہ سوتا نہیں ہے، وہ عاجز نہیں، کمزور نہیں، وہ قادر ہے اور سب کا خالق ہے سب مخلوقات ہیں سب کا مالک ہے سب مملوک ہیں سب کا رب ہے۔ سب بندے ہیں اللہ کو اس کی ضرورت نہیں ہے کہ وہ کسی کام کو کسی کے حوالہ کر کے بیٹھ جائے۔ "نہیں" وہ کام لیتا ہے اور کام کراتا خود ہے فرشتے کام کرتے ہیں وہ کیسے کرتے ہیں؟ اللہ کی مشیت سے اللہ کی مرضی سے بلا اس کی مشیت کے بلا رضا کے کوئی بھی کچھ نہیں کر سکتا۔ بہر حال سبحان الله العظیم صفت عظیم کو بڑھادیا اس واسطے کہ یہ جامع ہے تسبیح کو بھی حمد کو بھی۔ عظیم وہی ہے جو سارے عیبوں سے پاک ہے اور سارے کمالات سے متصف وہی صاحب عظمت ہے حدیث میں آتا ہے کہ سبحان الله وبحمده سبحان الله العظیم کے ساتھ میں ایک جملہ استغفر اللہ کا بڑھا دو اور سو دفعہ اس کو پڑھو سورج کے غروب ہونے سے پہلے تو فقر وافلاس کو دور کردے گا۔

فقر وفاقہ کا علاج

ایک صحابی نے شکایت کی آپ نے یہ تعلیم دی کہ سورج کے غروب ہونے سے پہلے پڑھ لیا کرو سبحان الله وبحمده سبحان الله العظیم استغفرا لله سو مرتبہ وہ ایک دو ہفتے گزرنے کے بعد آئے کہا کہ یارسول اللہ ﷺ اللہ نے اتنا دیا ہے کہ رکھنے کی جگہ نہیں۔ وہ صحابی تھے

اور وہ ہر بات کے اوپر یقین کرنے والے تھے۔ یہی صفت یقین ہم میں کم ہوگئی ہے۔ اب نہیں سمجھتے کہ تقویٰ سے برکت ہوگی تقویٰ سے ترقی ہوگی اب تو سمجھتے ہیں جھوٹ بول کے رشوت سے سود سے ترقی ہوگی۔ اللہ کی بات پر یقین نہیں رہا۔

﴿یمحق الله الربی و یربی الصدقات﴾

اللہ تعالیٰ ربوا یعنی سود مٹاتا ہے اس میں برکت نہیں ہوتی مسلمان کو ترقی اس سے نہیں ہوتی۔ اس کو ترقی ہوتی ہے زکوٰۃ سے عشر سے۔ صدقات سے، وقت نہیں ہے ورنہ میں واقعات سے آپ کو سمجھاتا میرے سامنے واقعات ہیں کہ سود بند کیا رشوت بند کی اور زکوۃ دینا شروع کی اور ایک سال بعد معلوم ہوا کہ بڑی برکت ہے بڑی ترقی ہے مال کے فریضہ کو ادا کیا اور ایک سال بعد نیا گاؤں خرید لیا حالانکہ .... سود بھی تھا رشوت بھی تھی صدقہ کا روپیہ بھی تھا حرام کمائی بہت تھی اس نے سب بند کر دی اور زکوۃ دینا شروع کی اب حیرت ہوتی ہے کہ آمد تو کم ہے گھر سے نکلنا شروع ہو گیا ہے مگر سال بھر کے بعد معلوم ہوا کہ اتنی برکت ہے ایک گاؤں خرید لیا اور جو لوگ اللہ پر بھروسہ کر کے زکوٰۃ دیتے ہیں عشر دیتے ہیں ایک سال کے بعد دیکھو تو واقعی برکت ہے وہ برکت یہ نہیں کہ سو سے دو سو ہو گئے "نہیں" جتنا روپیہ حلال کا ہے وہ تم کو لگتا ہے چوری نہیں جاتا حرام خور کے نوکر بھی حرام خور ہوتے ہیں بہت چراتے ہیں وہ خود کہتے تھے رئیس کہ میرے باپ کے زمانہ میں مجھے معلوم ہے کہ غلہ پہلے پہنچتا تھا منشی کے مکان پر پھر ہمارے گھر پہنچتا تھا اور جو چیز پیدا ہوتی تھی پہلے منشی کے ہاں اور اس کے حوارین کے ہاں پھر ہمارے گھر پہنچتی تھی تو برکت کیسی ہوتی؟ منشی چور اور منشی کے حوارین بھی چور اور جب زکوٰۃ دینا شروع کی منشی میرا دیندار اور دیانتدار ہے ہر چیز میرے مکان پر پہنچاتا ہے۔ پہلے بہت آدمی آتے تھے دعوتیں کھاتے جب دیکھا انھوں نے سود چھوڑ دیا ہے آمدنی کم ہو گئی ہے لوگوں نے آنا کم کر دیا ہے۔ جان بچی لاکھوں پائے۔ یہ روز کی چائے روز کے ناشتہ کرنے والے ختم ہیں اور پھر یہ ہے کہ جو شخص نیک ہوگا زکوٰۃ دینے والا نماز پڑھنے والا وہ سوسائٹی بھی اچھی رکھے گا نیک لوگوں سے ملے گا نیک لوگ اس کی چائے پئیں بسکٹ کھائیں وہ سگریٹ کے عادی نہیں ہوتے وہ نیک کاموں کے عادی ہوتے ہیں نیک کاموں کے لئے بلاتے ہیں نیک کاموں میں شریک ہوتے ہیں

یہ فضول ملنے والے چائے پینے والے وہ ختم ہیں یہ خرچ کم ہوا بیماری کم ہو گئی۔باپ کے زمانہ میں روز ڈاکٹر کھڑا ہوا ہے سود کمار ہا ہے۔ادھر ڈاکٹر کھار ہا ہے اس کو کم لگتا ہے گھر میں بیماری ہے آج بچہ بیمار ہے کل کو پوتا بیمار ہے پرسوں کو نواسہ بیمار ہے تو گھر سے ڈاکٹر غائب ہی نہیں ہو تا اب وہ کہتے ہیں کہ میرے گھر کے اندر اس سال کے اندر ڈاکٹر ایک دفعہ آیا اور بس۔ تو ساری حرام کی آمدنی ہی جاتی ہے تو مسلمان سمجھ لیں کہ مسلمان کو ترقی ہوتی ہے اللہ کے راستے پر چلنے سے اور اللہ کی باتوں پر یقین کرنے سے یقین کرو اس کے اوپر یمحق الله الربی و یربی الصدقات مسلمان قرآن پڑھتا ہے قرآن کی آیت سامنے ہے یمحق الله الرِبٰی (سود) کو مٹاتا ہے صدقات کو خیرات کو بڑھاتا ہے اور وہ کیسے بڑھاتا ہے ؟اس کو دیکھنا ایک سال دو سال کے بعد آپ کا بچہ بڑھتا ہے روز اگر ناپو نہیں معلوم ہو تا .... ایک سال مت ناپو ایک سال کے بعد دیکھنا بچہ کو ہاں ماشاء اللہ اب قد بڑھ گیا ہے۔ اگر روز دیکھو گے روز ناپو گے نہیں مانتے۔ روز مت دیکھو کہ کتنی برکت ہوئی ایک سال دو سال گذر جائیں پھر دیکھو کہ زکوٰۃ سے خیرات سے کتنی برکت ہوئی وہ برکتیں یوں ہوتی ہیں کہ مال چوروں کے ہاتھ نہیں جاتا ملازم چوری نہیں کرتا۔ڈاکٹروں کے ہاتھ بھی نہیں جاتا تمھارے ہاتھ میں رہتا ہے۔ اگر حرام کماؤ گے تو روز ڈاکٹر ہیں نوکر بھی چور ہیں حرام خور ہیں کیونکہ آپ نے حرام کمایا حرام کھلا رہے ہیں۔ حرام کھلا کر کے حرام خور انھوں نے نہیں بنا؟ حلال کماؤ حلال کھلاؤ تو حلال خور ہوں گے۔ تو صحابہؓ کو یقین تھا اس لئے وہ ایک دو ہفتہ کے بعد آئے ابن عبد اللہ کے بڑی برکت ہے اتنا مال ملا کہ رکھنے کی جگہ نہیں اور ہمارے بزرگوں نے فرمایا ہے

﴿سبحان الله والحمد لله ولااله الا الله و الله اکبر و لا حول ولا قوة الا بالله﴾

یہ کیمیائے درویشاں ہے درویش کی کیمیا ہے سو مرتبہ ہر نماز کے بعد میں پڑھتا رہے انشاء اللہ دیکھے گا کئی دنوں کے بعد برکت ہی برکت ہے ترقی ہی ترقی ہے ہاں بشرطیکہ کہ اعتقاد درست ہو۔اب اللہ کے رسول کی باتوں پر یقین نہیں ہے تو بزرگوں کی باتوں پر کیا یقین ہو گا۔ یہ کیمیائے درویشاں ہے ہمارے اللہ والے یہی بتلایا کرتے تھے اور آپ پڑھ چکے حدیث کے اندر آپ (ﷺ) کی بیٹی

حضرت فاطمہؓ نے شکایت کی کہ چکی پینے سے میرے ہاتھوں میں گٹے پڑ گئے ہیں میرے کپڑے میلے ہوتے ہیں جھاڑو دینے سے، ایک خادم چاہیے آپ گھر پر نہیں تھے۔ حضرت عائشہ سے یہ عرض کر دیا کہ حضور آویں تو یہ پیغام پہنچا دینا کہ صاحبزادی آئی تھی وہ خادم چاہتی تھی۔ آپ تشریف لائے گھر میں فرمایا کہ تم خادم کے لئے گئی تھیں۔ میں تم کو اس سے اچھی شی بتلاتا ہوں صبح کے بعد سبحان اللہ ۳۳ بار۔ الحمد للہ ۳۳ بار اللہ اکبر ۳۴ بار یہ پڑھ لیا کرو یہ تم کو خادم سے بہتر ہے یہ معنی نہیں کہ تم کو ثواب ملے گا بڑھ کر "نہیں" خادم سے بہتر ہے یعنی تم کو تھکان نہیں ہو گا۔ دن بھر کی تھکان سے محفوظ رہو گی۔ چین سے سوؤ گی، طاقت آئے گی، قوت آئے گی، چنانچہ صاحبزادی اسی پر راضی ہو گئیں حضرت علی فرماتے ہیں کہ جب سے میں نے سنی ہے یہ حدیث میں پابند ہوں عبد اللہ ابن .... وہ پوچھتا ہے اور جنگ صفین میں بھی آپ نہیں بھولے فرمایا کہ بڑا سوال کرنے والا ہے ہاں ہاں جنگ صفین کے اندر بھی میں رات کو نہیں بھولا ساری رات پڑھتا رہا۔ تو حضرات صحابہ اپنے رسول کی باتوں پر ایمان لانے والے تھے، یقین کرنے والے تھے اس واسطے ان کے لئے فائدہ مند ہوتی تھیں آپ بھی اس حدیث پر عمل کیجئے اور اس کو برابر پڑھتے رہیے سبحان الله و بحمده سبحان الله العظیم اور ایک حدیث میں آتا ہے بیہقی کی روایت ہے اور بیہقی نے موضوعات سے روایت بھی کیا ہے بحث ہو سکتی ہے بیہقی کی حدیثوں میں مگر موضوعات میں وہ روایت کرتے ہیں کہ ایک بوڑھے میاں حضور نے دیکھا کہ بہت ہی بوڑھے ہیں۔ فرمایا کہ تم نے کیوں تکلیف کی میں خود چلا آتا کہا یا رسول اللہ ﷺ بے ادبی ہے میں خود آ گیا ہمت کر کے فرمایا کہ اچھا ہم تم کو ایسی چیز بتلاتے ہیں جو بڑھاپے میں کام آئے صبح کی نماز کے بعد پڑھ لیا کرو،

﴿سبحان الله العظيم و بحمده ولا حول ولا قوة الا بالله سبحان الله العظيم و بحمده ولا حول ولا قوة الا بالله العظيم﴾

العظیم پہلے بحمدہ بعد، ہر صبح کی نماز کے بعد پڑھ لیا کرو۔

اور جنون دماغ فیل ہے یہی باتیں پیش آتی ہیں بڑھاپے کے اندر اور فالج پڑ گیا۔ یا کوڑھی ہو گئے خون میں گرمی پیدا ہو گئی یا اندھے بہرے ہو گئے یا دماغ خراب ہو گیا تو فرماتے کہ اس کو

پڑھتے رہو ہر روز صبح کی نماز کے بعد تو بڑھاپا کے اندر جنون
سے جذام سے فالج سے بہرہ پن سے محفوظ رہو گے۔ صحابی کہتے ہیں کہ یارسول اللہ ﷺ یہ تو دنیا کے لئے ہوا۔ آخرت کے لئے فرمایئے یہ تھے طالبان خدا دنیا کی اتنی بری نعمت ملنے کے بعد بھی پوچھتے ہیں آخرت کے لئے بھی فرمایئے فرمایا کہ اس کے بعد چار جملے اور بڑھادیا کرو۔

﴿اللهم اهد نی من عندك ، وافض علی من فضلك--------
وانشر علی من رحمتك ، و انزل علی من برکاتك﴾

ساری خیر دنیا کی آخرت کی تم کو مل جائے گی۔ اے اللہ مجھ کو اپنے پاس سے ہدایت کیجئے۔ اللهم اهد نی من عندك ، وافض علی من فضلك اور اپنا فضل یہا دیجئے میرے اوپر وانشر علی من رحمتك اور اپنی رحمت کی ہوائیں چلایئے میرے اوپر وانزل علی من برکاتك اور اپنی برکتیں نازل کیجئے میرے اوپر۔ بتا اب کیا چاہتا ہے ؟ رحمت بھی ہے برکت بھی ہے ہدایت بھی ہے مغفرت بھی ہے سب کچھ ہے۔ بس ایک بات اور کہنا ہے پھر ختم کرتا ہوں۔

دوستو! اس میں شک نہیں کہ ہدایت اللہ کی طرف سے ہے بواسطہ رسول اللہ ﷺ صحیح معیار حق رسول ہیں اور کوئی معیار حق نہیں مگر اس کے کیا معنی ہیں ؟ یہ معنی نہیں ہیں کہ صحابہ پر تم تنقید کرنے لگو حضور کی ذات کے سوا کوئی تنقید سے بالا نہیں کوئی تنقید سے بری نہیں ہے۔ مگر یہ معنی نہیں کہ تم تنقید کرو صحابہ پر صحابی تنقید کر سکتا ہے تابعی نہیں کر سکتا ہر شخص کا درجہ ہے جاہل عالم پر تنقید نہیں کر سکتا عالم پر تنقید عالم کر سکتا ہے۔ آپ دیکھئے کہ ایک شخص ڈاکٹر ہے ڈاکٹر کے مشورہ میں عیب نکالنے کا کس کو حق ہے ڈاکٹر کو۔ حکیم کے نسخہ میں تنقید کا حق حکیم کو ہے۔ کسی گھاس کھدے کو نہیں ہے، جاہل کو نہیں ہے۔ حضرات صحابہ کا علم سب سے بڑا علم ہے۔ وہ رسول ﷺ کے دیکھنے والے ہیں ان پر تنقید کا حق تابعی کو نہیں ہے جس کے پاس وہ آنکھیں نہیں ہیں کہ جس نے کہ جمال دیکھا رسول اللہ ﷺ کا صحابہ کی بڑی فضیلت ہے یہی تو ہے کہ رسول کا جمال دیکھنے والے ہیں ان کے پاس وہ آنکھیں ہیں جس نے کہ جمال رسول دیکھا ہے جس کے پاس ایسی دو آنکھیں ہوں وہ صحابی پر تنقید کر سکتا ہے تم نہیں کر سکتے یہ صحیح ہے کہ معیار حق رسول ہیں۔ حقیقتاً وہ معیار حق

ہیں اور تنقید سے بالا رسول کی ذات کے سوا اور کوئی نہیں ہے مگر تنقید کون کرے گا، انبیاء پر تنقید کرنے کا حق کسی کو نہیں ہے کیونکہ وہ تنقید سے بالا ہیں۔ صحابہ پر تنقید کا حق صحابہ کو ہے تمہیں کسی کو نہیں ہے۔ ان کا درجہ بہت بلند ہے۔ تمھارے واسطے کیا حکم ہے ؟اقتدوا بالذین من بعدی ابو بکر و عمر اتباع کرو ان دو کا جو میرے بعد ہوں گے ابوبکر اور عمر و علیکم بسنتی وسنة الخلفاء الراشیدین المهدیین عضوا علیها بالنواجذ میری سنت کا اتباع کرو اور خلفائے راشدین کی سنت کا واصحابی کالنجوم میرے اصحاب ستاروں کی مثل ہیں فایهم اقتدیتم اهتدیتم جس کا اتباع کرو گے ہدایت پاؤ گے۔ تمھارے واسطے یہ حکم ہے۔ تمھارے واسطے رسول کا نمونہ صحابی ہیں اس واسطے کہ وہی سننے والے ہیں پہچاننے والے ہیں وہی دیکھنے والے ہیں حضور ﷺ کی آمد کی تمہیں کیا خبر ! جو شخص کہ رسول کا صحبت یافتہ ہے آپ کی بات کو سننے والا ہے آپ کے جمال کو دیکھنے والا ہے آپ کے عمل کا مشاہدہ کرنے والا ہے اس پر آپ کو تنقید کا حق نہیں، ایسے ہی مجتہدین پر مجتہد ہی تنقید کر سکتا ہے۔ غیر مجتہد نہیں کر سکتا اس واسطے کہ مجتہدین کے مقابلہ یں مقلد جاہل ہے مقلدین، مجتہدین کے سامنے جاہل ہیں وہ عالم ہیں وہ صاحب علم ہیں صاحب فہم ہیں صاحبِ اجتہاد ہیں صاحب ادراک ہیں مجتہدین پر تنقید مجتہدین ہی کر سکتا ہے جیسے میں نے کہا ڈاکٹر پر تنقید ڈاکٹر کر سکتا ہے اب یہ عجیب بات ہے کہ ڈاکٹر اس پر تنقید کر رہا ہے۔ دکان دار شربت بیچنے والا تو شربت فروش کو کیا حق ہے کہ دکان کرنے والے کو کیا حق ہے کہ وہ ڈاکٹر پر تنقید کرے اور ایسے ہی ہماری مثال مجتہدین کے سامنے ایسی ہے جیسا کہ دکاندار شربت بیچنے والا ڈاکٹر کے سامنے۔ ماہرین شریعت کے اوپر ماہرین ہی کلام کر سکتے ہیں۔ غیر ماہر کو حق نہیں پہنچتا۔ اب آج کل آزادی ہے۔ ہر ایک کے ہاتھ میں قلم ہے چاہے صحابہ پر طعن کر دے چاہے مجتہدین پر طعن کر دے حالانکہ خود میں ان کی قابلیت معلوم ہے نہ عربی بول سکتے ہیں نہ عربی کا ترجمہ کر سکتے ہیں جن کے مطالعہ کا یہ حال ہے ان کو حق آتا ہے مجتہدین پر کلام کریں ؟ یہ صحیح ہے کہ تنقید سے بالا رسول کی ذات ہے مگر تنقید کرنے کا حق ہر شخص کو نہی ہر ایک کو نہیں۔ درجات ہیں۔ صحابہ پر تنقید صحابی کر سکتا ہے حضرت علی کو حق ہے کہ ابو ہریرہ پر تنقید کریں۔ حضرت عائشہ کو حق ہے کہ ابو ہریرہ پر تنقید کریں حضرت علی کو حق ہے کہ ابن مسعود کو

دھمکادے تم کو حق نہیں وہ برابر کے ہیں وہ بھی مجتہد وہ بھی صحابی یہ بھی صحابی امام شافعی کو حق ہے کہ ابو حنیفہؒ کے مسائل پر کلام کریں مجتہد پر بھی ہر عالم کو حق نہیں کلام کرے اس واسطے کہ مجتہدین کے سامنے ہر عالم جاہل ہے۔ مجتہد ہے اور آج کل کے عالم یہ عالم نہیں ہیں ناقل ہیں اگر نقل صحیح کر دی تو ناقل ہیں ورنہ یہ عالم کہاں۔ ہم جو آپ کو سند دیتے ہیں آپ کو فارغ التحصیل کر دیتے ہیں اس کے معنی یہ نہیں ہیں کہ اب عالم فاضل ہو گئے اس کے معنی یہ ہیں کہ علم کا باب کھل رہا ہے اب دروازہ کھلا رہے علم کا ترقی کرتے رہو اس واسطے کہ علم دریا ناپید اکنار ہے۔ بڑا دریا ہے، بڑا سمندر ہے، خود رسول ﷺ کو حق تعالیٰ کا حکم ہے قل رب زدنی علماً کہتے رہیے دعا کرتے رہیے کہ اے اللہ میرے علم کو بڑھا۔ جب خاتم المرسلین سید الانبیا سردار دو عالم کو حکم یہ ہے کہ ترقی کے لئے دعا کرتے رہیے۔ تو علم کیا چیز ہے؟ ناپید اکنار ہے اس کی انتہا نہیں ہر چیز کی انتہا ہے مگر علم کی کوئی انتہا نہیں ہے۔ اس لئے کہ اس کا تعلق ہے معلومات الٰہیہ سے (اور معلومات الٰہیہ کی کوئی انتہا نہیں ہے اس لئے علم کی بھی کوئی انتہا نہیں ہے) واللہ اعلم۔ (ماہانہ الحسن لاہور)

براءت عثمان ذوالنورینؓ

بعد الحمد والصلوۃ! گیارہ سال پہلے جب میرا قیام ڈھاکہ یونیورسٹی اور مدرسہ عالیہ میں تھا۔ مجھے اس وقت انگریزی تعلیم یافتہ طلبہ سے معلوم ہوا تھا کہ جو تاریخ اسلام ان کو کالجوں میں پڑھائی جاتی ہے، اس سے حضرت معاویہؓ اور حضرت عمرو بن العاصؓ کے متعلق طلبہ کے ذہنوں میں ان سے بدگمانی ہی بڑھتی ہے۔ حسن ظن پیدا نہیں ہوتا۔ حالانکہ دونوں صحابی ہیں جن سے ہر مسلمان کو اعتقاد اور تعظیم کے ساتھ حسن ظن رکھنا لازم ہے مگر یہ خبر نہ تھی کہ اس جماعت کے بعض لوگوں کو حضرت عثمانؓ ذوالنورینؓ سے بھی بدگمانی ہے جس کا انکشاف اسی قریب عرصہ میں ہوا ہے بہر حال میں نے قیام ڈھاکہ ہی میں ایک رسالہ بنام "کف اللسان عن معاویة بن ابی سفیان" لکھا تھا مگر افسوس کہ وہ مسودہ ہی کی صورت میں رہا۔ طبع نہ ہو سکا۔ جس دوست کو صاف نقل کرنے کے لئے مسودہ دیا گیا۔ اس نے مدت تک تو نقل شروع نہ کی اور جب میں نے تقاضا شدید کیا تو کہا کہ کثرتِ بارش کی وجہ سے میری کتابیں بہت بھیگ گئیں اور آپ کا مسودہ بالکل ہی خراب ہو گیا کہ

پڑھنے میں نہیں آتا۔ پھر اس مضمون پر قلم اُٹھانے کی ہمت نہ ہوئی۔

اسی قریب عرصہ میں بعض رسالوں میں حضرت عثمانؓ پر تنقید نظر سے گذری تو دل میں تقاضا ہوا کہ اس تنقید کا جواب لکھوں اور براءت عثمانؓ کے ساتھ حضرت معاویہؓ اور حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما کے متعلق جو غلط فہمی نو تعلیم یافتہ طبقہ کو ہو رہی ہے اس کا بھی ازالہ کر دوں چنانچہ یہ رسالہ آپ کے سامنے ہے۔ امید ہے کہ اس سے ان تینوں حضرات کے متعلق غلط فہمیوں کا ازالہ ہو جائے گا۔

اللہ تعالیٰ اس خدمت کو قبول فرمائیں اور سب مسلمانوں کو سلف کی محبت و تعظیم کی دولت سے مالا مال فرمائیں۔ آمین۔

(اخبار ہفت روزہ) "شہاب" (لاہور) کی چند اشاعتوں میں حضرت عثمانؓ بن عفانؓ ذی النورین کی براءت کے متعلق مضامین نظر سے گذرے جن سے معلوم ہوا کہ بعض "صحافی علماء" نے ان کی شان رفیع میں ایسے کلمات استعمال کئے ہیں جو نازیبا ہیں۔ دل میں اسی وقت تقاضا ہوا کہ اس موضوع پر کچھ لکھوں کیونکہ "شہاب" میں اجمالی تبصرہ پر اکتفا کیا گیا ہے تفصیل سے کلام نہیں کیا گیا۔ مگر چند وجوہ سے تاخیر ہوئی۔ ایک تو موسمی بخار میں چند روز مبتلا رہا۔ اس سے افاقہ ہوا تو جن کتابوں کی ضرورت تھی جن پر مفصل کلام موقوف تھا۔ اس وقت میرے پاس نہ تھیں۔ پھر دل نے فیصلہ کیا کہ اسی حالت میں کچھ لکھ دوں۔ اُمید ہے کہ اس مضمون کی برکت ہی سے دولت صحت و اطمینان نصیب ہو جائے کیونکہ اہل اللہ کے ذکر سے رحمتیں نازل ہوتی ہیں۔ پھر ان کا ذکر خود بھی لذیذ اور بابرکت ہے۔

یادِ یاراں یار را میموں بود
خاصہ کاں لیلی و این مجنوں بود
باز گو از نجد وازیارانِ نجد
تا درودیوار را آری بہ وجد

اور کتابوں کا اس وقت پاس نہ ہونا جو مانع تھا، اس کے بارے میں دل نے یہ فیصلہ کیا کہ جو کچھ مجھے یاد ہے اس کو یاد ہی سے لکھ دوں۔ مخاطب اہل علم ہیں۔ وہ خود کتابوں سے مراجعت کر لیں گے۔

اس وقت میں جو کچھ لکھ رہا ہوں۔ اس کا ماخذ ڈاکٹر طہ حسین مصری کی کتاب "**الفتنة الکبری**" اور تاریخ طبری اور "**کامل ابن الاثیر**" اور "**تاریخ ابن کثیر**" اور منہاج السنۃ علامہ ابن تیمیہ، "**ازالة الخفاء**"۔ "**وفاء الوفاء للسمہودی**"۔ کنز العمال وغیرہ ہیں اور یہ کتابیں اس وقت میرے پاس نہیں۔ جو کتابیں میرے پاس ہیں ان کا نام مع حوالہ صفحات کے دے دیا جائے گا۔

علی الله توکلت و هو حسبي و نعم الوکيل ربنا ارنا الحق حقا و ارزقنا اتباعه وارنا الباطل باطلا وارزقنا اجتنابه!

والسلام

ظفر احمد عثمانی

۲۸ جمادی الثانیہ ۱۳۸۵ھ



﴿مقدمہ کے طور پر چند باتیں!﴾



مقدمہ کے طور پر چند باتیں!

جواب لکھنے سے پہلے چند باتیں بطور مقدمہ کے عرض ہیں :۔

ا۔ علامہ ابن تیمیہ نے "منہاج" میں اور علامہ ابن القیم نے "زاد المعاد" میں اور جملہ محدثین نے اُصولِ حدیث میں اس کی تصریح کی ہے کہ اخبار و سیر کی سب روایتیں معتبر اور حجت نہیں۔ صرف وہی معتبر ہیں جو سند کے ساتھ بیان کی جائیں اور سند صحیح ہو۔

ب۔ یہ جو کہا جاتا ہے کہ :۔

"رسول اللہ ﷺ کے سوا کوئی بھی تنقید سے بالا نہیں!

اس کا مطلب یہ نہیں کہ ہر کس و ناکس کو ہر شخص پر تنقید کا حق حاصل ہے بلکہ مطلب یہ ہے کہ اعلیٰ ادنیٰ پر تنقید کر سکتا ہے یا اپنے مساوی پر۔ ادنیٰ کو اعلیٰ پر، جاہل کو عالم پر، غیر مجتہد کو مجتہد پر، غیر صحابی کو صحابی پر تنقید کا حق نہیں!

ج۔ صحابی کو صحابی پر تنقید کا حق ہے۔ مگر وہاں بھی اول سند کو دیکھا جائے گا کہ روایت تنقید کی سند بھی صحیح ہے یا نہیں؟ پھر یہ بھی دیکھا جائے گا کہ جس صحابی پر تنقید کی گئی ہے اس نے اس کا کچھ جواب دیا ہے یا نہیں؟ اگر جواب دیا ہے تو تنقید کو رد کر دیا جائے گا۔ اور جواب نہیں دیا تو دونوں صحابیوں کے درجات میں نظر کی جائے گی کہ دونوں میں سے اعلیٰ وافضل اور ارجح کون سا ہے۔ اگر ایک دوسرے سے افضل وارجح ہے تو ادنیٰ کی تنقید کو رد کر دیا جائے گا۔ اگر دونوں کا درجہ مساوی ہے تو ہم کو یہ کہہ کر الگ ہو جانا چاہیے کہ دونوں بڑے ہیں۔ وہ جانیں اور ان کا کام۔ ہم کو اس میں دخل دینے کا کوئی حق نہیں!

د۔ صحابہ بدریین سب سے افضل ہیں اور ان میں عشرہ مبشرہ بقیہ سے افضل ہیں اور عشرہ مبشرہ میں شیخین دوسروں سے افضل ہیں۔ ان کے بعد حضرت عثمانؓ پھر حضرت علیؓ

ہ۔ صحابہ کے بارے میں گفتگو کرتے ہوئے ان احادیث کو پیش نظر رکھنا چاہیے:۔

(۱) اصحابی کالنجوم فبایهم اقتدیتم اهتدیتم!	میرے اصحاب ستاروں کی مانند ہیں۔ ان میں سے جس کا اتباع کر لو گے؟ راہ پا لو گے!
(۲) الله! الله! فی اصحابی لا تتخذو هم من بعدی غرضا! (رواه الترمذی)	میرے اصحاب کے بارے میں اللہ سے ڈرتے رہو۔ میرے بعد ان کو (ملامت اور طعن کا) نشانہ نہ بنانا!

صحابہ کے بارے میں گفتگو ادب کے ساتھ کرنا چاہیے۔ کوئی ایسا لفظ زبان یا قلم سے نہ نکالا جائے جس سے کسی صحابی کی تنقیص لازم آئے۔

(۱) الصحابة کلهم عدول	تمام صحابہ صحیح حامل دین اور قابلِ اعتماد ہیں!

اہل سنت کا اجماعی عقیدہ ہے۔

حضرت عثمانؓ کی شان

اب میں حضرت ذوالنورین عثمانؓ بن عفانؓ کے متعلق ان باتوں کا جواب دینا چاہتا ہوں جو بعض رسائل میں بہ طور تنقید کے لکھی گئی ہیں اور مدافعت سے پہلے ان کی وہ عظمتِ شان بھی ظاہر کر دوں جو صحابہ کی نظر میں تھی۔ یہ اُن مناقب و فضائل عثمانؓ کے علاوہ ہے جو باب المناقب میں محدثین نے رسول اللہ ﷺ سے مرفوعاً روایت کئے ہیں :۔

۱۔ ابن سعد نے ابو سلمہ بن عبد الرحمان سے روایت کیا ہے کہ جب حضرت ابو بکر صدیقؓ نے اپنی وفات کا وقت قریب دیکھا تو حضرت عمرؓ کے بارے میں صحابہ سے مشورہ کیا چنانچہ حضرت عثمانؓ کو بلا کر فرمایا کہ :۔

"(حضرت) عمر کے متعلق اپنی رائے بیان کرو!"

انھوں نے کہا کہ :۔

"آپ تو اُن کو ہم سے زیادہ جانتے ہیں!"

فرمایا: "پھر بھی تم اپنی رائے ظاہر کرو!"

حضرت عثمانؓ نے فرمایا کہ :۔

"خدا! جہاں تک میں جانتا ہوں، ان کا باطن ظاہر سے بھی اچھا ہے اور ہمارے اندر اُن جیسا کوئی نہیں ہے۔"

حضرت صدیق نے فرمایا :۔

"اللہ تم پر رحم کرے۔ واللہ! اگر میں عمر کو چھوڑ دیتا تو ان کے بعد تم کو نہ چھوڑتا!" (حیاۃ الصحابہ صفحہ ۱۹۔۴)

فائدہ : اس سے صاف معلوم ہوا کہ حضرت صدیق کے نزدیک حضرت عمر کے بعد حضرت عثمانؓ ہی خلافت کے لائق تھے!

۱۔ لالکائی نے عثمانؓ بن عبد اللہ بن عبد اللہ بن عمرؓ سے روایت کی ہے کہ جب حضرت صدیق

"کی وفات کا وقت قریب آیا تو حضرت عثمانؓ بن عفان کو بلایا تاکہ بعد کسی کے لئے خلافت کی وصیت لکھوائیں۔ وصیت نامہ ابھی کچھ لکھوایا ہی تھا کہ تو حضرت صدیقؓ پر بے ہوشی طاری ہو گئی۔ ابھی تک کسی کا نام نہیں لکھوایا تھا تو حضرت عثمانؓ نے خود ہی حضرت عمر کا نام لکھ دیا۔ جب حضرت صدیق اکبر کو افاقہ ہوا، حضرت عثمانؓ سے پوچھا، تم نے کسی کا نام لکھ دیا ہے؟ فرمایا :۔

مجھے اندیشہ ہوا کہ آپ پر یہ غشی موت کی غشی نہ ہو، اور اختلاف وافتراق پیدا نہ ہو جائے، اس لئے میں نے حضرت عمر کا نام لکھ دیا۔"

حضرت صدیقؓ نے فرمایا :۔

"اللہ تم پر رحم کرے اگر تم اپنا ہی نام لکھ دیتے تو یقیناً تم اس کے اہل تھے!"

حیاۃ الصحابہ صفحہ ۲۲۔ ۲

فائدہ : اس سے بھی معلوم ہوا کہ حضرت صدیقؓ کو حضرت عثمانؓ کی اہلیتِ خلافت پر پورا اعتماد تھا!

۳۔ ابن جریر نے محمد طلحہ وزیادؓ سے سند کے ساتھ روایت کیا ہے کہ حضرت عمر (مدینہ سے) لشکر کے ساتھ نکلے اور ایک چشمہ پر جس کا نام "اصرار" تھا پڑاؤ کیا۔ لوگوں کو کچھ معلوم نہ تھا کہ یہاں سے آگے جائیں گے یا اسی جگہ قیام کریں گے؟ اور جب حضرت عمرؓ سے لوگ کچھ دریافت کرنا چاہتے تو حضرت عثمانؓ کو واسطہ بناتے یا عبد الرحمٰن بن عوفؓ کو۔ حضرت عمرؓ کی خلافت میں حضرت عثمانؓ کو ردیف کہا جاتا تھا۔ جس کے معنی لغتِ عرب میں پیچھے آنے والے کے ہیں۔ اہل عرب ردیف اس کو کہتے ہیں جس کے بارے میں یہ امید ہو کہ اس سردار کے بعد یہ سردار ہو گا۔ اگر کبھی یہ دونوں حضرات کسی بات کو حضرت عمرؓ سے معلوم نہ کر سکتے تو حضرت عباسؓ کو واسطہ بناتے چنانچہ حضرت عثمانؓ نے حضرت عمرؓ سے دریافت کیا کہ :۔

”آپ کو کوئی نئی خبر پہنچی ہے (جس کی وجہ سے آپ لشکر کو یہاں لائے ہیں) آپ کا ارادہ کیا ہے؟“

تو آپ نے نماز کے لئے جمع ہونے کا اعلان کیا جب سب لوگ جمع ہو گئے تو آپ نے واقعہ بتلایا (کہ مقام نہاوند پر فارس کا بڑا لشکر جمع ہے اور کسریٰ خود میدان میں آ گیا ہے، اب بتاؤ کیا کرنا چاہیے؟) لوگوں نے کہا، آپ ضرور چلیں، اور ہم کو بھی اپنے ساتھ لے چلیں۔ (یہ ایک طویل حدیث ہے)

فائدہ : مجھے اس اثر سے یہ بتانا ہے کہ حضرت عمرؓ کی زندگی ہی میں لوگوں کی نظریں حضرت عثمانؓ پر تھیں کہ حضرت عمر کے بعد یہی خلیفہ ہوں گے۔ اس کی تائید اس واقعہ سے بھی ہوتی ہے جس کو بخاری و مسلم نے روایت کیا ہے کہ جب حضرت عمرؓ نے اپنی وفات کے قریب مسئلہ خلافت کو چھ حضرات کے سپرد کر دیا کہ وہ اپنے میں سے کسی ایک کو خلیفہ بنا دیں اور ان چھ حضرات نے عبد الرحمان بن عوفؓ کو اختیار دے دیا کہ حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ میں سے کسی ایک کو خلیفہ بنا دیں۔! تو عبد الرحمانؓ بن عوف دو تین رات تک مہاجرین و انصار اور امراء اجناد (افواج) و عمال وغیرہم سے مشورہ کرتے رہے اور تیسرے دن کی صبح کو انتخاب عثمانؓ کا اعلان کرنے سے پہلے حضرت علیؓ سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ :۔

”اے علی! میرے متعلق اپنے دل میں کچھ خیال نہ کرنا۔ میں نے صحابہ مہاجرین و انصار وغیرہ سب سے مشورہ کیا تو دیکھا کہ

لا یعدلون بعثمانؓ احدا! وہ عثمانؓ کے برابر کسی کو نہیں سمجھتے۔!

اس سے معلوم ہوا کہ حضرت عثمانؓ کے تقدم و افضلیت و اہلیت خلافت پر صحابہ کا اجماع تھا۔ اس اجماع کے خلاف خبر واحد صحیح بھی ہو، تو قبول نہ کی جائے گی۔ چہ جائیکہ ضعفاء مجروحین و مبتدعین (اور) شیعہ و خوارج کی روایتیں؟ کہ وہ تو کسی درجہ

میں شمار نہ کی جائیں گی۔ اگر راویانِ اخبار و سیر کے حالات کی تحقیق کی جائے تو ہر صاحب بصیرت سمجھ سکتا ہے کہ حضرت عثمانؓ کے خلاف جتنی بھی روایتیں ہیں، سب ضعفاء و مجروحین اور اہل بدعت واھواء کی روایات ہیں۔

الا قلیل و لیس فی هذا القلیل ما یضره و ینفع خصمه و ناقیده۔!

ہاں کچھ روایات تنقید درست ہیں لیکن ان میں ایسی کوئی چیز نہیں جو حضرت عثمانؓ کی شان کو کچھ گزند پہنچا سکے یا اُن کے اس ناقد کو کوئی نفع پہنچا سکے۔

حضرت عثمانؓ حضرت علیؓ کی نظر میں

۴۔ ابو احمد (حاکم) نے شداد بن اوسؓ سے روایت کیا ہے کہ جب (باغیوں نے) حضرت عثمانؓ پر محاصرہ سخت کر دیا تو میں نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو دیکھا کہ رسول اللہ ﷺ کا عمامہ باندھے ہوئے اور حضور ہی کی تلوار گردن میں لٹکائے ہوئے تشریف لا رہے ہیں ان کے آگے آگے حضرت حسن اور عبد اللہ بن عمرؓ، اور مہاجرین و انصار کی ایک جماعت تھی۔ انھوں (باغی) لوگوں پر حملہ کیا اور اُن کو اِدھر اُدھر منتشر کر دیا۔ پھر حضرت عثمانؓ کے مکان میں داخل ہوئے حضرت علی نے کہا:۔

"السلام علیک یا امیر المومنین! رسول اللہ ﷺ نے یہ کام (یعنی سلطنت کا استحکام) اس وقت تک نہیں کیا، جب تک اپنے ماننے والوں کو ساتھ لے کر دشمنوں کو نہیں مارا۔ اور خدا میرا گمان یہ ہے کہ یہ لوگ آپ کو قتل کرنا چاہتے ہیں۔ تو ہم کو حکم دیجئے کہ ہم بھی اُن سے قتال کریں۔!"

حضرت عثمانؓ نے فرمایا:۔

"میں ہر اس شخص کو جو اللہ کا حق اپنے اوپر سمجھتا ہے اور یہ بھی اقرار کرتا ہے کہ میرا بھی اُس پر کچھ حق ہے، قسم دیتا ہوں کہ میری وجہ سے کوئی کسی کا خون نہ بہائے، نہ اپنا خون بہائے۔!"

حضرت علیؓ نے پھر اپنی بات دہرائی۔ حضرت عثمانؓ نے پھر بھی یہی جواب دیا۔ تو میں نے حضرت علی کو دروازے سے نکلتے ہوئے یہ کہتے سنا :۔

"اے اللہ! آپ کو معلوم ہے کہ ہم نے اپنی سی کوشش کر لی ہے!" پھر مسجد میں داخل ہوئے۔ نماز کا وقت آ گیا تھا۔ (باغی) لوگوں نے کہا :۔ "یا أبا الحسن !(حضرت علی کی کنیت ہے) آگے بڑھیئے۔ لوگوں کو نماز پڑھا دیجئے!"

حضرت علی نے فرمایا :۔

"میں تم کو اس حال میں نماز نہیں پڑھاؤں گا کہ امام (خلیفۃ المسلمین) گھر میں محصور ہے۔ میں تنہا نماز پڑھ لوں گا۔!"

چنانچہ آپ نے تنہا نماز پڑھی اور اپنے گھر لوٹ گئے۔ اُسی وقت اُن کے صاحبزادے (امام حسن) پہنچے اور کہا :۔

"واللہ! (باغی) لوگ (حضرت عثمانؓ کے) گھر میں گھس گئے ہیں!"

حضرت علی نے فرمایا :۔

"انا للہ و انا الیه راجعون! خدا یہ اُن کو قتل کر ڈالیں گے!"

لوگوں نے پوچھا :۔

"اے ابوالحسن! حضرت عثمانؓ (قتل ہو گئے تو) کہاں پہنچیں گے؟"

انھوں نے فرمایا :۔

"جنت میں، مقام قرب پر پہنچیں گے۔!"

لوگوں نے عرض کیا :۔

"اور قاتل کہاں کہاں جائیں گے؟" فرمایا

"بخدا جہنم پڑ جائیں گے!" اس بات کو تین بار دہرایا!
(الریاض النضرہ فی مناقب العشرہ للمحب، طبری بحوالہ حیاۃ الصحابہ ج ۲ ص ۱۱۵)

فائدہ : حضرت علی کرم اللہ وجہہؓ کے ارشاد سے یہ بات بخوبی واضح ہو گئی کہ بعض لوگوں کو جو شکایات حضرت عثمانؓ سے تھیں ان میں حضرت عثمانؓ حق پر تھے، مخالف ناحق پر تھے۔ ان حقائق کو پیشِ نظر رکھ کر حضرت عثمانؓ کے بارے میں قلم اُٹھانا چاہیے۔ ان سے آنکھیں بند کر کے گفتگو کرنا کسی عالم کو جائز نہیں کہ اِس سے عام مسلمان غلط فہمی میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔!

۵۔ علامہ ابن تیمیہؒ "منہاج السنۃ" میں فرماتے ہیں کہ :۔
"امام احمد بن حنبل اور بہت سے علماء حضرت علیؓ کی سنت پر اسی طرح عمل کرتے ہیں، جس طرح سنتِ عمرؓ و سنتِ عثمانؓ پر عمل کرتے ہیں۔ مگر دوسرے بعض علماء امام مالک وغیرہ سنتِ علی کا اتباع نہیں کرتے حالانکہ سنتِ عمرؓ و سنتِ عثمانؓ کے اتباع پر سب کا اتفاق ہے!" (منہاج) ج ۳ ص (۳۰۵ بحوالہ مقدمہ اعلاء السنن ص ۱۱۱)

فائدہ : امام مالکؒ وغیرہ جو سنتِ علی کی اتباع نہیں کرتے، غالباً اس کی وجہ یہ ہے کہ اُس وقت مسلمانوں میں افتراق تھا، کچھ صحابہ حضرت علیؓ کے ساتھ تھے اور کچھ اُن کے ساتھ نہ تھے اُن کی سنت پر سب کا اتفاق نہ تھا اور حضرت عمرؓ و عثمانؓ کی سنتوں پر سب صحابہ کا اتفاق تھا۔ اس لئے سنت عثمانؓ کے اتباع پر سب علماء فقہاء متفق ہیں، اس حقیقت میں جس قدر وزن ہے، اہل علم اس کو سمجھ سکتے ہیں۔

۶۔ ابن عساکر وغیرہ نے حضرت شعبیؒ سے روایت کیا ہے کہ حضرت عمرؓ کی وفات اُس وقت تک نہیں ہوئی جب تک قریش اُن سے اکتا نہ گئے۔ اُنھوں نے قریش (کے

مہاجرین) کو مدینہ میں محصور کر دیا تھا، (کہ مدینہ سے باہر نہ جائیں)
حضرت عمر نے فرمایا :۔
"مجھے سب سے زیادہ خطرہ تمھارے اِدھر اُدھر بلادِ اسلام میں پھیل جانے سے ہے۔!"
اگر ان محصورین مہاجرین میں سے کوئی جہاد کے لئے بھی اجازت مانگتا، تو فرمادیتے کہ :۔
"تم نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ بہت جہاد کر لیا ہے بس وہی کافی ہے۔ آج کل تمھارے لئے جہاد کرنے سے یہی بہتر ہے کہ نہ تم دنیا دیکھو، نہ دنیا تم کو دیکھے!"
جب حضرت عثمانؓ خلیفہ ہوئے، انھوں نے اُن حضرات کو رخصت دے دی کہ جہاں چاہیں چلے جائیں۔ اب یہ لوگ بلادِ اسلام میں ادھر ادھر پھیل گئے اور لوگ ہر طرف سے اُن کی طرف رجوع ہونے لگے۔ محمد طلحہ کہتے ہیں کہ :۔
"یہ پہلا ضعف تھا جو اسلام میں داخل ہوا اور عام مسلمانوں میں فتنہ کی ابتداء اسی سے ہوئی۔!"
حاکم نے قیس بن ابی حازم سے روایت کی ہے کہ حضرت زبیرؓ حضرت عمرؓ کے پاس آئے اور جہاد میں جانے کی اجازت چاہی فرمایا کہ :۔
"اپنے گھر میں بیٹھو، تم نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ (بہت) جہاد کر لیا ہے!"
حضرت زبیر نے باربار درخواست کی تو تیسری یا چوتھی بار میں فرمایا :۔
"اپنے گھر بیٹھو، واللہ! میں تم کو اور تمھارے ساتھیوں کو دیکھ رہا ہوں کہ تم مدینہ سے باہر نکلو گے تو صحابہ رسول کو فساد (غالباً جنگ جمل کی طرف اشارہ ہے جس میں حضرت زبیر تھا) مبتلا کر دو گے۔!"
(اور حضرت عمر بڑے صاحبِ فراست اور صاحب کشف تھے،) ذہبیؒ نے اس سند کو صحیح کہا ہے۔!

فائدہ : مگر صحیح بخاری کی روایت سے یہ بات ثابت ہے کہ حضرت زبیرؓ بن العوام جنگ یرموک میں موجود تھے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عمرؓ نے اُن کے اصرار سے مجبور ہوکر بادلِ ناخواستہ اجازت دے دی ہوگی غالباً اسی وجہ سے حضرت عثمانؓ نے بھی ان صاحبوں سے پابندی اٹھادی تھی کیونکہ اس روایت میں تصریح ہے کہ جن صاحبوں پر حضرت عمرؓ نے پابندی لگارکھی تھی وہ اس سے اکتا گئے تھے۔ جو روشن خیال علماء حضرت عثمانؓ پر تنقید کرتے ہیں وہ اس بات کا جواب دیں کہ حضرت عمرؓ نے اکابر مہاجرین کو مدینہ میں محصور کر کے اُن کی آزادی کیوں سلب کی؟ آج کل تو جمہوریت کے معنی ہی یہ ہیں کہ ہر شخص کو رفتار و گفتار کی پوری آزادی ہو۔ اُس پر کسی جگہ کا داخلہ بند نہ کیا جائے۔ نہ سیر و سیاحت اور سفر پر پابندی لگائی جائے۔ اس لئے ان متجددین (ماڈرن) کے نزدیک تو حضرت عثمانؓ کا یہ کارنامہ جمہوریت کے موافق تھا اور حضرت عمرؓ کا عمل سراسر خلافِ جمہوریت تھا۔!
یہاں یہ بات ذہن نشین کر لینی چاہیے کہ حضرت عمرؓ نے قریش کے اُن افراد پر کوئی پابندی نہیں لگائی تھی جو مکہ میں رہتے تھے۔ جیسا اسی روایت کے بعض الفاظ میں اس کی تصریح موجود ہے۔ یہ پابندی قریش کے اُن افراد پر تھی جو رسول اللہ ﷺ کی حیات میں مہاجر ہوکر مدینہ آگئے تھے حضرت عمرؓ اُن کو مدینہ سے باہر جانے سے روکتے تھے اور اپنے پاس مدینہ میں ہی رکھنا چاہتے تھے۔ میرے خیال میں اس کی وجہ وہی تھی۔ جو ولی عہد سلطنت کو بادشاہ کے سامنے پایہ تخت میں رہنے پر مجبور کرنے کی ہوا کرتی ہے، کیونکہ ولی عہد سلطنت کی عظمت رعایا کے قلوب میں بہت ہوتی ہے۔ اگر اس کو پایۂ تخت سے باہر گھومنے پھرنے کی اجازت دے دی جائے تو بہت سے لوگ اس کے گرد جمع ہو جائیں گے جس سے بعض دفعہ سلطانِ وقت کی سلطنت کو خطرہ پیش آنے کا اندیشہ ہو سکتا ہے۔ چنانچہ تاریخ میں ایسے خطرات کا واقعہ ہونا مذکورہ ہے اسلام میں خلافت، میراث تو ہے نہیں کہ

بادشاہ کے بعد بیٹا ہی بادشاہ ہو۔ اسلام میں اس کا مدار قابلیت واہلیت پر ہے اور قریش کے وہ افراد جو مہاجر بن کر مدینہ آگئے تھے، سب ہی خلافت کے اہل تھے، اس لئے ان سب کو حضرت عمرؓ نے مدینہ سے باہر آنے کی اجازت نہیں دی بلکہ مدینہ میں محصور رکھا۔ الا ما شاء اللہ حضرت ابو عبیدہ ابن الجراحؓ اور ان جیسے ایک دو صاحبوں پر پابندی نہیں لگائی۔ پھر جس طرح ولی عہد سلطنت اس قسم کی پابندیوں سے گھبرا جاتا ہے، اسی طرح یہ مہاجرین قریش بھی اس پابندی سے اکتا گئے اور بار بار جہاد کے لئیے مدینہ سے باہر جانے کی اجازت مانگنے لگے تو حضرت عمرؓ نے بعض کو اجازت دے دی اور حضرت عثمانؓ نے اس پابندی کو بالکل ختم کر دیا لیکن حضرت عمرؓ کو ان کی آزادی سے جو خطرہ تھا وہ صحیح ہو کر رہا۔ ان حضرات نے مدینے سے باہر قدم رکھا تو لوگ ان پر جھک پڑے اور حضرت عمرؓ کی حیات ہی میں بعض لوگوں کی زبان پر اس قسم کی باتیں آنے لگیں کہ حضرت عمرؓ کے بعد ہم حضرت طلحہؓ کے ہاتھ پر بیعت کرلیں گے۔ جس پر حضرت عمرؓ نے اپنے آخری خطبہ میں اُن لوگوں کو سخت تنبیہ کی کہ :۔

چند افراد یا کسی ایک جماعت کو حق نہیں کہ وہ کسی کو خلیفہ بنالے خلافت سب مسلمانوں کے مشورہ سے کسی کو دی جاسکتی ہے، ورنہ دونوں پر قتل کا اندیشہ ہے !"

(صحیح بخاری)

حضرت عثمانؓ ایک سال سخت بیمار ہوئے تو بعض لوگوں نے کہنا شروع کر دیا کہ حضرت عثمانؓ اس مرض میں وفات پاگئے تو ہم حضرت زبیرؓ کے ہاتھ پر بیعت کرلیں گے۔ حضرت عثمانؓ کی شہادت کے بعد حضرت طلحہ اور زبیر نے اُم المومنین حضرت عائشہ (سلام اللہ ورضوانہ علیہا) کو "دِم (خون) عثمانؓ" کے مطالبہ کے لئے راست اقدام کرنے پر ابھارا تو یہ سوال اٹھا کہ یہ اقدام کہاں سے شروع کیا جائے ؟ تو دونوں حضرات نے فرمایا کہ :۔

"بصرہ میں ہمارے حامی بہت ہیں، یہ اقدام وہیں سے ہونا چاہیے !" چنانچہ جنگ جمل بصرہ میں واقع ہوئی۔ اگر یہ حضرات مدینہ سے باہر قدم نہ نکالتے، جیسا کہ حضرت عمرؓ کا منشا تھا

توبصرہ میں اِن کے حامی نہ پیدا ہوتے، نہ جنگ جمل کی نوبت آتی، نہ خلافتِ عثمانؓ میں وہ انتشار پیدا ہوتا، جو قتل عثمانؓ کا سبب بنا۔! واللہ تعالی اعلم و علمہ اتم و احکم۔!

اب میں اُن تنقیدات کا جواب عرض کرتا ہوں جو بعض "نو تعلیم یافتہ علماء" نے حضرت عثمانؓ پر کی ہیں۔ سب سے پہلی تنقید یہ ہے کہ :۔

حضرت عثمانؓ خلیفہ ہوئے تو رفتہ رفتہ حضرت عمرؓ کی پالیسی سے ہٹتے چلے گئے۔ انھوں نے پے در پے بنو امیہ کو بڑے بڑے عہدے عطاء کئے اور ان کے ساتھ دوسری ایسی رعایات کیں جو عام طور پر موجبِ اعتراض بن کر رہیں۔ بنی امیہ میں جو لوگ دورِ عثمانی میں آگے بڑھائے گئے وہ سب طلقاء میں سے تھے!"

(طلقاء وہ صحابہ ہیں، جو فتح مکہ کے موقع پر اسلام لائے) اس کا جواب حضرت عثمانؓ نے خود یہ دیا تھا کہ :۔

"میں نے اپنی خلافت میں بجز ایک شخص عبداللہ بن عامر بن کریز کے بنو امیہ میں سے کسی کو بھی از خود عامل نہیں بنایا، بلکہ سب حضرت عمرؓ کے بنائے ہوئے عامل ہیں اور عبداللہ بن عامر جسے میں نے عامل بنایا ہے، اُس کی کوئی شکایت نہیں، بلکہ سب اُس سے خوش ہیں۔!"

فائدہ : واقعہ یہ ہے کہ یزدجرد (گرد) شاہ فارس کو جب شکست فاش ہو گئی تو وہ ادھر ادھر بھاگا پھرتا تھا۔ جس شہر میں جاتا، وہاں کا فارسی حاکم اس کی آؤبھگت کرتا اور بھاگا ہوا لشکر اُس کے گرد جمع ہو کر مسلمانوں کا مقابلہ کرتا تھا، اس صورت میں ملک فارس کا نظام مختل رہتا تھا۔ حضرت عثمانؓ نے بصرہ کے گورنر کو (جس کے تحت خراسان بھی تھا) یہ تاکید کی کہ جس طرح بھی ہو کسری کو گرفتار یا قتل کردو، تاکہ روز روز کا جھگڑا ختم ہو۔ جب تک

کسری آزادی سے گھومتا رہے گا، فساد کا قلع قمع نہ ہوگا۔ مگر بصرہ کا کوئی گورنر اس مہم کو سر نہ کر سکا تو حضرت عثمانؓ نے عبداللہ بن عامر بن کریز سے مشورہ کیا۔ اس نے وعدہ کیا کہ میں انشاء اللہ اس مہم کو سر کر لوں گا تو حضرت عثمانؓ نے ابو موسیٰ اشعریؓ کو بصرہ کی گورنری سے ہٹا کر عبداللہ بن عامر کو یہ منصب عطاء کر دیا۔ اور اس نے بڑی شجاعت اور سیاست سے کسری کو محصور کر لیا اور وہ محاصرہ ہی کی حالت میں مارا گیا جس کے بعد ملک فارس کا نظم و نسق مسلمانوں کے قبضہ میں پوری طرح آ گیا۔ عبداللہ بن عامر صورت میں رسول اللہ ﷺ کے مشابہ تھا۔ بڑا بہادر، متقی اور ہوشیار تھا۔

؎ کہ معنی بود صورتِ خوب را!

(اچھی شکل میں ایک خاص رمز اور مفہوم ہوتا ہے)

اس شخص کے علاوہ جتنے عمال۔ (گورنر)۔ بنوامیہ یا طلقاء میں سے تھے، وہ سب حضرت عمرؓ کے بنائے ہوئے عامل تھے۔

عکرمہؓ بن ابی جہل بھی طلقاء میں سے تھے۔ مگر تاریخ شاہد ہے کہ اُن کو صدیق اکبرؓ نے ایک دستہء فوج کا قائد بنا کر مرتدین کے مقابلہ میں بھیجا تھا اور فتوحاتِ شام میں انھوں نے بڑے بڑے کارنامے انجام دیے۔ بالآخر جنگ اجنادین یا اسی کے قریب کسی جنگ میں داد شجاعت دیتے ہوئے شہید ہو گئے۔ جس کا پورے لشکر اسلام کو سخت صدمہ ہوا۔

ولید بن عقبہ کو رسول اللہ ﷺ نے خود صدقات کا عامل بنا کر بھیجا تھا۔ حضرت عمرؓ نے بھی اس کو بعض مقامات کا عامل بنایا تھا، یہ ضرور ہے کہ بنوامیہ کے یہ عمال حضرت عمر کے زمانہ میں معمولی مقامات کے عامل تھے۔ جب تجربہ کار ہو گئے، اُن کو ترقی دے کر کسی بڑے مقام کا عامل بنا دیا اور یہ کوئی نازیبا بات نہیں عمال کو ترقی دینا سب ہی متمدن حکومتوں کا طریقہ ہے۔! کہا جاتا ہے کہ :۔

''اسلامی تحریک کی سربراہی کے لئے یہ لوگ موزوں بھی ہو سکتے تھے۔ وہ بہترین منتظم اور

اعلیٰ درجہ کے فاتح ہو سکتے تھے اور فی الواقع وہ ایسے ہی ثابت ہوئے لیکن اسلام محض ملک گیری اور ملک داری کے لئے تو نہ آیا تھا۔ وہ تو اولاً اور بالذات ایک دعوتِ خیر و صلاح تھا۔ جس کی سربراہی کے لئے انتظامی اور جنگی قابلیتوں سے بڑھ کر ذہنی و اخلاقی تربیت کی ضرورت تھی اور اُس کے اعتبار سے یہ لوگ صحابہ اور تابعین کی اگلی صفوں میں نہیں بلکہ پچھلی صفوں میں آتے تھے۔!"

میں پوچھتا ہوں کہ رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں جن لوگوں کو مکہ در خیبر اور بحرین کا حاکم بنایا گیا، کیا وہ صحابہ کی اگلی صفوں میں آتے تھے؟ بحرین کا پہلا گورنر منذر بن ساوی عبدی تھا۔ پھر علاء بن الحضرمی۔۔ مکہ کے حاکم عتاب بن اسید تھے اور خیبر کے سواد بن غزیہ۔! ان میں سے کوئی بھی صفِ اول میں نہ تھا۔ خالدؓ بن ولید اور عمرو بن العاصؓ، جب سے مسلمان ہوئے حضور نے ہمیشہ اُن کو قائد عسکر، یا امیر بنایا۔ بلکہ غزوہ ذات السلاسل میں حضرات شیخین کو بھی حضرت عمرو بن العاصؓ کا ماتحت بنادیا اور حضرت عمرو بن العاصؓ کو رسول اللہ ﷺ نے عمان کا حاکم بنایا، اسی طرح جیشِ اُسامہ میں اکابر مہاجرین وانصار حتی کہ حضرت عمرؓ کو بھی اُسامہ کی ماتحتی میں کر دیا گیا۔ فتح شام سے پہلے گورنر ابو عبیدہ ابن الجراحؓ تھے۔ ان کے انتقال کے بعد خلافت فاروق میں (حضرت) یزید بن ابی سفیانؓ گورنر ہوئے، یہ بھی صفِ اول کے صحابی نہ تھے۔ ان کے انتقال پر حضرت عمرؓ نے حضرت معاویہؓ کو امارتِ شام پر مامور فرمایا۔ یہ بھی صفِ اول کے صحابی نہ تھے۔ آپ عہد نبوت اور عہد صدیق، اور عہد فاروق کے عمال و حکام پر نظر ڈال جائیں تو ایک دو کے سوا تمام عمال صفِ ثانی یا ثالث ہی کے نظر آئیں گے۔ ولید بن عقبہ کے بارے میں کہہ چکا ہوں کہ اُس کو رسول اللہ ﷺ نے ایک مقام پر عامل بنا کر بھیجا تھا۔ پھر حضرت عمرؓ نے بھی اس کو عامل بنایا، حضرت عثمانؓ نے بھی اس کو عامل کوفہ بنادیا تو کیا جرم کیا؟ آپ کو تسلیم ہے کہ اس کے انتظام سے اول اول اہل کوفہ بہت مطمئن ہوئے، بعد میں یہ بات کھلی کہ وہ مے نوش ہے۔ مے نوشی کے سوا اور کسی جرم کی نشان دہی کسی مؤرخ نے نہیں کی۔ سو آپ کو معلوم

ہونا چاہیے کہ مے نوشی کا ارتکاب حضرت قدامہ بن مظعون صحابی مدری ؓ سے بھی ہوا تھا، جن پر حضرت عمرؓ نے حد جاری کی تھی۔ یہ صفِ اول کے صحابی تھے۔ مگر ان کو یہ مغالطہ ہوا تھا کہ آیت

لیس علی الذین امنوا و عملوا الصلحت جناح فیما طعموآ اذا ما اتقوا و امنوا و عملوا الصلحت	نہیں ہے اُن لوگوں پر جو ایمان لائے اور کام کئے اچھے کوئی گناہ اس چیز میں جو (ناجائز) کھایا پیا انھوں نے (پہلے جبکہ وہ متقی ہو گئے اور مومن بن گئے اور انھوں نے اچھے کام کئے۔!

کا مطلب یہ ہے کہ جو لوگ شراب پی کر ایمان و عمل صالح اور تقوی پر قائم رہیں۔ اُن پر کوئی گناہ نہیں!

حضرت عمرؓ نے فرمایا:۔

"تم نے آیت کا مطلب غلط سمجھا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ حرمتِ شراب سے پہلے جن لوگوں نے شراب پی تھی اور ایمان و عمل اور تقویٰ پر کاربند رہے۔ اُن کو پچھلی مے نوشی کی وجہ سے گناہ نہیں ہو گا۔!"

کیونکہ فیما طعموا صیغہ ماضی ہے، مستقبل نہیں، یہ مطلب نہیں کہ نزول حرمت کے بعد کوئی شراب پیے اور ایمان و عمل صالح و تقویٰ پر کاربند رہے اس کو بھی گناہ نہیں کیونکہ حرمت کے بعد شراب پینے سے تقویٰ کہاں باقی رہا؟ اگر ایسا ہی مغالطہ ولید کو بھی ہوا، جو صفِ اول کے صحابی نہیں تو کیا بعید ہے؟ پھر حضرت عثمانؓ نے بتلا دیا کہ بنو امیہ کے جس قدر عمال ہیں، وہ حضرت عمرؓ کے بنائے ہوئے عمال ہیں تو جو اعتراض حضرت عثمانؓ پر کیا جا رہا ہے وہ دراصل حضرت عمرؓ پر ہے۔ کہ انھوں نے ایسے لوگوں کو عامل کیوں بنایا جو صفِ اول کے صحابی نہ تھے۔ بلکہ صفِ ثانی یا ثالث کے تھے؟

حضرت معاویہؓ کی گورنری

ایک بڑا اعتراض حضرت عثمانؓ پر یہ کیا گیا کہ :۔

"انھوں نے حضرت معاویہؓ کو ایک ہی صوبہ کی گورنری پر مسلسل ۱۶۔۱۷ سال مامور رکھا۔!"

حضرت عثمانؓ کی خلافت کی مدت کل ۱۲ سال ہے جو معترض کو بھی تسلیم ہے، پھر وہ حضرت معاویہؓ کو ۱۶۔۱۷ سال اپنی خلافت میں گورنر کیسے رکھ سکتے تھے؟ اور اگر خلافتِ عمرؓ کا زمانہ بھی حضرت عثمانؓ ہی کے نامۂ اعمال میں شامل کیا جاتا ہے تو ۱۶۔۱۷ سال نہیں بلکہ ۲۰ سال کہنا چاہیے۔ حضرت معاویہؓ خلافتِ عمرؓ میں ۸ سال سے زیادہ امیر شام رہے۔ اور حضرت عثمانؓ کے زمانہ میں ۱۲ سال۔ جس شخص کو حضرت عمرؓ نے ۸ سال مسلسل امارتِ شام پر مامور رکھا، اگر حضرت عثمانؓ نے اسے ۱۲ سال مسلسل رکھا تو کیا جرم کیا؟ یہ سوال سب سے پہلے حضرت عمرؓ سے کرنا چاہیے کہ انھوں نے ایک شخص کو ایک ہی صوبہ پر مسلسل ۸ سال گورنر کیوں رکھا؟ معترض کا یہ دعویٰ تسلیم نہیں کہ :۔

"حضرت عمرؓ کا قاعدہ یہ تھا کہ وہ کسی شخص کو ایک ہی صوبہ کی حکومت پر زیادہ مدت تک نہ رکھتے تھے۔

بلکہ اُن کا قاعدہ یہ تھا جس حاکم سے رعایا کو شکایت نہ ہو، اس کو الگ نہیں کرتے تھے۔ (حضرت) ابو موسیٰ اشعریؓ برابر بصرہ کے حاکم رہے۔ حضرت عمرؓ نے ان کا تبادلہ نہیں کیا، نہ وہاں سے معزول کیا (حضرت) علاء بن الحضرمیؓ بحرین کے حاکم رہے، اُن کا تبادلہ نہیں کیا گیا۔ اُن کے انتقال پر دوسرا گورنر بھیجا گیا اور یہ واقعہ کہ حضرت معاویہؓ سے رعایا شام خوش تھی۔ کسی کو کوئی شکایت نہ تھی اور وہ سیاست اور حلم میں ضرب المثل تھے۔ شام کا صوبہ جیسا معترض کو تسلیم ہے اُس وقت کی اسلامی سلطنت میں بڑی اہم جنگی حیثیت

کا علاقہ تھا۔ اس کے ایک طرف تمام مشرقی صوبے تھے ایک طرف تمام مغربی صوبے تھے۔ یہاں ایسے ہی سیاستدان (اور) حلیم کی ضرورت تھی، جس سے پورا صوبہ شام خوش اور مطمئن ہو۔

خمس کا قصہ

ایک اعتراض یہ بھی کیا گیا ہے کہ :۔

''حضرت عثمانؓ نے افریقہ کی جنگ کا پورا خمس غنیمت مروان کو دے دیا جو پانچ لاکھ دینار تھا۔''

یہ غلط ہے (جناب) مروانؒ کا خمس افریقہ سے کیا واسطہ تھا؟ واقعہ یہ ہے، کہ افریقہ کی حدود مصر سے ملی ہوئی تھیں۔ مصر مسلمانوں کے قبضہ میں آ گیا تھا۔ مگر افریقہ کے عیسائی حدود مصر پر حملے کرتے اور کبھی مصر کے اندر آ کر فساد برپا کرتے تھے۔ ضرورت تھی کہ افریقہ پر فوج کشی کی جائے تاکہ ان پر رعب قائم ہو اور مصر کے نظام کو مختل نہ کر سکیں۔

اس وقت عمرو بن العاصؓ مصر کے والی تھے۔ ان کو حضرت عثمانؓ نے افریقہ کی جانب فوج کشی کا حکم دیا تو انھوں نے راستہ کی دشواری کا عذر کیا۔ ان کے نائب عبد اللہ ابن ابی سرح نے اس پر آمادگی ظاہر کی تو حضرت عمرؓو بن العاصؓ کو گورنری سے ہٹا کر عبد اللہ بن ابی سرح کو والی مصر بنا دیا گیا۔ جب انھوں نے افریقہ پر حملہ کرنے کے لئے لشکر جرار کے ساتھ میدان کارِ زار میں قیام کیا، شاہ افریقہ خود مقابلہ میں آ گیا اور اس نے اعلان کر دیا کہ :۔

''جو شخص عبد اللہ بن ابی سرح کا سر میرے پاس لائے گا، اس کو آدھا ملک دوں گا، اور اپنی بیٹی سے شادی کر دوں گا۔''

اب ہر افریقی سپاہی عبد اللہ بن ابی سرح کا سر لینے کے درپے ہو گیا۔ یہ حالت دیکھ کر

وہ میدانِ کارزار سے ہٹ کر خیمہ میں آگئے اور ایک دستہ فوج خیمہ کے گرد تعینات کر کے میدانِ جنگ میں اپنا ایک نائب مقرر کر دیا، جس کے پاس خیمہ ہی سے ہدایات پہنچ رہی تھیں۔

افریقہ کی اس جنگ میں عبداللہ بن ابی سرح کی امداد کے لئے مدینہ سے بھی ایک بڑا لشکر پہنچ گیا۔ جس میں (حضرت) عبداللہ بن زبیر، عبداللہ بن عمر، امام حسنؓ، حضرت حسین، اور فضل بن عباس وغیرہ رضی اللہ عنہم بہادران قریش بھی شامل تھے۔ اس لشکر نے افریقہ پہنچ کر دیکھا کہ عبداللہ بن ابی سرح میدان میں نہیں ہیں۔ عبداللہ بن زبیرؓ انکے خیمہ میں چلے گئے اور پوچھا:۔

"آپ خیمہ میں کیوں ہیں، میدان میں چل کر خود فوج کی کمان کیوں نہیں کرتے؟"

انھوں نے کہا۔

"میرا سر کاٹنے پر شاہ افریقہ نے اپنی بیٹی دینے اور آدھی سلطنت دینے کا اعلان کیا ہے۔ اس لئے ہر افریقی میرا ہی سر کاٹنا چاہتا ہے۔"

عبداللہ بن زبیر نے کہا:۔

"تو آپ یہ اعلان کر دیجئے کہ: "جو شخص شاہ افریقہ کا سر لائے گا، میں اُس سے اپنی بیٹی کا نکاح کر دوں گا اور مالِ غنیمت کا پورا خمس دے دوں گا۔"

چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔ اب شاہ افریقہ میدان چھوڑ کر اپنے خیمہ میں بیٹھ گیا۔ اور عبداللہ بن ابی سرح میدان میں آ گئے۔ جنگ شروع ہوئی تو عبداللہ بن ابی سرح نے ایک دستہ فوج کے ساتھ شاہ افریقہ کے خیمہ پر حملہ کر دیا اور خود اپنے ہاتھ سے اس کو قتل کر کے سر نیزہ پر بلند کیا۔ افریقی فوج کو شکست ہوئی اور عبداللہ بن ابی سرح اعلان کے موافق خمسِ غنیمت کے مستحق ہو گئے۔ فوج اسلام نے ان کے استحقاق کو تسلیم کیا۔ حضرت عثمانؓ کو اسکی اطلاع دی گئی تو انھوں نے بھی اس حق کو تسلیم کیا۔ مگر جب عبداللہ بن سبا یہودی منافق اور اسکے ماننے والوں نے اس کو بری طرح اچھالا کہ:۔

"حضرت عثمانؓ نے اپنے رضاعی (دودھ شریک) بھائی کو اتنی بڑی دولت دی ہے، یہ اقرباء نوازی ہے!"

تو حضرت عثمانؓ نے عبداللہ بن ابی سرح کو لکھا کہ:۔

"تم خمس افریقہ کو واپس یہاں بھیج دو، میں تم کو اپنی پاس سے مناسب انعام دے دوں گا۔ بعض لوگ، تم کو پورا خمس دینے پر چہ میگو ئیاں کر رہے ہیں۔!"

بتلایئے !اس میں الزام کی کون سی بات تھی ؟رہا یہ کہ :۔

حضرت معاویہؓ کے مسلسل صوبہ شام پر گورنر رہنے کا خمیازہ حضرت علی کو بھگتنا پڑا

خیال خام ہے میں پوچھتا ہوں کہ بصرہ میں تو حضرت معاویہؓ گورنر نہ تھے وہاں حضرت علیؓ کو کس چیز کا خمیازہ بھگتنا پڑا؟ وہاں جنگِ جمل کیوں ہوئی ؟اس جنگ سے پہلے تو حضرت معاویہؓ تردد اور تذبذب ہی میں تھے کہ حضرت علیؓ کی بیعت سے نہ صراحتاً انکار کرتے تھے، نہ اقرار، جنگِ جمل میں حضرت عائشہؓ حضرت طلحہؓ اور زبیرؓ کے مقابلہ نے حضرت معاویہؓ کے اس خیال کو پختہ کر دیا کہ معاملہ مشکوک ضرور ہے۔ ورنہ ایسے ایسے جلیل القدر صحابہ جو عشرہ مبشرہ میں شامل ہیں، حضرت علیؓ کی بیعت توڑ کر ان کے مقابلہ میں ہرگز نہ آتے۔ حضرت علی کو یہ مشکل اس لئے پیش آئی کہ انھوں نے امام حسنؓ اور عبداللہ بن عباسؓ کی رائے پر عمل نہ کیا۔ ان دونوں کی رائے یہ تھی کہ حضرت معاویہؓ کو بالکل نہ چھیڑا جائے۔ اُن صوبوں کا نظم و نسق سنبھالا جائے جن کے گورنروں نے آپ کی خلافت تسلیم کر لی ہے۔ معاویہؓ اکیلے کب تک رہیں گے ؟ آج نہیں تو کل مجبور ہو کر آپ کی بیعت منظور کر لیں گے۔ حضرت مغیرہ ابن شعبہؓ کی بھی یہی رائے تھی۔

"حضرت علی اگر حضرت معاویہؓ کے معزول کرنے میں تاخیر کرتے تو یہ بہت بڑی غلطی ہوتی۔ اُن کے اس اقدام سے ابتداہی میں یہ بات کھل گئی کہ حضرت معاویہؓ کس مقام پر کھڑے ہیں۔ زیادہ دیر تک ان کے موقف پر پردہ پڑا رہتا۔ تو یہ دھوکے کا پردہ ہوتا۔ جو زیادہ خطرناک ہوتا ہے۔ یہ بات وہی کہہ سکتا ہے جس کو حضرت معاویہؓ کے حلم و تدبر کا کچھ علم نہیں، واقعہ یہ ہے کہ حضرت معاویہؓ کا موقف تو اسی وقت معلوم ہو گیا تھا، جب انھوں نے حضرت علیؓ کی بیعت میں توقف کیا اور مطالبہ کے بعد سفید کاغذ بھیج دیا تھا۔ مگر حضرت امام حسنؓ اور ابن عباسؓ اور مغیرہؓ بن شعبہ حضرت معاویہؓ کے حلم و حکمت سے واقف تھے کہ ان کو نہ چھیڑا گیا تو وہ ہرگز مقابلہ پر نہ آئیں گے۔

مگر حضرت علیؓ نے اُن کی بات نہ مانی۔ محمد بن ابی بکر اور اُن کے بڑے بڑے ساتھیوں۔ مالک اشتر نخعی وغیرہ کی رائے پر عمل کیا، جو حضرت معاویہؓ سے برائی کرنے پر تلے ہوئے تھے۔ شاید کثرتِ رائے کا غلبہ اس کا سبب ہوا ہو اور اُن دونوں کی پوزیشن کو ایسا مضبوط کیا کہ اول الذکر کو اپنا مشیر خاص (سیکرٹری) بنایا اور دوسرے کو فوج کا کمانڈر انچیف۔ حالانکہ یہ دونوں قتل عثمانؓ سے متہم اور اس فتنۂ کبریٰ کے بانی شمار ہوتے تھے۔ اسی چیز نے حضرت معاویہؓ اور اُن کے ہم خیال صحابہ کی نظروں میں خلافتِ علیؓ کی پوزیشن کو مخدوش بنادیا اور جنگِ جمل نے اس خدشہ کو زیادہ قوی کر دیا۔ جنگِ جمل نے حضرت علیؓ کی جماعت میں بھی اضطراب پیدا کر دیا۔ اُن کے بہت سے حامی جو اب تک اُن کو خلیفۂ برحق سمجھتے تھے، شک میں پڑ گئے۔ جس کی وجہ سے جنگ صفین بھی بے نتیجہ رہی۔ پھر جو صوبے ان کے ساتھ تھے، آہستہ آہستہ اُن کے ہاتھ سے نکل گئے۔ صرف کوفہ میں خلافت قائم رہی اور کوئی صوبہ ان کے قبضہ میں نہ رہا۔

مروان کی شخصیت

دوسرا اعتراض حضرت عثمانؓ پر یہ کیا جاتا ہے کہ ''انھوں نے خلیفہ کے سیکرٹری کی اہم پوزیشن پر مروان بن الحکم کو مامور کر دیا تھا۔ اور جنابِ مروانؒ کو فتنہ پرداز ثابت کرنے کے لئے انکی سوتیلی ساس (حضرت) نائلہؓ کا یہ قول بھی پیش کیا جاتا ہے کہ :۔

''حضرت عثمانؓ کے لئے مشکلات پیدا کرنے کی بہت بڑی ذمہ داری مروان پر عائد ہوتی ہے۔''

اگر حضرت نائلہؓ کا یہ قول جنابِ مروان کو متہم کر سکتا ہے تو ان کا یہ قول محمد بن ابی بکر کو بھی متہم کر سکتا ہے کہ :۔

''قاتلان عثمانؓ کو خفیہ راستہ سے گھر میں لانے والے محمد بن ابی بکر تھے۔ پھر

حضرت علی نے اپنے دربار میں اُن کی پوزیشن اتنی کیوں بڑھائی کہ ایک موقع پر اُن کو مصر کا گورنر بھی بنادیا؟ کیا یہ پوزیشن ہمارے لئے قابلِ قبول ہو سکتی ہے ؟

اب جنابِ مروانؓ کے بارے میں محدثین ناقدین کے اقوال ملاحظہ ہوں۔

۱۔ حافظ ابنِ حجر نے "تہذیب التہذیب" میں اُن کو رجال بخاری اور سنن اربعہ کے رواۃ میں شمار کیا ہے اور صحابہ میں اُن کا شمار قسم ثانی میں یعنی اُن صحابہ میں کیا ہے جنھوں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا ہے سماع ثابت نہیں۔ بہر حال اُن کے صحابی ہونے میں اختلاف نہیں ہے۔ اگر صرف رؤیت کو صحابیت کے لئے کافی سمجھا جائے اور یہی جمہور کا قول ہے تو اب اُن لوگوں کے اقوال پر التفات نہ کیا جائے گا۔ جو اُن میں کلام کرتے ہیں یعنی تنقید کرتے ہیں۔

فان الصحابة کلهم عدول — بلا شک تمام صحابہ عادل یعنی سچے دین دار قابل اعتماد ہیں۔!

۲۔ عروہ بن زبیرؓ کا قول ہے کہ مروان حدیث میں متہم نہ تھے۔ سہل بن سعد ساعدی نے صدق پر اعتماد کر کے اُن سے روایت کی ہے اور وہ بڑے جلیل القدر صحابی ہیں۔ علی بن الحسین (حضرت زین العابدین) اور عروۃؓ بن الزبیر و ابو بکر بن عبد الرحمٰن بن الحارث اور سعید بن میبّب عبید اللہ بن عبد اللہ بن عتبہ و ابو بکر بن عبد اللہ بن عتبہ اور مجاہد و ابو سفیان مولیٰ بن ابی احمد نے اُن سے روایت کی ہے رضی اللہ تعالیٰ عنہم اور وہ حضرت عمر و عثمانؓ و علی اور زید بن ثابت و ابو ہریرہ، اور بسرہ بنتِ صفوان و عبد الرحمان بن الاسود بن عبد یغوث رضی اللہ عنہم سے روایت کرتے ہیں اور رسول اللہ ﷺ سے بھی مرسلاً روایت کی ہے۔

۳۔ حافظ (ابن حجر نے مقدمہ فتح الباری میں فرمایا ہے کہ :۔

"مروان پر بڑا اعتراض یہ ہے کہ یوم الجمل میں انھوں نے حضرت طلحہ کے تیر مارا، جس

سے وہ فوت ہو گئے پھر معاویہؓ بن یزید کے بعد طلبِ خلافت کے لئے تلوار اُٹھائی۔"
حضرت طلحہ کے قتل کے بارے میں تو اسمٰعیل وغیرہ نے یہ جواب دیا ہے کہ یہ قتل تاویل سے تھا جیسا اور صحابہ کے ہاتھ سے بعض صحابہ جنگِ جمل و صفین میں قتل ہوئے ہیں اور اس کو تاویل پر محمول کیا گیا کہ اُن کے نزدیک فریق ثانی باغی تھا اور باغی کا قتل جائز ہے۔"
بایں ہمہ امام مالکؒ نے اُن کی حدیث اور (فقہی) رائے پر اعتماد کیا ہے اور مسلم کے سوا سب (اصحاب صحاح) نے اُن کی حدیث کو لیا ہے۔

فائدہ : موطا امام مالک کا مطالعہ کرنے والے جانتے ہیں کہ امام مالک جنابِ مروانؒ کو فقہاء مدینہ میں شمار کرتے اور موطا میں بکثرت اُن کے اقوال فقہیہ بیان فرماتے ہیں حافظ ابنِ حجر کے قول سے یہ بھی معلوم ہوا کہ حضرت طلحہ کے قتل سے پہلے جنابِ مروان پر کوئی سنگین اعتراض نہیں تھا۔ حضرت معاویہؓ کی خلافت میں جنابِ مروان کو مدینہ کا والی بنایا گیا تو اسی زمانہ میں سہل بن سعد ساعدی صحابی اور عروہ بن الزبیر اور حضرت زین العابدین اور ابو بکر بن عبدالرحمان ابن الحارث وغیرہ اجلہ تابعین نے اُن سے حدیث روایت کی۔ اگر خلافتِ عثمانؓ میں کوئی امر خلافِ عدالت و ثقاہت اُن سے صادر ہوا ہوتا تو یہ حضرات ہرگز اُن سے روایت نہ کرتے۔ اور یہ جو بعض روایات میں آیا ہے کہ :۔
"مروان نے حضرت عثمانؓ کی طرف سے حاکم مصر کو خط میں یہ لکھ دیا تھا کہ یہ لوگ (محمد بن ابی بکر اور انکے ساتھی) مصر پہنچیں تو ان کو قتل کر دینا۔"
حافظ ابن کثیر نے اس کے بارے میں یہ لکھا ہے کہ :۔

"ان بلوائیوں نے حضرت علیؓ و طلحہؓ اور زبیرؓ کی طرف سے (بصرہ و کوفہ کے) خوارج کے نام جعلی خط لکھے جس کا ان سب حضرات نے انکار کیا۔ ایسے ہی حضرت عثمانؓ کے نام سے بھی انھوں نے جعلی خط لکھا۔

كتبوا من جهة علی و طلحة و الزبير الى الخوارج كتبا مزورةانكروها و هكذا زوروا هذا الكتاب على عثمانؓ!

(ابن کثیر ج ۷ ص ۱۷۵)

جس سے نہ حضرت عثمانؓ کو کچھ واسطہ تھا نہ مروان کو۔ یہ سب بلوائیوں کی حرکت تھی۔!

دلچسپ تضاد!

دوسرے مرحلہ پر معترض نے اس بات کو تسلیم کیا ہے :۔

"خلافتِ عثمانؓ میں خیر اس قدر غالب تھی اور اسلام کی سربلندی کا اتنا بڑا کام ہو رہا تھا کہ عام مسلمان پوری مملکت میں کسی جگہ بھی اُن کے خلاف بغاوت کا خیال تک دل میں لانے کے لئے تیار نہ تھے یہاں یہ بھی لکھنا چاہیئے تھا کہ ان کی خلافت میں زکوۃ لینے والا بھی کوئی نہ تھا۔ اتفاق سے کوئی آجاتا تو حضرت عثمانؓ بیت المال کھول کر فرمادیتے کہ جتنا چاہو لے جاؤ یہی وجہ ہے کہ جو مختصر ساگروہ دوہزار کے قریب) اُن کے خلاف شورش کرنے اٹھا، اس نے بغاوت کی دعوت عام دینے کی بجائے سازش کا راستہ اختیار کیا۔ اس تحریک کے علمبردار کوفہ، بصرہ اور مصر سے تعلق رکھتے تھے انھوں نے باہم خط و کتابت کر کے خفیہ طریقہ سے یہ طے کیا کہ اچانک مدینہ پہنچ کر حضرت عثمانؓ پر دباؤ ڈالیں۔"

اس مرحلہ پر معترض کو دو باتوں پر غور کرنے کی ضرورت تھی۔ ایک یہ کہ جب عام طور پر بلادِ اسلام میں سب مسلمان خلیفۂ وقت سے خوش تھے۔ صرف دو ہزار افراد اُن کے خلاف

سازش کر رہے تھے تو پھر حضرت عثمانؓ کے خلاف جو باتیں اس نے پہلے مرحلہ میں لکھی ہیں وہ عام مسلمانوں کے نزدیک وہ اعتراض نہ تھیں۔ صرف اس سازشی مختصر گروہ کے نزدیک ہی وجہ اعتراض تھیں۔ تو اب جو شخص حضرت عثمانؓ پر تنقید کر رہا ہے وہ سب مسلمانوں کے خلاف اس سازشی گروہ کی تائید کرنا چاہتا ہے جس کی تعداد خود اُس کے اقرار سے دو ہزار کے اوپر نہ تھی۔

دوسرے یہ بھی معلوم کرنا تھا کہ اس سازش کا منشا کیا تھا، اگر تحقیق سے کام لیا جاتا تو معلوم ہو جاتا کہ اس تحریک کی ابتداء مصر سے ہوئی تھی۔ جہاں اس وقت عبد اللہ بن سبا یہودی منافق، جاہل فوجیوں میں حُبِ اہل بیت کا افسون۔ (جادو)۔ پھونک کر عصبیت جاہلیت کو زندہ کر رہا تھا اور حضرت عثمانؓ سے حضرت علیؓ کو افضل بتلا رہا تھا۔ "محبت علی" کا نام لے کر حضرت عثمانؓ پر اعتراض کرتا اور ان کے عمال میں بھی عیب نکالتا رہتا تھا۔ اس فریب میں دو ہزار کے قریب مسلمان آگئے۔ انھوں نے سازش کر کے مدینہ کا رُخ کیا اور حضرت عثمانؓ کو محصور کر دیا۔ آپ حرمِ رسول کو قتل و قتال کی آماجگاہ بنانا نہیں چاہتے تھے۔ اس لئے اپنے حامیوں کو مقابلہ سے روک دیا۔ باغیوں کی منشاء کے موافق اپنے کو خلافت سے معزول کر کے جان بچا سکتے تھے مگر رسول اللہ ﷺ نے ان کو صیت فرمائی تھی کہ :۔

ان الله سيقمصك قميصاً فان اراد المنافقون ان تنزعها فلاتنزعنها "اللہ تعالیٰ تم کو ایک قمیض پہنائیں گے اگر منافقین یہ چاہیں کہ تم اس قمیض کو اتار دو تو ہر گز نہ اُتارنا۔!" (او کما قال)

قمیض سے مصبِ خلافت کی طرف اشارہ تھا۔ اس لئے خلافت سے بھی اپنے کو الگ نہ کر سکتے تھے جس کا انجام یہی ہونا تھا کہ شہید ہو گئے۔ ہمارے ناقد کو تسلیم ہے :۔

"اُن باغیوں کو حضرت عثمانؓ کے معزول کرنے یا اُن سے معزولی کا مطالبہ کرنے کا قطعاً کوئی حق نہ تھا، یہ اہل حل و عقد تھے نہ کسی مقتدر جماعت کے نمائندے" تیسرے مرحلہ میں ناقد نے چند باتوں پر زور دیا ہے۔ (کہ) :۔

۱۔ حضرت عثمانؓ کی شہادت کے بعد مدینہ میں سراسیمگی پھیل گئی کیونکہ امت یکایک بے سردار اور مملکت بے سربراہ رہ گئی۔

۲۔ لامحالہ خلیفہ کا انتخاب جلد سے جلد ہونا چاہیے تھا اور مدینہ میں ہونا چاہیے تھا، وہی مرکزِ اسلام تھا اور یہیں اہل حل و عقد موجود تھے۔

۳۔ اس معاملہ میں نہ تاخیر کی جاسکتی تھی نہ مدینہ سے دور دراز کے دیار و امصار کی طرف رجوع کرنے کا کوئی موقعہ تھا خطرناک صورتحال پیدا ہو چکی تھی۔

۴۔ شوریٰ کے موقعہ پر حضرت عبدالرحمٰنؓ بن عوف نے امت کی عام رائے معلوم کرنے کے بعد یہ فیصلہ دیا تھا کہ حضرت عثمانؓ کے بعد دوسرے شخص جن کو امت کا زیادہ سے زیادہ اعتماد حاصل ہے حضرت علیؓ ہی ہیں۔ اس لئے یہ بالکل فطری امر تھا کہ لوگ خلافت کے لئے انھی کی طرف رجوع کرتے" یہ تمام مقدمات مسلم ہیں۔ صرف تیسرے نمبر کے متعلق یہ کہنا کہ امام حسنؓ کی رائے میں تاخیر کی گنجائش تھی۔ انھوں نے حضرت علیؓ سے عرض کیا تھا کہ :۔

"اب لوگ آپ کے پاس بیعتِ خلافت کے لئے آئیں گے۔ آپ اس میں عجلت نہ کریں بلکہ صاف فرمادیں کہ تمام صوبوں کے گورنروں کو بلایا جائے اہل مدینہ کے ساتھ وہ بھی میری خلافت پر متفق ہوں، تو میں اس منصب کو قبول کرلوں گا ورنہ نہیں۔"

حضرت علیؓ نے فرمایا :۔

"اب تک کسی خلیفہ کے لئے مدینہ سے باہر کے لوگوں کو نہیں بلایا گیا میرے واسطے یہ کیوں ضروری ہے ؟"

امام حسنؓ نے فرمایا کہ :۔

"آپ کی صورتِ حال اُن سے مختلف ہے۔ آپ کی موجودگی میں اُن بلوائیوں نے، جو آپ

کی محبت کا دم بھرتے ہیں اور حبِ اہلِ بیت و محبتِ علی کا نعرہ لگاتے ہیں، خلیفۂ وقت کو قتل کیا ہے اور سب سے آگے یہی بلوائی آپ کے ہاتھ پر بیعت کرنے آئیں گے۔ اگر آپ نے ان کو بیعت کر دیا تو دور والوں کو شبہ ہو گا کہ آپ بلوائیوں کے بنائے ہوئے خلیفہ ہیں۔ (اور بعض کو یہ شبہ بھی ہو گا کہ قتلِ عثمانؓ میں آپ کا ہاتھ ہے) اس لئے ضروری ہے کہ سب عمال کو بلایا جائے تا کہ کسی کو شبہ کی گنجائش نہ رہے!"

حضرت علی نے فرمایا :۔

"میں استخارہ کروں گا۔!"

استخارہ کے بعد آپ نے بلوائیوں اور مدینہ والوں کی درخواست پر ہی بیعتِ خلافت لے لی۔

اگرچہ حضرت علیؓ کا یہ طرزِ عمل اپنی جگہ درست تھا اور اُن کی خلافت کے برحق ہونے میں کوئی شبہ نہیں مگر آئندہ کے واقعات نے ثابت کر دیا کہ امام حسن کی رائے پر عمل کیا جاتا تو زیادہ بہتر تھا۔ رہا یہ کہ اتنی مدت تک مسلمان بلا خلیفہ کیسے رہتے ؟ سو اس میں اتنی قباحت نہ تھی جتنی اُس صورت میں ہوئی کہ بلوائیوں کی موجودگی میں بیعتِ خلافت لے لی گئی چالیس دن حضرت عثمانؓ محصور رہے تو عملاً اس وقت بھی مسلمان بغیر خلافت کے ہی تھے۔ اور مدینہ کے سوا پوری اسلامی مملکت کا نظم و نسق بخوبی قائم تھا۔ اگر ایک مہینے کی اور تاخیر ہو جاتی تو مملکت کے نظم و نسق میں کوئی خلل واقع نہ ہوتا۔ کیونکہ اُن دو ہزار باغیوں کے سوا عام مسلمان امن پسند تھے اور عمالِ عثمانؓ ہر مقام پر مضبوطی کے ساتھ انتظام کو سنبھالے ہوئے تھے اور اگر منصب خلافت کے خلاء کو جلدی ہی پر کرنا ضروری تھا تو حضرت علیؓ اس وقت خلافت کو قبول کرتے ہوئے صاف فرما دیتے کہ میں مستقل خلیفہ اس وقت ہوں گا جب سب عمال جمع ہو کر مجھے اس منصب کو قبول کرنے کی دعوت دیں گے۔ اس کے بعد عمال کو بلایا جاتا کہ وہ سب اہل مدینہ کے ساتھ مل کر مسئلہ خلافت کو طے کریں۔ مگر ایسا نہ ہوا۔ بلکہ وہی ہوا جس کا امام حسنؓ کو خطرہ تھا کہ سب سے پہلے بلوائیوں نے اُن کے ہاتھ پر بیعت کی۔ پھر اہل مدینہ میں سے کچھ نے خوشی سے اور کچھ نے بلوائیوں کے دباؤ سے بیعت کی۔ چنانچہ جب حضرت طلحہؓ و زبیرؓ مدینہ سے مکہ پہنچے اور مطالبہ دَمِ (خون) عثمانؓ کے لئے قوت فراہم کرنے کی تدبیریں کرنے لگے تو کسی نے پوچھا کہ :۔

آپ حضرات تو حضرت علیؓ کے ہاتھ پر بیعت کر کے آئے ہیں ؟"

انھوں نے جواب دیا :۔

بایعناه و اللج فی اعناقنا "ہم نے اس حال میں بیعت کی تھی کہ ہماری گردن دبائی جارہی تھی۔"

جب ایسے جلیل القدر اصحاب پر دباؤ ڈالا گیا تو دوسروں کا کیا ذکر؟ پھر یہ بھی نہ ہوا کہ اُن بلوائیوں کو کیفر کردار تک پہنچادیا جاتا۔ خلیفۂ وقت کا فرض تھا کہ بلوائیوں اور باغیوں کو گرفتار کر کے شریعت کے موافق سزا دیتا۔ ان لوگوں کا صرف یہی جرم نہ تھا کہ انھوں نے ایک خون کر دیا تھا ۔ان کا جرم سنگین تھا کہ بلوہ اور بغاوت کر کے حکومت کا تختہ اُلٹا۔ اور خلیفۂ اسلام کو جو سب مسلمانوں کا محترم و معظم نائبِ رسول تھا، قتل کر ڈالا۔ اس صورت میں سب مسلمانوں کو ان کی سزا کے مطالبہ اور احتجاج کا حق تھا۔

اگر حضرت علیؓ ان بلوائیوں کی پوزیشن مضبوط نہ کرتے کہ مالکِ اشتر نخعی کو فوج کا کمانڈر انچیف بنادیا اور محمد بن ابی بکر کو اپنا مشیر خاص یا سیکرٹری بنالیا (جو فتنۂ قتل عثمانؓ کے بانی تھے) اور ان کے دوسرے ساتھیوں میں سے بھی کسی کو مجلس شوریٰ (پارلیمنٹ) میں شامل کر لیا گیا کچھ کو فوج میں۔ بلکہ خلافت کا منصب سنبھالتے ہی مسلمانوں سے اپیل کرتے کہ ان بلوائیوں کے بارے میں تمھاری کیا رائے ہے؟ مجھے کیا کرنا چاہیے؟ تو حضرت طلحہؓ اور زبیرؓ اور حضرت معاویہؓ کو مطالبہ دمِ (خونِ) عثمانؓ کے لئے راست اقدام سوچنے کی نوبت نہ آتی۔!

مطالبۂ قصاص کا حق

ہمارے ناقد کا یہ کہنا کہ :۔

"یہ جاہلیت کے دور کا قبائلی نظام تو نہ تھا کہ کسی مقتول کے خون کا مطالبہ لے کر جو چاہے اور جس طرح چاہے اُٹھ کھڑا ہو۔ یہ ایک باقاعدہ حکومت تھی جس میں ہر دعوے کے لئے ایک ضابطہ اور قانون موجود تھا، خون کا مطالبہ کرنے کا حق مقتول کے وارثوں کو تھا جو زندہ تھے اور مدینہ میں موجود تھے۔"

اس سنگین واقعہ (شہادت عثمانؓ) کی سنگینی سے قصداً اغماض ہے۔ اُس کو سوچنا چاہیے کہ یہ وہ ہر ایک انسان کے قتل کا واقعہ نہ تھا بلکہ بلوہ اور بغاوت کر کے خلیفہ کی حکومت کا تختہ الٹنا تھا۔ کیا اس جرم کی سزا کا مطالبہ بھی صرف ورثاء ہی کا حق تھا؟ دوسرے مسلمانوں کو بلوائیوں اور باغیوں کے لئے اِس سنگین بغاوت کی سزا کا مطالبہ کا حق نہ تھا؟ ظاہر ہے کہ اس کا حق سب مسلمانوں کو تھا۔

طبرانی نے عبداللہ بن عباسؓ سے روایت کی ہے کہ :۔

"جب قاتلین عثمانؓ نے حضرت معاویہؓ کو حضرت علیؓ سے بیعت کرنے کو کہا (مدینہ سے جو وفد بھیجا گیا تھا، اس میں کچھ بلوائی بھی ہوں گے) تو حضرت معاویہؓ نے فرمایا کہ :۔

"میں حضرت علی سے بیعت کرلوں گا، بشرطیکہ وہ یا تو خود قصاصِ عثمانؓ میں قاتلوں کو قتل کردیں یا (اگر خود وہ نہ کرسکیں تو) اُن کو میرے حوالے کردیں۔"

اور دلیل کے طور پر یہ آیت پڑھی :۔

ومن قتل مظلوما فقد جعلنا لوليه سلطانا فلا يسرف فی القتل انه كان منصورا

اور جو شخص ظلماً مار دیا جائے تو ہم نے ہار کھا ہے اس کے ولی وارث کے لئے مضبوط حق پھر وہ وارث بدلہ لیتے وقت مارنے میں زیادتی نہ کرے، تو بلاشک وہی مدد یافتہ وغالب اور کامیاب رہے گا۔"

ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ :۔

"مجھے اس وقت یقین ہو گیا تھا کہ اگر حضرت عثمانؓ کا قصاص نہ لیا گیا تو معاویہؓ ضرور غالب ہوں گے۔"

ابن کثیر جلد ۸ ص ۲۱) ________ (ازالۃ الخفاء۔ جلد ا ص ۴۳۴

"ازالۃ الخفاء" میں بھی یہ روایت دوسرے الفاظ سے ہے مطلب ایک ہی ہے۔ اس سے ناقد کی تنقید کا جواب ہو گیا کہ حضرت معاویہؓ کو مطالبہ دمِ (خونِ) عثمانؓ کا حق حاصل تھا۔ ابن عباسؓ نے یہ نہیں فرمایا کہ اس کا حق صرف وارثوں کو ہے!

رہا یہ کہ اس فریق نے بجائے مدینہ کا رُخ کرنے اور وہاں جاکر مطالبہ پیش کرنے کے جہاں خلیفہ اور مجرمین اور مقتول کے سب ورثا موجود تھے بصرہ کا رخ کیا اور فوج جمع کر کے خونِ

عثمانؓ کا بدلہ لینے کی کوشش کی جو سراسر غیر آئینی طریقہ تھا۔ اس کا جواب اوپر گزر چکا ہے کہ اس راست اقدام کا سبب یہ ہوا کہ حضرت علیؓ نے اُن بلوائیوں کو نیچا دکھانے کی بجائے اونچا کر دیا۔ یہ اسلام کے کس آئین و قانون کے موافق تھا کہ بلوائیوں اور باغیوں کی حوصلہ افزائی کی جائے ؟

اس صورت حال نے فریق اول کو راست اقدام پر مجبور کیا، اُن کو ہرگز گوارہ نہ ہوا کہ خلیفۂ مظلوم کے قاتل یوں دندناتے پھریں کہ نہ حکومت اُن پر کوئی دارو گیر کرتی ہے۔ نہ جرم کی تحقیق کر کے سزا دیتی ہے۔ ایسی حالت میں خود حکومت کا فرض ہوتا ہے کہ بلوائیوں اور قاتلوں کی تحقیق کر کے ان کو سزا دے اگر مقتول کا وارث قصاص کا مطالبہ نہ کرے جب بھی حکومت بلوہ اور بغاوت کا جرم کسی طرح نظر انداز نہیں کر سکتی، بلوائیوں اور ڈاکوں کے لئے نصِ قرآن موجود ہے۔

انما جزوٴ الذین یحاربون الله و رسوله و یسعون فی الارض فسادا ان یقتلوآ او یصلبوا او تقطع ایدیهم و ارجلهم من خلاف اوینفوا من الارض ذلك لهم خزی فی الدنیا ولهم فی الاخرة عذاب عظیم۔
(پ٦ س٥ ع٩/٥)

یہی سزا ہے ان لوگوں کی جو لڑتے ہیں خدا اور اس کے رسول سے اور بھاگ دوڑ کرتے ہیں دھرتی میں فساد پھیلانے کے لئے اُن کو قتل کیا جائے یا وہ سولی چڑھائے جائیں، یا کاٹے جائیں اُن کے ہاتھ اور پاؤں مخالف جانب سے یا نکال دیئے جائیں ملک سے، یہ اُن کی رسوائی ہے دُنیا میں اور اُن کے لئے پچھلے جہان میں بڑی سزا اور بڑا دکھ ہوگا۔

ان بلوائیوں کا بلوائی ہونا حضرت علیؓ کو معلوم تھا۔ ان کی قتل و غارت گری کا منظر بھی اُن کے سامنے تھا۔ پھر کسی کے دعویٰ اور مطالبہ کی شرعاً کوئی حاجت نہ تھی۔ حکومت کا فرض تھا کہ اُن سب کو گرفتار کر کے جیل خانہ میں ڈال دیتی۔ پھر قاتلین کو قتل کیا جاتا۔ اور بقیہ کو ہاتھ پیر کاٹنے یا جیل ہی میں سختی جھیلنے کی سزا دی جاتی۔

فریق اول کی طرف سے یہ عذر بیان کیا جاتا ہے کہ :۔

حضرت علیؓ کو ان بلوائیوں کے دبانے کی طاقت نہ تھی۔ سارے عمال ان کے ساتھ مل جاتے تو وہ ایسا کر سکتے تھے۔"

فریق ثانی اس کے جواب میں یہ کہتا ہے کہ :۔

اگر فی الواقع وہ عاجز تھے تو گورنر شام حضرت معاویہؓ کو یہ کہنے کا حق تھا کہ :۔

۱۔ آپ ان کو میرے حوالہ کر دیں میں سزا دے دوں گا۔

۲۔ اگر یہ بھی نہ کر سکیں تو مجھے گرفتار کرنے کی اجازت دے دیں اور آپ اُن کی حمایت سے دستبردار ہو جائیں۔

اگر کسی شورہ پشت باغی جماعت کے دبانے سے مرکزی حکومت عاجز ہو جائے تو کیا صوبائی گورنر کو یہ کہنے کا حق نہیں کہ مرکز مجھے اجازت دے تو میں اس کی سرکوبی کے لئے کافی ہوں ؟ اس کو زمانہ قبل اسلام کی بد نظمی سے مشابہ قرار دینا ہمارے ناقد کی خوش فہمی کے سوا کچھ نہیں اور یہ کہنا کہ :۔

''خونِ عثمانؓ کے مطالبہ کا حق اول تو حضرت معاویہؓ کے بجائے حضرت عثمانؓ کے شرعی وارثوں کو پہنچتا ہے۔''

صاف بتلا رہا ہے کہ وہ اس واقعہ کو صرف ایک نفس کے قتل کا جرم سمجھے ہوئے ہے۔ بلوہ اور بغاوت اور خلیفۂ مظلوم کی حکومت کا تختہ الٹنے کے لئے سازش کرنے کے جرم سے آنکھیں بند کر رہا ہے کیونکہ اس جرم کی سزا کا مطالبہ صرف وارثوں کا حق نہ تھا بلکہ سب مسلمانوں کا حق تھا۔

ناقد کو اقرار ہے کہ :۔

''حضرت طلحہؓ اور زبیرؓ چند دوسرے اصحاب کے ساتھ حضرت علیؓ سے ملے اور کہا۔''

''ہم نے اقامتِ حدود کی شرط پر آپ سے بیعت کی تھی۔ اب آپ اُن لوگوں سے بدلہ لیجئے جو حضرت عثمانؓ کے قتل میں شریک تھے۔''

اس کے جواب میں حضرت علیؓ نے یہ نہیں فرمایا کہ اس مطالبہ کا آپ کو حق نہیں بلکہ وارثانِ عثمانؓ کو ہے۔ بلکہ یہ فرمایا کہ :۔

”جو کچھ آپ جانتے ہیں میں اس سے ناواقف نہیں ہوں، مگر میں اُن لوگوں کو کیسے پکڑوں جو اس وقت ہم پر قابو یافتہ ہیں نہ کہ ہم ان پر؟“

اس کے بعد حضرت طلحہؓ اور زبیرؓ نے مکہ جاکر حضرت عائشہؓ سے مل کر بصرہ کا رُخ کیا تھا کہ حضرت علیؓ اُن بلوائیوں کو نہیں دبا سکتے، تو ہم اپنے حامیوں کی جماعت ساتھ لے کر بلوائیوں کو گرفتار کر کے سزا دلوائیں گے، مگر حضرت علیؓ کو اُن کے مشیروں نے اُلٹا سمجھایا کہ طلحہؓ اور زبیرؓ باغی ہو گئے ہیں۔ اس لئے آپ مدینہ سے لشکر لے کر جس میں بلوائی بھی شامل تھے، خود بصرہ جا پہنچے، جس کے نتیجہ میں جنگ جمل کا واقعہ رونما ہوا۔ اگر حضرت علیؓ ان بلوائیوں کو اپنے ساتھ نہ لے جاتے تو فریقین میں جو گفتگوئے صلح اس موقع پر ہو رہی تھی کامیاب ہو جاتی اور جنگ کی نوبت نہ آتی۔ مگر بلوائیوں نے اس صلح میں اپنی موت دیکھی تو بے قاعدہ طریقہ سے جنگ برپا کر دی۔ پھر ہوا جو کچھ ہوا۔

یہ مقدمہ اب تک حل نہیں ہوا کہ جب حضرت علیؓ کو ان بلوائیوں باغیوں کا مفسد اور فتنہ پرداز ہونا معلوم تھا تو پھر اُن کو اپنے ساتھ لشکر میں کیوں شامل کیا؟ اور بانی فتنہ محمد بن ابی بکر اور ملکِ اشتر نخعی کی پوزیشن کو اتنا کیوں مضبوط کیا گیا؟ کہ وہ ہر جگہ ہر مجلس اور ہر مہم میں آپ کے ساتھ ساتھ رہتے؟ اور سیاسی اور جنگی مہموں میں پیش پیش نظر آتے تھے؟

کیا ہمارے معترضِ ناقد جو درجۂ اجتہاد پر پہنچنا چاہتے ہیں، اِس گتھی کو سلجھانے کی زحمت گوارا فرمائیں گے؟

پانچویں مرحلہ میں ناقد نے اس کی کوشش کی ہے کہ حضرت امیر معاویہؓ کو ”خلیفہ“ کے بجائے ”مَلِکْ“ (بادشاہ) ثابت کرے مگر یہ بھول گئے کہ قرآن نے تو طالوت کو بھی مَلِکْ کہا ہے:۔

وقال لهم نبيهم ان الله قد بعث لكم طالوت ملكا۔!	اور فرمایا بنی اسرائیل کے نبی نے اُن کو کہ بلاشک اللہ تعالیٰ نے بھیجا ہے
(پ۲، س۲ ع ۱۶/۳۲)	تمھارے لئے طالوت کو بادشاہ بنا کر۔!

اور حدیثِ صحیح میں ہے جس کو بخاری وغیرہ نے روایت کیا ہے کہ :۔

''اصحاب بدر کی تعداد اصحابِ طالوت کے برابر تھی جواُن کے ساتھ نہر سے پار ہوئے تھے۔

وما جاوزہ الا مومن۔! اور اُن میں سب کے سب مومن کامل تھے۔

معلوم ہوا کہ ملک ہونا کوئی بری بات نہیں۔ہاں ملک عضوض (کاٹ کھانے والا) ہونا برا ہے۔ سو حضرت معاویہؓ کے متعلق کوئی نہیں کہہ سکتا کہ وہ ملک عضوض تھے۔اُن کا حلم ضرب المثل تھا۔وہ تو دشمنوں کو بھی اپنے حلم سے رام کر لیتے تھے، موافقوں کا تو کیا ذکر ؟اُن کی سخاوت اور سیاست کے لئے یہی بات کافی ہے کہ وہ بیس سال خلیفہ رہے اور پورے عالمِ اسلام میں کوئی اُن سے جھگڑا کرنے والا نہ تھا۔انھوں نے بلا نزاع اور اختلاف کے حکومت کی۔بعد کے خلفا سے مخالفتیں بھی ہوئیں بلکہ بعض علاقے ان کے قبضہ سے نکل بھی گئے جس سے کعب الاحبارؒ کی اس پیشین گوئی کی تصدیق ہو گئی کہ جیسی حکومت معاویہؓ کو ملے گی ویسی کسی کو نہیں ملے گی۔ حافظ ذہبی مشہور محدث فرماتے ہیں کہ :۔

''کعب الاحبار حضرت معاویہؓ کی خلافت سے پہلے ہی وفات پا گئے تھے۔ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ کعب الاحبار کو یہ بات پہلی کتابوں سے معلوم ہوئی ہوگی۔ کیونکہ وہ کتب سابقہ کے بڑے عالم تھے۔''
(الصواعق المحرقہ صفحہ ۱۹۳)

پھر ابن کثیر مؤرخ و محدث نے بعض احادیث بھی روایت کی ہیں، جن سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت معاویہؓ کی خلافت کی پیشین گوئی فرمائی تھی۔

۱۔ امام حسنؓ حضرت علیؓ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا :۔

''ایک وقت ایسا ضرور آئے گا کہ معاویہؓ ولایت (حکومت) حاصل کرلیں گے۔''

۲۔ سعید بن المسیب جلیل القدر تابعی سے روایت ہے کہ :۔

''حضرت معاویہؓ ایک دن رسول اللہ ﷺ کو وضو کرا رہے تھے۔ وضو کراتے ہوئے ایک

دوبار حضور علیہ نے حضرت معاویہؓ کی طرف غور سے دیکھا، پھر فرمایا :۔

"اے معاویہؓ! اگر تم کو امارت مل جائے تو عدل و تقویٰ اختیار کرنا۔"

حضرت معاویہؓ فرماتے ہیں کہ :

"مجھے خلافت کی امید حضور علیہ کے اس اشارہ ہی سے ہو گئی تھی کہ۔ اے معاویہؓ جب تم والی بنائے جاؤ تو لوگوں کے ساتھ مروت واحسان کرنا۔"

اگر حضرت امیر معاویہؓ کی حکومت "ملک عضوض" "کٹ کھنی" بادشاہت میں داخل ہوتی تو آپ صاف فرما دیتے کہ۔ اگر تم کو والی بنایا جائے تو حکومت ہر گز قبول نہ کرنا۔!

ابن کثیر نے بعض احادیث ایسی بھی روایت کی ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ۔ رسول اللہ علیہ نے حضرت امیر معاویہؓ کے حق میں دعائیں بھی کی ہیں۔ ایک دُعا کے الفاظ یہ ہیں :۔

اللهم علم معاوية الحساب و الكتاب و قه العذاب	اے اللہ! معاویہؓ کو حساب و کتاب سکھا اور عذاب سے بچا۔!

(حضرت معاویہؓ کے مناقب اور اُن کے دفاع میں مستقل کتاب "تطہیر الجنان" لکھنے والے محدث و فقیہ) علامہ ابنِ حجر مکیؒ لکھتے ہیں کہ :۔

"یہ حدیث حسن ہے اور اس سے معلوم ہو گیا ہے کہ اختلافی جنگوں کی وجہ سے آخرت میں بھی حضرت معاویہؓ پر کوئی گرفت نہ ہو گی۔ بلکہ ماجور ہوں گے ماذور (ماخوذ) نہ ہوں گے۔!"

دوسری دعاء کے الفاظ یہ ہیں :۔

اللهم علمه العلم و اجعله هاديا مهديا و اهده و اهد به۔	اے اللہ! معاویہؓ کو علم (دین) عطاء فرما اور اُن کو ہدایت دینے والا اور ہدایت پانے والا بنا۔ اُن کو ہدایت کر اور اُن کی وجہ سے دوسروں کو ہدایت کر۔!

جب حضرت عمرؓ نے اُن کو شام کا والی بنایا اس وقت اُن کی عمر چالیس سال سے بہت کم تھی، لوگوں نے کہا :۔

"آپ اس جوان کو اتنی بڑی حکومت دیتے ہیں؟

تو حضرت عمر نے یہی حدیث پیش کی کہ :۔

"میں نے رسول اللہ ﷺ سے سُنا ہے کہ اے اللہ! معاویہؓ کو ہادی مہدی بنا اور اس کے ذریعہ سے لوگوں کو ہدایت بخش"

کہا جاتا ہے کہ ترمذی کی ایک حدیث میں ہے، جس کے راوی سفینہ مولی رسول اللہ ﷺ (حضور کے آزاد کردہ غلام) ہیں، کہ :۔

الخلافة بعدی ثلثون سنة ثم تکون ملکا	میرے بعد خلافت تیس سال رہے گی۔ پھر بادشاہی ہوگی۔

اگر اس حدیث کے ضعف سے قطع نظر کر لی جائے جیسا کہ ناقدین حدیث نے تصریح کی ہے تو ایک دوسری حدیث میں یہ بھی ہے :۔

تدور رحی الاسلام لخمس و ثلاثین او ست و ثلاثین او سبع و ثلاثین۔! (رواہ ابوداؤد۔ مشکوۃ ۔٤٦٥)	اسلام کی چکی میرے بعد پینتیس سال یا چھتیس سال یا سینتیس سال تک چلتی رہے گی۔!

اس کا یہ مطلب تو نہیں ہو سکتا کہ سینتیس سال کے بعد حکومتِ اسلام ختم ہو جائے گی۔ یہ تو واقعہ کے خلاف ہے۔ بس یہی مطلب ہو سکتا ہے کہ اسلام اپنی پوری شان کے ساتھ صحیح طریقہ پر اتنی مدت تک رہے گا۔ تو اس میں سات سال خلافتِ معاویہؓ کے بھی شامل ہیں۔ پھر اُن کو خلفاء سے الگ کیونکر کیا جا سکتا ہے؟

نیز مسلم شریف کی حدیث صحیح میں حضرت جابر بن سمرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا :۔

لا یزال ھذا الدین عزیزا منیعا الی اثنی عشر خلیفة کلھم من قریش	یہ دین اسلام معزز اور مضبوط رہے گا، بارہ خلفاء تک جو سب قریش سے ہوں گے۔!

(ص ۱۱۹ ج ۲)

ان بارہ میں حضرت (امیر) معاویہؓ یقیناً داخل ہیں کہ وہ صحابی ہیں اور اُن کی خلافت میں اسلام کو عروج بھی بہت تھا۔ فتوحات بھی بہت ہوئیں۔ حدیث میں ان بارہ کو "خلیفه "کہا گیا ہے "ملك" نہیں کہا گیا۔

"مجمع الزوائد"--اور--"جامع صغیر" میں ہے :۔

ان عدة الخلفآ ء بعدى عدة نقبآء موسى۔!	میرے خلفاء کی تعداد موسیٰ علیہ السلام کے نقبآء کے برابر ہے۔

اس سے بارہ خلفاء کا خلیفہ ہونا ثابت ہے۔

قرآن میں بھی ایا ہے ہے کہ :۔

و بعثنا منهم اثنى عشر نقيبا۔!	ہم نے قومِ موسیٰ میں بارہ نقیب مقرر کئے تھے۔!

ناقد نے حضرت امیر معاویہؓ پر یہ بھی اعتراض کیا ہے کہ :۔

"حضرت عثمانؓ کی شہادت کے بعد حضرت نعمانؓ بن بشیر اُن کا خون سے بھرا قمیض اور اُن کی اہلیہ محترمہ حضرت نائلہ کی کٹی ہوئی انگلیاں حضرت معاویہؓ کے پاس دمشق لے گئے تو انھوں نے یہ چیزیں منظر عام پر لٹکا دیں تاکہ اہل شام کے جذبات بھڑک اٹھیں۔ یہ اس بات کی کھلی علامت تھی کہ حضرت معاویہؓ خونِ عثمانؓ کا بدلہ قانون کے راستہ سے نہیں بلکہ غیر قانونی طریقہ سے لینا چاہتے ہیں۔

اس (ناقد) کو سوچنا چاہیے کہ حضرت نعمان بن بشیرؓ بھی صحابی ہیں وہ یہ قمیض اور کٹی ہوئی انگلیاں شام کیوں لے گئے ؟ شہادتِ عثمانؓ کی خبر ہی لوگوں میں غم و غصہ پیدا کرنے کے لئے کافی تھی۔ ناقد نے یہ کہاں سے سمجھ لیا کہ۔ نعمان بن بشیرؓ اور حضرت معاویہؓ اس مظاہرہ سے حضرت علیؓ کے خلاف جذبات عامہ کو بھڑکانا چاہتے تھے ؟ بلکہ اُن کا مقصد اُن بلوائیوں مفسدوں کے خلاف جذبات کو بھڑکانا تھا جس کی اُس وقت ضرورت تھی تاکہ حضرت علیؓ جذباتِ عامہ کی رعایت کر کے جلد از جلد ان بلوائیوں کو کیفر کردار تک پہنچائیں کیونکہ ایسے مفسدوں کا ملک میں آزادی کے

ساتھ زندہ رہنا آئندہ کے لئے خطرہ کا باعث تھا چنانچہ بعد میں یہی لوگ خارجی بن کر حضرت علیؓ اور جملہ خلفاء کے لئے دردِ سر بن گئے۔

ابنِ کثیر کی روایت ہے کہ :۔

"جب حضرت علیؓ نے ابو مسلم خولانی کی قیادت میں کچھ لوگوں کو حضرت معاویہؓ کے پاس اپنی بیعت کی دعوت کے لئے بھیجا تو حضرت معاویہؓ نے جواب میں فرمایا :۔

"مجھے بیعت کرنے میں کوئی عذر نہیں، خدا کی قسم! میں جانتا ہوں کہ علیؓ مجھ سے بہتر اور افضل ہیں اور خلافت کے بھی مجھ سے زیادہ مستحق ہیں، مگر آپ نہیں جانتے کہ حضرت عثمانؓ ظلماً قتل کئے گئے ہیں اور اُن کے قاتل حضرت علیؓ کے ہمراہی بن کر زندہ دندناتے پھر رہے ہیں؟ میں ہرگز یہ نہیں کہتا کہ۔ علیؓ نے (معاذ اللہ) حضرت عثمانؓ کو قتل کیا، یا کروایا ہے، یا سازش کی ہے۔ مگر یہ ضرور کہوں گا کہ ان قاتلوں کو حضرت علیؓ نے پناہ دے رکھی ہے۔ آج وہ قاتلینِ عثمانؓ کو ہمارے سپرد کر دیں یا انھیں خود قتل کر دیں، تو ہم سب اُن سے بیعت کر لیں گے۔ اور سب سے پہلے میں بیعت کروں گا۔"

"اس سے صاف معلوم ہو گیا کہ حضرت معاویہؓ صرف قاتلینِ عثمانؓ کے خلاف مسلمانوں کے جذبات کو بھڑکانا چاہتے تھے، حضرت علی کے خلاف نہیں۔!"

اس سے اُن روایات کا غلط ہونا بھی واضح ہو گیا، جو ناقد نے طبری وغیرہ سے نقل کی ہیں کہ :۔

"حضرت عمروؓ بن العاص اور حضرت معاویہؓ نے مشورہ کر کے یہ فیصلہ کیا کہ۔ حضرت علیؓ کو خونِ عثمانؓ کا ذمہ دار قرار دے کر اُن سے جنگ کی جائے" یا "انھوں نے پانچ گواہ تیار کیئے، جنھوں نے شہادت دی کہ حضرت علیؓ نے حضرت عثمانؓ کو قتل کیا ہے۔ (یعنی قتل کرایا ہے)۔!"

یہ ہو سکتا ہے کہ حضرت علیؓ کے متعلق اس قسم کی افواہیں لوگوں میں پھیل رہی ہوں، مگر یہ غلط ہے کہ حضرت معاویہؓ نے یہ باتیں پھیلائی تھیں۔ کیونکہ ابن کثیر کی روایت سے یہ

بات ثابت ہے کہ خونِ عثمانؓ سے وہ حضرت علیؓ کو بالکل بری سمجھتے تھے اور اُن سے بیعت کرنے کو بھی تیار تھے اگر وہ قاتلانِ عثمانؓ کو پناہ دینے سے کنارہ کش ہو جاتے۔

حضرت عمارؓ کی شہادت

اس کے بعد ناقد نے جنگِ جمل اور جنگِ صفین کے واقعات اختصار کے ساتھ بیان کر کے لکھا ہے کہ :۔

"اس جنگِ (صفین) کے دوران ایک واقعہ ایسا پیش آ گیا جس نے نص صریح سے یہ بات کھولدی کہ فریقین میں سے حق پر کون ہے اور باطل پر کون؟ واقعہ یہ ہے کہ، حضرت عمار ؓبن یاسر جو حضرت علیؓ کی طرف تھے، حضرت معاویہؓ کی فوج سے لڑتے ہوئے شہید ہو گئے اور حضرت عمارؓ کے بارے میں یہ حدیث صحابہ میں مشہور تھی۔

تقتلك الفئة الباغية تم کو ایک باغی گروہ قتل کریگا!"

پھر حافظ ابن حجر اور ابن کثیر کے حوالہ سے نقل کیا ہے کہ :۔

"قتل عمارؓ کے بعد یہ بات واضح ہو گئی کہ حق حضرت علیؓ کے ساتھ تھا۔!"

مگر یہ بات صحابہ پر واضح نہیں ہوئی، اگر اُن پر واضح ہو گئی ہوتی تو پھر تحکیم کی ضرورت کیا تھی؟ اور تحکیم کے بعد بقول ناقد کے حضرت علیؓ کے نمائندے ابو موسیٰ اشعری نے یہ کیوں کہا کہ میری رائے یہ ہے کہ ہم دونوں حضرات (علیؓ و معاویہؓ) کو الگ الگ کر کے خلافت کے مسئلہ کو مسلمانوں کے باہمی مشورہ پر چھوڑ دیں، وہ جسے چاہیں منتخب کر لیں؟" نصِ صریح کے بعد اس قسم کی تحکیم کے کچھ معنی نہیں تھے، نہ کسی کو اس میں رائے زنی کا حق تھا۔

اس سے صاف معلوم ہوا کہ قتل عمارؓ حضرت علیؓ کے حق پر ہونے اور حضرت معاویہؓ کے باغی ہونے پر صحابہ کے نزدیک نص صریح نہیں تھا۔ بات یہ ہے کہ جس طرح حضرت

علیؓ کی فوج میں بلوائی قاتلانِ عثمانؓ حیلہ و تدبیر سے شامل ہو گئے تھے۔ ممکن ہے اسی طرح کچھ بلوائی فوج معاویہؓ میں شامل ہو گئے ہوں اور انھوں نے حضرت معاویہؓ کو بدنام کرنے کے لئے حضرت عمارؓ کو قتل کر دیا ہو، جس کی ایک دلیل تو یہی ہے کہ قتل عمارؓ کے بعد بھی بات جہاں کی تہاں رہی اور کوئی فیصلہ نہ ہوا۔ یہاں تک کہ تحکیم پر فریقین راضی ہو گئے۔ حضرت علیؓ نے بھی اس وقت یہ نہیں کہا کہ قتل عمار سے میرا حق پر ہونا واضح ہو چکا ہے۔ اب کسی تحکیم کی ضرورت نہیں رہی۔!

دوسرے-- "وفاء الوفاء"-- میں اس حدیث کو بزار وغیرہ کے حوالہ سے یوں بیان کیا گیا ہے

يا عمار! لا يقتلك اصحابي، تقتلك الفئة الباغية	اے عمار! تم کو میرے صحابی قتل نہ کریں گے، بلکہ باغی گروہ قتل کرے گا۔!

اس حدیث میں جماعت باغیہ کو صحابہ کے مقابلہ میں لایا گیا ہے جس سے معلوم ہوا کہ جماعتِ باغیہ صحابہ کے علاوہ کوئی (اور) جماعت تھی اور حضرت معاویہؓ کا صحابی ہونا قطعی ہے۔ پس اُن کو قاتل عمار کہنا ایسا ہی غلط ہے، جیسا حضرت علیؓ کو قاتلِ عثمانؓ کہنا غلط ہے۔ اور باغی گروہ اُس وقت بالاتفاق وہ بلوائی تھے جو حضرت عثمانؓ کے قاتل تھے۔ پس وہی گروہ قاتل عمار تھا جو خفیہ طریقہ سے فوج معاویہؓ میں شامل ہو گیا تھا۔ واللہ تعالی اعلم!

حضرت (امیر) معاویہؓ نے قتلِ عمارؓ کی خبر سن کر صاف فرمادیا تھا کہ

"میری فوج سے کسی نے بھی حضرت عمارؓ کو قتل نہیں کیا۔ میری فوج میری تابعدار ہے اور میں نے اسے سخت تاکید کر رکھی تھی کہ حضرت عمارؓ پر کوئی ضرب نہ آنے پائے نہ اُن پر کوئی ہتھیار اُٹھائے، ہاں فوج علیؓ ان کی تابعدار نہیں ہے۔ یہ اُن ہی کا فعل معلوم ہوتا ہے۔ وہی قاتلِ عمارؓ ہیں۔!"

بہر حال حضرت معاویہؓ باغی نہ تھے۔ وہ طالبِ قصاص دمِ (خونِ) عثمانؓ تھے، جن کے بارے مین عبداللہ بن عباسؓ آیتِ قرآنی ----------

و من قتل مظلوما فقد جعلنا لوليه سلطانا فلا يسرف فی القتل انه کان منصورا

(ازالۃ الخفاء ج ۱ ص ٤٣٤)

اور جو شخص ظلماً مار دیا جائے تو ہم نے بنا رکھا ہے اُس کے ولی وارث کے لئے مضبوط حق، پھر وہ وارث بدلہ لیتے وقت) مارنے میں زیادتی نہ کرے (تو) بلاشک وہی مدد یافتہ و غالب اور کامیاب رہے گا!

------ کے اشارہ سے سمجھ گئے تھے کہ اگر حضرت علیؓ نے قاتلانِ عثمانؓ سے قصاص نہ لیا تو اُن کے مقابلہ میں حضرت معاویہؓ مظفر و منصور ہوں گے۔

بس اس باب میں ہم کو وہ کہنا چاہیے جو فتنہء خوارج کے متعلق ایک حدیث صحیح میں وارد ہے :

یخرجون فی حین فرقة من الناس يقتلهم اولى الطائفتين بالحق!

یہ جماعت اس وقت نکلے گی جب مسلمانوں میں افتراق ہو گا اور اس گروہ کو وہ قتل کرے گا جو دونوں فرقوں میں سے حق کے زیادہ قریب ہو گا۔

تاریخ شاہد ہے کہ فتنہء خوارج کا مقابلہ حضرت علیؓ نے کیا انکا ظہور اس وقت ہوا جب حضرت علی جنگِ صفین سے واپس کوفہ پہنچے اور دوبارہ شام پر چڑھائی کی تیاری کر رہے تھے۔ یہ فتنہ اُن کے لئے مزید دردِ سر بن گیا۔ وہ اُسی فتنہ کے قلع قمع میں لگ گئے اور شام پر فوج کشی نہ کر سکے۔

حدیث میں فتنہء خوارج کی ایک علامت بھی بتلائی گئی تھی کہ اُن میں ایک کالا آدمی ہو گا، جس کا ہاتھ عورت کے پستان کی طرح ہو گا۔ جب حضرت علی نے لشکر خوارج کو شکست دے دی تو اس شخص کو تلاش کیا گیا جو بہت سی لاشوں کے نیچے دبا ہوا تھا۔ اس کو دیکھ کر حضرت علیؓ نے نعرہء تکبیر بلند کیا اور فرمایا کہ :۔

"یہی وہ جماعت ہے جس کی خبر رسول اللہ ﷺ نے دی تھی اور میرے ہاتھوں سے قتل ہوئی!"

تو ہم کو یہی کہنا چاہیے کہ "حضرت علی اور حضرت معاویہؓ" رضی اللہ عنہما "دونوں حق پر تھے"۔ مگر حضرت علی حق کے زیادہ قریب تھے۔ جیسے حنفی علماء کہتے ہیں کہ امام ابو حنیفہؒ و امام

شافعیؒ دونوں حق پر ہیں۔ مگر ابو حنیفہ حق سے زیادہ قریب ہیں۔ جملہ ائمہ مجتہدین کے بارے میں اُن کے مقلدین یہی کہتے ہیں۔

صحابی کی نیت پر حملہ

آگے چل کر ناقد نے لکھا ہے کہ :۔

''حضرت عمارؓ کی شہادت کے دوسرے روز سخت معرکہ برپا ہوا جس میں حضرت معاویہؓ کی فوج شکست کے قریب پہنچ گئی تھی۔ اُس وقت حضرت عمروؓ بن العاص نے حضرت معاویہؓ کو مشورہ دیا کہ اب ہماری فوج نیزوں پر قرآن اٹھالے اور کہے :۔

''ھذا حکم بیننا و بینکم۔'' ''یہ ہمارے اور تمھارے درمیان حکم (فیصل اور پنچ) ہے''

اس پر ناقد کا یہ کہنا کہ ''یہ ایک جنگی چال تھی۔'' مسلم ہے اور یہ کوئی جرم نہیں۔ ''الحرب خدعة'' حدیثِ مشہور ہے کہ جنگ تدبیر اور چال ہی کا نام ہے۔ مگر یہ مسلم نہیں کہ انھیں قرآن کو حکم بنانا سرے سے مقصود نہ تھا۔ یہ ''صحابی کی نیت پر حملہ ہے۔'' جس کا ناقد کو کوئی حق نہیں۔ قرآن کو تو ہر مسلمان حکم مانتا ہے۔ ایک صحابی کے متعلق یہ خیال کرنا بڑی جرأت ہے کہ قرآن کو حکم بنانا اُن کا مقصد نہ تھا۔ البتہ اس سے یہ بات واضح ہو گئی کہ قتل عمار کا واقعہ دونوں فریق کے نزدیک کسی کے حق یا ناحق پر ہونے کی فیصلہ کن حجت نہ تھی۔ اب بھی قرآن کو حکم بنانے کی ضرورت باقی تھی۔

اس کے بعد ناقد نے تحکیم کے قصہ میں حضرت عمرو بن العاصؓ پر تنقیذ اور حافظ ابنِ کثیر محدث و مورخ کے قول کی تردید کرتے ہوئے لکھا ہے

''جو انصاف پسند آدمی بھی نیزوں پر قرآن اُٹھانے کی تجویز سے لے کر اس وقت تک کی روداد پڑھے گا وہ مشکل ہی سے یہ مان سکتا ہے کہ یہ سب کچھ اجتہاد تھا۔

میں کہتا ہوں، جو انصاف پسند آدمی جنگِ صفین کی پوری روداد پڑھے گا وہ مشکل ہی سے یہ مان سکتا ہے کہ حضرت علیؓ ان حالات میں دونوں طرف کے عوام کو سنبھال سکتے تھے۔ اُن کے ماننے والوں کی حالت تو یہ تھی کہ نیزوں پر قرآن اُٹھا ہوا دیکھ کر ان میں پھوٹ پڑ گئی اور حضرت علیؓ نے لاکھ سمجھایا کہ اس چال میں نہ آؤ، مگر ان میں پھوٹ پڑ کر رہی۔

اور جب مالک اشتر نخعی نے جو فوج علیؓ کا کمانڈر انچیف تھا، جنگ بند کرنے سے انکار کیا تو حضرت علیؓ کی فوج کے نالائقوں نے یہاں تک کہہ دیا کہ :۔

"اگر جنگ بند نہ کی گئی تو ہم آپ کو گرفتار کر کے معاویہؓ کے حوالہ کر دیں گے۔!"

پھر تحکیم کے وقت حضرت علیؓ کا نمائندہ یہ کہتا ہے کہ :۔

"میرے رائے یہ ہے کہ ہم ان دونوں (یعنی حضرت علیؓ و معاویہؓ) کو خلافت سے الگ کر کے اس مسئلہ کو مسلمانوں کے مشورہ پر چھوڑ دیں۔"

جس سے معلوم ہوا کہ ان کے خاص آدمی بھی ان کے خلافت سے مطمئن نہ تھے کیونکہ جملہ عوام و خواص کو بخوبی سنبھالنے والا اُس وقت حضرت معاویہؓ سے بڑھ کر کوئی نہ تھا۔ اس کے برعکس فوج معاویہؓ اُن کی پوری تابعدار و مطیع تھی اور خاص و عام سب ہی اُن سے خوش تھے۔ اس حالت میں حضرت عمروؓ بن العاص نے جو کچھ کیا ہو عین تقاضائے وقت و مصلحت تھا۔ کیوں کہ آئندہ واقعات نے ثابت کر دیا کہ حضرت معاویہؓ نے دونوں طرف کے عوام و خواص کو بخوبی سنبھال لیا، کہ اُن کی بیس سالہ خلافت میں کسی طرف سے بھی ان کے خلافت بغاوت نہیں ہوئی اور اسلامی فتوحات کا سیلاب پہلے سے بھی زیادہ بڑھ گیا۔ حضرت معاویہؓ نے ایک موقع پر خود فرمایا تھا کہ :۔

"مجھے علیؓ کے مقابلہ میں تین وجوہ سے کامیابی ہوئی ایک یہ کہ میں قریش میں محبوب تھا اور وہ محبوب نہ تھے۔ دوسرے میں اپنے رازوں کو مخفی رکھتا تھا، وہ مخفی نہ رکھتے تھے۔ (سب کے سامنے راز کی باتیں بیان کر دیا کرتے تھے) تیسرے میری جماعت دنیا میں سب سے زیادہ مطیع و فرمانبردار تھی اور ان کی جماعت سب سے زیادہ نافرمان تھی۔!"

جو شخص اِن حالات کو سامنے رکھ کر فیصلہ کرے گا وہ یہ کہنے پر مجبور ہو گا حضرت

عمرو بن العاصؓ نے جو کچھ کیا، وقت اور مصلحت کے طریقے کے موافق کیا۔ پھر اس تحکیم کے بعد حضرت علیؓ کی جو تقریر ناقد نے خود دیکھی ہے، اُسمیں حضرت عمرو بن العاصؓ پر وہ الزام نہیں لگایا گیا جو ناقد نے لگایا ہے۔ اُن کے الفاظ یہ ہیں :۔

"سنو! یہ دونوں صاحب جنھیں تم نے حکم مقرر کیا تھا، انھوں نے قرآن کے حکم کو پیچھے ڈال دیا اور خدا کی ہدایت کے بغیر ان میں سے ہر ایک نے اپنے خیالات کی پیروی کی اور ایسا فیصلہ دیا جو کسی واضح حجت اور سنت ماضیہ پر مبنی نہیں ہے اور اس فیصلہ میں دونوں نے اختلاف کیا ہے۔ اور دونوں ہی کسی صحیح فیصلہ پر نہیں پہنچے ہیں!"

اس میں حضرت علیؓ نے ایک حکم پر نہیں بلکہ دونوں ہی پر الزام لگایا ہے۔ پھر کسی کو کیا حق ہے کہ کسی ایک کو موردِ الزام بنائے ؟

کھلی عصبیت

اس کے بعد ناقد نے لکھا ہے کہ :۔

"جب حضرت طلحہؓ نے حضرت علیؓ پر الزام لگایا کہ آپ خون عثمانؓ کے ذمہ دار ہیں۔ انھوں نے جواب میں فرمایا۔ لعن الله قتلة عثمانؓ ۔ (عثمانؓ کے قاتلوں پر خدا کی لعنت) لیکن اس کے بعد بتدریج وہ لوگ ان کے ہاں تقرب حاصل کرنے لگے جو حضرت عثمانؓ کو شہید کرنے کے ذمہ دار تھے۔ حتی کہ انھوں نے مالک بن الحارث الاشتر (نخعی) اور محمد بن ابی بکر کو گورنری تک کے عہدے دے دیے۔ درآنحالیکہ قتلِ عثمانؓ میں ان دونوں صاحبوں کا جو حصہ تھا، وہ سب کو معلوم ہے۔ ممکن ہے کہ اس کے کچھ ایسے اسباب ہوں جو آج ہمارے علم میں نہ ہوں۔ مگر دل یہی کہتا ہے کہ کاش امیر المومنین نے اس سے احتراز فرمایا ہوتا!"

اس پر پہلا سوال تو یہ ہے کہ :-

"ناقد کو بتلانا چاہیے کہ قتل عثمانؓ کے بعد کسی وقت بھی محمد بن ابی بکر اور مالکِ اشتر نخعی حضرت علیؓ کے تقرب سے دور رہے تھے ؟اگر جواب نفی میں ہے تو پھر یہ بتدریج کا لفظ کیوں لایا گیا؟"

اور دوسرا سوال یہ ہے کہ :-

"حضرت عثمانؓ نے ایسے عمال مقرر کئے جن پر سبائیوں کو اعتراض تھا تو وہاں آپ نے یہ کیوں نہیں کہا کہ ممکن ہے اس کے کچھ اسباب ہوں جو آج ہمارے علم میں نہ ہوں۔ یہ "کھلی عصبیت" نہیں تو اور کیا ہے ؟کہ حضرت عثمانؓ پر سبائیوں کے اعتراض کو وزنی قرار دیا جائے اور حضرت علیؓ پر حضرت معاویہؓ اور طلحہ وزبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے اعتراض کو یہ کہہ کر ہلکا کر دیا جائے کہ۔ کاش امیر المومنین ایسا نہ کرتے!"

اس کی مثال ایک دوسری عصبیت بھی ہے کہ "حضرت عثمانؓ نے اپنے قرابت داروں کو حکومت کے منصب دیئے تو اس پر سبائیوں کے اعتراض کو بڑی شدت کے ساتھ بیان کیا گیا اور حضرت علیؓ نے اپنے قرابت داروں حضرت عبداللہ بن عباسؓ و عبیداللہ بن عباس و قثم بن عباس اور محمد بن ابی بکر وغیرہ کو بڑے بڑے عہدوں پر سرفراز کیا تو ناقد نے یہ کہ کر اعتراض ہلکا کر دیا کہ :-

"اعلیٰ درجہ کی صلاحیتیں رکھنے والے اصحاب میں سے ایک گروہ ان کے ساتھ تعاون نہیں کر رہا تھا۔ دوسرا گروہ مخالف کیمپ میں شامل ہو گیا تھا اور تیسرے گروہ میں سے آئے دن لوگ نکل نکل کر دوسری طرف جا رہے تھے۔ ان حالات میں وہ انھی لوگوں سے کام لینے پر مجبور تھے۔ جن پر پوری طرح اعتماد کر سکیں۔ یہ صورتحال حضرت عثمانؓ کے دور سے کوئی مشابہت نہیں رکھتی۔ کیونکہ اُن کو اپنے وقت میں امت کے تمام ذی صلاحیت لوگوں کا مکمل تعاون حاصل تھا۔"

ہمارے ناقد کو یہ الفاظ لکھتے ہوئے سوچنا چاہیے تھا کہ جب حضرت علیؓ کے ساتھ

اعلیٰ درجہ کی صلاحیتوں والا گروہ تعاون نہیں کر رہا تھا اور ایک گروہ مخالف کیمپ میں تھا ایک گروہ آئے دن ان سے الگ ہو رہا تھا اس صورت میں اگر حضرت عمرو بن العاصؓ نے وہ فیصلہ کیا ہے جس پر ہمارا ناقد چراغ پا ہو رہا ہے تو بے جا کیا پھر یہ بھی سوچنا چاہیے تھا کہ حضرت عثمانؓ رضی اللہ عنہ کو تمام ذی صلاحیت لوگوں کا مکمل تعاون کیوں حاصل تھا؟ حضرت علیؓ کو اُن کا تعاون کیوں حاصل نہ ہوا؟ اور بڑے بڑے ذی صلاحیت حضرات دوسرے کیمپ میں (حضرت امیر معاویہؓ کے ساتھ) کیوں رہے؟ اور ایک گروہ آہستہ آہستہ حضرت علیؓ سے کیوں الگ ہو تا رہا؟

تنقید کرنا منہ کا نوالہ نہیں۔ اس کے لئے بڑی عمیق نظر اور وسیع علم و معرفت کی ضرورت ہے۔ اگر وہ انصاف سے کام لیتا تو اُس کی سمجھ میں آجاتا کہ اِن ہی وجوہ کی بنا پر حضرت امام حسنؓ نے خلعتِ خلافت کو اپنے کندھوں سے اُتار کر حضرت امیر معاویہؓ کے کندھوں پر ڈال دیا تھا کہ جملہ عوام و خواص کو سنبھال لینے کی صلاحیت اُن میں سب سے زیادہ تھی اور اُن ہی کو بڑی بڑی صلاحیت والے صحابہ کا مکمل تعاون حاصل تھا۔

آخری مرحلہ میں ہمارے ناقد نے حضرت امیر معاویہؓ پر --- "یزید" --- کو ولی عہد بنانے کی وجہ سے "ملوکیت" کا الزام قائم کیا ہے۔ سوال یہ ہے کہ اگر بیٹے کو باپ کے بعد خلیفہ بنانا ہر حال میں سنت قیصر و کسریٰ ہے تو جب حضرت علیؓ سے اُن کی وفات کے قریب دریافت کیا گیا کہ:۔

"آپ کے بعد ہم امام حسن کو خلیفہ بنالیں؟"

تو انھوں نے لوگوں کو اس سے کیوں نہ روکا؟ بلکہ یہ فرمایا:۔

نعم ! ان رضیتم — ہاں! اگر تم اس پر راضی ہو تو بنا سکتے ہو۔

معلوم ہوا کہ بیٹے کا باپ کے بعد خلیفہ ہونا ہر حال میں ناجائز اور سنتِ قیصر و کسریٰ نہیں۔ بلکہ اگر قوم، یعنی اہل حل و عقد کی رضامندی سے ایسا کیا جائے تو شرعاً کچھ حرج نہیں۔ ہمارے ناقد کو تسلیم ہے کہ یزید کی ولی عہدی کا خیال حضرت معاویہؓ کو از خود نہیں ہوا بلکہ دوسرں نے اس کی تحریک کی اور حضرت معاویہؓ نے فوراً ہی اس پر عمل نہیں کیا بلکہ لوگوں سے برابر مشورہ

کرتے رہے۔ مختلف علاقوں سے وفود بھی طلب کئے اور اسی مشورہ کی خاطر سفر حجاز و حرمین بھی اختیار کیا اور بہت سوچ سمجھ کر اس معاملہ میں اقدام کیا۔ اگر اہلِ حل و عقد کی رضامندی کافی تھی، جیسا کہ حضرت علیؓ کے ارشاد سے معلوم ہوا تو اہل شام کی رضامندی یزید کی بیعتِ خلافت کے لئے کیوں کافی نہ تھی؟ شام ہی اُس وقت پایۂ تختِ خلافت تھا۔ اور اہلِ حل و عقد یہیں موجود تھے۔ حضرت معاویہؓ کا اہل شام کی رضامندی کے بعد دوسرے علاقوں کی رضامندی معلوم کرنا محض احتیاط کے درجہ میں تھا۔ ضرورت کے درجہ میں نہ تھا۔ اگر امام حسنؓ اہلِ کوفہ کی رضامندی سے خلیفۂ برحق بن سکتے ہیں تو اہل شام کی رضامندی سے یزید کی ولی عہدی کیوں برحق نہیں ہو سکتی؟

یہ شبہہ نہ کیا جائے کہ پھر امام حسینؓ نے یزید کے خلاف خروج کیوں کیا؟ جواب یہ ہے کہ حضرت امام کو روایتیں ایسی پہنچی تھیں جن سے یزید کا فاسق ہونا لازم آتا تھا اور فاسق ہونے کے بعد خلیفہ معزول ہو جاتا ہے یا مستحق عزل ہو جاتا ہے۔ بس امام کا یزید کے خلاف خروج کرنا بالکل صحیح تھا۔

اس پر ناقد کا (مزید یہ کہنا کہ) :۔

> "اپنے بیٹے کی ولی عہدی کے لئے خوف و طمع کے ذرائع سے بیعت لے کر انھوں نے (حضرت معاویہؓ نے) اس امکان کا (یعنی خلافت علی منہاج النبوت کا) بھی خاتمہ کر دیا۔"

رطب و یابس روایات پر اعتماد اور حقائق سے چشم پوشی کی دلیل ہے کیا وہ ثابت کر سکتا ہے کہ اہل شام کو یزید کی ولی عہدی پر راضی کرنے کے لئے کسی خوف یا طمع سے کام لیا گیا؟ یا وہ از خود ہی راضی تھے؟ اور کیا وہ یہ دعویٰ کر سکتا ہے کہ اہل حل و عقد کی رضامندی کے بعد مملکت کے تمام صوبوں کی رضامندی حاصل کرنا بھی ضروری ہے؟ اگر یہ دعویٰ کیا گیا تو حضرت علیؓ کی خلافت بھی ثابت نہ ہو سکے گی! کیونکہ اہلِ شام کی رضامندی اُن کو حاصل نہ تھی۔

پس اہل شام کے اہل حل و عقد کی رضامندی کے بعد مختلف علاقوں اور صوبوں سے وفود طلب کرنا اور اہل حجاز و حرمین سے استصواب رائے کے لئے خود سفر کرنا حضرت امیر معاویہؓ کی

غایتِ احتیاط کی دلیل ہے اور جو روایتیں خوف یا طمع دلانے کی بیان کی جاتی ہیں، وہ چونکہ صحابہ کی شان کے خلاف ہیں، اُن کو رد کیا جائے گا۔ کیونکہ جو شخص بلا ضرورت محض احتیاط کی بناء پر سب مسلمانوں کی رائے معلوم کرنے کے لئے صعوبتِ سفر برداشت کر رہا ہو وہ ایسے کام نہیں کر سکتا، جو تقویٰ اور احتیاط کے خلاف ہیں۔

خلاصہ وتنبیہ

غالباً اس تفصیل سے ہمارے ناقد کو معلوم ہو گیا ہو گا کہ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر تنقید کرنا آسان کام نہیں ہے۔ اول تو غیر صحابی کو صحابی پر تنقید کرنے کا حق نہیں۔

خطائے بزرگاں گرفتن خطاست!

پھر تنقید میں تصویر کے دونوں رخ کا دیکھنا ضروری ہے۔ ایک ہی رخ کا دیکھنا کافی نہیں۔ حضر معاویہؓ کے کمال تدبر اور دیانت وامانت کے لئے یہی بڑی دلیل ہے کہ انھوں نے اپنی آٹھ دس سالہ امارت کے زمانہ میں حضرت عمرؓ جیسے امامِ عادل اشد ھم فی امر اللہ۔ متبع سنت خلیفۂ راشد کو کسی گرفت کا موقع نہیں دیا۔ جب حضرت عمرؓ نے شام کا دورہ کیا تو آپ کو شکایت پہنچی کہ حضرت معاویہؓ بڑی کروفر سے رہتے ہیں اور حاجتمندوں کی حاجت روائی میں تاخیر کرتے ہیں۔ حضرت عمر نے ان سے وجہ دریافت فرمائی تو انھوں نے عرض کیا کہ :۔

"آپ کو صحیح اطلاع ملی ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ہم ایسے ملک میں ہیں جہاں دشمن کے جاسوس بے شمار ہیں۔ یہاں کے حالات کا تقاضیٰ یہ ہے کہ ہم اسلام اور مسلمانوں کے وقار کو قائم رکھنے کے لئے ظاہری شان وشوکت سے رہیں اور ہر شخص کو جلد باریاب کر کے جری اور گستاخ نہ ہونے دیں اب اگر آپ حکم دیں گے تو میں اس طرز کو قائم رکھوں گا۔ ورنہ چھوڑ دوں گا۔"

حضرت عمرؓ نے فرمایا :۔

"ارے معاویہؓ! میں تم سے جو بات پوچھتا ہوں، اس میں تم اُلٹا مجھی کو الجھا دیتے ہو، اگر تم سچ

کہہ رہے ہو، تو یہ ایک عقلمندی کی رائے ہے، جو تم کو بتلائی گئی ہے، اور اگر یہ بات غلط ہے تو پھر یہ ایک چال ہے۔"

حضرت معاویہؓ نے عرض کیا :۔

"تو پھر آپ ہی کوئی قطعی حکم ارشاد فرمائیں؟"

حضرت عمرؓ نے فرمایا :۔

"میں اس بارے میں تم کو کوئی حکم دیتا ہوں، نہ روکتا ہوں!"

حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ نے جو اُس وقت وہاں موجود تھے، فرمایا کہ :۔

"جس بات میں خلیفہ نے آپ کو پھنسانا چاہا تھا۔ اُس سے آپ بڑی خوبی کے ساتھ نکل گئے۔"

حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ :۔

"ان کی ان صلاحیتوں کی وجہ ہی سے تو ہم نے ان کو اتنی بڑی ذمہ داری سپرد کر رکھی ہے۔" (ابن کثیر جلد نمبر ۸ ص ۱۲۵)

حضرت عمرؓ کی یہ رائے عالی حضرت معاویہؓ کے کمالِ صلاحیت و قابلیت کے لئے بڑی سند ہے۔ ایک بار کسی نے حضرت عمرؓ کے سامنے ان کی برائی کی تو فرمایا :۔

"جانے دو! وہ قریش کے جوانمرد اور سردار قریش کے بیٹے ہیں۔ وہ غصہ میں بھی ہنس دیتے ہیں اور جو کچھ انکے پاس ہے وہ ان سے نہیں لیا جاسکتا!"

(ابن کثیر جلد ۸ ص ۱۲۴)

ان ہی صلاحیتوں کی وجہ سے امام مظلوم حضرت عثمانؓ شہیدؓ نے اپنی خلافت میں اُن کو شام کی گورنری پر بدستور قائم رکھا، جو ہمارے ناقد کی نظروں میں بہت شدید کھٹک رہا ہے۔

خاتمہ

اب میں بحث کو ختم کرتا ہوں اور ناقد کو نصیحت کرتا ہوں کہ :۔ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر تنقید کرنا چھوڑ دیں۔ سب کا ادب ملحوظ رکھیں اور حضرت عمر بن عبد العزیز رحمۃ اللہ علیہ کے اس ارشاد پر عمل کریں کہ :۔

تلك دمآء۔ طهر الله عنها سيوفنا فلنطهر عنها ألسنتنا

اللہ تعالیٰ نے ان حضرات کے خون سے ہماری تلواروں کو پاک رکھا ہے تو ہمیں اپنی زبانوں کو بھی اس سے پاک رکھنا چاہیے۔!

تلك امة قد خلت لها ما كسبت، ولكم ما كسبتم، ولا تسئلون عما كانوا يعملون۔ پ۱ ع۱۶/۱۵

وہ (جماعۃ صحابہ) ایک اُمت تھی جو گزر چکی ان کے لئے ہے جو (نیکیوں کا ذخیرہ) کمایا انھوں نے، اور تمھارے لئے ہے جو کمایا تم نے اور تم سے پوچھا نہیں جائیگا، اُن کاموں کے بارہ میں جو کئے انھوں نے۔!

ربنا اغفرلنا ولاخواننا الذين سبقونا باالايمان ولا تجعل فى قلوبنا غلا للذين امنوا ربنا انك رؤف رحيم!

(سورت الحشر ٤، پ ٢٨، ع ١/٤)

اے ہمارے پالنہار! پردے ڈالئے ہمارے گناہوں پر اور معاف کر دیجئے ہمیں اور ہمارے اُن (اسلام کے) بھائیوں (صحابہ و تابعین) کو جو ہم سے بازی لے گئے پہلے ایمان لانے میں، اور نہ رہنے دیجئے ہمارے دلوں میں کوئی بیر دشمنی اُن ایمان والوں کے لئے۔ اے ہمارے پالنہار! بلاشک آپ ہی ہیں نرمی اور میا موہ کرنیوالے مہربان!

اگر ناقد نے اس موضوع پر قلم نہ اٹھایا ہوتا تو میں اس پر ہرگز کچھ نہ لکھتا مگر مجبوراً مجھے قلم اُٹھانا پڑا تاکہ عوام میں غلط فہمی پیدا نہ ہو۔ اور وہ حضرتِ عثمانؓ، حضرت معاویہؓ اور حضرت عمرو بن العاص

رضی اللہ عنہم کا بھی ویسا ہی احترام ملحوظ رکھیں جیسا حضرت علیؓ کرم اللہ وجہہ کا احترام کرتے ہیں کہ ہمارے سب ہی بزرگ ہیں اور بارگاہِ رسالت کے سب ہی محبوب ہیں۔

والسلام

ظفر احمد عثمانی

۱۵ ربیع الثانی ۱۳۸۵ھ

فضائل جہاد

بعد الحمد والصلوٰۃ۔ مارچ ۱۹۷۱ء سے بھارت نے سازش اور جارحیت سے کام لے کر پاکستانی علاقہ پر فوجی طاقت سے قبضہ کرنا چاہا۔ پاکستانی فوج نے نعرۂ تکبیر کے ساتھ منہ توڑ جواب دیا جس سے بھارتی فوج کو ذلت آمیز شکست ہو رہی ہے۔ اب نومبر کے آخری عشرہ میں بھارت نے مشرقی پاکستان کی سرحد پر متعدد محاذوں سے توپ خانوں اور ٹینکوں کے ساتھ بھرپور حملے شروع کر دیئے ہیں اور روز نئے محاذ کھولے جا رہے ہیں۔ ادھر مغربی پاکستان کی سرحدات پر بھی ان کی پوری فوجی تیاری موجود ہے کسی وقت بھی حملہ ہو سکتا ہے اور صدر پاکستان نے 23 نومبر کو ہنگامی حالت کا اعلان کر دیا ہے۔

ہر مسلمان پر فرض ہے کہ اسلام اور اسلامی مملکت پاکستان کے دفاع کے لیے اپنی پوری قوت واستطاعت کے ساتھ تیاری کرے اور ہر جانی ومالی قربانی کے لیے تیار رہے اور دشمن کے ناپاک ارادوں کا جواب شجاعت وجوانمردی سے دیں۔

ملک کے عوام جہاد کے وقت حکومت اور عوام کی جو مدد بھی کریں، بلاشبہ وہی ان کا جہاد ہے حکومت جس وقت بھی کسی سے جانی ومالی تعاون کی اپیل کرے اسے فریضۂ جہاد سمجھ کر دل وجان سے انجام دینا لازم وضروری ہے۔

نوجوانوں کو فوجی اور شہری دفاع کی تربیت دی جائے۔ جہاد کے سلسلہ میں جی چاہا کہ فضائل جہاد پر مختصر رسالہ تالیف کر کے میں اپنی اس ضعیفی میں پاکستان کے اس جہاد میں شرکت کروں۔

واللہ المستعان وعلیہ التکلان

باب اول

اللہ کے لیے سرحد اسلام پر رہنے کی ترغیب

۱۔ سہل بن سعدؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ (کو راضی کرنے) کے لیے ایک دن سرحد اسلام کی نگہبانی کرنا دنیا و مافیہا سے بہتر ہے اور جنت میں ایک کوڑے کی جگہ تم کو مل جائے' یہ بھی دنیا و مافیہا سے بہتر ہے (اور جہاد کے لیے) صبح کو ایک بار چلنا یا شام کو ایک بار چلنا بھی دنیا و مافیہا سے بدرجہا بہتر ہے۔

۲۔ سلمان فارسیؓ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا' فرماتے تھے کہ ایک دن رات سرحد اسلام کی حفاظت کرنا ایک مہینہ کے روزے اور ایک ماہ کی (نفل) نماز پڑھنے سے بہتر ہے۔ اور اگر اس حالت میں مر گیا تو اس کے وہ اعمال جاری رہیں گے جو وہ کیا کرتا تھا۔ (یعنی ان اعمال کا ثواب موت سے ختم نہ ہوگا) اور اس کے لیے (جنت سے) رزق جاری کیا جائے گا۔ اور قبر کے فتنوں سے (منکر نکیر کے سوال و جواب) سے محفوظ رہے گا۔ ایک روایت یہ بھی ہے کہ قیامت کے دن شہید بن کر مبعوث ہوگا' یعنی اس کو شہیدوں میں شمار کیا جائے گا۔

(مسلم وترمذی ونسائی وطبرانی وزاد بعث یوم القیامہ شہیداً۔)

۳۔ فضالہ بن عبیدؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:
"ہر میّت کا عمل موت سے ختم ہو جاتا ہے مگر جو شخص اللہ کے لیے سرحد اسلام کی حفاظت کر رہا ہو اس کا عمل قیامت تک بڑھتا رہتا ہے اور فتنۂ قبر سے بھی محفوظ رہتا ہے۔" ابوداؤد' ترمذی' اور ترمذی نے اس کو حسن صحیح کہا ہے اور حاکم نے شرط مسلم پر صحیح بتلایا ہے اور ابن حبان نے بھی اپنی صحیح میں اس کو روایت کیا ہے اور اخیر میں یہ زیادہ کیا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ مجاہد وہ ہے جو اپنے نفس سے جہاد کرے۔ (یعنی نفس کو شریعت کا پابند بنادے) اور یہ زیادتی ترمذی کے بعض نسخوں میں بھی ہے۔

۴۔ ابوالدرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:
"ایک مہینہ سرحد اسلام کی حفاظت کرنا صوم دہر سے افضل ہے اور جو شخص سرحد اسلام کی حفاظت ہی میں مر جائے وہ فزع اکبر سے محفوظ رہے گا اور اس کو صبح وشام جنت سے رزق دیا جائے گا اور اسکو سرحد اسلام کی حفاظت کا ثواب مرنے کے بعد بھی برابر ملتا رہے گا یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اس کو قبر سے اٹھائیں۔" طبرانی نے اس کو روایت کیا ہے اور اس کے سب راوی ثقہ ہیں۔

فائدہ: اس میں سرحد اسلام پر رہنے والوں کے لیے بشارت ہے جب کہ وہ حفاظت سرحد کی نیّت بھی کر لیں۔

۵۔ حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سرحد اسلام کی حفاظت کا ثواب پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا۔ کہ جو شخص مسلمانوں کے پیچھے پہرہ دار بن کر سرحد یا مورچہ کی حفاظت کرے' اس کو ان سب لوگوں کے اعمال کا ثواب ملے گا جو اس کے پیچھے

نماز روزہ میں لگے ہوئے ہیں۔

(طبرانی در اوسط بسند جید)

فائدہ : دارالاسلام میں جو لوگ بے فکری اور چین کے ساتھ نماز روزہ ذکر و شغل اور تلاوت قرآن وغیرہ میں لگے ہوئے ہیں یہ سب ان سپاہیوں اور فوجیوں کی بدولت ہے جو سرحد کی حفاظت کرتے ہیں۔ اگر سرحد کی حفاظت چھوڑ دی جائے تو دشمن ملک کے اندر گھس کر فساد برپا کر دے اور مخلوق کا امن و اطمینان برباد ہو جائے۔ اس لیے سرحد کی حفاظت کرنے والے سپاہیوں اور افسروں اور اس بادشاہ اسلام کو جو حفاظت سرحد کے لیے فوج مقرر کرتا ہے ان سب لوگوں کے اعمال صالحہ کا ثواب ملتا رہتا ہے جو ملک کے اندر ان کی حفاظت کی بدولت نیک کاموں میں لگے ہوئے ہیں۔ پس ان مسلمانوں کو جو اسلامی سرحد پر رہتے ہیں' حفاظت سرحد کا بہت اہتمام رکھنا چاہیئے۔ ان لوگوں کو فرض نماز اور فرض روزہ زکوٰۃ وغیرہ واجبات اسلام کے ساتھ ساتھ سارا وقت ان کاموں میں صرف کرنا چاہیے جو حفاظت سرحد میں کام آنے والے ہیں جیسے گھوڑوں کی حفاظت' اسلحہ کی درستی' نشانہ بازی' حفظان صحت کے لیے ورزش اور پریڈ وغیرہ۔

۶۔ ابو امامہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔ اسلامی سرحد (یا مورچہ) کی حفاظت کرنے والے کی ایک نماز پانچ سو نمازوں کے برابر اور اس میں ایک دینار یا ایک درہم خرچ کرنا دوسرے کاموں میں سات سو دینار خرچ کرنے سے افضل ہے۔ (بیہقی)

باب دوم

اللہ کے راستہ میں پہرہ دینے کی ترغیب

۷۔ حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:
"دو آنکھیں ایسی ہیں جن کو (دوزخ) کی آگ چھوئے گی بھی نہیں۔ ایک وہ آنکھ جو اللہ کے خوف سے روئی ہو۔ دوسری وہ آنکھ جس نے اللہ کے راستہ میں پہرہ دیا ہو۔" (ترمذی نے اس حدیث کو حسن غریب بتلایا ہے)۔

۸۔ حضرت عثمانؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "اللہ کے راستہ میں ایک رات (لشکر اسلام کا) پہرہ دینا ہزار راتوں سے افضل ہے جن میں رات بھر عبادت کی گئی ہو۔ اور دن کو روزہ رکھا گیا ہو۔" (حاکم نے روایت کیا اور صحیح الاسناد بتلایا۔)

باب سوم

اللہ کے راستہ میں خرچ کرنے اور مجاہدوں کے لیے سامان جہاد مہیا کرنے اور انکے پیچھے انکے اہل وعیال کی خبر گیری کرنے کی ترغیب

۹۔ خریم بن فاتکؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔ جس نے اللہ کے راستہ میں

(جہاد کے لیے) کچھ خرچ کیا' اس کے لیے اس کا سات سو گنا لکھا جاوے گا۔ (یعنی اس خرچ سے سات سو گنا کے برابر ثواب لکھا جائے گا۔ نسائی و ترمذی) اور ترمذی نے اس حدیث کو حسن بتلایا ہے۔

۱۰۔ اور بزار نے ربیع بن انس کے واسطے سے ابو العالیہ سے یا ان کے سوا کسی اور سے ابو ہریرہؓ سے حدیث معراج میں روایت کیا کہ رسول اللہ ﷺ کے سامنے ایک گھوڑا یعنی (براق) پیش کیا گیا جس کا ہر قدم منتہائے نظر پر پڑتا تھا۔ آپؐ (اس پر سوار ہو کر) تشریف لے گئے۔ جبریل علیہ السلام آپ کے ساتھ تھے کہ آپ کا گزر ایک قوم پر ہوا جو ایک دن میں (غلہ) اگاتے اور اسی دن میں کھیتی کاٹ لیتے تھے۔ جب وہ کاٹ چکتے تو کھیتی پھر اپنی پہلی حالت پر آ جاتی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے جبریل ! یہ کون لوگ ہیں؟ کہا' یہ اللہ کے راستہ میں جہاد کرنے والے ہیں۔ اُن کو ایک نیکی پر سات سو نیکیوں کا ثواب ملتا ہے اور جو کچھ خرچ کرتے ہیں' اللہ تعالےٰ اس کی جگہ ان کو اور دے دیتے ہیں۔ اس کے بعد لمبی حدیث بیان کی۔

۱۱۔ زید بن خالد جہنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

"جس نے اللہ کے راستہ میں کسی غازی کو سامان (جہاد) دیا وہ بھی غازی ہے اور جس نے غازی کے اہل و عیال کی اس کے پیچھے خبر گیری کی وہ بھی غازی ہے۔"

(بخاری و مسلم۔ ابو داؤد۔ ترمذی۔ نسائی) اور ابن حبان نے اس کو اپنی صحیح میں اس طرح روایت کیا ہے۔"

جس نے اللہ کے راستہ میں کسی غازی کو سامان (جہاد) دیا یا اس کے پیچھے اس کے اہل و عیال کی خبر گیری کی' اس کے واسطے بھی غازی کے برابر ثواب لکھا جائے گا۔ غازی کے ثواب میں سے کچھ کم نہ کیا جائے گا۔

۱۲۔ ابو سعید خدریؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے بنولحیان کے پاس پیغام بھیجا کہ ہر دو آدمیوں میں سے ایک آدمی جہاد کے لیے نکلے پھر گھر پر بیٹھنے والوں سے فرمایا تم میں جو اس (جہاد) میں جانے والے کے اہل و عیال کی خبر گیری کرے گا اس کو مجاہد کے برابر ہی ثواب ملے گا۔ (مسلم، ابو داؤد و غیرہما)

فائدہ: مجاہد اسی وقت جہاد کر سکتا ہے جب اس کے پاس سامان جہاد ہو اور اپنے اہل و عیال کی طرف سے بے فکر ہو۔ اس کی صورت یہی ہے کہ کچھ لوگ جہاد میں جائیں، کچھ لوگ ان کو سامان دیں، کچھ لوگ ان کے اہل و عیال کی خبر گیری کریں۔ اگر سب آدمی جہاد میں چلے جائیں تو پیچھے ان کے بال بچوں کی حفاظت اور خبر گیری کون کرے گا۔ چونکہ سامان دینے والوں اور بیوی بچوں کی خبر گیری کرنے والوں کے ذریعہ ہی سے مجاہد جہاد کر رہا ہے اس لیے ان لوگوں کو بھی مجاہد کے برابر ثواب ملے گا۔ اور یہ سب عند اللہ مجاہد گنے جائیں گے۔ مسلمانو! یہ کتنی سستی دولت ہے کہ گھر بیٹھے جہاد کا ثواب ملتا ہے۔ اس میں کوتاہی نہ کرنا چاہیے۔

۱۳۔ عبداللہ بن سہل بن حنیفؓ (اپنے والد ماجد سہلؓ) بن حنیف سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”جس نے اللہ کے راستہ میں جہاد کرنے والے کی مدد کی یا اس شخص کی جو اپنے خاندان کی وجہ سے تاوان میں لد گیا ہو یا اس شخص کی جو اپنی گردن آزاد کرنے کے لیے کتابت کر چکا ہے، مدد کرے، اللہ تعالیٰ اس کو اپنے عرش کے سایہ میں پناہ دیں گے جس دن اس کے سایہ کے سوا کوئی سایہ نہ ہوگا۔ (احمد و بیہقی)

۱۴۔ حضرت عمر بن الخطابؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔ ”جس نے غازی کے سر پر سایہ کیا اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کو سایہ میں پناہ دیں گے اور جس نے اللہ

کے راستہ میں جہاد کرنے والوں کو سامان (جہاد) دیا اس کو مجاہد کے برابر ثواب ملے گا اور جس نے اللہ کے واسطے مسجد بنائی جس میں اللہ کا نام لیا جائے اللہ تعالیٰ اس کے لیے جنّت میں ایک مکان بنائیں گے۔"

(ابن حبان در صحیح و بیہقی)

۱۵۔ ابو امامہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "تمام صدقات میں بہتر صدقہ اللہ تعالیٰ کے راستہ میں سایہ کے لیے ایک خیمہ دینا اور ایک خادم اللہ کے راستہ میں (جہاد کرنے والے کو) ایک نوجوان اونٹنی اللہ کے راستہ میں 'جہاد کرنے کے لیے' دے دینا ہے۔ ترمذی نے اس کو روایت کیا اور حدیث حسن صحیح کہا ہے۔

فائدہ: چونکہ اس زمانہ میں اونٹنی ہی پر زیادہ سفر ہوتا تھا اس لیے اونٹنی کا ذکر فرمایا۔ آج کل اس کی مثل موٹر یا جیپ یا گھوڑا وغیرہ ہے۔

باب چہارم

جہاد کے لیے گھوڑا پالنے کی ترغیب اور اس کی فضیلت

جب کہ ریاء و نام وری مقصود نہ ہو

۱۶۔ حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"جس نے اللہ کے راستہ میں (جہاد کرنے کے لیے) اللہ پر ایمان لا کر اس کے وعدہ کو سچا سمجھ کر گھوڑا پالا تو اس گھوڑے کا کھانا پینا اور پیشاب قیامت کے دن اس شخص کے میزان عمل میں ہوگا۔ (یہ سب) نیکیاں (بن کر میزان اعمال میں رکھی جائیں گی اور وزن) ہو

گی۔"

فائدہ: یہ مطلب نہیں کہ میزان اعمال میں گھوڑے کا گھاس' دانہ' پانی اور لید پیشاب رکھا جائے گا' بلکہ مطلب یہ ہے کہ یہ سب نیکیاں بن جائیں گی اور وہ نیکیاں میزان عمل میں وزن کی جائیں گی۔

۱۷۔ سہل بن حنظلہؓ سے روایت ہے اور یہ سہل ربیع بن عمرو کے بیٹے ہیں۔ (حنظلہ ان کی والدہ کا نام ہے۔ انھی کی طرف منسوب ہو کر مشہور ہیں) وہ کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: "جو گھوڑوں پر خرچ کرتا ہے وہ اس شخص جیسا ہے جس نے خیرات و صدقہ کے ساتھ ہاتھ کھول دیا پھر اپنے ہاتھ کو بند نہیں کرتا۔" (کنایہ ہے کثرت سخاوت سے) اس حدیث کو ابو داؤد نے روایت کیا ہے۔

۱۸۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ گھوڑوں کی پیشانیوں میں قیامت تک بھلائی رکھ دی گئی ہے۔" اس حدیث کو امام مالکؒ نے اپنے موطأ میں اور امام بخاری و مسلم نے اپنی اپنی صحیح میں) اور نسائی و ابن ماجہ نے اپنی اپنی سنن میں روایت فرمایا ہے۔

باب پنجم

جہاد میں چلنے اور غبار (اڑاتے) اور خوف (جھیلنے) کی فضیلت

۱۹۔ حضرت عبداللہ بن جبیرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"یہ نہیں ہو سکتا کہ خدا کے راستہ میں کسی بندہ کے دونوں قدم غبار آلود ہو جائیں' پھر ان کو آگ بھی چھولے"۔ اس کو بخاری نے روایت کیا۔

ترمذی کے الفاظ یہ ہیں کہ ”جس شخص کے دونوں قدم خدا کے راستے میں غبار آلود ہو جائیں وہ آگ پر حرام ہیں۔“

۲۰۔ ابو امامہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔

”جس کا چہرہ خدا کے راستہ میں غبار آلود ہوا ہو‘ حق تعالیٰ اس کو قیامت کے دن جہنم کے دھوئیں سے ضرور مامون فرمائیں گے۔ اور (ایسے ہی) جس کے دونوں قدم خدا کے راستہ میں غبار آلود ہوئے ہوں‘ حق تعالیٰ ان قدموں کو قیامت کے روز آگ سے ضرور محفوظ فرمائیں گے“۔

اس حدیث کو بیہقی اور طبرانی نے روایت کیا ہے۔

۲۱۔ طبرانی نے عمرو بن قیس کندی سے روایت کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں! ہم ابو الدرداءؓ کے ساتھ غزوۂ صائفہ (روم) سے واپس آرہے تھے تو انھوں نے فرمایا‘ اے لوگو! جمع ہو جاؤ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ جس کے قدم خدا کے راستہ میں غبار آلود ہو جائیں حق تعالیٰ اس کے جسم کو آگ پر حرام فرما دیتے ہیں۔

۲۲۔ ربیع بن زیادؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کہیں (جہاد کے لیے) تشریف لے جارہے تھے کہ ناگاہ ایک قریشی پر آپ کا گزر ہوا جو راستہ سے ہٹ کر چل رہا تھا۔ آپؐ نے صحابہؓ سے فرمایا۔ کیا یہ فلاں لڑکا نہیں ہے؟ صحابہؓ نے عرض کیا ہاں یا رسول اللہؐ (وہی ہے)

آپ نے فرمایا اس کو پکارو۔ صحابہؓ نے پکارا اور وہ حاضر ہوا (تو) آپؐ نے فرمایا تجھے کیا ہوا تو راستہ سے کیوں ہٹ گیا؟ اس نے کہا یا رسول اللہ! مجھے غبار برا معلوم ہوا۔ آپؐ نے فرمایا (آئندہ) راستہ سے نہ ہٹا کرو۔ قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں محمد ﷺ‘ کی جان ہے یہ غبار جنت کی خوشبو ہے۔ اس حدیث کو ابو داؤد نے اپنی مرسلات میں روایت کیا ہے۔

۲۳۔ ابو المصبح المقرائی سے روایت ہے کہ سرزمین روم پر ہم ایک لشکر میں جا رہے تھے جس کے امیر مالک بن عبداللہ الخثعمی تھے۔ ناگاہ ان کا گزر جابر بن عبداللہؓ پر ہوا تو دیکھا کہ وہ اپنے خچر کو ہانک رہے ہیں' اور خود پیدل چل رہے ہیں' تو ان سے مالک نے کہا اے ابو عبداللہ' یہ کنیت ہے جابرؓ کی' سوار ہو جاؤ۔ خدا نے آپ کو سواری دی ہے۔ جابرؓ نے فرمایا' میں اپنی سواری کو راحت دیتا اور اپنی قوم سے مستغنی رہنا چاہتا ہوں (مبادا خچر تھک جائے اور دوسروں سے سواری مانگنا پڑے اس لیے پہلے ہی سے میں نے یہ انتظام کر لیا کہ کچھ دیر پیدل چلتا ہوں) کہ خچر تھکنے نہ پائے اور میرا استغناء باقی رہے اور (دوسری بات یہ ہے کہ) میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جس کے قدم خدا کے راستہ میں غبار آلود ہو جائیں اس کو حق تعالیٰ آگ پر حرام کر دیتے ہیں۔ (یہ فرمایا) اور آگے چلے گئے یہاں تک کہ جب اتنی دور پہنچ گئے کہ سب لوگ آواز سن سکتے تھے تو (مالکؓ نے پھر) بلند آواز سے پکارا اے ابو عبداللہ سوار ہو جایئے آپ کو خدا نے سواری دی ہے تو جابرؓ مالکؓ کا مقصود سمجھ گئے (کہ مالکؓ یہ چاہتے ہیں کہ تمام لشکر اس حدیث کو سن لے) تو حضرت جابرؓ نے فرمایا۔ میں اپنی سواری کو راحت دیتا اور قوم سے مستغنی رہنا چاہتا ہوں (اور یہ بھی ہے) کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ خدا کے راستہ میں جس کے قدم غبار آلود ہو جائیں' حق تعالیٰ اس کو آگ پر حرام فرما دیتے ہیں۔ (یہ سنتے ہی) لوگ اپنی اپنی سواریوں سے کود پڑے۔ (ابو المصبح فرماتے ہیں کہ) میں نے اس روز سے زیادہ پیادہ پا لوگوں کا مجمع نہیں دیکھا۔ اس حدیث کو ابن حبان نے اپنی صحیح میں روایت کیا ہے۔ اور الفاظ ابن حبانؒ ہی کے ہیں۔

۲۴۔ حضرت عائشہ صدیقہؓ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ (جہاد کے لیے) خدا کے راستے میں کسی کے دل میں خوف اور گریہ پیدا نہیں ہوتا مگر حق تعالیٰ اس پر جہنم کی آگ کو حرام کر دیتے ہیں۔ اس حدیث کو امام احمد نے روایت کیا ہے اور راوی سند کے ثقہ ہیں۔

باب ششم

جہاد میں شہید ہونے کی دعا کرنے کی ترغیب

۲۵۔ سہل بن حنیفؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "اگر کوئی صدق دل سے خدا سے شہادت کی دعا مانگے تو حق تعالیٰ اس کو شہداء کے درجات تک پہنچا دیتے ہیں۔ اگرچہ بستر پر ہی کیوں نہ مرا ہو۔"
اس کو سوائے بخاری کے اصحاب ستہ نے روایت کیا۔

۲۶۔ حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا" جو صدق دل سے شہادت طلب کرتا ہے اس کو (شہادت کا درجہ) مل جاتا ہے (اگرچہ شہید نہ ہو)"۔ اس کو مسلم وغیرہ نے روایت کیا ہے اور حاکم نے روایت کر کے کہا کہ شیخین کی شرط کے موافق صحیح ہے۔

۲۷۔ حضرت معاذ بن جبلؓ سے روایت ہے کہ انھوں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا: "جو شخص خدا کے راستے میں تھوڑی دیر بھی جہاد کرے تو اس کے لیے جنت واجب ہو گئی۔ اور جو شخص صدق دل سے قتل کا سوال کرلے پھر مر جائے یا قتل ہو جائے تو اس کو شہید کا اجر ہو گا اور جو حج کے قصد سے خدا کے راستے میں نکلے یا اس کو کوئی زخم (اللہ کے راستہ میں) پہنچ جائے تو قیامت کے دن وہ زخم تازہ اور نہایت خون آلود ہو گا اس کا رنگ تو زعفرانی ہو گا اور خوشبو مشک جیسی ہو گی۔ پھر حدیث کو پورا ذکر کیا۔ اس حدیث کو ابو داؤد نے روایت کیا اور ترمذی نے ذکر کر کے اس کو حسن صحیح کہا ہے۔

باب ہفتم

خدا کے راستہ میں تیر اندازی کرنے اور سیکھنے کی ترغیب

۲۸۔ عقبہ بن عامرؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں، میں نے رسول اللہ ﷺ کو منبر پر یہ فرماتے ہوئے سنا کہ "واعدوالھم ماستطعتم من قوۃ" دشمنوں کے مقابلے کے لیے جتنا تم سے ہو سکے قوت کا سامان جمع کرو، میں قوت (سے مراد) تیر اندازی ہے۔ اس حدیث کو مسلم وغیرہ نے روایت کیا ہے۔

فائدہ: آج کل تیر کی جگہ رائفل، بندوق، توپ اور راکٹ کا نشانہ سیکھنا ہے۔

۲۹۔ عقبہؓ سے روایت ہے۔ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ حق تعالیٰ ایک تیر کی وجہ سے تین لوگوں کو جنت میں داخل فرمائیں گے۔ ایک تو اس کے بنانے والے کو جو اس کے بنانے میں بھلائی کا قصد کرتا ہے اور دوسرا اس کے چلانے والے کو اور تیسرا اس کو جو (تیر انداز کو تیر پکڑا رہا ہے۔ "اے لوگو" تیر اندازی کرو اور سواری سیکھو اور اگر تم تیر اندازی سیکھو تو میرے نزدیک سواری سیکھنے سے زیادہ پسندیدہ ہے اور جو تیر اندازی سیکھ کر اعراض کر کے اس کو چھوڑ دے تو اس نے ایک نعمت خداوندی کو چھوڑ دیا یا یوں فرمایا اس نے ناشکری کی۔ اس حدیث کو ابو داؤد نے روایت کیا اور الفاظ بھی اسی کے ہیں۔ اور بیھقی کی ایک روایت میں یوں ہے۔ عقبہؓ بن عامر نے کہا رسول اللہ ﷺ کو میں نے یہ فرماتے ہوئے سنا۔ حق تعالیٰ ایک تیر کی وجہ سے تین شخصوں کو جنت میں داخل فرمائیں گے۔ ایک تو اس کے بنانے والے کو جو اس کے بنانے میں بھلائی اور ثواب کا قصد کرے۔ دوسرے اس شخص کو جو خدا کے راستہ میں جہاد کے لیے بطور جہاد کے تیر مہیا کر

کے دے اور تیسرے اس کو جو خدا کے راستہ میں اس کو چلائے۔

۳۰۔ سلمہ بن اکوعؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک جماعت پر گزرے جو آپس میں تیر اندازی کر رہے تھے۔ آپؐ نے فرمایا اے بنی اسمٰعیلؑ! تیر اندازی کرو۔ تمھارے باپ (اسمٰعیل علیہ السلام بھی) تیر انداز تھے۔ (ہاں) تیر چلاؤ میں بنی فلاں کی طرف ہوں۔ اس پر ایک جماعت نے اپنے ہاتھ روک لیے۔ آپؐ نے فرمایا' تمھیں کیا ہوا؟ تم تیر اندازی کیوں نہیں کرتے؟ صحابہؓ نے عرض کیا۔ حضرت! کیسے تیر اندازی کر سکتے ہیں جب کہ آپ بنو فلاں کے ساتھ ہیں تو آپؐ نے فرمایا (اچھا) تیر اندازی کرو میں (کسی خاص جماعت کے ساتھ نہیں بلکہ تم سب کے ساتھ ہوں۔ اس حدیث کو بخاری وغیرہ نے روایت کیا۔

۳۱۔ ابو الدرداءؓ رسول اللہ ﷺ سے روایت کرتے ہیں آپؐ نے فرمایا۔ "جو شخص (تیروں کو جمع کرنے کے لیے) دو نشانہ گاہوں کے درمیان چلے اس کو ہر قدم کے بدلے ایک نیکی ملے گی۔ اس کو طبرانی نے روایت کیا۔

۳۲۔ عقبہ بن عامرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "جو تیر اندازی جانتا ہو پھر چھوڑ دے وہ ہم میں سے نہیں ہے یا (آپؐ نے فرمایا) اس نے نافرمانی کی۔" اس کو مسلم اور ابن ماجہ نے روایت کیا ہے مگر ابن ماجہ نے (یوں) کہا کہ جو تیر اندازی سیکھے پھر اس کو چھوڑ دے اس نے میری نافرمانی کی۔

۳۳۔ ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ رسول اللہ ﷺ سے روایت کرتے ہیں' آپؐ نے فرمایا جو شخص تیر اندازی سیکھے پھر اسے بھلا دے تو وہ ایک نعمت تھی جس کی اس نے ناشکری کی۔

اس کو بزار نے اور طبرانی نے صغیر اور اوسط میں اچھی سند سے روایت کیا ہے۔

فائدہ : گذشتہ احادیث سے تیر اندازی کے فضائل معلوم ہوئے جو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ کا حربۂ جنگ تھا۔ مگر چونکہ آج کل یہ زیادہ کار آمد نہیں ہے اس لیے اس کے بجائے بندوق، توپ، راکٹ، مشین گن وغیرہ چلانا اور سیکھنا اس کی فضیلت رکھتا ہے۔
نیز واعدوالهم ما ستطعتم من قوة کا عموم بھی اسی پر دال ہے

واللہ اعلم بالصّواب

باب ہشتم

جہاد فی سبیل اللہ کی ترغیب اور جہاد میں زخمی ہونے کی فضیلت

۳۴۔ حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے پوچھا گیا کون سا عمل افضل ہے ؟ آپ نے فرمایا اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لانا۔ عرض کیا گیا اس بعد فرمایا خدا کے راستہ میں جہاد کرنا۔ عرض کیا گیا۔ پھر کیا ہے ؟ آپ ﷺ نے فرمایا حج مقبول۔ اس کو بخاری و مسلم وغیرہ نے روایت کیا ہے۔

۳۵۔ حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہتے ہیں، میں نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ! کون سا عمل افضل ہے ؟ آپ نے فرمایا، خدا پر ایمان لانا اور اس کے راستہ میں جہاد کرنا (آخر حدیث تک) اس کو بخاری و مسلم نے روایت کیا ہے۔

۳۶۔ ابو بکر بن ابو موسیٰ اشعریؓ سے روایت ہے کہ میں نے اپنے والد ابو موسیٰ اشعریؓ سے سنا جب کہ وہ صفِ قتال میں تھے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جنت کے دروازے تلواروں کے سایہ کے نیچے ہیں تو ایک شخص پراگندہ صورت کھڑا ہوا اور کہنے لگا۔ میں تم پر سلام کرتا ہوں۔ یعنی میرا سلام ہو۔ پھر اس نے اپنی تلوار کا نیام توڑ کر پھینک دیا اور تلوار لے کر دشمن کی طرف چلا گیا اور تلوار چلاتا رہا یہاں تک کہ شہید ہو گیا۔" اس کو مسلم و ترمذی وغیرہ نے روایت کیا ہے۔

۳۷ ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "کوئی زخمی نہیں ہو گا جو خدا کے راستہ میں زخمی کیا گیا ہے، مگر قیامت کے دن ایسے حال میں آئے گا کہ اس کے زخم سے خون بہتا ہو گا جس کا رنگ تو خون کا ہو گا مگر خوشبو مشک کی ہو گی۔" اور ایک روایت میں ہے کہ :۔

"وہ زخم جو خدا کے راستہ میں لگا ہو۔ قیامت کے دن ویسا ہی ہو گا جیسا زخم کھانے کے وقت تھا کہ خون بہتا ہو گا۔ رنگ تو خون کا ہو گا مگر خوشبو مشک کی ہو گی۔"

اس کو بخاری مسلم نے روایت کیا ہے۔

۳۸۔ ابو امامہؓ نبی اکرم ﷺ سے روایت کرتے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ دو قطروں اور دو نقش قدم سے زیادہ محبوب خدا کے نزدیک کوئی چیز نہیں۔ ایک قطرہ تو وہ آنسو ہے جو خدا کے خوف سے گرے اور ایک قطرہ اس خون کا ہے جو خدا کے راستے میں بہایا جائے اور نقش قدم ایک تو وہ ہے جو خدا کے راستے میں (جہاد کے لئے) پڑے اور ایک خدا کے فرائض میں سے کسی فریضہ کے ادا کرنے میں (نماز، حج وغیرہ کے لئے) پڑتا ہے۔"

اس کو ترمذی نے روایت کر کے حسن غریب کہا ہے۔

باب نہم

جہاد میں نیت خالص رکھنے کی ترغیب

۳۹۔ ابو موسیٰ سے روایت ہے کہ ایک اعرابی رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا اے رسول اللہ ﷺ! بعض آدمی تو مالِ غنیمت (حاصل کرنے) کے لئے جہاد کرتے ہیں اور بعض اس لئے جہاد کرتے ہیں کہ لوگوں میں چرچا ہو اور بعض اس لئے جہاد کرتے ہیں کہ لوگوں کو اس کا مرتبہ (بہادری کا) معلوم ہو۔ تو ان میں سے خدا کے لئے کون سا جہاد ہے۔ آپ نے فرمایا "جو اس لئے جہاد کرے گا کہ خدا کا بول بالا ہو، وہ خدا کے راستہ میں ہے۔" اس کو صحاح ستہ والوں نے روایت کیا ہے۔

باب دہم

جنگ سے بھاگنے پر وعید کا بیان

۴۰۔ حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"سات ایسی چیزوں سے بچو جو ہلاک کرنے والی ہیں۔ صحابہؓ نے عرض کیا اے رسول اللہ! ﷺ۔ وہ کیا ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا۔ خدا کے ساتھ کسی کو شریک کرنا اور سحر کرنا اور محترم نفس کو قتل کرنا مگر یہ کہ اس کے جرم کے ساتھ ہو (زنا،

قصاص وغیرہ) اور سود کھانا اور یتیم کا مال دبا لینا اور جنگ کے دن پشت دکھلانا یعنی بھاگ جانا) اور پاک دامن بھولی بھالی مسلمان عورتوں کو تہمت لگانا۔"
اس کو بخاری و مسلم وغیرہما نے روایت کیا ہے۔

۴۱۔ حضرت ثوبانؓ سے مروی ہے کہ وہ رسول اللہ ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا:
"تین چیزوں کے ہوتے ہوئے کوئی نیک عمل مقبول نہیں ہے:
(۱) خدا تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک کرنا۔
(۲) والدین کی نافرمانی کرنا اور
(۳) (جہاد میں) لڑائی سے بھاگ جانا
اس کو طبرانی نے کبیر میں روایت کیا ہے۔

۴۲۔ عبد بن عمیرؓ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے حجۃ الوداع میں فرمایا کہ:۔
"خدا کے دوست درود بھیجنے والے ہیں اور وہ لوگ جو پانچوں نمازیں کہ خدا نے فرض کی ہیں، پڑھنے والے ہیں اور رمضان کے روزے رکھتے ہیں اور روزہ سے ثواب کا قصد کرتے ہیں اور اسی طرح ثواب حاصل کرنے کے لئے طیب خاطر سے زکوۃ دیتے ہیں اور بڑے گناہوں سے جن سے خدا نے منع کر دیا ہے، بچتے ہیں۔ تو آپ ﷺ کے اصحابؓ میں سے ایک شخص نے عرض کی، اے رسول اللہ ﷺ گناہ کبیرہ کتنے ہیں؟ آپ نے فرمایا نو ہیں۔ ان میں سے سب سے بڑا شرک ہے اور ناحق مسلمان کو قتل کر دینا اور جہاد میں لڑائی سے بھاگ جانا اور پاک دامن عورت پر تہمت لگانا اور جادو کرنا اور یتیم کا مال دبا لینا اور سود کھانا اور مسلمان والدین کی نافرمانی کرنا اور قبلہ بیت الحرام (خانہ کعبہ) کو زندوں اور مردوں کے لئے حلال سمجھنا (یعنی

اس کی بے حرمتی کرنا) کوئی (شخص ایسی حالت میں) نہیں مرے گا کہ اس نے یہ بڑے گناہ نہ کئے ہوں اور نماز پڑھتا رہا ہو اور زکوۃ دیتا رہا ہو مگر وہ محمد (ﷺ) کے ساتھ جنت کے وسط میں رہے گا۔ جس کے دروازے سونے کی چوکھٹوں کے ہوں گے۔"
اس کو طبرانی نے کبیر میں اچھی سند سے روایت کیا ہے۔

باب یازدہم

اس شخص کے متعلق وعید کا بیان جو نہ جہاد کرے اور نہ جہاد کی نیت کرے

۴۳۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:۔
"جب تم آپس میں کمی زیادتی کے ساتھ سامان فروخت کرنے لگو۔ بیل گائے کی دموں کو پکڑ لو۔ کھیتی باڑی پر راضی ہو جاؤ اور جہاد کو چھوڑ دو تو ذلت کو حق تعالیٰ تم پر مسلط کر دے گا، یہاں تک کہ تم اپنے دین کی طرف پھر لوٹ آؤ۔" ابو داؤد وغیرہ نے روایت کیا ہے۔

۴۴۔ حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:۔
"جو شخص مر جائے اور جہاد نہ کرے بلکہ جہاد کا خطرہ بھی اس کے دل میں نہ گزرا ہو تو وہ (العیاذ باللہ) نفاق کے شعبہ پر مرا ہے۔"
اس کو مسلم ابو داؤد و نسائی نے روایت کیا ہے۔

۴۵۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"کوئی قوم جہاد نہیں چھوڑتی۔ مگر حق تعالیٰ ان سب پر عذاب کو مسلط کر دیتا ہے۔"
اس کو طبرانی نے اچھی سند سے روایت کیا ہے۔

۴۶۔ حضرت ابو عمرانؒ سے روایت ہے کہ ہم مدینۃ الروم میں تھے۔ (یہ شہر کا نام ہے) کہ ہماری طرف رومیوں کا بہت بڑا لشکر نکلا۔ ان کے مقابلے کے لئے مسلمانوں کی طرف سے بھی انھی کے برابر بلکہ ان سے زیادہ لشکر گیا۔ مصری لشکر پر عقبہ بن عامرؓ امیر تھے اور باقی جماعت پر فضالہ بن عبید تھے۔ مسلمانوں میں سے ایک شخص نے (یکہ و تنہا) روم کے لشکر پر حملہ کر دیا۔ حتیٰ کہ صفوں کو چیرتا ہوا درمیان میں گھس گیا۔ لوگ بہت چیخے اور کہنے لگے، سبحان اللہ! اپنے ہاتھوں ہلاکت مول لیتا ہے تو ابو ایوب (انصاری) کھڑے ہوئے اور کہنے لگے۔ لوگو! تم اس آیت (لا تلقوا بایدیکم الی التھلکۃ) "اپنے ہاتھوں ہلاکت نہ کرو" کی یہ تفسیر کرتے ہو حالانکہ اس کا نزول تو ہم جماعت انصار کے بارہ میں ہوا تھا جب کہ اسلام کو شوکت دے دی اور اس کے معاون و مددگار بہت ہو گئے تو ہم میں سے بعض لوگ آپ میں خفیہ طور پر کہنے لگے۔ چونکہ ہمارے اموال ضائع ہو چکے ہیں اور خدا نے اسلام کو شوکت دے دی ہے۔ اس کے مددگار بہت ہو گئے ہیں (اب خاص طور پر ہماری امداد کی اسلام کو ضرورت نہیں) تو اگر ہم اپنے باغات، زمین وغیرہ میں ٹھہرے رہیں اور جو کچھ ضائع ہو چکا ہے اس کو (پھر) درست کر لیں (تو اچھا ہو)۔

حق تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ پر وہ آیت نازل فرمائی جس سے مقصود ہمارے قول کی تردید کرنا تھا اور خدا کے راستہ میں جو فقیر ہو گئے تھے اُن کے لئے یہ نازل ہوا تھا:

ولا تلقوا بایدیکم الی التھلکۃ

تو ہلاکت اپنے اموال میں بیٹھ جانا اور اُن کو درست کرنا اور جہاد کو چھوڑ دینا ہے (نہ کہ جہاد کرنا)، چنانچہ حضرت ابو ایوب انصاریؓ ہمیشہ جہاد کے لئے کمر بستہ رہے حتیٰ کہ روم کی ہی زمین میں دفن کر دیے گئے۔

اس کو ترمذی نے روایت کیا اور کہا کہ حدیث غریب اور صحیح ہے۔

فائدہ : اس حدیث سے معلوم ہو گیا کہ جہاد جس سے ہم آج خائف ہیں اور جہاد کو سبب ہلاکتِ اموال وانفس خیال کئے ہوئے ہیں۔ وہی جہاد ہمارے اسلاف کے نزدیک سببِ ترقیات دینی ودنیوی تھا۔ وہ جہاد چھوڑ دینے کو سببِ ہلاکت سمجھتے تھے اور ہم جہاد کرنے کو باعثِ ہلاکت سمجھے ہوئے ہیں۔

ببین تفاوت رہ از کجاست تابکجا

وہ مسلمان جو کبھی ناموسِ اسلام پر جان دے دینا بھی کھیل سمجھتے تھے، آج تھوڑی سی قربانی کے لئے بھی تیار نہیں۔ ہاں ترقی ترقی کے الفاظ ہر شخص کی زبان پر ہیں۔ اور اس کا طریقہ انھوں نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ یورپ کے طریق پر چلیں اور اُس کے اطوار وعادات اختیار کریں۔ اگر انھوں نے عورتوں کو بے حجاب کر کے اپنی عقل کا ماتم کیا ہے تو مسلمان اُن سے کیوں پیچھے رہیں۔ اگر انھوں نے شراب نوشی کر کے اپنی ناعاقبت اندیشی کا ثبوت دیا ہے تو ہم ان سے دو قدم آگے کیوں نہ ہوں۔ میں ایسے لوگوں کو بتلا دینا چاہتا ہوں کہ وہ ترقی اور ہلاکت دونوں کا حدیثِ بالا کی روشنی میں بغور مطالعہ کریں اور اپنی بگڑی ہوئی حالت کو جلد سے جلد سدھارنے کی کوشش کریں۔

اللهم اهد قومی فانهم لا یعلمون

فائدہ : ایام جہاد میں آئمہ مساجد کو اور فوج کے امام کو صبح کی نماز میں دوسری رکعت کے قومہ میں قنوت نازلہ پڑھنا چاہیے جس کی برکت سے مسلمانوں کو فتح نصیب ہوتی ہے اور کفار کو شکست ہو جاتی ہے۔ قنوتِ نازلہ آخر میں دیکھیں۔

تنبیہ : اسلامی فوج کے سپاہیوں اور افسروں کو میدان جنگ میں مقابلہ کے وقت نعرۂ تکبیر اللہ اکبر کا اہتمام کرنا چاہیے اس سے اللہ کی مدد نازل ہوتی ہے اور کفار کے دلوں پر رعب طاری ہو جاتا ہے اور فوج کے امام کو ہر نماز کے بعد نعرۂ تکبیر جماعت کے ساتھ بلند کرنا چاہیے بشرطیکہ مصلحت کے خلاف نہ ہو۔

تنبیہ : اسلامی فوج کو ہر دن صبح و شام حسب ذیل دعائیں پڑھ لینا چاہیے۔ انشاء اللہ حفاظتِ الٰہی شامل حال ہو گی۔

(۱) سورۃ لایلاف قریش گیارہ بار۔

(۲) الم تر کیف فعل ربك باصحاب الفیل۔

(۳) لقد جاء کم، رسول ،من انفسکم عزیز علیه ما عنتم حریص علیکم بالمؤمنین رؤف رحیم۔ فان تولوا فقل حسبی اللّٰہ لا اله الا هو علیه توکلت و هو رب العرش العظیم

صبح و شام ایک بار اور تین بار پڑھ لیں تو اور اچھا ہے۔

(۴) بسم الله الذی لا یضر مع اسمه شئی فی الرض ولا فی السماء وهوالسمیع العلیم۔ تین بار۔

صبح و شام تین بار :اعوذ بکلماتِ الله التاماتِ من شر ماخلق۔

صبح و شام تین بار لا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم۔

نوٹ : جو دعائیں اسلامی فوج کے سپاہیوں اور افسروں کے لئے لکھی گئیں وہ سب مسلمان بھی پڑھتے رہیں تو اللہ تعالیٰ کی حفاظت ان کے بھی شامل حال ہو گی۔ انشاء اللہ تعالیٰ
وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ خیر خلقہ سیدنا محمد وآلہ واصحابہ اجمعین واخرود عونا ان الحمد للہ رب العلمین

ناچیز دعاگو

ظفر احمد عثمانی عفی اللہ عنہ

مقیم دار العلوم اسلامیہ۔ ٹنڈوالہ یار سندھ (شوال ۱۳۹۱ھ)

مصائب وحوادث کا علاج

حضرت حکیم الامت مولانا تھانوی کی دو نادر تحریریں

آج کل ہر طرف آلام و مصائب اور افکار و حوادث کا ہجوم ہے، مفلس اور متمول، مزدور اور سرمایہ دار، جاہل اور عالم مریض اور تندرست، محکوم اور حاکم، عوام اور خواص، سب ہی ان سے متاثر ہیں اور سکونِ قلب اور طمانیت خاطر کسی کو بھی نصیب نہیں (الا ما شاء اللہ) ہر شخص کسی نہ کسی پریشانی میں مبتلا ہے۔ پریشانی کی نوعیت مختلف ہے، کوئی تنگ دستی اور افلاس کا شکار ہے، کسی کی صحت خراب ہے، کوئی اولاد کی نالائقی اور بداطواری سے پریشان ہے، کسی کو بیوی کے ناروا طرز عمل کی شکایت ہے، کوئی شوہر کی بدسلوکی سے نالاں ہے، کسی کو اقارب واحباب کے نامناسب برتاؤ کا شکوہ ہے، اور کسی کو کوئی دوسری فکر اور پریشانی لاحق ہے۔ غرض یہ ہے کہ ؎

آما جگاہِ موجِ حوادث ہے آج کل
پتلا بنا ہوا ہے غم روزگار کا

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ مصائب و حوادث سے کس طرح نجات ملے؟ اور سکونِ

قلب کیسے حاصل ہو۔ اس سوال کا جواب دینے سے قبل یہ معلوم کرنا ضروری ہے کہ نزولِ حوادث و مصائب کا سبب کیا ہے؟ تاکہ اس کو دور کیا جاسکے۔ اس لئے کہ جب سبب دور ہو جائے گا تو مصائب اور حوادث سے خود بخود نجات مل جائے گی۔

یوں تو ہمارے بہت سے ''اصحابِ فکر و نظر'' اور ''اربابِ حل و عقد'' بھی اپنے اپنے علم و فکر کے مطابق آئے دن ان تدابیر کے متعلق غور کرتے رہتے ہیں جن پر عمل کرنے سے بھی بنی نوع انسان کو پریشانیوں اور تکلیفوں سے نجات ملے اور فلاح و عافیت نصیب ہو۔ لیکن کیا وہ اپنی کوششوں میں کامیاب ہیں؟ نہیں اور یقیناً نہیں، وجہ یہ ہے کہ انھوں نے ہمیشہ اصل مرض کی تشخیص اور ازالہء مرض کی تجویز میں ٹھوکر کھائی۔ اُن کی نظر صرف اسباب طبعیہ تک محدود رہتی ہے، اسباب اصلیہ تک نہیں پہنچتی، مثلاً ان کا خیال ہے کہ اگر اولاد کی پیدائش پر پابندی عائد کر کے آبادی کے اضافے کو روک دیا جائے، زراعت کے جدید آلات استعمال کر کے اور کاشتکاری کے نئے نئے طریقے (جو ''ترقی یافتہ'' ممالک میں رائج ہیں) اختیار کر کے مزروعہ زمین کی پیداوار بڑھائی جائے، صنعت و حرفت کی ترقی، اور بے روزگاری کے دور کرنے کے لئے نئے نئے کارخانے قائم کر لئے جائیں، سیلاب کو روکنے کے لئے بڑے بڑے مضبوط اور پختہ بند تعمیر کر لئے جائیں۔ حوادث ارضی کی روک تھام کے لئے احتیاطی تدابیر اختیار کر لی جائیں، جرائم کے انسداد کے لئے سخت اور مؤثر قدم اٹھائے جائیں، تعلیم کی کمی اور بے روزگاری کو دور کر دیا جائے، علاج کے لئے زیادہ سے زیادہ سہولتیں فراہم کر دی جائیں .... تو موجودہ تکالیف کا سدباب اور زندگی کا معیار بلند ہو جائے اور انسان خوشحال اور فارغ البالی کی زندگی بسر کرنے لگے گا۔ ان تدابیر میں سے پہلی کے سوا اکثر وہ ہیں جو اسلامی شریعت کے نقطۂ نظر سے جائز اور مستحسن ہیں اور انھیں ضرور اختیار کرنا چاہیے، لیکن یہاں ایک پہلو کی طرف توجہ دلانا مقصود ہے، اور وہ یہ کہ یہ تمام تدبیریں ظاہری اور مادی ہیں، اور مسلمان کے نقطۂ نظر سے ہرگز کافی نہیں، قرآن و حدیث نے ہمیں اپنے مصائب اور مشکلات دور کرنے کا کچھ اور طریقہ بھی بتلایا ہے، افسوس ہے کہ مسئلے کا یہ پہلو ہماری نظروں سے اوجھل ہوتا جارہا ہے۔ ان مادی وسائل کے اختیار کرنے کو کون منع کرتا ہے، اختیار کیجئے اور ضرور کیجئے، لیکن یہ یاد رکھیئے

کہ صرف یہ وسائل اصل سبب کے ازالہ کے لئے کافی نہیں۔

نزولِ حوادث و مصائب کا سبب معلوم کرنے کے لئے جب ہم قرآنِ حکیم کا مطالعہ کرتے ہیں تو حسبِ ذیل آیات ہمارے سامنے آتی ہیں :۔

ظهر الفساد فی البر والبحر بما کسبت ایدی الناس لیذیقهم بعض الذی عملوا لعلهم یرجعون۔

(خشکی اور تری میں لوگوں کے اعمال کے سبب بلائیں پھیل رہی ہیں تاکہ اللہ تعالیٰ ان کے بعض اعمال کا مزہ ان کو چکھادے تاکہ وہ باز آجائیں۔

لیکن کیا ہم اپنی بداعمالیوں سے باز آرہے ہیں ؟ پھر جب سبب دور نہ ہو تو مسبب کیسے دور ہو سکتا ہے۔

وما اصابکم من مصیبة فبما کسبت ایدیکم و یعفوا عن کثیر

اور تم کو جو مصیبت پیش آتی ہے وہ تمہارے ہی ہاتھوں سے کیے ہوئے کاموں سے پہنچتی ہے اور بہت سے گناہ تو اللہ تعالیٰ معاف ہی فرمادیتے ہیں)

اللہ اللہ یہ سزا تو ہمارے بعض اعمال کی ہے اور بہت سی خطاؤں کو تو وہ معاف ہی فرماتے رہتے ہیں۔ اگر سارے گناہوں پر گرفت ہوا کرتی تو کہاں ٹھکانا تھا، چنانچہ خود ہی فرماتے ہیں :۔

ولو یوا خذ الله الناس بما کسبوا ما ترك علی ظهر ها من دابة و لکن یؤخرهم الی اجل مسمی۔ فاذا جآء اجلهم فان الله کان بعباده بصیرا۔

اگر اللہ تعالیٰ لوگوں پر اُن کے اعمال کے سبب داروگیر اور مواخذہ فرمانے لگتے تو روئے زمین پر ایک متنفس کو نہ چھوڑتے لیکن وہ ایک میعاد معین تک مہلت دے رہے ہیں، سو جب ان کی وہ میعاد آپہنچے گی اس وقت اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو آپ دیکھ لیں گے)

لہذا ہم کو اس کا علاج کرنا چاہیے اور وہ علاج یہی ہے کہ اپنے اعمال سیۂ کو حسنات سے بدلہ جائے اور گذشتہ گناہوں سے استغفار کیا جائے، واللہ اس کے سوا ان بلاؤں کا کوئی علاج نہیں ؎

ہیچ کنجے بے دو وبے دام نیست

جز مخلوت گاہ حق آرام نیست

(خلوت گاہ حق یعنی تعلق مع اللہ کے سوا کہیں آرام نہیں")

کاش ہماری سمجھ میں یہ بات آجائے کہ

یہ سب بلائیں ہمارے گناہوں کی وجہ سے آرہی ہیں اور اُن کا علاج توبہ واستغفار، ترک معاصی اور دعا ہے۔

قرآن وحدیث میں مصائب کا جو اصل سبب اور اُن کے ازالہ کی جو صحیح تدبیر بیان کی گئی ہے۔ اس سے صرف نظر اور روگردانی کر کے "عقلائے زمانہ" اصلاحِ حال کے لئے کتنی ہی اور کیسی ہی کوشش کیوں نہ کرلیں راقم السطور کی یہ پیشن گوئی نوٹ کرلی جائے کہ ہرگز کامیاب نہ ہوں گے مرض کی تشخیص صحیح نہ ہو تو علاج کبھی کامیاب نہیں ہو سکتا اور عازم کعبہ اگر ترکستان کی طرف جانے والے راستہ پر چلنے لگے تو یہ یقین غلط نہیں کہ وہ منزل مقصود پر نہ پہنچ سکے گا بلکہ اس سے بعید تر ہوتا چلا جائے گا۔ چنانچہ تجربہ شاہد ہے کہ جو غلط تدابیر اب تک اختیار کی گئیں ان کا انجام یہی ہوا کہ اصلاح کی جگہ فساد بڑھتا رہا اور حالت روز بروز بد سے بدتر ہوتی چلی گئی، ع

مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی

جب انسان صراط مستقیم سے بھٹک جائے اور عقل سے صحیح طور پر کام نہ لے تو اس کی رائے بھی غلط ہو گی اور عمل بھی۔ اس کو ایک مثال سے واضح کرنا چاہتا ہوں، مثلاً اگر کسی علاقے میں سیلاب یا طوفان آ جائے تو قرآن وحدیث کی روشنی میں اس کا صحیح علاج تو یہ ہے کہ جائز ظاہری ومادی وسائل کو اختیار کرنے کے علاوہ ہم گذشتہ گناہوں سے استغفار کریں، جو گناہ کر رہے ہیں ان کو ترک کردیں اور آئندہ کے لئے گناہ نہ کرنے کا پختہ ارادہ کرلیں اور اللہ تعالیٰ سے نہایت عاجزی اور تضرع وزاری کے ساتھ ازالہ مصائب کے لئے دعاء کریں اور اپنے مصیبت زدہ بھائیوں کی جائز اور بقدر وسعت گنجائش زیادہ سے زیادہ مدد کریں۔ لیکن جب عقل پر پتھر پڑ جاتے ہیں تو یہ سیدھا اور صحیح علاج انسان کی سمجھ میں نہیں آتا اور وہ سیلاب وطوفان سے متاثر ہونے والے افراد کی مالی مدد کرنے کے لئے مثلاً ورائٹی

شواور ایکٹریسوں کا میچ کراتا ہے اور ٹکٹ فروخت کر کے یا کسی دوسرے طریقہ سے جو شرعاً ناجائز اور اللہ کو ناپسند ہو رقم حاصل کرتا ہے اور اس طرح اپنی ہمدردی کا ثبوت دیتا ہے۔ اس سے بڑھ کر ظلم اور کیا ہو سکتا ہے کہ انسان یہ جانتے اور مانتے ہوئے کہ گناہوں کی وجہ سے اللہ کا قہر و غضب نازل ہوتا ہے، گناہوں کو ترک کر کے اللہ کو راضی کرنے کی بجائے پھر گناہ کر کے اس کے مزید قہر کو دعوت دے۔ اللہ کے قہر کو تو اللہ کا لطف ہی دور کر سکتا ہے اور وہ حاصل ہوتا ہے اوامر کے امتثال اور نواہی کے اجتناب سے۔

بہر حال سمجھ میں آئے یا نہ آئے، لیکن جیسا کہ کتاب و سنت سے ثابت ہے، حقیقت ہے یہی کہ مصائب و حوادث (قحط، گرانی، پریشانی، بلاء وبا، تباہی و بربادی، ہلاکتِ جان و مال، امساکِ باراں، پیداوار میں کمی وغیرہ) کا سبب حق سبحانہ و تعالیٰ کی نافرمانی و عدول حکمی اور معاشی (کثرتِ فواحش، زنا، و مقدماتِ زنا، لواطت و مقدماتِ لواطت، سود، شراب، ناپ تول میں کمی اور زکوۃ نہ ادا کرنا، وغیرہ) کا ارتکاب ہے۔ جس خطۂ زمین پر زناکاری، شراب نوشی، سود خوری، رشوت ستانی، بے حیائی و عریانی، قتل و غارت گری، اغوا و اغلام اور دوسرے فواحش و معاصی کی کثرت ہو وہاں اللہ کی رحمت نازل ہو گی یا اس کا قہر و غضب؟ ؎

اُس زمین پر آگ اور اخگر برسنے چاہئیں
برق گرنی چاہیے اژدر برسنے چاہئیں

عام طور پر یہ خیال کیا جاتا ہے کہ جو شخص تندرست ہے، صاحبِ اولاد ہے، اعلیٰ تعلیم یافتہ ہے، جس کے پاس کثیر دولت، شاندار مکانات، عمدہ اور نفیس ساز و سامان، بیش قیمت اور آرام دہ سواریاں اور ملازم و خدمت گار موجود ہیں اور جس کو جاہ و اقتدار، حکومت و عظمت اور سیادت و قیادت حاصل ہے وہ بہت خوش قسمت ہے و راس کو سکونِ قلب حاصل ہے، یہ درست ہے کہ یہ تمام چیزیں اسباب راحت ہیں لیکن عین راحت نہیں، اسباب راحت اور راحت لازم و ملزوم نہیں، یعنی یہ ضروری نہیں کہ جہاں اسباب راحت موجود ہوں وہاں راحت بھی ہو۔ دنیا اپنے غلط معیار کی ناء پر جن لوگوں کی ظاہری کامیابی اور کامرانی پر رشک کرتی ہے، اُن کے حالات کا قریب سے مطالعہ

اور مشاہدہ کیا جائے تو انسان بعض اوقات یہ دیکھ کر حیران رہ جاتا ہے کہ یہ نازو نعمت، عیش و عشرت اور آرام وراحت میں زندگی بسر کرنے والے، طوفان رنگ وبو میں غرق ہوں جانے والے اور اپنے زعمِ باطل میں نغمہ ورقص و جام و سبو سے زندگی کی تلخیوں کو دور کرنے کی کوشش کرنے والے اپنے پہلو میں کس قدر بے چین اور بے قرار دل رکھتے ہیں، اور زندگی کی حقیقی لذتوں اور مسرتوں سے کس درجہ محروم، اور ناآشنا ہیں۔ اسبابِ راحت کو لے کر کوئی کیا کرے؟ اس سے ثابت ہوا کہ اسبابِ راحت مقصود بالذات نہیں مقصود بالغیر ہیں۔ پھر وہ کون سا طریقہ ہے جس سے سکون قلب یقینی طور پر حاصل ہو جائے اس کا جواب نہ سائنس دانوں کے پاس ہے اور نہ اربابِ علم و حکمت کے پاس۔ اس کا جواب بھی قرآن ہی میں ہے۔

چنانچہ حق تعالیٰ شانہ کا ارشاد ہے :۔

الا بذکر اللہ تطمئن القلوب

(خوب سن لو کہ اللہ کے ذکر سے دلوں کو اطمینان نصیب ہوتا ہے)

ہم تلاش کرتے ہیں سکونِ قلب کو اعلیٰ درجہ کے ماکولات و مشروبات، ملبوسات و مسکونات، دولت و ثروت میں، حکومت و سلطنت اور قیادت و امارت میں، حالانکہ یہ دولت صرف اللہ کے ذکر سے حاصل ہوتی ہے۔ اگر آپ اپنی جدوجہد اور سعی و کاوش سے اسباب راحت جمع کرنے میں کامیاب بھی ہو گئے تب بھی یاد بغیر ترک معاصی اور رجوع الی اللہ تعلق مع اللہ اور ذکر اللہ کے نہ تو آپ کو غم واندوہ سے نجات ملے گی اور نہ سکونِ خاطر نصیب ہوگا۔

اے کاش تیرے دل میں اتر جائے میری بات

مرشدی وسندی حضرت حکیم الامۃ و مجدد الملۃ مولانا اشرف علی صاحب تھانوی نور اللہ مرقدہ وبرد اللہ مضجعہ کے دو مضمون اب سے تقریباً ۵۳ سال قبل رسالہ الامداد (تھانہ بھون ضلع مظفر نگر) میں زیر عنوان "الاحکام الواقتیہ" ماہ جمادی الاولیٰ ۱۳۳۴ھ و جمادی الاخری ۱۳۳۴ھ میں شائع ہوئے تھے ان کا بنیادی موضوع بھی یہی تھا۔ ذیل میں یہ دو تحریریں افادۂ عام کے لئے حاضر ہیں، امید ہے کہ ہم سب کے لئے سامانِ عبرت ہونگی۔

اسباب القحط والغلا

(۱) ابن ماجہ نے حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے ایک طویل حدیث میں یہ بھی روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ نہیں کم کیا کسی قوم نے ناپ اور تول میں مگر مبتلا ہوئے قحط سالی اور سخت مشقت میں، اور نہیں بند کی کسی قوم نے زکوۃ اپنے مال کی، مگر محروم کئے گئے آسمانی بارش سے، پس اگر بہائم نہ ہوتے تو بالکل بارش ہی نہ ہوا کرتی، الحدیث اور

(۲) معجم طبرانی میں حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ فرمایا رسول اللہ ﷺ نے کہ نہیں کم کیا کسی قوم نے ناپ تول کو مگر روک لیا اللہ تعالیٰ نے اُن سے بارش کو الحدیث۔

(۳) امام احمدؒ نے حضرت عمرو بن العاصؓ سے روایت کیا ہے کہ سنا میں نے رسول اللہ ﷺ سے کہ فرماتے تھے نہیں کوئی قوم کہ ظاہر ہوا اُن میں زنا مگر پکڑے جائیں گے قحط میں الحدیث (من علاج القحط والوباء)

(۴) حضرت ابن عباسؓ سے یہ بھی روایت ہے کہ نہیں کم کیا کسی قوم نے ناپ اور تول کو مگر قطع کیا گیا اُن سے رزق الحدیث۔ روایت کیا اس کو مالک نے

(من المشکوۃ باب تغیر الناس)

ان احادیث سے اسباب قحط و گرانی و امساک باراں و کمی رزق کے یہ معلوم ہوئے۔

☆ ناپ تول میں کمی کرنا

☆ زکوۃ نہ دینا

☆ زنا کرنا

حق تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ اگر وہ لوگ ایمان لاتے اور تقویٰ کرتے تو البتہ کشادہ کر دیتے ہم ان پر برکتیں آسمان سے اور زمین سے (شروع پارہ ۹) اس آیت سے معلوم ہوا کہ ایمان اور تقویٰ میں کمی کرنا سبب ہے پیداوار بارش آسمانی اور زمین کی کمی کا۔

جب اسباب اس کے مشخص ہو گئے تو علاج اس کا ان اسباب کا ازالہ ہے، یعنی ایمان کی درستی اعمال کی درستی تمام معاصی سے توبہ و استغفار کرنا خصوص حقوق العباد میں کوتاہی کرنے سے اور زکوۃ ادا نہ کرنے سے اور زنا اور اس کے مقدمات سے کہ وہ بھی بحکم زنا ہی ہیں، جیسے بری نگاہ کرنا، نامحرم سے باتیں بقصدِ لذت کرنا۔ اس کی آواز سے لذت حاصل کرنا، خصوص گانے بجانے سے، چنانچہ حق تعالیٰ نے صریحاً بھی اس کو علاج فرمایا ہے کہ اپنے پروردگار کے روبرو اعمالِ سیئہ سے) استغفار کرو پھر (اعمالِ صالحہ سے) اُس کی طرف متوجہ ہو وہ تم پر بارش کو بڑی کثرت سے بھیجے گا۔ (پارہ ۱۲ ارکوع ۴)

اب اکثر لوگ بجائے ان اسباب اصلیہ کے اسباب طبعیہ کو مؤثر سمجھ کر علاج مذکور کی طرف توجہ نہیں کرتے اور صرف حکایت و شکایت کا یا رائے زنی و پیشین گوئی تخمینی کا شغل رکھتے ہیں جو محض اضاعت وقت ہے۔ ہم اسباب طبعیہ کے منکر نہیں مگر اُن کا درجہ اسباب اصلیہ کے سامنے ایسا ہے جیسے کسی باغی کو بحکم شاہی گولی سے ہلاک کیا گیا، دوسرا دیکھنے والا اصلی سبب یعنی قہر سلطانی کو سبب نہ کہے اور طبعی سبب یعنی صرف گولی کو سبب کہے حالانکہ اس طبعی سبب کے استعمال کا سبب وہی سبب اصلی ہے۔ مگر جو شخص اس کو نہ سمجھے گا وہ بغاوت سے پرہیز نہ کرے گا۔ گولی کا توڑ تجویز کرے گا جو کہ اس کی قدرت سے خارج ہے۔ سو کیا یہ غلطی نہیں ہو گی؟ یہی حالت ہم لوگوں کی ہے۔

فروع

☆ بعض لوگ، امساکِ باران کے لئے کچھ تعویذ لکھ کر آسمان کے نیچے رکھتے ہیں۔

☆ بعض جو پہلوں سے اسلم ہیں چندہ کے طور پر کچھ جنس و نقد جمع کر کے کھانا پکوا کر تقسیم کرتے ہیں۔

☆ بعض جوان پچھلوں سے اصلح ہیں دعا کرتے ہیں اور نماز استسقاء پڑھتے ہیں۔

سو امر اول تو تاثیر میں کالعدم ہے اور اگر مجہول الحقیقت ہو تو بوجہ عدم جواز مضر ہے اور امر ثانی نافع ہے مگر، ناکافی ہے اور اگر قواعد شرعیہ کے موافق نہ ہو چنانچہ جمع کرنے میں وجاہت سے کام لینا یا تقسیم میں اپنے نفس کو یا اپنے اہل خصوصیت کو بدون حاجت یا بدونِ اندازِ حاجت دوسرے مساکین پر مقدم رکھنا اور ہل اثر کا اس میں مالکانہ تصرف کرنا جیسا کہ یہ امور مشاہد ہیں تو برعکس اور زیادہ مضر ہے۔ امر سوم بدلیل ورودِ سنت کافی ہے، مگر جب کہ صرف صورت پر کفایت نہ کی جائے بلکہ صورت کے ساتھ معنی اور روح کو بھی جمع کیا جائے اور روح اس دعاء واستفسار کی استغفار ہے چنانچہ حصن حصین میں جو دعاء حضور ﷺ سے استسقاء کی وارد ہے اس میں "فارسل السماء علینا مدرارا" کے قبل یہ جملے ہیں "انت المستغفر الغفار نستغفر ک للحامات من ذنوبنا و نتوب الیک من عوام خطایانا" پھر فارسل "کو متفرع فرمایا گیا ہے جس سے ضرورتِ جمع واضح طور پر ثابت ہے۔

لطیفہ عنایت ______ اس مضمون کے لکھنے کے بعد ایک نماز کے بعد دعا کی بارش کی گئی۔ عرض کیا گیا کہ دعاء کے ساتھ گناہوں سے بھی توبہ کرو کہ زیادہ سبب بارش نہ ہونے کا یہی ہمارے گناہ ہیں چنانچہ استغفار بھی کیا گیا۔ اُسی تاریخ میں خدا تعالیٰ کا فضل ہوا کہ ایک معتد بہا مدت تک کے لئے کافی بارش ہو گئی وللہ الحمد۔

لطیفہ عبارت (۱) ـــــــــ اس ماہ کے اور ماہ آئندہ کے مضامین احکام وقتیہ میں ایک عجیب اتفاقی رعایت ہو گئی کہ ایک مضمون کے ہر جزو کے محاذاۃ میں دوسرے مضمون کا ایک ایک جزو واقع ہوا ہے، کہیں تقابل کے ساتھ، کہیں تشاکل و تماثل کے ساتھ، چنانچہ باہم تطابق سے یہ رعایت معنویہ معلوم کر کے حظ ہو گا۔

لطیفہ عبارت (۲) ـــــــــ دونوں مضمونوں کے موضوع یعنی غلاء ووباء میں عادۃً کسی قدر جمود و رکود یعنی قرار بھی ہوا کرتا ہے تو دونوں کا ہر دو ماہ جمادین میں درج ہونا بھی عجیب رعایتِ مناسبت لفظیہ ہے۔

اسباب البلاء والوباء

وز زنا افتد وبا اندر جہات

☆ ابن ماجہ نے حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ "نہیں ظاہر ہوئیں بے حیائی کی باتیں کسی قوم میں حتی کہ کھلم کھلا کرنے لگیں مگر مبتلا ہوئیں طاعون میں اور ایسی بیماریوں میں جو اُن کے باپ دادوں میں کبھی نہ ہوئی ہوں گی۔ الحدیث اور

☆ معجم طبرانی میں حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ فرمایا رسول اللہ ﷺ نے کہ نہیں ظاہر ہوا کسی قوم میں زنا مگر ظاہر ہوئی ان میں موت یعنی وبا۔ الحدیث۔

☆ سماک ابن حرب نے عبدالرحمٰن سے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کا ارشاد نقل کیا ہے کہ جب ظاہر ہوتا ہے سود اور زنا کسی بستی میں حکم فرماتا ہے اللہ تعالیٰ اس کی ہلاکت کا۔

☆ صحیح مسلم میں حدیث ہے کہ ڈھانک دیا کرو برتن کو اور بند کر دیا کرو مشکیزہ کو، کیونکہ سال بھر میں ایک شب ہوتی ہے کہ اس میں وبا نازل ہوتی ہے۔ جس برتن یا مشکیزہ پر اس کا گذر ہوتا ہے جو کہ ڈھکا ہوا اور بند نہ ہو اس میں وہ وبا داخل ہو جاتی ہے (من علاج القحط و الوباء)

☆ حضرت ابن عباسؓ سے یہ بھی روایت ہے کہ نہیں رائج ہوا زنا کسی قوم میں مگر کثرت سے ہونے لگی ان میں موت۔ الحدیث روایت کیا اس کو مالک نے (من المشکوۃ باب تغیر الناس)

ان احادیث سے اسباب طاعون وامراض عجیبہ اور مطلق وبا اور ہلاکت جان بالموت یا بالقتل یا ہلاکت مال بالقحط یا بالغارۃ کے یہ معلوم ہوئے۔

☆ زنا اور مطلق کثرتِ فحش، جس میں زنا کے مقدمات اور امرد پرستی سب داخل ہیں۔

☆ سود کا لین دین۔

☆ برتنوں کا شب کو کھلا رہنا۔

حق تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ پس نازل کی ہم نے اُن ظالموں پر (یعنی ظالمان بنی اسرائیل پر) ایک آفت سماوی (یعنی طاعون کمافی التفاسیر) اس وجہ سے کہ وہ عدول حکمی کرتے تھے ادھر (پارہ یکم قریب نصف)۔ اس آیت سے معلوم ہوا کہ مطلق نافرمانی بھی سبب ہوتا ہے طاعون کا۔

جب سب اسباب مشخص ہو گئے تو علاج اس کا اُن اسباب کا ازالہ ہے یعنی فرماں برداری کرنا اور معاصی کا ترک کرنا اور ہر نافرمانی سے توبہ و استغفار کرنا۔ خصوص فحش مثل زنا و مقدمات زنا ولواطت و مقدمات لواطت مثل نظر بد و تلذذ بالکلام وغیرہ سے اور سود کے لین دین سے اور یہ تدبیر دافع بھی ہے اور مانع بھی اور شب کے وقت برتنوں کو ڈھانکنا اور یہ تدبیر صرف حافظ اور مانع ہے۔ چنانچہ حق تعالیٰ نے صریحاً بھی اس تدبیر کو علاج فرمایا کہ تم اپنے پروردگار کے روبرو (اعمال سیئہ سے) استغفار کرو پھر (اعمال صالحہ سے) اُس کی طرف متوجہ ہو بے شک وہ تم کو وقت مقرر (یعنی ختمِ عمر) تک خوش عیشی دے گا یعنی اسباب پریشانی وبلیات سے محفوظ رکھے گا۔

اب اکثر لوگ بجائے ان اسباب اصلیہ کے اسباب طبعیہ کو موثر سمجھ کر علاج مذکورہ کی طرف توجہ نہیں کرتے اور صرف حکایت و شکایت کا یا تعداد اموات یا سب وشتم طاعون وبا کا شغل رکھتے ہیں جو محض اضاعتِ وقت ہے ہم اسبابِ طبعیہ کے منکر نہیں مگر اس کا درجہ اسباب اصلیہ کے سامنے (جیسا کہ اس کے قبل اسباب القحط والغلاء کے مضمون میں بھی لکھا گیا ہے) ایسا ہے جیسے کسی باغی کو بحکم شاہی گولی سے ہلاک کیا گیا دوسرا دیکھنے والا اصلی سبب یعنی قہر سلطانی کو نہ دیکھے اور طبعی سبب یعنی صرف گولی کو سبب کہے حالانکہ اس طبعی سبب کے استعمال کا سبب وہی سبب اصلی ہے جو شخص اس کو نہ سمجھے گا وہ بغاوت سے پرہیز نہ کرے گا۔ گولی کا توڑ تجویز کرے گا جو کہ اس کی قدرت سے خارج ہے، سو کیا یہ غلطی نہ ہو گی یہی حالت ہم لوگوں کی ہے فقط۔

فروع

☆ بعض لوگ حفظ یا دفع وباو بلا کے لئے بستی کو چھوڑ کر خواہ اس کے نواح میں یا دوسرے بلاد میں منتقل ہو جاتے ہیں اور ادویۂ حافظہ ودافعہ کا استعمال کرتے ہیں۔

☆ بعض لوگ جو پہلوں سے اسلم ہیں تعویذ ابواب پر یا اعناق میں چسپاں و آویزاں کرتے ہیں یا آدمیوں پر اور بعضے جانوروں پر مثل چیلوں وغیرہ کے گوشت وغیرہ تصدق کرتے ہیں یا کسی بکرے وغیرہ پر کسی خاص طریقہ سے کچھ دعاء پڑھ کر اُس کو ذبح کر کے باہم گوشت تقسیم کیا کرتے ہیں یا سورۃ تغابن وغیرہ پڑھا کرتے ہیں، یا علاوہ اذانِ نماز کے زائد اذانیں پکار پکار کر کہتے ہیں۔

☆ بعضے جو ان پچھلوں سے بھی اصلح ہیں دعا کرتے ہیں اور بزرگوں سے دعاء کراتے ہیں۔

سو امر اول تو تاثیر میں جس حد تک عام لوگوں کا زعم ہے کہ اس کو مؤثر طبعی غیر مختلف سمجھتے ہیں اُس درجہ میں کالعدم ہے ہاں باذن الخالق مع احتمال التخلف اثر ثابت ہے اور اگر مؤثر

یقینی سمجھے یا دوسری بستی میں منتقل ہو جائے یا حرام دوا استعمال کرے تو بوجہ معصیت ہونے کے مضر اور سببِ غضبِ حق ہے، اور امر ثانی کے اجزاء بجز جزء اخیر یعنی زائد اذانوں کے کہ خلافِ سنت ہے باقی اجزاء نافعہ ہیں مگر نا کافی ہیں، اور اگر قواعد شرعیہ کے موافق نہ ہوں مثلاً جانوروں کو آدمیوں پر مقدم کرنا یا گوشت ہی کی تخصیص کا اعتقاد کرنا یا یہ سمجھنا کہ اس گوشت میں بلا لپٹی ہوئی ہے یا مساکین کی تقسیم کے لئے اسی طرح چندہ جمع اور خرچ کرنا جیسا پرچہ سابقہ کے فروع میں مذکورہ ہے تو بر عکس اور زیادہ مضر اور اذان للطاعون کا غیر مشروع ہونا مدلل و مفصل فتاویٰ امدادیہ جلد سوم نمبر ۱۷ میں مذکور ہے، اور امر ثالث بدلیل حدیث "لا یرد القضاء الا الدعاء" کافی ہے مگر جب کہ صرف صورت پر کفایت نہ کی جائے بلکہ صورت کے ساتھ معنی و روح کو بھی جمع کیا جائے اور روح اس دعا کی توجہ الی اللہ و ترکِ معاصی ہے۔ چنانچہ حدیث میں ہے "ان الله لا یستجیب الدعاء عن قلب لاه" اور ایک لمبی حدیث میں ہے کہ ایک شخص کا لباس و طعام وغیرہ سب حرام ہے اور وہ دعاء کرتا ہے " فانی یستجاب له" جس سے ضرورت جمع واضح طور پر ثابت ہوتی ہے فقط۔

(ماہنامہ البلاغ کراچی)

وفاداری

خلیفہ منصور ایک مرتبہ مدینہ آئے تو اونٹ والوں کی ایک جماعت نے ان کے خلاف قاضی محمد بن عمران کی عدالت میں مقدمہ دائر کر دیا، قاضی نے منصور کے پاس بلاوا بھیجا، قاصد ڈرتے ڈرتے پیغام لے کر پہنچا تو منصور مدینہ طیبہ کے معزز افراد کے ساتھ بیٹھے تھے، قاضی کا پیغام سن کر انھوں نے لوگوں سے کہا " مجھے عدالت میں بلا گیا ہے، اب میں وہاں جا رہا ہوں، لیکن میرے جاتے وقت تم میں سے کوئی تعظیماً کھڑا نہ ہو۔" یہ کہہ کر وہ مسجد نبوی کی طرف چلے جہاں بیٹھ کر قاضی محمد بن عمران فیصلے کیا کرتے تھے، جا کر پہلے روضہ اطہر پر سلام عرض کیا پھر قاضی کی مجلس میں پہنچے، قاضی

نے اونٹ والوں کو بلایا، منصور ان کے ساتھ بالکل مساوی حیثیت پر بیٹھے، کاروائی شروع ہوئی، گواہ پیش ہوئے، قاضی نے منصور کے خلاف اونٹ والوں کے حق میں فیصلہ کر دیا ______ منصور واپس پہنچے تو اپنے خادم سے کہا: "جاؤ، جب قاضی صاحب فارغ ہو جائیں تو انھیں بلا لانا" ______ تھوڑی دیر بعد قاضی محمد بن عمران تشریف لے آئے، آکر سلام کیا، منصور نے سلام کا جواب دے کر کہا۔

"تم نے اپنے دین، اپنے نبیؐ، اپنے حسب و نسب اور اپنے خلیفہ کے ساتھ وفاداری کا حق ادا کر دیا، اس کی جزاء تو تمہیں اللہ دے گا میں نے تمھارے واسطے انعام کے طور پر دس ہزار درہم کا حکم لکھ دیا ہے۔"

اسلامی نظام کے بنیادی اصول

شیخ الاسلام مولانا ظفر احمد عثمانی

اسلامی نظام کے بنیادی اصول :

مولانا مرحوم نے اس سوال کے جواب میں کہ آپ کی جمعیت کا منشور کیا ہو گا؟ حسب ذیل تحریر منشور کے دیباچہ کے طور پر سپرد قلم فرمادی تھی جس کو افادۂ عام کے لئے اس جگہ بعینہ "صوت الاسلام" ۱۲جون ۱۹۷۰ء سے نقل کر دینا مناسب معلوم ہوتا ہے۔ صوت الاسلام کی عبارت حسب ذیل ہے :۔

"اسلامی نظام کے بنیادی اصول

ہمارا منشور وہی ہو گا جو قرآن مجید میں چودہ سو سال پہلے بتادیا گیا تھا۔

مولانا ظفر احمد عثمانی امیر اعلیٰ مرکزی جمعیت علما اسلام پاکستان

مجھ سے بارہا بعض حضرات دریافت کرتے ہیں کہ آپ کی مرکزی جمعیت علماء اسلام کا منشور کیا ہو گا؟ میں نے جواب دیا کہ جمعیت کا منشور وہی ہو گا جو قرآن حکیم میں چودہ سو سال پہلے بتا دیا گیا ہے۔ چنانچہ اس منشور کا دیباچہ قرآنی آیات سے ہی شروع کیا جاتا ہے۔ حق تعالیٰ فرماتے ہیں :۔

﴿ان الله يدافع عن الذين امنوا ان الله لا يحب كل خوان كفور اذن للذين يقاتلون بانهم ظلموا وان الله على نصرهم لقدير الذين

اخرجوا من دیارهم بغیر حق الا ان یقولوا ربنا الله ولو لا دفع الله الناس بعضهم ببعض لهدمت صوامع و بیع و صلوة و مسجدیذکر فیها اسم الله کثیرا و لینصرن الله من ینصره ان الله لقوی عزیز الذین ان مکنا هم فی الارض اقاموا الصلوة و اتوا الزکوة و امروا بالمعروف و نهوا عن المنکر و لله عاقبة الامور۔﴾

ترجمہ : بلا شبہ اللہ تعالیٰ (ان مشرکین کے غلبہ اور ایذا کو) ایمان والوں سے (عنقریب) ہٹا دے گا۔ بے شک اللہ کسی دغا باز کفر کرنے والے کو نہیں چاہتا (بلکہ اُن سے ناراض ہے) اس لئے انجام کاران کو مغلوب اور مومنین کو غالب کر دے گا۔ اب ان لوگوں کو لڑنے کی اجازت دے دی گئی جن سے (کافروں کی طرف سے) لڑائی کی جاتی ہے کیونکہ (ان پر بہت) ظلم کیا گیا ہے۔ بلا شبہ اللہ تعالیٰ ان کے غالب کر دینے پر بڑی قدرت رکھتا ہے جو اپنے گھروں سے (بے وجہ) نکالے گئے محض اتنی بات پر کہ وہ یوں کہتے ہیں کہ ہمارا رب اللہ ہے۔ اور اگر یہ بات نہ ہوتی کہ (اللہ تعالیٰ ہمیشہ سے) لوگوں کا ایک دوسرے (کے ہاتھ سے روزانہ گھٹاتا رہتا ہے۔ (کہ اہل حق کو اہل باطل پر وقتاً فوقتاً غالب نہ کرتا رہتا) تو (اپنے اپنے زمانوں میں) نصاریٰ کے خلوت خانے اور یہود کے عبادت خانے اور (مسلمانوں کی) مسجدیں جن میں اللہ کا نام بکثرت لیا جاتا ہے سب منہدم ہو گئے ہوتے اور بے شک اللہ تعالیٰ ان کی مدد کرے گا جو اس (کے دین) کی مدد کرے گا۔ بے شک اللہ تعالیٰ قوت والا اور غلبہ والا ہے۔ یہ لوگ ایسے ہیں کہ اگر ہم ان کو دنیا میں حکومت دے دیں تو یہ لوگ خود بھی نماز کی پابندی کریں (اور دوسروں کو بھی نماز کی تاکید کریں گے) اور زکوۃ دیں گے اور دوسروں کو نیک کاموں کا امر اور برے کاموں سے منع کریں گے اور سب کاموں کا

انجام اللہ ہی کے اختیار میں ہے۔" (پس اہل باطل کے موجودہ غلبہ سے یہ کیونکر کہا جا سکتا ہے کہ انجام بھی ان کا یہی رہے گا۔ بلحہ ممکن ہے کہ اس کا برعکس ہو جائے۔ چنانچہ جب تک مسلمان نماز کے پابند رہے زکوۃ دیتے رہے، نیکی پھیلاتے رہے بدی کو مٹاتے رہے اللہ تعالیٰ ان کو کفار پر غالب کرتا رہا)۔

ان آیات کی پوری تفسیر بیان القرآن ص ۴۷، ۵۷ ج ۷ میں ملاحظہ ہو جس سے وہ تمام شبہات رفع ہو جائیں گے جو بظاہر یہاں بعض لوگوں کو پیش آتے ہیں۔

۱۔ پس اگر اللہ نے چاہا ہماری جماعت بر سر اقتدار آگئی تو سب سے پہلے ہم سب مسلمانوں کو نمازی بنائیں گے۔ عمداً نماز چھوڑنے کو قانونی مجرم قرار دے کر سزا دیں گے کیونکہ نماز ایمان کے بعد سب سے بڑا فرض ہے اور اگر نماز باقاعدہ پڑھی جائے تو فحشاء منکر سے روکتی ہے اور جماعت سے پڑھی جائے تو قوم میں اتحاد و اتفاق پیدا کرتی ہے معاشرہ کو درست کرتی ہے۔ان الصلوة تنهى عن الفحشاء و المنكر نماز سے اللہ کی یاد دل میں جمی رہتی ہے ولذكر الله اكبر اللہ کی یاد بہت بڑی چیز ہے خدا سے غفلت ہی تمام خرابیوں کی جڑ ہے۔

۲۔ پھر ہم مالداروں، سرمایہ داروں، زمینداروں سے زکوٰۃ اور عشر و نصف عشر لے کر فقراء و مساکین پر تقسیم کریں گے۔ ہم مالداروں، سرمایہ داروں اور زمینداروں کی ذاتی ملکیت کو باطل نہ کریں گے مگر ان کو زکوٰۃ، عشر ادا کرنے پر مجبور کریں گے ہم بنکوں انشورنس کمپنیوں کو قومی ملکیت نہ بنائیں گے بلحہ ان کو عقد مضاربت وغیرہ کے اسلامی طریقے اختیار کرنے پر مجبور کریں گے اور جو سودی رقم بینکوں اور انشورنس کمپنیوں میں جمع ہے اس کو اصل مالکوں کو واپس کر دیں گے اور جس کا مالک معلوم نہ ہو اس سودی رقم کو فقراء و مساکین پر صرف کریں گے۔

۳۔ ہم نیکی پھیلائیں گے اور سب سے بڑی نیکی عدل وانصاف اور احسان اور قرابت داروں کو ان کا حق دینا۔ میراث کو باقاعدہ تقسیم کرنا، یتیموں، بیواؤں اور اپاہجوں و معذوروں کی نگہداشت کرنا ہے۔

ان اللہ یا مرکم بالعدل و الا حسان و ایتاء ذی القربی و ینھی عن الفحشاء و المنکر و البغی یعظکم لعلکم تذکرون۔

"یقیناً اللہ تعالیٰ عدل وانصاف اور احسان کا حکم دیتے ہیں اور قرابت والوں کو ان کا حق دینے کا بھی اور بے حیائی اور ہر برائی سے منع کرتے ہیں اور ظلم سے بھی۔"

۴۔ ہم ہر برائی سے رعایا کو روکیں گے اور سب سے بڑی برائی زناکاری، عریانی بے حیائی اور شراب خوری، سود خوری، رشوت خوری، چوری ڈکیتی اور غریبوں کمزوروں پر ظلم کرنا ہے۔ ہم اللہ کے بھروسہ پر یقین رکھتے ہیں کہ اگر اسی طرح کا نظام اسلام قائم ہو گیا تو ملک میں کوئی ننگا، بھوکا گھر نہیں رہے گا، ہم ہر بچہ کا وظیفہ بیت المال سے مقرر کریں گے جب تک کہ وہ بھی کسب معاش کے قابل نہ ہو جائے کیونکہ اس وقت تک وہ بھی معذوروں میں داخل ہے۔ ہم طلبہ کے لئے بھی جب تک وہ تعلیم حاصل کریں گے بیت المال سے وظیفہ مقرر کریں گے۔

"للفقراء الذین احصروا فی سبیل اللہ لا یستطیعون ضربافی الارض

ہم مسلمانوں کو بھائی بھائی بنائیں گے۔ جغرافیائی اور قبائلی عصبیت سے روکیں گے

ہم دین دار، دیانت دار لوگوں کو حکومت کے مناصب پر قائم کریں گے بشرطیکہ وہ اس کام کے قابل بھی ہوں جو کام ان کو دیا جائے۔ کسی کو محض ڈگری حاصل کر لینے یا سفارش بہم پہنچانے پر کوئی عہدہ نہ دیا جائے گا۔ بلکہ کام کی قابلیت کو ہی دیکھا جائے گا۔ ہم آہستہ آہستہ اردو بنگلہ میں تمام علوم کی تعلیم کا انتظام کریں گے۔ انگریزی کو ذریعہ تعلیم بنانے کا طریقہ تدریجاً بند کر دیں گے۔ انگریزی زبان کی تعلیم کے ہم خلاف نہیں ہیں۔ ہم دینی مدارس کے طلبہ پر بھی عربی اور انگریزی زبان بولنے اور لکھنے

پڑھنے کے لئے زور دیں گے کیونکہ تبلیغ کے لئے اس کی ضرورت ہے۔

ہم ممالک اسلامیہ اور ممالک غیر اسلامیہ میں تبلیغ کا پورا اہتمام کریں گے تاکہ کفار بھی اسلامی محاسن سے واقف ہو جائیں اور مسلمان بھی پکے مسلمان بن جائیں۔

ہم مسلمانوں کو اسرائیل اور اس کے معاونین کے خلاف جہاد کے لئے تیار کریں گے تاکہ مسجد اقصےٰ اور فلسطین پر مسلمانوں کا دوبارہ قبضہ ہو جائے۔ اس کے لئے مدارس، سکولوں اور کالجوں وغیرہ میں عسکری تعلیم کا انتظام کریں گے تاکہ طلباء بھی جہاد کر سکیں۔

جو لوگ کہتے ہیں کہ اس وقت نظام اسلام جاری کرنا ممکن نہیں وہ ہمارے منشور کا دیباچہ پڑھ کر بتلائیں کہ اس میں کیا چیز ناممکن العمل ہے؟

رہا یہ کہ علماء دنیوی علوم سے ناواقف ہیں تو بحمد اللہ! بعض علماء بی اے ایم اے بھی ہیں اور بعض صالحین بھی ایسے ہیں جو دنیوی علوم کے ماہر ہیں، ہم ان سے بھی کام لیں گے۔ اور یہ کہنا کہ علماء سیاست سے بالکل بے بہرہ ہیں سراسر غلط ہے وہ اسلامی سیاست سے بخوبی واقف ہیں۔ جو شخص قرآن کریم اور حدیث نبویؐ کے علوم و معارف سے پوری طرح واقف ہے اور جس نے ”حجۃ اللہ البالغہ“ کا سمجھ کر مطالعہ کیا ہے وہ سیاست اسلامی سے ناواقف نہیں ہو سکتا اور شیطانی سیاست سے ناواقف ہونا کوئی عیب نہیں بلکہ عین کمال ہے۔ لیکن اس کے باوجود علماء مسلمانوں کو اس سے بچانے کے لئے بقدر ضرورت اس کی واقفیت بھی حاصل کر لیتے ہیں۔ جس طرح فلسفۂ یونان سے واقف ہوئے اور اس کا رد کر کے مسلمانوں کو اس فتنہ سے بچایا اسی طرح آج کل سیاست سے واقف ہو کر مسلمانوں کو فتنہ سے بچاتے ہیں۔

(بحوالہ صوت الاسلام)

ہفت روزہ (لاہور)

اسلام اور سائنس

از حضرت مولانا ظفر احمد عثمانیؒ

بعد الحمد والصلوۃ۔ آج کل بعض یورپین حضرات اور ان کے ہمنواؤں کا یہ خیال ہے کہ اسلام اور سائنس میں تضاد ہے حالانکہ اہل اقتصاد محققین یورپ اس بات کو تسلیم کرتے ہیں کہ جس وقت یورپ دہشت وبربریت کا شکار تھا اس وقت قرطبہ اور بغداد سائنس میں عروج پر تھا رصد گاہیں قائم کی جارہی تھیں، طبیعات و فلکیات میں مسلمان ترقی کر رہے تھے ریاضی اور ہیئت میں نئی صورتیں پیدا کی جارہی تھی۔ الجبرا مسلمانوں کی ایجاد ہے۔ ہوائی جہاز بھی غبارہ کی شکل میں مسلمانوں نے ایجاد کیا، شمسی مہینوں کو موسم کے موافق موافقت دینا کسی مہینہ کو ۲۸ دن کبھی ۲۹ دن کا قرار دینا اور اس طرح شمسی مہینوں کو موسم کے مطابق کر دینا مسلمانوں ہی کا کام تھا۔ گھڑی گھنٹہ مسلمانوں نے ایجاد کیا خلیفہ ہارون الرشید کا گھنٹہ اب تک پیرس میں موجود ہے جو خلیفہ اسلام

نے شاہ فرانس کو بطور تحفہ بھیجا تھا۔ خلیفہ ہارون الرشید کے باغ میں سونے کی چڑیاں درختوں پر بٹھلائی گئی تھیں، جب خلیفہ باغ میں تشریف لاتے بٹن دبانے سے سب چڑیوں کے منہ سے ادخلوھا بسلام آمنین کی آواز نکلتی تھی۔ گویا ریڈیو بھی مسلمانوں کی ایجاد ہے، بندوق سب سے پہلے سلطان بابر کے ہاتھ میں دیکھی گئی، قلعہ شکن توپوں کی نظیر منجنیق مسلمانوں نے ایجاد کی تھی۔ ڈاک کا انتظام بھی اس وقت سے اچھا تھا۔ حجاج بن یوسف نے تین دن میں ایک منجنیق جس کا نام عروس تھا کوفہ سے کراچی پہنچا دی تھی۔ گھوڑوں کی ڈاک سے وہ کام لیا گیا جو آج کل ریلوں سے بھی نہیں ہو سکتا کبوتروں کی ڈاک اس سے بھی زیادہ تیز رفتار تھی۔ غرض جس زمانہ میں یورپ سائنس دانوں کو سولی پر چڑھا رہا تھا آگ میں جلا رہا تھا اس وقت مسلمان سائنس میں برابر ترقی کر رہے تھے۔ بحری جہاز گو اس وقت آج سے بہتر نہ سہی مگر یہ واقعہ ہے کہ مسلمانوں نے ان ہی جہازوں سے تمام دنیا کو روند ڈالا تھا۔ وہ وہاں پہنچے جہاں اب تک یورپ کے بحری جہاز نہیں پہنچ سکے۔ ابن بقلون سدِّ سکندری تک پہنچ گیا جس کا اب تک اہل یورپ کو پتہ نہیں چلا۔ امریکہ کی دریافت کا سہرا بھی عربوں کے سر ہے۔ کولمبس سے پہلے امریکہ پہنچ گئے تھے۔ یورپین نو مسلم خالد شیلڈرک نے رنگون میں اپنی تقریر میں یہ واقعہ بیان کیا تھا کہ جب کولمبس کا جہاز امریکہ پہنچا تو وہاں ایک بستی میں عرب آباد تھے۔ جو عربی بولتے تھے، یورپ نے اس حقیقت پر پردہ ڈال کر کولمبس کے سر پر امریکہ کی دریافت کا سہرا باندھ دیا۔ کیمیاء اور طب میں مسلمانوں کی معلومات اور ایجادات سے یورپ نے سبق لیا۔ ریاضی ہندسہ حساب میں بھی ان کی رہنمائی کے محتاج ہوئے، چنانچہ ان علوم کے بعض اصطلاحات اب تک عربی ہی میں بیان کی جاتی ہیں۔

قرآن کریم میں ارشاد ہے۔

" افلم ینظرو فی ملکوت السموات و الارض و ما خلق اللہ من شئی"

کیا یہ لوگ آسمانوں اور زمینوں کی مملکت میں غور نہیں کرتے اور جو اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا ہے اس کو نہیں دیکھتے۔

قرآن پاک میں ملکوت السموات والارض میں غور کرنے کی بار بار تاکید ہے۔ اور اس کا بھی ہم

نے سلیمان علیہ السلام کے لئے ہوا کو مسخر کر دیا تھا۔ غدوھا شھر و رواحھا شھر جوان کو ایک مہینہ کی مسافت پر صبح کو اور یک ماہ کی مسافت پر شام کو لے جاتی اور پہنچاتی ہے۔

داؤد علیہ السلام کے لئے پہاڑوں اور پرندوں کو مسخر کر دیا تھا کہ ان کے ساتھ تسبیح پڑھیں۔ اللہ تعالیٰ نے انبیاء کے لئے آج سے اچھا ہوائی جہاز اور آج سے اچھا ریڈیو دیا تھا۔ سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ کے لئے برق کو مسخر کر دیا کہ مکہ سے شام اور وہاں سے آسمانوں پر عرش تک سیر کرائے۔

" سبحن الذی اسری بعبده لیلا من المسجد الحرام المسجد الاقصی، الذی بارکنا حوله لنریه من آیتنا انه هو السمیع البصیر، و لقد راه نزلته اخری عند سدرة المنتهی اذیغشی السدره ما یغشی مازاغ البصر "

ہمارے نبی اکرم ﷺ اسی فضا سے زمین و آسمان کے درمیان میں بہت آگے تشریف لے گئے ہیں، جہاں تک سائنس والے کبھی نہیں پہنچ سکتے۔ ابھی تک تو چاند پر بھی نہیں پہنچے۔

الغرض اسلام سائنس کا مخالف نہیں بلکہ ملکوت السموات و الارض میں فکر کرنے اور غور کرنے کی دعوت دیتا ہے، اسلام سائنسی مشاہدات کا مخالف نہیں البتہ سائنس دانوں کے ان نظریات کا مخالف ہے جو اپنی عقل سے پیدا کرتے ہیں مثلاً یہ کہ دنیا کا دارومدار نظام شمسی پر ہے اور نظام شمسی خود ہی چل رہا ہے یعنی اللہ تعالیٰ کا بنایا ہوا نہیں یا جملہ اجسام کی بنیاد مادہ اور صورت یا اجزاء ی مسقراطیی پر ہے اور یہ قدیم نہیں، خدا کے بنائے ہوئے نہیں، ظاہر ہے کہ ان نظریات کی بنیاد پر نہیں بلکہ اپنی عقل و فہم پر ہے۔

اسلام سائنس کی تائید اسی درجہ میں کرتا ہے کہ اس سے خاص کائنات کی حکمت و عظمت علم و قدرت اور وحدیت کا سبق لیا جائے انبیاء علیہم السلام ہو لیا براق کو اسی لئے مسخر کیا گیا تھا کہ وہ اللہ کی قدرت کی نشانیاں دیکھیں۔ اور مخلوق کو اس سے آگاہ کریں۔ اگر سائنس سے یہ کام لیا جائے اور طبعیات و فلکیات کے مشاہدوں سے اپنی اقتصادیات اور فوجی طاقت میں ترقی کی جائے، تو

جائے اور طبعیات و فلکیات کے مشاہدوں سے اپنی اقتصادیات اور فوجی طاقت میں ترقی کی جائے، تو اسلام اس سے نہیں روکتا، البتہ سائنس دانوں کے من گھڑت نظریات پر یقین کرنے سے ضرور روکتا ہے کیونکہ اس کا مدار ان کی اپنی عقل و فہم پر ہے، مشاہدہ پر نہیں اس لئے ان سب چیزوں کو ثانوی درجہ پر رکھتا ہے۔ اول درجہ میں عقائد، عبادات واخلاق روحانیات کو قرار دیتا ہے کہ انسانیت کی ترقی اس سے ہے۔ آپ ہوا میں اڑنے لگے تو پرندے آپ سے زیادہ اس میں کامیاب ہیں۔ پانی پر چلنے لگے تو سمندری جانور اس میں آپ سے زیادہ ماہر ہیں۔ انسانیت کا کمال یہ ہے کہ اس کو عقائد و عبادات واخلاقیات اور روحانیات کا صحیح علم حاصل ہو۔ ورنہ اور جتنے کام ہیں ان میں جانور انسان سے کم نہیں بلکہ دس قدم آگے ہی نظر آئیں گے۔ اس سائنسدان کی عقل پر افسوس ہے جو دنیا بھر سے واقف ہے مگر خود اپنے سے واقف نہیں اگر وہ اپنے اندر غور کرتا تو نظر آتا کہ ان چاند سورج تاروں سے آگے جہاں اور بھی ہیں جو اس کو اپنی روح اور قلب کی گہرائیوں میں نظر آئیں گے۔

آسمان ہاست ورود لایت کار فرمائے آسمان جہان
غیب را ابر و آبے دیگراست آسمانے آفتابے دیگر است

اگر انسان اپنے سے واقف ہو جائے اور اپنے اندر نظر کرنے لگے تو اللہ تعالیٰ کی معرفت سے سرفراز ہو جائے اور اس کے بعد دنیا بھر کے عجائبات پر نظر کرنے سے مستغنی ہو جائے۔

وما علینا الا البلاغ

(خطبات اکابر جلد سوم)

عصر حاضر میں مسافتِ قصر کی تحقیق

الحمد لله و کفی و سلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ

احکام سفر سے متعلق دو رسالے میری نظر سے گذرے، یہ دونوں عربی میں ہیں جو ترکی کے بعض فضلاء نے تصنیف کیئے ہیں اور ہمارے پاس پاکستان میں ترکی سفارت خانے کے توسط سے پہنچے ہیں۔

مذکورہ رسالوں کا خلاصہ مندرجہ ذیل دو باتوں میں بیان کیا جاسکتا ہے۔

۱۔ سفر کی مدت میں تین دن اور تین رات ہی کا اعتبار ہے۔ میل، فرسخ یا اس طرح کی اور کسی قسم کی مسافت شرعاً معتبر نہیں۔

۲۔ سفر میں رخصت کا مدار مشقت پر ہے۔ دوسرے الفاظ میں رخصت کی علت مشقت ہے۔ مشقت نہ ہونے کی صورت میں رخصت بھی نہ ہوگی۔

آئندہ چند سطور میں انشاء اللہ ہم اپنی تحقیق پیش کریں گے اور اس سلسلے میں جو بات شرعاً صاف اور صحیح ہے اسے واضح اور مدلل طریقے سے بیان کرنے کی کوشش کریں گے، وعلی الله الاعتماد و هو حسبنا الله و نعم الوکیل۔

اصل جواب شروع کرنے سے پہلے ہم چند بنیادی اصول بیان کرتے ہیں تاکہ جواب منضبط ہو اور بات لمبی ہونے کی بجائے سمٹ کر آجائے۔

پہلا اصول :۔ کسی مسئلہ پر مجتہدین کا اجماع ایک قطعی حجت ہے اور کسی کے لئے اس کی مخالفت جائز نہیں، کسی بھی زمانے میں اگر مجتہدین کسی مسئلے میں اختلاف کریں اور ہر ایک مجتہد ایک الگ قول اختیار کرلے تو ان مختلف اقوال کے علاوہ کوئی الگ مسلک باطل ہوگا، اور کسی شخص کے لئے یہ جائز نہیں کہ وہ ان اقوال کے علاوہ اپنا کوئی الگ قول اختیار کرلے۔

(نور الانوار ص ۲۲۳)

اس اصول کو اصول فقہ کے تمام علماء نے بیان کیا ہے۔ تفصیل کے لئے دیکھئے توضیح تلویح، احکام الاحکام فواتح الرحموت وغیرہ۔

دوسرا اصول :۔ عوام ہوں یا وہ علماء جو اجتہاد کی اہلیت نہیں رکھتے اگرچہ وہ اجتہاد میں معتبر بعض علوم سے واقف ہوں ان سب کے لئے ضروری ہے کہ مجتہدین کے قول کی اتباع کریں اور انھیں کے فتوے پر عمل کریں جیسا کہ محققین کا اس پر اتفاق ہوا ہے۔

(احکام الاحکام للآمری ص ۳۰۶ ج ۴)

پس کسی شخص کے لئے یہ جائز نہیں کہ وہ قرآن وحدیث میں خود اجتہاد کرکے اس پر عمل شروع کردے، جب تک کہ اس کا اجتہاد کسی مجتہد کے قول کے مطابق نہ ہو۔

تیسرا اصول :۔ بسا اوقات ظاہری علامت اور سبب کو اصل واقعے اور مسبب کے قائم مقام کردیا جاتا ہے، یہ اس وقت جبکہ اصل واقعے کا ادراک مشکل یا ناممکن ہو تو واقعے کا سبب، علامت کو اصل واقعہ قرار دے کر اس واقعے کا حکم اس علامت پر لگادیا جاتا ہے جیسا کہ سفر اور عورت کا حیض سے پاک ہونا، ان دونوں مثالوں میں دلیل کے قائم مقام قرار دیا گیا ہے، سفر میں عموماً چونکہ مشقت ہوتی ہے اس لئے نفس سفر کو مدار حکم بنایا گیا خواہ کسی سفر میں مشقت نہ بھی ہو تب بھی قصر اور افطار کا حکم نفس سفر پر دائر رہے گا۔ اور مشقت سے صرف نظر کرلی جائے گی، اس لئے کہ مشقت تلاش کرنا

اور اس کا کوئی معیار مقرر کرنا بہر حال مشکل ہے خصوصاً جبکہ ہر شخص کا انداز فکر اور ہر شخص کے حالات مشقت کے بارے میں دوسرے شخص سے مختلف ہیں، اگرچہ اصل کے اعتبار سے اس حکم کی وجہ مشقت تھی۔

(نور الانوار ص ۲۷۷)

اب ہم کہتے ہیں کہ فقہائے احناف نے اگرچہ اس بات کی تصریح کر دی ہے کہ سفر میں تین دن اور تین رات کا اعتبار ہے، لیکن ان کا مطلب یہ بالکل نہیں کہ سفر میں صرف زمان کا اعتبار رہے اور مسافت کوئی چیز نہیں، اس لئے کہ ان کے یہاں اس بات کی تصریح ہے کہ اصل مذہب میں میل اور فرسخ کا اعتبار نہیں، بلکہ تین دن کا متوسط چلنا معتبر ہے، اور امام محمد نے تین مراحل کی مقدار بیان کی ہے۔ یہ قول بھی پہلے والے قول کی طرح ہے۔ (جس میں تین دن اور تین رات کو مدار قرار دیا گیا ہے) چونکہ عام طور پر مسافر ایک دن میں ایک مرحلہ کی مسافت طے کرتا ہے

(فتح القدیر۔ ۲ ج ۳)

اور ''ہدایہ'' میں ہے۔ امام ابو حنیفہؒ سے تین مراحل مقدار مروی ہے اور یہ پہلے قول کی طرح ہے۔ میل اور فرسخ کا اعتبار نہیں، یہی صحیح قول ہے۔ محقق ابن ہمام فتح القدیر میں فرماتے ہیں۔ صاحب ہدایہ کا اس قول کو صحیح کہنا ان اقوال سے احتراز ہے جس میں میل اور فرسخ کے ساتھ مقدار بیان کی گئی ہے۔ بعض نے اکیس، بعض نے اٹھارہ اور بعض نے پندرہ فرسخ کی مقدار بیان کی ہے دراصل اقوال کے اس اختلاف کی وجہ یہ ہے کہ جس نے پندرہ فرسخ کی مسافت بیان کی ہے اُس نے یہی سمجھا کہ تین دن میں اتنی ہی مسافت قطع کی جاسکتی ہے اسی طرح اکیس اور اٹھارہ والے اقوال میں بھی یہی ہوا لیکن صحیح بات یہ ہے کہ اس طرح کی کوئی متعین مقدار بیان نہ کی جائے۔ اس لئے کہ اگر سفر دشوار گذار راستے کا ہو اور تین دن میں پندرہ فرسخ کی مسافت قطع نہ ہو سکی تو نص کی رو سے تو قصر کا حکم ہو گا اس لئے کہ مسافت تین دن کی پوری ہو چکی ہے۔ اور ان اقوال کے اعتبار سے چونکہ ابھی تک پندرہ یا اٹھارہ یا اکیس فرسخ پورے نہیں ہوئے اس لئے قصر کا حکم نہیں ہوگا۔ پس اس تعارض کی وجہ سے یہاں کسی متعین مسافت کی مقدار معتبر نہیں ہوگی بلکہ تین دن اور تین رات کے

سفر کا اعتبار ہوگا۔ (ص ۹۲ ج ۳)

اور کفایہ میں فرمایا کہ صاحب ہدایہ کا یہ کہنا کہ یہ قول پہلے قول کے قریب ہے، اس کا مطلب یہ ہے کہ تین مراحل کی مقدار تین دن کی مقدار کے قریب ہے۔اس لئے کہ عموماً ایک دن میں ایک مرحلہ ہی چلنا ہوتا ہے، خصوصاً سال کے مختصر دنوں میں، مبسوط میں بھی ایسا ہی ہے، پھر فرمایا کہ اکثر مشائخ نے اس کی مقدار فراسخ کے ساتھ بھی مقرر کی ہے البتہ اس سلسلے میں ان کے درمیان اختلاف ہے۔ بعض نے اکیس فرسخ کا اعتبار کیا ہے اور بعض نے اٹھارہ اور پندرہ کا۔

فتویٰ اٹھارہ والے قول پر ہے اس لئے کہ تمام اقوال میں سے یہ معتدل قول ہے محیط میں ایسا ہی مذکور ہے۔ (ص ۵ ج ۲)

اور ''بحر'' میں مجتبیٰ کے حوالے سے خوارزم کے اکثر ائمہ کا فتویٰ پندرہ والے قول پر نقل کیا گیا ہے۔ (ص۔ ۱۴۔ ج ۲)

میں کہتا ہوں کہ یہ قول بخاری کی اس تعلیق کے بھی بہت زیادہ قریب ہے، جسے امام بخاری نے اپنے ایک ترجمۃ الباب کے ذیل میں ذکر کیا ہے، اس کا حاصل یہ ہے کہ حضرت ابن عمرؓ اور حضرت ابن عباسؓ چار بریدوں والی مسافت میں قصر اور افطار کیا کرتے تھے، اور چار برید سولہ فرسخ کے مساوی ہوتے ہیں۔

ص ۱۴۷ ج ۱ (یاد رہے ایک برید بارہ میل کا اور ایک فرسخ تین میل کا ہوتا ہے، اس اعتبار سے چار برید یا سولہ فرسخ اڑتالیس میل کے مساوی ہوتے ہیں مترجم)

علامہ عینی نے عمدۃ القاری میں مذکورہ تعلیق کی سند پر بحث کرتے ہوئے فرمایا، ابو عمر کہتے ہیں کہ حضرت ابن عباسؓ کی یہ روایت معروف ہے اس کی سند متصل ہے اور اس کے راوی ثقہ ہیں، اور یہ روایت متعدد طرق سے مروی ہے، ص ۵۳۸ ج ۳ میں کہتا ہوں یہ روایت حضرت ابن عباس سے مرفوعاً بھی منقول ہے حضرت ابن عباسؓ نبی کریم ﷺ سے روایت کرتے ہیں آپ ﷺ نے فرمایا: اے مکے کے لوگو! مکہ، عسفان تک کے راستے میں چار بریدوں سے کم میں نماز قصر مت کرو۔

راوه الطبرانی فی الکبیر من روایة ابن مجاهد عن ابیه و عطاء، قال الهیثمی ولم

اعرفه و بقية رجاله ثقات اھ مجمع الزوائد ص ۲۰۵ ج ۱

اور تلخیص جبیر میں ہے امام شافعیؒ نے فرمایا کہ سفیان نے مجھے عمرو عن عطاء کے واسطے سے ابن عباسؓ کی ایک روایت سنائی ہے، ان سے پوچھا گیا کہ کیا عرفہ تک کے سفر میں نماز کا قصر ہو گا؟ تو انھوں نے جواب دیا کہ نہیں، البتہ عسفان، جدہ اور طائف تک کے سفر میں قصر ہو گا، اس کی سند بھی صحیح ہے (الخ ص ۱۲۹۔ج ۱)

امام مالکؒ نے موطا میں فرمایا کہ مجھے ابن عباسؓ کی یہ روایت پہنچی ہے کہ وہ مکہ اور طائف جیسے اور مکے اور عسفان جیسے اور مکے اور جدہ جیسے سفر میں نماز کا قصر کیا کرتے تھے، یحییٰ فرماتے ہیں کہ امام مالکؒ نے فرمایا کہ اس کی مسافت چار برید کے برابر ہوتی ہے (الخ ص ۵۲) میں کہتا ہوں کہ اس کا جواب گزر چکا ہے کہ یہ مسافت متوسط رفتار کے ساتھ تین دن کی بنتی ہے، لہذا اس کی وجہ سے حضرت ابن عمرؓ کی وہ روایت ترک نہیں کی جائے گی کہ جب ان سے پوچھا گیا کہ کتنی مسافت میں نماز کا قصر کرنا چاہیے تو انھوں نے سائل سے فرمایا کیا تم سویدار کو جانتے ہو۔ سائل نے جواب دیا نہیں، البتہ میں نے اس کا نام سنا ہے، حضرت ابن عمرؓ نے فرمایا کہ وہ متوسط طور پر تین راتوں کی مسافت پر ہے۔ اگر ہم وہاں جائیں گے تو نماز کا قصر کریں گے۔ اس روایت کو امام محمد بن حسن نے کتاب الآثار میں نقل کیا ہے، اس کی سند صحیح ہے اور اس کے روای ثقہ ہیں۔

پس متعین طور پر قصر کی مسافت یہی ہے، رہی وہ روایت جس کو امام بخاری نے حضرت ابن عمرؓ و ابن عباسؓ سے نقل کیا ہے اور وہ روایت کہ جس کو دوسرے حضرات نے ابن عباسؓ سے نقل کیا ہے تو اس کی تحدید تخمینی ہے لہذا دونوں قولوں میں تعارض نہیں۔ لیکن تین دن کی مسافت کا انضباط اور اس کی تحدید چونکہ عوام کے لئے بہت مشکل ہے اور ان کے اندازے اس سلسلہ میں بہت مختلف ہوتے ہیں اس لئے مشائخ نے فراسخ کے ساتھ اس کی مقدار بیان کی ہے اور فتویٰ پندرہ فرسخ والے قول پر ہے۔ جیسا کہ پہلے بیان کیا جا چکا ہے اور یہ مقدار چار بریدوں کے قریب ہے اور تحدید ابن عباسؓ وغیرہ سے منقول ہے اور مرفوعاً بھی وارد ہے اگرچہ وہ روایت ضعیف ہے، امام مالکؒ نے اسی کو اختیار کیا اور ہمارے متاخرین فقہاء نے عوام کی سہولت کے لئے اسی قول پر فتویٰ دیا،

اس لئے کہ چار برید کی مسافت متوسط رفتار کے ساتھ چلتے ہوئے تین دن میں قطع ہو جاتی ہے۔ اور یہ متوسط رفتار اونٹوں کی چال ہے اور پیدل چلنا ہے خوب سمجھ لیجئے۔

اور مختصر مزنی میں ہے امام شافعیؒ نے فرمایا کہ اگر کسی شخص نے چھیالیس میل کا سفر کیا تو اسے نماز کا قصر کرنا چاہیے، اور ابن عباسؓ نے فرمایا میں جدہ گیا، طائف تک اور عسفان تک کے سفر میں قصر کروں گا۔ امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ ان مقامات میں سے قریب ترین مقام کا فاصلہ مکہ سے چھیالیس میل کا ہے، پھر فرمایا جہاں تک میرا تعلق ہے تو میں تین دن سے کم میں قصر نہیں کروں گا، میں اپنے حق میں اسی کو احتیاط سمجھتا ہوں، (ص ۱۲۱ ج ۱) ___ اور ''ام'' میں امام شافعیؒ نے فرمایا کہ یہ بات ہمیں نہیں پہنچی کہ دو دن سے کم کے سفر میں بھی قصر ہو گا، البتہ عام طور پر فقہاء و مشائخ کی جو بات ہم تک پہنچ سکی ہے تو یہ سب حضرات اس بات پر متفق ہیں کہ دو دن سے کم میں قصر نہیں ہو گا۔ پس میرے نزدیک آدمی کے لئے مناسب یہی ہے کہ اگر سفر دو درمیانی راتوں کے بقدر ہے تو وہ قصر کرے، اس میں مقدار بھی چھیالیس ہاشمی میل بنتی ہے اور اس سے کم کے سفر میں قصر نہ کرے۔ الخ ______ میں کہتا ہوں چھیالیس میل کی مسافت متوسط رفتار کے ساتھ عادۃً تین دن ہی بن جاتی ہے ______ لہذا امام شافعیؒ کا قول اور ہمارا قول اس باب میں قریب قریب ہی ہے، اور مذکورہ تفصیل سے یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ احناف کا قول اس باب میں بہت مضبوط ہے۔

مذکورہ تفصیل سے یہ بات بھی آپ کی سمجھ میں آگئی ہو گی کہ تین دن کے ساتھ سفر کی تحدید کرنا صرف زمانی تحدید نہیں ہے، بلکہ اس میں زمانی اور مکانی دونوں جہتوں کی رعایت ہے اور سیر سے مراد تین دن کا متوسط چلنا ہے جو اونٹوں کا چلنا ہے یا پیدل۔ اور اس کی دلیل وہ روایت ہے جو امام ابو حنیفہؒ سے منقول ہے کہ انھوں نے مراحل کے ساتھ اس کی مقدار بیان کی ہے، اور امام مالکؒ نے چار بریدوں کے ساتھ اور امام شافعیؒ نے چھیالیس میل کے ساتھ بیان کی ہے اور یہ بھی چار بریدوں کے قریب ہی ہے۔ اور ہمارے احناف کے مشائخ نے کبھی اکیس فرسخ کبھی اٹھارہ اور کبھی

پندرہ فرسخ کی مقدار بیان کی ہے ______ اور مجتہدین کا جب کسی زمانہ میں کسی مسئلے کے اندر اختلاف واقع ہوا اور مختلف اقوال جمع ہو جائیں تو جیسا کہ پہلے اصول میں بیان کیا گیا ہے ایسی صورت میں یہ بات طے شدہ اور مجمع علیہ ہے کہ ان اقوال کے علاوہ کوئی بھی قول باطل اور خلاف اجماع ہوگا، اور کسی کو شرعاً اس کی اجازت نہیں کہ وہ ان تمام اقوال مختلفہ سے ہٹ کر کوئی الگ مذہب اختیار کرلے۔

یہاں ایک مشہور اشکال جو عام طور سے لوگوں کے ذہن میں ہوتا ہے پیش آسکتا ہے کہ فقہاء نے پیدل چلنے یا اونٹوں کے چلنے کو جو متوسط چال قرار دیا ہے تو یہ ان کے اپنے زمانہ کے اعتبار سے ہے کہ اس زمانے میں نقل وحمل کے یہ جدید ترین وسائل نہیں تھے اور اگر یہ حضرات موجودہ تیز رفتار راستوں کا مشاہدہ کرتے خصوصاً فضائی راستہ جو دن بہ دن پھیلتا اور تیز ہوتا چلا جارہا ہے تو انکے لئے ضرور کوئی حکم بیان کرتے اور ایسی مسافت متعین کردیتے جو ان جدید اور تیز رفتار راستوں کے مناسب ہوتی، جیسا کہ انھوں نے سمندری اور پہاڑی راستوں کے لئے الگ الگ مسافت بیان کی ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ ان حضرات فقہاء نے اگرچہ موجودہ تیز رفتار راستوں کو نہیں دیکھا تھا، لیکن اس جیسے تیز رفتار وسائل اس زمانے میں بھی، مثلاً یہ کہ اس زمانے میں تیز رفتار گھوڑے سواری کے لئے استعمال کیئے جاتے تھے اس زمانہ کے برید (ڈاک) کا کام بھی بہت تیز رفتار گھوڑوں سے لیا جاتا تھا، نیز اولیاء کرام کی کرامتوں کی وہ مثالیں بھی ان کے سامنے تھیں کہ وہ سال بھر کا راستہ اپنی روحانی قوت سے ایک دن یا چند دنوں میں قطع کر لیا کرتے تھے، لیکن اس کے باوجود انھوں نے ان چیزوں کا اعتبار نہیں کیا اور سفر کے حکم کی بناء تین دن کے چلنے پر رکھی اور چلنے سے مراد اونٹوں کا چلنا اور پیدل چلنا مراد لیا۔

اگر یہ اشکال کیا جائے کہ ان فقہاء نے شاید مذکورہ عام حکم اس لئے بیان کیا کہ اس مانے میں مذکورہ بالا تیز رفتار ذرائع ناپید تھے یا بہت ہی کم تھے اور آج کے زمانے میں موجودہ تیز رفتار سائل عام ہو چکے ہیں۔

تو اس کا جواب یہ ہے کہ موجودہ تیز رفتار وسائل بھی اس قدر عام نہیں ہیں کہ لوگوں کی عمومی عادت میں داخل ہو گئے ہوں، اس لئے کہ دنیا میں غریب اور فقیر لوگ اکثریت میں ہیں اور وہ ہوائی جہاز یا ریل سے سفر کرنے کی استطاعت نہیں رکھتے موجودہ تیز رفتار وسائل سے تو صرف مالدار لوگ ہی فائدہ اٹھا سکتے ہیں، جہاں تک فقراء کا تعلق ہے تو وہ
عام طور پر پیدل سفر کرتے ہیں یا اونٹ، گدھے اور خچر کو سفر کے لئے استعمال کرتے ہیں، اور یہ ایسی واضح اور صاف حقیقت ہے جس کا انکار کر نہیں کیا جا سکتا، اس لئے کہ اکثر حجاج جو عرفات میں جمع ہوتے ہیں ان میں سے اکثر ایسے ہوتے ہیں جو پیدل چل کر آتے ہیں یا اونٹ وغیرہ پر سوار ہو کر آتے ہیں اور ایسوں کی تعداد کم ہوتی ہے جو بحری یا ہوائی جہازوں سے پہنچتے ہوں ____ صرف عرفات ہی میں نہیں بلکہ ہر ملک میں اس کا مشاہدہ ہے غرباء اور فقراء موجودہ تیز رفتار وسائل سے فائدہ نہیں اٹھا سکتے ____ یہ دوسری بات ہے کہ کوئی شخص ٹکٹ لئے بغیر چوری چھپے کسی جہاز یا ریل میں بیٹھ جائے، پس ہمارے لئے یہ کسی حال میں جائز نہیں کہ متقدمین و متاخرین میں سے کسی فقیہ نے اختیار نہ کیا ہو ____ پس جس نے یہ کہا کہ برید اور تیز رفتار گھوڑا یا اس طرح کی اور کوئی تیز رفتار سواری عمومی عادت سے خارج ہے اس کا مطلب یہ کہ فقراء کی عادت سے خارج ہے، اغنیاء کی عادت سے خارج نہیں اور چونکہ لوگوں میں اکثریت فقراء کی ہے اس لئے مال داروں کی عادت کا اعتبار نہیں ہو گا، جبکہ معاشرہ میں ان کی تعداد فقراء کے مقابلہ میں کم ہے۔ لہذا عمومی عادت کے اعتبار سے کم آئیگا۔

اور جہاں تک اس بات کا تعلق ہے کہ نقل و حمل کے جدید ترقی یافتہ وسائل بہت کم وقت میں آدمی کو اپنے منزلِ مقصود تک پہنچاتے ہیں اور ان میں آرام اور راحت کا بھی بہت وافر انتظام ہوتا ہے، لہذا سفر کے حکم میں ان کو بھی پیش نظر رکھنا چاہیے، تو ہم تیسرے اصول میں بیان کر کے آئے ہیں کہ نفس سفر کو مشقت کے قائم مقام کر دیا ہے اس لئے کہ عموماً سفر میں مشقت ہوتی ہے ت فقہاء کے اقوال سے آزاد ہو جائیں اور کوئی نیا قول کھڑا کر لیں تو اس دلالت کی بناء پر نفس سفر ہی پر حکم لگے گا، خواہ کسی سفر میں مشقت نہ بھی ہو، لہذا اب رخصت کا دار و مدار نفس سفر پر ہو گا او

مشقت سے بالکل قطع نظر کرلی جائے گی، یہاں یہ بات اپنی جگہ حقیقت ہے کہ ابتداء حکم کا اصل منشاء مشقت تھی ــــــــ اور مذکورہ تمام فقہی دلائل کے علاوہ چونکہ آثار اور روایات سے بھی مسافت کی تحدید ثابت ہے کہ حضرت ابن عباسؓ اور حضرت عمرؓ کے آثار میں چار بریدوں کے سفر کی مسافت بیان کی گئی ہے۔ مرفوع روایت میں بھی یہی مقدار وارد ہوئی ہے۔ امام مالکؒ نے اسی کو اختیار کیا ہے۔ ہمارے مشائخ احناف نے اسی پر فتویٰ دیا ہے۔ امام شافعیؒ کا قول بھی اس کے قریب ہے۔ اس لئے کہ انھوں نے سفر کی مقدار مسافت چھیالیس میل بیان کی ہے جو تقریباً چار بریدوں کے برابر ہے، لہذا جس شخص میں خود اجتہاد کرنے کی مکمل صلاحیت نہ ہو اگرچہ اجتہاد کے لئے ضروری علوم میں سے بعض کو وہ حاصل کرچکا ہو اس کے لئے ضروری ہے کہ وہ مجتہدین کے قول پر چلے، اپنے اجتہاد پر عمل کرنے کی اس کو اجازت نہیں الا یہ کہ اس کا قول کسی مجتہد کے قول کے مطابق ہو، جیسا کہ دوسرے اصول میں ہم ذکر کرکے آئے ہیں ــــــــ پس وہ شخص اپنے گھر سے روانہ ہوا اور اس کا ارادہ کم از کم چار بریدوں کی مسافت تک چلنے کا تھا تو شہر کی حدود سے نکلنے کے بعد وہ شرعاً مسافر کہلائے گا خواہ وہ پیدل چل کر سفر کررہا ہو یا اونٹوں پر سوار ہو یا اس کا سفر بحری اور ہوائی جہاز کے ذریعہ ہو۔

هذا ما عندنا ــــــــ والله اعلم

میدان عرفات میں مسلمانان عالم سے خطاب

۹ذی الحجہ ۱۳۶۸ھ بروز اتوار نماز عصر کے بعد سعودیہ براڈکاسٹنگ کارپوریشن کے ایک افسر شیخ محمد صالح قزاز تشریف لائے اور حضرت مولانا سے عرض کیا کہ عرفات کے ریڈیو پر جو آپ کے خیمہ سے متصل ہی دوسرے خیمہ میں قائم کیا گیا ہے آدھ گھنٹہ اردو میں تقریر کریں کیونکہ اب تک سب تقریریں عربی میں ہوئی ہیں۔ ضرورت ہے کہ ہندوستانی اور پاکستانی حجاج کے لیے اردو میں بھی تقریر کی جائے۔ چنانچہ مولانا مرحوم اسی وقت ایک کاغذ پر مختصر نوٹ لکھ کر ریڈیو اسٹیشن پہنچے اور حسب ذیل تقریر فرمائی :۔

السلام علیکم ورحمة الله ۔ لبيك اللهم لبيك : لبيك لا شريك لك لبيك ان الحمد والنعمة لك والملك لا شريك لك' بعد الحمد والصلٰوة۔

آج یہ پہلا موقع ہے کہ میں اس مقدس میدان عرفات میں مملکت سعودیہ عربیہ کے براڈکاسٹنگ اسٹیشن سے تقریر کر رہا ہوں اور آج ہی کے مقدس دن سے اس کا افتتاح ہو رہا ہے۔ بندہ اس سال اس وفد کے ساتھ حاضر ہوا ہے جو حکومت پاکستان کی طرف سے حج کے موقع پر حکومت سعودیہ سے خصوصاً اور جملہ ممالک اسلامیہ سے عموماً روابط اتحاد و مروت کو مضبوط سے

مضبوط تر بنانے کے لیے بھیجا گیا ہے۔ حکومت سعودیہ عربیہ چونکہ قلب اسلام اور مرکز اسلام میں واقع ہے اس کے ساتھ روابط اتحاد و اخوت کا استحکام حکومت پاکستان کو بے حد مطلوب ہے اور خدا کا شکر ہے کہ ہم اس مقصد میں پوری طرح کامیاب ہوئے ہیں۔ حکومت سعودیہ عربیہ نے جس عزت واحترام اور لطف و کرم کا معاملہ ہمارے ساتھ کیا ہے ہم اس پر تہہ دل سے ہدیۂ تشکر و امتنان پیش کرتے ہیں۔

میں اس وقت میدان عرفات میں اس غرض سے تقریر کر رہا ہوں کہ مسلمانان پاکستان و ہندوستان کے علاوہ جملہ ممالک اسلامیہ کے مسلمانوں تک میری آواز پہنچ جائے اور مجھے امید ہے کہ سب اس کو سمجھ بھی لیں گے کیونکہ انگریزی کی طرح اردو زبان بھی تقریباً تمام ممالک اسلامیہ میں پہنچ چکی ہے اور اس کے سمجھنے والے ہر طرف موجود ہیں۔ امید ہے کہ میرے اس بیان سے تمام ممالک اسلامیہ کے ساتھ پاکستان کے روابط اتحاد و اخوت کو تقویت حاصل ہو گی۔ اس تمہید کے بعد میں بہت اختصار کے ساتھ اسرار حج اور فضائل حج کے متعلق کچھ کہنا چاہتا ہوں۔

۱۔ فریضۂ حج اسلام کے فرائض میں اعلےٰ درجہ کی عبادت ہے۔ جس میں جذبات محبت الٰہیہ کا مظاہرہ ہوتا ہے۔ تمام عبادات کا مقصد اظہار عبودیت اور شکر نعمت ہے۔ حج سے یہ دونوں مقصد پوری طرح ادا ہوتے ہیں۔ عبودیت سے مراد اپنی بندگی' غلامی اور عاجزی کا اظہار ہے اور حج میں بالخصوص حالت احرام میں انتہائی تذلل ہوتا ہے۔ طواف کعبہ بیت اللہ کے وقت جب امیر و غریب' شاہ و گدا' عربی عجمی' ہندی سندھی' چینی ترکستانی' برمی جاوی' ایرانی شامی' مصری عراقی' مرد عورت' بچے بڑے' جوان اور بوڑھے سب ساتھ مل کر کعبۃ اللہ کے گرد چکر لگاتے ہیں تو ایک عجیب عاشقانہ اور والہانہ کیفیت قلب پر طاری ہوتی ہے اور اس وقت بے ساختہ بیت اللہ کی شان میں یہ کہنے کو جی چاہتا ہے :

ے غلام نرگس مست تو تاجدار انند
خراب بادہ لعل تو ہوشیار انند

من بر آں گل عارض غزل سرایم و بس
کہ عندلیب تو از ہر طرف ہزار انند

حج میں اظہار عبودیت اور مظاہرۂ عشق و محبت کے علاوہ شکر نعمت بھی بدرجۂ اتم موجود ہے۔ کیونکہ عبادت دو قسم کی ہوتی ہے۔ بدنی جس میں جسمانی مشقت ہو اور مالی جس میں مال خرچ کرنا پڑے۔ حج میں دونوں باتیں جمع ہیں۔ مال بھی خرچ کرنا پڑتا ہے اور جسمانی کلفت و تعب بھی برداشت کرنی پڑتی ہے۔ اسی لیے حج فرض ہونے کے لیے مال اور صحت بدن شرط ہے۔ مگر سچ بتایئے گا کہ بیت اللہ پر نظر پڑتے ہی کیا آپ سفر کی تمام تکالیف و مصائب کو بھول نہیں گئے تھے۔ خدا بیت اللہ پر نظر پڑتے ہی ایسا معلوم ہوتا ہے گویا جنت میں پہنچ گئے جہاں قدم رکھتے ہی مسلمان بے ساختہ پکار اٹھے گا الحمدلله الذی اذهب عنا الحزن ان ربنا لغفور شکور۔ بیت اللہ کو دیکھتے ہی مسلمان راستے کی تمام کلفتوں کو ایک دم بھول جاتا ہے۔ حج میں درد کے ساتھ درماں اور زخم کے ساتھ مرہم بھی اعلیٰ درجہ کا ہے۔

ے درد از یار است و درماں نیز ہم
دل فدائے او شد و جاں نیز ہم

۲۔ ہر قوم و ملت کا ہر زمانہ میں دستور رہا ہے اور اب بھی ہے کہ لوگ اپنے کسی خاص مقدس مقام پر جمع ہوتے اور اپنی مذہبی روایات کی یاد تازہ کرتے۔ باہم تبادلۂ خیالات کرتے۔ ایک دوسرے سے استفادہ کرتے' اپنی قوت و شوکت کا اظہار کرتے اور شعائر مذہب کی تعظیم بجا لاتے ہیں۔ چنانچہ مذہب اسلام نے بھی اس دستور کو باقی رکھا اور اس غرض کے لیے بیت اللہ کو جو معظم شعائر اسلام میں سے ہے مقرر کیا ہے تاکہ ہر سال اطراف و اکناف عالم سے یہاں مسلمان جمع ہوں اور باہمی ربط و ضبط اور جذبات اخوت کے ساتھ ایک دوسرے سے استفادہ کریں۔ اسلامی قوت و شوکت کا مظاہرہ کریں اور شعائر اللہ کی

تعظیم بجالا کر روایات قدیمہ کی یاد تازہ کریں اور سب ایک مرکز پر جمع ہو کر لامرکزیت کے فتنہ سے محفوظ ہو جائیں۔ کیونکہ لامرکزیت سے بڑھ کر کوئی چیز بھی ہماری قومی زندگی کے لیے مضر نہیں۔

۳۔ حج باہمی اتحاد و اتفاق اور تعارف کا بہترین ذریعہ ہے جس میں ملت اسلامیہ کا عظیم الشان اجتماع اور بے نظیر مجمع ہوتا ہے اور مشرق و مغرب، جنوب و شمال سے مسلمان آتے اور باہمی تعارف کے ساتھ محبت و الفت کے جذبات کو ترقی دیتے ہیں۔ یہ ایسا عظیم الشان اجتماع ہے جس کی نظیر دنیا میں نہیں مل سکتی۔ یورپ والے تو اس کو اسلامی جنرل کانفرنس کے نام سے تعبیر کرتے ہیں اور افسوس کرتے ہیں کہ وہ اپنے یہاں آج تک ایسی اجتماعی کانفرنس قائم کرنے میں کامیاب نہ ہو سکے

۴۔ حج کوئی نئی چیز نہیں ہے سب سے پہلے آدم علیہ السلام نے ہندوستان سے سفر کر کے حج کیا تھا تو غالباً یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ ہندوستان کو یہ فخر حاصل ہے کہ سب سے پہلے سفر حج کی ابتداء اس سرزمین سے ہوئی ہے جس میں ہندوستان، پاکستان اور لنکا سب داخل ہیں۔ آدم علیہ السلام نے پیادہ پا چل کر چالیس حج کیئے پھر تمام انبیاء علیہم السلام اپنے اپنے زمانے میں حج کرتے رہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے طوفان نوحؑ کے بعد بحکم خداوندی بیت اللہ کو دوبارہ تعمیر فرمایا تو اس وقت سے حج کو زیادہ ترقی ہوئی چنانچہ جاہلیت کے زمانے میں بھی حج برابر ہوتا رہا۔ مگر اہل جاہلیت نے اس میں بہت سی شرکیات و لغویات شامل کر دی تھیں۔ شریعت اسلامیہ نے ان کی اصلاح کر کے اصل حج کو باقی رکھا تاکہ یہ قدیمی عبادت زندہ رہے اور شعائر الہٰیہ کی عظمت کا اظہار ہوتا رہے۔

۵۔ جن مقامات پر اعمال حج ادا کیئے جاتے ہیں وہ ایسے مقدس مقامات ہیں جہاں انبیاء علیہم السلام پر حق تعالےٰ کی رحمتیں نازل ہوئی ہیں۔ جب مسلمان ان مقامات پر انبیاء کے اتباع

میں وہ اعمال بجا لاتے ہیں۔ جو وہاں مشروع ہیں تو ان پر بھی رحمتِ الٰہیہ کا نزول ہوتا ہے۔

۶۔ ان مقامات کی زیارت سے انبیاء علیہم السلام کے واقعات اور ان کے صبر و رضا اور ثبات و تسلیم کا نقشہ سامنے آجاتا ہے اور بے اختیار ان کے اتباع کا داعیہ قلب میں پیدا ہوتا ہے اور اس طرح حج تزکیۂ نفس اور تکمیل ایمان کا بہترین وسیلہ بن جاتا ہے۔ مثلاً طواف کرتے ہوئے یہ بات سامنے آجاتی ہے کہ بیت للہ (خانہ کعبہ) "بیت المعمور" کے محاذات میں ہے اور آدم علیہ السلام زمین پر اترنے سے پہلے فرشتوں کے ساتھ "بیت المعمور" کا طواف کرتے اور تجلیّاتِ الٰہیہ سے سرفراز ہوا کرتے تھے۔ دنیا میں آکر انھوں نے "بیت المعمور" اور اس کے انوار و تجلیّات کو یاد کیا تو حق تعالیٰ نے عین اس کے محاذات میں خانہ کعبہ بنا دیا۔ تاکہ انسان بھی اس کا طواف کر کے اسی طرح اللہ تعالیٰ کو راضی کرلے جس طرح ملائکہ بیت المعمور کا طواف کر کے خدا تعالیٰ کو راضی کرتے ہیں اور ان تجلیّات و انوار سے اپنے قلوب و جوارح کو منوّر کریں جن سے ملائکہ منور ہوتے ہیں۔ طواف بیت اللہ سے قوت ملکیہ غالب اور قوت بہیمیہ مغلوب ہو جاتی ہے اور انسان کا روحانی معیار بلند درجہ پر پہنچ جاتا ہے۔ روشن ضمیر قلوب کو طواف بیت اللہ میں جو کیفیّت حاصل ہوتی ہے اس کو الفاظ سے بیان نہیں کیا جاسکتا۔

حج مردم زیارت خانہ بود　　　حج رب البیت مردانہ بود

صفا و مروہ کے درمیان سعی کرتے ہوئے حضرت ہاجرہ علیہا السلام کا واقعہ یاد آجاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ان کو اپنے شیر خوار بچے حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کے ساتھ وادی غیر ذی زرع میں چھوڑ دیا تھا اور وہ اللہ کی مرضی پر راضی ہو کر صبر و شکر کے ساتھ وادی مکّہ میں تنہا رہ گئیں جہاں اس وقت نہ کوئی آدم تھا نہ آدم زاد، نہ چرند تھا نہ پرند، بالکل ہو کا میدان تھا۔ جب ان کا مشکیزہ خالی ہو گیا اور اسمٰعیل علیہ السلام کے لیے نہ دودھ رہا نہ پانی تو وہ پریشان ہو گئیں اور پانی کی تلاش میں سات دفعہ صفا و مروہ پر چڑھیں کہ شاید کہیں پانی کا نشان ملے۔

اللہ تعالےٰ کو ان کی یہ ادا پسند آگئی اور صفا و مروہ کی سعی کو حج و عمرہ میں قیامت تک کے لیے واجب یا مسنون کر دیا گیا۔

پھر حق تعالےٰ نے جبرائیل علیہ السلام کو چشمۂ زمزم ظاہر کرنے کا حکم دیا۔ چنانچہ جس جگہ حضرت اسماعیل علیہ السلام پیاس سے ایڑیاں رگڑ رہے تھے اسی جگہ سے چشمہ زمزم پھوٹ نکلا جسے حضرت ہاجرہ علیہا السلام نے جلد جلد مٹی اور پتھروں سے گھیر دیا تو وہ کنوئیں کی شکل میں ہو گیا اگر وہ اس کو نہ گھیر تیں تو سارے میدان میں پانی ہی پانی ہو جاتا۔ یہ چار ہزار برس کا چشمہ قدرت الٰہیہ کا کرشمہ ہے جس سے ہر سال اس قدر پانی نکالا جاتا ہے کہ دوسرے کنوئیں تو کبھی کے ختم ہو جاتے مگر چشمۂ زمزم برابر جاری ہے۔ اس واقعہ سے عورتوں اور مردوں کو سبق لینا چاہیئے کہ ہاجرہ علیہا السلام کس قدر بلند ہمّت بلند حوصلہ اور اللہ کی مرضی پر صابر و شاکر تھیں۔ اس واقعہ کو سوچو اور اپنے کلیجہ پر ہاتھ رکھ کر دیکھو کیا کسی مرد میں بھی ایسی ہمت پائی جاتی ہے جو حضرت ہاجرہ سے ظاہر ہوئی؟ اسی کا یہ صلہ ہے کہ قیامت تک کے لیے ان کی یادگار حج اور عمرہ میں باقی رہ گئی ہے رضی اللہ تعالےٰ عنہا و عنا و بلغنا الدرجات العلی من الجنة ۔ آمین۔ (ماخوذ تذکرۃ الظفر)

جدّہ ریڈیو اسٹیشن سے عربی تقریر

حضرت مولانا مرحوم کی وہ عربی تقریر جو ۴ محرم ۱۳۶۹ھ کو جدہ براڈ کاسٹنگ اسٹیشن پر ریکارڈ کی گئی تھی۔ حسب ذیل تھی :۔

الحمد لله الملك المحسن الديان الذى شرفنا بالاسلام وكرمنا بالايمان وفضلنا على العٰلمين باقام الصلٰوة وايتاء الزكوة و الحج و صوم رمضان واتانا من فضله سلطنة الاسلاميه عظيمة باكستان۔ فلو لا باكستان لكانت الهند كلها مملكة كافرة مشركة لكثرة الهنود و غلباتهم عليها فقطعنا منها قطعة سمينها باكستان مملكة اسلامية عظيمة الشان قوية البنيان ۔ نحمده سبحانه و تعالٰى على هذه النعمة العظيمة والغنيمة الباردة الفخيمة‘ واظن بل اتيقن فان المسلمين عامة قد فرحوا بوجود هذه المملكة الاسلاميه عددا و عدة وسعة‘ فعيون

میں اللہ تعالےٰ کی حمد کرتا ہوں جو بڑا محسن کریم اور جزا دینے والا بادشاہ ہے جس نے ہمیں اسلام سے شرف دیا اور ایمان سے عزت دی اور تمام جہان پر نماز قائم کرنے زکوٰۃ ادا کرنے‘ حج کرنے‘ اور رمضان کا روزہ رکھنے سے فضیلت دی اور ہمیں اپنے فضل سے ایک بڑی اسلامی سلطنت پاکستان عطا فرمائی۔ اگر پاکستان نہ ہوتا تو ہندوستان کی حکومت سر تا سر حکومت کافرہ غیر شرعی ہوتی کیونکہ اس میں ہنود کی کثرت ہوتی انھی کا حکومت پر قبضہ ہوتا اسلیئے ہم نے ہندوستان کے ایک حصہ کو اپنے لیے الگ کر لیا اس کا نام پاکستان رکھا جو ایک اسلامی عظیم الشان اور مضبوط سلطنت ہے۔ ہم اس نعمت عظیمہ اور غنیمت باردہ فخیمہ پر اللہ تعالےٰ کا شکر ادا کرتے ہیں۔ میرا گمان بلکہ یقین ہے کہ عام طور پر سب

المسلمین شاحقه الیها لحل
المشكلات التی قد افلقتهم من
زمان وان شاء ربنا سیجدون
باكستان كما یحبون ویشاؤن و مع
ذلك فنحن اهل باكستان ننظر
الی اخواننا المسلمین باكستان
و ان كانت لمملكة عظیمةفی ذاتها
فهی فی جنت المدرتها صغیرة جدا
فلو لا قوتها بنصر الله تعالیٰ و باتحاد
الممالك الاسلامیه معهاحتی یكون
المسلمون كلهم جماعه واحده و
عسكرا واحدلم یقم بها شان و
عسكرا واحدا لباكستان نصر من
الله و تائید من الممالك الاسلامیه
منظفر لمرادنا ان شاء الله و تحل
مشكلا تنا فی الشریح زمان وهذا
هو الغرض الوحید الذی جاء وفد
باكستان لا جله الی المملكة
السعودیه العربیه فی موسم الحج
لتقویٰ لذلك الروابط و بین المملكة
السعودیه خاصة لكونها فی مركز

مسلمانوں کو پاکستان کے بنانے سے بہت خوشی
ہوئی ہے کیونکہ اسلامی سلطنتوں میں وہ سب
سے بڑی سلطنت ہے آبادی کے لحاظ سے بھی،
سازو سامان کے اعتبار سے بھی اور رقبہ کی
وسعت میں بھی تمام مسلمانوں کی نگاہیں
پاکستان پر ہیں کہ وہ ان مشکلات کو حل کرے
گا۔ جنھوں نے مدت سے مسلمانوں کو پریشان
کر رکھا ہے اور اللہ نے چاہا تو پاکستان کو ایسا ہی
پائیں گے جیسا کہ چاہتے ہیں مگر ساتھ ہی میں
یہ بھی کہہ دینا چاہتا ہوں کہ ہم اہل پاکستان بھی
اپنے بھائیوں کی طرف دیکھ رہے ہیں جس
طرح وہ ہم کو دیکھ رہے ہیں کیونکہ پاکستان
اگرچہ فی نفسہ بڑی سلطنت ہے مگر اپنے
دشمنوں کے سامنے بہت چھوٹی ہے اگر اللہ
تعالیٰ اور ممالک اسلامیہ کا اتحاد اس کے ساتھ
نہ ہو کہ سب مل کر ایک جماعت اور ایک لشکر
بن جائیں تو پاکستان کچھ نہ کر سکے گا البتہ اگر
پاکستان کو اللہ کی مدد اور ممالک اسلامیہ کی
تائید حاصل ہو گئی تو انشاء اللہ ہم اپنے
مقاصد میں کامیاب ہو کر تمام مشکلات پر جلد
قابو پالیں گے۔ یہی وہ واحد غرض ہے کہ
جس کے لیے وفد پاکستان موسم حج

الاسلام وبالممالك الاسلاميه عامة لاجتماع عظما الاسلام و زعمائه وامرائه بمكة فی هذه الایام و ما اهدی جزیل الشکر و جمیل الثناء منی و من اهل باکستان کافة الی جلاله الملك سلطان عبدالعزیز آل سعود ولی السمو الامیر فیصل والامیر منصور وامرائهم و وزرائهم فانهم قداکرموا وفد باکستان غایة الاکرام واحکموا اخوة الاسلامیه والمودة الایمانیه بیننا و بینهم حیاهم اللّٰه تعالٰی و ابقاهم وایدهم بنصره و رزقهم الحلوفی الدنیا والدین ویقوی بهم الاسلام والمسلمین آمین۔ وصلّی اللّٰه علٰی خیر خلقه سیّدنا محمد وآله واصحابه اجمعین۔

احمد عثمانی عضو الوفد الباکستانی فی سنة الف و ثلثمائة و ثمانین و ستین من الحجرة۔ ٤ محرم الحرام ١٣٦٩ ھ

میں مملکت عربیہ سعودیہ کے پاس حاضر ہوا ہے تاکہ ہم میں اور مملکت سعودیہ میں روابط مودت خاص طور سے مستحکم ہو جائیں کہ وہ مرکز اسلام میں واقع ہے اور عموماً تمام ممالک اسلامیہ سے بھی اتحاد قائم ہو جائے کہ ان ایام میں مسلمانوں کی بڑی بڑی ہستیاں' ان کے نمائندے اور علماء و امراء مکہ میں جمع ہو جاتے ہیں۔ اس کے بعد میں اپنی طرف سے اور تمام اہل پاکستان کی طرف سے جلالتہ الملک سلطان عبدالعزیز آل سعود اور ان کے صاحب زادگان امیر فیصل اور امیر منصور اور جملہ امراء و وزراء دولت کا بہت بہت شکریہ ادا کرتا ہوں کہ انھوں نے وفد پاکستان کا بہت زیادہ اکرام و احترام فرمایا اور اخوت اسلامیہ و محبت ایمانیہ کے روابط کو مستحکم کر کے ہمیں اپنے مقصد میں کامیاب فرمایا۔ اللہ تعالےٰ ان سب کو زندہ و سلامت رکھے اور اپنی مدد سے ان کو طاقت دے۔ دین و دنیا کی ترقی عطا فرمائے اور ان کے ذریعے سے اسلام و مسلمین کی قوت میں اضافہ کرے۔ آمین۔

(ماخوذ تذکرۃ الظفر)(مؤلفہ مفتی عبدالشکور ترمذی)

کراچی ریڈیو پر تقریر

حجاز سے واپسی پر وفد پاکستان اور مملکت سعودیہ عربیہ کے متعلق مولانا مرحوم کے تاثرات وخیالات براڈ کاسٹنگ اسٹیشن کراچی سے نشر ہونا طے پایا تھا۔ چنانچہ ۱۴ محرم ۱۳۶۹ھ کو بعد نماز مغرب ٹھیک آٹھ بجے ریڈیو پر آپ نے تقریر شروع فرمائی جس کی نقل مطابق اصل حسب ذیل ہے :۔

بعد الحمد والصلوٰۃ میں اس سال اس وفد خیر سگالی میں شامل تھا جو حکومت پاکستان نے حج کے موقع پر حکومت سعودیہ عربیہ کی طرف حجاز بھیجا تھا۔ اس وقت میں اپنے مشاہدات کو بیان کرنا چاہتا ہوں جو اس سوا مہینے کی مدت میں میری نگاہ سے گزرے۔ سب سے پہلے ۲۷ ستمبر کو ہم (کراچی کے) ہوائی اڈے پر پہنچے تو عجیب منظر یہ سامنے آیا کہ عزت مآب خواجہ شہاب الدین رئیس وفد اور وزیر داخلہ پاکستان احرام پہنے ہوئے لبیک اللّٰھم لبیک پکار رہے تھے حالانکہ وہ راستہ میں طہران سے احرام باندھ سکتے تھے۔ مگر یہ ان کی بلند ہمتی تھی کہ گھر سے ہی احرام باندھ کر نکلے۔ میں نے اس تمام سفر میں خواجہ صاحب کی بلند ہمتی کا ہر موقع پر مشاہدہ کیا ہے۔ وہ ہم سب سے پہلے حرم شریف

میں پہنچنے کی کوشش کرتے اور حتی الامکان نماز میں امام کے قریب رہتے تھے۔ اکثر اوقات آدھی رات کو یا اس کے بعد طواف کرنے کی ہمت کرتے تھے تاکہ قلت اژدحام کے وقت سکون و اطمینان کے ساتھ طواف کر سکیں۔ حرم میں تلاوت قرآن کا بھی آپ کو بہت شوق تھا کئی قرآن ختم کیئے اور برابر شوق میں ترقی ہوتی رہی۔ مدینہ منورہ میں روضہء شریف کے اندر نماز اور تلاوت قرآن کریم کا بہت اہتمام تھا اور بحمد اللہ وہ اس میں کامیاب رہے۔ کیونکہ خادم روضہ سے آپ نے رابطہء محبت قائم کر لیا تھا۔ آپ کی اس ہمت اور شوق کا اثر مسلمانوں پر بھی پڑ رہا تھا۔ میں دیکھ رہا تھا کہ خواجہ صاحب کی اس ہمت اور دینداری پر عام مسلمانوں کی نظریں جم رہی تھیں اور خوش تھے کہ اللہ تعالیٰ نے پاکستان کو ایسے دین دار وزیر دیئے ہیں جن کے دلوں میں اللہ اور رسول کی محبت کا جذبہ موجزن ہے اور حرم مکہ و حرم مدینہ سے بہت زیادہ والہانہ تعلق ہے۔

دوسرا منظر جلالتہ الملک سلطان ابن سعود اور ان کے وزراء و امراء کا اس وفد کے استقبال اور پرتپاک خیر مقدم میں اسلامی اخوت اور روابط محبت اور عربی حق ضیافت کا مظاہرہ تھا جو ہر قدم پر ہمارے دل میں مسرّت وانبساط کی موجیں پیدا کرتا اور اپنی لہروں سے دل و دماغ کو فرحت بخشتا تھا۔ حق یہ ہے کہ جلالتہ الملک کی شاہانہ نظر التفات اور مدبرانہ شان نے ہمارے دلوں پر گہرا اثر کیا ہے ۔وہ ایک طرف حکومت پاکستان سے اپنی محبت و مودت اور ربط و اخلاص کو بیان فرماتے اور دوسری طرف اس بات کی تاکید فرماتے تھے کہ مسلمانوں کی قوت و طاقت اور فلاح و کامرانی کا تمام تر دارومدار دین کی قوت پر ہے۔ مملکت پاکستان کو دنیا سے زیادہ دین کا اہتمام کرنا چاہیئے۔ تاکہ نصرت الٰہی اس کے ساتھ ہو۔ جب ہم نے عرض کیا کہ حکومت پاکستان نے اعلان کر دیا ہے کہ اس کا آئین شرعی ہوگا تو خوش ہو کر فرمایا جس دن ہم اس کو دیکھ لیں گے بہت خوش ہوں گے اور ہماری مسرت و بہجت کا پہلا دن ہوگا۔ ہم نے جدہ سے روانہ ہوتے ہوئے سلطان کی عنایات و الطاف کا بہت بہت شکریہ ادا کیا اور اب پاکستان پہنچ کر ہم صمیم قلب سے تمام مسلمانوں کی طرف سے عموماً اور حکومت پاکستان کی طرف سے خصوصاً مکرر شکریہ ادا کرتے ہیں۔ ہمارے دلوں میں جلالتہ الملک کی عنایات اور الطاف شاہانہ نے ایسا گہرا نقش قائم کیا ہے جو ہمیشہ تازہ رہیگا۔ جلالتہ الملک سے جب میں نے آخری مصافحہ کیا

تو متبسّم ہو کر فرمایا انتم صدیقنا الاوّل۔ (آپ تو ہمارے پرانے دوست ہیں) سلطان کا یہ فقرہ میرے دل سے کبھی محو نہ ہوگا۔ اللہ تعالیٰ جلالتہ الملک کی عمر دراز فرمائیں۔ ان کو صحت و سلامتی کے ساتھ خدمت اسلام و مسلمین کے لیے زندہ سلامت رکھیں۔ ان کی مملکت کو دن دونی رات چوگنی ترقی واستحکام عطا فرمائیں جس میں دنیا کے ساتھ دینی ترقی کا قدم بھی آگے بڑھتا رہے۔ ان کے شہزادوں اور عمّال و حکام کو بھی انھی کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائیں کہ وہ ہمیشہ دین کو دنیا پر مقدم رکھیں۔ آمین۔

اس موقعہ پر ہم سعود الملک امیر فیصل والی حجاز امیر عبداللہ فیصل ثالث والی حجاز اور امیر منصور وزیر دفاع (جن کا افسوس کہ اب انتقال ہو چکا ہے) اور سیّد عبداللہ بن سلیمان وزیر مالیہ، شیخ محمد صالح قزاز مدیر ادارۃ الحج اور شیخ محمد سرور نائب وزیر مالیہ اور امیر جدہ و امیر مدینہ کا صمیم قلب سے شکریہ ادا کرتے ہیں کہ ان حضرات نے وفد پاکستان کی عزت افزائی اور مہمان نوازی میں غایت خلوص اور محبت کا مظاہرہ فرمایا۔ جزاھم اللہ۔

ناشکری ہوگی اگر ہم اپنے کرم فرما شیخ محمد سمیع دہلوی کو یاد نہ کریں جو حکومت سعودیہ کی طرف سے اس وفد کی میزبانی (اور ترجمانی) اور راحت رسانی کے لیے مقرر کیئے گئے تھے۔ حقیقت یہ ہے کہ آپ نے جس محبت و خلوص سے ہماری راحت رسانی کا حق ادا کیا ہے وہ آپ ہی کا حق تھا۔ شیخ عبداللہ اور شیخ مصطفیٰ کے بھی ہم شکر گزار ہیں کہ ان دونوں نوجوانوں نے حق ضیافت کو بڑی خوبی سے ادا کیا اور وفد پاکستان کو بہت آرام پہنچایا۔

تیسرا منظر حکومت سعودیہ عربیہ کے ان انتظامات کا نظارہ تھا جو ملک کی ترقی اور حجاج کی راحت رسانی کے لیے وہ آج کل کر رہی ہے۔ دیکھ کر بہت خوشی ہوئی کہ جدّہ سے مکہ تک اور مکہّ سے عرفات تک ڈامر کی پختہ سڑک بن گئی ہے جس پر لاریاں اور موٹر کاریں بے تکلف چلتی رہتی ہیں۔ جدّہ اور مکہّ سے مدینہ تک کے لیے بھی اسی قسم کی سڑک کا ٹھیکہ دیدیا گیا ہے جو امید ہے آئندہ سال حج سے پہلے تیار ہو جائے گی اور جدّہ و مکہّ سے مدینہ تک بھی لاریاں اور موٹر کاریں ڈامر کی سڑک پر چلتی پھرتی نظر آئیں گی۔ جدّہ میں میٹھے پانی کی ہمیشہ سے قلت تھی مگر اب حکومت سعودیہ نے وادی

فاطمہ سے نہر زبیدہ میں آٹھ چشموں کا پانی شامل کر کے اس کمی کو پورا کر دیا ہے۔ پچاس میل کے فاصلہ سے نل کے ذریعہ جدہ میں میٹھا پانی پہنچایا ہے۔ ہر پانچ کلو میٹر پر راستے میں نل لگا دیئے ہیں تاکہ پیدل چلنے والے مسافروں کو بھی پانی کی تکلیف نہ ہو۔ حکومت سعودیہ پانی کی قلت رفع کرنے کے لیے خاص توجہ دے رہی ہے۔ ان چشموں کو دوبارہ زندہ کرنے کی کوشش کر رہی ہے جو پہلے جاری تھے مگر غفلت کے باعث عرصہ دراز سے بند پڑے ہیں۔ اگر یہ سکیم مکمل ہو گئی اور چار سو مردہ چشمے زندہ ہو گئے تو حقیقت میں یہ بڑا کارنامہ ہو گا جو حکومت سعودیہ کی تاریخ میں آب زر سے لکھا جائے گا۔ پانی کی افراط سے اب جدہ میں سر سبز شاداب باغات اور کھیت نظر آنے لگے ہیں جو اس سر زمین میں عجائبات سے کم نہیں۔

جدہ میں گودی (بندرگاہ) کا کام بھی بڑی سرعت سے ہو رہا ہے امید ہے کہ آئندہ سال حاجیوں کے جہاز کنارہ سے دور نہیں ٹھہریں گے بلکہ کراچی اور بمبئے کی طرح گودی میں ٹھہرا کریں گے جس سے مسافروں کو جہاز پر چڑھنے اترنے میں سہولت ہو جائے گی۔ یقیناً یہ بھی حکومت سعودیہ کا بڑا کارنامہ ہو گا جس پر اس سے پہلے کسی حکومت نے توجہ نہیں کی تھی۔

ہمیں بتایا گیا ہے کہ حکومت سعودیہ حجاز' نجد اور شام میں ریلوں کا سلسلہ بھی قائم کرنا چاہتی ہے۔ اگر یہ سکیم مکمل ہو گئی اور حکومت پاکستان ایران عراق کے راستے سے اپنی ریل کا سلسلہ اس سے ملا دے اور بصرہ سے نجد و مدینہ ہوتے ہوئے مکہ تک ریل ہو جائے تو زائرین کو تمام بلاد اسلامیہ کی سیر کے ساتھ تمام مقامات مقدسہ کی زیارت کا خشکی کے راستہ موقع مل جائے گا۔ جس سے روابط اسلامیہ کو بھی بڑی تقویت ہو گی۔

حکومت سعودیہ کا امن و امان تو بے نظیر ہے اس وقت مکہ سے مدینہ اور مکہ سے طائف اور طائف سے نجد تک تن تنہا آدمی سفر کر سکتا ہے اور چاندی سونا لیجا سکتا ہے کسی کی مجال نہیں کہ اس کی جان و مال کو بری نگاہ سے دیکھ سکے۔ نماز کے وقت جب پولیس کا آدمی الصلٰوۃ الصلٰوۃ پکارتا ہے کہ نماز کو چلو تو بہت سے دکاندار اسی طرح اپنی دکان کو کھلا ہوا چھوڑ کر چل دیتے ہیں۔ ان کو چوری کا ذرا بھی خطرہ نہیں ہوتا کیونکہ حکومت سعودیہ نے شرعی قانون جاری کر دیا ہے کہ جس پر

چوری کا ثبوت ہو جائے اس کا ہاتھ کاٹ دیا جائے۔ ہمیں بتایا گیا ہے کہ اس وقت تک مملکت سعودیہ کی تمام مدت حکومت میں پندرہ سولہ ہاتھ سے زیادہ نہیں کاٹے گئے اور تین سال سے تو ایک بھی ہاتھ کاٹنے کی نوبت نہیں آئی مگر چوری کی وارداتیں بند ہو گئی ہیں۔ اس سے ان لوگوں کو سبق لینا چاہیے جو دوسرے طریقوں سے جرائم کو بند کرنا چاہتے ہیں مگر بجائے بند ہونے کے جرائم کی تعداد میں روز افزوں اضافہ ہوتا جارہا ہے۔

چوتھا منظر وہ عام اخوت و مساوات کا نظارہ تھا جو حج کی خصوصیات میں سے ہے۔ بیت اللہ کے گرد شاہ و گدا، امیر و غریب، عرب، ترک، ایرانی، افغانی، عراقی، شامی، مصری، ہندوستانی، جوان، بوڑھے، بچے اور بڑے طواف کرتے ہوئے ایک شان، ایک لباس میں احرام باندھے ننگے سر نظر آتے ہیں تو دل پر عجیب کیفیّت طاری ہوتی ہے۔ اس وقت بے ساختہ یوں کہنے کو دل چاہتا ہے۔

غلام نرگس مست تو تاجدارانند   خراب بادۂ لعل تو ہوشیارانند
نہ من بر آں گل عارض غزل سرایم وبس   کہ عندلیب تو از ہر طرف ہزارانند

ایک لحاظ سے دیکھیے تو حج بڑی عبادت ہے۔ خدا کی محبت انسان کے دل میں نہ ہو تو وہ اپنے کاروبار چھوڑ کر، عزیزوں اور دوستوں سے جدا ہو کر اتنے لمبے سفر کی زحمت کیوں برداشت کرتا۔ اس لیے حج کا ارادہ ہی خود محبت الٰہی اور خلوص کی دلیل ہے۔ پھر انسان جب اس سفر کے لیے نکلتا ہے تو اس کی کیفیّت عام مسافروں جیسی نہیں ہوتی بلکہ اس سفر میں اس کی توجہ زیادہ تر خدا کی طرف رہتی ہے اس کے دل میں شوق اور ولولہ بڑھتا جاتا ہے۔ جوں جوں کعبہ قریب آتا جاتا ہے محبت کی آگ اور زیادہ بھڑکتی ہے۔

وعدۂ وصل چوں شود نزدیک شود   آتش شوق تیز تر گردد

گناہوں اور نافرمانیوں سے دل خود بخود نفرت کرنے لگتا ہے پچھلے گناہوں پر شرمندگی ہوتی ہے۔ آئندہ کے لیے فرماں برداری کا عہد کرتا ہے۔ عبادت اور ذکر الٰہی میں لطف آتا ہے، سجدے لمبے لمبے کرتا ہے۔ دیر تک سر اٹھانے کو دل نہیں چاہتا۔ قرآن پڑھتا ہے تو اس میں کچھ اور ہی لطف آتا ہے جب سرزمین حجاز میں قدم رکھتا ہے تو اسلام کی پوری تاریخ نگاہوں کے سامنے پھر جاتی ہے۔ چپّہ چپّہ پر خدا

سے محبت کرنے والوں اور اس کے نام پر جان و مال قربان کرنے والوں کے آثار نظر آتے ہیں۔ سفر مدینہ میں ہجرت رسول اللہ ﷺ کا منظر سامنے آجاتا ہے۔ مدینہ پہنچ کر رسول اللہ ﷺ اور حضرات مہاجرو انصار کی مدنی زندگی نگاہوں میں پھرتی ہے۔ جبل احد کی زیارت سے غزوۂ احد اور غزوۂ خندق کی تاریخ سامنے آجاتی ہے جس میں مسلمانوں کے لیے بہت بڑا درس عبرت ہے غرض مکہ' مدینہ' منیٰ اور عرفات کا ذرہ ذرہ عظمت اسلام کی گواہی دیتا ہے اور وہاں کی ہر کنکری پکارتی ہے کہ یہ ہے وہ سرزمین جہاں سے علم اسلام اور کلمۂ حق بلند ہوا۔ اس طرح مسلمانوں کا دل خدا تعالےٰ کے عشق اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبّت اور اسلام کے ساتھ والہانہ تعلق سے بہرہ ور ہو جاتا ہے وہاں سے وہ ایسا گہرا اثر لے کر واپس ہوتا ہے جو مرتے دم تک اس کے دل سے محو نہیں ہوتا۔ پھر حج کی وجہ سے مکہ تمام دنیائے اسلام کا مرکز ہے ہر گوشہ سے اللہ کے نام لیوا ایک ہی زمانہ اور ایک ہی وقت میں وہاں جمع ہوتے ہیں۔ ایک دوسرے سے ملتے ہیں۔ آپس میں اسلامی محبت و اخوت قائم ہوتی ہے اور یہ نقش دل پر جم جاتا ہے کہ مسلمان خواہ کسی ملک اور کسی نسل کے ہوں سب ایک دوسرے کے بھائی ہیں۔ ایک ہی ملت کے افراد ہیں اسی بناء پر حج اگر عبادت ہے تو اس کے ساتھ تمام دنیا کے مسلمانوں کا ایک ایسا عظیم الشان اجتماع بھی ہے جو مسلمانوں میں اتحاد و اتفاق پیدا کرنے اور بڑھانے کا سب سے بڑا ذریعہ بن سکتا ہے۔

میں حکومت پاکستان کو مبارکباد دیتا ہوں کہ اس نے ایسے مبارک وقت پر اپنا وفد حجاز بھیجا تاکہ اس مقدس مکان و زمان سے محبت و اتفاق کا وہ فائدہ حاصل ہو جس کی طرف بہت کم لوگوں کی توجہ مبذول ہوتی ہے الحمدللہ کہ وفد اپنے مقاصد میں پوری طرح کامیاب ہوا اور مملکت سعودیہ عربیہ سے خصوصاً اور تمام ممالک اسلامیہ سے عموماً اپنے روابط کو مضبوط کر کے کامیابی کے ساتھ واپس آیا۔ عراق و شام' مصر و افریقہ' مراکش و انڈونیشیا وغیرہ تمام اطراف کے زعماء و امراء و عمائد و علماء و مشائخ سے ملنے کا ہمیں موقع ملا۔ سب کو حکومت پاکستان کے قیام سے فرحاں و شاداں پایا۔ سب کے سب قرارداد مقاصد پاس ہونے سے بہت زیادہ خوش ہیں اور منتظر ہیں کہ پاکستان میں بہت جلد نظام شرعی نافذ ہو جائے۔ عالم اسلام مسئلہ کشمیر کے حل کا بے چینی کے ساتھ انتظار کر رہا ہے کہ جلد سے جلد اس کا فیصلہ پاکستان کے حق میں ہو جائے۔ اگر مسلمانان پاکستان و کشمیر باہم متحد و

متفق رہے جیسا کہ اب تک ہیں تو انشاء اللہ کشمیر کا مسئلہ بہت جلد حل ہو جائے گا۔

اب میں اپنی تقریر کو ختم کرتا ہوں اور دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالےٰ پاکستان کو استحکام و غلبہ و سطوت اور طاقت و قوت اور ترقی دوام عطا فرمائیں اور پاکستان میں نظام شرعی جلد نافذ ہو جائے۔ آمین۔

تبلیغی جماعت کی اصلاح

حضرت مولانا ظفر احمد عثمانیؒ نے سفرنامۂ حجاز میں تبلیغی جماعت کی اصلاح کے لیے ایک مضمون تحریر فرمایا ہے، جسے من و عن پیش کیا جاتا ہے۔

تبلیغی جماعت کے متعلق مولانا کے تاثرات

اپنے سفرنامہ میں حضرت مولاناؒ نے تبلیغی جماعت کا تعارف اس کے دستور العمل اور فوائد و منافع اور دوسرے ممالک میں اس کی وسعت و ضرورت پر بہت تفصیل سے تجزیہ فرمایا ہے اور نہایت شاندار الفاظ میں اس جماعت کے کام کی تحسین اور جماعت کو خراج تحسین پیش فرمایا ہے اور اس کے ساتھ ہی "مبلغین کی خدمت میں چند معروضات" کے عنوان کے تحت نہایت مفید مشورے اور چند قابل توجہ امور کی نشاندہی فرمائی ہے۔ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ان کی افادیت و

اہمیت کے پیش نظر بعض اہم اور قابل اصلاح امور کا تذکرہ یہاں بھی کر دیا جائے۔ حضرت مولاناؒ فرماتے ہیں :۔

" تبلیغ کی ضرورت اور اس کے فوائد پر روشنی ڈال چکا ہوں۔ اس میں شک نہیں کہ اس کام کو اصول کے ساتھ کیا جائے تو اس وقت اسلام اور مسلمانوں کی سب سے بڑی خدمت اور وقت کی اہم ضرورت ہے لیکن افراط اور تفریط سے ہر کام میں احتیاط لازم ہے اس لیے چند امور پر تنبیہ ضروری ہے۔

۱۔ تبلیغی گشت کے بعض مواقع پر دیکھا گیا ہے کہ لوگوں کو زبردستی پکڑ کر مسجد کی طرف گھسیٹا جا رہا ہے، کسی کو کمر میں ہاتھ ڈالا جا رہا ہے کسی کے گلے میں کہ بھائی چلو۔ بس اسی وقت سے نماز شروع کرو۔ کسی نے ناپاکی کا عذر کیا تو زبردستی کنوئیں یا تالاب پر لے جا کر نہلایا جا رہا ہے بعض اس سے بچنے کے لیے بھاگے اور منہ چھپاتے ہیں۔ بعضوں کی زبان سے سخت کلمات نکل جاتے ہیں۔ یہ نازیبا صورتیں ہیں جو اللہ تعالیٰ نے حضورؐ کے لیے بھی پسند نہیں فرمائیں۔ چنانچہ ارشاد ہے :۔

" اما من استغنی فانت لہ تصدی "

"جو شخص (دین سے) استغنا برتتا ہے آپ اس کے درپے ہوتے ہیں"۔

حالانکہ حضورؐ کے ہاں کسی نازیبا غلو کا نام بھی نہ تھا۔

۲۔ بعض لوگوں کو اس کام کے لیے ایک چلہ یا دو چلہ دینے کی اس طرح ترغیب دی جاتی ہے جو اصرار کی حد تک پہنچ جاتی ہے۔ وہ اپنے کاروبار کے نقصان کا عذر پیش کرتا ہے تو دعوے سے کہہ دیا جاتا ہے کہ تبلیغ کی برکت سے تمھارا کچھ نقصان نہ ہوگا۔ چار و ناچار وہ اپنے کاروبار کو بری بھلی صورت میں چھوڑ کر ایک دو چلہ کے لیے تبلیغ میں شریک ہو جاتا ہے اور جماعت کے ساتھ دورہ کرتا رہتا ہے جب واپس آ کر کاروبار میں نقصان دیکھتا ہے تو ادھر ادھر شکایتیں کرتا اور جماعت کو برا بھلا کہتا پھرتا ہے۔ یہ بھی نازیبا صورت ہے ہر

شخص خود کو مولانا محمد الیاسؒ صاحب نہ سمجھے۔ وہ جن پر ایسا اصرار کرتے تھے ان کے لیے ہمت و توجہ کے ساتھ دعائیں بھی کرتے تھے جن کی برکت سے اس شخص کے دل میں اخلاص پیدا ہو جاتا تھا اور اخلاص کے بعد اللہ تعالےٰ کی مدد شامل ہو جاتی تھی اور تبلیغ میں ایک دو چلہ کی سعی اور مشغولی سے کاروبار میں بھی نقصان نہ ہوتا تھا بلکہ پہلے سے زیادہ برکت ہوتی تھی۔ اس لیے مولانا کو اس قسم کے اصرار کا حق تھا دوسروں کو یہ حق نہیں پہنچتا۔ مولانا پر عاشقانہ رنگ غالب تھا اور اللہ تعالےٰ اپنے عاشقوں کی مرادیں پوری کرتے ہیں جس کو یہ مقام حاصل نہ ہو اس کو ان کی نقالی نہیں کرنی چاہیئے۔

۳۔ بعض لوگ تبلیغ کے سوا دوسرے تعلیمی شعبوں اور خدمت اسلام کے طریقوں کو بے کار سمجھتے ہیں اور جو حضرات علماء و صلحاء اپنے اپنے طریقہ پر مدارس یا خانقاہوں میں درس حدیث و قرآن و فقہ اور تزکیۂ نفوس میں مشغول ہیں ان کی تحقیر کی جاتی ہے اور تبلیغ کی فضیلت اس طرح بیان کی جاتی ہے کہ سامعین کے قلوب میں دوسرے اسلامی کاموں کے لیے بے قدری اور بے وقعتی پیدا ہو جاتی ہے۔ یہ بھی غلو اور افراط ہے اگر سارے علماء و صلحاء ایک ہی کام میں لگ جائیں اور دوسرے تمام کام معطل کر دیئے جائیں تو علم قرآن و حدیث و فقہ اور تزکیۂ اخلاق و تکمیل ذکر اور تحصیل نسبت باطنہ وغیرہ کا دروازہ بند ہو جائے گا۔ حق تعالےٰ نے جہاں یہ فرمایا ہے کہ

"ولتكن منكم امة يدعون الى الخير ويامرون بالمعروف وينهون عن المنكر"

کہ تم میں ایک جماعت (سب نہیں) ایسی ہونی چاہیئے جو نیکی کی طرف بلائے۔ نیک کاموں کا امر کرے۔ برے کاموں سے روکے۔ وہیں یہ بھی ارشاد ہے کہ

" فلو لا نفر من كل فرقة منهم طائفة ليتفقهوا فى الدين و لينذروا

قومهم اذا رجعوا الیهم۔"
مسلمانوں کی ہر بڑی جماعت میں سے کچھ لوگ اس کام کے لیے کیوں نہیں نکلتے کہ دین میں تفقہ (اور کمال) حاصل کریں۔ اور جب اپنی قوم میں واپس آئیں تو ان کو اللہ تعالےٰ کی نافرمانی سے ڈرائیں۔ اسی طرح ایک جماعت اہلِ حکومت کی ہونا ضروری ہے ایک جماعت سپاہیوں کی بھی ہونی چاہیئے۔ غرض اہلِ حرفہ ' زراعت پیشہ ' تجارت اور ملازمت کرنے والے سب ہی ہونے چاہیئں۔ البتہ ان سب کو اپنے اوقات فرصت میں تبلیغ احکام کی خدمت بھی جس قدر ہو سکے انجام دینی چاہیئے۔ (صفحہ ۸۷)

۴۔ بعض دفعہ تبلیغ کے لیے پیادہ پا سفر کرنے کی اس عنوان سے ترغیب دی جاتی ہے کہ بوڑھے اور کمزور بھی پیدل چلنے کو تیار ہو جاتے ہیں اور ان کو بجائے روکنے کے شاباش دی جاتی ہے یہ بھی نازیبا صورت ہے۔ رسول اللہ صلےؐ اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے ایک شخص کو پیادہ چلتے ہوئے دیکھا تو فرمایا سوار ہو جا" اس نے عذر کیا کہ میرے ساتھ جو اونٹنی ہے وہ بدنہ ہے (جسے اللہ کے نام پر ذبح کرنیکی نیت کر چکا ہوں) کچھ دیر کے بعد آپؐ نے پھر فرمایا سوار ہو جا۔ اس نے پھر وہی عذر کیا۔ آپؐ نے تیسری بار فرمایا" ارکبھا ویلك "ارے تیرا ناس ہو سوار ہو جا۔ غرض ایسے لوگوں کا پیادہ چلنا اور دور دراز کا سفر کرنا رسول اللہ ﷺ کو گوارہ نہ تھا۔ امام غزالیؒ نے لکھا ہے کہ جن لوگوں پر حج فرض نہ ہو اور مشقت کا تحمل بھی نہ کر سکیں ان کے سامنے حج کے فضائل اس طرح بیان نہ کرو کہ وہ پیدل سفر کرنے پر آمادہ ہو جائیں پھر مشقت کا تحمل نہ کر سکیں تو حج اور بیت اللہ کی عظمت ہی ان کے دل سے جاتی رہے اس سے تو یہی اچھا تھا کہ وہ حج نہ کرتے کہ ان کے ذمہ فرض نہ تھا۔
اسی طرح پیدل سفر کر کے تبلیغ کرنا بھی فرض نہیں ہے تو اسکی ترغیب اس طرح دی جائے کہ جن کو مشقت کی عادت نہ ہو وہ بھی تیار ہو جائیں اور تکلیف اٹھا کر تبلیغ کو دل میں برا کہیں۔

۵۔ بعض دفعہ مجمع عام میں تبلیغ کے لیے ایک چلّہ دو چلّہ دینے کی ترغیب دی جاتی ہے اور جب کوئی نہیں بولتا تو نام لے کر پکارا جاتا ہے کہ میاں فلانے تم کیوں نہیں بولتے۔ پھر جب لوگ نام لکھواتے ہیں تو یہ نہیں دیکھا جاتا کہ یہ شخص شوق سے نام لکھوا رہا ہے یا لوگوں کی شرما شرمی سے ہمیں کوئی فوج تو بھرتی نہیں کرنی ہے۔ اس کام میں ان ہی لوگوں کو لینا چاہیے جو خلوص اور شوق سے کام کرنا چاہیں۔ تجربہ یہ ہے کہ جو لوگ شرما شرمی شریک ہو جاتے ہیں اصولوں کی پابندی نہیں کرتے بلکہ بعض تو تبلیغ کے نام سے اپنے لیے چندہ کرتے پھرتے ہیں جس کا اثر الٹا اور بہت برا ہوتا ہے۔

۶۔ بعض حضرات نے تبلیغ کے چھ اصولوں ہی میں سارے دین کو منحصر سمجھ رکھا ہے اگر کسی دوسرے دینی کام کے لیے ان کو بلایا جاتا ہے تو صاف کہہ دیتے ہیں کہ یہ کام ہمارے چھ اصولوں سے خارج ہے اس لیے ہم اس میں شریک نہیں ہو سکتے یہ بھی غلو اور افراط میں داخل ہے۔

۷۔ مبلغین عام طور پر تبلیغی گشت ہی کو کافی سمجھتے ہیں۔ مکاتب قرآنیہ اور مدارس دینیہ قائم کرنے کی کوشش نہیں کرتے حالانکہ جہاں قرآنی مکتب اور دینی مدارس نہ ہوں وہاں مکتب اور مدرسہ قائم کرنا بہت ضروری ہے حضرت مولانا محمد الیاس صاحبؒ کو اس کا خاص اہتمام تھا۔

دیکھا گیا ہے کہ تبلیغی اجتماعات میں امراء و حکام اور وزراء کو شریک کرنے کی بڑی کوشش کی جاتی ہے یہ صورت بھی اچھی نہیں۔ بس ترغیب سے زیادہ کچھ نہ کیا جائے۔ اس کے بعد کوئی خود اپنے شوق سے آئے تو خوشی کی بات ہے زیادہ اصرار کی ضرورت نہیں۔

میں نے مکہ معظمہ میں مبلغین کو تاکید کی تھی کہ حجاز کے دیہات میں قرآنی مکاتب قائم کرنے کی کوشش کریں تاکہ بدووں کا جہل دور ہو اور ان کو علم ے مناسبت ہو جائے۔ امید ہے دوستوں نے اس کا اہتمام کیا ہو گا۔ (صفحہ ۸۸)

جماعت تبلیغ کے لیے نصاب تعلیم وذکر

مولانا تحریر فرماتے ہیں کہ ایک دن مولانا محمد الیاسؒ صاحب نے فرمایا کہ میرا اصل مقصود یہ ہے کہ حضرت مولانا تھانویؒ کے علوم ہوں اور میرا طریقۂ تبلیغ ہو تو مسلمانوں کی حالت درست ہو جائے۔ اس کے بعد مجھے حکم دیا کہ جماعت تبلیغ کے لیے نصاب تعلیم اور نصاب ذکر الگ الگ قلمبند کر دوں۔ چنانچہ میں نے نصاب قلمبند کر کے پیش کیئے تو بہت خوش ہوئے۔ اس نصاب میں حضرت حکیم الامتؒ کے رسائل و مواعظ اور تفسیر بیان القرآن کو خصوصیت کے ساتھ لیا گیا ہے اور نصاب ذکر میں بھی حضرت کی کتابوں سے مدد لی گئی ہے اگر جماعت تبلیغ ان نصابوں کے موافق تعلیم وذکر کا اہتمام کرتی رہے تو حضرت مولانا محمد الیاسؒ صاحب کی یہ دلی آرزو پوری ہو جائے گی۔ (صفحہ ۸۳)

افسوس کہ حضرت مولانا محمد الیاسؒ صاحب کی یہ آرزو پوری نہیں ہو سکی اور حضرت مولانا کے متوسلین و متبعین نے حضرت کاندھلویؒ کے منشاء کے مطابق حکیم الامت مولانا تھانویؒ کے علوم کو دنیا میں پھیلانے کی طرف مطلق توجہ نہیں کی۔ چنانچہ ان کی بے توجہی کے باعث اب تو یہ بھی نہیں معلوم ہو سکتا کہ حضرت مرحوم کے حکم سے تعلیم وذکر کا جو نصاب حضرت مولانا ظفر احمد عثمانیؒ نے جماعت تبلیغ کے لیے حضرت حکیم الامتؒ کی ہی کتابوں سے مرتب کیا تھا اور حضرت مولانا محمد الیاسؒ صاحب نے اس پر اپنی پسندیدگی کا اظہار فرمایا تھا وہ کیا تھا؟ اور کیا ہوا؟۔

(تذکرۃ الظفر)

زمزم چشمہ ہے کنواں نہیں ہے۔

مسلمانوں کو آب زمزم سے عقیدت ہے وہ اس کو شفاء سمجھتے ہیں تو یورپ والوں کو اس میں عیب جوئی کی سوجھی۔ بعض ڈاکٹروں نے دعویٰ کر دیا کہ چونکہ یہ کنواں اوپر سے کھلا ہوا نہیں بلکہ ایک محفوظ قب کے اندر ہے جہاں دھوپ کا گزر نہیں۔ اس لیے اس کا پانی صحت کے لیے مضر ہے۔ ان کو سن لینا چاہیئے کہ یہ کنواں نہیں ہے بلکہ چشمہ ہے اور چشمہ کا پانی صحت کو مضر نہیں ہوتا خواہ بند ہو یا کھلا ہوا ہو۔ اور آب زمزم کا شفاء ہونا تم کو معلوم نہ ہو لیکن لاکھوں مسلمانوں کا تجربہ اس پر شاہد ہے۔

دوسرے حج میں بمقام منی میرے دونوں بچوں کو سخت پیچش ہو گئی تھی کسی دوا سے فائدہ نہ ہوا تو میرے مطوف محبوب صدیقی مرحوم نے کہا کہ مکہ میں تو زمزم کے سوا کوئی دوا نہیں۔ چنانچہ اسی روز سے ان کو زمزم پلانا شروع کیا۔ اگلے دن اچھے خاصے ہو گئے۔ خود میرا اپنا تجربہ ہے کہ مکہ میں رہتے ہوئے جس قدر زمزم زیادہ پیا اسی قدر صحت اچھی رہی۔ عام طور سے سب مسلمانوں کا ایسا ہی تجربہ ہے البتہ منافقین اور کمزور ایمان والوں کو فائدہ نہ ہو تو اور بات ہے اور اس میں زمزم کا قصور نہیں۔ عمدہ سے عمدہ دوا بھی اسی وقت نفع کرتی ہے جب مریض کو اس کے نافع ہونے کا اعتقاد ہو اور پر اعتماد ہو۔ جن دواؤں کو نافع یا مضر کہا جاتا ہے ان کے نفع اور ضرر کا مدار تجربہ کے سوا کس چیز پر ہے؟ آب زمزم کے نافع اور شفاء ہونے کا تجربہ ایک دو نے نہیں بلکہ لاکھوں مسلمانوں نے کیا ہے اور سینکڑوں سالوں سے تجربہ کرتے آرہے ہیں۔

میدان عرفات میں پہنچ کر وہ وقت یاد آجاتا ہے جب اللہ تعالےٰ نے اس جگہ تمام مسلمانوں سے عہد و میثاق لیا' الست بربکم (کیا میں تمھارا پروردگار نہیں ہوں؟) اور سب نے جواب میں عرض کیا تھا بلی شھدنا (بے شک آپ ہمارے رب ہیں اور ہم سب اس کی گواہی دیتے ہیں۔)

یہاں پہنچ کر اس عہد و میثاق کی تجدید اور ایمان کی تکمیل ہوتی ہے اسی مقام پر حجتہ

الوداع میں رسول اللہ ﷺ پر یہ آیت نازل ہوئی تھی،

الیوم اکملت لکم دینکم واتممت علیکم نعمتی ورضیت لکم الاسلام دینا

"آج میں نے تمہارے دین کو کامل کر دیا اور تم پر اپنی نعمت تمام کر دی اور اسلام کو تمہارے واسطے پسندیدہ بنادیا"۔

ایک یہودی نے یہ آیت سنی تو حضرت فاروق اعظمؓ سے کہا اگر یہ آیت ہم یہودیوں پر نازل ہوتی تو ہم یہودی اس دن ہمیشہ عید منایا کرتے۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا مجھے یاد ہے کہ یہ آیت جمعہ کے دن میدان عرفات میں نازل ہوئی تھی جب کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وقوف عرفہ کا فرض ادا کر رہے تھے۔ مطلب یہ تھا کہ ہم کو اپنی طرف سے عید منانے کی ضرورت نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے خود ہی اس آیت کو ایسے دن اور ایسے وقت میں نازل فرمایا ہے جو ہماری سب سے بڑی عید ہے کہ اس کے برابر کسی دن بھی مسلمانوں کا اجتماع نہیں ہوتا اس نعمت عظمیٰ کو یاد کر کے ہمیں اس کا شکر ادا کرنا اور احکام اسلام پر مضبوطی کے ساتھ قائم رہنے کا عہد کرنا چاہیے۔

وقوف عرفہ کے بعد آپ مزدلفہ جائیں گے جہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوری امت کے لیے دعائے مغفرت فرمائی تھی اور قبول کی گئی۔ اس منظر کو دیکھ کر شیطان ذلیل وخوار ہو گیا اور اپنے سر پر خاک ڈالنے لگا اسی سے مشعر حرام (مزدلفہ) کی عظمت وبرکت کا سکہ دل پر جمتا ہے کہ اس جگہ دعا قبول ہوتی ہے پھر آپ یہاں سے منیٰ کو جائیں گے راستہ میں وادی محسّر ملے کی جہاں اصحاب الفیل کو اللہ تعالیٰ نے ہلاک کیا تھا جو یمن کی طرف سے لشکر جرار لے کر ہاتھیوں کے جلو میں کعبۃ اللہ کو ڈھانے کے لیے آئے تھے جس کی طرف سورہ الم تر کیف فعل ربك باصحاب الفیل میں اشارہ کیا گیا ہے۔

اس میدان سے تیزی سے نکل جانے کا حکم ہے۔ اس واقعہ کی یاد سے بیت اللہ کی عزت دل میں بڑھ جاتی ہے اور مسلمانوں کو یقین ہو جاتا ہے کہ اللہ اپنے دین اور شعائر دین کا محافظ ہے جو اس کو مٹانا چاہے گا وہ خود مٹ جائے گا۔

پھر آپ منی میں رمی جمار کریں گے ۔ یعنی تین مقامات پر کنکریاں مارینگے۔ یہ وہ مقامات ہیں جہاں شیطان نے حضرت اسماعیل علیہ السلام کو بہکایا تھا کہ ابراہیم علیہ السلام ان کو ذبح کرنے کے واسطے لے جارہے ہیں اپنے کو بچالیں اور باپ کو چھوڑ کر بھاگ جائیں۔ حضرت اسماعیل علیہ السلام نے فرمایا آج تک کسی باپ نے اپنے بیٹے کو ذبح بھی کیا ہے جو وہ مجھے ذبح کریں گے ؟ شیطان نے کہا وہ یہ سمجھتے ہیں کہ خدا نے ان کو حکم دیا ہے۔ حضرت اسماعیل علیہ السلام نے فرمایا۔ کم بخت ! پھر تو مجھے خدا کے حکم سے بہکانا چاہتا ہے۔ یہ کہہ کر اس کے کنکریاں ماریں جن سے وہ زمین میں دھنس گیا۔ اللہ تعالےٰ کو اپنے خلیل کے بارہ سالہ بچے کی یہ ادا پسند آئی۔ اور قیامت تک کے لیے ان مقامات پر کنکریاں مارنا حج میں لازم ہو گیا۔

اس واقعہ کی یاد سے مسلمانوں میں قربانی کا جذبہ پیدا ہوتا ہے اور وہ اللہ کے راستہ میں اپنی جان و مال قربان کرنے پر آمادہ ہو جاتے ہیں پھر جس طرح حضرت اسماعیل علیہ السلام کے عوض جنت کا دنبہ ذبح کیا گیا تھا اسی طرح ہر مسلمان صاحب استطاعت اپنی جان کے فدیہ میں ایک جانور کی قربانی کرتا ہے۔

غرض اللہ و رسول صلےؐ اللہ علیہ وسلم سے محبت رکھنے والوں کے لیے حج بڑا امتحان ہے جو سچے عاشق ہیں وہ سب چیزوں کو چھوڑ چھاڑ کر مستانہ وار کھڑے ہو جاتے ہیں اور تکالیف سفر کی پرواہ نہیں کرتے اور جو نام کے مسلمان ہیں وہ باوجود استطاعت کے سینکڑوں بہانے کر کے حج جیسی دولت سے محروم رہ جاتے ہیں۔

۸۔ سفر حج دینی اور دنیوی ہر لحاظ سے بہترین سفر ہے۔ اس سے اقوام عالم کے اخلاق و عادات و اطوار کا پتہ چلتا ہے۔ مختلف تجربات اور منافع ہوتے ہیں۔ موجودہ اور گذشتہ اقوام کے مقامات و حالات کو دیکھ کر خاص عبرت حاصل ہوتی ہے۔ مقامات مقدسہ مکہ و مدینہ کی زیارت مسلمانوں کے لیے خصوصیت کے ساتھ قابل اہتمام ہے کہ اس جگہ سرکار دو عالم صلےؐ اللہ علیہ وسلم کا مولد و مسکن اور ہجرت گاہ و مدفن ہے۔ دینی حیثیت سے ان مقامات کو

مرکزی شان حاصل ہے۔ بیت اللہ مسلمانوں کا قبلہ ہے جس کی زیارت اور طواف کرنا اور وہاں نماز ادا کرنا گویا دربار الٰہی میں حاضر ہونا ہے۔ ان مقامات کی زیارت سے عروج اسلام کا نقشہ سامنے آجاتا ہے اور مسلمانوں کو اپنے زوال کے اسباب پر غور کرنے کا موقع ملتا ہے۔

۹۔ سفر حج 'سفر آخرت کا نمونہ ہے۔ جب حاجی اپنے گھر سے چلتا ہے تو احباب و اقارب سے رخصت ہوتا اور سب سے معافی چاہتا اور ضروری امور کے متعلق وصیت کرتا ہے کیونکہ اس کو خیال ہوتا ہے کہ شاید وہاں سے واپسی نہ ہو اور اس مقدس زمین میں آخری وقت آجائے جس کی تمنا ہر قلب مومن میں موجزن ہے۔ احرام کا لباس پہنتے ہوئے کفن یاد آجاتا ہے کہ ہر امیر و غریب کے ساتھ مرتے وقت دو کپڑوں سے زیادہ کچھ نہ جائے گا۔ میدان عرفات میں اطراف عالم سے انسانوں کا اجتماع' آفتاب کی تمازت' دھوپ کی شدت روز محشر کا نمونہ ہوتا ہے جس طرح قیامت کے دن ہر شخص کو اپنی فکر ہوتی ہے دوسروں سے بات کرنا ہی گراں گزرتا ہے۔

۱۰۔ حج میں توحید اور کمال اطاعت و انقیاد کا مظاہرہ ہے بار بار لبيك اللهم لبيك لا شريك لك لبیك پکارنا توحید کا زبردست اعلان ہے۔ پھر حج کے افعال و اعمال تمام تر تعبدی ہیں۔ قیاسی و عقلی نہیں۔ بندہ ان اعمال کو محض حکم کی وجہ سے ادا کرتا ہے خواہ ان کی حکمت اس کی سمجھ میں آئے یا نہ آئے۔ جہاں طواف کا حکم ہے چکر کاٹتا ہے جہاں دوڑنے کا حکم ہے دوڑتا ہے جہاں ٹھہرنے کا حکم ہے ٹھہرتا ہے جہاں کنکریاں مارنے کا حکم ہے کنکریاں مارتا ہے عقل کو تابع فرماں بنا کر محبت و عبودیت کی بناء پر ہر حکم کی تعمیل کرتا ہے جس سے عبدیت کامل اور ایمان مکمل ہو جاتا ہے۔

۱۱۔ اب میں اس خطبہ پر اپنی تقریر ختم کرتا ہوں جو رسول اکرم ﷺ نے میدان عرفات اور یوم النحر میں اسی مقام پر دیا تھا۔ آپؐ نے یوم عرفہ میں فرمایا تھا :۔

الا کل نبی قد مضت دعوته الا
دعوتی ادخدتها عند ربی الی
یوم القیمه اما بعد فان الانبیاء
مکاثرونی۔ فلا تخذونی فانی
جالس لکم علی باب الحوض
وفی روایة ولا قالوا علی الله
فانه من قال علی الله یکذبه
(طبرانی فی الکبیر عن ابی
امامه) (ان النبیﷺ قال یوم
حجته الوداع ان الله یقول یا
ایها لناس انا خلقنا کم من
ذکر و انثی وجعلنا کم شعوبا
وقبائل لتعارفوا ان اکرمکم
عندا الله اتقاکم فلیس لعربی
علی عجمی فضل ولا لعجمی
علی عربی فضل ولا لاسود
علی ابیض فضل ولا لایض
علی اسود فضل الابالتقوی۔ یا
معشر قریش لا یجتبئو بالدنیا
تحملونها علی رقابکم ویحئی
الناس بالآخرة فافی لا اغنی

سن لو ہر نبی کی دعا، گزر چکی بجز میری دعا
کے کہ میں نے اس کو قیامت تک کے لیے
اللہ تعالیٰ کے پاس ذخیرہ کر کے رکھ چھوڑا
ہے۔ امابعد انبیاء کا مجھ سے مقابلہ ہوگا تو
مجھے ان کے سامنے رسوا نہ کرنا۔ میں
تمھارے انتظار میں اپنی حوض کے دروازہ
پر بیٹھا رہوں گا۔ (تو ایسے کام کرنا کہ
میرے پاس پہنچ جاؤ) ایک روایت میں ہے
کہ اللہ کے اوپر قسم نہ کھاؤ (کہ خدا کی قسم
ایسا ضرور ہوگا) کیونکر جو اللہ پر قسم کھاتا ہے
خدا اس کو جھوٹا کر دیتا ہے نیز فرمایا کہ اللہ
تعالیٰ فرماتے ہیں۔ اے لوگو! ہم نے تم کو
ایک مرد و عورت سے پیدا کیا ہے اور تم کو
خاندانوں اور قبیلوں میں اس لیے تقسیم کر
دیا کہ آپس میں ایک دوسرے کی شناخت کر
سکو اور یقیناً اللہ کے نزدیک تم میں سب سے
زیادہ مومن وہ ہے جو سب سے زیادہ متقی
ہو۔ پس عربی کو عجمی پر عجمی کو عربی پر کالے
کو گورے پر گورے کو کالے پر کچھ فوقیت
نہیں مگر تقوے سے (البتہ فضیلت ہوگی)
اے گروہ قریش! دیکھو ایسا نہ ہو کہ تم تو دنیا
کو اپنی گردنوں پر لاد کر لاؤ اور دوسرے

عنکم من الله شيئا (طبرانی من
الکبير عن الحداء بن خالد)
عن عمرو بن الاحوص قال
شهدت حجة الوداع محمد
رسول الله ﷺ فحمد الله واثنى
عليه وذکر و وعظ ثم قال
محمد ای يوم احرم قال اليوم
حج الاکبر قال فان دمائکم
واموالکم اعراضکم عليکم
حرام کحرمة يومکم هذا فی
بلدکم هذا فی شهرکم هذا الا
لا يجنی جان الا علی نفسه ولا
لحن والد علی ولده ولا ولد
علی والده۔ الا ان المسلم اخو
المسلم فليس يحل لمسلم من
اخيه شيئی ولا ما اهل من نفس
الا وان کل ربا الجاهلية
موضوع لکم روس اموالکم لا
تظلمون ولا تظلمون غير ربا
العباس فانه موضوع کله

لوگ آخرت کو لائیں۔ (تم دنیا کے طالب
ہو اور دوسرے آخرت کے طالب ہوں)
کہ اس صورت میں تم کو اللہ (کے عذاب
سے کچھ نہ بچا سکوں گا۔ آپ نے حجۃ الوداع
میں اللہ کی حمد و ثناء کی اور تذکیر و نصیحت
کرتے ہوئے فرمایا کون سا دن سب سے
زیادہ حرمت والا ہے؟ لوگوں نے کہا حج اکبر
کا دن (یوم عرفہ) فرمایا تو سن لو کہ تمھاری
جان تمھاری آبرو، تمھارے اموال کی
حرمت آپس میں ویسی ہی ہے جیسے اس دن
کی حرمت اس زمین میں اس مہینہ میں ہے
سن لو! ہر شخص کا جرم اس کی ذات کے
ساتھ جاری ہے کوئی باپ اپنے بیٹے کے
جرم میں اور کوئی بیٹا اپنے باپ کے جرم میں
گرفتار نہ کیا جائے گا۔ سن لو ہر مسلمان
مسلمان کا بھائی ہے کسی مسلمان کو اپنے کسی
بھائی کی کوئی چیز حلال نہیں سوا اس کے کہ
جو وہ حلال کر دے (ہبہ کر دے یا بیع کر
دے) سن لو جاہلیت کا سود سب ساقط ہے
بس تم کو اصلی مال ملے گا۔ نہ تم کسی پر ظلم
کرو نہ تم پر ظلم کیا جائے گا اور حضرت عباسؓ
کا سود پورا کا پورا ساقط ہے (ان کو اصل مال
بھی نہ ملے گا) جاہلیت کے

الادان كل دم كان فى الجاهلية موضوع واول دم اضع من دم الجاهلية دم الحارث بن عبدالمطلب و دكان مستر ضعافى بنى ليث فضلة هزيلالاواستوصوا بالنساء خير ا فانهن عوان عندكم ليس تملكون شيئا غير ذلك الا ان ياتين بفاحشة مبينه فان فعلن فاهجروهن فى المضاجع واضربوهن غير باغير مبرح فان اطعنكم فلا تبغوا عليهن صبيه ان لكم على نسائكم حقاً ونساء ئكم عليكم حقا فاما متعكم على۔ نسائكم فلا يومئن وشكم من تكرهون ولا باذن فى بيوتكم لمن تكرهون الاوان حقهن عليكم ان تحسنوا اليهن فى كسوتهن وطعامهن۔ وفى رواته الاوان الشيطان قد ايس ان يعبد فى

خون سب ساقط ہیں اب انکا مطالبہ نہیں ہو سکتا اور سب سے پہلے میں اپنے خاندان کے خون کو ساقط کرتا ہوں جو جاہلیت میں ہوا تھا یعنی حارث بن عبدالمطلب کا خون جن کو ہزیل نے مار ڈالا تھا۔ سن لو عورتوں کے ساتھ اچھا سلوک کرنا کیونکہ وہ تمہارے پاس بمنزلۂ قیدی کے ہیں۔ اس کے سواتم کو ان پر اور کچھ حق نہیں۔ البتہ اگر وہ کھلی بے حیائی پر اتر آئیں تو (اول) ان کے پاس لیٹنا چھوڑ دو اور (اس سے بھی درست نہ ہوں) تو ہلکی مار مارو جس سے خون نہ نکلے۔ پھر اگر وہ تابعدار ہو جائیں تو ان پر زیادتی کے لیے بہانے مت ڈھونڈو۔ سن لو! ایک حق تمہارا عورتوں پر ہے ایک حق ان کا تم پر ہے۔ تمہارا حق تو یہ ہے کہ تمہارے بستروں پر ایسے آدمیوں کو نہ لیٹنے دیں جن سے ان کو ناگواری ہے اور تمہارے گھروں میں ایسے لوگوں کو نہ آنے دیں جن کو تم پسند نہیں کرتے اور ان کا حق اوپر تمہارے یہ ہے کہ کھانے کپڑے میں ان کے ساتھ احسان کرو۔ (تنگ نہ رکھو) سن لو! شیطان اس سے مایوس ہو چکا ہے کہ تمہاری سرزمین میں اس کی عبادت کی جائے لیکن

بلدكم هذا ولكن ستكون اطاعة فيما تحتقرون من اعمالكم و يرضى به۔ (للترمذى وللشيخين نخوه عن ابن عمر)ان الزمان قد استدار كهئتكم يوم خلق الله عشر شهرا منها اربعة حرم ثلاث متواليات ذو القعده و ذوالحجه والمحرم ويحب عنصر الذى بين جمادى وشعبان اى شهد هذا قلنا الله و رسوله اعلم نسكت حتى ظننا انه سيسميه بغير اسمه فقال اليس ذلك ذوالحجه؟ قلنا بلى قال اى هذا؟ قلنا الله و رسول اعلم فسكت حتى ظننا انه سيسيميه، بغير اسمه فال اليس ذلك ذوالحجه؟ قلنا الله و رسول الله ﷺ اعلم فسكت حتى ظننا انه سيسميه بغير اسمه قال اليس البلاد الحرام؟ قلنا

محض کاموں میں اس کی اطاعت کی جائے گی جن کو تم معمولی بات سمجھو گے اور وہ اس سے خوش ہو جائے گا نیز فرمایا زمانہ اسی حالت پر گردش وانقلاب کے بعد آ گیا ہے جس پر اس دن تھا جب اس نے آسمان و زمین کو پیدا کیا تھا۔ سال کے بارہ مہینے ہیں جن میں چار مہینے محترم ہیں ذوالقعدہ، ذوالحجہ، محرم اور رجب۔ پھر فرمایا کہ کون سا مہینہ ہے؟ صحابہؓ نے کہا اللہ و رسول ہی زیادہ جانتے ہیں۔ ان کو یہ گمان ہوا کہ شاید آپؐ کوئی دوسرا نام رکھنا چاہتے ہیں فرمایا کیا یہ ذی الحجہ نہیں ہے؟ صحابہؓ نے کہا بیشک پھر پوچھا یہ کونسی بستی ہے صحابہؓ نے کہا اللہ ورسول اعلم۔ فرمایا کیا یہ بلاد حرم نہیں ہے؟ عرض کیا گیا بیشک فرمایا یہ کونسا دن ہے۔ صحابہؓ نے کہا اللہ ورسول اعلم فرمایا کیا یوم النحر نہیں ہے؟ عرض کیا بیشک فرمایا تو سن لو کہ تمھاری جان ومال و آبرو کی حرمت ہر شخص پر ویسی ہی ہے جیسے اس دن کی حرمت اس سر زمین میں اس مقدس مہینہ میں ہے تم اپنے رب سے ضرور ملو گے اور وہ تمھارے اعمال کی باز پرس کرے گا۔ تو دیکھو میرے بعد کافروں کی طرح ایک

بلی قال فای یوم هذا؟ قلنا الله و رسوله اعلم فسکت حتی ظننا انه سیسمیه بغیر اسمه قال الیس یوم النحر؟ قلنا بلی قال فان دماء کم واموالکم و اعراضکم علیکم کحرمة یومکم هذا فی بلدکم هذا فی شهر کم هذا وستلقون ربکم فلیسئلکم عن اعمالکم ان فلا ترجعو بعدی کفارا یضرب بعضکم رقاب بعض لیبلغ الشاھد الغائب۔

دوسرے کی گردن نہ مارنا۔ خبر دار! جو یہاں موجود ہے وہ غائبین کو پہنچا دے۔ کیونکہ ممکن ہے کہ جس کو یہ بات پہنچائی جائے وہ محض سننے والوں سے زیادہ سمجھدار ہو پھر دو تین بار پوچھا کہ بتلائیں میں نے تم کو دین پہنچادیا؟ سب نے کہاہاں بے شک پہنچادیا۔ آپؐ نے فرمایا اے اللہ! آپ گواہ رہیں ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ آپ نے فرمایا تین چیزوں میں مسلمان کا دل خیانت نہیں کرتا۔ ایک اللہ کے لیے عمل کو خالص کرنے میں دوسرے احکام مسلمین کی خیر خواہی کرنے میں۔ تیسرے مسلمانوں کی جماعت کے ساتھ رہنے میں کیونکہ ان کی دعائیں ان کی پشت پناہی کرتی ہیں۔

اب میں اپنا بیان ختم کرتا ہوں اس دن کا جتنا حصہ باقی ہے اس کو غنیمت سمجھئے۔ غروب آفتاب کے ساتھ ساتھ یہ محفل مقدس ختم ہو جائے گی ان ساعتوں کو دعاء اور توبہ واستغفار اور تضرع وزاری میں گزاریئے اور جو مانگنا ہے مانگ لیجئے۔ حدیث میں ہے کہ اللہ تعالےٰ اہل عرفات سے فرشتوں کے سامنے مباہات فرماتے ہیں یعنی اپنی خوشی کا اظہار فرماتے ہیں کہ اے فرشتو! دیکھو یہ میرے بندے دور دراز سے میرے گھر کی زیارت کے لیے آئے ہیں۔ وہ لبیک پکارتے ہوئے یہاں جمع ہوئے ہیں تم گواہ رہو میں نے ان سب کو بخش دیا۔ پھر حکم ہوتا ہے کہ میرے بندو! واپس جاؤ۔ میں نے تم کو بخش دیا ہے۔ دعا کیجئے کہ اللہ تعالےٰ ہمیں اور آپ کو ان لوگوں میں شامل فرمائیں جن

کے ساتھ ملائکہ کے سامنے مباہات کی جائے گی اور یہ بھی دعا کیجئے کہ اللہ تعالےٰ پاکستان کو مضبوط بنائے۔اس میں قانون شرعی کا جلد نفاذ ہو جائے اور کشمیر و فلسطین دونوں فتح ہو جائیں۔ یہود و ہنود کی سلطنت تباہ وبرباد ہو جائے جو مسلمانوں پر ظلم و ستم ڈھار ہے ہیں۔

امین وصلّی الله تعالےٰ علٰی خیر خلقه سیدنا و مولانا محمد وعلی اله و اصحابه اجمعین۔

لبيك اللهم لبيك لبيك لا شريك لك لبيك ان الحمد والنعمة لك والملك لا شريك لك۔

(ماخوذ تذکرۃ الظفر صفحہ ۱۰۷تا۱۱۸)

مسئلہ قربانی پر ایک اہم مکالمہ

قربانی کے مسئلہ پر مکالمہ

سفر حج میں کراچی کے قیام کے دوران حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ نے ایک منکر حدیث سے قربانی کے مسئلہ پر اپنے مکالمے کا ذکر فرمایا ہے۔ فرماتے ہیں"۔

میں نے کہا آخر آپ کے اس دعوے کی دلیل کیا ہے؟ کہنے لگے قرآن میں ہے ثم محلها الی البیت العتیق جس سے معلوم ہوتا ہے کہ شعائر اللہ یعنی قربانی کا محل بیت اللہ ہے۔" میں نے کہا اوّل تو یہ آیت ہی قربانی کے متعلق نہیں بلکہ ہدی کے متعلق ہے اور ہدی کے بارے میں ہم بھی یہی کہتے ہیں کہ اس کو حرم میں ذبح کیا جائے۔ دوسرے اس کو قربانی کے لیے مان لیا جائے تو لازم ہوگا کہ بیت اللہ کے اندر قربانی کی جائے کیونکہ آیت میں منتہی بیت العتیق کو فرمایا گیا ہے اب اگر کسی دلیل سے البیت العتیق کو بجائے بیت اللہ کے پورے حرم پر محمول کریں گے تو اسی دلیل سے آپ کو

یہ بھی ماننا پڑے گا کہ آیت ہدی کے ساتھ خاص ہے۔ اضحیہ کے متعلق نہیں ہے۔ اضحیہ اور ہدی میں فرق ہے ہدی وہ ہے جس کو عمرہ یا حج کا احرام باندھ کر ساتھ لیا جائے یا بطور نذر یا کفارہ مکہ بھیجا جائے اور اضحیہ وہ ہے جو بغیر حج و عمرہ کے اللہ کے نام پر ایام اضحیہ میں ذبح کی جائے۔ "کہنے لگے حدیث سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے قربانی کے جانور مدینہ سے مکہ حضرت صدیق اکبرؓ کے ساتھ روانہ کیئے تھے۔" میں نے کہا ہاں یہ ہدی تھی اضحیہ نہ تھی کیونکہ حدیث ہی سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مدینہ میں ہر سال عید الاضحٰے کے موقع پر قربانی کی ہے۔ صرف ایک سال حضرت صدیق اکبرؓ کے ساتھ ہدی کے جانور مکہ بھیجے ہیں اور ایک سال جب آپ نے خود حج کیا تو اپنے ساتھ ہدی لے گئے تھے۔ "کہنے لگے بس جو حدیث قرآن کے موافق ہو گی مانی جائے گی اور جو اس کے خلاف ہو گی رد کر دی جائے گی قرآن سے تو یہی معلوم ہوتا ہے کہ قربانی کی جگہ مکہ ہے۔"

میں نے کہا غلط بلکہ بقول آپ کے یہ معلوم ہوتا ہے کہ قربانی کی جگہ خاص بیت اللہ ہے۔ مگر اس کو کوئی عاقل بھی تسلیم نہیں کر سکتا کہ بیت اللہ یا مسجد حرام کو قربانی کے جانوروں کے خون اور گوبر و پیشاب وغیرہ سے ملوث کیا جائے تو جس دلیل سے آپ اس کو مکہ پر محمول کریں گے اسی دلیل سے ہم اس کو ہدی کے ساتھ مخصوص کریں گے۔ "کہنے لگے اگر ایسا ہے تو قرآن میں کسی جگہ تو یہ ہوتا کہ قربانی دوسری جگہ بھی ہو سکتی ہے۔"

میں نے کہا اسی آیت کے بعد دوسری آیت میں ہے

"ولکل امۃ جعلنا منسکالیذکروا اسم اللہ علی ما رزقھم من بھیمۃ الانعام"

کہ جتنی شریعتیں گزری ہیں ان میں ہم نے ہر اُمت کے لیے قربانی کرنا اس غرض سے مقرر کیا تھا کہ وہ ان مخصوص چوپاؤں پر اللہ کا نام لیں جو اس نے ان کو عطا کیئے تھے۔

تو کیا ہر اُمت کے لیے حکم تھا کہ مکہ میں جا کر قربانی کیا کریں؟ آپ کے پاس اس کا کوئی ثبوت نہیں۔ پھر قرآن شریف میں موسےٰ علیہ السلام کا قول مذکور ہے ان اللہ یا مرکم ان تذبحوا بقرہ (کہ اے

بنی اسرائیل خدا تم کو حکم دیتا ہے کہ ایک گائے یا بیل ذبح کرو) اور آدم علیہ السلام کے بیٹوں کی قربانی کا بھی ذکر ہے۔ اذقربا قربانا فتقبل من احدھما ولم یتقبل من الآخر (کہ دونوں نے قربانی کی ایک کی تو قبول ہوئی دوسرے کی قبول نہ ہوئی (تو کیا آپ یہ کہیں گے کہ یہ سب قربانیاں مکہ ہی میں ہوا کرتی تھیں؟ کہنے لگے کچھ سمجھ میں نہیں آتا کہ ہر جگہ گھر گھر بلاوجہ قربانی کی جائے اور اتنے جانوروں کا خون کر کے روپیہ ضائع کیا جائے۔ بات یہ ہے کہ اس وقت مکہ والوں کی معاشی حالت خراب تھی۔ ان کا محل وقوع ایسا ہے جہاں پیداوار کم ہوتی ہے بواد غیر ذی زرع اس لیے ان کی امداد کے لیے قربانی مقرر کی گئی کہ لوگ مکہ جا کر قربانی کیا کریں۔"

میں نے کہا رسول اللہ ﷺ کی زندگی میں تو مکہ والے اسلام اور مسلمانوں کے برابر دشمن اور درپئے آزار و قتال ہی رہے حتیٰ کہ حضورؐ نے ان کے حق میں قحط کی بددعا کی تو وہ امداد کے لائق کب تھے؟ بلکہ اس وقت تو اہل مدینہ امداد کے قابل تھے کہ ہر طرف سے مسلمان سمٹ سمٹ کر ہجرت کر کے مدینہ آ رہے تھے۔ اگر قربانی کی یہ علت ہوتی تو جائے ثم محلھا الی البیت العتیق کے ثم محلھا الی البیت الرسول فرمایا جاتا۔ پھر جو علت آپ فرما رہے ہیں قرآن میں تو اس کا کہیں ذکر نہیں۔ محض آپکا اپنا قیاس ہے تو حیرت ہے کہ یا تو آپ کو صرف قرآن پر اصرار تھا کہ حدیث تک کو ماننے کے لیے تیار نہ تھے یا اب قیاس کو ماننے لگے جس کا درجہ حدیث اور اجماع کے بعد ہے بشرطیکہ قیاس کسی مجتہد کا ہو۔ مقلد کا قیاس تو کسی درجے میں بھی معتبر نہیں میں نے بتادیا ہے کہ قرآن سے قربانی کا ہر اُمت کے لیے اور ہر جگہ ہونا ثابت ہے۔ ساتھ ہی حدیث سے یہ بات واضح ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مدینہ میں ہر سال قربانی کی ہے اور فرمایا

"من وجد سعة فلم یضح فلا یحضرن مصلانا۔"

"جو شخص وسعت کے باوجود قربانی نہ کرے وہ ہماری عیدگاہ میں نہ آئے۔"

اس حکم کے بعد مدینہ میں صحابہ کا قربانی کرنا اور ان کے بعد ہر زمانہ میں ساری اُمت کا ہر جگہ قربانی کرنا برابر متوارث چلا آرہا ہے تو کیا ساری اُمت قرآن کی اس آیت کو نہیں سمجھی تھی آج آپ ہی اس کو سمجھے ہیں۔ اگر آپ کی فہم کو تسلیم کر لیا جائے تو آیت کا مطلب ایسا ہوگا جسے کوئی بھی عاقل قبول نہیں کر

سکتا۔ کہ قربانی بیت اللہ میں ہونی چاہیئے۔ حالانکہ اس میں بیت اللہ کی تعظیم نہیں بلکہ سراسر بے حرمتی ہے کہ سارا بیت اللہ اور اس کے ساتھ مسجد حرام بھی قربانی کے جانوروں کے خون پیشاب اور گوبر سے ملوث ہوا کرے۔" (صفحہ ۱۴)

قیام پاکستان اور نظام اسلام کے لیے علماء کی جدوجہد

اکابر علماء و مشائخ نے ۱۸۵۷ء میں تحریک آزادی کا آغاز فرمایا تھا اور ۱۹۴۷ء میں پاکستان کا قیام عمل میں آیا۔ ہندوستان پر انگریزوں کے تسلط کے بعد جو خطرہ مسلمانوں کے دین و دنیا کو لاحق ہوا۔ اس کا سدّباب کرنے کے لیے الشیخ المشائخ حضرت حاجی امداد اللہ تھانوی مہاجر مکیؒ، حضرت حافظ محمد ضامن تھانوی شہیدؒ، حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ اور حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ وغیرہ بزرگوں نے سب سے اوّل جہاد آزادی میں حصّہ لیا، بہت سے علماء و مشائخ اس میں شہید ہوئے اور بہت سے بزرگ ہجرت کر گئے۔ پھر ریشمی رومال کی تحریک اور پھر خلافت کمیٹی کا کام انہی بزرگوں کے جانشینوں کے کارنامے ہیں، ان میں حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندیؒ، حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ اور مولانا عبید اللہ سندھیؒ کے نام نمایاں ہیں۔

جس زمانے میں کانگریس اور خلافت کمیٹی کی تحریکات ہندوستان میں جاری تھیں، اس زمانہ میں میرا مستقل قیام تھانہ بھون میں تھا اور درس و تدریس کے علاوہ تصنیف و تالیف اور افتاء کا کام بھی میرے سپرد تھا، حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ کو ہندوؤں کے ساتھ مل کر مسلمانوں کا کوئی تحریک چلانا پسند نہ تھا اسی لیے حضرت حکیم الامتؒ ان تحریکات سے الگ رہے۔ اور حضرتؒ کے مسلک کی تائید میں مجھے "تحذیر المسلمین عن موالاۃ المشرکین" کے نام

سے چندر سالے تالیف کرنے کی نوبت آئی۔

اس بناء پر حضرت حکیم الامتؒ کے خلاف بڑی شورش ہوئی کہ یہ کانگریس اور خلافت کمیٹی سے الگ ہو کر حکومت انگریز کا ساتھ دے رہے ہیں۔ یہاں تک کہ تھانہ بھون کے مسلمانوں کو بھی مولانا کے خلاف بھڑکایا گیا اور نوبت بہ ایجار سید کہ بعض لوگ یہ بھی کہنے لگے کہ مولانا کو خانقاہ امدادیہ سے الگ کر دیا جائے۔ مگر اللہ تعالےٰ نے اپنی نصرت وحمایت کا ایسا اظہار فرمایا کہ مخالفین کو شرمندہ ہو کر مولانا کے سامنے جھکنا پڑا۔

اس زمانے میں مولانا کفایت اللہ صاحبؒ صدر جمیۃ علماء ہند (دہلی) حضرت حکیم الامتؒ سے مسائل حاضرہ میں گفتگو کے لئے تشریف لائے اور خلوت میں گفتگو کرنا چاہی۔ حضرت نے فرمایا کہ ان مسائل میں آپ کی جو رائے ہے آپ اس کا اعلان کر چکے ہیں اور میں اب تک ان تحریکات میں شریک نہیں ہوں۔ خلوت میں گفتگو کرنے سے لوگوں کو شبہ ہوگا کہ میں بھی درپردہ آپ کے موافق ہو گیا ہوں اور اس صورت میں خطرہ ہے جس کے لئے میں تیار نہیں ہوں۔ اس لئے جو کچھ فرمانا ہو۔ علانیہ فرمایا جائے۔

چونکہ مولانا کفایت اللہ صاحب علانیہ گفتگو پر آمادہ نہ تھے۔ اس لئے حضرت نے فرمایا کہ پھر یہ بہتر ہے کہ جو کچھ آپ کہنا چاہتے ہیں' خط میں لکھ کر ڈاک سے بھیج دیجئے' میں دیانت و امانت کے ساتھ اس میں غور کروں گا۔ اگر دل نے قبول کر لیا۔ آپ کو اطلاع کر دوں گا۔ ورنہ خاموش رہوں گا جیسا اب تک ہوں۔ آپ میرے جواب کا انتظار نہ فرمائیں۔ مولانا کفایت اللہ صاحب نے خوش ہو کر فرمایا کہ ہاں' یہ صورت مناسب ہے۔

اس گفتگو سے فارغ ہو کر مولانا کفایت اللہ صاحبؒ نے مجھ سے پوچھا کہ حضرت تھانوی جو ہندوؤں کے ساتھ مل کر کام کرنے سے کراہت کرتے ہیں تو اس کی کیا وجہ ہے؟ حالانکہ احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ بعض دفعہ حضور ﷺ نے یہود کو اپنے ساتھ جہاد میں لیا ہے میں نے عرض کیا کہ کفار و مشرکین کو جہاد میں اس وقت لے سکتے ہیں کہ جھنڈا مسلمانوں کا رہے اور کفار ہمارے حکم کے تحت میں ہوں۔ اس وقت حالت برعکس ہے۔ کانگریس میں غلبہ ہندوؤں کا ہے اور ان

ہی کا حکم غالب ہے۔

۱۸۵۷ء میں بھی مسلمانوں نے ہندوؤں کے ساتھ مل کر کام کیا تھا اور بظاہر مسلمانوں کا حکم غالب تھا مگر پھر بھی ہندوؤں نے مسلمانوں کو دھوکہ دیا، مسلمانوں کو مجرم بنادیا اور خود انگریز سے مل گئے۔

پھر جب مسلم لیگ نے کانگریس سے الگ ہو کر آزادی ہند کا مطالبہ کیا، حضرت حکیم الامتؒ نے مسلم لیگ کی تائید کی اور تنظیم المسلمین، تعلیم المسلمین، تفہیم المسلمین کے نام سے چند مضامین شائع فرمائے اور پٹنہ میں جو مسلم لیگ کا سالانہ جلسہ منعقد ہوا۔ اس میں حضرت کی طرف سے ایک وفد بھی قائداعظم مسٹر محمد علی جناح سے گفتگو کرنے کے لئے بھیجا گیا اور حضرت اقدسؒ نے مسلم لیگ کے نام اپنا ایک پیام بھی بھیجا تھا جو اس ناچیز نے پٹنہ کے اجلاس میں پڑھ کر سنایا۔

مسلم لیگ نے کانگریس سے الگ ہو کر پہلا الیکشن جھانسی میں لڑا تھا۔ جھانسی کے مسلمانوں نے تار پر دریافت کیا کہ کانگریس اور مسلم لیگ میں سے کس کو ووٹ دیا جائے؟ حضرت اقدس نے مجھے اور مولوی شبیر علی سلمہ، کو مشورہ کے لئے بلایا اور فرمایا کہ :۔

"مسلم لیگ اگرچہ خالص مسلمانوں کی جماعت ہے مگر ابھی تک ان مسلم لیگیوں پر بھی پورا اعتماد نہیں کہ یہ واقعی ہندوستان کو انگریز سے آزاد کرانا چاہتے ہیں اور آزاد کرا کر یہاں دین اسلام کو قائم بھی کریں گے یا مصطفےٰ کمال پاشا کی طرح دین کو مسخ کریں گے؟ میں اس تار کا کیا جواب دوں"؟

میں نے عرض کیا کہ کانگریس کی حمایت کے تو آپ خلاف ہیں ہی بس یہ جواب دے دیجئے کہ کانگریس کو ووٹ نہ دو۔ فرمایا ہاں، یہ ٹھیک ہے چنانچہ یہی تار دے دیا گیا۔ جھانسی کا یہ الیکشن جیت کر مولانا مظہر الدین صاحب شیر کوٹی (مدیر الامان) مرحوم اور شوکت علی صاحب مرحوم تھانہ بھون تشریف لائے تو کہنے لگے :۔

"مسلم لیگ کے پاس کانگریس کے برابر نہ روپیہ تھا، نہ ساز و سامان بس ہم نے آپ کے تار کو حکیم الامت مولانا تھانوی کا فتویٰ کہہ کر بڑی مقدار میں پوسٹروں کی شکل میں جا جا تقسیم

بھی کیا اور چسپاں بھی کیا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ مسلمان پولنگ پر آتے تو تھے کانگریس کی لاریوں پر اور آپ کا فتویٰ دیکھ کر ووٹ مسلم لیگ کو دیتے تھے۔ اس طرح اللہ تعالیٰ نے ہمیں کامیاب کر دیا۔"

واقعہ یہ ہے کہ حضرت حکیم الامتؒ کی حمایت نے مسلم لیگ میں جان ڈال دی، ورنہ جمعیۃ علماء ہند کے مقابلہ میں جو کانگریس کا ساتھ دے رہی تھی، مسلم لیگ کا کامیاب ہونا دشوار تھا۔ جمعیۃ علماء ہند میں علماء اکثریت سے تھے۔ مولانا حسین احمد صاحبؒ مدنی اور مولانا ابوالکلام آزادؒ جیسے مشاہیر بھی کانگریس کے ساتھ تھے۔

مسٹر محمد علی جناح (قائداعظم) سے کسی نے پوچھا تھا کہ کانگریس کی حمایت میں تو بہت سے علماء ہیں۔ مسلم لیگ کے ساتھ کون سے عالم ہیں۔ قائداعظم نے فرمایا:۔

"مسلم لیگ کے ساتھ مولانا محمد اشرف علی صاحب تھانویؒ ہیں جو ایک چھوٹی سی بستی میں رہتے ہیں مگر وہ اتنے بڑے عالم دین ہیں کہ سب علماء کا علم و تقویٰ ایک پلڑے میں رکھا جائے اور مولانا اشرف علی صاحبؒ کا علم و تقدس دوسرے پلڑے میں تو مولانا کا پلہ بھاری رہے گا۔ ہمارے واسطے ان کی حمایت بس کافی ہے۔"

یہ جولائی ۱۹۴۳ء کا واقعہ ہے۔ اس وقت مسلم لیگ مطالبۂ پاکستان پر جمی ہوئی تھی اور حکیم الامتؒ کی جماعت اس کی حمایت کر رہی تھی۔ پھر یہ رائے ہوئی کہ مطالبۂ پاکستان کے لئے علماء کو اپنا مستقل مرکز قائم کرنا چاہیئے۔ جمعیۃ علماء ہند کانگریس کے ساتھ تھی۔

ہم نے اکتوبر ۱۹۴۵ء میں جمعیۃ علماء اسلام کی بنیاد کلکتہ میں ڈالی۔ چار دن تک اس کے اجلاس ہوتے رہے۔ لوگوں کا بیان تھا کہ خلافت کانفرنس (کلکتہ) کے بعد ایسا اجلاس کلکتے میں کبھی نہیں ہوا۔

اس اجلاس میں حضرت علامہ شبیر احمد صاحب عثمانی کو صدر مرکزی منتخب کیا گیا۔ حضرت مولانا اس وقت علیل تھے۔ اس لئے کلکتہ تشریف نہ لا سکے مگر اپنا ایک پیام مولانا ظہور احمد دیوبندی کے ہاتھ اجلاس میں پڑھنے کے لئے بھیج دیا تھا۔

اسی پیام کو سنانے کے بعد میں نے تحریک کی کہ مولانا شبیر احمد صاحب عثمانی کو صدر

جمعیۃ علماء اسلام منتخب کیا جائے۔ سب نے بالاتفاق اس کی تائید کی۔ اس قرار داد کو لے کر میں دیوبند حاضر ہوا تو آبدیدہ ہو کر فرمایا :۔

"کہ بھائی، میں تو سولہ مہینے سے صاحب فراش ہوں مجھ میں سفر کی ہمت کہاں ؟ اور اس کے لئے صدر کو جابجا جلسے کرنا اور تقریر کرنا ہو گی۔ جیسا کہ مولانا حسین احمد صاحب صدر جمعیت علماء ہند جابجا جلسے کرتے اور مطالبہ پاکستان کے خلاف تقریریں کرتے ہیں۔"

میں نے عرض کیا "آپ صدارت قبول فرمالیں کام کی ذمہ داری میں اپنے سر لیتا ہوں۔" مولانا خوش ہوئے اور صدارت قبول فرما کر جمعیۃ علماء اسلام کی بنیاد مضبوط کر دی۔

اب میں نے پاکستان الیکشن کے سلسلے میں طوفانی دورہ شروع کیا جس میں تقریباً چار مہینے تک پورے ہندوستان کا مسلسل سفر کیا کہ ایک قدم یو۔ پی۔ میں تھا تو دوسرا بہار میں، کبھی بنگال میں تھا تو کبھی پنجاب و سرحد میں، کبھی سندھ میں تو کبھی بمبئی میں۔

ہر روز جلسہ ہوتا تھا صبح کو کسی جگہ، شام کو کسی جگہ، عشاء کے بعد کسی اور جگہ میرے اس دورے کی خبریں خطوط و اخبارات سے مولانا شبیر احمد صاحب عثمانی کو ملتی رہتی تھیں۔

جب میں اسی زمانے میں ایک بار دیوبند پہنچا تو خوش ہو کر فرمایا :۔

"ہمیں یہ امید نہ تھی کہ آپ اس جفاکشی سے کام کریں گے واقعی آپنے تو بڑے بڑے ہمت والوں کے بھی حوصلے پست کر دیے۔"

یہ دورہ کیسا کامیاب رہا؟ اس کے لئے نوابزادہ لیاقت علی خاں مرحوم وزیر اعظم پاکستان کا مکتوب گرامی نقل کر دینا کافی ہے جو موصوف نے دفتر مرکزی مسلم لیگ سے میرے نام ڈھاکہ بھیجا تھا۔

(صفحہ ۵۰۵۰۔ ۷ دسمبر ۱۹۴۵ء دہلی)

محترم المقام! زاد اللہ مکارمکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ'

میں انتہائی مصروفیتوں کے باعث اس سے قبل آپ کو خط نہ لکھ سکا۔ مرکزی اسمبلی کے انتخاب میں اللہ پاک نے ہمیں بڑی نمایاں کامیابی عطا فرمائی اور اس سلسلے میں آپ جیسی ہستیوں کی جدوجہد بہت باعث برکت رہی۔

آپ حضرات کا اس نازک موقع پر گوشہ عزلت سے نکل کر میدان عمل میں اس سرگرمی کے ساتھ جدوجہد کرنا بے حد مؤثر ثابت ہوا۔ اس کامیابی پر میں آپ کو مبارکباد دیتا ہوں۔ خصوصاً اس حلقۂ انتخاب میں جہاں سے ہماری ملّی جماعت نے مجھے کھڑا کیا تھا۔

آپ کی تحریروں اور تقریروں نے باطل کے اثرات بہت بڑی حد تک ختم کر دیئے ہیں۔ بہر حال اس سے بھی سخت معرکہ سامنے ہے (مراد صوبائی انتخابات)

ہمیں اللہ کے فضل سے قوی امید ہے کہ دشمنان اس معرکے میں بھی خاسر و نامراد ہی رہیں گی۔

امید ہے کہ اس عرصے کے لئے آپ کو رخصت مل جائے گی اور آپ کی تحریروں' تقریروں اور مجاہدانہ سرگرمیاں آنیوالی منزل کی دشواریوں کو بھی معتدبہ حد تک ختم کر سکیں گے۔

والسلام مع الاکرام

"لیاقت علی خان"

یہ اللہ تعالےٰ کا فضل و کرم تھا کہ مولانا شبیر احمد صاحب عثمانیؒ صدر جمعیۃ علماء اسلام بننے کے بعد رو بصحت ہو گئے کہ اب انھوں نے دیوبند، میرٹھ، دہلی وغیرہ میں پاکستان حاصل کرنے کے لئے مسلمانوں کو جوشیلے انداز میں تیار کیا۔

صوبائی الیکشن کی جدوجہد میں آپ نے بمبئی، لاہور اور پشاور تک متعدد جلسوں میں صدارت کی اور اپنی تقریروں سے مسلمانوں کو پاکستان کے لئے ووٹ دینے پر آمادہ کیا۔

مرکزی اسمبلی انتخابات میں مسلم لیگ کو سو فیصدی کامیابی ہوئی تو ہر جگہ خوشی میں جلسے ہوئے۔ کلکتے میں بڑا عظیم الشان جلسہ ہوا جس میں تقریباً دس لاکھ کا اجتماع ہوا۔ مجھے بھی ڈھاکے سے اس جلسے کے لئے بلایا گیا۔ خواجہ ناظم الدین مرحوم اور شہید سہروردی مرحوم نے تقریریں کیں، مجھے بھی اس جگہ خطاب کرنے کو کہا گیا۔

صوبائی اسمبلی کے انتخابات میں مسلم لیگ کی کامیابی سے انگریز اور کانگریس مطالبہ پاکستان کو ماننے پر مجبور ہو گئے مگر بنگال اور پنجاب کی تقسیم پر کانگریس اڑ گئی اور قائداعظم نے اس کو منظور کر لیا۔

۹ جون ۱۹۴۷ء کو مسلم لیگ ہائی کمان کا جلسہ دہلی میں منعقد ہوا، تاکہ اس طرح کا پاکستان منظور کرنے یا نہ کرنے کا فیصلہ کیا جائے۔

اس اجلاس میں حضرت مولانا شبیر احمد صاحب عثمانی کو اور مجھے بھی بلایا گیا تھا۔ مولانا کے ساتھ مولانا محمد طاہر صاحبؒ بھی تھے۔ جلسے میں مختلف انداز پر تقریریں ہوئیں۔ حسرت موہانی صاحب اس قسم کا پاکستان منظور کرنے کے حق میں نہ تھے مگر قائداعظم نے فرمایا :۔

"اگر تقسیم بنگال و پنجاب کو منظور نہ کیا گیا تو پاکستان نہیں بن سکے گا۔ میری رائے ہے کہ اس کو منظور کر لیا جائے۔"

سلہٹ اور سرحد کے بارے میں کانگریس کو رفرنڈم پر اصرار تھا کہ وہاں کے مسلمانوں کی رائے علیحدہ معلوم کی جائے۔ قائداعظم نے اس کو بھی منظور کیا۔

اس جلسے میں خاکسار جماعت نے کچھ گڑبڑ کرنا چاہی تھی مگر مسلم لیگ کے رضا

کاروں نے ان کو جلسے میں آنے کا موقع نہ دیا۔

قرارداد پاکستان منظور ہو گئی تو ۱۱ جون ۷ ۱۹۴ء کو مولانا شبیر احمد صاحب عثمانی اور یہ ناچیز قائداعظم سے ان کی کوٹھی پر ملے۔ اس وقت ان کے سیکرٹری کے سوا اور کوئی نہ تھا۔

ہم نے سوال کیا کہ آپ ۱۴ اگست کو پاکستان لینا چاہتے ہیں جس میں صرف دو مہینے باقی ہیں۔ دو مہینے میں تو ایک گاؤں بھی پوری طرح تقسیم نہیں ہو سکتا۔ ہندوستان کو آپ کیسے تقسیم کر لیں گے؟ ہمیں اندیشہ ہے کہ ۱۴ اگست کو آپ کے ہاتھ میں صرف پاکستان کی دستاویز ہو گی نہ خزانہ ہو گا' نہ فوج اور نہ اسلحہ۔ فرمایا :۔

"لارڈ ماؤنٹ بیٹن بہت جلدی کر رہا ہے۔ ۱۴ اگست تک تقسیم کا کام مکمل ہو جائے گا۔" ہم نے کہا :۔

"پھر پاکستان بننے کے بعد ان مسلمانوں کا کیا حشر ہو گا جو ہندوستان میں رہ جائیں گے ؟ ہمارے خیال میں آپ دو ڈھائی سال تک دہلی نہ چھوڑیں تاکہ اس مدت میں پاکستان کی تقسیم مکمل ہو کر ہر چیز اپنے حصے کی آپ حکومت ہند سے وصول کر لیں اور ہندوستانی مسلمانوں کو بھی آپ کے قیام دہلی سے بڑی ڈھارس بندھے گی۔"

فرمایا :۔

"جیسے ہندوستان میں مسلمان رہیں گے 'پاکستان میں ہندو ہوں گے۔ ان کے خیال سے حکومت ہند مسلمانوں پر ظلم و تشدد روا نہ رکھے گی۔"

ہم نے کہا :۔

"حکومت ہند جانتی ہے کہ مسلمان اپنی مذہبی روایات کے پابند ہیں وہ ان مسلمانوں کا بدلہ جو ہندوستان میں رہیں گے 'پاکستانی ہندوؤں سے نہیں لیں گے۔"

فرمایا :۔

"مجھے ان مسلمانوں پر کوئی اندیشہ نہیں جو ہندوستان میں رہ جائیں گے۔"

اس کے بعد فرمانے لگے :۔

"مجھے سلہٹ اور سرحد کے ریفرنڈم کا بہت فکر ہے۔"

ہم نے کہا:۔

آپ چاہتے ہیں کہ اس ریفرنڈم میں مسلم لیگ کامیاب ہو ؟"

فرمایا:۔

"میں کیسے نہ چاہوں گا؟ سرحد تو پاکستان کی ریڑھ کی ہڈی ہے اور سلہٹ کا علاقہ پاکستان میں نہ آیا تو آسام کی بہت سی چیزوں سے پاکستان محروم رہ جائے گا (جیسے چائے' ناریل وغیرہ)۔

ہم نے کہا:۔

"پھر آپ اس کا اعلان کر دیں کہ پاکستان کا آئین اسلامی آئین ہو گا۔ ہم انشاء اللہ دونوں صوبوں کا دورہ کریں گے اور مسلم لیگ ہی کامیاب ہو گی 'انشاء اللہ"۔

فرمایا:۔

جب پاکستان میں مسلمانوں کی اکثریت ہو گی تو آئین اسلامی کے سوا اور کیا ہو سکتا ہے۔"

ہم نے کہا:۔

"ترکی میں بھی تو مسلمانوں کی اکثریت ہے مگر مصطفےٰ کمال پاشا نے اسلامی قانون جاری نہیں کیا۔ بعض لوگوں کو مسلم لیگ سے بھی ایسا ہی خطرہ ہے۔ سرحد تک کا علاقہ بہت سخت ہے ۔وہاں کے علماء و عوام اس وقت تک مسلم لیگ کو ووٹ نہ دیں گے جب تک نظام اسلامی جاری کرنے کا وعدہ نہ کیا جائے۔"

فرمایا:۔

"آپ اپنی تقریروں میں میری طرف سے اس کا اعلان کر دیں کہ پاکستان کا آئین اسلامی ہو گا میں ابھی اس قسم کی تحریر اس لئے نہیں دے سکتا کہ فتنہ پرور ہندو اس کا یہ مطلب بیان کریں گے کہ پاکستان میں ہندوؤں کو مسلمان بنایا جائے گا۔ پاکستان بن جائے اور جمہوری طریقے پر

اسمبلی میں اکثریت واقلیت دونوں کے نمائندے آجائیں تواس کو پختگی کے ساتھ واضح کر دیا جائے گا کہ آئین تواسلامی ہوگا مگر آئین اسلام میں ہر فرقے کو مذہبی آزادی ہوگی۔ میں نے قوم کو کبھی دھوکہ نہیں دیا، میری بات کا یقین کیجئے۔"

ہم نے شکریہ ادا کیا اور مصافحہ کر کے رخصت ہوئے اور طے پایا کہ سلہٹ رفرنڈم کے لئے میں کام کروں گا اور سرحد ریفرنڈم کے لئے مولانا شبیر احمد صاحب عثمانی دورہ کریں گے۔

چنانچہ میں نے اپنے احباب کو ڈھاکہ خطوط لکھے کہ سلہٹ جاکر کوشش کریں تاکہ مسلمان مسلم لیگ کو ووٹ دیں مگر سلہٹ میں مولانا حسین احمد صاحب مدنی کے شاگرد اور مرید بہت زیادہ تھے مولانا ہر سال رمضان بھی وہاں گزارا کرتے تھے، اس لئے جمعیۃ علماء ہند کا وہاں پورا تسلط تھا۔

احباب کے خطوط آئے کہ آپ کا پہنچنا ضروری ہے زمین بہت سخت ہے۔ ادھر ڈھاکہ یونیورسٹی میں نوابزادہ لیاقت علی خاں کا تار پہنچا کہ مولانا ظفر احمد عثمانی کو بہت جلد سلہٹ بھیج دیا جائے۔ میں اس وقت تھانہ بھون میں تھا۔ وہاں بھی تار پر تار آئے تو میں تھانہ بھون سے ڈھاکے اور ڈھاکے سے سلہٹ پہنچا۔

اس وقت پولنگ میں صرف پانچ دن باقی تھے۔ اسی وقت شاہ جلال رحمۃ اللہ علیہ کا عرس بھی تھا، لاکھوں آدمی عرس میں آئے ہوئے تھے، مسلم لیگ نے حضرت شاہ جلالؒ کی مسجد میں جلسے کا انتظام کیا۔ ساٹھ ستر لاوڈ سپیکر لگائے تاکہ سارے مجمع کو آواز پہنچ جائے عشاء کے بعد میں نے اول حضرت شاہ جلال کے مزار پر فاتحہ خوانی کی پھر جلسے کا افتتاح ہوا۔

میں نے پاکستان کا دارالاسلام اور ہندوستان کا دارالحرب ہونا دلائل سے ثابت کیا اور بتلایا کہ جس حصے کا دارالاسلام بنانا ممکن ہو اس کو دارالاسلام بنانا مسلمانوں پر واجب ہے اور یہ جو اشکال پیش کیا جاتا ہے کہ سارے ہندوستان کو دارالاسلام بنانا چاہیئے، تھوڑے حصے کو دارالاسلام بنانا بے کار ہے یہ اس لئے غلط ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے بھی مکۃ مکرمہ سے ہجرت فرما کر پہلے مدینہ منورہ کو دارالاسلام بنایا تھا، مکۃ کو دارالحرب رہنے دیا کیونکہ مدینے کو دارالاسلام بنانا آسان تھا۔ مکۃ کو اس وقت دارالاسلام بنانا دشوار تھا۔ بعد میں مکۃ کو بھی دارالاسلام بنا دیا۔ جب وہاں ایسے

حالات پیدا ہو گئے۔

اسی طرح ہم بھی پہلے اسی حصے کو دارالاسلام بنانا چاہتے ہیں جو آسانی سے بن سکتا ہے پھر باقی حصے کو بھی دیکھا جائے گا۔

اس تقریر کا عوام پر بہت اثر ہوا۔ علماء سے میں نے کہدیا کہ عوام سے نہ الجھئے۔ آپ کو جو اشکال و اعتراض ہو۔ اس کا جواب دینے کو میں حاضر ہوں۔ اب علماء نے بھی عوام کو مسلم لیگ کی مخالفت پر آمادہ کرنا چھوڑ دیا۔

اس کے بعد چند مقامات کا دورہ کیا جو سلہٹ کے ملحقات میں تھے اس دورے میں حضرت مولانا سہول صاحب عثمانی بھی میرے ساتھ تھے۔ وہ خوش ہو کر فرمانے لگے۔

"الحمدللہ' پاکستان کے بنانے میں عثمانیوں کا زیادہ ہاتھ ہے : آپ بھی عثمانی ہیں۔ میں بھی عثمانی ہوں اور مولانا شبیر احمد صاحب بھی عثمانی ہیں۔ بقیہ علماء عثمانیوں کی تائید میں ہیں۔"

میں نے کہا :۔

"دعاء کیجئے کہ سلہٹ اور سرحد کا رفرنڈم پاکستان کے حق میں ہو جائے۔"

فرمایا :۔

"انشاءاللہ ایسا ہی ہو گا۔"

میں پولنگ کے دن تک سلہٹ میں مقیم رہا جس دن پولنگ شروع ہوئی۔ میں نماز فجر کے بعد معمولات سے فارغ ہو کر لیٹ گیا تو غنودگی کی حالت میں دیکھا کہ مسلم لیگ اور جمعیۃ علماء ہند دونوں پولنگ میں ساتھ ساتھ ہیں' کوئی اختلاف نہیں۔

ناشتے سے فارغ ہو پولنگ اسٹیشن پر گیا تو دیکھا کہ جمعیۃ علماء ہند اور مسلم لیگ کے جھنڈے ساتھ ساتھ ہیں اور لوگ نعرے لگا رہے ہیں۔

"جمعیت علماء' مسلم لیگ بھائی بھائی"!

میں نے اللہ تعالےٰ کا شکر ادا کیا کہ خواب سچا ہو گیا شام کو پولنگ اسٹیشن سے مجھے اطلاع دی گئی

کہ مسلم لیگ پچاس ہزار ووٹ سے جیت گئی۔ میں نے شکرانے کی نفلیں پڑھیں پھر ڈھاکے روانہ ہو گیا۔

اسکولوں، کالجوں اور مدرسہ عالیہ کے طلبہ نے ریل کے انجن کو پھولوں کے ہار پہنائے اور برابر :۔

پاکستان زندہ باد، مسلم لیگ جیت گئی کانگریس ہار گئی"۔

"سلہٹ پاکستان کا ہے"۔

نعرے لگاتے ہوئے ڈھاکے پہنچ گئے۔ ڈھاکے میں بھی اسٹیشن پر بہت سے مسلمانوں کا ہجوم تھا۔ لوگوں نے ہمیں ہار پہنانا چاہے ہم نے ہاتھوں میں لے لئے۔

میں نے اس کامیابی پر نوابزادہ لیاقت علی خان کو مبارکباد دی۔ انھوں نے جواب دیا لہ اس مبارکباد کے آپ زیادہ مستحق ہیں۔

حضرت مولانا شبیر احمد صاحبؒ نے سرحد کے رفرنڈم میں مسلم لیگ کی کامیابی پر قائداعظم کو مبارکباد دی۔ انھوں نے بھی جواب میں یہی فرمایا :۔

مولانا اس مبارکباد کے مستحق تو آپ ہی ہیں۔ یہ ساری کامیابی علماء کی بدولت ہوئی۔"

حمد للہ اب پاکستان بننے میں کوئی رکاوٹ باقی نہ رہی تھی۔ چنانچہ ۱۴ اگست ۱۹۴۷ء مطابق ۲۷ رمضان ۱۳۶۶ھ کو پاکستان منصہ ظہور پر جلوہ گر ہوا۔ قائداعظم نے کراچی میں اس نئی مملکت اسلامیہ کی پرچم کشائی کے لئے مولانا شبیر احمد صاحب عثمانیؒ کو منتخب فرمایا اور ڈھاکے میں وزیر اعلیٰ مشرقی پاکستان خواجہ ناظم الدین مرحوم نے اس احقر کے ہاتھوں پرچم کشائی کرائی۔

میں نے موقع کے مناسب انا فتحنا لك فتحاً مبيناًليغفرلك الله ما تقدم من ذنبك و ما تاخر ويتم نعمته عليك ويهديك صراطاً مستقيماً اور چند آیات اور تلاوت کیں۔ تمام وزراء و عمائد مسلم لیگ اور عمائد شہر خاموش باادب سنتے رہے۔ پھر بسم اللہ کر کے میں نے پرچم پاکستان لہرایا۔ بعض حاضرین نے بندوقوں سے فائر کیئے۔ توپ خانے سے سلامی کی توپیں چلیں۔ پھر وزراء نے اسمبلی ہال میں حلف اٹھایا۔ اس تقریب میں بھی بندہ مع جماعت علماء کے شریک تھا۔

یہ جمعہ کا دن تھا۔ لال باغ جامع مسجد میں احقر نے نماز جمعہ سے پہلے مختصر تقریر کی۔ خواجہ ناظم الدین بھی اس وقت مسجد میں تشریف فرما تھے۔ میں نے اپنی تقریر میں حصول پاکستان کی نعمت پر شکر ادا کرنے کی ترغیب دی اور اس کا طریقہ بھی بتلایا کہ پاکستان جس غرض کے لئے حاصل کیا گیا ہے اس کو پورا کریں۔

پاکستان میں ارباب حکومت آئین و دستور اسلام نافذ کریں اور عوام نماز وغیرہ شعائر اسلام کی پابندی کریں۔ پاکستان کو شراب خانوں قحبہ خانوں' سود اور سٹے وغیرہ کی لعنت سے پاک کریں۔ اتفاق و اتحاد کے ساتھ پاکیزہ اسلامی معاشرہ قائم کریں۔

فوج اور پولیس کو نماز روزے کا پابند بنائیں اور انھیں خدمت قوم و حفاظت دارالاسلام کے لئے جان توڑ کوشش کرنے کی ہدایت کریں۔ خفیہ پولیس مستحکم ہو۔ جس حکومت کے پاس مستحکم خفیہ پولیس نہ ہو وہ کمزور حکومت ہوگی۔

خواجہ ناظم الدین صاحب اس تقریر کو بڑے غور سے سنتے رہے بڑے متاثر ہوئے۔ قائداعظم کے نام بھی میں نے اسی قسم کی ہدایات کا خط لکھا جو رسالہ "تعمیر پاکستان میں علماء کرام کا حصہ (مولفہ منشی عبدالرحمٰن چھپ کر ملتان) میں شائع ہو چکا ہے۔

۱۹۴۸ء میں قائداعظم مشرقی پاکستان کے دورے پر گئے تو ڈھاکے کے ہر جلسے میں مجھے بلایا گیا اور میری کرسی قائداعظم کے پاس ہوتی تھی۔ ایک موقع پر میں نے خاص ملاقات کے لئے وقت مانگا تو گیارہ بجے دن کے مجھے وقت دیا گیا۔

چنانچہ میں اپنے سیکرٹری مولانا دین محمد خان صاحب مفتی ڈھاکہ کے ساتھ گورنر ہاؤس گیا جہاں قائداعظم کا قیام تھا۔ اس وقت قائداعظم کمرے میں تنہا تھے۔ باہر برآمدے میں خواجہ ناظم الدین صاحب اور ایک فوجی افسر ٹہل رہے تھے۔ قائداعظم نے پرتپاک خیر مقدم کیا اور فرمایا کہ :۔

"آپ کیا کہنا چاہتے ہیں؟" میں نے کہا

"کہ جون ۱۹۴۷ء میں اجلاس مسلم لیگ (دہلی) کے موقع پر ہم نے جو عرض کیا تھا کہ دو مہینے میں تو

گاؤں بھی تقسیم نہیں ہو سکتا۔ پورا ہندوستان کیونکر تقسیم ہو گا؟ آپ دو سال تک دہلی میں قیام پذیر رہیں' پاکستان کا پورا حصہ وصول کر کے کراچی تشریف لے جائیں ورنہ خطرہ ہے کہ آپ کے ہاتھ میں پاکستان کی کاغذی دستاویز ہو گی اور کچھ نہ ہو گا۔

ہمارا خیال درست نکلا کہ پاکستان بنتے ہی ہندوستان میں مسلمانوں پر ظلم اور ان کا قتل عام شروع ہو گیا اور پاکستان کے پاس نہ فوج تھی نہ اسلحہ جو اس ظلم کا انتقام لیتا۔ ہم نے پاکستان اس لئے نہیں بنایا تھا کہ ہندوستان کے مسلمان اس طرح ہندوؤں کے ظلم کا نشانہ بنتے رہیں۔ پھر آئین اسلام بھی جاری ہو جاتا تو یہ ساری قربانیاں گوارا تھیں :

(ع) متاع جان جاناں' جان دینے پر بھی سستی ہے!

مگر اب تک آئین اسلام بھی جاری نہیں ہوا جس کا وعدہ ہم نے قوم سے کیا تھا اور اسی وعدہ کی بنا پر ہی یوپی اور بہار وغیرہ کے مسلمانوں نے پاکستان کے لئے ووٹ دیئے تھے ورنہ وہ جانتے تھے کہ پاکستان سے ان کو کچھ دنیوی نفع نہ پہنچے گا۔ وہ ہندوستان ہی کے ماتحت رہیں گے۔ مگر ان کو خوشی اس کی تھی کہ نئی اسلامی مملکت دنیا کے نقشے پر نمودار ہو گی جس کا آئین اسلامی ہو گا۔"

فرمایا :۔

"آپ کو جو کچھ کہنا تھا وہ کہہ چکے"؟

عرض کیا :۔

"جی ہاں' مجھے اس کے سوا اور کچھ نہیں کہنا"

فرمایا :۔

"بات یہ ہے کہ مجھے یہ تو خطرہ ضرور تھا کہ پاکستان بننے کے بعد ہندوستان میں کچھ نہ کچھ فساد ہو گا مگر خیال یہ تھا کہ وہ ایسا ہو گا جیسا اکثر بقر عید کے موقع پر ہوا کرتا ہے جس میں مسلمان کبھی مغلوب نہیں ہوئے۔ یہ مجھے بالکل امید نہ تھی کہ ہندوستانی حاکموں کو باولا کتا کاٹ جائے گا کہ وہ بھی بلوائیوں کا ساتھ دیں گے' فوج بھی مسلمانوں کو نہ بچائے گی اور یہ لارڈ ماؤنٹ بیٹن انگریز ہو کر اس طرح آنکھیں بند کر کے تماشا دیکھتا رہے گا گویا کچھ ہوا ہی نہیں!

اس وقت پاکستان کے حصے کی فوج پاکستان میں نہ تھی' باہر تھی اس لئے میرے پاس اس کے سوا اور کوئی صورت امداد کی نہ تھی کہ 'دول یورپ سے احتجاج کیا تو خدا خدا کر کے یہ قتل عام بند ہوا۔ مگر آپ دیکھیں گے کہ ہندو ظالموں سے اس ظلم کا انتقام لیا جائے گا' ذرا پاکستان مضبوط ہو جائے اور اس کا سلسلہ شروع ہو گیا ہے اس وقت کشمیر میں جنگ ہو رہی تھی جس میں ہندو اور سکھ بہت مارے گئے تھے۔ اس کی طرف اشارہ تھا۔

ہندوستانی حکومت نے مسلمانوں کا قتل عام کر کے ایک کروڑ کے قریب مسلمانوں کو پاکستان کی طرف دھکیل دیا تاکہ پاکستان کی معیشت پر بار پڑے اور سرمایہ دار ہندوؤں کو یہاں سے بلا لیا تاکہ پاکستان کی اقتصادی قوت مفلوج ہو جائے۔ مگر اللہ تعالےٰ کا فضل شامل حال رہا کہ پاکستان ان مصائب سے دوچار ہو کر کمزور نہیں ہوا بلکہ مضبوط تر ہو گیا۔

آئین اسلامی کے جاری ہونے میں بھی اس لئے دیر ہوئی کہ پاکستان بنتے ہی ان مسلمانوں کی آبادکاری پر توجہ زیادہ دینی پڑی جو ہندوستان سے یہاں آرہے تھے۔ اب ذرا اس طرف سے اطمینان ہوا ہے تو انشاء اللہ بہت جلد آئین پاکستان' اسلامی آئین کی صورت میں مکمل ہو جائے گا۔

قائداعظم کی عمر نے وفا نہ کی کہ وہ اپنے سامنے اسلامی آئین پیش کر دیتے۔ اگر وہ زندہ رہتے تو پاکستان کا آئین اسلامی ہوتا کیونکہ وہ اپنی تقاریر میں بارہا اس کی وضاحت فرما چکے تھے۔

قائداعظم کی اچانک وفات سے پاکستان کے ایک انتہائی قلیل مگر بااختیار طبقے نے فائدہ اٹھانے کی کوشش کی اور اسلام کے اصولوں کو اس زمانے میں ناقابل عمل قرار دیتے ہوئے پاکستان کو لادینی ریاست (سیکولر اسٹیٹ) بنانے پر زور دیا۔

یہ دستوری کشمکش اس وقت کم ہوئی جب مارچ ۱۹۴۹ء میں وزیراعظم لیاقت علی خان نے دستور ساز اسمبلی سے قرارداد مقاصد منظور کرا کے اس بحث کو ختم کر دیا۔

اس قرارداد کے مطابق پاکستان میں اسلامی دستور کا نفاذ آئینی طور پر طے ہو گیا۔ قرارداد مقاصد کے منظور کرانے میں حضرت مولانا شبیر احمد صاحب عثمانیؒ کی سعی بلیغ کو

بہت بڑا دخل تھا۔

حضرت مرحوم نے اس کے لئے فروری ۱۹۴۹ء میں مشرقی پاکستان کا دورہ کیا۔ ڈھاکہ، میمن سنگھ، چاٹگام وغیرہ میں بڑے بڑے جلسے ہوئے جن میں لاکھوں کا اجتماع ہوتا تھا۔ ان میں طے کیا گیا کہ پاکستان کا آئین اسلامی ہوگا، غیر اسلامی آئین ہرگز قبول نہ کیا جائے گا۔

اس دورے کے بعد جب مولانا کراچی واپس آئے اور دستور ساز اسمبلی کا اجلاس مارچ ۱۹۴۹ء میں ہوا تو قرارداد مقاصد منظور کر لی گئی۔ مولانا کا مکتوب میرے نام ڈھاکے آیا۔ اس میں تصریح تھی کہ قرارداد مقاصد کے پاس کرانے میں مشرقی پاکستان کے جلسوں کی قراردادوں کا بڑا اثر ہوا ہے۔

اس موقع پر حضرت مولانا نے اسمبلی میں جو تقریر فرمائی وہ بھی بے نظیر تھی۔ اس کا بھی بہت اثر ہوا۔

قرارداد مقاصد کے پاس ہونے سے تمام عالم اسلام میں خوشی کی لہر دوڑ گئی۔ اللہ تعالےٰ پاکستان اسمبلی کو اس پر پوری طرح عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائیں۔

۱۹۴۸ء میں میرا تعلق مدرسہ عالیہ (ڈھاکہ) سے ہو گیا۔ ڈھاکہ یونیورسٹی سے علیحدگی اختیار کر لی۔

اگست ۱۹۴۹ء مطابق شوال ۱۳۶۸ھ میں حکومت پاکستان نے حکومت سعودیہ عربیہ کی طرف وفد خیر سگالی بھیجنا چاہا جس میں حضرت مولانا شبیر احمد صاحب عثمانیؒ کا نام بھی طے ہوا تھا مگر مولانا پر فالج کا دورہ پڑ گیا تو ان کی جگہ مجھے اس وفد میں شامل کیا گیا۔

اس وفد کے کارناموں کی پوری تفصیل ماہنامہ "ندائے حرم" کراچی میں بصورت سفر نامۂ حجاز (حصہ دوم) قسط وار شائع ہو چکی ہے ابھی تک کتابی شکل میں شائع نہیں ہوئی۔

اس سفر میں سلطان عبدالعزیز بن سعود مرحوم سے بار بار ملاقات ہوئی۔ مرحوم نے پاکستان کے قیام پر بڑی خوشی ظاہر کی۔ موجودہ سلطان امیر اکبر فیصل سے بھی ملاقات ہوئی۔ وزیر مالیات عبداللہ بن سلیمان، شیخ الاسلام اور دیگر علماء کرام سے بھی ملاقاتیں ہوئیں۔

مکۃ معظمہ میں علامہ سید علوی مالکی سے مل کر میں بہت متاثر ہوا جوان عالم ہیں مگر علوم شرعیہ میں بڑی دستگاہ ہے۔ ان سے اکثر مسائل میں گفتگو رہتی تھی۔ ان کو مجھ سے محبت ہو گئی اور مجھے ان سے الفت، حرم مکی میں حدیث کا درس دیتے ہیں اور بڑی اچھی عربی بولتے ہیں بہت سی گراں مایہ تصانیف کے مصنف ہیں۔

اسی سال حکومت ہند نے بھی اپنا ایک وفد خیر سگالی سعودی عرب کی طرف بھیجا تھا مگر اس کی وہاں پذیرائی نہیں ہوئی جب کہ وفد پاکستان کو ہر جگہ ہاتھوں ہاتھ لیا گیا اور تمام عالم اسلام کے علماء عمائد نے اس سے ملاقاتیں کیں اور پاکستان کے قیام پر بہت خوشی ظاہر کی۔ (تفصیل میرے سفرنامۂ حجاز میں ہے جس کا ذکر اوپر آچکا ہے)

سفر حجاز سے واپس ہوا تو میری اہلیہ ہندوستان سے اس حال میں واپس ہوئیں کہ ان کو روزانہ بخار آتا تھا جو بعد میں تپ دق ثابت ہوا۔ بہت کچھ علاج معالجہ ہوا مگر صحت نہ ہوئی۔ محرم ۱۳۷۰ھ (۱۹۵۰ء) میں ان کا انتقال ہو گیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون یغفر اللہ لنا ولہا ویرحمنا وایاھا ویدخلنا وایا ھا الجنۃ۔ امین!

میں اس وقت مدرسہ عالیہ (ڈھاکہ) میں مدرس اول تھا اور اپنی تقاریر میں دستور اسلامی کے جلد نافذ کیئے جانے کی حکومت پاکستان کو تاکید کر رہا تھا۔

وزیر اعظم لیاقت علی خان نے ایک دستور پیش کیا تھا جس کو ملت پاکستان نے تسلیم نہ کیا تو انھوں نے ایک تقریر میں فرمایا:۔

"کہ علماء ہمارے پیش کردہ دستور کو تو رد کرتے ہیں، خود کوئی دستور بنا کر پیش نہیں کرتے!"

اس پر مولانا احتشام الحق صاحب نے ہر مکتب خیال کے علماء کا ایک اجتماع کراچی میں طلب کیا۔ اور ۳۳ علماء کے دستخط سے بائیس نکاتی دستور بالاتفاق پاس کرا کے حکومت کو بھیج دیا کہ پاکستان کے پہلے وزیر اعظم لیاقت علی خان کو ۱۶ اکتوبر ۱۹۵۱ء کو ایک جلسہ عام سے خطاب کرنے کے لئے اٹھتے ہی گولی مار کر شہید کر دیا گیا۔

اس واقع کو ملت پاکستان کے خلاف ایک خطرناک سازش قرار دیا جاتا ہے میں اس وقت ڈھاکے ہی میں تھا۔ اس موقع پر جو اجتماع ڈھاکے میں ہوا جس میں اس اندوہناک واقعے پر سخت رنج و غم کا اظہار کیا گیا تھا، بندہ نے اپنی تقریر میں کہا کہ :۔

دشمن یہ نہ سمجھے کہ لیاقت علی خان کو قتل کر کے وہ اپنے ناپاک مقصد میں کامیاب ہو جائے گا۔ وہ یاد رکھے کہ لیاقت علی خان کے ہر قطرۂ خون کے بدلے صدہا لیاقت علی پیدا ہو جائیں گے اور پاکستان انشاء اللہ پہلے سے زیادہ مضبوط ہو جائے گا۔"

لیاقت علی خان مرحوم کی شہادت کے بعد خواجہ ناظم الدین کو وزیر اعظم اور ملک غلام محمد گورنر جنرل بنادئے گئے۔

۱۹۵۲ء میں ملک غلام محمد صاحب ڈھاکے تشریف لائے تو میں نے ایک جماعت علماء کے ساتھ ان سے ملاقات کی اور دستور اسلامی جلد سے جلد جاری کرنے پر زور دیا۔ انھوں نے وعدہ کیا کہ یہ کام جلد پایۂ تکمیل کو پہنچ جائے گا۔ کوشش جاری ہے۔

اسی سال ملت پاکستان نے مطالبہ کیا کہ ظفر اللہ خاں قادیانی کو پاکستان کی وزارت خارجہ سے علیحدہ کیا جائے اور قادیانیوں کو مسلمانوں سے الگ ایک اقلیت قرار دیا جائے کیونکہ علماء اسلام کے متفقہ فتوے سے یہ فرقہ مرتد مانا گیا ہے۔ اس کو مسلمان قرار دینا صحیح نہیں۔ یہ لوگ خود بھی اپنے کو مسلمانوں سے الگ ایک جماعت سمجھتے ہیں چنانچہ قائداعظم کی نماز جنازہ میں ظفر اللہ خاں شریک نہیں ہوئے۔

اس تحریک نے زور پکڑا یہاں تک کہ ایک وفد علماء و عمائد کا خواجہ ناظم الدین صاحب سے ملا پھر ایک اجتماع خصوصی ،حضرات علماء کا ہوا جس پر پندرہ علماء کی ایک کمیٹی بنائی گئی کہ اگر حکومت نے ایک مہینے کے اندر اندر یہ مطالبہ منظور نہ کیا تو اس کے خلاف راست اقدام کیا جائے گا۔

جس کا فیصلہ اس کمیٹی کے مشورہ سے ہو گا (کمیٹی میں مشرقی پاکستان سے چار پانچ علماء کو لیا گیا تھا جس میں ایک میرا نام تھا اور مولانا شمس الحق صاحب فرید پوری مہتمم جامعہ قرآنیہ (ڈھاکہ)، مولانا دین محمد خاں صاحب مفتی ڈھاکہ، مولانا اطہر علی صاحب مہتمم جامعہ امدادیہ (کشور

گنج)اور پیر سر سینہ کا نام تھا بقیہ حضرات مغربی پاکستان کے تھے 'مگر لاہور میں نوار کان کمیٹی نے جمع ہو کر راست اقدام کا فیصلہ کر لیا۔ مشرقی پاکستان کے علماء سے رائے نہیں لی گئی۔

اگرچہ ہم نے اس فیصلے کو تسلیم کر لیا اور کوئی مخالفت نہیں کی مگر یہ ضرور ہے کہ ہم نے مشرقی پاکستان میں راست اقدام شروع نہیں کیا۔

اس وقت مشرقی پاکستان کے وزیر اعلیٰ نور الامین صاحب تھے ان کا پیغام میرے پاس پہنچا کہ قادیانیوں کے بارے میں جو فتویٰ علماء کا ہے آپ اس کو مسلمانوں کے اجتماعات میں بیان کر سکتے ہیں۔ جو بات حق ہو۔ اس کے بیان سے آپ کو روکا نہیں جا سکتا۔ مگر مغربی پاکستان کی طرح یہاں راست اقدام مناسب نہیں۔ میں نے کہا :۔

''بس میں اتنا ہی چاہتا ہوں۔ یہاں راست اقدام کرنا ہمارا مقصود نہیں''۔

اسی زمانے میں لاہور سے جتھے پر جتھے کراچی کو روانہ ہو رہے تھے بعض حضرات نے لاہور میں ایک متوازی حکومت بھی بنالی تھی۔

اسی خلفشار کو روکنے کے لئے فوج طلب کر لی گئی اور مارشل لاء لگا دیا گیا۔ مسلمانوں کا بہت خون ہوا اور بہت سے لوگ جیل خانوں میں بند کر دیئے گئے۔

مولانا مودودی بھی گرفتار کیئے گئے اور فوجی عدالت نے ان کے لئے پھانسی کی سزا تجویز کر دی۔

میں نے جامع مسجد چوک بازار (ڈھاکہ) میں عشاء کے بعد جلسہ طلب کیا اور فوجی عدالت کے اس حکم پر کڑی نکتہ چینی کی اور کہا کہ :۔

''غالباً فوجی عدالت کا بڑا افسر قادیانی ہے اسی لئے اس نے مولانا مودودی کا رسالہ قادیانی مسئلہ ''ضبط کرنے کا حکم دیا ہے اور ان کے لئے پھانسی کی سزا تجویز کی ہے۔

مگر اس کو معلوم ہونا چاہئے کہ اس مسئلے میں سارا عالم اسلام متفق ہے اگر اس بنا پر مولانا مودودی کو پھانسی دی جاتی ہے تو ہم سب پھانسی پانے کو تیار ہیں۔''

پھر خواجہ ناظم الدین صاحب کو اسی قسم کا لمبا تار دیا گیا۔ جلسے کے بعد معلوم ہوا کہ محمد علی صاحب بوگرا (جو اس وقت غالباً وزیر خارجہ تھے) اپنے گھر سے کراچی جانے کے لئے ڈھاکے

ئے ہوئے ہیں ہم نے طے کیا کہ صبح ہی ان سے ملاقات کریں گے۔

چنانچہ صبح کی نماز کے بعد ہم ان سے ملنے گئے۔ موصوف بڑے تپاک سے ملے اور قات کی غرض معلوم کی۔ میں نے کہا کہ "حکومت پاکستان ایک طرف تو یہ دعویٰ کرتی ہے کہ وہ م اسلام قائم کرنا چاہتی ہے اور دوسری طرف اسکا عمل یہ ہے کہ نظام اسلام کے لئے کوشش نے والوں کو پھانسی دینا چاہتی ہے۔" کہنے لگے کس کو پھانسی دینا چاہتی ہے

ں نے کہا:۔

پ کو خبر نہیں کہ مولانا مودودی کے لئے فوجی عدالت نے پھانسی کی سزا تجویز کی ہے؟" کہنے لگے:۔

"مجھے بالکل خبر نہیں۔ میں آج ہی کراچی جا رہا ہوں اور جاتے ہی اس فیصلے کی منسوخی ے لئے پوری کوشش کروں گا۔"

ہم نے شکریہ ادا کیا۔ اگلے ہی دن خبر آگئی کہ پھانسی کی سزا کو چودہ سال کی قید میں یل کر دیا گیا ہے۔

میں نے اس پر بھی جلسہء عام میں کڑی تنقید کی کہ:۔

"مولانا مودودی بڑھاپے کی حد میں آچکے ہیں ان کے لئے چودہ سال کی قید کے معنے ں کہ وہ جیل ہی میں مر جائیں گے! یہ پھانسی ہی کی دوسری شکل ہے۔"

اللہ نے کیا یہ سزا بھی کم ہو گئی اور دو تین سال کے بعد مولانا رہا ہو گئے۔

لیاقت علی خان مرحوم نے قرار داد مقاصد منظور کرانے کے بعد قومی اسمبلی کے ے آئین کے بنیادی اصولوں کی کمیٹی تشکیل کرائی تھی اس کمیٹی کا کام یہ تھا کہ وہ پاکستان کے دستور ، تیار کرے۔

۱۹۵۳ء میں بعض ترمیموں کے ساتھ اس کمیٹی کی دوسری رپورٹ خواجہ ناظم صاحب نے پیش کی جس پر غور کرنے کے لئے مولانا احتشام الحق صاحب نے ہر مکتب خیال ء کو دوبارہ کراچی میں جمع کیا۔

ں یہ احقر بھی شریک تھا اور مولانا مودودی، مولانا سید سلیمان صاحب ندوی، مولانا محمد ن

صاحب امر تسری (ثم لاہوری) اور مولانا داؤد غزنوی بھی موجود تھے۔

قریب تھا کہ یہ دستور اسمبلی میں پاس ہو جائے کہ ۱۷ اپریل ۱۹۵۳ء کو دستور
روایات کے خلاف خواجہ ناظم الدین اور ان کی کابینہ کو ملک غلام محمد (گورنر جنرل) نے بر طرف کر
جب کہ مجلس قانون ساز کی اکثریت خواجہ صاحب کے حق میں تھی مگر مسئلہ قادیانی میں ان کی نا
روش کی وجہ سے پبلک ان کے خلاف تھی۔

اس بات کو گورنر جنرل نے بھانپ لیا اور موقع مناسب دیکھ کر خواجہ صاحب کو ا
ان کی کابینہ کو بر طرف کر دیا۔

اگر خواجہ صاحب نے مجلس ختم نبوت کا مطالبہ منظور کر کے ظفر اللہ خاں کو وزار
سے الگ کر دیا ہوتا تو گورنر جنرل کا دستوری روایات کے خلاف یہ طرز عمل ہر گز کامیاب نہ ہوتا۔

میرا اپنا خیال یہی ہے اور جس وقت خواجہ صاحب نے اپنے کو گورنر جنرل
عہدے سے اتار کر وزارت عظمیٰ کا عہدہ قبول کیا تھا اس وقت بھی میں نے اپنے دوستوں سے کہہ د
کہ خواجہ صاحب نے اچھا نہیں کیا' ان کے لئے گورنر جنرل کا عہدہ ہی مناسب تھا اس طرح خو
ناظم الدین مرحوم کے دور میں آئین تیار ہوا تھا وہ دھرے کا دھرا رہ گیا۔ اب گورنر جنرل نے محمد
صاحب بوگرا کو نیا وزیر اعظم نامزد کیا۔

اسی زمانے میں مسلم لیگ اور عوامی لیگ کا مقابلہ مشرقی پاکستان میں ہوا جس
عوامی لیگ غالب ہو گئی۔

میں نے یہ صورت حال دیکھ کر مشرقی پاکستان سے مغربی پاکستان آنے کی نیت کر لی کیونکہ
۱۹۵۴ء میں مدرسہ عالیہ (ڈھاکہ) سے ریٹائرڈ ہو چکا تھا۔

اگرچہ موجودہ پرنسپل نے مجھ سے کہا بھی کہ آپ بدستور اپنے کام پر آجائیں آ
میعاد میں توسیع کرادی جائے گی۔ مگر عوامی لیگ کی کامیابی اور مسلم لیگ کی ناکامی نے مشرقی پا
سے دل برداشتہ کر دیا تھا۔ اس لئے میں نے توسیع کو گوارا نہ کیا۔

وزیر تعلیم مشرقی پاکستان نے بھی مدرسہ عالیہ سے میرے الگ ہو جانے پر افسوس
ہر کیا۔ اگر میں چاہتا تو یہ جگہ میرے لئے مدت تک برقرار رہ سکتی تھی مگر اب مغربی پاکستان ہی کی
ف دل کی کشش ہو رہی تھی۔

پہلے حج کا ارادہ کیا۔ مولانا مفتی دین محمد صاحب 'مولانا شمس الحق صاحب فرید پوری
چند علماء ڈھاکہ اس حج میں میرے ساتھ تھے۔ حج سے فارغ ہو کر ڈھاکے واپس آیا ہی تھا کہ اکتوبر
۱۹۵ء میں مولانا احتشام الحق صاحب ہوائی جہاز سے مجھے دارالعلوم ٹنڈو اللہ یار کے عہدہ' شیخ
یث پر لانے کے لئے تشریف لائے۔ میں نے وعدہ کر لیا اور سامان کر کے اواخر اکتوبر ۱۹۵۴ء
ں کراچی ہوتا ہوا ٹنڈو اللہ یار پہنچ گیا اور اب تک اسی دارالعلوم میں قیام ہے۔ اللہ تعالےٰ دارالعلوم کی
مت کو قبول فرمائیں۔

میرے اعزہ و احباب کا خیال ہے کہ میں نے دارالعلوم ٹنڈو اللہ یار میں قیام کر کے
پنے کو گوشۂ گمنامی میں ڈال دیا۔ کراچی یا لاہور میں قیام ہوتا تو مغربی پاکستان میں بھی میرا وہی مقام
تا جو مشرقی پاکستان میں تھا۔

ان کو معلوم ہونا چاہئے کہ زندگی کے آخری ایام میں سکون قلب اور یکسوئی کے
تھ اللہ تعالےٰ کی طرف متوجہ ہونے کی ضرورت ہے اور یہ بات قصبات ہی میں حاصل ہوتی ہے'
وں میں نہیں اس لئے میں اپنی اس گمنامی پر خوش ہوں۔

تمنا یہ ہے کہ زندگی کے آخری ایام اللہ تعالےٰ کی یاد میں گزر جائیں اور مدینہ منورہ
مرنا اور بقیع الغرقد میں دفن ہونا نصیب ہو جائے۔

وما ذلك على الله بعزيز

بحمد اللہ میں اس گمنامی میں بھی خدمت پاکستان سے غافل نہیں ہوں۔ صدر
ان فیلڈ مارشل محمد ایوب خاں صاحب کو برابر خطوط سے نیک مشورہ دیتا رہتا ہوں عمل
نہ کرنا ان کا کام ہے مگر یہ ضرور ہے کہ وہ میرے خطوط پر توجہ فرماتے اور بعض دفعہ
یہ سے یاد بھی فرماتے ہیں۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ حکومت پاکستان کو صحیح معنے میں اسلامی حکومت بنادے۔ یہاں
قانون اسلام اصلی صورت میں نافذ ہو جائے تو ساری مشکلات خود بخود حل ہو جائیں گی۔ حق تعالیٰ کا
اٹل وعدہ ہے:۔

"ولو ان اهل القریٰ امنوا واتقوا لفتحنا علیهم برکات من السماء
والارض"

اگر بستیوں والے ایمان اور تقویٰ پر گامزن ہوں تو ہم ان کے لئے آسمان وزمین کی
برکتیں کھول دیں گے۔

ہم نے کسی قدر جذبہء ایمانی سے کام لیا تھا تو حق تعالیٰ نے ہماری کیسی مدد فرمائی ک
ہمیں اپنے سے چھ گنی طاقت پر غلبہ عطا فرمادیا۔ اگر ہم پوری طرح ایمانی جذبے اور تقویٰ کو اپنا شعار بنا
لیں، پھر کیا کچھ ہوگا۔ اس کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا۔

اللہ تعالیٰ سب مسلمانوں کو اپنے دین کا شیدا بنائیں اور دنیا و آخرت کی نعمتوں سے
مالامال فرمائیں، آمین۔ والحمد للہ رب العلمین

ظفر احمد عثمانی عفی اللہ عنہ

۱۸ جمادے الاولی ۱۳۸۶ھ مطابق

۵ ستمبر ۱۹۶۶ء بمقام: ٹنڈوالٰہیار

(اشرف آباد ضلع: حیدر آباد)

حضرت مولانا ظفر احمد صاحب عثمانی

شیخ الحدیث دار العلوم الاسلامیہ۔ ٹنڈوالٰہیار

دینی مدارس کے انحطاط کے اسباب

عزیزم مولوی محمد تقی سلمہ اللہ تعالیٰ وکرمہ مدیر البلاغ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ۔ برسات میں ایک دو دفعہ بخار آ گیا تھا اس کے بعد بلڈ پریشر بہت بڑھ گیا اس لئے جواب خطوط میں دیر ہو رہی ہے اب بھی طبیعت بالکل صاف نہیں مگر پہلے سے اچھا ہوں۔ والحمد للہ علی ذلک۔ سوالنامہ کے بارے میں آپ نے البلاغ میں جو کچھ لکھا ہے ابھی تک نہیں پڑھا اس لئے جو میری سمجھ میں اس کے اسباب ہیں وہ عرض کرتا ہوں :

(۱) میں ۱۹۴۰ء میں ڈھاکہ یونیورسٹی میں اپنے استاد مرحوم کی جگہ بلایا گیا تو ایک دن وائس چانسلر نے مجھ سے سوال کیا کہ ڈھاکہ مدرسہ عالیہ میں تعلیم دین اور دینیات کا نصاب دیو بند سے کم نہیں بلکہ کچھ زیادہ ہی ہے مگر یونیورسٹی ڈھاکہ اور مدرسہ عالیہ سے ڈھاکہ میں مدرس اول دینیات مدرسہ عالیہ جیسے تیار نہیں ہوتے مدارس عربیہ ہندوستان ہی سے بلانے پڑتے ہیں۔ چنانچہ آپ سے پہلے مولانا محمد اسحق بردوانی اس عہدہ پر تھے اس سے

پہلے مولانا ناظر حسن صاحب دیوبندی تھے ان سے پہلے بھی مدرسہ عالیہ کا کوئی عالم اس عہدہ پر نہیں رکھا گیا۔ اس کی کیا وجہ ہے ؟

میں نے کہا کہ قومی مدارس عربیہ کے طلبہ علم کو علم کی طرح اور اللہ تعالیٰ کے لئے حاصل کرتے ہیں کیونکہ ان کے لئے حکومت میں کوئی جگہ نہیں۔ ڈھاکہ یونیورسٹی اور مدرسہ عالیہ کے طلبہ ڈگری کے لئے علم حاصل کرتے ہیں اس کا نتیجہ یہی ہے کہ ان سے قابل علماء با عمل پیدا نہیں ہوتے یا بہت کم پیدا ہوتے ہیں۔ افسوس کہ اب مذہبی قومی مدارس عربیہ کے طلبہ بھی مولوی فاضل پاس کرنے اور اسکولوں کالجوں میں معلم دینیات بننے کے لئے علم حاصل کرتے ہیں علم کو علم کے لئے اور اللہ کی رضا کے لئے علم حاصل کرنے والے کم ہیں۔

(۲) العلم لا يعطيك بعضه حتى تعطيه كلك۔ آجکل طلبہ میں یہ جذبہ بھی نہیں رہا۔ زیادہ وقت فضول قصوں میں ضائع کرتے ہیں اور مطالعہ تکرار اور کتب بینی بہت کم ہے۔

(۳) ہمارے بزرگوں کو طلبہ کی صرف درسی تعلیم کا اہتمام نہ تھا بلکہ دینی و اخلاقی اصلاح کا بھی اہتمام تھا۔ مولانا سراج احمد صاحب دارالعلوم دیوبند میں درس حدیث دیا کرتے تھے' ایک دن درس کے درمیان کوئی جنازہ آیا مولانا نماز کے لئے کھڑے ہوئے تو بہت سے طلبہ وضو کے لئے چلے گئے نماز جنازہ سے واپس آ کر لوگوں نے دیکھا مولانا رو رہے ہیں۔ کسی نے سبب پوچھا تو فرمایا ہم نے حضرت مولانا گنگوہیؒ کی خدمت میں حدیث و تفسیر کا سبق بلاوضو کبھی نہیں پڑھا۔ آج کل کے طلبہ بلاوضو یہ اسباق پڑھتے ہیں۔ حضرت مولانا حکیم الامتؒ نے مجھے اور میرے بڑے بھائی صاحب کو بڑے اہتمام سے گنگوہ بھیجا تھا کہ حضرت کی زیارت کر آؤ اس وقت میری عمر تیرہ برس تھی۔ بزرگوں کو اس کا اہتمام ہوتا تھا۔ طلبہ اہل اللہ کی زیارت و صحبت سے مستفید ہوں۔ وہ چاہتے تھے کہ طلبہ ایام تعطیل رمضان وغیرہ کسی اہل اللہ کی صحبت میں گذاریں۔ آجکل طلبہ نے صحبتِ اولیاء اللہ کا اہتمام

چھوڑدیا۔

(۴) حضرت مولانا محمد مرتضیٰ صاحب چاندپوری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ پہلے زمانہ میں طلبہ کو زمانہء طلب میں بیعت نہ کرتے تھے مگر اب ضرورت ہے کہ طلبہ کو زمانہء طلب میں بیعت کر لیا جائے اگر وہ بیعت کی درخواست کریں کیونکہ پہلے زمانہ میں طلبہ کو بغیر بیعت کے بھی دین کا اہتمام تھا۔ آجکل اہتمام نہیں۔ بیعت کے بعد دین کا اہتمام کرتے ہیں۔

(۵) ہمارے اسلاف طلبہ کو محض درس دیکر نہیں چھوڑتے تھے بلکہ ایک وقت ان کی نصیحت و اصلاح کا بھی مقرر کرتے تھے کہ اس وقت طلبہ اپنے اساتذہ کے ملفوظات سے مستفید ہوں یا ان کے ارشاد سے بزرگوں کے مواعظ و ملفوظات ان کے سامنے پڑھیں۔ والسلام۔

ظفر احمد عثمانی عفی اللہ عنہ۔

۲۸ رجب ۱۳۹۱ھ

حکیم الامت مجدد الملت

مولانا محمد اشرف علی صاحب محدث تھانوی نور اللہ مرقدہ

وہ حکیم امتِ مصطفیٰ وہ مجددِ طرقِ ہدیٰ
وہ جو بانٹتے تھے دوائے دل وہ دوکان اپنی بڑھا گئے

اشرف علی مہ ارتقاء شمس المعارف والتقیٰ، جو عمل سے اپنے نمونۂ عمل صحابہ دکھا گئے۔

اسلامیان ہند کی یہ بزرگ ہستی ابھی چار مہینے پہلے ہماری نظروں کے سامنے تھی اور ہمیں فخر تھا کہ اگر کوئی ہم سے یہ پوچھتا کہ اس وقت مسلمانوں میں سلف کا نمونہ کون ہے؟ تو ہم یہ کہہ سکتے تھے۔ مولانا اشرف علی تھانوی، مولانا نے ایک قدم بھی خلاف شریعت نہیں اُٹھایا، آپ نے

صرف اللہ پر نظر رکھ کر کام کیا، کسی والی ریاست یا سلطان ولایت پر کسی وقت نظر نہیں کی آپ کی آٹھ سو سے زائد کتابوں اور ہزاروں خطوط میں جو مردوں کے نام بھی ہیں اور عورتوں کے بھی، کوئی ایسی بات پیش نہیں کی جا سکتی، جس کو پڑھتے ہوئے تہذیب کے چہرہ پر جھینپ کے آثار نمودار ہوں،

مولانا ابتدائے عمر ہی سے جب کہ اٹھارہ سال کی عمر تھی، مصنف تھے، اور آخر عمر تک مصنف رہے، ایسا مصنف جس نے تقریباً ہر علم میں تصنیف کی ہو، اور اتنی کثیر مقدار میں کتابیں لکھیں ہوں، امام سیوطی کے بعد مولانا کے سوا نہیں دیکھا گیا، وعظ اور خوش بیانی میں تو بے نظیر تھے ہی کہ جس جلسہ میں تقریر کو کھڑے ہوئے پھر کسی کی تقریر سامعین کو پسند نہ آتی تھی، مولانا نے اپنی تصانیف سے دنیوی نفع کبھی نہیں حاصل کیا، نہ کسی کتاب کا حق تصنیف کسی سے لیا، تمام کتابیں اللہ کے لئے اور اصلاحِ امت کے لئے لکھیں اور ہر شخص کو چھاپنے کی اجازت دے دی۔

میں اس وقت صرف آپ کی خدمتِ حدیث پر روشنی ڈالنا چاہتا ہوں، کیونکہ عام طور پر مسلمان آپ کو ایک صوفی عالم، مفسر، فقیہ و واعظ کی حیثیت ہی سے پہچانتے ہیں، حالانکہ خدمتِ حدیث بھی اس زمانہ میں آپ کا عظیم الشان کارنامہ ہے، جو آپ کے تاجِ مجددیت کا درخشاں گوہر ہے، آپ نے علمِ حدیث کی باقاعدہ سند ملا محمود دیوبندی اور مولانا محمد یعقوب صاحب نانوتوی، اور مولانا محمود الحسن صاحب شیخ الہند سے حاصل کی، ملا محمود صاحب اور مولانا محمد یعقوب صاحب نے شاہ عبد الغنی صاحب سے حدیث پڑھی، اور مولانا محمود حسن صاحب نے مولانا محمد قاسم صاحب سے، حضرت حکیم الامت کو قاری عبد الرحمٰن صاحب محدث پانی پتی سے بھی سند حدیث حاصل ہے ،اور مولانا شاہ فضل الرحمٰن صاحب سے بھی بعض کتب حدیث پڑھ کر سند حاصل کی ہے، پندرہ برس تک مدرسہ جامع العلوم کانپور میں باقاعدہ حدیث کا درس دیا، اور آپ کے شاگردوں میں بکثرت محدث پیدا ہوئے، جن میں مولانا محمد اسحاق صاحب بردوانیؒ کا نام سب سے زیادہ روشن ہے۔

حضرت مولانا حکیم الامت نے ۱۳۱۵ھ میں توکلاً علی اللہ خانقاہ امدادیہ تھانہ بھون

میں قیام فرمایا، اس وقت سے باقاعدہ درسِ حدیث کا سلسلہ ملتوی ہو گیا، اور ہمہ تن تزکیہ وتربیتِ قلوب واصلاح اُمت میں مشغول ہو گئے، مگر علماء اس مدت میں بھی آپ سے حدیث کی سند حاصل کرتے رہے، علامہ محقق محمد زاہد کوثری مصری نے جو مصر کے اجل علماء محققین و مصنفین سے ہیں، بذریعہ خط کے حضرت سے حدیث کی سند حاصل کی، اسانید حدیث میں مولانا کا رسالہ السبعۃ السیارہ طبع ہو چکا ہے، ترمذی پر آپ کا حاشیہ الثواب الجلی بھی طبع ہو چکا ہے، دوسرا حاشیہ المسلک کی بصورت مسودہ مکمل ہے، ایک چہل حدیث بھی طبع ہو چکی ہے۔ جس میں چالیس حدیثیں نسخہ ہمام کی جمع کی گئی ہیں، جن کو معمر، ہمام بن منبہ سے وہ ابو ہریرہ رسول اللہ ﷺ سے روایت کرتے ہیں، سب حدیثوں کی سند ایک ہی ہے۔ مولانا کے مواعظ ورسائل میں میرے اندازے میں پانچ ہزار حدیثوں سے کم نہیں جن کی شرح کر کے امت کو تبلیغ کی گئی ہے۔

۱۳۳۰ھ میں آپ کو دلائل حدیثیہ للحنفیہ کے جمع کرنے کا خیال پیدا ہوا، تو جامع الآثار اور تابع الآثار دو رسالے تصنیف فرمائے ہیں ابواب الصلوۃ تک وہ حدیثیں جمع کی گئیں جو حنفیہ کی دلیل ہیں، پھر تمام ابواب کے دلائل کو دستیاب کرنا چاہا اور احیاء السنن کے نام سے ضخیم کتاب ابواب الحج تک تالیف فرمائی، مگر جس عالم کو اس پر نظر ثانی کے لئے متعین کیا گیا، اس نے اپنی رائے سے اس میں اس قدر ترمیم وتنسیخ کر دی، کہ مولانا کی تصنیف باقی نہ رہی، بلکہ مستقل کتاب ہو گئی، اس لئے اس کی اشاعت ملتوی کر دی گئی، اور حضرت کے منشاء کے موافق دوبارہ اس مہم کام کو انجام دیا گیا۔ پندرہ سال سے کچھ زیادہ مدت میں ابواب الصلوۃ سے ابواب المیراث تک جملہ ابوابِ فقہیہ کے دلائلِ احکام، حدیث سے جمع کر دیے گئے۔

یہ کتاب جس کا نام اعلاء السنن ہے، بیس جلدوں میں تمام ہوئی ہے، ابتداء کی آٹھ جلدیں حرفاً حرفاً حضرت حکیم الامت کی نظر سے گزر چکی ہیں، بقیہ جلدوں میں مشکل اور مہم مقامات حضرت کے سامنے پیش کیئے گئے ہیں، حضرت حکیم الامۃ کو اس کتاب کی تکمیل سے جس قدر

مسرت ہوئی ہے، اس کو لفظوں سے بیان نہیں کیا جا سکتا، فرماتے تھے، کہ اگر خانقاہ امدادیہ میں اعلاء السنن کے سوا اور کوئی کتاب بھی تصنیف نہ ہوتی، تو یہی کارنامہ اس کا اتنا عظیم الشان ہے کہ اس کی نظیر نہیں مل سکتی، اس میں صرف حنفیہ ہی کے دلائل حدیثیہ نہیں بلکہ متن کتاب میں احادیث مؤیدہ حنفیہ ہیں اور حواشی میں بڑی تحقیق اور تفتیش سے جملہ احادیث احکام کے استیعاب کی کوشش کی گئی ہے، پھر غایت انصاف کے ساتھ محدثانہ وفقیہانہ اصول سے جملہ احادیث پر کلام کیا گیا ہے، کوشش کی گئی ہے کہ ہر مسئلہ مختلف فیہا میں حنفیہ کے سب اقوال کو تلاش کیا جائے، پھر جو قول حدیث کے موافق ہوا، اسی کو مذہبِ حنفی قرار دیا گیا، تحقیق کامل کے بعد پورے وثوق سے کہا جاتا ہے کہ جس مسئلہ میں حنفیہ کا ایک قول حدیث کے خلاف ہو گا، تو دوسرا قول حدیث کے موافق ضرور ہو گا، یا کوئی حدیث یا آثار صحابہ ان کے قول کی تائید میں ہوں گے۔ آپ کو حیرت ہو گی کہ مسئلہ مصراۃ میں بھی امام ابو حنیفہ کا ایک قول حدیث صحیح کے بالکل موافق ہے، جس کو علامہ ابن حزم نے محلی میں روایت کیا ہے، اعلاء السنن میں تقلید جامد سے کام نہیں لیا گیا، بلکہ تحقیق فی تقلید سے کام لیا گیا ہے، جس مسئلہ میں حنفیہ کی دلیل کمزور تھی، وہاں صاف طور سے ضعفِ دلیل کا اعتراف کیا گیا، یا دوسرے مذاہب کی قوت کو تسلیم کیا گیا ہے۔

جن حضرات کو مذہب حنفی پر مخالفتِ حدیث کا اعتراض ہے وہ انصاف سے کام نہیں لیتے، جس مذہب میں مرسل و منقطع بھی حجت ہے اور راوی مستور الحال کو قبول کیا گیا ہے، قولِ صحابی کو بھی قیاس سے مقدم مانا گیا ہے اس سے زیادہ حدیث پر عمل کرنے والا کون ہو سکتا ہے؟ بات یہ ہے کہ خبر واحد کی تصحیح و تضعیف میں جس طرح باہم محدثین میں اصولی اختلاف ہے، اسی طرح حنفیہ کو بھی بعض مقامات میں محدثین سے اصولی اختلاف ہے، مثلاً حنفیہ کے نزدیک صحت خبر واحد کے لئے یہ بھی ضروری شرط ہے، کہ وہ اصول مشہورہ کے خلاف نہ ہو، اور یہ اصول قیاسی نہیں بلکہ نصوصِ قرآنی اور احادیث مشہورہ سے ماخوذ ہیں، بعض علمائے عصر نے حنفیہ کے کلام میں موافقت

اصول کی شرط دیکھ کر جو یہ دعویٰ کیا ہے کہ حنفیہ روایت پر درایت کو مقدم کرتے ہیں، یہ صحیح نہیں ہے، حنفیہ کے نزدیک تو حدیث ضیعف اور مرسل بھی قیاس سے مقدم ہے، وہ درایت کو روایت پر مقدم کیسے کر سکتے ہیں؟ حنفیہ کی مراد موافقتِ اصول سے اُن اصول کی موافقت ہے، جو نصوص قرآنیہ اور سنتِ مشہورہ سے ماخوذ اور امت کے نزدیک مسلم ہیں، یہ اور بات ہے کہ اصول درایت و قیاس کے موافق بھی ہیں، مگر قیاس سے ماخوذ نہیں، (ملاحظہ ہو ملفوظات عزیزیہ ص ۱۱۵ ۱۱۶ طبع مجتبائی میرٹھ) اس قاعدہ کی بنا پر حنفیہ بعض دفعہ ضعیف حدیث کو صحیح حدیث پر مقدم کر دیتے ہیں، کیونکہ ضعیف موافق اصول ہے، اور صحیح خلاف اصول، مگر وہ کسی حدیث کو رد نہیں کرتے، بلکہ حدیث مرجوح کا بھی اچھا محمل بیان کر دیتے ہیں، جس کی تائید حدیث کے تمام طرق کو جمع کرنے سے بخوبی واضح ہو جاتی ہے، اسی طرح حنفیہ کے نزدیک آثار و اقوال صحابہ کو رسول اللہ ﷺ کی مراد سمجھنے میں بڑا دخل ہے، وہ ہر خبر واحد کو آثار صحابہ کی روشنی میں سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں۔ یہ ایک اجمالی اشارہ ہے جس کی تفصیل کے لئے اعلاء السنن کا مطالعہ کرنا چاہیے۔

اس کتاب کا مقدمہ بھی مستقل کتاب کی صورت میں الگ چھپ چکا ہے جس میں حنفیہ کے اصولِ حدیث جمع کیئے گئے ہیں، اور ثابت کیا گیا ہے کہ جن اصول میں حنفیہ عام محدثین سے متفرد ہیں، ان میں بھی محدثین ان کے موافق ہیں، پھر مقدمہ فتح الباری کی ایک طویل فصل کا خلاصہ لکھ کر ثابت کیا گیا ہے کہ امام بخاری جیسا محدث بھی بعض دفعہ حنفیہ کے اصول پر چلنے کے لئے مجبور ہو جاتا ہے، پس جب تک حنفیہ کے اصولِ حدیث سے پوری واقفیت حاصل نہ ہو جائے، اس وقت تک ان کی کسی دلیل کو کسی محدث کے ضعیف کہنے سے ضعیف نہیں کہا جا سکتا۔

الحمد للہ اس کتاب کی تکمیل سے حضرت شاہ ولی اللہ قدس سرہ کی وہ بات پوری ہو گئی، جس کو انھوں نے فیوض الحرمین میں کبریت احمر واکسیر اعظم بتلایا ہے،

قال عرفنی رسول الله صلی الله علیه وسلم ان فی المذهب الحنفی طریقه انیقة فی اوفق الطرق بالسنة المعروفة التی جمعت ونقحت فی زمان البخاری و اصحابه و ذلك ان یوخذ من اقوال الثلاثة قول اقربهم بها فی المسئلة ثم بعد ذلك یتبع اختیارات الفقهاء الحنفیین الذین کانوا من اهل الحدیث قرب شئی سکت عنه الثلاثة فی الاصول وما تعرضوا لنفیه و دلت الاحادیث علیه فلیس بد من اثباته والکل مذهب حنفی، اه	فرماتے ہیں کہ مجھے رسول اللہ ﷺ نے بتلایا ہے کہ مذہب حنفی میں ایک طریقہ بڑا عمدہ ہے، جو اس طریقِ سنت کے بہت زیادہ موافق ہے، جو بخاری اور ان کے اصحاب کے زمانہ میں مدون اور منقح ہو چکا ہے وہ یہ کہ (ائمہ) ثلاثہ (ابو حنیفہ وابو یوسف ومحمد رحمہم اللہ) کے اقوال میں سے اس قول کو لیا جائے، جو اس مسئلہ میں سب سے زیادہ حدیث کے قریب ہو، پھر ان فقہائے حنفیہ کے جو محدثین میں سے تھے اختیارات کا تتبع کیا جائے، کیونکہ بعض مسائل ایسے بھی ہیں جن سے ائمہ ثلاثہ نے ظاہر روایت میں سکوت کیا، اور ان کی نفی سے تعرض نہیں کیا، اور احادیث ان پر دلالت کر رہی ہیں، تو ان کو ثابت ماننا ضروری ہے، اور یہ سب مذہب حنفی ہوگا، (مذہب سے خارج نہ ہوگا)
آگے چل کر ارشاد فرماتے ہیں :۔ و هذه الطریقة ان اتمها الله تعالیٰ و اکملها فهی الکبریت الاحمر والا کسیر الاعظم	(شاہ صاحب فرماتے ہیں) کہ اگر اللہ تعالیٰ اس طریقہ کو پورا کر دیں تو وہ کبریت احمر اور اکسیر اعظم ہوگا،

الحمد للہ یہ طریقہ کبریت احمر و اکسیر اعظم شاہ ولی اللہ صاحب ہی کے سلسلہ میں حضرت حکیم الامت مولانا تھانوی نور اللہ مرقدہ کے دورِ تجدید میں پورا ہو گیا، کیونکہ اعلاء السنن میں یہی کیا گیا ہے، کہ ائمہ ثلاثہ اور علماء حنفیہ کے اقوال کا پورا تتبع کر کے جو قول حدیث کے زیادہ موافق ملا، اسی کو مذہب قرار دیا گیا،

اس وقت تک اس کتاب کی گیارہ جلدیں طبع ہو چکی ہیں، نو جلدیں بصورتِ مسودہ رکھی ہوئی ہیں، جن میں سے تین کی کاپی ہو چکی ہے، کاغذ کی گرانی کی وجہ سے طباعت میں تاخیر ہو رہی ہے، حضرت حکیم الامت کی جماعت کا خصوصاً اور تمام مسلمانوں کا عموماً فرض ہے کہ اس کتاب کی تکمیلِ طباعت میں پوری کوشش کریں، علامہ محمد زاہد کوثری مصری نے اس کی دس جلدوں پر نظر فرما کر اپنی طرف سے مفصل تقریظ جریدہ الاسلام مصر میں شائع فرمائی ہے، جس کو دیکھ کر اندازہ ہو سکتا ہے کہ بیرونِ ہند کے علماء نے اس کتاب کو کس وقت کی نظر سے دیکھا ہے، ان کی تقریظ کے آخری چند جملے یہ ہیں، فرماتے ہیں،

والحق يقال انى دهشت من هذا الجمع و هذا الا ستقصاء ومن هذا الا ستيفاء البالغ فى الكلام على كل حديث بما تقضى به الصناعة متناوسنداً من غيران يبدوعليه آثار التكلف فى تائيد مذهبه بل الانصاف رائده عند الكلام على آراء اهل المذاهب فاغتبطت به غاية الاغتباط و هذا تكون همة الرجال و مبرالا بطال اطال الله بقائه فى خير و عافية و وفقه لتاليف امثاله من المؤلفات النافعة،

حق بات کہنا پڑتی ہے میں تو اس طرح حدیثوں کے جمع کرنے، تلاش کرنے اور پوری طرح ہر حدیث کے موافق مفصل کلام کرنے سے حیرت میں رہ گیا، پھر خوبی یہ ہے کہ مذہب کی تائید میں تکلف کے آثار کا نام و نشاں نہیں بلکہ جملہ اہل مذاہب کی رایوں پر انصاف کو امام بنا کر کلام کیا گیا ہے، مجھے اس کتاب سے بے انتہا خوشی ہوئی، ہمت مردانہ اسے ہی کہتے ہیں اور بہادروں کا استقلال ایسا ہی ہوتا ہے، اللہ تعالیٰ مؤلف کو خیر و عافیت کے ساتھ تادیر سلامت رکھے اور اس جیسی اور نافع تالیفات کی توفیق دے (آمین)

حضرت حکیم الامۃ نے ایک طرف مذہبِ حنفی کو احادیث کی روشنی میں منقح فرمایا اور دوسری طرف مسائل سلوک و تصوف کو قرآن کی آیاتِ کثیرہ سے مجتہدانہ شان کے ساتھ مدون فرمایا، جس کا نام مسائل السلوک ہے پھر احادیث تصوف کو کتاب التعرف باحادیث التصوف میں جمع فرمایا اور دنیا کو بتلا دیا کہ صحیح اسلامی تصوف صرف قرآن و حدیث التعرف سے ماخوذ ہے، اس کا کوئی مسئلہ بھی کسی غیر اسلامی مآخذ سے لیا ہوا نہیں، التعرف سے پہلے احادیث تصوف میں مستقل کتاب سننے میں نہیں آئی، الحمد للہ اس کتاب نے صحیح اسلامی تصوف سے مسلمانوں کو روشناس کر دیا ہے، ضرورت ہے کہ حکیم الامۃؒ کی جماعت میں کوئی صاحبِ ہمت اس موضوع کی تکمیل کے لئے قدم آگے بڑھائیں کیونکہ التعرف میں ہنوز جملہ احادیث تصوف کا استیعاب نہیں ہوا۔

(اشرف المقالات جلد دوم)

محبوبِ نبی شبّیر علی

مولانا شبیر علی صاحب تھانویؒ کا تذکرہ

برادرم مولوی شبیر علی مرحوم کا یہ سجع حضرت حکیم الامت قدس سرہ کا بنایا ہوا ہے ۔میں نے ان کا سجع مرغوب نبی شبیر علی کہا تھا۔ حضرت نے اس کو بدل کر محبوبِ نبی شبیر علی بنا دیا۔واقعی وہ اس سجع کے مصداق تھے۔ حضرت حکیم الامتؒ کے بھی محبوب تھے اور اپنے اساتذہ وغیرہ اقرباء کے بھی محبوب تھے اور جو ان سے ملتا تھا وہ ان سے محبت کرتا تھا۔ برادرم مرحوم کی ولادت ماہ رمضان ۱۳۱۲ھ میں ہوئی جو انتقال سے ایک ماہ پہلے مجھ سے خود بیان کی تھی، چونکہ کئی لڑکیوں کے بعد پیدا ہوئے۔ماموں صاحب مرحوم کو بڑی خوشی ہوئی۔اس وقت ماموں صاحب مرحوم غالبًا بانس بریلی میں ملازم تھے۔ یا شاہو سہارنپور میں سنا ہے کہ حضرت حکیم الامۃ قدس سرہ نے ماموں صاحب مرحوم سے فرمایا کہ بھائی میری کوئی اولاد نہیں شبیر علی کو مجھے دے دو میں اس کو عالم بنا دوں گا،

انھوں نے منظور کیااور جب وہ دس گیارہ سال کے ہوئے تھانہ بھون میں حضرت ہی کے پاس آگئے۔ اس وقت میں بھی دیوبند سے تھانہ بھون آ گیا تھاہم دونوں ساتھ ساتھ مولانا عبداللہ صاحب گنگوہیؒ سے ابتدائی صرف و نحو کی کتابیں پڑھتے تھے۔ مولانا عبداللہ صاحب نے ہم دونوں ہی کے لئے کتاب تیسر المبتدی لکھی تھی جس کا ہر سبق لکھ کر حضرت حکیم الامۃؒ کو دکھلاتے پھر ہمیں پڑھاتے تھے پھر کچھ دنوں کے بعد وہ اپنے والد کے پاس چلے گئے' غالباً خرابی صحت کی وجہ سے ایسا ہوا۔ میں تو عربی پڑھتا رہااور انھوں نے اپنے والد کے پاس یا اسکول میں انگریزی پڑھی' دو تین سال کے بعد پھر تھانہ بھون آ گئے' میں اس وقت کانپور کے مدرسہ جامع العلوم میں پڑھتا تھااور وہ تھانہ بھون میں مولانا عبداللہ صاحب گنگوہیؒ سے عربی کتابیں پڑھتے تھے۔ جب میں جامع العلوم کانپور میں دینیات سے فارغ ہو کر تھانہ بھون آ گیااور وہاں سے مدرسہ مظاہر علوم میں درسیات کی تکمیل کے لئے چلا گیا۔ مولانا عبداللہ صاحب گنگوہیؒ بھی مظاہر علوم سہارنپور میں تشریف لے آئے ان کے ساتھ مولوی شبیر علی بھی مظاہر علوم میں آگئے وہ اس وقت عربی کی متوسط کتابیں پڑھتے تھے' حضرت مولانا خلیل احمد صاحب قدس سرہ کی ان پر بہت نظر عنایت تھی۔ طبیعت کے بہت تیز اور ذہین تھے مگر کتابوں کے مطالعہ اور تکرار میں سست تھے بایں ہمہ قراءت تو سب سے اچھی اور صحیح کرتے تھے۔ جب میں مظاہر علوم میں درسیات سے فارغ ہوتے ہی ربیع الاوّل ۱۳۲۹ھ میں مظاہر علوم کا مدرس ہو گیا۔ تب بھی وہ مظاہر علوم میں تعلیم پا رہے تھے یہ یاد نہیں کہ دورۂ حدیث مظاہر علوم میں پڑھایا نہیں مگر انتقال سے ایک ماہ پہلے اثناء گفتگو میں یہ کہا تھا کہ جب مولانا عنایت علی صاحب مہتمم مدرسہ مظاہر علوم نے مجھے سند لینے کو بلایا میں نے سند لینے سے انکار کر دیا۔ وجہ پوچھی تو میں نے کہا آپ تو ہر کس و ناکس کو سند دے رہے ہیں' میرا فلاں ساتھی بالکل کند ذہن ہے جسے کچھ بھی لیاقت نہیں آپ اس کو بھی سند دے رہے ہیں تو آپ کی سند قابل اعتبار نہیں۔ انھوں نے حضرت مولانا خلیل احمد صاحب قدس سرہ سے اس کا تذکرہ کیا تو فرمایا' مولوی شبیر علی سے کہہ دو کہ ان کو ہم خود اپنے ہاتھ سے سند دیں گے۔ چنانچہ حضرت نے اپنے ہاتھ سے مجھے سند دی تو سر آنکھوں پر رکھ لی اس سے معلوم ہوتا

ہے کہ مظاہر علوم میں بھی وہ دورۂ حدیث پڑھ چکے تھے' اس کے بعد دیوبند جا کر حضرت شیخ الہند مولانا محمود الحسن صاحب قدس سرہ کے درس حدیث میں شرکت کی اور وہاں بھی دورہ سے فارغ ہوئے۔ اس کے بعد وہ تھانہ بھون ہی میں قیام پذیر ہو گئے۔ اس زمانہ میں مولانا عبداللہ صاحب گنگوہیؒ تھانہ بھون سے کاندھلہ کے مدرسہ عربی میں مدرس اوّل ہو کر چلے گئے تو مولوی شبیر علی نے ان کا تجارتی کتب خانہ خرید لیا اور کتابوں کی تجارت کا سلسلہ شروع کر دیا۔ اس کے ساتھ اپنے والد صاحب کی زمینداری کا دیکھنا بھالنا بھی شروع کر دیا۔ کچھ عرصہ کے بعد منشی رفیق احمد صاحب کی شرکت میں امداد المطابع کے نام سے ایک پریس جاری کیا اور تھانہ بھون سے ماہنامہ "الامداد" جاری کیا۔ میں اس وقت مدرسہ ارشاد العلوم گڑھی پختہ میں مدرس اوّل تھا' جب میں ذی قعدہ ۱۳۳۹ھ کے اول میں پھر حج کو گیا اور ربیع الاول ۱۳۳۹ھ میں واپس ہوا تو کاندھلہ کے اسٹیشن پر وہ میرے استقبال کو آئے۔ کیونکہ وہاں شاہدرہ اور سہارنپور سے آنے والی گاڑیوں کا میل ہوتا تھا اور اس وقت حضرت حکیم الامت قدس سرہ بھی بمبئی سے ہمارے ساتھ واپس آرہے تھے کہ ان کی اہلیہ صغریٰ بھی ہمارے ساتھ حج کر کے واپس آرہی تھیں۔ تو مولوی شبیر علی صاحب نے مجھ سے کہا کہ میں تو دراصل آپ کے استقبال کو اسٹیشن آیا ہوں کہ اب آپ گڑھی پختہ جانے کا خیال نہ کریں' بلکہ تھانہ بھون ہی میں قیام کریں کیونکہ مجھے بیان القرآن کا خلاصہ کرانا ہے جو حمائل کے حاشیہ پر طبع ہو گی۔ اس وقت منشی رفیق احمد صاحب کی شرکت ختم ہو چکی تھی وہ بڑی تقطیع کے قرآن پر پوری تفسیر بیان القرآن چھاپ رہے تھے میں نے ان کی فرمائش منظور کر لی اور تلخیص البیان کے نام سے خلاصۂ بیان القرآن ایک سال کے عرصہ میں مکمل کر دیا۔ مولوی شبیر علی صاحب نے اس حمائل کا کچھ حصہ لکھنؤ میں چھپوایا تھا وہ تو اچھا رہا اس کے بعد عجلت کے خیال سے ایک بڑی مشین خود خرید لائے اور اس میں بقیہ حصہ حمائل کا طبع کیا گیا مگر جلدی کی وجہ سے وہ اچھا نہ چھپا' اس لئے کچھ زیادہ نفع نہ ہوا تو مشین کو فروخت کر دیا۔ پھر تفسیر بیان القرآن پر حضرت حکیم الامۃ سے نظر ثانی کرا کر مطبع مجتبائی دہلی کے طرز پر چھاپ دی۔

یہ لکھنا بھول گیا کہ جب وہ مولانا عبداللہ صاحب گنگوہیؒ کا کتب خانہ خرید کر تجارت

کا سلسلہ شروع کر چکے تھے اسی زمانہ میں ان کی شادی ہوئی۔ اہلیہ گنگوہ کی رہنے والی تھیں مگر اس وقت وہ اپنے بھائی مظہر احمد صاحب کے پاس حیدر آباد میں تھیں' اس لئے حضرت حکیم الامۃ قدس سرہ بھائی شبیر علی کو اپنے ساتھ لے کر حیدر آباد دکن تشریف لے گئے۔ وہاں دس پندرہ دن قیام کر کے دلہن کو اپنے ساتھ لائے ماموں اکبر علی صاحب مرحوم نے بڑی شان سے ولیمہ کیا ساری بستی کو دعوت دی اور جو مسافر ملا اس کو بھی ولیمہ میں مدعو کیا گیا۔

مولوی شبیر علی صاحب کو خدا نے بہت اولاد دی مگر بچپن ہی میں اکثر کا انتقال ہو گیا۔ ایک لڑکا ظہیر علی گیارہ بارہ سال کا ہو گیا تھا میں نے اس کو صرف و نحو کی ابتدائی کتابیں اور روضۃ الادب پڑھائی تھی۔ بڑا ہونہار سلیم الطبع تھا۔ جب وہ گیارہ بارہ سال کا ہوا تھانہ بھون میں طاعون شروع ہو گیا حضرت حکیم الامۃ کے ارشاد سے میں نے مسلمانوں کی تسلی کے لئے چند وعظ کہے۔ ایک وعظ میں طاعون کا شہادت ہونا بیان کر کے اس کے فضائل بتلائے تو ظہیر علی مرحوم نے باہر آ کر دوستوں سے کہا کہ میرا تو دل چاہتا ہے کہ مجھے طاعون ہو جائے کیسی گھڑی تھی کہ دعا قبول ہو گئی اور چند روز بعد وہ طاعون میں مبتلا ہو کر انتقال کر گیا۔ اس کے بعد اس کی بڑی بہن حلیمہ کو بھی طاعون ہو گیا جس کا نکاح مولوی شمس الحسن امام مسجد خضراء کراچی سے ہوا تھا۔ یہ دونوں صدمے یکے بعد دیگرے بڑے جانکاہ تھے مگر بھائی مولوی شبیر علی مرحوم نے بڑے ضبط و صبر سے کام لیا جس پر مجھے بہت حیرت تھی' اس ضبط کامل کا یہ اثر ہوا کہ ان کا دل کمزور ہو گیا۔ اور کچھ دنوں کے بعد ان کو استسقاء کا مرض بھی ہو گیا جس کے علاج کے لئے مولانا حکیم صدیق احمد صاحب کاندھلویؒ کے پاس ان کو کاندھلہ جانا پڑا جس سے بحمد للہ صحت ہو گئی مولوی شبیر علی صاحب نے کچھ ابتدائی عربی کتابوں کا درس بھی خانقاہ امدادیہ میں دیا ہے جب مولوی احمد حسن سنبھلی سے اہتمام خانقاہ کا کام نہ چلا تو حضرتؒ نے مجھ سے مشورہ کیا کہ اہتمام کا کام کس کے سپرد کیا جائے میں اس وقت ارشاد العلوم گڑھی پختہ میں مدرس تھا۔ میں نے عرض کیا مولوی شبیر علی اس کام کے لئے موزوں ہیں' فرمایا ٹھیک ہے۔ مگر اہل خانقاہ اس سے راضی ہوں گے یا نہیں؟ میں نے عرض کیا جب آپ راضی ہوں گے پھر کوئی خلاف نہ کریگا یہ زمانہ ۱۳۳۷ھ کا تھا۔

پھر غالباً ۱۳۴۰ھ میں حضرت حکیم الامۃؒ نے کلید مثنوی کو پورا کرنا چاہا دفتر اوّل اور دفتر ششم و ہفتم کو تو پہلے ہی پورا کر دیا تھا بقیہ دفتروں کی شرح اس طرح شروع کی گئی کہ برادرم مولوی شبیر علی اور مولانا حبیب احمد کیرانوی مرحوم سبقاً سبقاً مثنوی کا درس حضرت سے لیتے اور مولانا کی تقریر ضبط کر کے حضرت کی خدمت میں پیش کرتے اس طرح شرح شبیری اور شرح حبیبی کے نام سے مثنوی کے سب دفتروں کی شرح مکمل ہو گئی۔ شرح شبیری آسان ہے اور شرح حبیبی زیادہ آسان نہیں۔ برادرم مولوی شبیر علی نے خانقاہِ امدادیہ کا انتظام بہت خوبی سے انجام دیا۔ جس کو اہل سلسلہ نے پسند کیا۔

مولوی شبیر علی مرحوم حضرت حکیم الامۃؒ کے مزاج شناس تھے' اس لئے حضرت کو بھی ان سے بہت راحت تھی' زمانہ تحریکات خلافت میں جب حضرت حکیم الامۃؒ کے خلاف بہت شورش تھی مرحوم حضرت کی حفاظت کا بہت خیال رکھتے تھے۔

مہمات امور میں وہ بڑی ذہانت سے کام لیتے اور کامیاب ہو جاتے تھے۔ ایک بار حضرت حکیم الامۃؒ اپنے چھوٹے بھائی مولوی مظہر علی صاحب مرحوم سے ملنے علی گڑھ تشریف لے گئے کہ وہ اس وقت وہاں ملازم تھے۔ واپسی میں ان کی اہلیہ بھی حضرت حکیم الامۃؒ کے ساتھ تھانہ بھون آنے کو تیار ہو گئیں اور ماموں مظہر علی صاحب نے ان کا ٹکٹ اور زائد سامان کی رسید حضرت کے حوالہ کر دی۔ اور یہ نہ کہا کہ جس سامان کی یہ رسید ہے وہ ساتھ نہیں ہے بلکہ لگج میں ہے حضرت یہ سمجھے کہ جو سامان بھاوجہ کی ساتھ ہے وہی قانون سے کچھ زیادہ ہے اور رسید اسی کی ہے' چنانچہ شاہدرہ اسٹیشن پر اترے تو ٹکٹوں کے ساتھ وہ رسید بھی ٹکٹ بابو کے حوالہ کر دی اور چھوٹی لائن کی گاڑی میں سوار ہو گئے۔ بھاوجہ کو زنانہ درجہ میں سوار کروادیا گیا۔ تھانہ بھون پہونچکر جو سامان ساتھ تھا بھاوجہ کے پاس بھیج دیا گیا۔ وہ یہ سمجھی کہ سارا سامان آ گیا ہے دوسرے یا تیسرے دن انھوں نے دیکھا تو معلوم ہوا کہ لگج کا سامان نہیں پہنچا' انھوں نے کہلا کر بھیجا کہ میرا بہت سامان لگج تھا اس کی رسید بھی آپ کو دی گئی تھی وہ سامان کہاں ہے ؟ حضرت نے فرمایا کہ بھائی صاحب نے مجھ سے یہ نہیں کہا کہ یہ رسید لگج کے سامان کی ہے۔ میں سمجھا کہ جو سامان ساتھ ہے وہی قانون سے زیادہ ہے اور رسید اسی کی

ہے۔ میں نے تو ٹکٹوں کے ساتھ وہ رسید بھی بابو کو دے دی ہے۔ اب ریلوے سے مطالبہ کرنے کی بھی کوئی صورت نظر نہیں آتی' چھوٹی ممانی صاحبہ بڑی پریشان ہوئیں کہ میرا تو سارا قیمتی سامان اسی میں تھا۔ حضرت نے فرمایا گھبراؤ نہیں اللہ پر بھروسہ کرو میں کچھ انتظام کرتا ہوں' یہ کہہ کر مولوی شبیر علی کو بلایا اور سارا واقعہ سنا کر فرمایا اللہ کا نام لیکر جاؤ اور شاہدرہ اسٹیشن کے گودام میں وہ سامان ہوگا کسی تدبیر سے وصول کر لاؤ۔ مولوی شبیر علی شاہدرہ پہونچے گودام کھلا ہوا تھا وہ سیدھے گودام میں پہنچے اور اپنی چچی کے بکسوں کو پہچان کر قلی کو آواز دی کہ یہ سارا سامان اُٹھالو۔ بابو نے کہا پہلے اس کی رسید دیجئے کہا رسید آپ کو ٹکٹوں کے ساتھ مل چکی ہے۔ غلطی سے یہ سامان یہاں رہ گیا ہے میں اب اس کو لینے آیا ہوں' بابو نے کہا بغیر رسید دیئے آپ نہیں لے جاسکتے۔ انھوں نے ڈانٹ کر کہا کہ اپنے ٹکٹوں کو فلاں تاریخ میں دیکھوان میں رسید نہ ہے تو مجھ سے بات کرو۔

بابو بھی تیزی میں آ گیا تو مولوی شبیر علی صاحب فوراً ٹیلیفون پر جا بیٹھے اور اپنے ایک عزیز کو جو دہلی کی پولیس میں سپرنٹنڈنٹ تھے فون کرنے لگے۔ یہ دیکھ کر بابو ڈر گیا اور کہنے لگا اچھا اچھا آپ اپنا سامان لے جائیں کسی کو فون کرنے کی ضرورت نہیں۔ چنانچہ وہ اپنی چچی کا پورا سامان قلی کے سر پر رکھوا کر شاہدرہ سہارنپور ریلوے کی گاڑی میں سوار ہو کر خیریت تھانہ بھون پہنچ گئے اور سارا قصہ حضرت کو سنایا' بڑے خوش ہوئے بہت دعائیں دی۔

ایک بار حضرت حکیم الامۃؒ کی بڑی اہلیہ مرحومہ نے ایک بھنگن کی لڑکی کو جو ہمارے گھروں میں کام کرتی تھی اس کی خواہش پر کلمہ پڑھا کر مسلمان کر لیا اور نہلا دھلا کر اچھے کپڑے پہنا کر اپنے پاس بٹھلا لیا۔ حضرت حکیم الامۃؒ گھر میں تشریف لائے تو لڑکی کو دیکھ کر پوچھا یہ کون ہے؟ فرمایا یہ ہماری بھنگن کی لڑکی ہے' اس نے کہا مجھے مسلمان کر لو۔ اور میں نے غسل دلا کر کپڑے پہنا کر اسے کلمہ پڑھا دیا اور مسلمان کر لیا ہے۔ اب یہ نماز سیکھ رہی ہے فرمایا تم نے غضب کیا پہلے مجھ سے تو

ذمے ہے۔ اب کسی طرح اسے بھنگیوں کے حوالہ نہیں کرسکتے۔ کچھ تدبیر کریں گے 'اللہ تعالےٰ کامیاب فرمائیں پھر خانقاہ میں تشریف لاکر مولوی شبیر علی کو بلایا اور سارا قصہ سنا کر فرمایا کوئی تدبیر کرو کہ بھنگی اس سے دست بردار ہو جائیں اب ہم کسی طرح اس کو ان کے حوالے نہیں کر سکتے۔ مولوی شبیر علی مرحوم اپنے مکان پر آئے اور ملازم کے ہاتھ اس لڑکی کے شوہر کو بلایا اور کہا تیری بیوی مسلمان ہو گئی ہے اب وہ تیرے حوالہ نہیں ہو سکتی' تیرا جو خرچہ اس کے نکاح میں ہوا ہو بتلا دے ہم ادا کر دیں گے اس نے کہا حضور میرے پچاس روپے خرچ ہوئے ہیں۔ انھوں نے فوراً بکس سے پچاس روپے نکالے اور کاغذ پر دستخط کرا لئے۔ جس میں پہلے سے لکھدیا گیا تھا کہ چونکہ میری بیوی فلاں اپنی خوشی سے مسلمان ہو گئی ہے 'اور اب میرے پاس نہیں رہ سکتی۔ اس لئے میں اس سے دست بردار ہوتا ہوں جو کچھ میرا خرچ ہوا تھا وہ میں نے وصول کر لیا ہے۔ اس لئے اب میرا اس پر کوئی دعویٰ نہیں وہ جہاں چاہے رہے اور جس سے چاہے شادی کرے۔ سرکاری ٹکٹ لگا کر شوہر کا انگوٹھا بھی لگوالیا۔ اور حضرت حکیم الامۃؒ کے حوالہ کیا اور کہا اب کوئی کچھ نہیں کر سکتا آپ بے فکر رہیں ہیں چنانچہ وہ لڑکی حضرتؒ کی اہلیہ کبریٰ کے پاس ہی ایک دو سال رہی' قرآن شریف اور بہشتی زیور وغیرہ پڑھتی رہی' پھر ملا عبدالکریم نو مسلم سے شادی کر دی گئی جو بعد میں موضع آبہ تعلقہ نانوتہ گاؤں کی مسجد کے پیش امام ہو گئے اور یہ لڑکی گاؤں کی بچیوں کو قرآن شریف' بہشتی زیور پڑھانے لگی اور ملانی کہلانے لگی۔

حضرت حکیم الامۃؒ سیاسی تحریکات سے الگ رہتے تھے کیونکہ سب میں کانگریس کے ساتھ مل کر مسلمان کام کر رہے تھے جب مسلم لیگ کو مسٹر محمد علی جناح (قائداعظم) نے کانگریس سے الگ کر کے مستقل اسلامی پلیٹ فارم قائم کیا تو حضرتؒ نے مسلم لیگ کی حمایت کا اعلان کر دیا۔ اس سلسلہ میں برادرم مولوی شبیر علی صاحب نے جو کام کیئے ہیں وہ رسالہ (تعمیر پاکستان اور علماء ربانی) میں مذکور ہیں۔ جو منشی عبدالرحمٰن خاں صاحب جھلیک ملتان شہر نے تالیف کیا ہے اور انھی سے مل سکتا ہے۔ حضرت حکیم الامۃؒ کی حیات میں ہی تحریک پاکستان کا آغاز ہو گیا تھا' ۱۹۴۰ء میں لاہور کے اجلاس میں پاکستان کے نام سے تو نہیں مگر مسلمانوں کے لئے علیٰحدہ حکومت کا مطالبہ

شروع ہو گیا تھا۔ حضرت حکیم الامتؒ اس مطالبہ کے دل سے حامی تھے، مگر کبھی کبھی یہ تشویش بھی ظاہر فرماتے تھے کہ مسلمانوں کی علیحدہ حکومت تو ان صوبوں میں قائم ہو گی جہاں مسلمانوں کی اکثریت ہے تو یو۔پی وغیرہ میں جو اسلامی مدارس، خانقاہیں اور مساجد ہیں ان کا کیا حشر ہو گا: میں نے عرض کیا ابتداء میں تو ان کو اسی طرح یہاں چھوڑنا ہو گا۔ جس طرح ہجرت مدینہ کے وقت حضور علیہ ﷺ نے بیت اللہ کو کفار مکہ کے قبضہ میں چھوڑ دیا تھا۔ پھر اللہ نے کیا تو مکہ بھی فتح ہوا اور یہ سب مقامات مسلمانوں کی حکومت کے تحت آ گئے۔ جب تک ہندوستان پر حکومت اسلام کا غلبہ ہو انشاء اللہ جو مسلمان یہاں رہ جائیں گے وہ ان مساجد و مدارس اور خانقاہوں کی حفاظت کریں گے۔ حضرت نے فرمایا خدا کرے یہ مسلم لیگ والے علیحدہ حکومت مل جانے کے بعد وہاں دین کو جاری کریں، بد دینی کو مٹائیں، نیک اعمال کی پابندی کریں برے کاموں سے پرہیز کریں۔ تو جلد کامیابی ہو جائے گی۔ میں نے عرض کیا آپ دعا فرمائیں کہ یہ لوگ اپنے وعدے پورے کریں اب تک تو وہ بہت کچھ وعدے کر رہے ہیں۔ بھائی مولوی شبیر علی مرحوم بھی مسلم لیگ کی حمایت کرتے اور مسلمانوں کے لئے علیحدہ حکومت بن جانے کی بڑی تمنا رکھتے تھے جب ہم نے ۱۹۴۰ء میں جمعیۃ علماء اسلام کی بنیاد کلکتہ میں ڈالی تو بہت خوش ہوئے۔ جب لیاقت کاظمی الیکشن شروع ہوا میں اس وقت تھانہ بھون ہی تھا۔ سردار امیر اعظم خاں (جو اسوقت بھی بقید حیات ہیں اور پاکستان کے وزیر بھی رہ چکے ہیں) قائد ملت لیاقت علی خاں مرحوم کا خط لے کر میرے اور مولوی شبیر علی صاحب کے پاس پہونچے۔ پہلے مولوی شبیر علی صاحب سے ملے کہ ان کے ساتھ پہلے سے تعارف بھی تھا اور انکے ہی مکان پر اس وقت قیام بھی تھا۔ جب میں خانقاہ میں نماز پڑھ کر بھائی مولوی شبیر علی کے دفتر میں آیا تو وہاں سردار امیر اعظم سے میرا تعارف کرایا گیا۔ پھر قائد ملت مرحوم کا خط دکھلایا۔ اور کہا بھائی صاحب! اگر پاکستان بنانا شرعاً فرض ہے جیسا کہ آپ تقریروں میں برابر کہتے ہیں تو اس وقت کاظمی صاحب کے مقابلہ میں لیاقت علی خاں صاحب کی مدد کے لئے آپ کو دورہ کرنا ضروری ہے کیونکہ کاظمی صاحب کی مدد کو جمعیۃ علمائے ہند کے علماء مع اپنے شاگردوں کے دورہ پر نکل پڑے ہیں اور جن اضلاع سے ووٹ حاصل کرنا ہے وہاں علماء دیوبند کا خصوصاً مولانا مدنیؒ کا جس قدر اثر ہے آپ کو

معلوم ہے۔ علی گڑھ کے طلباء بھی لیاقت علی خاں کی مدد کو نکلے ہیں مگر ان سے مولانا مدنیؒ کی باتوں کا جواب نہیں ہو سکتا ان کی تو صورت ہی دیکھ کر عوام مسلمان کہہ دیں گے کہ تم کیا پاکستان قائم کرو گے نہ صورت اسلامی نہ شعائر اسلامی کی پابندی' اس لئے آپ کا الیکشن کے لئے دورہ کرنا ضروری ہے۔ میں نے ان کی سفارش منظور کر لی اور اللہ کا نام لے کر دورہ کے لئے نکل کھڑا ہوا۔

بھائی مولوی شبیر علی صاحب نے جب میں دورہ کر کے تھانہ بھون واپس آیا بڑی داد دی' میں نے کہا یہ سب اللہ کی تائید سے ہوا ورنہ میں کیا کر سکتا تھا۔ بہر حال وہ پاکستان کی کامیابی سے اور پاکستان بن جانے سے بہت خوش ہوئے۔ پاکستان بننے کے بعد کچھ عرصہ تھانہ بھون رہے' پھر وہاں کے حالات دگرگوں دیکھ کر پاکستان کا ارادہ کر لیا' مگر یہ ہوشیاری کی کہ ہندوستان سے براہ راست پاکستان نہیں آئے ورنہ اپنی کسی چیز کو فروخت نہ کر سکتے۔ انھوں نے پہلے حج کا ارادہ کر لیا' ہندوستان سے مکہ آئے اور وہاں ایک دو سال قیام کیا اس عرصہ میں ان کی زمین وغیرہ کا روپیہ سب مل گیا تو پھر وہاں سے سیدھے پاکستان آگئے' اوّل اوّل حیدر آباد میں قیام کیا پھر وہاں سے کراچی آگئے' یہاں آکر کتب خانہ کی شکل میں ایک دوکان کھول دی اور بہشتی زیور مکمل مدلل طبع کرائی۔ ناظم آباد نمبر ۴ میں اپنا ذاتی مکان تعمیر کر لیا۔ بڑا کمال یہ کیا کہ خانقاہ امدادیہ میں جو ضروری مسودات رہ گئے وہ سب بحفاظت مکہ لے گئے اور وہاں سے بحفاظت تمام پاکستان لے آئے۔

مسودات اعلاء السنن کا مجھے بہت فکر تھا کہ وہ سب کے سب خانقاہ کے کتب خانہ ہی میں محفوظ تھے۔ جب مجھے معلوم ہوا کہ بھائی مولوی شبیر علی سب کو بحفاظت تمام اپنے ساتھ لے آئے ہیں۔ تو میری خوشی کی انتہا نہ تھی' یہاں آکر وہ برابر اس کوشش میں رہے کہ جو حصے اعلاء السنن کے ابھی تک طبع نہیں ہوئے مسودہ ہی کی صورت میں ہیں جلد طبع ہو جائیں اور ایک دفعہ پوری کتاب منظر عام پر آجائے۔ اس کے لئے رنگون کے اہل خیر کے ساتھ بھی خط و کتابت کی اور افریقہ والوں سے بھی مگر کہیں کامیابی نہ ہوئی۔ بالآخر ہندوستان ہی کے ایک رئیس نے جو اس وقت پاکستانی بن گئے ہیں اس کار خیر کے لئے ہمت کی اور بارہ سے اٹھارہ تک اعلاء السنن کی غیر مطبوعہ جلدیں چھپوا دیں۔ اور انہاء السکن مقدمہ اعلاء السنن کا دوسرا حصہ اور انجاء الوطن کا پہلا حصہ بھی طبع کرا دیا۔ نیز

احکام القرآن کا حصہ اوّل ودوم بھی اس ناچیز ظفر کا لکھا ہوا تھا' چھپوادیا۔ یہ سورہ فاتحہ سے سورۃ النساء کے ختم تک لکھا گیا تھا' اس کے آگے کے حصے زیر تالیف ہیں۔ احکام القرآن کی آخری جلد مولانا محمد ادریس صاحب کاندھلوی نے لکھی ہے وہ بھی چھپ گئی ہے مولانا مفتی محمد شفیع صاحب نے بھی دو جلدیں تالیف کی ہیں اور زیر طبع ہیں۔

جن صاحب نے یہ حصے طبع کرائے ہیں انھوں نے اپنا نام بھی ظاہر نہیں کیا اللہ تعالےٰ ان کے خلوص میں برکت و ترقی دیں خدا کرے بقیہ حصے بھی لکھے جائیں اور ان کے طبع کا بھی انتظام ہو جائے۔ وما ذلك على الله بعزيز۔

میں نے مرحوم کو اگست ۱۹۶۸ء کے آخر میں اطلاع دی تھی کہ اوائل ستمبر میں کراچی آنے والا ہوں تو انھوں نے میرے بڑے لڑکے مولوی عمر احمد کو فون کیا کہ بھائی ظفر آگئے یا نہیں مولوی عمر اس وقت گھر پر نہ تھے' بہو نے ٹیلیفون پر بات کی مگر یہ نہ پوچھا کہ آپ کون صاحب ہیں جب مولوی عمر احمد گھر پر آئے ان سے ذکر کیا کہ ایک صاحب پوچھ رہے تھے کہ بھائی ظفر آگئے یا نہیں میں نے کہدیا کہ کل کو آرہے ہیں۔ مولوی عمر نے کہا بھائی ظفر کہنے والا چچا شبیر علی صاحب کے سوا کوئی نہیں۔ پھر انھوں نے خود فون پر بات کی اور کہہ دیا کہ والد صاحب کل کو آرہے ہیں فرمایا ہاں مجھے ان کا انتظار ہے۔ میں اگلے دن ملنے گیا۔ بڑے خوش ہوئے اور اعلاء السنن حصہ اوّل کے بارے میں گفتگو کرنے لگے کہ احیاء السنن اور استدراک الحسن کو الگ الگ چھاپنے کی ضرورت نہیں دونوں کو ملا کر ایک کتاب کر دی جائے اور اس کو اعلاء السنن کا حصہ اوّل قرار دیا جائے۔ جیسا کہ حضرت حکیم الامتؒ کا منشا تھا۔ یہ حصہ آجکل ٹائپ میں طبع ہو رہا ہے' خدا کرے جلد ہی طبع ہو جائے۔ پھر دعوۃ الحق کے سلسلہ میں بات ہوئی کہ مجھے اس کام کا بہت فکر ہے۔ میں نے اس کی مجلس منتظمہ میں تمھارا نام بھی لکھ دیا ہے میں نے کہا جتنا مجھ سے ہو سکے گا کام کرنے کو تیار ہوں۔ پھر جب میں رخصت ہونے لگا تو پوچھا تمھاری عمر اس وقت کیا ہے میں نے کہا ربیع الاوّل ۱۳۸۸ھ میں اسی سال میں آگیا ہوں۔ فرمایا میری پیدائش رمضان ۱۳۱۲ھ میں ہوئی ہے' خاندان میں مجھ سے بڑے تم ہی ہو اور سب مجھ سے چھوٹے ہیں۔ میں سلام کر کے اور ان کی پوتی کو پیار کر کے رخصت ہوا اور ٹنڈوالہ یار پہنچ گیا تو

۲۵ رجب کی رات کو ساڑھے دس بجے عزیز قاری احترام الحق سلمہ کا فون آیا کہ تائے ابا مولوی شبیر علی صاحب کا انتقال ہو گیا ہے اگر آپ حیدر آباد سے خیبر میل پا سکیں تو جنازہ میں شرکت ہو جائے گی مگر اس وقت حیدر آباد جانے کی کوئی صورت نہ تھی۔ جن دوستوں کے پاس کاریں تھی ان کو فون کیا تو کسی نے نہ اٹھایا دل مسوس کر رہ گیا اور جنازہ میں شریک نہ ہونے کا سخت افسوس ہوا۔ انا للّٰہ وانا الیہ راجعون۔

صبح ہی دار العلوم الاسلامیہ میں اعلان کر دیا کہ بھائی مولوی شبیر علی صاحب کا انتقال رات کو ساڑھے سات بجے دفعتہً ہو گیا طلبہ اور مدرسین بعد ظہر مسجد مدرسہ میں جمع ہو جائیں قرآن خوانی کے بعد ان کے لئے دعا اور ایصال ثواب کریں۔ چنانچہ چار پانچ قرآن ختم کیئے گئے ہیں۔ پھر میں نے مرحوم کی مختصر سوانح حیات بیان کر کے ان کے لئے دیر تک دعائے مغفرت ورحمت کی ایصال ثواب کیا اللہ تعالےٰ قبول فرمائیں۔

مرحوم نے اپنی آخری عمر میں دو بڑے کام کیئے ایک اعلاء السنن کے بقیہ حصے اور احکام القرآن کے تین حصے اور انجاء الوطن اور انہاء السکن حصہ دوم کا طبع کرا دینا جس کی امید منقطع ہو چکی تھی دوسری دعوۃ الحق کا کام شروع کر دینا جس کی حضرت حکیم الامۃ قدس سرہ نے اپنے متوسلین کو سخت تاکید کی ہے۔ جب اللہ تعالےٰ کسی بندہ کو چاہتے ہیں آخر عمر میں اسے ایسے ہی کاموں کی توفیق دیتے ہیں جو اللہ کو محبوب ہیں۔ اللہ تعالےٰ ان کی مغفرت فرمائے۔ اور درجے بلند فرمائے آمین۔

مرحوم نے اپنے پیچھے ایک بیوہ اور دو بچے برخوردار مشیر علی اور منیر علی سلمہا اور دو بھائی دو بہنیں چھوڑے ہیں۔ اللہ تعالےٰ سب کو صبر جمیل کی توفیق دیں اور ان کے صاحبزادوں کو ان کاموں کی تکمیل کا حوصلہ دیں جو مرحوم نا تمام چھوڑ گئے ہیں۔

وما ذلك على الله بعزيز۔

مرحوم کے انتقال سے ایک ماہ پہلے میں کراچی گیا تھا۔ اچھے خاصے چلتے پھرتے تھے گو بوجہ سانس کی تکلیف کے کہیں آتے جاتے نہ تھے، گھر پر ہی رہتے تھے کہ زیادہ چلنے سے سانس

پھول جاتی تھی۔ انتقال کے دن بھی ایسے ہی تھے۔ چار گھنٹے پہلے فون پر ناظم دعوۃ الحق سے آدھ گھنٹہ تک دعوۃ الحق کے سلسلہ میں باتیں کرتے رہے۔ مغرب کے بعد لڑکوں سے کہا مجھے نیند آرہی ہے ذرا سو رہوں' یہ کہہ کر لیٹ گئے اور ابدی نیند سو گئے۔

ناظم آباد نمبر ۴ کے قبرستان میں مولانا شاہ عبدالغنی صاحب پھولپوریؒ خلیفہ حکیم الامۃ کے پہلو میں دفن ہوئے۔

یغفر اللہ لنا ولہ ویر حمنا وایالا و ادخلنا وایا ہ الجنہ بر حمتہ و فضلہ و کرمہ وھو ارحم الرّحمین۔

مرثیہ

(حضرت مولانا شبیر علی صاحب تھانویؒ)

یا عین جودی به مع هاطل همل   علی حبیب جمیل الموجه والعمل

واحسرتاه من موت الحبیب ومن   بدرالجمال ببطن الارض منجدل

واحسرتاه کریم کان موضعه   بین العیون رهین الترب والجزل

واحسرتاه احیط البدر فی ظلم   من الغمام وغاب الشمس فی ظلل

وافرقتاه فان القلب متصدع   والعیش منکدر والعین فی همل

ما کان احسنهٗ خلقا و مکرمة   ما کان اطیبه نفسا بلا دخل

العلم ادبه والحلم هذبه   لم یلف قط علی شتم ولا جدل

بُعدَ اد سحقا لدنیا لایزال بها   هم یکدر صفوالعیش بالخلل

للّٰه در فتی قد کان منشاه   فی طاعة اللّٰه من ایامه الاول

مزین بحلی الاداب تائرةً   مطهر من قذی الامّارة السفل

حلو الشمائل طلق الوجه مبتسما   عون المساکین محبوب الانام ولی

حر کریم سخی ماجد فطن   بر حلیم تقی غیر ذی دغل

زين العشيرة نورالعين قرتها ⁂ نعم ومنطقه احلى من العسل

لا يبعد الله من قد كان طلعته ⁂ عين الحياة لنا بالاعين النجل

كنا نئومل ان تبقى لنا خلفا ⁂ فكنت سلفا لنا يا خير مرتحل

تبكى عليك عيون الناس قاطبة ⁂ مع السموات والارضين والجبل

وعد من الله ماتى على اجل ⁂ ولات حين مناص منه بالحبل

روى الاَ له صريحاضد عظمة ⁂ بصيب من رياض القدس منهمل

ثم الصلاة على من كان فائاته ⁂ اصل الخلائق جراها من الازل

محمد خاتم الانبياء سلاهم ⁂ واكرم الناس ظرا فضل الرسل

والال الصحب ثم التابعين لهم

مالاح نجبم علٰے الاَ فاق بالاصُل

جریح الفؤاد ظفر احمد العثمانی التھانویؒ

۱۹ شعبان ۱۳۸۸ھ

جہاد فلسطین

حضرت مولانا ظفر احمد صاحب عثمانی

ایک عربی قصیدہ جہاد فلسطین بھیج رہا ہوں، یہ اسرائیل کی پہلی جنگ کے موقعہ پر لکھا تھا اور حفلۃ العلماء منعقدہ مئی ۱۹۴۸ء کے یوم فلسطین میں پڑھا گیا تھا مگر شائع نہیں کیا گیا، اب اس کی اشاعت کا وقت ہے.............................والدعاء ظفر احمد عثمانی

جاء البرید علی الهوا بکتاب	من عندنا عمة القوام کعاب
نفسی وما بیدی فدا مصریة	من ال عثمانٍ ذوی الاحساب
یامنه منیة الساق کیف رثیت لی	من بعد طول تبتل و عتاب
قالت دعوتك کی تطهر ساحتی	من قوم دجال وجوه کلاب
من معشرباء و ابلعنة ربهم	فی العالمین مدنسی الاثواب
جاء واوقد ضربت علیهم ذلة	من عند ربی سید الارباب
جاء ت امیریکا لنصرة معشر	لعنوالاخر هذه الاحقاب

من ينصر الملعون باء بلعنة ... وترد نصرته على الاعقاب

من يلعن الله فلن تجد واله ... من ناصر يا معشر الاحزاب

نرجوالاله ولا نخاف كتيبة ... سارت انى اخواننا الاعراب

يكفى الاله المومنين قتالهم ... ويثيبنا فى الاجر خير ثواب

جائت يهود لكى تغالب ربها ... فليغلبن مغالب الغلاب

يامعشر الاسلام قوموا واضربوا ... اعدائكم ضربا بغير حساب

ياقومنا قوموا اليهم و انزعوا ... بيت المقدس من يدالخلاب

طوبىٰ لقوم قدموا فتقدموا ... لنكال كل مكذب مرتاب

يا معشر العرب الكريم فديتكم ... لا يغلبنكم اليهود بباب

انتم جنود الله فى يوم الوغىٰ ... انتم اسود فى صريمة غاب

يا قوم لا تهنوا ولا تخشوهم، ... وامحوا ظلامهم، بضوء شهاب

بعدا وسحقا لليهود ومن اتىٰ ... معهم يريد غنائم الاسلاب

الله ينصركم على اعدائكم ... ويبيدهم حقا بشر عقاب

هذا فلسطين لنا من غير ما ... ريب عطاء مليكنا الوهاب

ثم الصلوة على النبى محمد ... خير الورٰى والآل والاصحاب

مفہوم قصیدہ جہاد فلسطین

بادِ صبا دوشیزہ مصر کا پیغام لے کر آئی ہے۔

حیرت ہے کہ جس کا شیوہ جفا تھا، اب وہ مائل بہ کرم ہے۔

میں نے پوچھا کہ طویل بے رُخی کے بعد یہ التفات کیوں ؟

کہنے لگی، میں نے تمھیں پکارا ہے کہ تم میرے صحن کو

دجال کی سگ رُد قوم سے پاک کر دو۔

اُس قوم سے پاک کر دو جس پر پروردگار کی لعنت کا پشتارہ لدا ہوا ہے۔

جو زمین پر ذلت وخواری کی مہر لگائے اتری ہے۔

امریکہ بھی اُس گرو کی مدد کو آ گیا، جس پر رہتی دنیا تک لعنت برستی رہے گی۔

لیکن جو کسی ملعون کی پشت پناہی کرے، اس کی مدد ہی کیا ؟

اُس کی مدد ایک نہ ایک دن الٹے پاؤں لوٹ جائے گی،

ہم خدا کی رحمت کے امیدوار ہیں، ہمیں کسی لاؤ لشکر کا خوف نہیں۔

اگر ہم مومن ہوں تو خدا ہماری مدد کریگا، اور آخرت میں ہمارے لئے بہترین اجر ہوگا۔

اے توحید کے فرزندو! کمربستہ ہو جاؤ، دشمن تمھارے کاری وار کے انتظار میں ہے۔

اے قوم! ہمت کر اور بیت المقدس کو غاصبوں سے چھین لے۔

آفرین ہو ان جانبازوں پر جو کفر کو عذاب دینے کے لئے آگے بڑھیں،

سرزمین عرب کے جوانو! ہم تم پر فدا ہیں، یہودی تم پر دائمی غلبہ نہیں پا سکتے۔

تم میدانِ کارزار میں اللہ کے سپاہی ہو۔

تم کچھاروں کے شیر ہو جو ڈرنے اور جی چھوڑنے کے لئے پیدا نہیں ہوئے۔

اٹھو، اور ظلم کی تاریکی میں انصاف کے ستارے روشن کرو۔

یہودی نامراد ہیں، نامراد ہوں گے۔

اور جو دولت و مال کی ہوس میں ان کے ساتھ آئے گا، وہ بھی نامراد ہو گا۔

فلسطین ہمارا ہے ہمارا رہے گا،

درود و سلام ہو اس پر جو تمام مخلوقات کا سردار ہے!

حضرت مولانا ظفر احمد عثمانیؒ کا
ایک اہم انٹرویو

مولانا مرحومؒ کا انٹرویو

تنگ نظر مخالفین کا ہمیشہ سے یہ طریقہ رہا ہے کہ وہ اپنے نظریہ کی تائید میں کسی دلیل کے پیش کرنے کے بجائے اپنے مخالف کو ذاتی طور پر ہدف طعن و تشنیع بنانا شروع کر دیتے ہیں۔ چنانچہ ایک پمفلٹ لائل پور سے شائع ہوا جس میں یہی انداز اختیار کیا گیا تھا اور بہت ہی گھٹیا قسم کے ذاتی رکیک حملے کیئے گئے تھے۔ اس کی زبان ایسی سوقیانہ تھی جس کی توقع کسی بھی شریف انسان سے نہیں کی جا سکتی اور یہ پمفلٹ تو علماء کرام کی طرف سے شائع ہوا تھا۔ ؎

تفو بر تو اے چرخ گرداں تفو

مذکورہ رسوائے زمانہ پمفلٹ کے جواب میں حضرت مولانا مرحومؒ کا ایک انٹرویو شائع ہوا تھا جو آپ کی عالی حوصلگی اور وسعت ظرفی کا عمدہ نمونہ ہے۔ حضرت مولانا مرحومؒ نے مخالفین کی بدترین الزام تراشی کے جواب میں اصل واقعات کو بیان کرنے پر ہی اکتفاء فرمایا اور "ادفع

بالتی ھی احسن السیئہ'' کے مطابق مدافعت ہی فرماتے رہے۔ کوئی جارحانہ کلمہ زبان پر نہیں آیا۔
مولانا نے اس انٹرویو میں اپنے مجاہدانہ عزم کا ان الفاظ میں اظہار فرمایا ہے :

''انشاء اللہ ان باتوں سے ہمارے قدم پیچھے نہ ہٹیں گے نہ ست ہوں گے۔ ہمیں ان الزامات کے جواب دینے کی بھی ضرورت نہیں۔ مگر ایک دفعہ عامۃ المسلمین کے سامنے اصل واقعات بیان کر دینا ضروری ہے تاکہ غلط فہمی میں مبتلا نہ ہوں۔

(بحوالہ انٹریو صفحہ ۲)

مولانا مرحوم نے اس انٹرویو کے آخر میں دوسری جماعتوں کے ساتھ اپنے اختلاف کی حدود بھی متعین فرمادی ہیں۔ فرماتے ہیں :۔

''ہم علمائے حق سے ہرگز برسرپیکار نہیں بلکہ سوشلزم، کمیونزم، کیپٹل ازم، نیشنلزم وغیرہ سے برسرپیکار ہیں اور جب تک زندہ ہیں پاکستان میں انشاء اللہ نظام اسلامی کے سوا کوئی ازم نہ چلنے دیں گے پاکستان میں نظام اسلام ہی جاری ہوگا۔ اگر دوسری جماعتیں بھی یہی چاہتی ہیں تو وہ سوشلزم کی حمایت اور پرچار چھوڑ کر ہمارا ساتھ دیں چشم ماروشن دل ماشاد اور اگر وہ یہ نہیں چاہتیں جیسا کہ ان کا منشور بتلا رہا ہے اور اُن کے حامیوں کے یہ بے ہودہ سوالات پتہ دے رہے ہیں تو بتلایئے اس میں ہمارا کیا قصور ہے ؟

خرد کا نام جنون رکھ دیا جنون کا خرد
جو چاہے آپ کا حسن کرشمہ ساز کرے

والسلام ظفر احمد عثمانی ۲۷ رجب ۱۳۸۹ھ

چونکہ علماء کے ذمہ اصل کام دینی رہنمائی اور ہدایت کا ہے اس لئے ملکی حالات اور سیاسیات میں بھی مسلمانوں کی رہبری اور رہنمائی کرنا اور اُن کے لئے صحیح راہ عمل تجویز کرنا انکے فرائض منصبی میں شامل ہے۔ چنانچہ حضرت مولانا مرحوم نے بھی ایک عالم دین اور مرکزی جمعیت علماء اسلام کے سربراہ ہونے کی حیثیت سے بڑی حسن و خوبی کے ساتھ یہ فرض ادا فرمایا اور تحریر و تقریر کے ذریعے پاکستان میں لادینی ازموں کے خلاف مسلمانوں کو منظم اور آگاہ کرنے کی پوری

طرح کوشش فرمائی۔ مگر مسلمانوں کی ذہنی تربیت اور طریق انتخاب کے غلط ہونے کی وجہ سے ۱۹۷۰ء کے انتخابات کے نتائج توقع کے خلاف برآمد ہوئے اور نظریہ پاکستان کی حامی جماعتوں کو سخت مایوس کن حالات کا سامنا کرنا پڑا جس کے نتیجہ میں بالآخر سقوط ڈھاکہ کا المیہ پیش آیا اور پاکستان کا مشرقی حصہ کٹ کر پاکستان سے علیحدہ ہو گیا۔

حضرت مولانا مرحوم ؒ کے نزدیک اس انتخاب میں ناکامی کی وجہ دوسرے اسباب کے علاوہ اصولی طور پر انتخاب کا مخلوط ہونا تھا۔ چنانچہ ایک عریضہ کے جواب میں مولانا نے ارقام فرمایا:۔

"مرکزی جمعیت کی شاخوں کو اس وقت تبلیغ احکام کا کام کرنا چاہیے۔ اور یہ کہ آئندہ انتخابات میں انتخابات جداگانہ پر زور دیں۔ انتخاب مخلوط کی مخالفت کریں اور اس انتخاب کو باطل قرار دیں کیونکہ مخلوط تھا۔ اسی لئے عوامی لیگ کامیاب ہوئی کہ ہندوؤں نے اس کو ووٹ دیئے اور پیپلز پارٹی کو قادیانیوں نے کامیاب کیا اگر انتخابات جداگانہ ہو تو قادیانی، قادیانی کو ووٹ دے گا مسلمانوں کو نہ دے سکے گا۔"

(۲۸ ربیع الاول ۱۳۹۱ھ)

غرضیکہ مخلوط انتخاب کے ذریعہ پاکستان کو جو عظیم نقصان پہنچا اور نظریۂ پاکستان جس طرح مجروح ہوا اس سے پہلے اس کی مثال پوری تاریخ میں نہیں مل سکتی اور ظاہر بات ہے کہ جب تحریک پاکستان کی بنیاد دو قومی نظریہ اور جداگانہ انتخابات پر ہی رکھی گئی تھی تو اب اس بنیاد کو ہلا کر اور اس کی جگہ مخلوط طریقۂ انتخاب رائج کر کے پاکستان کی عمارت کو کیسے قائم رکھا جا سکتا تھا۔

مسلمانانِ پاکستان کے اس نظریہ میں تبدیلی کے اندر چونکہ اسلامی احکام اور اسلامیات سے ناواقفیت کے علاوہ شریعت اسلامی پر عمل کرنے میں سستی اور بے پروائی کا بھی بڑا دخل ہے اس لئے حضرت مولانا مرحوم نے اپنے اس والا نامہ میں نیز دوسرے والا ناموں میں بھی تبلیغ احکام پر ہمیشہ زور دیا ہے ایک والا نامہ میں ارشاد ہے :۔

"اب آپ مرکزی جمعیت کے نام سے تبلیغ کا کام کریں۔ مسلمانوں کے معاشرہ کو درست

کیا جائے۔ لوگوں کو نماز، روزہ اور شعائر اسلام کا پابند کیا جائے۔"

بعد میں جب ہزاروی گروپ بھی محمودی اور ہزاوی گروپوں میں تقسیم ہو گیا تو یہ سوال پیدا ہوا کہ ان دونوں میں سے کس کا ساتھ دیا جائے تو چونکہ مخلوط انتخابات وغیرہ سیاسی نظریات میں یہ دونوں گروپ متحد ہیں اور ایسے عناصر کی تائید و حمایت کرتے رہے ہیں جو پاکستان کے بنیادی طور پر مخالف اور قیام پاکستان کے خلاف ہیں اس لئے حضرت مولانا مرحوم نے ان دونوں میں سے کسی گروپ کو بھی اس قابل قرار نہیں دیا کہ اس کا ساتھ دیا جائے اور جب تک صحیح اصولوں پر اپنی سیاسی جماعت ہو۔ صرف تبلیغ احکام کے کام کرنے کی ہدایت فرمائی۔ حضرت مولانا ارقام فرماتے ہیں :-

"ہزاروی گروپ اور محمودی گروپ دونوں میں سے کوئی بھی اس قابل نہیں کہ اس کا ساتھ دیا جائے اس لئے جب تک اپنی سیاسی جماعت قائم نہ ہو صرف تبلیغ سے کام لیا جائے حکومت کی مخالفت ہی نہ کی جائے مسلمانوں کو شریعت پر چلنے کی ترغیب دی جائے یہی ہماری سیاست ہے باقی حالاتِ موجودہ سے آپ بخوبی واقف ہیں۔"

والسلام

ظفر احمد عثمانی جمعہ ۲۶ شوال ۱۳۹۳ھ۔

واقعی مسلمان کی سیاست یہی ہے کہ شریعت پر خود عمل کرنے کے ساتھ ساتھ مسلمانوں کو شریعت پر چلنے کی ترغیب دی جائے۔ یہاں تک کہ جس وقت مرکزی جمعیت علمائے اسلام سیاسی کام کر رہی تھی اس وقت بھی حضرت مولانا مرحوم نے اس بات کی ہدایات جاری فرمائیں۔ چنانچہ مولوی سلمان احمد صاحب خطیب جامع مسجد ٹوبہ ٹیک سنگھ کو مرکزی جمعیت کے لئے کام کرنے کی ہدایت کرتے ہوئے ارقام فرمایا تھا :

" کام یہ ہے کہ اسلام اور نظامِ اسلام پر قوم کو متحد کیا جائے دوسرے کافرانہ نظاموں سے برأت کا اظہار کریں۔ معاشرہ کی اصلاح کریں۔ لوگوں کو نماز جماعت اور شعائر اسلام کے احترام کی ترغیب دیں۔" (۲۱۲۰ ۱۳۸۹ھ)

نماز جماعت اور شعائر اسلام کی پابندی کا خیال مسلمانوں کے اندر اگر پیدا ہو جائے اور معاشرہ کی اصلاح ہو جائے تو پھر لازماً ان کے سیاسی رجحانات اور ملکی نظریات بھی اسلام کے موافق ہو جائیں اور خود بخود دوسرے تمام ازموں اور کافرانہ نظاموں سے بےزاری اور علیحدگی کا جذبہ اُن کے اندر پیدا ہو جائے۔ نظام اسلام کے قیام کے لئے مسلمانوں میں شعائر اسلام کے احترام اور احکام اسلام کی پابندی کا جذبہ پیدا کرنے کی سخت ضرورت ہے۔ حضرت مولانا مرحوم کے ارشاد کے موافق تبلیغ احکام اور شریعت پر چلنے کی لوگوں کو ترغیب دینے کا اہتمام کیا جائے اور اس پر پوری محنت کی جائے تو یہ مقصد حاصل ہو سکتا ہے اور اہل علم کا اصل کام اور ان کی صحیح سیاست یہی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم کو اس پر عمل کرنے کی توفیق عنایت فرمائیں۔ آمین۔

حقیقت یہ ہے کہ حضرت مولانا مرحوم نے ۱۹۶۹ء کی سیاسیات ملکی میں علمی رہنمائی کے ساتھ عملی طور پر حصہ لے کر علماء کے لئے سیاسیات میں عملی حصہ لینے کا طریق کار مقرر فرما کر اس کی حدود متعین فرمادی ہیں اور واضح فرمادیا ہے کہ علماء کا اصل کام تبلیغ احکام اور علمی مشاغل میں انہماک واشتغال اور اصلاح معاشرہ ہے۔ عملی سیاسیات میں حصہ لینے کی ضرورت اگر پیش آجائے تو بقدرِ ضرورت اس میں حصہ لینے اور اس ضرورت کے رفع ہو جانے کے بعد علماء کو پھر اپنے اصل کام کی طرف رجوع کر لینا چاہیے۔ اور درس و تدریس اور تبلیغ احکام میں مشغول ہو جانا چاہیے۔ اپنے ضروری مشاغل کو ترک کر کے عام سیاسی لیڈروں کی طرح جوڑ توڑ اور سیاسی اکھاڑ پچھاڑ میں ہی ہر وقت نہیں لگا رہنا چاہیے اس لئے حضرت مولانا مرحوم ۱۹۷۰ء کے بعد عملی سیاسیات سے کنارہ کش ہو گئے تھے اور پھر اپنے انھی سابقہ علمی مشاغل ارشاد ہدایت خلق کے کام میں مشغول ہو گئے تھے جو علماء کا اصل فرضِ منصبی ہے اور مدت العمر اسی فرضِ منصبی میں مشغول و منہمک رہے۔

امیر اعلیٰ کل پاکستان مرکزی جمعیت علماء اسلام کا پیغام بنام سکھر کانفرنس

زیر اہتمام مرکزی جمعیت علماء اسلام: منعقدہ ۳، ۴ اگست ۱۹۷۰ء

بعد الحمد والصلوٰۃ! حضرات! اس کانفرنس میں شرکت کا میرا مصمم ارادہ تھا۔ مگر اتفاق سے آخر جولائی میں مجھے ۳، ۴ دن موسمی بخار آیا اور اس سے ضعف بہت ہو گیا کہ سفر کی ہمت نہ رہی آپ حضرات کو میری غیر حاضری سے کلفت ضرور ہوئی جس کے لئے معذرت خواہ ہوں اور جسمانی شرکت کے بجائے روحانی شرکت پر اکتفا کر کے ایک ضروری پیام پیشِ خدمت کر رہا ہوں۔

حضرات اہل علم حدیث غار سے بخوبی واقف ہوں گے۔ جس میں سیدنا رسول اللہ ﷺ نے پہلی امتوں کے تین افراد کا واقعہ بیان فرمایا ہے کہ وہ سفر کر رہے تھے کہ دفعۃً

بارش ہونے لگی۔ انھوں نے بارش سے بچنے کے لئے ایک پہاڑی غار میں پناہ لی اور اوپر سے ایک بڑا پتھر غار کے منہ پر گرا۔ جس سے نکلنے کا راستہ بند ہو گیا۔ پتھر اتنا بھاری تھا کہ ان کے ہلائے نہ ہل سکا تو انھوں نے کہا اے دوستو! اللہ تعالیٰ کے سامنے اپنے اعمال میں ایک ایک عمل ہر شخص پیش کرے جو اس نے اللہ کے لئے خلوص دل سے کیا ہو اور اس عمل کے وسیلہ سے دعا کرے تو امید ہے اس بلا سے نجات ہو جائے گی۔ چنانچہ ہر شخص نے اپنا نیک عمل بارگاہ الٰہی میں عرض کر کے دعا کی تو پہلے شخص کی دعاء سے پتھر اتنا کھسک گیا کہ آسمان نظر آنے لگا دوسرے کے عمل پیش کرنے سے اور زیادہ کھسک گیا۔ مگر نکلنے کا راستہ نہ تھا۔ تیسرے کے عمل کے وسیلہ سے پتھر بالکل ہٹ گیا اور وہ تینوں آرام کے ساتھ غار سے باہر نکل آئے۔

رسول اکرم ﷺ نے یہ قصہ بیان فرما کر امت کو سبق دیا ہے کہ اعمالِ صالحہ کو بلاؤں کے دفع کرنے میں بڑا دخل ہے۔ جب کہ خلوص کے ساتھ کیئے گئے ہوں۔ حتیٰ کہ وہ بلائیں بھی جن کے دفع کرنے کے لئے اسبابِ ظاہرہ کافی نہ ہوں۔ اعمالِ صالحہ سے دفع ہو جاتی ہیں۔ آج کل مسلمانوں پر بالخصوص پاکستانی مسلمانوں پر جو مصائب سیلاب وغیرہ کی شکل میں آرہے ہیں۔ ان کا علاج بھی یہی ہے کہ مسلمان اعمالِ صالحہ میں کوشش کریں۔ اور ان کے وسیلہ سے بارگاہ الٰہی میں دُعا کریں اور اس وقت پاکستانی مسلمانوں کے لئے سب سے بڑا عمل صالح یہی ہے کہ پاکستان میں نظامِ اسلام جاری کریں اور اس کو شوشلزم اور کمیونزم وغیرہ سے بچائیں ہم پاکستانیوں نے پاکستان بناتے وقت اللہ تعالیٰ سے یہ عہد کیا تھا کہ پاکستان کو اسلامی سلطنت یعنی دارالاسلام بنائیں گے۔ یہاں اقدار اسلام کا احترام اور نظامِ اسلام کا قیام عمل میں لایا جائے گا۔ مگر افسوس ۲۳ سال گزرنے پر بھی ہم نے یہ عہد پورا نہ کیا۔ پاکستان بناتے وقت ہمارا نعرہ یہ تھا۔ پاکستان کا مطلب کیا۔ لا الٰہ الا اللہ۔ مگر چند سالوں سے پاکستان میں ایسے لوگ بھی پیدا ہو گئے ہیں جو سوشلزم کو نظامِ اسلام سے اچھا سمجھتے ہیں اور اس کی ترویج میں کوشش کر

رہے ہیں۔ اس کی ابتداء مشرقی پاکستان سے ہوئی پھر مغربی پاکستان میں بھی یہ بلا نازل ہوئی۔ مشرقی پاکستان میں بنگالی غیر بنگالی کا سوال پیدا ہوا۔ بنگالی ہندو کو پنجابی و بہاری مسلمانوں سے اچھا سمجھا گیا اور اس کفریہ طرزِ عمل نے وہ بھیانک صورت اختیار کی کہ مارشل لاء قائم ہونے سے پہلے مشرقی پاکستان میں سوشلسٹوں نے مہاجر مسلمانوں اور غیر سوشلسٹوں کا وہ قتل عام کیا اور اس بے دردی سے کیا کہ اس کی نظیر نہیں ملتی۔ اس کی پاداش میں سیلاب بلا مسلط کیا گیا۔

دوستو! اس بلا سے بچنے کے لئے، صرف مادی تدابیر کافی نہیں ہیں خدائی قہر سے کوئی پشتہ وغیرہ نہیں بچا سکتا۔ اس سے تو اللہ تعالیٰ کا لطف و کرم ہی بچا سکتا ہے۔ قال لا عاصم الیوم من امر اللہ الا من رحم۔ اس لئے ضروری ہے کہ ہم اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کریں اعمالِ صالح میں کوشش کریں اور پاکستان بنانے کے وقت جو عہد ہم نے اللہ تعالیٰ سے کیا تھا اس کو پورا کریں۔

یہاں نظامِ اسلام جاری کریں۔ اقدارِ اسلام کا احترام کریں اور پاکستان کو حقیقی معنی میں دار الاسلام بنائیں اور جو لوگ اسلامی سوشلزم کا نعرہ لگا رہے ہیں۔ ان کے دھوکہ میں نہ آئیں۔ سوشلزم سے اسلام کا کوئی واسطہ نہیں جو لوگ سوشلزم کو قرآن و سنت کے موافق بتلاتے ہیں ان کو قرآن و سنت سے کوئی واسطہ نہیں۔ چوں نہ دیدند حقیقت رہِ افسانہ زدند۔ میں اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ ﷺ کے وعدوں پر بھروسہ کر کے یقین کے ساتھ کہتا ہوں کہ اگر پاکستان میں نظامِ اسلام صحیح طور پر جاری ہو گیا تو سیلاب اور غربت و افلاس وغیرہ کی سب مصیبتیں دور ہو جائیں گی

چہ غم دیوار امت راکہ دارد چوں تو پشتیباں
چہ باک از موج بحر آں راکہ باشد نوح کشتیباں

اگر یہ نہ ہوا تو آپ لاکھ پشتے بنائیں ہزاروں نظریئے قائم کریں یہ بلائیں، دور

نہ ہوں گی۔

آخر میں دُعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ ہم کو توفیق دیں کہ ہم پاکستان کو صحیح معنی میں دارالاسلام بنائیں اور آئین پاکستان ایسا بنائیں جس میں نظریہ اسلام اور نظریہ پاکستان کا پورا تحفظ ہو اور یہاں کوئی قانون خلاف شریعت نہ بنایا جائے اور جو قوانین خلافِ شرع رائج ہیں۔ ان کو موافق شریعت بنائیں۔ آمین

وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ سیدنا محمد خاتم
النبین و الہ واصحابہ اجمعین وسلم تسلیماً
کثیرا۔

ظفر احمد عثمانی عفی اللہ عنہ
۲۷ جمادی الاول ۱۳۹۰ھ

صیانۃ المسلمین ۔۔۔ حیاۃ المسلمین

جمہوری نظام اور شخصی اصلاح
کا جامع اور اکسیری نسخہ

بعد الحمد والصلوۃ، حیات المسلمین اور صیانۃ المسلمین کے متعلق حضرت حکیم الامۃ قدس اللہ سرہ کا ارشاد ہے کہ یہ دو کتابیں انشاء اللہ قیامت تک آنے والی نسلوں کے لئے پیام عمل ہے ۔ایک حیات المسلمین شخصی اصلاح کے لئے، دوسری صیانۃ المسلمین جمہوری نظام کے لئے۔ان کے مضامین اپنے موضوع میں گو رنگین نہیں مگر سنگین ہیں۔الخ۔

(اقتباس از والا نامہ بنام مسلم لیگ اپریل ۱۹۴۳ء)

مجھے یہ معلوم کر کے بہت مسرت ہوئی کہ لاہور میں ۶۹ مال روڈ پر مجلس صیانۃ المسلمین قائم ہے جو حضرت حکیم الامۃ قدس سرہ کے ارشاد کے موافق شخصی اور جمہوری ہر دو نظام پر عمل کرنے کے لئے قائم ہوئی ہے اور بڑی خوشی اس کی ہے کہ دردمندان اسلام اس پر عمل کرنے کے لئے آمادہ ہو رہے ہیں

؎ قلندر ہرچہ گوید دیدہ گوید

امید ہے کہ اس سے مسلمانوں کی شخصی اور جمہوری اصلاح میں جلد کامیابی ہو گی۔

اگر عذر ضعف مانع نہ ہوتا تو میں خود بھی اس مجلس کے نظام میں عملاً شریک ہوتا۔

چنانچہ ڈھاکہ میں بھی یہ مجلس قائم ہو گئی ہے اور بندہ نے چاٹگام کے دورہ میں اس مجلس کے ارکان کے ساتھ شرکت کی تھی جس سے مجلس کو مسلمانوں میں قبول عام حاصل ہوا اور ترقی ہو رہی ہے۔

خدا کرے میری اس تحریر سے بھی مجلس کو فائدہ پہنچے اور دردمندان اسلام اس کی ترقی میں کوشش کریں۔

آخر میں یہ بھی ظاہر کر دینا ضروری ہے کہ اس مجلس کو اس تبلیغ سے جس کا مرکز ہندوستان میں نظام الدین دہلی اور پاکستان میں رائے ونڈ ہے پورا اتفاق اور تعاون حاصل ہے کیوں کہ دونوں کا مقصد خدمت اسلام اور اصلاح مسلمین ہے۔

صرف طریق کار کا فرق ہے کہ پہلی تبلیغ چند اصول میں منحصر ہے اور صیانۃ المسلمین پوری شریعت پر حاوی ہے، جیسا حیات المسلمین کے تفہیم المسلمین سے بخوبی معلوم ہو جائے گا۔

والسلام

ظفر احمد عثمانی عفا اللہ عنہ

۸ ربیع الاوّل ۱۳۸۸ھ

شیخ الحدیث دار العلوم اسلامیہ ٹنڈو الہ یار

اشرف آباد حیدر آباد (سندھ)

ارشادات وملفوظات

شیخ الاسلام حضرت مولانا ظفر احمد عثمانیؒ

شیخ الاسلام حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی نور اللہ مرقدہ کی شخصیت علمائے ربانی میں وہ عظیم شخصیت تھی جسے دین وسیاست کے رجال کار کبھی فراموش نہیں کر سکتے۔ آپ ایک عظیم محدث، جلیل القدر مفسر، عظیم المرتبہ متکلم، رفیع الشان فقیہ، بہترین مقرر، اعلیٰ درجے کے انشاء پرداز اور بلند پایہ سیاستدان تھے، صدق و صفا کا مجسمہ اور خدا ترسی وللہیت کا بہترین نمونہ تھے اور ورع و تقویٰ اور استغفار کے پیکر تھے۔ آپ کی تمام زندگی خدمت اسلام، خدمت مسلمین اور خدمت ملک و ملت میں گذری آپ کی زبان اور قلم نے شریعت کے اسرار آشکار کیئے اور آپ کے کردار نے مسلمانوں میں زندگی کی روح دوڑا دی۔ غرضیکہ آپ کی ذات اقدس علم وعمل کا سرچشمہ اور آپ کی شخصیت شریعت وطریقت کا مجمع البحرین تھی۔ آپ کی شخصی عظمت اور علمی وروحانی مقام کے بارے

میں حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب قاسمی مہتمم دارالعلوم دیوبند ارشاد فرماتے ہیں کہ :۔ حضرت مولانا ظفر احمد صاحب عثمانیؒ "اس تاریک دور میں علم و عمل اخلاص و محبت اور علم ظاہر و باطن کے ایک درخشندہ آفتاب تھے' رشد و ہدایت کے اعلیٰ مقام پر فائز تھے' آخر وقت تک تقریر و تحریر اور درس و تدریس کے ذریعے حقیقت و معرفت کی شمعیں جلاتے رہے اور راہ طریق و سلوک کے ذریعے خلق اللہ کے تزکیۂ نفس اور باطنی اصلاح میں مصروف رہے' سینکڑوں علماء اور ہزاروں مسلمان آپ کے فیض علمی و روحانی سے مستفید ہوئے' اتباع سنت اور عظمت سلف کا آپ کو خاص شغف تھا اور حضرت حکیم الامت تھانوی قدس سرہ کے حقیقی جانشین تھے۔

(بینات کراچی اکتوبر ۷۶ء)

بہر حال آپ کے مقام عالی کا اندازہ لگانا تو بہت مشکل ہے اور ان کے علمی و روحانی مقام کو وہی خوش نصیب بیان کر سکتے ہیں جنھوں نے ان کی نورانی مجالس سے پورا پورا لطف اٹھایا ہو یہ ناچیز کون ہے جو ان کے مقام و مرتبہ پر قلم اٹھائے یہاں تو صرف ان کے چند ارشادات و ملفوظات اور مکتوبات درج کیئے جاتے ہیں جو ہمارے لئے عین نمونۂ ہدایت ہیں۔

☆ توحید کا خلاصہ بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ توحید خالص یہ ہے کہ خدا کے سوا کسی پر نظر نہ کرے کیونکہ وہ یکتا ہے' صمد ہے' سب اسی کے محتاج ہیں وہ کسی کا محتاج نہیں' جب تم نے یا اللہ کہا تو اللہ کو اسم اعظم سے یاد کیا مگر تم اس کی عظمت و ہیبت سے ہنوز محروم ہو' کیونکہ تم نے اپنی شان کے موافق کہا ہے اس نام کی شان کے موافق نہیں کہا! خدا کی قسم قرب الٰہی میں نہ وصال ہے نہ جدائی' نہ حلول ہے نہ انتقال' نہ حرکت ہے نہ سکون' نہ چھونا نہ تصور' نہ تاثر ہے نہ تغیر و تبدل' یہ تو سب کی سب تیری صفات ہیں' حق سبحانہ' تیری ان صفات و کیفیات سے منزہ ہے یہ تو اسی کی بنائی ہوئی ہیں پھر وہ ان کے ذریعے سے یا ان کے اندر کیونکر ظاہر ہو سکتا ہے یہ تو خود اسی سے ظاہر ہوئی ہیں وہ ان سے ظاہر نہیں ہوا وہ ان شکلوں' صورتوں اور معانی سے پاک اور منزہ ہے! نہ وہ ان میں چھپا ہوا ہے نہ ان سے

ظاہر ہوا نہ کسی کا فکر اس تک پہونچا نہ کسی کی نظر نے ان کا احاطہ کیا۔ اللہ تعالیٰ کی صفات کو اپنی صفات پر قیاس نہ کرو، وہ جس عظمت کا مستحق ہے وہ تو علم اور عقل و فہم کے ادراک سے بہت دور ہے۔ ولا یحیطو ن به علماً لوگوں کا علم اس کو محیط نہیں ہو سکتا۔

☆ فرمایا کہ! بندہ کے لئے اپنے پروردگار کو پہنچاننے کا طریقہ یہ ہے کہ اپنے آپ کو پہچانے، جس نے اپنے کو پہچان لیا اس نے اللہ جل شانہ کو پہچان لیا۔ جس نے یہ جان لیا کہ میں خدا کا ہوں، (یہ ہے اپنا پہچاننا) وہ اپنا سب کچھ خدا پر قربان کر دے گا (یہ ہے خدا کو پہچاننا) جو اپنے نفس سے اور تمام اغیار سے الگ ہو گیا جس نے طبیعت کے کروفر، سازو سامان تکبر و عجب پر لات مار دی وہ جہل کی قید سے چھوٹ گیا اور عارف ہو گیا معرفت کی حقیقت یہ نہیں کہ اونی جبہ ہو، سر پر کلاہ ہو اونچے کپڑے ہوں بلکہ معرفت یہ ہے کہ خشیت و غم کا جبہ ہو، سچائی کا تاج ہو، توکل کا لباس ہو اگر ایسا ہو تو بس تم عارف ہو گئے! عارف کا ظاہر شریعت کی چمک ہے اور باطن محبت الٰہی کی آگ سے خالی نہیں ہوتا۔

کار مرداں روشنی و گرمی است
کار دوناں حیلہ وبے شرمی است!

وہ حکم کے ساتھ ٹھہر جاتا ہے اور راستہ سے ہٹنے نہیں پاتا اس کا دل وجد کی چنگاریوں پر لوٹتا رہتا ہے اسکا وجد ایمان ہے اس کا سکون یقین ہے (جس کے حاصل کرنے کا طریقہ اتباع سنت اور کثرت ذکر ہے) ذکر اللہ کی پابندی کرو کیونکہ ذکر وصال کا مقناطیس ہے، قرب کا ذریعہ ہے، اور قرب ہی سے توحید کامل ہوتی ہے۔ جو اللہ کو یاد کرتا ہے وہ اللہ سے مانوس ہو جاتا ہے اور جو اللہ سے مانوس ہو گیا وہ اللہ تک پہونچ گیا مگر ذکر اللہ عارفین کی صحبت و برکت سے دل میں جمتا ہے کیونکہ آدمی اپنے دوست کے طریقہ پر ہوتا ہے (اگر ذاکر عارفین سے میل جول رکھے گا تو ذکر و معرفت سے حصہ پائے گا اور اگر غافلوں کی صحبت میں رہے گا تو غفلت میں گرفتار ہو گا۔

☆ فرمایا کہ ! تقویٰ کمال ایمان کو کہتے ہیں جو شخص اللہ سے ڈرے گا دین کے احکام کو بھی بجا لائے گا اور جن کاموں سے منع کیا گیا ہے ان سے بچے گا اسی سے ایمان کامل ہوتا ہے اور اسی سے دنیا بھی سنورتی ہے اور دین بھی آج جو مسلمانوں میں جرائم کی کثرت ہے کہ روزانہ اخبارات میں اغواء، قتل، چوری، ڈکیتی، رشوت، ذخیرہ اندوزی، دغا فریب وغیرہ کے واقعات چھپتے رہتے ہیں اس کا سبب اس کے سوا کچھ نہیں کہ دلوں سے خوف خدا اور اندیشۂ آخرت اٹھ گیا ہے۔ مسلمانوں نے آجکل یہ سمجھ لیا ہے کہ بس کلمہ پڑھ لینا کافی ہے عمل کی کچھ ضرورت نہیں ان کو یاد رکھنا چاہیئے کہ صرف کلمہ پڑھ لینے سے اللہ تعالیٰ جل شانہ کی مدد ان کے ساتھ نہ ہوگی۔ اللہ تعالیٰ کی مدد صبر و تقویٰ کے بعد نازل ہوا کرتی ہے کیونکہ تقویٰ پر دنیا و آخرت دونوں کی فلاح موقوف ہے اس لئے قرآن کریم میں بھی اس کی بکثرت تاکید ہے اور حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے بھی اس کی وصیت فرمائی ہے مسلمانوں کو تقویٰ کا اہتمام کرنا چاہیئے کیونکہ بغیر اس کے ان کی دنیا درست ہو سکتی ہے نہ دین، نہ خدا کی مدد ساتھ ہو سکتی ہے نہ دشمنوں پر غلبہ حاصل ہو سکتا ہے۔

☆ فرمایا کہ :۔ ہمارے اکابر حضرت مولانا گنگوہیؒ اور حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوریؒ اپنے متعلقین واحباب کو" یاحی یا قیوم برحمتك استغیث" کی تعلیم فرما کر فرماتے کہ جب کوئی مشکل درپیش ہو تو اس دعا کو صبح و شام کم از کم سو بار پڑھا جائے زیادہ جتنی ہمت ہو۔"

☆ فرمایا کہ :۔ حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک شخص کو وصیت فرمائی کہ جب سونے کی جگہ میں جاؤ یعنی سونے کا قصد کرو تو سورہ الحشر پڑھ لیا کرو اگر تم اس رات میں مر گئے تو شہید مرو گے ایک اور روایت میں بجائے سورہ الحشر کے اواخر سورہ الحشر یعنی "ھو الذی لا الہ ھو عالم الغیب والشھادۃ " سے ختم سورہ تک پڑھنے کا یہی ثواب آیا ہے ایک اور حدیث میں ہے حضور اکرم ﷺ نے چند بہترین خصلتوں کی

وصیت فرمائی :۔

۱۔ دینوی امور میں اپنے سے فوق کو نہ دیکھو بلکہ اپنے سے کمتر کو دیکھو۔

۲۔ مساکین سے محبت کرو

۳۔ صلہ رحمی کرو اگرچہ قرابت دار اعراض ہی کریں

۴۔ اللہ کے معاملے میں کسی ملامت کرنے والے کی ملامت کی پرواہ نہ کرو

۵۔ ہمیشہ حق کہو اگرچہ اپنے خلاف ہی ہو اور اگرچہ کڑوا ہی کیوں نہ ہو

۶۔ لاحول ولا قوۃ الا باللہ کی کثرت کیا کرو کیونکہ یہ جنت کے خزانوں میں سے ایک بڑا خزانہ ہے

۷۔ ایک اللہ کی عبادت کرو اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرو

۸۔ غصہ نہ کرو کیونکہ غصہ ایمان کو ایسا خراب کرتا ہے جیسا شہد کو ایلوا

۹۔ طمع و حرص سے بچتے رہو

۱۰۔ اللہ سے ڈرو تلاوت قرآن کی پابندی رکھو' ذکر اللہ کی پابندی رکھو' خاموش زیادہ رہا کرو اپنی زبان کو قابو میں رکھو' ہمیشہ موت کو یاد رکھو'

حضرت حکیم الامت قدس سرہ ان تمام باتوں پر عمل کرنے کی سختی سے تاکید فرمایا کرتے تھے۔ اللہ تعالی جل شانہ ہمیں اسپر عمل کی توفیق بخشے۔ آمین۔

☆ فرمایا کہ حضرت حکیم الامت تھانوی قدس سرہ کو اپنے اکابر سے بڑی محبت و عقیدت تھی۔ ۱۳۲۳ھ میں حضرت حکیم الامتؒ بڑے اہتمام سے اپنے متعلقین کو اور مریدین کو

ساتھ لے کر حضرت گنگوہیؒ قدس سرہ کی زیارت کے لئے تشریف لے گئے تو مجھے اور میرے بڑے بھائی مولانا سعید احمد عثمانیؒ کو بھی ساتھ لیا اس طرح مجھے حضرت گنگوہیؒ کی زیارت اور دعا کی دولت نصیب ہوئی' حضرت حکیم الامتؒ کو کشف کے ذریعے معلوم ہوا تھا کہ یہ حضرت گنگوہیؒ کی عمر کا آخری سال ہے چنانچہ اسی سال ہم دونوں بھائی آپ کے ہمراہ کانپور جارہے تھے کہ راستے میں حضرت گنگوہیؒ کے انتقال کی خبر آگئی اس خبر کو سن کر حضرت حکیم الامتؒ نے دیر تک سر جھکائے خاموشی اختیار فرمائی اور اس وقت آپ کی پیشانی پر پسینہ آ گیا تھا کافی دیر کے بعد سر اٹھا کر انا للہ وانا الیہ راجعون کہہ کر حضرت گنگوہیؒ قدس سرہ کے مناقب وکمالات بیان فرماتے رہے۔

☆ فرمایا ایک دفعہ سفر حجاز پر بہت سے اکابر کا ساتھ رہا اس حج میں حضرت گنگوہیؒ کی صاحبزادی اور نواسے حافظ محمد یعقوب صاحب کے علاوہ حضرت مولانا شاہ عبدالرحیم صاحب رائے پوریؒ اور حضرت اقدس مولانا خلیل احمد صاحب قدس سرہ بھی ساتھ تھے۔ حضرت مولانا خلیل احمد صاحبؒ نماز فجر کے بعد طواف بیت اللہ میں مشغول تھے اور میں اس وقت مولانا محبّ الدین صاحبؒ کے پاس بیٹھا ہوا تھا' یہ بزرگ حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکیؒ کے خلفاء میں صاحب کشف مشہور تھے وہ اس وقت درود شریف پڑھ رہے تھے کہ دفعتہً میری طرف متوجہ ہو کر فرمایا "اس وقت حرم شریف میں کون آ گیا کہ سارا حرم اس کے انوار سے بھر گیا۔" مولانا خلیل احمد صاحبؒ طواف سے فارغ ہو کر صفا مروہ کی سعی کے لئے باب الصفا کی طرف چلے تو مولانا محبّ الدین صاحبؒ کے پاس آئے مولانا کو دیکھ کر مولانا محبّ الدین صاحبؒ کھڑے ہو گئے اور فرمایا "میں بھی تو کہوں آج حرم میں کون آ گیا' پھر معانقہ' مصافحہ اور مزاج پرسی کے بعد مولانا خلیل احمد صاحبؒ تو صفا مروہ کی سعی کو تشریف لے گئے اور مولانا محبّ الدین صاحبؒ اپنی جگہ بیٹھ گئے اور فرمانے لگے میں نے مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کو تو نہیں دیکھا مگر مجھ سے کہا گیا ہے

کہ وہ قطب الارشاد تھے ان کے خلفاء کو دیکھ کر مجھے معلوم ہو گیا کہ وہ واقعی قطب الارشاد تھے مولانا خلیل احمد صاحب تو سراپا نور ہیں اور مولانا عبدالرحیم صاحبؒ قوی النسبت ہیں کہ مرید کے دل کو جھاڑ جھنکاڑ سے ایک دم صاف کر دیتے ہیں''۔

☆ فرمایا کہ حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ ایک مرتبہ سہارنپور سے کانپور جا رہے تھے ان کے پاس گنے زیادہ وزن میں تھے وہ چاہتے تھے کہ ان کا محصول دے کر گاڑی میں سوار ہوں ریل بابو نے کہا کہ تھوڑے سے ہیں لے جاؤ حضرتؒ نے فرمایا کہ آپ کی اجازت تو معتبر نہیں، پھر اگر کسی نے راستہ میں پوچھا اس نے کہا میں گارڈ سے کہدوں گا۔ حضرتؒ نے پوچھا کہ گارڈ کہاں تک جائے گا کہا کہ یہ گارڈ غازی آباد تک جائے گا، حضرتؒ نے فرمایا کہ آگے کیا ہوگا اس نے کہا کہ یہ گارڈ دوسرے گارڈ سے کہہ دے گا وہ کلکتہ تک جائے گا اور کانپور تو راستے میں پڑے گا حضرت حکیم الامتؒ نے فرمایا کانپور کے بعد کیا ہو گا اس نے کہا کہ آپ کو تو کانپور جانا ہے، حضرتؒ نے فرمایا سفر ابھی ختم نہیں ہوا ہے آخرت کا سفر ابھی باقی ہے اگر وہاں پکڑ ہوئی تو پھر کونسا گارڈ سفارش کرے گا اگر کوئی اللہ تعالےٰ سے کہہ دے گا تو میں ضرور لے جاؤں گا۔ سبحان اللہ! کتنی فکر تھی آخرت کی۔

☆ فرمایا کہ حضرت مولانا اصغر حسین صاحب دیوبندیؒ جو میاں جی کے نام سے مشہور تھے دیو بند کے ایک نہایت ہی برگزیدہ ہستی گذرے ہیں ان کے متعلق حضرت مفتی محمد شفیع صاحبؒ فرمایا کرتے ہیں کہ ان کا ایک کچا مکان تھا جس کی ہر موسم برسات میں لپائی کراتے تھے اس عرصہ میں میرے ہاں قیام فرماتے۔ ایک مرتبہ حضرت مفتی صاحبؒ نے فرمایا کہ آپ اپنا مکان پختہ کیوں نہیں کروا لیتے تاکہ ہر سال کی تکلیف سے نجات مل جائے انھوں نے مفتی صاحبؒ کو شاباش دیتے ہوئے فرمایا کہ واقعی نہایت اچھی بات کہی ہے کچھ دیر بعد خاموشی سے آہستہ سے بولے''۔ میں جس محلے میں رہتا ہوں۔ وہاں سارے مکان کچے ہیں اگر میں اپنا مکان پختہ بناتا ہوں تو غریبوں کو اپنی مفلسی کا احساس اور شدید ہو جائے

گا میں یہ نہیں چاہتا' دیکھا کتنا خیال تھا غرباء و مساکین کا۔

☆ فرمایا کہ حضرت حکیم الامت ؒ فرمایا کرتے تھے کہ اگر میرے ہاں موجودہ وقت کا بڑے سے بڑا کافر و مشرک آجائے تو بحیثیت مہمان ہونے کے میں اس کی مدارات کروں گا لیکن اس سے میدان جنگ میں سامنا ہو جائے تو سب سے پہلے میں ہی اس کا سر قلم کرنے والا ہوں گا۔

☆ فرمایا کہ حضرت تھانوی ؒ کی خدمت میں کسی نے عرض کیا کہ کوئی ایسی صورت ہو کہ گناہ کا تقاضا ہی نفس کے اندر پیدا نہ ہو جواب میں فرمایا کیا تم دیوار بننا چاہتے ہو؟ جماد ہونا چاہتے ہو؟ تقاضا تو ہو گا مگر تمھارا کام اس پر عمل نہ کرنا ہے چند روز اور چند دفعہ کے مقابلہ اور نفس کے خلاف کرنے سے نفس خود بخود ڈھیلا پڑ جاتا ہے اور کمزور ہو جاتا ہے۔

﴿طریقہ تعلیم القرآن﴾

بسم اللّٰہ الرّحمٰن الرّحیم

﴿اَلرَّحْمٰنُ O عَلَّمَ الْقُرْاٰنَ O خَلَقَ الْاِنْسَانَ O عَلَّمَهُ الْبَيَانَ O اَلشَّمْسُ وَالْقَمَرُ بِحُسْبَانٍ O وَالنَّجْمُ وَالشَّجَرُ يَسْجُدَانِ O وَالسَّمَاءَ رَفَعَهَا وَوَضَعَ الْمِيْزَانَ O اَلَّا تَطْغَوْا فِي الْمِيْزَانِ O وَاَقِيْمُوا الْوَزْنَ بِالْقِسْطِ وَلَا تُخْسِرُوا الْمِيْزَانَ O وَالْاَرْضَ وَضَعَهَا لِلْاَنَامِ O فِيْهَا فَاكِهَةٌ وَّالنَّخْلُ ذَاتُ الْاَكْمَامِ O وَالْحَبُّ ذُو الْعَصْفِ وَالرَّيْحَانُ O فَبِاَيِّ اٰلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِ O وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ الْاَتَمَّانِ الْاَكْمَلَانِ O عَلٰى صَفْوَةِ اللّٰهِ مِنْ خَلْقِهٖ سَيِّدِ الْاِنْسِ وَالْجَآنِّ O سَيِّدِنَا وَحَبِيْبِنَا وَنَبِيِّنَا مُحَمَّدِ نِ الْعَرَبِيِّ الْهَاشِمِيِّ الْمَبْعُوْثِ مِنْ بَنِيْ عَدْنَانَ O وَعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَاَهْلِ بَيْتِهٖ وَذُرِّيَّتِهٖ وَالتَّابِعِيْنَ لَهُمْ بِاِحْسَانٍ O رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنَّا وَعَنْهُمْ وَعَنْ كُلِّ مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰى بِاِحْسَانٍ O﴾

”رحمٰن ہی نے قرآن کی تعلیم دی۔ انسان کو پیدا کیا۔ اس کو صاف صاف بولنا سکھایا۔ آفتاب و ماہتاب حساب مقررہ سے چل رہے ہیں۔ بیل دار تنا دار درخت جھکے ہوئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے آسمان کو رفعت دی اور ایک میزان مقرر کی اور یہ حکم دیا کہ میزان میں ظلم

نہ کرو۔ انصاف کے ساتھ وزن کو درست رکھو اس میں کمی نہ کرو۔
زمین کو مخلوق کیلئے پست کر دیا۔ اس میں میوے ہیں اور کھجوریں
غلاف دار اور بیج والی غذا جس میں کوئی بھوسہ کے ساتھ ہے۔ کوئی
بغیر بھوسہ کے اب تم بتاؤ کہ اپنے پروردگار کی کس کس نعمت کا انکار
کرو گے؟ اور درود وسلام کامل وتمام تر اس ذات ستودہ صفات پر
جو تمام مخلوق میں اللہ کا برگزیدہ جن وانسان کا سردار ہے۔ یعنی
ہمارے آقا ہمارے محبوب ہمارے نبی سیدنا محمد عربی ہاشمی پر جو قبیلہ
عدنان سے مبعوث ہوئے اور آپ کی آل واصحاب واہل بیت اور
اولاد پر اور ان لوگوں پر جنہوں نے اخلاص کے ساتھ ان کا اتباع
کیا اللہ تعالیٰ ہم سے اور ان سے اور ہر اس شخص سے راضی ہو جس
نے ایمان کے ساتھ ہدایت کی پیروی کی۔''

اَمَّا بَعْد.

محترم حاضرین جلسہ!

تشکر وامتنان

میں آپ کا تہہ دل سے شکر ادا کرتا ہوں کہ آپ نے مجھ ناچیز کو اپنے اس مہتم بالشان جلسہ میں مدعو فرمایا اور تعلیم قرآن کریم کے متبرک اور مقدس عنوان پر تقریر کرنے کے لئے مجھے منتخب کیا چونکہ وقت زیادہ نہیں اس لئے مختصر طور پر مکرر شکریہ ادا کرتے ہوئے اصل مقصد کو شروع کرتا ہوں۔

تمہید

مجھے اس وقت قرآن کی تعلیم پر تقریر کرنا ہے جس کی دو جزو ہیں۔ قرآن اور اس کی تعلیم تقاضائے عقل تو یہ تھا کہ میں اول قرآن کے متعلق کچھ بیان کرتا پھر تعلیم کے متعلق، کیونکہ کسی کتاب کی تعلیم اور اس کے طریقہ تعلیم پر روشنی ڈالنا اسی وقت مفید ہے

جب اول خود اس کی حقیقت عظمت اور غایت سے سامعین کو مطلع کر دیا جائے۔ مگر چونکہ یہ جلسہ ایجوکیشنل بورڈ کے زیر اہتمام ہو رہا ہے۔ جس کا مقصود غالبًا طریقہ تعلیم قرآن پر تقریر کرنا ہے۔ اس لئے میں اول طریقہ تعلیم ہی پر گفتگو کرنا چاہتا ہوں۔ اگر وقت نے موقعہ دیا تو ان شاء اللہ تعالیٰ نفس قرآن پر بھی کچھ عرض کرونگا۔

تعلیم قرآن کے درجات

معزز حضرات! تعلیم قرآن کے تین درجے ہیں جن سے آپ بخوبی واقف ہوں گے (۱) قاعدہ پڑھانا (۲) قرآن ناظرہ کرانا (۳) قرآن حفظ کرانا۔

قاعدہ کی تعلیم

قاعدہ کی تعلیم کو بنیاد اور اساس کہنا چاہیے۔ جو معلم قاعدہ اچھی طرح پڑھا سکتا ہے اور قاعدہ ہی میں بچوں کو صحیح روان پڑھنے پر قادر اور تیز کر دیتا ہے وہ یقیناً کامیاب مدرس ہے۔

طریقہ تعلیم ایسا ہونا چاہیے کہ بچوں کی نازک طبیعت پر ذرا بوجھ نہ پڑے اور ان کی استعداد روز بروز بڑھتی جائے، ان کے شوق میں اضافہ ہو علم میں ایسی لذت آنے لگے کہ گھر سے زیادہ اسکول اور مدرسہ میں ان کا دل لگے۔

مدرس کو خوش خلق، بردبار، متحمل، قانع صابر و شاکر ہونا چاہیے۔ خود غرض، لالچی، تندخو، ترش رو نہ ہو اس صورت میں نازک بدن، نازک مزاج، ناز پروردہ، لاڈلے بچوں کو مار پیٹ اور خفگی کا سماں دیکھنے کی نوبت نہ آئے گی۔

قاعدہ شروع کرانے کا طریقہ

سب سے پہلے اسکول منیجر اور اسکول ماسٹر کو قاعدہ عربی کا انتخاب کرنا چاہیے۔ کیونکہ بعضے پرانے قاعدے آجکل کی طبائع کے مناسب نہیں ہیں اس سے ترقی استعداد میں دیر لگتی ہے میرے تجربہ میں قاعدہ تعلیم القرآن اور نورانی قاعدہ بہت زیادہ مفید ثابت ہوئے تجربہ ہو چکا ہے کہ نورانی قاعدہ ہدایات کے موافق پڑھایا جائے تو چھ سال کے بچے

چار پانچ مہینوں میں ناظرہ قرآن ختم کر لیتے ہیں۔

قاعدہ پڑھانے کے اصول

قاعدہ پڑھانے میں مدرس کو چند باتوں کا لحاظ کرنا اشد ضروری ہے۔

(۱) یہ کہ قاعدہ پڑھنے والے بچوں کی جماعت بندی کا اہتمام کیا جائے سب بچوں کو الگ الگ قاعدہ کا سبق دینا سخت دشوار ہے۔ اور بچوں کو حرف شناسی میں دقت کا سامنا ہوتا ہے۔

(۲) محبت و پیار کے ساتھ بچوں کو پہلے بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ پڑھاؤ اور تاکید کرو کہ ہر کام بسم اللہ الخ سے شروع کرے۔ اس کے بعد شہادت کی انگلی ایک ایک حرف پر رکھوا کر تھوڑا تھوڑا سبق پڑھاؤ اور عربی حروف کے عربی نام یاد کراؤ۔ مثلاً۔ با۔ تا۔ ثا۔ جیم۔ حا۔ خا۔ را۔ زا۔ طا۔ ظا۔ فا۔ وغیرہ۔ بے۔ تے۔ ثے۔ حے۔ خے۔ رے۔ زے۔ نہ کہو کیونکہ یہ نام فارسی ہیں نہ کہ عربی۔

(۳) جب بچہ الف۔ با کی پہلی تختی ختم کر لے جب تک اس کو پوری طرح حروف کی پہچان اور شناخت نہ ہو جائے ہرگز آگے سبق نہ دو۔

(۴) حروف مفردہ کی شناخت میں نقطوں کی پہچان کو بہت بڑا دخل ہے کیونکہ ب۔ ت۔ ث۔ تینوں کی ایک ہی شکل ہے۔ اسی طرح ج۔ ح۔ خ۔ د۔ ذ۔ ر۔ ز۔ س۔ ش۔ ص۔ ض۔ ط۔ ظ۔ ع۔ غ وغیرہ میں نقطوں ہی کے ذریعہ امتیاز ہوتا ہے۔ اس لئے مدرس کو لازم ہے کہ قاعدہ پڑھانے کے وقت تختہ سیاہ اور چاک اپنے پاس رکھے اور ب کی شکل بغیر نقطہ کے بنا کر اس کو کبھی ب بنائے کبھی ت کبھی ث اور کبھی بچوں سے کہے کہ اس شکل کو ب بناؤ پھر ت بناؤ پھر ث بناؤ اس طرح نقطہ لگا کر ح کو جیم اور خا بناؤ اور بچوں سے اس کا نام دریافت کر کے ان کو ہر حرف کی شناخت اچھی طرح کراؤ۔

علیٰ ہذا القیاس ب اور ن۔ ی کو نقطوں سے خالی بنا کر بچوں سے سوال کرو۔ کہ یہ کیا ہے؟ اگر کوئی جواب دے کہ یہ تو کچھ بھی نہیں۔ اس کو شاباش دو اور پوچھو کہ اگر ہم

اس کو بآ اور نونؔ اور یاؔ بنانا چاہیں تو کیا کریں! تو وہ کہے گا کہ اس کے نیچے ایک نقطہ رکھو۔ اور اس کے نیچے دو اور اس کے بیچ میں ایک، اگر کوئی بچہ بدون نقطہ کے (ب) کی شکل کو با اور نون کی شکل نونؔ اور یؔ کی شکل کو یا کہے اس کو سمجھاؤ کہ اس کے نیچے ایک نقطہ یا دو نقطہ یا بیچ میں نقطہ کہاں ہے۔ جو تم نے بآ اور نونؔ اور یاؔ کہہ دیا۔

(۵) بچوں کی فطرت ہے کہ وہ الف سے لے کر یاؔ تک تمام حروف زبانی یاد کر لیتے ہیں اس لئے اگر آپ شروع سے ایک ایک حرف کو پوچھیں گے تو وہ بے تکلف ہر حرف کا نام بیان کرتے چلے جائیں گے جس سے بظاہر آپ یہ سمجھیں گے کہ ان کو حروف کی پہچان ہوگئی حالانکہ حقیقت اس کے خلاف ہوگی جس کا تجربہ اس سے ہوسکتا ہے کہ آپ الٹی طرف سے ایک ایک حرف پوچھیں تو وہ ان کا نام نہ بتلا سکیں گے اس لئے ضرورت ہے کہ حروف مفردہ کی تختی ایک دفعہ الف سے یا تک پڑھا کر پھری سے الف تک الٹی پڑھائی جائے اور ہر لائن کو اول سے آخر تک اور آخر سے اول تک اور اوپر سے نیچے کو نیچے سے اوپر کو سنو اور یہ طریقہ قاعدہ کی ہر تختی میں ملحوظ رکھو تو بچے محض یاد سے کام نہ لیں گے بلکہ ہر لفظ پہچان کر بتلائیں گے۔

(۶) قاعدہ پڑھانے والے مدرس کو اپنے پاس حروف مفردہ الگ الگ موٹے کاغذ پر لکھے ہوئے رکھنا چاہئیں بچوں کو اپنے سامنے کھڑا کر کے ایک ایک ورق بلاترتیب میز پر ڈال کر ان سے پوچھے کہ یہ کیا ہے؟ یہ کونسا حرف ہے؟ روزانہ یہ عمل کیا جائے گا تو اس سے بچوں کو حروف کی پہچان ہوگی۔ اور ان کا دل بھی بہلے گا۔ جب وہ بے تکلف تمام حروف کو پہچاننے لگیں تو اب سیپارہ ان کے سامنے رکھ کر حروف مفردہ کو پوچھو اگر کوئی بچہ نہ بتا سکے تو گھبراؤ نہیں، نہ غصہ کرو، بلکہ وہی حرف قاعدہ میں دکھلاؤ۔ پھر بھی نہ آئے تو خود بتلا دو کہ دیکھو یہ فلاں حرف ہے، قاعدہ اور سیپارہ میں اس کی ایک ہی شکل ہے، پھر تم نے پہچاننے میں کیوں دیر کی؟

الغرض پہلی ہی تختی میں اس قدر حرف شناسی ہو جانا چاہیے کہ جس کتاب اور جس سیپارے سے بھی جو مفرد حرف پوچھو بلا تامل بتلا دیں یہ امتحان روزمرہ لیا کرو۔ جتنا

امتحان لیا کرو گے اور جتنی دیر اس میں لگاؤ گے اسی قدر فائدہ ہوگا، روزمرہ کے سبق سے اس امتحان کو مقدم سمجھو بلکہ اس امتحان ہی کو سبق جانو اگر کسی دن سبق نہ ہو تو مضائقہ نہیں، مگر یہ امتحان ضرور ہو۔

(نوٹ)

ان ہدایات کو قاعدہ کی ہر تختی میں ملحوظ رکھنا چاہیے اور یہ ہدایات عربی قاعدہ ہی کے لئے مختص نہیں بلکہ اردو کے قاعدہ میں بھی اس کی رعایت بہت نافع ہوگی حروف مفردہ کی پہلی تختی میں ۲۹ تک گنتی بھی بچوں کو یاد کرا دینا چاہیے، پہلے دن چار حروف پڑھاؤ تو ان کو چار تک گنتی بھی یاد کرا دو اور دوسرے دن پانچ حروف پڑھاؤ تو نو تک گنتی بھی سکھلا دو، اور یہ بھی بتلا دو کہ ۴+۵=۹ ہوئے ہیں روزانہ اسی طرح کیا جائے تو ان کو ۲۹ تک گنتی بسہولت آ جائے گی۔

(۷) حروف مفردہ کی پہچان پوری ہو جائے تو اب مرکبات کی تختی شروع کراؤ، اکثر حروف جب آپس میں ایک دوسرے سے ملتے ہیں تو ان کی شکلیں بدل جاتی ہیں، مرکبات میں ن۔ی۔ب۔ت۔ث ہم شکل ہو جاتے ہیں صرف نقطوں کی تعداد اور ان کے اوپر نیچے ہونے سے امتیاز ہوتا ہے اس لئے مرکبات میں بچہ اسی وقت چل سکے گا جبکہ نقطوں کی شناخت کامل ہو چکی ہو۔

مرکبات کی تختی میں بھی ان ہدایات پر عمل کرنا ضروری ہے جو ہم نے اوپر بتلائی ہے اس تختی میں بچوں کو مطالعہ کا طریقہ بتلاؤ، مثلاً پارہ عم کا ایک صفحہ یا چند سطریں مقرر کر کے طلبہ سے کہو کہ اس کے تمام حرفوں کو پہچانیں جس حرف کو نہ پہچان سکیں اس کو قاعدہ کی تختی مرکبات میں دکھلاؤ اس تختی میں اتنی مشق ہو جانا چاہیے کہ پارہ عم اور قرآن مجید کے جس مقام سے حروف پوچھے جائیں بچے بلا تامل حرفوں کے نام بتلاتے چلے جائیں۔ مثلاً عَبَسَ وَتَوَلّٰی کو یوں بتلا سکیں ع۔ب۔س۔و۔ت۔و۔ل۔ی۔ جب تک اتنی مشق نہ ہو جائے آگے نہ پڑھاؤ قاعدہ میں حروف کی شناخت ہی مقصود ہے سبق

دینا مقصود نہیں یاد رکھو! جو استاد قاعدہ پڑھانے میں جلدی کرتا ہے اور کوشش و محنت سے کام نہیں لیتا وہ بچوں کی عمر اور استعداد کو برباد کرتا ہے اس کا گناہ چوری اور رہزنی سے بھی زیادہ ہے کیونکہ مال و اسباب پھر بھی مل سکتا ہے لیکن ''گیا وقت پھر ہاتھ آتا نہیں'' اور بگڑی ہوئی استعداد درست نہیں ہوتی۔

(۸) مفرد اور مرکب حروف کی پوری پہچان ہو جائے تو اب بچوں کو حرکات وسکون کی تعلیم دی جائے جس کو زبر، زیر، پیش اور جزم کہتے ہیں اس کے بارے میں مجھ کو چند ضروری باتیں عرض کرنی ہیں۔

(الف) حرکتوں کو اتنا نہ کھینچنا چاہیے کہ زبر سے الف، زیر سے یا اور پیش سے واؤ پیدا ہو جائے مثلاً بَ کو با اور بِ کو بی اور بُ کو بو پڑھا جائے۔ ورنہ بَ بِ بُ اور با، بی، بو میں کچھ بھی فرق نہ ہوگا۔

(ب) زیر اور پیش کو بچے مجہول نہ پڑھیں بلکہ معروف پڑھیں۔

(ج) اسم ذات اللہ سے پہلے اگر زبر یا پیش ہو تو لام کو پُر کرنا چاہے جیسے ذَهَبَ اللّٰهُ، وَلَعَنَهُ اللّٰهُ، اور زیر ہو تو باریک پڑھنا چاہیے جیسے بِسْمِ اللّٰهِ

(د) راء کے اوپر اگر زبر یا پیش ہو تو پُر پڑھنا چاہیے اور زیر ہو تو باریک اور جزم ہو تو اس سے پہلے حرف کی حرکت کو دیکھنا چاہیے جیسے اَلرَّحْمٰنُ عَلَّمَ الْقُرْاٰن. میں دونوں جگہ راء پُر ہے وَرَبَّكَ فَكَبِّرْ میں پہلی راء پُر اور دوسری باریک ہے۔

(ہ) دو زبر، دو زیر، دو پیش کو تنوین کہتے ہیں اور وہ پڑھنے میں نون ساکن کی طرح پڑھی جاتی ہے جس حرف پر دو زبر ہوں اس کے آخر میں ایک الف لکھا جاتا ہے اور بعض جگہ ی بھی، مگر یہ دونوں نہ پڑھنے میں آتے ہیں نہ ہجوں میں، یہ قاعدہ بچوں کو خوب سمجھا دینا چاہیے۔

(و) حرکات کی تختیوں کو رواں اور ہجے دونوں طرح سے پڑھانا چاہیے رواں اول سے آخر اور آخر سے اول کی طرف بھی پڑھائی جائے اور ہر لائن کو اوپر سے نیچے اور نیچے سے اوپر بھی پڑھانا چاہیے۔

(ز) ان تختیوں میں بچوں کو حروف کا نام نہ بتلایا جائے کیونکہ حروف مفردہ اور مرکبات کی پہچان ان کو ہو چکی ہے اب وہ خود ہر ہر حرف کو پہچانیں اور بتلائیں استاد کا کام صرف زیر، زبر، پیش کی آواز بتلانا ہے اس سے زیادہ جو بتلائے گا وہ بچوں کی استعداد کو خراب کرے گا۔

(۹) جب حرکات کی خوب پہچان ہو جائے تو اب مد اور تشدید بتلانا چاہیے کہ جس حرف پر مد ہو اس کو اچھی طرح دراز کیا جائے تشدید و ادغام کو بخوبی ادا کیا جائے۔

(۱۰) جب بچوں کو حرکات، مد و تشدید کی خوب شناخت ہو جائے تو اب پارہ عمّ سامنے رکھ کر سوال کرنا چاہیے کہ یہ لفظ کیا ہے ہجے کرو، روان بولو، نورانی قاعدہ میں جو مرکبات کلمات دیئے گئے وہ سب قرآن ہی کے الفاظ ہیں اور پارہ عم کے زیادہ ہیں ان الفاظ کو پارہ عم کے اندر بھی ضروری پوچھنا اور بتلانا چاہیے اس طریقہ پر قاعدہ پڑھایا جائے تو اس کے بعد پانچ چھ مہینے میں ناظرہ قرآن ختم کرنا معمولی بات ہے۔

تصحیح مخارج

تنبیہ: قاعدہ پڑھانے والے کو لازم ہے کہ قاعدہ ہی میں بچوں کے مخارج حروف صحیح کر دے بچہ اگر ایک حرف کو غلط بولتا ہے تو تم لاڈ اور پیار میں ہرگز غلط نہ بولو بچے کے سامنے ہر حرف کو ہمیشہ صحیح ادا کرو، بچہ استاد کے لب ولہجہ کی نقل کرنے میں خود کوشش کرتا اور رفتہ رفتہ صحیح تلفظ پر قادر ہو جاتا ہے اور اگر مدرس قاعدہ میں شروع سے آخر تک ہر لفظ کا صحیح تلفظ ادا کرتا رہے اور بچہ کو بھی تاکید کرتا رہے کہ ت ط اور ذ ز ظ ۔ض۔ س۔ص۔ ث۔ ق ۔ک کو الگ الگ صحیح ادا کرے تو یقیناً قاعدہ ختم ہونے سے پہلے بچے کے تمام مخارج ٹھیک ہو جائیں گے ورنہ استاد کی ذرا سی غفلت ہمیشہ کے لئے بچہ کے حق میں وبالِ جان بن جائے گی اور سارے قرآن میں بھی اس کے مخارج درست نہ ہوں گے اور جس کے مخارج غلط ہوں اس کا قرآن پڑھنا صحیح معنوں میں قرآن پڑھنا نہیں ہے کیونکہ قرآن عربی زبان میں ہے جب تک حروف کو عربی زبان کے قاعدہ سے ادا نہ کیا

جائے گا اس وقت تک صحیح قرآن پڑھنا صادق نہیں آئے گا۔

ناک میں پڑھنے سے احتراز

تنبیہ: بعض لوگ الف اور واؤ اور یا ساکن کے ساتھ نون کی آواز بھی نکالتے ہیں مثلاً مَا۔ مو۔ مِی۔ اور نا۔ نو۔ نی کو ماں۔ موں۔ میں اور ناں۔ نوں۔ نیں پڑھتے ہیں یہ بڑی غلطی ہے اس سے بچنا چاہیے اور بچوں کو بھی روکنا چاہیے۔

ناظرہ قرآن پڑھانے کا طریقہ

قاعدہ عربی کا طریقہ تعلیم عرض کر دینے کے بعد اب میں ناظرہ قرآن پڑھانے کے متعلق چند ضروری اصول عرض کرنا چاہتا ہوں۔

(۱) سب سے پہلے مدرس کو اپنا دل قرآن کریم کی عظمت و شوکت سے لبریز کرنا چاہیے اور مدرس جتنا قرآن کا ادب کرے گا بچے بھی اتنا ہی ادب کریں گے۔ بچوں کو تنبیہ کرنا چاہیے کہ سیپارے کے پھٹے ہوئے اوراق کو بے پرواہی سے ادھر ادھر نہ ڈالیں بلکہ ایک صندوق میں رکھ دیں جو اس کام کے لئے بنایا گیا ہو۔

(۲) مدرس کو لازم ہے کہ بے وضو قرآن کو ہرگز ہاتھ نہ لگائے اور سمجھ دار اور ہوشیار بچوں کو بھی وضو کرنے کی تاکید کرے، قرآن کی طرف پیر لمبے کرنا اور پشت کرنا سخت جرم ہے اس سے خود بھی احتیاط لازم ہے اور بچوں کو بھی روکنا چاہیے۔

(۳) ناظرہ قرآن پڑھانے میں حرکات کا صحیح ہونا۔ مخارج کا درست ہونا، اظہار و اخفا و غنہ وغیرہ کا ادا کرنا اور روان کا عمدہ ہونا بہت ضروری ہے، پارہ عم ہی کے اندر بچوں کو رواں اور ہجے میں تیز کر دینا چاہیے اور آموختہ کو سبق تک روزانہ پڑھ لینے کی تاکید کی جائے۔

(۴) اگر قاعدہ میں جماعت بندی کا اہتمام کی گیا ہو تو پارہ عم میں جماعت بندی سہل ہوگی اس صورت میں ناظرہ قرآن پڑھانے کا سہل طریقہ یہ ہے کہ اول ایک بچہ ایک آیت کو ہجے اور روان سے پڑھے پھر دوسرا اور تیسرا اسی طرح پڑھے، پھر باقی

بچوں میں سے ہر ایک اس آیت کو رواں پڑھے جب ایک بچہ پڑھتا ہو تو ساری جماعت سنتی رہے اس کے بعد دوسری آیت اسی طرح ہر بچہ پڑھے اور باقی سنیں۔ اگر سبق زیادہ دینا ہو تو ایک دم سے نہ دو بلکہ ایک ایک آیت کو سب سے پڑھوا کر دوسری تیسری آیت پڑھاؤ۔

(۵) جماعت بندی کی صورت میں آموختہ کی نگہداشت بہت آسان ہے دو دو بچوں کی جوڑی مقرر کر دی جائے کہ ایک اس کا آموختہ سنے اور دوسرا اس کا سنے۔

(۶) بچوں کو ہدایت کی جائے کہ ایک کلمہ کے بیچ میں وقفہ کبھی نہ کریں۔ شروع پارہ عم میں اگر بچہ کمزور ہو اور رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ کو رَبِّلْ عَا لَمِیْنَ پڑھے تو چنداں مضائقہ نہیں مگر مدرس کو خیال رکھنا چاہیے کہ یہ کمزوری پارہ عم کے ختم ہونے تک نکل جائے اور بچہ بخوبی رواں پڑھنے لگے۔ کیونکہ حرفوں کو کاٹ کاٹ کر پڑھنا بڑا عیب ہے۔

(۷) جب ایک پارہ ختم ہو جائے تو اب روزانہ سبق تک آموختہ نہ ہو سکے گا اس لئے اس کی مقدار مقرر کر دیں کہ روزانہ نصف یا ربع پارہ پڑھ لیا جائے۔

(۸) ہفتہ میں ایک دن جمعرات یا اور کوئی دن آموختہ کی دیکھ بھال کے لئے رکھا جائے اس دن سبق نہ دیا جائے۔

(۹) بچوں کو زور زور سے اور ہل ہل کر پڑھنے سے منع کیا جائے اس کو یاد ہونے میں کچھ بھی دخل نہیں بس اتنی آواز سے پڑھنا چاہیے کہ پاس والا سن سکے قرآن کے پڑھنے سے تھوڑی سی حرکت تو بدن کو ضرور ہوتی ہے جس کا منشا نشاط روحانی ہے مگر زیادہ ہلنے سے بچوں کو منع کر دیا جائے۔

(۱۰) قرآن پڑھانے والے کو رسم خط قرآنی سے واقف ہونا چاہیے۔ قرآن کو جس شخص نے کسی استاد سے نہیں پڑھا وہ یقیناً صحیح پڑھنے پر قادر نہ ہوگا کیونکہ قرآن کا رسم خط تمام کتابوں سے الگ ہے۔ ایک یورپین بہادر نے قرآن میں الٓر لکھا ہوا دیکھا تو کہنے لگے یہ کیا ہے؟ آلو! کسی مسلمان نے ہنس کر کہا کہ عرب میں آلو کہاں وہ تو یورپ میں ہوتے ہیں اور اپنا قرآن اس کے ہاتھ سے لے لیا۔

بہت سے کلمات قرآن کے اندر لکھنے میں اور طرح اور پڑھنے میں اور طرح ہیں مثلاً سورہ کہف میں لٰکِنّا لکھا ہوا ہے مگر پڑھا جاتا ہے لٰکِنَّ اس طرح بہت سی جگہ الف لکھا ہوا ہے مگر پڑھا نہیں جاتا اور بعض جگہ صاد لکھا ہوا ہے اس کو سین پڑھا جاتا ہے اس کا جاننا استاد کے بتلانے پر موقوف ہے اگر مدرس قرآن کے رسم خط سے ناواقف ہوتو اس کا شاگرد یقیناً غلط خواں ہوگا۔

حفظ قرآن کے اصول

ناظرہ قرآن پڑھانے کے متعلق میں ضروری باتیں عرض کر چکا۔ چونکہ رنگون و برما کے سرکاری سکولوں میں حفظ قرآن کا اہتمام نہیں ہے اس لئے اس کے اصول بیان کرنے کی ضرورت نہ تھی مگر یہ باتیں دو خیال سے عرض کرتا ہوں ایک اس لئے کہ میرا مضمون ناقص و ناتمام نہ رہے مکمل ہو جائے۔ دوسری اس لئے کہ شاید یہاں بھی کبھی کسی کو توفیق ہو جاوے۔ حفظ قرآن کا آسان قاعدہ یہ ہے۔

(الف) بچہ کا حافظہ کمزور ہوتو پانچ آیت سے زیادہ سبق نہ دیا جائے اور قوی ہو تو گیارہ آیات تک دے سکتے ہیں اور اس سے بھی زیادہ۔

(ب) بچہ کو تاکید کی جائے کہ ہر آیت کو کم از کم گیارہ بار یاد کرے، پانچ دفعہ دیکھ کر اور چھ دفعہ بغیر دیکھے ایک آیت کو گیارہ بار کہہ کر پھر دوسری آیت کو گیارہ بار اسی طرح کہے۔ پھر دونوں کو ملا کر گیارہ بار کہے پھر تیسری کو گیارہ بار الگ کہہ کر تینوں کو ملا کر گیارہ بار کہے اسی طرح پانچ یا گیارہ آیتوں کو الگ الگ بھی گیارہ بار کہے اور شروع سبق سے ملا کر بھی، انشاء اللہ تعالیٰ ایک گھنٹہ میں سبق پختہ ہو جائے گا۔

(ج) جب تک ایک منزل پوری نہ ہو شروع سے سبق تک روزانہ آموختہ سنا جائے اور بہتر یہ ہے کہ ایک دفعہ استاد سنے اور ایک دفعہ شاگرد خود پڑھ لیا کرے۔ جب ایک منزل پوری ہو جائے تو سبق تک ایک سیپارہ اور سنا جائے اور آموختہ کا بھی کم از کم ایک سیپارہ مقرر کر دیا جائے۔

(د) جب سیپارہ سناتے ہوئے طالب علم کو تشابہ ہونے لگے تو استاد صرف غلطی درست کرنے پر اکتفا نہ کرے بلکہ یہ پوچھے کہ تم کو یہ تشابہ کس سورت اور کس سیپارہ سے لگا ہے'' وہ سوچ کر بتلائے گا اگر نہ بتلا سکے تو استاد خود بتلا دے کہ تم کو فلاں سورت اور فلاں سیپارہ سے لگا تھا۔ یہ آیت وہاں اس طرح ہے اور یہاں اس طرح، اگر متشابہات پر اس طرح روک ٹوک سے کام لیا گیا تو شاگرد کو متشابہات قرآن محفوظ ہو جائیں گے اور آئندہ غلطی سے محفوظ رہیں گے۔

(ہ) طالب علم کو تنبیہ کی جائے کہ قرآن نہ اتنا تیز پڑھے کہ حروف کٹنے لپٹنے لگیں اور نہ اتنا آہستہ پڑھے کہ بھولنے لگے، پڑھتے وقت وقف و وصل کی رعایت بہت ضروری ہے۔ بعض آدھے لفظ پر اس طرح سانس توڑتے ہیں کہ معنے بگڑ جاتے ہیں جیسے فی نار جہنم خاء، یہ بہت بڑی غلطی ہے بلکہ فی نار جہنم خالدین کہہ کر سانس توڑنا چاہیے حروف مشدد پر وقف ہو تو تشدید ظاہر کر کے وقف کرنا چاہیے جیسے این المفرّ، کل امر مستقرّ، لم یطمثھن اِنْسٌ و لاجانّ، کو اَیْنَ المفرُ مُسْتَقَرُ و لاجَانُ پڑھنا غلط ہے۔

(و) حفظ قرآن تمام ہو جانے کے بعد سال بھر تک استاد کو کم از کم ایک پارہ روز سنایا جائے اور اسی سیپارے کو مغرب یا عشاء کی نماز کے بعد نفلوں میں تنہا پڑھنا چاہیے۔

(ز) رمضان شریف میں حافظ کو قرآن سنانا یا سننا نماز تراویح میں بہت ضروری ہے۔ ورنہ حفظ کمزور ہو جائے گا۔ اگر پڑھنے کا اتفاق نہ ہو اور سامع بننا پڑے تو اس سیپارے کو خود بھی نفلوں میں پڑھنا چاہیے۔

(ح) بعض لوگ تنہا بدوں استاد کے حفظ کرنے لگتے ہیں اس طرح قرآن کا حفظ بہت دشوار ہے۔ کسی کو حفظ میں استاد بنانا ضروری ہے ورنہ یا تو حفظ ہی نہ ہوگا یا غلط حفظ ہوگا۔

(ط) جس کو حفظ قرآن میں دشواری ہوتی ہو، اس کو دعائے حفظ قرآن تین چار

ہفتہ تک باقاعدہ ہر جمعہ کی رات میں پڑھنا چاہیے ان شاء اللہ تعالیٰ حفظ آسان ہو جائے گا۔ جس کی ترکیب مناجات مقبول میں لکھی ہے۔

(ی) حافظ قرآن کو ضروری ہے کہ قرآن کو دنیا کمانے کا ذریعہ نہ بنائے اور استاد کی بے ادبی نہ کرے اس سے گناہ بھی ہوتا ہے اور تعلیم میں برکت بھی نہیں ہوتی۔ نہ آئندہ کو فیض جاری ہوتا ہے۔

مطالب قرآن پڑھانے کا طریقہ

جب مسلمان ناظرہ یا حفظ قرآن سے فارغ ہو جائے تو اس کو لازم ہے کہ قرآن سمجھنے کی کوشش کرے جس کا اصلی طریقہ یہ ہے کہ عربی زبان کا ادب وصرف ونحو ولغت پہلے سیکھے پھر قرآن کی معتبر تفاسیر کے ذریعہ اس کے معانی ومطالب کو حل کرے لیکن جس کو اس کی فرصت نہ ہو اسے کم از کم اردو تراجم اور تفاسیر کے ذریعے سے مطالب قرآن سمجھنے کی کوشش کرنا چاہیے اگر کوئی عالم پڑھانے والا مل جائے تو بہتر صورت یہ ہے کہ اس سے سبقاً سبقاً ترجمہ قرآن پڑھ لیا جائے ورنہ خود مطالعہ کیا جائے اور جہاں مطلب سمجھ میں نہ آوے اپنی عقل سے مطلب نہ بنا دے بلکہ وہاں نشان کر کے کسی موقعہ پر محقق عالم سے زبانی دریافت کرے یا بذریعہ خط وکتابت کے حل کر لے۔ سرکاری مدارس کے طلبہ کو معانی قرآن پڑھانے کا آسان طریقہ یہ ہے کہ ایک پیریڈ میں کوئی عالم یا باقاعدہ ترجمہ جاننے والا ماسٹر قرآن مترجم سامنے رکھ کر سب طلبہ کو بطور وعظ وتقریر کے سنا دیا کرے اور اس کے لئے علماء محققین کا ترجمہ اختیار کیا جائے قدیم تراجم میں شاہ عبدالقادر رحمتہ اللہ علیہ کا ترجمہ بہت عمدہ ہے اور جدید تراجم میں حکیم الامت حضرت مولانا محمد اشرف علی صاحب دام مجدہم[1] اور حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن قدس سرہ کا ترجمہ بہترین تراجم سے ہے۔ طریقہ تعلیم بتلا دینے کے بعد میں یہ بھی بتلا دینا ضروری سمجھتا ہوں کہ قرآن کیا چیز ہے؟ اس کو قرآن کیوں کہتے ہیں؟ اس کی تعلیم کا خلاصہ اور نتیجہ کیا ہے؟

---

[1] اس تقریر کے وقت حضرت اس عالم ناسوت میں تشریف فرما تھے اور اس تقریر کو ملاحظہ فرما کر جا بجا اس میں اصلاحات بھی فرمائی ہیں۔

قرآن کیا چیز ہے؟

قرآن مسلمانوں کی مذہبی کتاب ہے جو زمین و آسمان اور تمام کائنات کے پیدا کرنے والے خدا نے اپنے محبوب پیغمبر خاتم الانبیاء سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر اپنے بندوں کی ہدایت کے لئے نازل فرمائی ہے اور اس وقت سے اس وقت تک بنقل متواتر محفوظ چلی آرہی ہے جس کا ایک لفظ اور شوشہ بھی متغیر نہیں ہوا۔

قرآن کو قرآن کیوں کہتے ہیں؟

قرآن قرأت سے بنا ہے جس کے معنی ہیں پڑھنا، پس قرآن کے معنی ہوئے پڑھنے کے لائق کتاب ممکن ہے کوئی یہ دعویٰ کرے کہ پڑھنے کے لائق تو اور بھی کتابیں ہیں، اس میں قرآن ہی کی کیا خصوصیت ہے؟ اس کے متعلق عرض یہ ہے کہ قرآن میں بہت سی ایسی خصوصیات ہیں جن پر غور کرنے کے بعد ہر صاحب انصاف تسلیم کرے گا کہ واقعی سب سے زیادہ پڑھنے کے لائق کتاب قرآن ہی ہے۔

منجملہ قرآن کی بہت سی خصوصیات کے قرآن میں یہ خاص بات ہے کہ اس کا پڑھنا ہر قوم اور ہر شخص کے لئے آسان ہے دنیا میں کوئی کتاب ایسی موجود نہیں ہے جس کو اصلی صورت اور بعینہ الفاظ میں عربی اور عجمی یورپ والے اور ایشیا والے مصری اور سوڈانی اور افریقی اور چینی، روسی اور امریکہ والے بچے اور جوان، بوڑھے اور ادھیڑ عالم و جاہل، مرد و عورت سب پڑھ سکتے ہوں۔ یہ شرف خاص قرآن ہی کو حاصل ہے کہ اس کو اس کی اصل زبان اور بعینہ الفاظ میں دنیا کا ہر طبقہ سہولت سے پڑھ سکتا ہے بلکہ پڑھ رہا ہے۔

قرآن کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ اس کا پڑھنے والا ایک دو دفعہ پڑھ کر اس سے اکتاتا اور گھبراتا نہیں ہے۔ جو لوگ تلاوت قرآن کے عادی ہیں اور ایسے لوگ ہر ملک میں ہزاروں لاکھوں کی تعداد میں موجود ہیں وہ اس کو سال بھر میں بار بار ختم کرتے اور شروع کرتے ہیں اور ہر دفعہ نیا لطف حاصل کرتے ہیں۔

نہ حسنش غایتے دارد نہ سعدیؒ را سخن پایاں بمیرد تشنہ مستسقی و دریا ہمچناں باقی!

دنیا میں کوئی کتاب ایسی نہیں جس کی تلاوت قرآن کی طرح پابندی کے ساتھ کی جاتی ہو اور ایک دو دفعہ پڑھنے کے بعد دل نہ گھبراتا ہو اگر قرآن کی تلاوت سے اہل عرب ہی کو حظ آتا تو یہ کہہ سکتے تھے کہ اس کی مضامین کی دل کشی ان کو بار بار تلاوت پر مجبور کرتی ہے مگر واقعہ یہ ہے کہ اس کی تلاوت سے نہ عربی کا دل اکتاتا ہے نہ عجمی کا نہ سمجھنے والے عالم کا نہ کسی جاہل کا نہ بچہ کا نہ عورت کا۔ پس کیا اس سے یہ دعویٰ صاف طور پر ثابت نہیں ہو جاتا کہ واقعی اگر کامل درجہ میں پڑھنے کے لائق کوئی کتاب ہے تو وہ قرآن ہے اور صرف قرآن دوسری کتابوں کے تراجم ہر زبان میں کر دیئے جائیں تو ان کے پڑھنے والے تمام ممالک میں مل سکیں گے لیکن ایسی کوئی کتاب نہیں کہ بدون ترجمہ کے صرف اس کے الفاظ ہی کو تمام ممالک کے لوگ پڑھتے ہیں۔ خواہ سمجھتے ہوں یا نہ سمجھتے ہوں یہ خصوصیت صرف قرآن کے لئے ہے۔

تیسری خصوصیت قرآن میں یہ ہے کہ اس کو دیکھ کر پڑھنے والے بھی بہت ہیں اور بغیر دیکھے پڑھنے والے بہت ہیں کیونکہ قرآن کے الفاظ میں ایسی حلاوت اور دلکشی رکھی ہوئی ہے جس کی وجہ سے اس کا حفظ کرنا بہت آسان ہے۔ قرآن جب سے نازل ہوا ہے اس وقت سے اس وقت تک لاکھوں کروڑوں حفاظ قرآن دنیا میں ہو چکے ہیں جن میں مرد بھی ہیں اور عورتیں بھی بچے بھی ہیں، بوڑھے بھی جوان بھی ادھیڑ بھی عربی بھی ہیں، ہندی بھی، سندھی بھی، بنگالی بھی، مصری بھی اور اس وقت بھی باوجود مسلمانوں کی غفلت مذہبی کے ہر ملک میں ہزاروں حفاظ قرآن موجود ہیں جن کے وجود سے رمضان شریف میں تمام مسجدیں منور اور بارونق بن جاتی ہیں اور یہی حفاظ ہیں جن کے دم سے آج تک قرآن اپنی اصلی صورت میں زندہ ہے اور یہ ایسی بات ہے جس کا اعتراف ہر انصاف پسند طبقہ نے کیا ہے خواہ مسلم ہو یا غیر مسلم سر ولیم میور نے جہاں قرآن شریف کا ذکر کیا ہے اس بات کو صاف طور سے مانا ہے کہ دنیا میں ایسی کوئی کتاب نہیں جو بلا تغیر و تبدل تیرہ سو سال سے بچی ہو۔ لیکن مسلمانوں کا قرآن اپنے حروف والفاظ سے ویسا ہی ہے جیسے اول تھا۔ اس کا سبب بجز اس کے اور کیا ہے کہ ہماری قوم میں ہر زمانہ میں لاکھوں زندہ قرآن

موجود ہے، جن کے حفظ نے ایک زیر زبر کا ہیر پھیر نہ ہونے دیا۔ وہ زندہ قرآن یہی حفاظ ہیں جن کی بدولت ہمارے دین کی یہ مقدس کتاب آج تک بلاکم و کاست ہمارے سینوں میں ہمارے ہاتھوں میں ہے۔

امریکہ کی ایک یونیورسٹی کے پروفیسر مسٹر ہورڈ نے حال ہی میں اسلامیات پر لیکچر دیتے ہوئے حسب ذیل خیالات کا اظہار کیا ہے۔

ہم لوگ خواہ کتنا ہی انکار کریں مگر واقعات کو پیش نظر رکھ کر تسلیم کرنا پڑے گا کہ اسلام ایک عالمگیر مذہب ہے وہ اس قوم پر حکومت کر رہا ہے جو ازمنہ مظلمہ میں عیسائیوں کے لئے شمع ہدایت بنی رہی اور جس نے اپنے علوم وفنون سے ہمارے دماغوں کو سیراب و شاداب کیا ہے، میرا خیال ہے اگر اسلامی حکومتیں دنیا سے نابود بھی ہو جائیں تو اسلام اور مسلمان فنا نہیں ہو سکتے، کیونکہ جو چیز ان کو حیات تازہ بخشتی ہے وہ ان کی کتاب ''قرآن'' ہے جو اپنی اصل کے اعتبار سے ایسی محفوظ ہے جیسا کہ آسمان اپنی پیدائش کے وقت سے اس کا حال بائبل کی طرح نہیں ہے جو اپنی تمام مذہبی اور تاریخی خصوصیات گم کر چکی ہے اور نہ اس کی تعلیم بیرونی تعلیم و عقائد سے ملوث ہوئی ہے عیسائیت اور بت پرستی ان دونوں میں فرق نہیں رہا اور اگر کوئی کرنا بھی چاہے تو نہیں کر سکتا کیونکہ بت پرستی کے جراثیم نے اصلی عیسائیت کو چٹ کر لیا ہے۔ قرآن ایک حیات بخش کتاب ہے، اور مسلمانوں کے نزدیک دنیا کی کوئی چیز بھی اس کا مقابلہ نہیں کر سکتی مسلمان جس طرح قرآن (شریف) کی عزت کرتے اتنی انجیل کے لئے ہمارے دلوں میں عزت نہیں مسلمان اپنے دل و دماغ کو اسلام کے حوالہ کر چکے ہیں اور عیسائی رہنما یا بعض سیاسی وجوہ کی بنا پر اس کو مان رہے ہیں، ہمیں یقین رکھنا چاہیے کہ اگر قرآن کی تعلیم کا صحیح ظہور ہوا تو اس سے عیسائی دنیا کو بھی بہت کچھ فوائد پہنچیں گے۔

روحانیت اور قرآن

قرآن کریم کی تعلیم کا خلاصہ بیان کرنے سے پہلے میں ایک نکتہ پر تنبیہ کر دینا ضروری سمجھتا ہوں وہ یہ کہ تمام عقلاء اس بات کو تسلیم کرتے ہیں کہ انسان جسم و روح سے مرکب ہے روح کا جسم سے الگ ایک چیز ہونا ہر شخص کو اپنے اندر کی تصدیقی آواز سے

معلوم ہوسکتا ہے انسان جب میں یا مَنْ کہتا ہے تو اس سے مراد نہ جسم ہے نہ جسم کا کوئی حصہ، بلکہ اور کوئی چیز ہے جو کسی کو نظر نہیں آتی مگر جسم میں اس کی گل کاریاں موجود ہیں جسم کی پرورش اور حیات اسی تعلق پر موقوف ہے جو اس کو روح کے ساتھ ہے اگر یہ تعلق منقطع ہو جائے تو انسان کا بدن اور پتھر برابر ہے جن لوگوں کو روحانی طاقتوں کا انکشاف ہو چکا ہے وہ خوب جانتے ہیں کہ روح ایک پاکیزہ نورانی شئی ہے۔ مادہ سے مرکب نہیں بلکہ مجرد ہے اور جسم کی ترکیب مادی عناصر سے ہے اس لئے جسمانی طاقت کو روحانی طاقت سے کچھ بھی نسبت نہیں۔ چہ نسبت خاک را با عالم پاک۔ اس کے بعد مجھے یہ کہہ دینے کی اجازت دیجئے کہ جیسا جسم اور اجسام کے لئے ایک مرکز ہے جو حواس جسمانی سے ہم کو نظر آتا ہے اور روح کے الگ ہو جانے کے بعد بھی بدن اسی مرکز میں رہ جاتا ہے اور اجزاء جسم کے منتشر ہو کر پانی پانی میں مٹی مٹی میں مل جاتی ہے اسی طرح روح کا بھی ایک مرکز ہے جس کی وہ اسی طرح طالب ہے جیسا جسم اپنے مرکز کا طالب ہے قرآن کی اصطلاح میں مرکز روح کو عالم آخرت اور مرکز اجسام کو عالم دنیا کہا جاتا ہے انسان خواہ کتنی ہی کوشش کرے عالم دنیا میں کسی کے لئے بقا نہیں کیونکہ وہ روح کا مرکز نہیں انسان کی بقا اسی عالم میں ہوسکتی ہے۔ جو اس کی روح کا مرکز اور اصلی وطن ہے، موت کا ہر انسان کو یقین ہے اس میں کسی کو شک کی گنجائش نہیں مگر ایسے بہت کم ہیں جن کو یہ فکر ہو کہ ہم کہاں سے آئے تھے؟ اور کہاں آئے تھے؟ اور کہاں جانے والے ہیں؟ اَفَحَسِبْتُمْ اَنَّمَا خَلَقْنٰکُمْ عَبَثًا وَّاَنَّکُمْ اِلَیْنَا لَا تُرْجَعُوْنَ ...... ترجمہ، کیا تم نے یہ سمجھ لیا ہے کہ ہم نے تم کو فضول ہی پیدا کیا اور تم ہمارے پاس لوٹ کر نہ آؤ گے۔

قرآن

﴿وَمَا هٰذِهِ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا اِلَّا لَهْوٌ وَّلَعِبٌ ط وَاِنَّ الدَّارَ الْاٰخِرَةَ لَهِيَ الْحَيَوَانُ ط لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ.﴾

ترجمہ: ”یہ دنیا کی زندگی لہو ولعب کے سوا اور کچھ بھی نہیں زندگی تو

عالم آخرت کی زندگی ہے کاش لوگوں کو اتنی بات معلوم ہو جائے''۔

ممکن ہے کوئی یہ شبہ پیش کرے کہ عالم آخرت تو آنکھوں سے نظر نہیں آتا بغیر دیکھے ہم اس کو کیونکر مان لیں ان لوگوں سے کہہ دیا جائے کہ تم نے اپنے آپ ہی کو کہاں دیکھا ہے؟ تم صرف اپنے بدن کو دیکھ سکتے ہو مگر جسم کا نام انسان نہیں تم جو کچھ ہو خود اپنی آنکھوں سے بھی مستور ہو اور دوسرے انسانوں کی نگاہ سے بھی۔ جب اپنے وجود کا بدوں دیکھے تم کو یقین ہو گیا تو عالم ارواح و عالم آخرت کا بھی بدون دیکھے مخبر صادق کے کہنے سے یقین کر لینا چاہیے تم نے امریکہ کو نہیں دیکھا مگر دیکھنے والوں کی باتیں سن کر یقین کر لیا۔ اسی طرح عالم ارواح و عالم آخرت کو ان لوگوں کے کہنے سے مان لو جو روحانی منازل طے کر چکے ہیں اور یہ حضرت انبیاء علیہم السلام کی مقدس جماعت ہے جن میں حضرت سیدنا ابراہیم علیہ السلام، سیدنا موسیٰ علیہ السلام، سیدنا عیسیٰ علیہ السلام، اور خاتم الانبیاء سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اسماء گرامی سے ایک عالم خبردار و واقف ہے جن کا صادق، وامین، مقدس و بزرگ ہونا ان کے سوانح حیات سے بخوبی عیاں ہے، ہاتھ کنگن کو آرسی کیا ہے؟ جو شخص روح اور روحانی طاقت اور عالم ارواح و عالم آخرت سے واقف بننا چاہے ان کو انبیاء علیہم السلام کے دامن تلے آ جانا چاہیے ان کی تعلیم و تربیت سے اس کی باطنی آنکھیں کھلیں گی۔ اور جسم و روح میں امتیاز حاصل ہوگا اور معلوم ہوگا کہ جس بدن کے پیچھے وہ لگا ہوا ہے یہ اس سے چھوٹنے والا ہے اور عالم آخرت و عالم ارواح میں پہنچ کر اس کو دوسرا جسم ملنے والا ہے جس کی طاقت روح کی طاقت کا ہمیشہ کے لئے ساتھ دینے والی ہوگی۔

خلاصہ تعلیم قرآن

قرآن کی تعلیم کا مختصر خلاصہ یہی ہے کہ وہ ہم کو اس عالم اجسام دنیا کے سوا ایک دوسرے عالم کی خبر دیتا ہے جس کا نام عالم ارواح و عالم آخرت ہے اور بتلاتا ہے کہ اے انسان! جسم کی پرورش اور اس کی زیب و زینت میں کب تک لگا رہے گا اس کی تکلیف و

راحت کا کب تک بندوست کرتا رہے گا دیکھ ذرا اپنی حقیقت میں غور کر، یہ جسم تو اسی جگہ ایک دن رہ جائے گا اور تو اس سے الگ ہو کر دوسری جگہ پہنچے گا جہاں سے آیا تھا شب و روز تو بدن کی فکر میں اس کی پرورش میں لگا رہتا ہے، ۲۴ گھنٹوں میں سے کوئی لمحہ خود اپنی فکر میں تو صرف کرتو اپنی بیوی بچوں دوستوں کی فکر میں گھلا جاتا ہے حالانکہ وہ صرف تیری صورت کے آشنا ہیں تجھے نہ کسی نے دیکھا نہ کسی نے پہچانا۔

ہر کسے از ظنِ خود شد یارِ من!   وز درونِ من نہ جست اسرارِ من

ذرا کچھ دیر اپنی فکر بھی کر! اور دیکھ تجھ کو چاہنے والا خدا کے سوا اور کوئی نہیں ہے کیونکہ محبت کا مدار معرفت پر ہے اور خدا کے سوا روح انسان کی معرفت کسی کو نہیں خدا کے بعد اگر روح کی معرفت کسی کو ہے تو انبیاء، وصدیقین وصلحاء وعارفین کو ہے، مگر انسان خدا و رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے زیادہ دوسروں کا گرویدہ ہے۔ جس کا سبب اس کے سوا کچھ نہیں کہ اس نے مادی طاقتوں کو روحانی قوتوں پر غالب کر دیا ہے قرآن کریم انسان کو یہ تعلیم دیتا ہے کہ اپنی روحانی طاقتوں کو مادی طاقتوں پر غالب کرے۔ اس لئے وہ نیک اخلاق اور نیک اعمال کی تاکید کرتا اور برے اخلاق اور برے اعمال سے روکتا ہے کیونکہ نیک اخلاق و اعمال سے خدا راضی ہوتا ہے اور اس کی رضا مندی سے روح کو راحت و طاقت پہنچتی ہے، اور برے اخلاق و اعمال سے خدا کا غضب ہوتا ہے جس سے روحانی طاقتوں کو ضعف اور مادی طاقتوں کو ترقی ہوتی ہے قرآن کریم انسان کو معرفت الٰہی اور ذات صفات خداوندی کی ایسی اعلیٰ تعلیم دیتا ہے کہ کوئی کتاب اس کی نظیر پیش نہیں کرسکتی قرآن وتوحید کا علمبردار ہے اور دعوئی سے کہا جاتا ہے کہ دنیا کو قرآن نے توحید کا سبق ایسے وقت پڑھایا جب تمام لوگ اس کو بھلا چکے تھے اور اس سے بہتر توحید کی تعلیم کسی کتاب میں اس وقت موجود نہیں۔

قرآن تمام آسمانی کتابوں کی تصدیق کرتا ہے اور تمام انبیا علیہم السلام کی تعظیم و تصدیق کو فرض قرار دیتا ہے اس سے ہر منصف کو معلوم ہوسکتا ہے کہ اسلام دنیا کے لئے پیام امن ہے وہ تمام مخلوق کو فرقہ بندی اور اختلاف سے ہٹا کر باہم رواداری کا سبق

پڑھاتا ہے۔ مگر چونکہ پہلے انبیاء کی تعلیمات اپنی اصلی صورت میں اس وقت باقی نہیں ہیں بلکہ لوگوں نے تحریف وتبدیل سے ان کو مسخ کردیا ہے اس لئے نزول قرآن کے بعد ان مسخ شدہ کتابوں پر عمل کے لئے گنجائش نہیں رہی قرآن کریم اپنی حقانیت کے لئے تمام عالم کے سامنے صرف ایک بات پیش کرتا ہے کہ تعصب سے علیحدہ ہوکر انصاف کے ساتھ اس کی تعلیمات میں تدبر وتامل کیا جائے تو خود بخود انسان اس کی حقانیت کا قائل ہو جائے گا۔

﴿قُلْ اِنَّمَا اَعِظُكُمْ بِوَاحِدَةٍ ط اَنْ تَقُوْمُوْا لِلّٰهِ مَثْنٰى وَ فُرَادٰى ثُمَّ تَتَفَكَّرُوْا ج مَا بِصَاحِبِكُمْ مِنْ جِنَّةٍ ط اِنْ هُوَ اِلَّا نَذِيْرٌ لَّكُمْ بَيْنَ يَدَىْ عَذَابٍ شَدِيْدٍ﴾

”فرمادیجئے کہ میں تم کو صرف ایک ہی نصیحت کرتا ہوں کہ اللہ کے لئے کھڑے ہو جاؤ دو دو مل کر اور کبھی الگ ہوکر پھر سوچو غور کرو! تو تم کو معلوم ہوگا کہ تمہارے صاحب کو جنون نہیں۔ وہ تو تم کو ایک بڑے آنے والے عذاب سے ڈرانا چاہتے ہیں“۔

قرآن کریم بتلاتا ہے کہ راحت عالم آخرت کی راحت ہے جس نے وہاں کی راحت کا سامان نہیں کیا وہ خسارہ میں ہے کیونکہ دنیا کی راحت چندروزہ ہے قرآن کریم کسی قوم کو دوسری قوم پر نسب پر یا مال ودولت یا رنگ وزبان کی وجہ سے فضیلت نہیں دیتا بلکہ تقویٰ وکرم نفس اور روحانی پاکیزگی کو فضیلت بتلاتا اور بقیہ امور میں تمام بنی آدم کو مساوی حقوق دیتا ہے۔

نتیجہ تعلیم قرآن

جب انسان کو تعلیم قرآن میں تامل کرنے سے اپنی حقیقت کا کچھ انکشاف ہوتا ہے اور خالق کائنات سے تعلق اور لگاؤ پیدا ہو جاتا ہے تو دنیا کی محبت دل سے نکل جاتی اور عالم آخرت کا ہمہ تن مشتاق بن جاتا ہے فنائے دنیا کا نقشہ پیش نظر رہتا اور یہ عالم باوجود وسعت کے ایک تنگ وتاریک جیل خانہ نظر آتا ہے۔

﴿اَلدُّنْیَا سِجْنُ الْمُؤْمِنِ وَجَنَّۃُ الْکَافِرِ﴾
''دنیا مومن کا جیل خانہ اور کافر کی جنت ہے۔''

خدا کی یاد اور اس کی محبت میں سرشار اور اعمال صالحہ کے لئے ہمہ تن مستعد و تیار رہتا ہے مصائب و حوادث میں کوہ استقلال بنا رہتا ہے اور جامِ موت کو خوش گوار سمجھتا ہے۔

خرم آں روز کزیں منزل ویراں بردم | راحت جاں طلبم و زپئے جاناں بردم
نذر کردم کہ گر آید، بسرایں غم روزے | تا درمیکدہ شادان وغزل خواں بردم

اگر کوئی مسلمان ان صفات سے خالی نظر آئے تو سمجھ لیجئے کہ اس نے تعلیم قرآن سے پورا سبق حاصل نہیں کیا مگر مجموعی طور پر مسلمان تمام اقوام سے زیادہ دنیا سے بیزار اور آخرت کے لئے تیار ضرور ہیں، دعویٰ سے کہا جاتا ہے کہ غیر مسلم کو روحانیت اور عالم ارواح اور خالق جل وعلا کی ذات وصفات کے انوار وتجلیات کی ہوا بھی نہیں لگی، ننگا رہنا، سانس بند کر لینا، نکاح نہ کرنا، بھوکا مرنا، ہوا میں ہاتھ سکھا لینا روحانیت نہیں۔ اسلام اور قرآن کو فخر ہے کہ وہ نوع انسانی کے تمام شخصی ومنزلی وتمدنی وملکی حقوق کی حفاظت کرتا ہوا روحانیت کی تکمیل کرتا ہے، اسلام میں نہ رھبانیت ہے نہ عریانی نہ جنگل میں رہنے کی ضرورت ہے۔ نہ حبس دم کی، تاجر تجارت میں بادشاہ بادشاہت میں، کاشتکار زراعت میں مشغول رہ کر بھی روحانیت اور منازل معرفت طے کر سکتا ہے۔ بشرطیکہ قرآن اور پیغبر اسلام کی اطاعت وتابعداری کا حلقہ گلے میں ڈال لے قرآن مجید نے جہاں حضرت بلال حبشی، ابوذرغفاری، شبلی اور جنید، جیسی فقیر ہستیوں کو روحانیت کے آسمان پر پہنچایا اسی طرح حضرت ابوبکر، وعمر وعثمان وعلی رضی اللہ عنہم جیسے خلفاء وسلاطین کو روحانی منازل کا ایسا آفتاب وماہتاب بنا دیا کہ دنیا ان کی نظیر پیش نہیں کر سکتی۔

﴿وَمَنْ یَّبْتَغِ غَیْرَ الْاِسْلَامِ دِیْنًا فَلَنْ یُّقْبَلَ مِنْہُ وَھُوَ فِی الْاٰخِرَۃِ مِنَ الْخٰسِرِیْنَ﴾
''جو شخص اسلام کے سوا دین اختیار کرے گا خدا کے نزدیک ہرگز

مقبول نہ ہوگا اور وہ آخرت میں خسارہ میں رہے گا''۔

میندار سعدی کہ راہ صفا! توان یافت جز بر پے مصطفی
خلاف پیغمبر کسے رہ گزید کہ ہرگز بمنزل نہ خواہد رسید
بَلَغَ الْعُلٰی بِکَمَالِہٖ کَشَفَ الدُّجٰی بِجَمَالِہٖ
حَسُنَتْ جَمِیْعُ خِصَالِہٖ صَلُّوْا عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ!

قرآن مجید غیر مسلم لوگوں کی نگاہ میں

خوشتر آں باشد کہ سر دلبران! گفتہ آید در حدیث دیگران!

چیمبرز نے ان سائیکلو پیڈیا میں لکھا ہے کہ ''مذہب اسلام کا وہ حصہ بھی جس میں بہت کم تغیر وتبدل ہوا ہے اور جس سے اس کے بانی کی طبیعت نہایت صاف صاف معلوم ہوتی ہے اس مذہب کا نہایت کامل اور روشن حصہ ہے اس سے ہماری مراد قرآن کریم کے اخلاق سے ہے، ناانصافی، کذب، غرور، انتقام، غیبت، استہزاء، طمع، اسراف، عیاشی، بے اعتباری، بدگمانی، نہایت قابل ملامت بیان کی گئی ہیں۔

نیک نیتی، فیاضی، تحمل، صبر، بردباری، حیا، کفایت شعاری، سچائی، راستبازی، ادب، صلح، سچی محبت اور سب سے پہلے خدا پر ایمان لانا اور اس کی مرضی پر توکل کرنا سچی ایمان داری کا رکن اور سچے مسلمان کی نشانی خیال کی گئی ہے۔

راڈویل لکھتا ہے کہ'' قرآن میں ایک نہایت گہری حقانیت ہے جو ان لفظوں میں بیان کی گئی ہے جو باوجود مختصر ہونے کے قوی اور صحیح رہنمائی الہامی حکمتوں سے مملو ہیں۔

مسٹر جان ڈیون پورٹ نے ایک جگہ لکھا ہے کہ:

منجملہ ان خوبیوں کے جن پر قرآن فخر کرسکتا ہے دو نہایت ہی عیاں ہیں، ایک تو وہ مودبانہ انداز اور عظمت جس کو قرآن اللہ کا ذکر یا اشارہ کرتے ہوئے ہمیشہ مدنظر رکھتا ہے کہ وہ اس کی طرف خواہشات رذیلہ اور انسانی جذبات کو منسوب نہیں کرتا کہ وہ تمام

نامہذب اور ناشائستہ خیالات، حکایات اور بیانات سے بالکل پاک ہے جو بدقسمتی سے یہود کے صحیفوں میں عام ہیں قرآن تمام ناقابل انکار عیوب سے مبرا ہے۔ اس پر خفیف سے خفیف حرف گیری نہیں ہوسکتی اس کو شروع سے آخر تک پڑھ لیا جائے مگر تہذیب کے رخساروں پر ذرا بھی چھینپ کے آثار نہیں پائے جائیں گے۔''

مشہور جرمن فاضل گوئٹے لکھتا ہے:

''قرآن بہت جلد اپنی طرف متوجہ کر لیتا ہے اور متحیر کر دیتا ہے اور آخر میں ہم اس کی عزت و احترام کرنے پر مجبور ہو جاتے ہیں اس طرح یہ کتاب تمام زبانوں میں نہایت قوی اثر کرتی رہے گی۔''

لڈولف کریہل (جس نے ۱۸۸۴ء میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حالات شائع کئے تھے) لکھتا ہے۔

قرآن میں عقائد، اخلاق، اور ان کی بنا پر قانون کا مکمل مجموعہ موجود ہے، اس میں ایک وسیع جمہوری سلطنت کے ہر شعبہ کی بنیادیں بھی رکھ دی گئی ہیں، تعلیم عدالت، حربی انتظامات، مالیات، اور نہایت محتاط قانون، غرباء وغیرہ کی بنیادیں خدائے واحد کے یقین پر رکھی گئی ہیں۔

ڈاکٹر گستاولی بان فرانسیسی اپنی کتاب تمدن عرب میں لکھتا ہے۔

''کسی مذہبی کتاب کے فوائد عامہ کا اندازہ کرتے وقت یہ نہیں دیکھنا چاہیے کہ اس میں فلسفی خیالات کیسے ہیں (کیونکہ یہ عموماً بہت ہی کمزور ہوا کرتے ہیں) بلکہ یہ دیکھنا چاہیے کہ جن اعتقادات دینی کی تعلیم اس کتاب میں دی گئی ہے انہوں نے دنیا میں کیا اثر پیدا کیا؟ اور جس وقت اسلام کو اس نظر سے دیکھیں گے تو معلوم ہوگا کہ دنیا کے ان مذاہب میں جنہوں نے قلوب پر حکومت کی ہے، یہ ایک نہایت عالیشان مذہب ہے۔ البتہ اسلام میں بھی نیکی، انصاف، عبادت وغیرہ کی ویسی ہی تعلیم ہے جیسی کل اور ادیان میں لیکن یہ تعلیم ایسی سادگی اور وضاحت کے ساتھ کی گئی ہے کہ ہر شخص کی سمجھ میں آتی ہے۔ اسلام قلوب میں اس قسم کا اندازہ اور پرجوش ایمان پیدا کر دیتا ہے کہ پھر اس میں

مطلقاً شک اور تذبذب کی گنجائش نہیں رہتی، اسلام وہ مذہب ہے جس کی اعتقادات کا خاصہ یہ ہے کہ ہمارے اخلاق کو نرم کریں اور ہم میں نیکی اور انصاف اور دوسرے مذاہب کے ساتھ رواداری پیدا کریں۔ مذہب اسلام کے اعتقادات کو زمانہ مٹا نہیں سکا اور آج بھی ان کا اثر ویسا ہی پرزور ہے جیسا پہلے تھا۔ ہمارے اس زمانہ میں جب کہ اسلام سے کہیں پرانے مذاہب کی حکومتیں قلوب پر کم ہوتی جاتی ہیں قانون اسلام کی وہی پہلی حکومت اس وقت تک قائم ہے ان آیات قرآنی میں جو اوپر نقل کی گئی ہم دیکھ چکے ہیں کہ پیغمبر اسلام نے اپنے ماقبل کے مذاہب کی اور علی الخصوص مذہب یہود و نصاریٰ کی بے انتہا رواداری کی ہے۔ یہ اس قسم کی رواداری ہے جو اور مذاہب کے بانیوں میں نہایت شاذ ہے۔''

راڈویل اپنے انگریزی ترجمہ قرآن پاک کے دیباچہ میں لکھتا ہے۔

یہ ضرور تسلیم کرنا پڑے گا کہ اللہ تعالیٰ کا جو تخیل بلحاظ صفات، قدرت، علم، عام ربوبیت اور وحدانیت کے قرآن میں موجود ہے اس بنا پر قرآن بہترین تعریف اور توصیف کا مستحق ہے اس کتاب میں آسمان وزمین کے واحد خدا پر کامل یقین اور بھروسہ کی گہری اور پرجوش تعلیم موجود ہے قرآن نے یہ ثابت کر دیا ہے کہ اس کتاب کی تعلیم میں ایسے عناصر موجود ہیں جن کے ذریعہ سے زبردست اقوام اور فتوحات کرنے والی سلطنتیں بن سکتی ہیں۔ قرآن مجید اس قوت عظیم کا حامل ہے اور اس کی تعلیم میں وہ اصول موجود ہیں جو عملی قوتوں کا سرچشمہ ہے۔ بہ حیثیت ایک مجموعہ قوانین ہونے کے اور بحیثیت اپنی مذہبی نظام تعلیم کے اس کتاب کی فوقیت اور خوبیوں کا اندازہ ان تبدیلیوں سے ہوسکتا ہے جو اس کی کتاب کے ذریعہ سے ان لوگوں کے عادات واطوار اور عقائد میں واقع ہوئیں۔ جنہوں نے اس کتاب کو قبول کیا۔ قرآن بے شک اپنے پیرو کے لئے باعث رحمت اور برکت ہے۔''

حضرات! میں اس مبحث کو پوری طرح بیان کرنا چاہوں تو عرصہ دراز کی ضرورت ہوگی۔ غیر مسلموں کی شہادات کا ہمارے پاس کافی ذخیرہ موجود ہے مگر میں سمجھتا

ہوں کہ عاقل کے لئے یہ چند نمونے کافی ہونگے۔ جو اس وقت پیش کئے گئے۔ تو کیا اس وقت میں یہ کہہ دینے میں حق بجانب نہ ہوں گا کہ ہمارے نو تعلیم یافتہ مسلمان بھائی جو دوسروں کی تقلید کو ذریعہ ترقی اور دیگر اقوام کی دریوزہ گری کو سبب عروج سمجھتے ہیں۔ درحقیقت انہوں نے قرآن کو اتنا بھی نہیں سمجھا، جتنا امریکہ اور یورپ کے عیسائی محققین نے سمجھا ہے ہمارے یہ بھائی اپنی گھر کی دولت سے اس قدر غافل ہیں کہ دیگر اقوام ان سے کہیں زیادہ اس سے خبردار ہیں۔ اقوام عالم فیصلہ کر چکی ہیں کہ مسلمانوں کی ترقی و عروج کا راز قرآن کریم کی تعلیم میں مضمر ہے مگر خود مسلمانوں کی بے خبری ملاحظہ ہو کہ دریائے شیریں کے کنارے پر بیٹھے ہوئے پیاسے ہیں، بس اب مجھ کو اپنی تقریر ختم کر دینا چاہیے کہ وقت بھی پورا ہو گیا ہے اور جو کچھ بھی میں کہنا چاہتا تھا وہ بھی بقدر ضرورت ادا ہو گیا ہے۔

وصلی اللہ تعالیٰ علی خیر خلقہ سیدنا مولٰینا محمد و علی الہٖ و اصحابہٖ واھل بیتہٖ اجمعین. وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین.

پاکستان اور قرآن

از حضرت مولانا ظفر احمد صاحب عثمانی رحمہ اللہ

یہ مضمون حضرت مولانا موصوف نے اسلامک سیموزیم کے لئے لکھ کر بھیجا تھا۔ جو کہ ۸، ۹، ۱۰ ستمبر کو ڈھاکہ میں منعقد ہوئی۔

اس کانفرنس کے انعقاد میں گورنر مشرقی بنگال اور وزراء شریک تھے۔ اس حیثیت سے یہ مضمون نہایت اہم ہے کہ اس میں حکومت اور عوام ہر دو کو اپنے اپنے فرائض کی طرف توجہ دلائی گئی ہے اگر اہلیان پاکستان اس قرآنی پروگرام کو اپنا لیں جو اللہ تعالیٰ نے اس مختصر سی سورت یعنی سورۃ الکوثر میں بیان فرمائی ہے اور جس کی بہترین تفسیر اور تشریح نہایت واضح اور سہل الفاظ میں حضرت مولانا موصوف نے بیان فرمائی ہے تو آج ہی پاکستان کا مستقبل روشن ہو سکتا ہے۔

اب چونکہ اسلامی دستور کی بنیاد رکھی جا چکی ہے۔ اس لئے اس مضمون کی اہمیت اور بھی بڑھ جاتی ہے۔ ضرورت ہے کہ اس مضمون کو ہزاروں بلکہ لاکھوں کی تعداد میں طبع کر کے ہر پاکستانی کے ہاتھ پہنچایا جائے۔ ہم حضرت مولانا کے بے حد ممنون ہیں کہ انہوں نے عین ضرورت کے وقت پر اس مقالہ کو مرتب فرما کر ادارہ الصدیق کو نشر کے لئے عطا فرمایا۔ جزاہم اللہ تعالیٰ احسن الجزاء۔

عن قریب ادارہ نشر و اشاعت اس مضمون کو رسالہ کی شکل میں طبع کرے گا۔ انشاء اللہ تعالیٰ (ادارہ)

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

◦ اِنَّآ اَعۡطَيۡنٰكَ الۡكَوۡثَرَ ○ فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانۡحَرۡ ○ اِنَّ شَانِئَكَ هُوَ الۡاَبۡتَرُ ○ ◦

تمہید

حضرات! اس وقت ہم جس غرض کے لئے جمع ہوئے ہیں وہ بڑا عظیم الشان مقصد ہے۔ اور اگر آج ہم نے اس مقصد کا راستہ اتفاق کے ساتھ طے کرلیا تو یقین جانئے کہ یہ اس اجتماع کا بڑا کارنامہ ہوگا۔ جو آئندہ نسلوں کے لئے مشعل راہ ثابت ہوگا۔

چند ذہنی سوالات وشبہات

اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ اس وقت پاکستان جس نازک دور سے گزر رہا ہے وہ سخت پریشان کن ہے جس کی وجہ سے بعض لوگوں کے دلوں میں اس قسم کے سوالات پیدا ہونے لگے ہیں کہ پاکستان کے وجود سے مسلمانوں کو کیا فائدہ پہنچا۔ پاکستان بننے سے پہلے مسلمانوں کی ذہنی اور اخلاقی اور اقتصادی حالت کیسی تھی؟ پاکستان بننے کے بعد اس میں کچھ ترقی، ہوئی یا تنزل ہوا؟ پاکستان کا مستقبل روشن ہے یا تاریک؟ کیا پاکستان میں کسی جدید انقلاب کے نمودار ہونے کا خطرہ ہے؟ پاکستان کے موجودہ ادبار کا علاج کیا ہے؟ دنیا میں خصوصاً عالم اسلام میں پاکستان کی ساکھ قائم ہونے کا کیا طریقہ ہے؟ یہ سوالات اور اس قسم کے دوسرے خیالات لوگوں کے دلوں میں پیدا ہو رہے تھے۔ مگر حکومت کی طرف سے خاموشی ہی خاموشی تھی جس سے یہ گمان ہونے لگا تھا کہ ہمارا برسر اقتدار طبقہ انجام کی طرف سے بالکل غافل ہے۔ اسے کچھ خبر نہیں کہ پاکستان ترقی کر رہا ہے یا تنزل کی طرف جا رہا ہے۔ پاکستان کے باشندے اپنے مستقبل کی طرف مطمئن ہیں یا پریشان؟ مقام شکر ہے کہ یہ گمان غلط ثابت ہوا۔ حکومت نے اس اجتماع کو دعوت دے کر یہ ثابت کر دیا ہے کہ وہ پاکستان کی ترقی اور تنزل اور مستقبل کی طرف سے غافل نہیں، اس کو نزاکت حال کا احساس ہے اور اس کے علاج کا بھی فکر ہے۔ اس لئے ہمارا فرض ہے کہ حقیقت حال کو صاف صاف بیان کر کے اس مقصد کو پورا کرنے کی کوشش کریں جس کے لئے یہ اجتماع بروئے کار لایا گیا ہے۔

پاکستان سے قبل مسلمانوں کی حالت

اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ وجود پاکستان سے پہلے متحدہ ہندوستان میں مسلمانوں کی ذہنی واخلاقی اور اقتصادی حالت اچھی تھی مگر سیاسی حیثیت سے وہ محض ایک اقلیت تھے۔ اس لئے قوی اندیشہ تھا کہ وہ متحدہ ہندوستان میں کمزور سے کمزور تر ہو جائیں گے۔ اسی لئے حصول پاکستان کی جدوجہد کی گئی تاکہ ان کا دین، مذہب، تمدن، کلچر، زبان محفوظ رہے وجود پاکستان سے ایک نئی اسلامی سلطنت نقشہ عالم پر ظہور پذیر ہو گئی۔ جو بقیہ تمام اسلامی سلطنتوں میں سب سے بڑی ہے۔ اس سے بھی انکار نہیں کیا جا سکتا کہ پاکستان بننے کے وقت پاکستانی مسلمانوں میں بہت زیادہ اتفاق واتحاد تھا۔ ہر شخص خلوص دل سے پاکستان کی ترقی میں کوشاں تھا۔ ذاتی مفاد کو پاکستان کے مفاد پر قربان کر رہا تھا۔ عصبیت، جنبہ داری، اقربانوازی، دغا، فریب، رشوت وغیرہ سے احتراز کیا جا رہا تھا۔ شعائر اسلام کا احترام تھا اور پاکستان کو حقیقی معنوں میں اسلامی مثالی حکومت بنانے کا جذبہ ترقی پر تھا۔ جس کے نتیجہ میں ''قرارداد مقاصد'' دنیا کے سامنے آ گئی اور دیکھتے ہی دیکھتے چند سال کے عرصہ میں پاکستان نے یہ مقام حاصل کرلیا جو دوسری سلطنت دس سال میں بھی حاصل نہ کرسکتی تھی۔ حالانکہ شروع میں پاکستان کو سخت مشکلات کا سامنا کرنا پڑ رہا تھا۔ مگر اتحاد واتفاق اور خلوص واخلاص اور شعائر اسلام کے رقم نے مشکلات کے باوجود پاکستان کو دن دونی رات چوگنی ترقی سے ہم کنار کر دیا۔ ہمارا ہمسایہ ملک مرعوب تھا اور فوجی سامان کی قوت وطاقت کا لوہا مان چکا تھا۔

قائد ملت کی کوشش تھی کہ تمام ممالک اسلامی باہم متحد ہو کر یک جان ہو جائیں۔ اگر وہ اس مقصد میں کامیاب ہو جاتے تو آج دنیا بجائے دو کیمپوں میں تقسیم ہونے کے تین کیمپوں میں تقسیم ہو جاتی۔ مسلمان وامریکہ وروس۔ مگر افسوس! اب ہم بجائے مستقل کیمپ ہونے کے انہی دو کیمپوں میں سے کسی ایک میں شامل ہونے کا خواب دیکھ رہے ہیں۔

پاکستان کی موجودہ حالت

لوگ کہتے ہیں پاکستان ترقی کر رہا ہے اور ترقی کے نشانات میں کاغذمل، جوٹ مل، شوگرمل، سوئی گیس اور کوٹری بیراج کا نام لیا جاتا ہے مگر مبصرین کی نظر میں یہ ایسی ترقی نہیں جس پر ناز کیا جائے کیونکہ دوسری طرف وہ ہندوستان کو مسئلہ کشمیر میں پہلے سے زیادہ بے باک اور دلیر پاتے ہیں۔ پاکستان کی کیبنٹ میں آئے دن تبدیلی سے دنیا ہمارا انداق اڑا رہی ہے۔ دستور آج تک مکمل نہیں ہوا جس کی وجہ سے مکمل آزادی کا خواب شرمندہ تعبیر نہ ہو سکا۔ پاکستان میں اس وقت کوئی ایسا لیڈر نہیں جو قوم کا محبوب ہو جس کے ایک اشارہ پر قوم ہر قسم کی قربانی دینے کو تیار ہو جائے۔ حکومت اور رعیت میں وہ ارتباط نہیں جس سے دوسرے مرعوب ہوں۔ عصبیت کا دور دورہ ہے۔ اتحاد و اتفاق ہمدردی و اخوت مفقود ہے۔ ہر شخص کو اپنا ذاتی مفاد پیش نظر ہے پاکستان کی بربادی یا آبادی سے کچھ غرض نہیں۔ اقتصادی اعتبار سے بھی اکثریت تنزل ہی میں ہے۔ ایک خاص طبقہ کلیدی اسامیوں پر قابض ہے۔ اقربا نوازی، جنبہ داری، صوبائیت سے کام ہو رہا ہے۔ اہلیت اور قابلیت کو نظر انداز کیا جا رہا ہے جس کے پاس کچھ وسائل ہیں وہ کامیاب ہے اگرچہ نالائق ہو۔ جس کے پاس وسائل نہیں وہ ناکام ہے گو کیسا ہی قابل ہو۔ زمام اقتدار ان لوگوں کے ہاتھ میں ہے جنہوں نے حصول پاکستان کے لئے کچھ بھی جدوجہد نہیں کی بلکہ بعض تو اس نظریہ ہی کے خلاف تھے۔ ظاہر ہے کہ ان لوگوں کو پاکستان کا درد نہیں ہوسکتا۔ نہ ان کو اس مقصد سے ہمدردی ہوسکتی ہے جس کے لئے پاکستان حاصل کیا گیا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ دو تین سال کے اندر متعدد انقلابات سے پاکستان کو دوچار ہونا پڑا۔ اگر یہی لیل ونہار ہیں تو مستقبل روشن نہیں بلکہ سخت تاریک ہے اور ہر دم جدید انقلاب کا خطرہ لگا ہوا ہے۔

آسمانی آفتیں

قدرت آسمانی آفتوں سیلاب وغیرہ کے ذریعہ ہم کو بار بار تنبیہ کرتی ہے مگر کوئی

نہیں سمجھتا کہ یہ آفتیں ہماری شامت اعمال کا نتیجہ ہیں۔ ان کو محض اتفاقات پر محمول کرلیا جاتا ہے حالانکہ قرآن میں صاف صاف کہہ دیا گیا ہے کہ جو مصیبت بھی آتی ہے ہمارے اعمال کی وجہ سے آتی ہے۔

﴿وَمَآ اَصَابَکُمْ مِنْ مُّصِیْبَةٍ فَبِمَا کَسَبَتْ اَیْدِیْکُمْ وَیَعْفُوْا عَنْ کَثِیْرٍ ○ وَمَآ اَنْتُمْ بِمُعْجِزِیْنَ فِی الْاَرْضِ ط وَمَا لَکُمْ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ وَّلِیٍّ وَّلَا نَصِیْرٍ ○﴾

حضرات! میں آپ کو بتلا دینا چاہتا ہوں کہ ہندوستان میں سیلاب کی تباہ کاریوں کا واحد سبب حیدرآباد و جوناگڑھ اور کشمیر پر اس کا ناجائز قبضہ ہے اور مسلمانان ہندوستان پر ظلم و ستم۔ وہ اس ظلم سے باز آ جائے تو یہ مصیبت خود ہی ٹل جائے گی اور پاکستان میں سیلاب وغیرہ کی تباہ کاری کا واحد سبب وہ وعدہ خلافی ہے جو دستور اسلامی اور قانون شرعی کے اجراء میں تاخیر کی جارہی ہے۔ پاکستان میں آج قانون شرعی کا اجراء کر دیا جائے، شراب خانے، قحبہ خانے، سینما اور فلم سازی، بے حیائی، بے پردگی، رشوت و ظلم وغیرہ وغیرہ بند کر دیئے جائیں اسی وقت یہ آفتیں دور ہو جائیں گی۔ خدا کو ناراض کر کے ہم جتنی بھی ترقی کریں گے وہ دم کے دم میں اس کو ملیامیٹ کر کے رکھ دے گا۔ مگر افسوس ہے کہ آج ہم خدا کی قدرت کو بھلا بیٹھے ہیں۔

سورت کی تفسیر

اس تمہید کے بعد میں اس سورت کی تفسیر کرنا چاہتا ہوں جو میں نے شروع میں تلاوت کی تھی جس میں بہت اختصار کے ساتھ بڑے بلیغ عنوان سے مسلمانوں کو سہل راستہ بتلایا گیا ہے جس پر چل کر وہ بہت جلد کامیاب ہو جائیں اور ان کے دشمن ناکام و دم بریدہ ہو جائیں۔

یہ بات خیال میں رکھی جائے کہ اس سورت کا نزول منیٰ میں ہوا ہے جہاں حج کے موقعہ پر ہر طرف کے آدمی جمع ہوتے ہیں۔ اس میں اشارہ ہے کہ اس سورت کے

مضمون کو ایسے اجتماعات میں ضرور بیان کیا جائے جہاں ہر طرف کے نمائندے جمع ہوں تاکہ وہ اطراف عالم کے مسلمانوں میں اس کو پھیلائیں اور اس پر عمل کرنے کے لئے سب کو ابھاریں۔ کسی بات کا پھیلا دینا ہی کافی نہیں بلکہ اس پر عمل کرنا اور ساری قوم کو مل کر عمل کرنا ضروری ہے۔ اسی وقت ثمرہ مرتب ہوسکتا ہے۔ اس لئے اس اجتماع ہونے والے ارکان کو سب سے پہلے اس سورت کے مضمون پر عمل کرنے کے لئے تیار ہو جانا چاہیے۔ پھر قوم میں پوری طرح اشاعت کر کے اس کو بھی اس پر عمل پیرا کرنا چاہیے۔ ورنہ محض تقریر و گفتار پر کفایت کر کے اجتماع کو ختم کر دینا نشستند و گفتند و برخاستند کا مصداق ہوگا جیسا کہ آج کل ہمارے اکثر اجتماعات کا یہی حشر ہو رہا ہے اسی لئے کوئی نتیجہ برآمد نہیں ہوتا۔

اب سنیے اس سورت میں تین آیتیں ہیں۔ دو آیتوں میں طریق عمل بتلایا گیا ہے تیسری میں ثمرہ اور نتیجہ کا ذکر ہے۔ پہلی آیت کا ترجمہ یہ ہے کہ اے رسول! ہم نے آپ کو بہت بڑی خیر دی ہے جس سے قرآن کریم مراد ہے۔ دوسری آیت کا ترجمہ یہ ہے کہ پھر آپ اپنے پروردگار کے لئے نماز پڑھتے رہئے اور قربانی کرتے رہیے۔ تیسری آیت کا ترجمہ یہ ہے کہ یقیناً آپ کا دشمن ہی دم بریدہ ہے بے نام ونشان ہے (آپ ان اعمال کے ساتھ ناکام نہیں ہوسکتے)

(تفسیر پہلی آیت) ''قرآن کریم سب سے بڑی خیر'' ہے

پہلی آیت میں قرآن کو ''سب سے بڑی خیر'' کہا گیا ہے۔ مسلمانوں کو لازم ہے کہ اس کے متعلق اپنے عقیدہ کو پختہ کریں، قرآن ہی کو بڑی خیر سمجھیں اور عقیدہ وہی پختہ ہے جس کا ثبوت عمل سے بھی ہو رہا ہو۔ حکومت پاکستان کو اپنے عمل سے اس کا ثبوت دینا چاہیے کہ اس کے نزدیک قرآن ہی سب سے بڑی خیر ہے انسان جس چیز کو سب سے بڑی خیر سمجھتا ہے اس کا اہتمام واحترام سب سے زیادہ اور سب سے پہلے کرتا ہے۔ اگر ہم واقعی قرآن کو سب سے بڑی خیر سمجھتے ہیں تو ہم کو اس کی تعلیم وتحصیل اور تحقیق اور

تدبیر کا سب سے پہلے اور سب سے زیادہ اہتمام کرنا چاہیے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں یرفع اللّٰہ بہ اقواما و یضع بہ اٰخرین کہ قرآن کی وجہ سے حق تعالیٰ بہت سی قوموں کو رفعت و بلندی عطا فرماتے ہیں (جو اس کو سب سے بڑی خیر سمجھ کر اس کے سمجھنے اور اس کے موافق عمل کرنے کا اہتمام کرتی ہیں) اور بعض قوموں کو پستی اور ذلت کی طرف پہنچا دیتے ہیں (جو قرآن کو پس پشت ڈال کر دوسرے علوم کو مقدم کرتے اور ان کا زیادہ اہتمام کرتے ہیں)

حضرات خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم کے پاس جب کوئی مسجد میں آ کر بیٹھتا وہ اس سے یہ دریافت کیا کرتے تھے کہ تمہارے پاس قرآن کا کتنا حصہ ہے؟ تا کہ ہر شخص سے اس کے درجہ کے موافق برتاؤ کیا جائے۔ ان کے نزدیک فضیلت کا معیار قرآن ہی تھا۔ جس کو جتنا حصہ قرآن سے حاصل ہوتا اسی کے موافق اس کی عزت کی جاتی تھی۔ آج کل معاملہ برعکس ہے۔ فضیلت کا معیار ہی بدل گیا۔ جو اصلی معیار تھا اس کو نہ صرف بھلا دیا گیا بلکہ اس کو حقیر سمجھا جاتا ہے۔ ہمارے اسلاف نے کتاب الٰہی کی پوری عظمت و عزت کی تھی تو خدا نے بھی ان کو وہ عزت و شوکت دی جس کی نظیر تاریخ میں نہیں مل سکتی۔ جب سے ہم مسلمانوں نے قرآن کی عظمت اپنے دلوں میں کم کر دی خدا نے بھی ان کی عزت دنیا والوں کے دلوں سے نکال دی۔

وہ معزز تھے زمانے میں مسلماں ہو کر
اور ہم خوار ہوئے تارک قرآں ہو کر

﴿الٓمّٓ ۝ ذٰلِکَ الْکِتٰبُ لَارَیْبَ فِیْہِ ھُدًی لِّلْمُتَّقِیْنَ ۝﴾

''یہ کتاب کامل ہے اس میں ذرا بھی شک و شبہ کی گنجائش نہیں۔ جن کے دل میں اللہ کا خوف ہے ان کے لئے ہدایت ہے۔''

قرآن مضبوط محبت ہے، ہمیشہ رہنے والا معجزہ ہے یہ ہم کو انسان کی ابتداء وانتہا کی خبر دیتا ہے۔ یہ بتلاتا ہے کہ انسان کیا ہے؟ کہاں سے آیا ہے؟ کیوں آیا ہے؟ اس کی ڈیوٹی کیا ہے؟ کہاں جانے والا ہے؟ نیک انجام اور بدانجام سے خبردار کرنے والا ہے،

قوموں کے تنزل و ترقی کے اسباب کو روشن دلائل سے بیان کرتا ہے۔ چھپے ہوئے بھیدوں کو ظاہر کرتا ہے۔ جس نے اس کی ہدایت پر عمل کیا اس نے نجات پائی، نفع حاصل کیا، دنیا میں بھی چین پایا، مرنے کے بعد بھی راحت سے ہمکنار ہوا جو اس سے ہٹ گیا پشیمان ہوا، خدا سے الگ ہو گیا، اور اپنے کو بھی بھول گیا۔ نَسُوا اللّٰهَ فَاَنْسٰهُمْ اَنْفُسَهُمْ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ○ جو اس پر عمل کرتا ہے خدا اس کے ساتھ ہوتا ہے اور جس کے ساتھ خدا ہو اس کی کامیابی میں کیا شبہ ہے؟ اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا وَّالَّذِيْنَ هُمْ مُّحْسِنُوْنَ ○

قرآن مجید کے ساتھ روحانیت زندہ ہے

بزرگو! جب تک قرآن دنیا میں موجود ہے روحانیت باقی رہے گی۔ اگر یہ اٹھا لیا گیا جیسا حدیث میں آتا ہے ایک دن قرآن دنیا سے اٹھا لیا جائے گا اس وقت دنیا مادیت سے بھر جائے گی اور مخلوق گمراہی میں بھٹکتی اور راہ حق سے بہکتی رہے گی۔ آج کل سب مسلمانوں کا اس پر اتفاق ہے کہ اس وقت وہ روحانیت باقی نہیں رہی جو پہلے تھی بلکہ مادیت کا غلبہ ہے مگر کسی کو اصل حقیقت کا پتہ نہیں کہ روحانیت کا سرچشمہ کہاں ہے؟ ایک زمانہ میں قرآن کے سمجھنے والے بھی زیادہ تھے پڑھنے والے اور عمل کرنے والے بھی بہت تھے اس وقت کا تو پوچھنا ہی کیا؟ اس کے بعد دوسرا زمانہ آیا جس میں سمجھنے والے عمل کرنے والے کم اور پڑھنے والے زیادہ تھے۔ اس وقت بھی مسلمانوں کی حالت آج سے بہتر تھی۔ اب یہ تیسرا زمانہ ہے کہ قرآن کے سمجھنے والے بھی کم عمل کرنے والے بھی کم اور پڑھنے والے بھی کم ہیں۔ بلکہ بعضے تو اس کے پڑھنے پڑھانے کو بے فائدہ سمجھتے ہیں تو کیا ہم اپنی اس بے توجہی اور بے پروائی سے یہ ظاہر کرنا چاہتے ہیں کہ قرآن کی ضرورت نہیں رہی اور اس کو اٹھا لیا جائے؟ مگر یاد رکھو اگر خدا نے قرآن کو دنیا سے اٹھا لیا تو مسلمانوں کی کچھ بھی ہستی اور قیمت باقی نہ رہے گی۔ مجھے امید نہیں ہے کہ کوئی مسلمان بھی اس کو گوارا کر سکتا ہے کہ قرآن دنیا سے اٹھا لیا جائے۔

قرآن کریم کی طرف سب کو توجہ کرنی چاہیے

پھر سب کو مل کر اس کی طرف توجہ کرنی چاہیے جس کا طریقہ خود قرآن ہی نے بتلا دیا ہے۔

﴿ كَمَآ اَرْسَلْنَا فِيْكُمْ رَسُوْلًا مِّنْكُمْ يَتْلُوْا عَلَيْكُمْ اٰيٰتِنَا وَيُزَكِّيْكُمْ وَيُعَلِّمُكُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَيُعَلِّمُكُمْ مَّالَمْ تَكُوْنُوْا تَعْلَمُوْنَ ۝ ﴾

''جیسا ہم نے تمہارے اندر تم ہی سے ایک رسول بھیجا جو تمہارے سامنے ہماری آیات کی تلاوت کرتا ہے اور تمہارا تزکیہ کرتا ہے اور تم کو کتاب اللہ کی تعلیم دیتا ہے اور حکمت کی باتیں سکھلاتا ہے اور تم کو وہ باتیں بتلاتا ہے جو تم نہیں جانتے تھے۔''

اس میں قرآن کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چند فرائض بتلائے گئے ہیں اول تلاوت آیات۔ (۲) تزکیہ ظاہر و باطن (۳) کتاب اللہ کی تعلیم (۴) حکمت کی تعلیم (۵) ایسی باتیں بتلانا جو بغیر آپؐ کے بتلائے کوئی بھی قرآن سے نہ سمجھ سکتا تھا۔ اگر ہم قرآن پر توجہ کرنا چاہتے ہیں تو ان پانچوں اجزاء کو جمع کرنا چاہیے۔ تلاوت قرآن کا اہتمام کرنا چاہیے۔ سرکاری اسکولوں میں قرآن کی صحیح تلاوت کا انتظام کیا جائے اس کو بے کار نہ سمجھنا چاہیے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سب سے پہلے آیات قرآن کی تلاوت ہی کا فرض ادا کیا ہے اور تجربہ کر کے دیکھ لیا جائے کہ صرف قرآن کی تلاوت سے بھی دل کو راحت اور سکون و اطمینان حاصل ہوتا ہے کیونکہ یہ ذکر اللہ کی اعلیٰ فرد ہے اور ذکر اللہ سے قلوب کو اطمینان حاصل ہونا قرآن کا دعویٰ ہے اور خدا کی بات اٹل ہے جس کا خلاف ناممکن ہے۔ اَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْب. یہ تو سمجھدار آدمی کی تلاوت کا فائدہ ہے اور بچوں کو ابتداء میں قرآن پڑھانے سے ان کا ذہن تیز اور صاف ہوتا ہے بچپن ہی سے ان کو کتاب اللہ کے ساتھ تعلق ہوگا تو ان کے دل میں جذبہ دینی جڑ پکڑ لے گا۔ اس کے بعد تعلیم قرآن کا اہتمام کیا جائے۔ اس کے معانی و مطالب سے

اسکولوں اور کالجوں کے طلبہ کو باخبر کیا جائے جس کے لئے ماہران تعلیم قرآن کی خدمات حاصل کی جائیں۔ سرکاری ملازموں اور حکمران طبقہ کے لئے بھی انتظام کیا جائے کہ وہ بھی معانی و مطالب قرآن سے واقف ہوں اور یہ واقفیت صرف ترجموں اور تفسیروں کے مطالعہ سے حاصل نہ ہوگی باقاعدہ پڑھنے سے ہوگی۔ حدیث میں ہے۔

﴿انما العلم بالتعلم﴾

''علم تو سیکھنے ہی سے آتا ہے''

تجربہ شاہد ہے کہ ازخود ترجمے دیکھنے سے نہ کوئی جج بن سکتا ہے نہ ڈاکٹر نہ طبیب اور نہ بیرسٹر ہر علم باقاعدہ سیکھنے ہی سے آتا ہے۔ بغیر استاد کے تو قرآن کا صحیح پڑھنا بھی نہیں آتا سمجھنا تو بہت دور ہے اور اس سے وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ کے تعارض شبہ نہ کیا جائے۔ کیونکہ کسی چیز کے آسان ہونے کا یہ مطلب نہیں ہوتا کہ اس کے لئے ارادہ اور ہمت اور طلب اسباب کی بھی ضرورت نہ ہو۔ قرآن کریم قوم عرب کی زبان میں ہے مگر ان کو بھی تعلیم رسول کی احتیاج تھی۔ اسی لئے يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِنَا کے بعد وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ فرمایا گیا ہے۔ اور بھلا جس کو قرآن کی حقیقت ہی معلوم نہیں نہ اس کے نازل ہونے کو جانتا ہے نہ نازل کرنے والے کو پہچانتا ہے نہ اس کو جس پر قرآن نازل ہوا وہ قرآن کو کیا سمجھے گا؟

قرآن ایک بحر محیط ہے جس کے کناروں پر عنبر و اگر ہر قسم کی خوشبوئیں ہیں اس کے درمیانی جزیروں میں قسم قسم کے جواہرات ہیں قرآن کا ایک ظاہر ہے ایک باطن۔ ایک حد ہے ایک مطلع۔ ان ہی چار بنیادوں پر قرآن کا سمجھنا موقوف ہے۔ ظاہر تو یہی عبارت ہے جو نازل کی گئی۔ نَزَلَ بِهِ الرُّوْحُ الْاَمِيْنُ ۔ باطن وہ ہے جس کو تفسیر کہا جاتا ہے۔ جیسا حدیث میں عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے متعلق وارد ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے حق میں یہ دعا کی تھی۔

﴿اللهم فقهه في الدين و علمه تاويل الكتاب﴾

''اے اللہ! ان کو دین کی سمجھ دے اور کتاب اللہ کی تفسیر کا علم۔''

یہ دعا قبول ہوئی اور عبداللہ بن عباسؓ حبر الامتہ اور ترجمان القرآن کے لقب سے ممتاز ہوئے۔

حد وہ مقام ہے جہاں سمند عقل کی باگ روک دینا اور ٹھہر جانا ضروری ہے ۔

نہ ہر جائے مرکب تواں تاختن
کہ جاہا سپر باید انداختن

یہی وہ موقعہ ہے جو تشبیہ اور تعطیل کو الگ الگ کر دیتا ہے کہ انسان نہ تو خدا کو مخلوق کے مشابہ سمجھے نہ صفات سے خالی اور معطل۔

مطلع، وہ دروازہ ہے جس سے کشف والہام غیبی اور روحانی روشنی حاصل ہوتی ہے جو سب سے زیادہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس تھی اور آپؐ کے بعد اس عالم مومن کو اس سے حصہ ملتا ہے جو تقویٰ کے ساتھ کمال اتباع سنت سے رنگا ہوا ہو۔

قرآن کی حقیقت کو وہی جان سکتا ہے جس کو الہام اور مشاہدہ سے حصہ ملا ہو جس کا دم تمام روگوں سے صحیح سالم اور سچا تابع دار ہو کر اللہ کے آگے جھک گیا ہو۔ قَالَ اَسْلَمْتُ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ.

﴿اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَذِكْرٰى لِمَنْ كَانَ لَهٗ قَلْبٌ اَوْ اَلْقَى السَّمْعَ وَهُوَ شَهِيْدٌ٥﴾

''بے شک قرآن میں اس شخص کے لئے نصیحت ہے جس کے پاس (اچھا) دل ہو یا توجہ کے ساتھ (اہل دل کی باتوں کی طرف) کان جھکا دے۔''

قرآن سمجھنے کا پہلا درجہ یہ ہے کہ قرآن کی عبارت کو سمجھے۔ زبان عربی کے قواعد نحو و بلاغت وغیرہ سے واقف ہو۔ دوسرا درجہ یہ ہے کہ علم تفسیر میں مہارت حاصل کرے۔ تفسیر کی بنیاد عبارت قرآن ہی ہے اس لئے صحیح تفسیر عبارت کی موافقت سے باہر نہیں ہو سکتی ورنہ قرآن کا مطلب کچھ سے کچھ ہو جائے گا اور ہر شخص جو چاہے گا مطلب بنا لے گا۔ جیسا آج کل بعض مدعیان فہم قرآن کی تفسیروں کا حال ہے کہ وہ عبارت قرآن ہی کو

نہیں سمجھتے اور ایسی تفسیر کرتے ہیں جو عبارات قرآن سے اصلا موافقت نہیں کرتی۔ تیسرا درجہ درمیانی ہے یعنی اس حد کو معلوم کرنا جو قرآن کی ظاہری عبارت اور باطنی تفسیر کو جامع اور تشبیہ و تعطیل وغیرہ سے مانع ہے۔ چوتھا درجہ یہ ہے کہ قرآن کا نور تقویٰ کے ساتھ مطالعہ کیا جائے اور ظاہر ہے کہ یہ نور سب سے زیادہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حاصل تھا۔ تو سب سے پہلے اس تفسیر کو معلوم کرنا ضروری ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے حدیث میں منقول ہے۔ اسی راستہ سے یہ نور حاصل ہوتا ہے جو متقی علماء کے سوا کسی کے پاس نہیں پایا جاتا۔ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَيُعَلِّمُكُمُ اللّٰهُ.

تفسیر رسولؐ کے خلاف قرآن کی نئی تفسیر مقبول نہیں

قرآن میں کہا گیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ''کتاب اللہ'' کے ساتھ حکمت کی بھی تعلیم دیتے ہیں اس سے مراد وہی علوم ہیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن سے سمجھے ہیں جن کو دوسرے نہیں سمجھ سکتے تھے۔ وَيُعَلِّمُكُمْ مَالَمْ تَكُونُوا تَعْلَمُونَ ۞ اب جو لوگ تفسیر رسول کے خلاف قرآن کی نئی تفسیر کرتے ہیں وہ اپنے آپ کو رسول کے برابر یا ان سے بھی بڑھ کر سمجھتے ہیں ان کو اپنے ایمان کی خیر منانا چاہیے۔ تعلیم قرآن کے ساتھ ساتھ ہمیں خود کو اور اپنے طلبہ کو تقویٰ اور پاکیزہ اخلاق کا عادی بنانا چاہیے جیسا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اصحاب کو متقی اور پاکیزہ اخلاق، نیک کردار، خوش اطوار بنا دیا تھا، اگر قرآن کو سمجھ کر پڑھا اور پڑھایا جائے تو اس سے خوف خدا ضرور پیدا ہوگا جس کا لازمی نتیجہ تقویٰ اور پاکیزگی اخلاق ہے۔

(تفسیر دوسری آیت) نماز

دوسری آیت میں اول نماز کا حکم ہے فَصَلِّ لِرَبِّكَ اہل علم جانتے ہیں کہ عربی زبان میں حرف فا ترتب کے لئے آتا ہے جس سے معلوم ہو جاتا ہے کہ اگلا مضمون پہلے مضمون پر مرتب ہے۔ اس میں بتلایا گیا ہے کہ جب ہم نے تم کو اتنی بڑی خیر دی ہے تو اس کا تقاضا یہ ہے کہ اپنے رب کے لئے نماز پڑھو۔ یہ قرآن کا بھی تقاضا ہے۔ چنانچہ

قرآن میں سینکڑوں جگہ نماز کی تاکید آئی ہے اور امت کا بھی اتفاق ہے کہ طاعات بدنیہ میں سب سے افضل اور سب سے مقدم نماز ہے۔ یہ ایمان کا تقاضا ہے لا الہ الا اللہ کے معنی یہی ہیں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں۔ تنہا وہی عبادت کے لائق ہے۔ تو ہر مسلمان کو عمل سے اس کا ثبوت دینا چاہیے کہ وہ اللہ ہی کی عبادت کرتا ہے جس کا طریقہ یہ ہے کہ نماز کی پابندی کی جائے۔ نماز ہی سے اسلام ظاہر ہوتا ہے۔ حدیث میں صاف اعلان ہے کہ ہمارے اور مشرکین و کافرین کے درمیان امتیاز پیدا کرنے والی چیز نماز ہی ہے جو مسلمان نماز نہیں پڑھتا اس کا ظاہر کافروں سے ممتاز نہیں۔ دوسری حدیث میں ارشاد ہے۔

﴿لاخیر فی دین لاصلوۃ فیہ﴾

''جس کے دین کے ساتھ نماز نہ ہو اس میں کچھ خیر نہیں۔''

نماز سے دل کو راحت، اطمینان اور قوت حاصل ہوتی ہے۔ وہ بے حیائی اور برے کاموں سے روک دیتی ہے۔ بشرطیکہ اللہ کے واسطے نماز ہو۔ یعنی اس طرح ادا کی جائے کہ جس کو دیکھ کر ہر شخص محسوس کرے کہ یہ اللہ کے لئے نماز پڑھ رہا ہے۔ افسوس ہے کہ مسلمانوں نے نماز کی طرف سے توجہ ہٹالی ہے۔ بہت سے تو نماز پڑھتے ہی نہیں اور جو پڑھتے ہیں وہ بھی اس طرح نہیں پڑھتے جیسی اللہ کے لئے نماز پڑھنی چاہیے۔ نہ خشوع ہے نہ خضوع، نہ دل کو نماز کی طرف متوجہ کیا جاتا ہے۔ نماز میں علاوہ انفرادی مصالح کے اجتماعی مصالح بھی بہت ہیں۔ جو نماز باجماعت سے حاصل ہوتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفاء اسلام نمازوں میں خود امام بنتے تھے۔ اسی طرح ہر حاکم پانچ وقت مسلمانوں کو خود نماز پڑھاتا تھا۔ اس کا لازمی نتیجہ یہ تھا کہ سب مسلمان نماز کے پابند تھے۔ کیونکہ حکومت جس کام کی پابند ہوتی ہے رعایا کو بھی اس کا اہتمام ہوتا ہے۔ پھر اس صورت میں ہر حاکم اور خلیفہ پبلک کا آدمی ہو جاتا ہے پبلک سے جدا نہیں معلوم ہوتا۔ اس طرح حاکم و محکوم میں ارتباط اور تعلق یگانگت پیدا ہوتا ہے اور رعایا کے قلوب میں حکام سے محبت پیدا ہوتی ہے۔

حکومت پاکستان کو عوام سے شکایت اور اس کے ازالہ کی صورت

آج کل حکومت پاکستان کو یہ شکایت ہے کہ عوام حکومت کے ساتھ تعاون نہیں کرتے۔ اگر وہ عوام کا تعاون دل سے چاہتی ہے تو اوپر سے نیچے تک تمام حکام نماز باجماعت کی پابندی شروع کر دیں اور نماز پڑھانے کا طریقہ سیکھ کر خود نماز پڑھائیں۔ انشا اللہ چند روز میں معلوم ہو جائے گا کہ عوام حکومت کے ساتھ کس درجہ تعاون پر آمادہ ہوتے ہیں۔ تعلیمات قرآن کی خوبی ہی یہ ہے کہ ان پر عمل کرنے سے ہر مسلمان کی انفرادی حالت بھی درست ہوتی ہے اور اجتماعی حالت بھی ترقی پذیر ہوتی ہے۔ چونکہ یہ سورت مکی ہے اس لئے اس میں روزہ اور زکوۃ و حج کا ذکر نہیں کیا گیا کہ یہ اعمال بعد کو مدینہ میں نازل ہوئے ہیں اس لئے یہ سمجھنا چاہیے کہ اس سورت میں اعمال بدنیہ میں سے صرف نماز کو اس لئے بیان کیا گیا کہ وہ بہت مہتم بالشان ہے جو اس کی پوری پابندی کرتا ہے وہ دوسرے اعمال کو بھی شوق سے کرنے لگتا ہے۔ حضرت فاروق اعظمؓ نے اپنے عمال کو ایک خط لکھا تھا:۔

﴿ان اهم امور کم عندی الصلوۃ فمن حافظ علیها کان لما سواها احفظ ومن ضیعها کان لما سواها اضیع﴾

”مجھے تمہارے تمام کاموں میں سب سے زیادہ فکر نماز کا ہے کیونکہ جو اس کی پوری پابندی کرتا ہے وہ دوسرے کاموں کی بھی خوب نگہداشت کرتا ہے اور جو اس کو برباد کرتا ہے وہ دوسرے کاموں کو زیادہ برباد کرتا ہے۔“

اگر نماز قاعدہ سے ادا کی جائے تو اس کی یہی خاصیت ہے کہ اس سے سب کاموں کی نگہداشت کا جذبہ پیدا ہو جاتا ہے۔

تفسیر تیسری آیت (زکوۃ وقربانی)

اس کے بعد قربانی کا حکم ہے کہ اللہ کے لئے قربانی کرو۔ اس میں طاعات مالیہ

کی تاکید ہے کہ طاعات بدنیہ کے ساتھ طاعات مالیہ کا بھی اہتمام کیا جائے۔ چونکہ مکہ میں قربانی ہی واجب تھی۔ اس لئے اس کا ذکر کر دیا گیا۔ مدینہ پہنچ کر زکوٰۃ مسلمانوں پر فرض ہوگئی۔ اس میں اختلاف ہے کہ زکوٰۃ فرض ہونے کے بعد قربانی بھی لازمی رہی یا اس کا وجوب ساقط ہو گیا۔ حنفیہ کے نزدیک قربانی بھی واجب ہے زکوٰۃ کے فرض ہونے پر امت کا اجماع ہے۔ قرآن میں نماز کے ساتھ ہی زکوٰۃ ادا کرنے کا حکم جا بجا آیا ہے۔ مانعین زکوٰۃ سے حضرت صدیق اکبرؓ کے زمانہ میں مسلمانوں کا جہاد کرنا تاریخ کا مشہور واقعہ ہے۔

علماء سلف نے فرمایا ہے کہ لوگوں میں غنی زیادہ ہوتے ہیں اور فقیر کم۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے مال کی زکوٰۃ میں صرف چالیسواں حصہ فرض کیا ہے وہ بھی جب کہ مال بقدر نصاب ہو کہ چاندی پانچ اوقیہ ہو (یعنی دو سو درہم جس کی مقدار ساڑھے باون تولہ ہوتی ہے) اور سونا بیس مثقال (ساڑھے سات تولہ) ہو اور اس پر ایک سال پورا گزر جائے۔ اور باغات و زمین کی پیداوار میں (دسواں یا بیسواں حصہ فرض کیا ہے اور ظاہر ہے کہ خدائے علیم وقدیر رحمٰن ورحیم اپنے غریب بندوں کے لئے ایسی مقدار فرض نہیں کرسکتا جو ان کے لئے کافی نہ ہو۔ حالانکہ وہ ان کا شمار بھی جانتا ہے اور حالت سے بھی باخبر ہے۔ چونکہ اللہ تعالیٰ کو معلوم تھا کہ فقیر کم ہوں گے اور جتنے بھی ہوں گے ان کو مال داروں کی دولت کا چالیسواں حصہ اور باغات و زمین کی پیداوار کا دسواں بیسواں حصہ کافی ہو جائے گا تو یہی مقدار فرض کر دی گئی۔ اب اگر مال دار اور زمیندار مسلمان سب کے سب زکوٰۃ وعشر باقاعدہ نکالتے رہیں تو کبھی کسی مسکین کو بھیک مانگنے کی ضرورت پیش نہ آئے۔

ایک شبہ کا ازالہ

یہ شبہ نہ کیا جائے کہ آج کل تو مسلمانوں میں غریب زیادہ ہیں امیر کم ہیں۔ اس صورت میں مال داروں کی زکوٰۃ وعشر سب غریبوں کے لئے کیوں کر کافی ہوگی؟ جواب یہ ہے کہ آج کل مال داروں میں لکھ پتی اور کروڑ پتی بھی تو ہیں۔ اگر سب کے سب

با قاعدہ زکوٰۃ وعشر نکالیں اور دیانت وامانت کے ساتھ اس کو فقراء میں تقسیم کیا جائے یقیناً تمام فقراء کو کافی ہو جائے گی۔ اس وقت مسلمانوں میں افلاس زیادہ ہونے کا ایک سبب تو یہ ہے کہ اغنیاء پابندی کے ساتھ پوری زکوٰۃ وعشر نہیں نکالتے اور یہ مرض صدیوں سے چلا آ رہا ہے۔ اسی لئے مسلمانوں میں افلاس بڑھ رہا ہے۔ اور چوری ڈکیتی ترقی کر رہی ہے۔ دوسرے یہ کہ ہندوؤں کی دیکھا دیکھی مسلمانوں کی ایک جماعت نے بھیک مانگنے کو ہنر سمجھ لیا ہے۔ اس کو عیب نہیں سمجھتے بلکہ مستقل پیشہ بنالیا ہے۔ ان سے لاکھ کہا جائے کہ ہٹے کٹے تندرست آدمی کو بھیک مانگنا جائز نہیں۔ تم کو مزدوری کرنی چاہیے یا کوئی دست کاری سیکھ کر پیٹ پالنا چاہیے مگران کی عقلیں مسخ ہوگئی ہیں کہ بھیک مانگنے ہی کو اچھا سمجھتے ہیں۔ مسلمان مال داروں کی زکوٰۃ وخیرات کا زیادہ حصہ انہی کے قبضہ میں جاتا ہے۔ یہ لوگ ہزار ہا روپے جمع کرنے کے بعد بھی بھیک ہی مانگتے رہتے ہیں جب وہ مرتے ہیں ان کی جھونپڑیوں میں بڑی دولت نکلتی ہے۔ ان کو غریب فقیر سمجھنا غلط ہے ان کو زکوٰۃ و خیرات دینا رقم برباد کرنا ہے۔ مسلمانوں کو سب سے پہلے زکوٰۃ کا باقاعدہ انتظام کرنا چاہیے۔ پھر ہر بستی کے فقراء کی تحقیق کرنی چاہیے۔ تحقیق کے بعد زکوٰۃ دی جائے۔ اور فقراء کو زکوٰۃ دے کران سے صاف کہہ دیا جائے کہ زکوٰۃ کے بھروسہ ہی پر نہ رہو بلکہ جو کچھ اس وقت دیا جا رہا ہے اس سے کوئی کاروبار شروع کروتا کہ اپنے پیروں پر کھڑے ہو جاؤ۔ پہلے زمانہ کے فقیر ایسے ہی تھے وہ بار بار زکوٰۃ نہیں لیتے تھے بلکہ بہت جلد اپنے پیروں پر کھڑے ہو جاتے تھے۔ البتہ یتیم بچے، بیوہ عورتیں، بوڑھے اور اپاہج زکوٰۃ کے بھروسہ پر رہتے تھے۔ مگر یتیم بچے تعلیم وتربیت پاکر بالغ ہوتے ہی اپنے پیروں پر کھڑے ہو جاتے اور بیوہ عورتیں نکاح ثانی کو عیب نہ جانتی تھیں وہ بھی کچھ دنوں کے بعد شادی کر کے زکوٰۃ سے مستغنی ہو جاتی تھیں۔ اگر اب بھی اس کا رواج پوری طرح ہو جائے تو بیوہ عورتیں بہت کم رہ جائیں۔ زکوٰۃ کے بھروسہ پر صرف اپاہج اور معذور رہ جائیں گے تو ان کی تعداد زیادہ نہیں ان کو مال داروں، زمیں داروں کی زکوٰۃ وعشر یقیناً کافی ہو جائے گی۔

حکومت پاکستان کو نماز کے ساتھ زکوٰۃ کا بھی باقاعدہ انتظام کرنا چاہیے۔ مگر

جب تک دستور اسلامی اور قانون شرعی نافذ نہ کیا جائے اور حکومت کے افسر نماز کے پابند نہ ہو جائیں اس وقت تک نہ حکومت کو مسلمانوں سے زکوٰۃ لینے کا حق ہے نہ مسلمان ہی اپنی زکوٰۃ حکومت کے حوالہ کریں گے۔

پہلے سوال کا جواب اور خلاصہ

یہاں تک پہلے سوال کا جواب تھا جس کا خلاصہ یہ ہے کہ حکومت پاکستان قرآن کی عظمت کا حق ادا کرے، تلاوت قرآن، تعلیم قرآن، درس قرآن کا اہتمام کرے، نماز کی تاکید کرے، ملک میں دستور اسلامی اور قانون شرعی نافذ کر کے زکوٰۃ و صدقات کا باقاعدہ انتظام کرے۔ شعائر اسلام کی پوری تعظیم کرے تو اس کے دشمن ناکام ہو جائیں گے، دنیا میں اس کی عزت و شوکت کا پرچم لہرائے گا، آسمانی بلائیں بھی ٹل جائیں گی، خدا کی مدد اس کے ساتھ ہوگی، رعایا اور حکومت میں محبت و الفت پیدا ہو جائے گی۔ مخالف طاقتیں مرعوب ہو جائیں گی۔ اَلَّذِيْنَ اِنْ مَّكَّنّٰهُمْ فِي الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ وَاَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ ط وَلِلّٰهِ عَاقِبَةُ الْاُمُوْرِ ○

دوسرے سوال کا جواب اور اسلام و کمیونزم

دوسرے سوال کا جواب یہ ہے کہ اسلام اور کمیونزم میں کچھ مناسبت نہیں۔ اسلام کو کمیونزم سے دور کا بھی واسطہ نہیں۔ اعتقادی طور پر کمیونزم کی بنیاد خدا دشمنی اور مذہب دشمنی پر ہے اور اسلام سب سے پہلے اللہ تعالیٰ کی عظمت اور توحید کا سبق دیتا ہے۔ پابندی مذہب کا ہر حال میں حکم دیتا ہے۔ اسلام میں مذہب اور سیاست الگ الگ نہیں بلکہ ساتھ ساتھ چلتے ہیں۔ سیاست بھی اسی طرح مذہب کا جز ہے جس طرح عبادات و معاملات اور اخلاق و معاشرت اس کے اجزاء ہیں بشرطیکہ اسلامی سیاست ہو کافرانہ سیاست نہ ہو۔ عملی طور پر کمیونزم ذاتی ملکیت کا دشمن ہے اور اسلام ذاتی ملکیت کا دشمن نہیں۔ اسلام مال داروں، زمین داروں کو ان کے اموال و جائیداد کا مالک قرار دیتا ہے

اوران میں فقراء کا حق بھی لازم کرتا ہے۔

﴿یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْفِقُوْا مِنْ طَیِّبٰتِ مَا كَسَبْتُمْ وَمِمَّآ اَخْرَجْنَا لَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ﴾

''اے ایمان والو! جو کچھ تم کماؤ اور جو کچھ ہم زمین کی پیداوار میں سے تم کو دیں اس کا پاکیزہ عمدہ حصہ (اللہ کے راستہ میں) خرچ کیا کرو۔''

حکم انفاق کا مطلب ہی یہ ہے کہ مال دار اپنے اموال کے اور زمیں دار اپنی زمینوں کے مالک مان لئے گئے۔ پھر ان کو اس میں سے فقراء پر کچھ خرچ کرنے کا حکم دیا جا رہا ہے۔ میت کے ترکہ میں میراث و وصیت کا جاری ہونا۔ مالکان زمین کو اپنی جائیداد کے وقف یا ہبہ کرنے کا اختیار ہونا ذاتی ملکیت کی کھلی دلیل ہے۔ زکوٰۃ میں ۱/۴۰ اور مملوکہ زمین کی پیداوار میں ۱/۱۰ یا ۱/۲۰ افقراء کے لئے تجویز کرنے کا مطلب ہی یہ ہے کہ باقی سب مال والے اور زمین والے کا ہے۔ البتہ سمندر، دریا، پہاڑ اور جنگلات، دور افتادہ زمینیں اور معادن حکومت کے تحت ہوں گے۔ ان پر بغیر حکومت کی اجازت کے کسی کو قبضہ کرنے کا حق نہیں۔

اسلام معاشی مساوات کا قائل نہیں۔ قرآن میں صاف صاف کہا گیا ہے۔

﴿نَحْنُ قَسَمْنَا بَیْنَھُمْ مَّعِیْشَتَھُمْ فِی الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا وَرَفَعْنَا بَعْضَھُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجٰتٍ لِّیَتَّخِذَ بَعْضُھُمْ بَعْضًا سُخْرِیًّاؕ﴾

''ہم نے ہی لوگوں کے درمیان معاشی تقسیم کی ہے اور بعض کو بعض پر رفعت دی ہے تا کہ ایک دوسرے سے کام لے سکے۔ (اور اس طرح نظام عالم قائم رہے)۔''

اگر معاشی تقسیم برابر کر دی جاتی کہ سارے دولتمند ہی ہوتے تو کوئی بھی کسی کا کام نہ کرتا۔ اب حالت یہ ہے کہ ایک کے پاس دولت ہے طاقت وقوت نہیں۔ ایک کے

پاس طاقت ہے دولت نہیں۔ ہر ایک کو دوسرے کی ضرورت ہے اسی طرح نظام قائم ہے۔

مگر آپ کو معلوم ہو چکا ہے کہ اسلام ذاتی ملکیت کو برقرار رکھتے ہوئے اس کی اجازت نہیں دیتا کہ دولتمند طبقہ ساری دولت کو اپنے ہی اوپر خرچ کرتا رہے۔ بلکہ وہ اس کی دولت میں، زمین کی پیداوار میں فقراء کا حق بھی قائم کرتا ہے تاکہ معیشت میں توازن قائم رہے۔ اسلام دولتمندوں کو اس کی بھی اجازت نہیں دیتا کہ سودی کاروبار سے دولت کو بڑھائیں۔

ﯾَﻤۡﺤَﻖُ اللّٰهُ الرِّبٰو وَيُرۡبِی الصَّدَقٰتِ ؕ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ كُلَّ كَفَّارٍ اَثِيۡمٍ ○

''اللہ تعالیٰ سود کو مٹاتا اور صدقات کو بڑھاتا ہے اور اللہ تعالیٰ ناشکرے گنہگار کو پسند نہیں کرتا''۔

تاریخ شاہد ہے کہ جب تک اسلامی بیت المال میں زکوٰۃ وعشر کی آمدنی جمع ہوتی رہی اور باقاعدہ فقراء پر تقسیم ہوتی رہی تو ایک وقت ایسا بھی آ گیا تھا کہ زکوٰۃ و صدقات لینے والا کوئی بھی نظر نہ آتا تھا۔ کمیونزم آج تک ایسی مثال قائم نہیں کرسکا، اور اس کا دعویٰ معاشی مساوات محض ڈھونگ ہے۔

آخر میں ایک بات پر تنبیہ

اخیر میں ایک بات پر اور تنبیہ کردینا چاہتا ہوں کہ اسلام میں دولت بڑھانے کا طریقہ زراعت، تجارت وصنعت وحرفت ہے۔ سرکاری ملازمت نہیں۔ ملازمان سرکاری کو ضرورت سے زیادہ تنخواہ نہیں دی جاتی تھی۔ خلیفہ اسلام کی تنخواہ اتنی ہی ہوتی تھی کہ متوسط درجہ کے آدمی کی طرح گزر کرسکے۔ حکام کو تاکید تھی کہ ویسا ہی کھانا کھائیں جیسا عام مسلمان کھاتے ہیں اور ویسا ہی لباس پہنیں جیسا عام مسلمان پہنتے ہیں۔ جو شخص سرکاری ملازمت اپنی دولت بڑھانے کے لئے اختیار کرتا ہے وہ اسلام کو بدنام کرتا ہے۔ اسی طرح اسلام نے تاجروں کو بھی اس کی اجازت نہیں دی کہ اپنے مال کی قیمت اتنی بڑھا

دیں جس سے خریدار غبن فاحش (سخت نقصان) کا شکار ہو جائیں۔ جو تاجر ایسا کریگا، اسلامی حکومت اس کو تجارت کی اجازت نہیں دے گی۔ ان اصول پر کام کیا جائے تو آپ دیکھیں گے کہ چند روز میں اقتصادی حالت درست ہو جائے گی۔

حکومت پاکستان کو اسلامی اصول کے موافق ملک میں مذہبی تعلیم عام کرنا، بے کاری اور بے روزگاری کو دور کرنا چاہیے۔ شراب خواری، زنا کاری، جوا بازار، ریس، سود خواری، سینما، فلم سازی کو بند کر دینا چاہیے کہ اس سے رعایا کی دولت بھی برباد ہوتی ہے۔ عادات واخلاق بھی بگڑتے ہیں، خدا کی پھٹکار بھی برستی ہے۔

اب میں اپنی تقریر ختم کرتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اور آپ کو اور سب مسلمانوں کو صراط مستقیم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائیں۔ آمین۔

وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

اعجاز القرآن

بقلم العلامة مولانا ظفر احمد العثمانی

الرحمٰن علم القراٰن خلق الانسان علمه البیان فالحمد للّٰه الذی نصر عبده و انجز وعده وهزم الاحزاب وحده والصلوة والسلام علےٰ من لانبی بعده.

اما بعد فاعلموا ان المعجزة امر خارق للعادة مقرون بالتحدی سالم عن المعارضة وهی اما حسیة کاکثر معجزات الانبیاء من بنی اسرائیل او عقلیة کاکثر معجزات سیدنا محمد صلی اللّٰه علیه وسلم و من اکبرها القرآن الذی لایأتیه الباطل من بین یدیه ولا من خلفه تنزیل من حکیم حمید. قال النبی صلی اللّٰه علیه وسلم. مامن الانبیاء نبی الا اعطی مامثله اٰمن علیه البشر و انما کان الذی اوتیته وحیا اوُحَاهُ اللّٰه الی فارجوان اکون اکثرهم تابعا یوم القیمة اخرجه البخاری عن ابی هریرة ای الأیة التی تحدیت بها القوم هی الوحی الذی انزل علی وهو القرآن لما اشتمل علیه من الاعجاز الواضح ولیس المراد حصر معجزاته فیه ولا انه لم یؤت من المعجزات ما اوتی من تقدمه بل المراد انه المعجزة العظمیٰ التی اختص بهادون غیره لان کل نبی اعطی معجزة خاصة به لم یعطها غیره تحدی بها قومه و کانت معجزة کل نبی تقع مناسبة

لحال قومه كما انهٗ كان السحر فاشيا عند فرعون وقومه فجائهم موسىٰ عليه السلام بالعصىٰ على صورة مايصنع السحرة لٰكنها تلقفت ماصنعوا (والسحر لا يأكل السحر فأُلقى السحرة سجدًا) ولم يقع ذلك بعينه لغيره و كذلك احياء عيسىٰ عليه السلام الموتىٰ وابراءه الا كمه و والا برص لكون الاطباء والحكماء فى ذلك الزمان فى غاية من الظهور فأتاهم من جنس عملهم بمالم تصل قدرتهم اليه وهكذا لما كان العرب الذين بعث فيهم النبى صلى الله عليه وسلم فى الغاية من البلاغة..... جاءهم بالقرآن الذى تحداهم ان يأتوا بحديث مثله ان كانوا صادقين ثم قرعهم بقوله "ام يقولون افتراه قل فاتوا بعشر سور مثله مفتريات وادعوا من استطعتم من دون اللّٰه ان كنتم صادقين". حين قالوا "لونشاء لقلنا مثل هٰذا إن هٰذا الا اساطير الاولين". اى و نحن قوم اميون لا علم لنا باخبار الا وائل ولو كان لنا بذلك من علم لقلنا مثل هٰذا فقال تعالىٰ فليأتوا بعشر سور مثله مفتريات من غير تقييد بكونه مطابقاللواقع ولاشك ان اتيان المفترىٰ من اسهل مايتكلم به الانسان و ينطق به فان لم بستجيبو لكم فاعلموا انما انزل بعلم اللّٰه وان لا اله الا هو فهل انتم مسلمون. ثم تحداهم بقوله "فأتوا بسورة من مثله و ادعوا شهدآءكم من دون اللّٰه ان كنتم صادقين فان لم تفعلوا ولن تفعلوا فاتقوا النار

التی وقودها الناس و الحجارة اعدت للکافرین" و فی ذلک رد صریح علی من زعم ان التحدی لم یقع ببلاغة القرآن وفصاحته وانما وقع بعلومه و معارفه التی قد اودعت فیه وجه الردان اللّٰه تعالیٰ قد اطلق لهم ان یأتوا بمثله مفتریً. والمشتمل علی العلوم و المعارف الصحیحة لایکون مفتریً و اذا جازلهم المعارضة بالمفتری فلا یکون هو مثله الا فی بلاغته وفصاحته وسلاسته وجریانه و بدیع اسلوبه فهذا هوا الذی وقع به التحدی، و کیف یجوزان یطالب الا امیّون یأتوا بالعلوم والمعارف التی لم یعرفوهاقط، ولم یحوموا حولها وانما یتحدی القوم بما لهم معرفة به وهم یدعون فیه الکمال و هذا تاریخ العرب قبل الالسلام بین ایدیکم لم یدعوا العلم و المعرفة ساعة من الدهر وانما کانوا یفتخرون ببلاغة لسانهم و فصاحته وبراعته فتحداهم القرآن ان یأتوا بمثله فی ذلک فافهم. ثم دلائل اعجاز القرآن علی وجوه منها ماتعرفه العرب و العجم لکونه هدی للناس وهدی للعالمین ومنها ماتعرفه العرب خاصة لکونه قرآنًا عربیا بلسان عربی مبین ومنها ماتعرفه المهرة من البلغاء ولیس لعامة العرب فیه نصیب ولذا قال و ادعوا شهداء کم من دون اللّٰه ای اعوانکم و انصارکم من مهرة البلغاء وکملة الشعراء فان الدرجة العلیا فی البلاغة لا یعرفها الا البلیغ. فاذاوقف مثله علی مافیه من البلاغة ظل

خاضعاً بين يديها. و اعترف بانها مماليس مقدوراً
للبشر ونحن لما جئنا بعد العرب الاول ماكنا لنصل الى
كنه ذلك ولكن القدر الذى علمناه ان استعمال
الكلمات والتركيبات الجزلة العذبة مع اللطافة وعدم
التكلف فى القرآن العظيم مما لا نظير له فى قصائد
المتقدمين والمتأخرين ومن الغرابة فيه انه يلبس
المعانى من انواع التذكير والمخاصمة فى كل موضع
لباساً يناسب اسلوب السورة و نقصر يد المتطاول عن
ذيلة تأمل ايراد قصص الانبياء فى سورة الاعراف وهود
والشعراء، ثم انظر تلك القصص فى الصافات ثم فى
الذاريات و نحوها. يظهر لك الفرق و كذلك ذكر
تعذيب العصاة وتنعيم المطيعين فانه يذكر فى كل مقام
باسلوب جديد و يذكر مخاصمة اهل النار فى كل
موضع على حدة والكلام فيه يطول و ايضا نعلم انه
لايتصوّر رعاية مقتضى المقام الذى تفصيله فى علم
المعانى و رعاية الاستعارات والكنايات التى تكفل لها
علم البيان مع رعاية حال المخاطبين الاميين الذين
لايعرفون هذه الصناعات احسن مما يوجد فى القرآن
العظيم فان المطلوب هٰهنا ان يذكر فى المخاطبات
المعروفة التى يعرفها كل من الناس نكتة رائقة للعامة
مرضيه عند الخاصة وهذا كالجمع بين النقيضين وهٰهنا
نكتة بديعة لابد من التنبيه عليها لكون بعض العلماء من
اهل الهند قد غفل عنها فضلوا واضلوا وهى ان دراسة

القرآن ونحوه و صرفه واسلوبه انما هی دراسة عالية لاتنلقاها الا طبقة خاصة من المهرة البلغاء فكما ان للقرآن اسلوباً خاصاً قد انفرد به من بين اساليب العربية فان له نحوا خاصا يسمو فی كثير من المواضع عن القواعد التی نقرأها فی كتب النحو المتداولة بين المدارس حتی اننا لا نتجاوز الحق اذا قلنا ان هذه الكتب و حدها لاتكفی لاعراب بعض آيات القرآن بل لا بعد للتمكن من اعرابها من الاستعانة بالتفاسير والا فكيف نعرب كلمة الصابرين المنصوبة فی قوله تعالیٰ "والموفون بعهدهم اذاعا هدوا والصابرين فی الباساء والضراء مع كونها معطوفة علی جميع المرفوعات التی سبقتها الا اذا عاوننا المفسرون ولاشك ان اصاب الدراسة العالية فی الادب والنحو وقفه اللغة يتعلمون فيما يتعلمونه اصول القواعد و تطوراتها و يقفون علی الادوار التی مرت بها فاذا اقرأ احدهم انّ هٰذان لساحران وهی قراءة معترف بها الی جانب القراءة الثانية اِنْ هٰذان لساحران لايقف حائراً عند هٰذان كما يقف المبتدی فی النحو. نعم ان صاحب الدراسة العالية لايقف عند هذا الرفع الذی يبدو شذوذًا وما هو بشذوذ بل سيعلم من اول نظرة ان الكتاب الكريم قد نزل بمختلف لغات العرب و ان من تلك اللغات لغة قبيلة بنی الحارث التی كانت تلزم المثنی الالف فی جميع حالاته و ان فی قوله ان هٰذان لساحران استعمالاً

لقاعدة كانت موجودة عن العرب الاول لا تحتويها
كتب النحو المتداولة وذكر ها المفسرون واللغويون
العارفون بفقه اللغة العربية و تطور اتها و ادوار ها التى
مرت بها. فاعلم ذلک والله يتولىٰ هداک و منها مالا
يتيسر فهمه لغير المتقين المتدبرين فى اسرار الشرائع
ولذا قال تعالى ذلک الكتب لاريب فيه هدًى للمتقين
فالعلوم الخمسة التى بينها القرآن العظيم بطريق
التنصيص عليها تدل على ان القرآن تنزيل من الله هداية
الانسان كما ان الطبيب اذا انظر فى القانون لا بن سينا
ولا حظ تحقيقه و تدقيقه فى بيان الامراض و اسبابها و
علاما تها ووصف الا دوية لا يشک فى ان المؤلف
كامل فى صناعة الطب كذلک عالم اسرار الشرائع قد
وقعت موقعها بوجه لا يتصور احسن منها والنور يدل
بنفسه على نفسه فكل من اراد تهذيب النفوس لا بدله
من الرجوع الى القرآن فترى اقلام الفلاسفة والحكماء
قد انشقت و انكسرت بنزوله وظلت اعنا قهم له
خاضعين فقالوا لا حاجة لنا الى بيان الحكمة العملية فان
الشريعة المصطفوية قد قضت الوطر عنها ولو اوتى
هٰؤلاء حظاً من التقوى لا عترفوا بان القرآن قد قضى
الوطر عن كل حكمته مافر طنا فى الكتاب من شئ.﴾

حضرت مولانا ظفر احمد صاحب عثمانی
شیخ الحدیث دار العلوم الاسلامیہ ٹنڈو الہ یار

﴿ذلت یہود اور عربوں کی حالیہ شکست﴾

حامدا و مصلیا و مسلما، اما بعد:

عرصہ سے حکومت اسرائیل کی وجہ سے بعض لوگوں کے دلوں میں یہ شبہات پیدا ہو رہے ہیں کہ قرآن میں تو اس قوم کے لئے ذلت و مسکنت کو لازم کہا گیا ہے، پھر ان کو حکومت و سلطنت کیسے مل گئی؟ زبانی جواب سے سوال کرنے والوں کی تسلی کر دی گئی مگر اب یہ سوال الصدیق (لکھنؤ) مورخہ ۵ ربیع الثانی ۱۳۸۷ھ میں شائع ہوا ہے تو تحریری جواب کی ضرورت محسوس ہوئی۔ اس شبہ کے چند جوابات ہیں۔

(۱) ایک تو یہ کہ قرآن کریم میں جہاں یہود کے لئے ذلت کو لازم کہا گیا ہے وہاں دو حالتوں کا استثناء بھی موجود ہے، چنانچہ سورۂ آل عمران میں ارشاد ہوا ہے:

﴿ضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ اَيْنَمَا ثُقِفُوْٓا اِلَّا بِحَبْلٍ مِّنَ اللّٰهِ وَ حَبْلٍ مِّنَ النَّاسِ وَ بَآءُوْ بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَ ضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الْمَسْكَنَةُ﴾

''ان پر ذلت جما دی گئی ہے جہاں کہیں بھی پائے جاویں گے، مگر ہاں (دو ذریعوں سے یہ ذلت رفع ہو جائیگی) ایک تو ایسے ذریعے کے سبب جو اللہ کی طرف سے ہو اور ایک ایسے ذریعے کے سبب جو آدمیوں کی طرف سے ہو۔''

اللہ کی طرف کا ذریعہ تو یہ ہے کہ کوئی یہودی اسلام لے آئے یا جزیہ دے کر رعایت لئے اسلام میں داخل ہو جائے تو حکومت اسلام اس کی جان و مال و آبرو کی محافظ ہوگی اور آدمیوں کی طرف کے ذریعے سے مراد یہ ہے کہ کسی قوم کی پشت پناہی ان کو حاصل ہو جائے تو اس صورت میں بھی ذلت رفع ہو جائے گی۔ اب ظاہر ہے کہ اس وقت جو اسرائیل کی حکومت ہے اس کو برطانیہ اور امریکہ کی پشت پناہی حاصل ہے اور پہلے روس

کی پشت پناہی حاصل تھی۔ اب قرآن پر کوئی اشکال نہیں۔ اگر کسی قوم کی پشت پناہی ان کو حاصل نہ ہو تو ایک دن بھی حکومت اسرائیل قائم نہیں رہ سکتی اور جیسے یہودی پہلے ذلیل تھے ویسے ہی ذلیل کے ذلیل رہیں گے۔

(۲) مسلم شریف میں صحیح حدیث موجود ہے۔

﴿عن عبدالله بن عمر رضی الله عنهما ان رسول الله صلی الله علیه وسلم قال تقاتلکم الیهود فتسلون علیهم حتی یقول الحجریا مسلم هذا یهودی ورائی فاقتله﴾ (ج ۲ ص ۳۹۶)

''عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم سے یہود جنگ کریں گے پھر تم ان پر مسلط اور غالب ہو جاؤ گے۔ یہاں تک کہ پتھر (اور درخت) بولیں گے اے مسلم! یہ یہودی میرے پیچھے (چھپا ہوا) ہے اس کو قتل کر دے!''

ایک روایت کے الفاظ یہ ہیں کہ: ''قیامت قائم نہ ہوگی جب تک تمہارے اور یہود کے درمیان جنگ نہ ہو جائے۔''

ان احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک وقت ایسا آئے گا جس کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خبر دی ہے کہ یہود کو مسلمانوں سے جنگ کرنے کا حوصلہ ہوگا۔ (اور اس کا سبب وہی ہوگا جو قرآن نے بتلا دیا ہے کہ کوئی دوسری قوم ان کی، پشت پناہی کرے گی۔ خواہ وہ دوسری قوم مسلمانوں ہی میں سے کچھ غدار ہوں یا نصاریٰ و ہنود وغیرہ ہوں)۔ رہا یہ سوال کہ حدیث میں تو مسلمانوں کے غلبہ کی خبر دی گئی ہے اور صورت حال یہ ہے کہ یہود غالب اور قوم عرب مغلوب ہو رہی ہے! اس کا جواب یہ ہے کہ ابھی جنگ کا خاتمہ کہاں ہوا ہے؟ جنگ کے دوران ایسا ہوا کرتا ہے۔ آپ کو سیرت رسولؐ سے فتح خیبر کا حال معلوم کرنا چاہیے کہ اس کا ایک قلعہ کئی دن تک فتح نہ ہوا، یہود غالب رہے اور مسلمان بغیر فتح کے واپس آتے رہے۔ تیسرے دن حضرت علیؓ نے اس قلعہ کو فتح کیا تو جنگ کا

خاتمہ ہوا۔ اب بھی انشاء اللہ انجام کار مسلمان ہی غالب رہیں گے: والعاقبة للمتقين آثار بتلا رہے ہیں کہ یہ جنگ ختم نہیں ہوگی بلکہ ملحمہ کبریٰ (جنگ عظیم) بن کر رہے گی اور یہود ایسے ذلیل ہوں گے کہ درخت اور پتھر بھی ان کے قتل کے لئے مسلمانوں کو پکاریں گے۔ وانتظروا انّا منتظرون! اس وقت مسلمانوں کو جو عارضی شکست ہوئی ہے، اس کے اسباب میں غور کرنا بھی مسلم حکومتوں کا فرض ہے۔ میرے خیال میں اس کے چند اسباب ہیں۔

(ا) عرب حکومتوں میں پورا اتحاد نہیں ہے یہ بڑی سخت بات ہے۔ اس کا بہت جلد تدارک ہونا اور جملہ سلاطین عرب کا متحد ہو جانا ضروری ہے۔ اور سلاطین عرب کے ساتھ تمام مسلم سربراہوں کو اسرائیل کے مقابلہ کے لئے متحد کیا جائے کیونکہ امریکہ اور برطانیہ اس کی مدد پر ہیں اور ان دونوں کے ساتھ دوسری مغربی طاقتیں بھی ہیں۔

(ب) جو حکومتیں اسرائیل سے برسرپیکار ہیں ان میں بھی جذبہ جہاد اسلامی نہ تھا بلکہ سوشلزم یا نیشنلزم کا جذبہ تھا۔ وہ قومیت عرب کا نعرہ لگا رہے تھے، اسلامی نعرہ نہیں! بجائے یاخیل اللہ ارکبی کے یا خیل العرب ارکبی ان کا مطمع نظر تھا۔ اللہ تعالیٰ کی نصرت کا وعدہ اسلامی جہاد میں ہے! سوشلزم یا نیشنلزم کی جنگ پر نہیں! حدیث میں صاف آ چکا ہے کہ جو شخص محبت قومی یا اپنی ناموری کے لئے جنگ کرے وہ جہاد فی سبیل اللہ نہیں۔ جہاد فی سبیل اللہ صرف وہ ہے جو اللہ کا بول بالا کرنے کے لئے کیا جائے (بخاری) اسی پر نصرتِ الٰہی کا وعدہ ہے۔

﴿اِنْ تَنْصُرُوا اللّٰهَ يَنْصُرْكُمْ وَيُثَبِّتْ اَقْدَامَكُمْ. يَا اَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا كُوْنُوْا اَنْصَارَ اللّٰهِ كَمَا قَالَ عِيْسَى بْنُ مَرْيَمَ لِلْحَوَارِيِّيْنَ مَنْ اَنْصَارِيْ اِلَى اللّٰهِ ط قَالَ الْحَوَارِيُّوْنَ نَحْنُ اَنْصَارُ اللّٰهِ فَاٰمَنَتْ طَائِفَةٌ مِّنْ بَنِيْ اِسْرَائِيْلَ وَ كَفَرَتْ طَّائِفَةٌ فَاَيَّدْنَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا عَلٰى عَدُوِّهِمْ فَاَصْبَحُوْا ظَاهِرِيْنَ ○﴾

''اگر تم اللہ کی مدد کرو گے تو وہ تمہاری مدد کرے گا۔ اور تمہارے قدم جما دے گا (سورہ محمدؐ) اے ایمان والو! تم اللہ کے دین کے مددگار ہو جاؤ جیسا کہ عیسیٰ بن مریم نے ان حواریین سے فرمایا کہ اللہ کے واسطے میرا کون مددگار ہوتا ہے وہ حواری بولے ہم اللہ کے دین کے مددگار ہیں سو اس کوشش کے بعد بنی اسرائیل میں سے کچھ لوگ ایمان لائے اور کچھ لوگ منکر رہے سو ہم نے ایمان والوں کی ان کے دشمنوں کے مقابلہ میں تائید کی سو وہ غالب رہے۔'' (سورۃ الصف)

(ج) آپ کو غزوہ احد کا حال پڑھنے سے معلوم ہوگا کہ پہلے حملہ میں کفار کو شکست فاش ہوئی تھی۔ وہ میدان چھوڑ کر بھاگ کھڑے ہوئے تھے مگر ایک مورچہ پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جن تیراندازوں کو متعین فرمایا تھا وہ کفار کی شکست کا منظر دیکھ کر اس مورچہ سے ہٹ گئے حالانکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تاکید تھی کہ بغیر میری اجازت کے یہاں سے نہ ہٹنا۔ اتنی ذرا سی غلطی پر جنگ کا پانسہ پلٹ گیا اور فتح کے بعد شکست کا سامنا ہوا۔ حق تعالیٰ نے اس حقیقت کو اس طریقے سے بیان فرمایا ہے:

﴿وَلَقَدْ صَدَقَكُمُ اللّٰهُ وَعْدَهٗۤ اِذْ تَحُسُّوْنَهُمْ بِاِذْنِهٖ ۚ حَتّٰۤى اِذَا فَشِلْتُمْ وَتَنَازَعْتُمْ فِى الْاَمْرِ وَعَصَيْتُمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَاۤ اَرٰىكُمْ مَّا تُحِبُّوْنَ ۞ مِنْكُمْ مَّنْ يُّرِيْدُ الدُّنْيَا وَمِنْكُمْ مَّنْ يُّرِيْدُ الْاٰخِرَةَ ۚ ثُمَّ صَرَفَكُمْ عَنْهُمْ لِيَبْتَلِيَكُمْ ۚ وَلَقَدْ عَفَا عَنْكُمْ ۚ وَاللّٰهُ ذُوْ فَضْلٍ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ ۞﴾

''اور یقیناً اللہ تعالیٰ نے تو تم سے اپنے وعدہ کو سچا کر دکھلایا تھا جس وقت کہ تم ان کفار کو بحکم خداوندی قتل کر رہے تھے یہاں تک کہ جب تم خود ہی کمزور ہو گئے اور باہم حکم میں اختلاف کرنے لگے اور تم کہنے پر نہ چلے بعد اس کے کہ تم کو تمہاری دلخواہ بات دکھلا دی تھی، تم میں سے بعض وہ شخص تھے جو دنیا چاہتے تھے اور بعض تم میں

وہ شخص تھے جو آخرت کے طلب گار تھے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے انہی کے لئے اپنی نصرت کو بند کر دیا اور پھر تم کو ان کفار سے ہٹا دیا تا کہ خدا تعالیٰ تمہاری آزمائش فرما دے اور یقین سمجھو کہ اللہ تعالیٰ نے تم کو معاف کر دیا اور اللہ تعالیٰ بڑے فضل والے ہیں مسلمانوں پر'' (سورۂ آل عمران)

معلوم ہوا کہ معصیت سے رسولؐ کی موجودگی میں فتح شکست میں بدل جاتی ہے۔ اب ہم مسلمان اپنے گریبانوں میں منہ ڈال کر دیکھیں کہ ہماری اس وقت کیا حالت ہے؟ سود خوری، قمار بازی، شراب خوری، زنا کاری، عریانی بے پردگی اور فحاشی کا بازار ہم میں گرم ہے۔ ہماری صورت دیکھ کر بھی کوئی یہ نہیں کہہ سکتا یہ غلامان محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ باطن کا تو پوچھنا ہی کیا! پھر میدان جنگ میں بھی ہم توبہ کر کے نہیں جاتے، ویسے ہی چلے جاتے ہیں جیسے دوسری قومیں میدان میں آتی ہیں۔ مگر ہمارے اسلاف کی یہ حالت تھی کہ میدان جنگ میں توبہ، استغفار اور دعائیں کر کے اترتے تھے، نماز کا پورا احترام کرتے تھے، اللہ کی یاد سے غافل نہ ہوتے تھے۔

﴿یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا لَقِیْتُمْ فِئَةً فَاثْبُتُوْا وَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَثِیْرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ۝ اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے: وَاِنَّ جُنْدَنَا لَهُمُ الْغٰلِبُوْنَ ۝﴾

''اے ایمان والو! جب تم کو کسی جماعت سے مقابلہ کا اتفاق ہوا کرے تو ثابت قدم رہو اور اللہ کا خوب کثرت سے ذکر کرو اور امید ہے کہ تم کامیاب ہو''

کہ ہمارا لشکر ہی غالب ہوگا، اس لئے ہمیں خدائی لشکر بننے کی کوشش کرنی چاہیے کہ صورت دیکھ کر لوگ بول اٹھیں کہ یہ اللہ والے ہیں۔

میدان جنگ میں قائدین حرب کو اتحاد و اتفاق سے کام کرنا چاہیے۔ اختلاف و نزاع سے بچنا چاہیے۔

﴿وَ اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَلَا تَنَازَعُوْا فَتَفْشَلُوْا وَ تَذْهَبَ رِيْحُكُمْ وَاصْبِرُوْا اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصَّابِرِيْنَ○﴾

''اور اللہ اور اس کے رسولؐ کی اطاعت کیا کرو اور نزاع مت کرو ورنہ کم ہمت ہو جاؤ گے اور تمہاری ہوا اکھڑ جاوے گی اور صبر کرو، بے شک اللہ تعالیٰ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے'' (سورۃ انفال)

(د) اتحاد و اتفاق کی یوں تو ہر حال میں ضرورت ہے مگر میدان جنگ میں اس کی بہت ضرورت ہے۔ طلیحہ بن خویلد اسدی مدعی نبوت کی سرکوبی کے لئے چار پانچ ہزار کا لشکر مدینہ سے بھیجا گیا تو اس نے چالیس ہزار کا لشکر جرار لے کر مقابلہ کیا مگر شکست کھا کر بھاگا تو اپنے وزیر سے پوچھا کہ یہ بھی عرب ہیں، ہم بھی عرب ہیں اور ہماری تعداد ان سے آٹھ گنا زیادہ تھی پھر ہمیں یہ شکست کیوں ہوئی؟ وزیر نے کہا مسلمان تو یہ کہتے ہیں کہ اللہ کی مدد ان کے ساتھ ہے مگر اتنی بات تو میں نے بھی دیکھی ہے کہ ہماری فوج کا ہر سپاہی یہ چاہتا تھا کہ میں زندہ رہوں، میرے پاس والے چاہے مارے جائیں اور مسلمانوں کا ہر فرد یہ چاہتا تھا کہ وہ شہید ہو جائے مگر اس کے بھائی محفوظ رہیں اور جو قوم موت کی مشتاق ہو اس کا مقابلہ کوئی نہیں کر سکتا اور اس اشتیاق شہادت کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ ہر شخص دوسرے سے سبقت لے جانے کی کوشش کرتا ہے کہ میں پہلے مارا جاؤں، دوسرے زندہ رہیں یا میرے بعد شہید ہوں۔

اسی الفت و محبت سے پہلے مسلمان سرفراز تھے حق تعالیٰ فرماتے ہیں:۔

﴿هُوَ الَّذِيْٓ اَيَّدَكَ بِنَصْرِهٖ وَ بِالْمُؤْمِنِيْنَ وَ اَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِهِمْ وَ لَوْ اَنْفَقْتَ مَا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا مَّآ اَلَّفْتَ بَيْنَ قُلُوْبِهِمْ وَ لٰكِنَّ اللّٰهَ اَلَّفَ بَيْنَهُمْ اِنَّهٗ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ○﴾

''وہ وہی ہے جس نے آپ کو اپنی امداد سے اور مسلمانوں سے قوت دی اور ان کے قلوب میں اتفاق پیدا کر دیا۔ اگر آپ دنیا بھر کا مال خرچ کرتے تب بھی ان کے قلوب میں اتفاق پیدا نہ کر سکتے لیکن

اللہ ہی نے ان میں باہم اتفاق پیدا کر دیا۔ بے شک وہ زبردست ہیں حکمت والے ہیں۔''

(ہ) دشمن کے مقابلے کے لئے قوت حرب (جنگی قوت) کو اس حد تک بڑھانا چاہیے کہ دشمن پر ہیبت چھا جائے۔ حق تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَ اَعِدُّوْا لَهُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ مِنْ قُوَّةٍ وَّ مِنْ رِّبَاطِ الْخَيْلِ تُرْهِبُوْنَ بِهٖ عَدُوَّ اللّٰهِ وَعَدُوَّكُمْ ۝﴾

''اور ان کافروں کے لئے جس قدر تم سے ہو سکے ہتھیار سے اور پلے ہوئے گھوڑوں سے سامان درست رکھو کہ اس کے ذریعہ سے تم رعب جمائے رکھو، ان پر جو کہ اللہ کے دشمن ہیں اور تمہارے دشمن ہیں۔'' (سورۂ انفال)

ہمارے پہلے خلفاء و سلاطین اس حکم پر پوری طرح عامل تھے، حضرت معاویہؓ نے خلافت عثمانؓ میں پانچ سو بحری جہازوں کا جنگی بیڑہ تیار کر رکھا تھا۔ دشمن کی جنگی قوت کی مدافعت کا پورا سامان تیار رکھتے۔ ہمارے سلاطین جنگی سامان خود تیار کرتے تھے۔ دوسروں کے دست نگر نہ تھے جیسا آج کل ہم دوسروں کے محتاج ہیں سب مسلمان سربراہوں کو مل کر اسلحہ سازی کے کارخانے اور بحری و ہوائی جہاز بنانے کے کارخانے قائم کرنے چاہئیں اور نئی نئی ایجادیں بھی کرنی چاہئیں۔ یہ سب وَاَعِدُّوْا لَهُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ من قوۃ میں داخل ہے۔

(ز) مگر سامان پر یا سامان دینے والے پر بھروسہ نہ کرنا چاہیے بھروسہ اللہ کی مدد پر کرنا چاہیے۔ غزوہ حنین میں اسلامی لشکر کی تعداد بارہ ہزار تھی۔ بعض صحابہؓ کو خیال ہو گیا کہ اب تو ہماری بڑی فوج ہے اس کا مقابلہ کون کر سکتا ہے؟ اس اعجاب کا نتیجہ یہ ہوا کہ پہلے حملہ میں مسلمانوں کو شکست ہو گئی۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا اور مشت خاک سے فتح ہو گئی۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَيَوْمَ حُنَيْنٍ اِذْ اَعْجَبَتْكُمْ كَثْرَتُكُمْ فَلَمْ تُغْنِ عَنْكُمْ شَيْئًا وَضَاقَتْ عَلَيْكُمُ الْاَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ ثُمَّ وَلَّيْتُمْ

مُّدۡبِرِيۡنَ ثُمَّ اَنۡزَلَ اللّٰهُ سَكِيۡنَتَهٗ عَلٰى رَسُوۡلِهٖ وَ عَلَى الۡمُؤۡمِنِيۡنَ وَ اَنۡزَلَ جُنُوۡدًا لَّمۡ تَرَوۡهَا وَ عَذَّبَ الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا وَ ذٰلِكَ جَزَآءُ الۡكٰفِرِيۡنَ﴾

''تم کو اللہ تعالیٰ نے بہت موقعوں پر غلبہ دیا اور حنین کے دن بھی جب کہ تم کو اپنے مجمع کی کثرت سے غرہ ہوگیا تھا پھر وہ کثرت تمہارے کچھ کارآمد نہ ہوئی اور تم پر زمین باوجود اپنی فراخی کے تنگی کرنے لگی۔ پھر تم پیٹھ دے کر بھاگ کھڑے ہوئے۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول پر اور دوسرے مومنین پر اپنی تسلی نازل فرمائی اور ایسے لشکر نازل فرمائے جن کو تم نے نہیں دیکھا اور کافروں کو سزا دی اور یہ کافروں کی سزا ہے۔''

مسلمانوں کو یاد رکھنا چاہیے کہ فتح اور غلبہ اللہ کی مدد سے ہوتا ہے۔

﴿اِنۡ يَّنۡصُرۡكُمُ اللّٰهُ فَلَا غَالِبَ لَكُمۡ وَ اِنۡ يَّخۡذُلۡكُمۡ فَمَنۡ ذَا الَّذِىۡ يَنۡصُرُكُمۡ مِّنۡۢ بَعۡدِهٖ﴾

''اگر اللہ تعالیٰ تمہاری مدد پر ہو تو کوئی تم پر غالب نہیں آ سکتا اور اگر وہی ساتھ چھوڑ دے، اس کے بعد کون مدد کر سکتا ہے''۔

(ح) میدان جنگ میں نعرہ تکبیر دل سے بلند کرنا چاہیے اور بلند آواز سے سب مل کر نعرہ بلند کریں، انشاء اللہ کفار کے دلوں پر رعب طاری ہو جائے گا۔ اسلامی جہاد کا یہی طریقہ تھا۔ بینڈ باجے بجانا اسلامی جہاد میں نہ تھا۔

﴿اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الَّذِيۡنَ يُقَاتِلُوۡنَ فِىۡ سَبِيۡلِهٖ صَفًّا كَاَنَّهُمۡ بُنۡيَانٌ مَّرۡصُوۡصٌ﴾

''اللہ تعالیٰ ان لوگوں سے محبت کرتا ہے جو اس کے راستے میں یعنی اس کا بول بالا کرنے کے لئے ایسی مضبوط صف بندی کرتے ہیں جیسے سیسہ پلائی ہوئی دیوار ہو''

وہ بھاگنا جانتے ہی نہیں، مضبوطی کے ساتھ اپنی جگہ ڈٹے رہتے ہیں۔ موت سے نہیں گھبراتے بلکہ شہادت کے طالب ہوتے ہیں۔ مگر قاعدہ سے لڑتے ہیں، بے فائدہ اپنی جان نہیں گنواتے۔

(ی) اگر کبھی مسلمانوں کو شکست ہو جائے جیسا اس وقت ہوگئی ہے تو اس سے افسردہ و پژمردہ نہ ہو جانا چاہیے۔ الحرب سجال: جنگ میں ایسا بھی ہوتا ہے۔ حق تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَ لَا تَهِنُوْا وَ لَا تَحْزَنُوْا وَ اَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ٥﴾

"پست حوصلہ نہ ہو، غم گین و پریشان نہ ہو تم ہی غالب ہو گے اگر ایمان پر مضبوطی سے جمے رہے۔"

مجاہد کے دن اور رات

غزوہ یرموک کے موقعہ پر رومی عیسائیوں کی تعداد دو لاکھ اسی ہزار تھی اور مسلمان صرف چالیس ہزار تھے معلوم ہوتا تھا کہ نہتے انسانوں کا ایک مٹھی بھر گروہ امڈتے ہوئے طوفان کا مقابلہ کرنے جا رہا ہے۔ جنگ کی ابتداء حضرت مقدادؓ نے سورۂ انفال کی آیات جہاد پڑھ کر کی اور پورے دن کے خونریز معرکے کے بعد رومیوں کے پاؤں اکھڑ گئے، بعض روایات میں ہے کہ ان کے صرف اسی آدمی بچ سکے، اور جب یہ اپنے بادشاہ ہرقل کے پاس پہنچے تو اس نے پوچھا کہ وسائل کی اس بہتات کے باوجود تمہاری شکست میری سمجھ سے باہر ہے، خدا کے لئے بتاؤ کہ تم کیسے ہارے؟ اس پر رومی فوج کے ایک افسر نے کہا:

عالیجاہ! ہم ان لوگوں سے نہیں لڑ سکتے جن کی کیفیت یہ ہے کہ دن کے وقت ان سے بہتر شہسوار کوئی نہیں ہوتا اور رات کے وقت ان سے بڑھ کر عبادت گزار کوئی نہیں ہوسکتا۔ (البدایہ والنہایہ)

حضرت مولانا ظفر احمد صاحب عثمانی مدظلہم

تقلید کے بارے میں ایک گفتگو

ہمارے حضرت مولانا خلیل احمد صاحب قدس سرہ کا ایک بھانجا مظاہر علوم سہارنپور سے فارغ ہو کر علی گڑھ میں ایک ڈاکٹر کا کمپونڈر بن گیا۔ یہ ڈاکٹر صاحب جماعت اہل حدیث سے منسلک تھے۔ اس نے اپنے کمپونڈر کو بھی جماعت اہل حدیث میں شامل کرنے کی کوشش کی اور اپنے مسلک کی کتابیں مطالعہ کرنے کی ترغیب دی۔ تین سال تک وہ اس مسلک کی کتابیں دیکھتا رہا بالآخر غیر مقلد بن گیا۔ تین سال کے بعد حضرت مولاناؒ سے ملنے سہارنپور آیا اور آتے ہی صاف کہہ دیا کہ اب میں حنفی نہیں ہوں بلکہ جماعت اہل حدیث میں شامل ہو گیا ہوں۔ حضرت مولاناؒ کو بہت افسوس ہوا اور مدرسہ مظاہر علوم کے علماء سے فرمایا کہ اپنے اس شاگرد کو سمجھاؤ اور اس کے شبہات کا ازالہ کرو تین دن تک وہ علماء مظاہر سے گفتگو کرتا رہا اور اپنے مسلک جدید پر جما رہا۔ اتفاق سے اسی زمانے میں یہ بندہ بھی حضرتؒ سے ملنے کو تھانہ بھون سے سہارنپور پہنچ گیا مجھے دیکھ کرؒ بڑے خوش ہوئے اور فرمایا تم بڑے اچھے موقع پر آئے۔ یہ تمہارا شاگرد حقیقت سے بیزار ہو کر جماعت اہل حدیث میں شامل ہو گیا ہے۔ تین دن سے علماء مظاہر علوم اس کو سمجھا رہے ہیں مگر وہ اپنی بات پر جما ہوا ہے تم بھی اس کو سمجھاؤ'' یہ باتیں ہو رہی تھیں کہ وہ بھی مجھ سے ملنے آگیا۔ میں نے کہا بعد عشاء کے مجھ سے ملو۔ جب وہ وعدہ کر کے چلا گیا۔ حضرت مولاناؒ نے فرمایا کہ اس نے تین سال تک اہلحدیث کی کتابوں کا مطالعہ کیا ہے اس لئے نظر وسیع ہو گئی ہے۔ گفتگو میں اس کا لحاظ رہے۔ میں نے کہا انشاء اللہ اس کا لحاظ رکھوں گا کہ آپ بھی دعا و توجہ سے مدد فرمائیں چنانچہ حسب قرارداد بعد عشاء کے وہ میرے پاس آیا جبکہ میں بستر پر لیٹ گیا تھا۔ وہ پاؤں دبانے لگا۔ میں نے بھی انکار نہ کیا۔ آخر تو شاگرد تھا۔ اب حسب ذیل گفتگو ہوئی:

ظفر:۔ ہاں صاحبزادے بتاؤ اب تمہارا مسلک کیا ہے؟

شاگرد:۔ عمل بالحدیث الصحیح۔

ظفر:۔ بس عمل بالحدیث الصحیح؟ عمل بالقرآن نہیں؟

شاگرد:۔ جناب والا! عمل بالقرآن تو سب سے پہلے ہے۔ اس کے بعد عمل بالحدیث الصحیح ہے۔

ظفر:۔ اگر تمہارا یہ مسلک ہوتا تو پہلے عمل باالقرآن کو بیان کرکے پھر عمل بالحدیث کا نام لیتے۔

شاگرد:۔ وہ تو ظاہر ہے اس لئے بیان کی ضرورت نہ سمجھی۔

ظفر:۔ یہ تو تم نے بات بنائی ہے ورنہ واقعہ یہ ہے کہ اہلحدیث قرآن پر عمل نہیں کرتے۔ لیکن حنفیہ کا اصول یہ ہے کہ وہ اول قرآن کو دیکھتے ہیں۔ پھر احادیث کو۔ اور جس حدیث کو نص قرآن کے موافق پاتے ہیں اس کو ترجیح دیتے ہیں اور بقیہ احادیث کو محامل حسنہ پر محمول کرتے ہیں۔ اب میں تم کو بتلاتا ہوں کہ جن مسائل مشہورہ میں ہمارا اور اہل حدیث کا اختلاف ہے۔ ان کے لئے ہم نے اول قرآن کو دیکھا اور جن احادیث کو نصوص قرآنیہ کے موافق پایا ان کو ترجیح دی۔ قراۃ خلف الامام ہی کا مسئلہ لے لو۔ ہم نے اس کے لئے قرآن کو پہلے دیکھا۔ سورۂ اعراف میں حق تعالیٰ کا ارشاد ہے

﴿وَ اِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَ اَنْصِتُوْا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ۝﴾

''جب قرآن پڑھا جائے تو اس کو کان لگا کر سنو اور خاموش رہو۔
امید ہے کہ تم پر رحم کیا جائے گا۔''

اس سے صاف معلوم ہوا کہ امام کے ساتھ ساتھ قرأت نہ کرنا چاہیے بلکہ قرآن کو سننا اور خاموش رہنا چاہیے۔ امام احمد بن حنبلؒ کا قول ہے کہ یہ آیت بالاتفاق قرأت خلف الامام کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ اس کے بعد ہم نے احادیث کو دیکھا تو کسی حدیث میں بھی یہ نہیں آیا کہ اِذَا قَرَأَ الاِمَامُ فَاقْرَءُوْا (جب امام قراءت کرے تم بھی

قرأت کرو)۔ اِذَا کَبَّرَ فَکَبِّرُوْا وَ اِذَا رَکَعَ فَارْکَعُوْا وَ اِذَا قَالَ سَمِعَ اللّٰہ لِمَنْ حَمِدَہٗ فَقُوْلُوْا رَبَّنَا وَلَکَ الْحَمْدُ و اِذَا سَجَدَ فَاسْجُدُوْا۔ تو حدیثوں میں موجود ہے کہ جب امام تکبیر کہے تم بھی تکبیر کہو، جب رکوع کرے، رکوع کرو جب سمع اللّٰہ لمن حمدہ کہے تم ربنا ولک الحمد کہو۔ جب سجدہ کرے تو تم بھی سجدہ کرو۔ مگر یہ کہیں نہیں کہ جب وہ قرأت کرے تو تم بھی قرأت کرو۔ بلکہ اگر ہے تو اذا قرأ فانصتوا ہے کہ جب امام قرأت کرے تو تم خاموش رہو۔ امام مسلمؒ اور امام احمدؒ نے اور بہت سے محدثین نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے۔ حنفیہ نے اس کو ترجیح دی اور بقیہ احادیث کو محامل حسنہ پر محمول کیا۔ آمین کے مسئلہ میں بھی حنفیہ نے اول قرآن کو دیکھا۔ چنانچہ آمین دعا ہے جیسا امام بخاریؒ نے اپنی صحیح میں بیان کیا ہے۔ اس لیے دعا کے بارے میں قرآن کو دیکھا تو اس میں اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ملا۔ اُدْعُوْا رَبَّکُمْ تَضَرُّعًا وَّ خُفْیَہ (اپنے رب سے تضرع کی ساتھ آہستہ دعا کرو) تو ہم نے اس مسئلہ میں شعبہؒ کی روایت کو ترجیح دی جس میں وارد ہے فقال اٰمین و خفض بھا صوتہ (آپ نے سورہ فاتحہ کے ختم ہونے پر آمین کہی اور آواز کو پست کیا یعنی آہستہ سے آمین کہی۔ یہ حدیث ترمذی میں ہے) نماز کے اندر رفع یدین کے بارے میں بھی ہم نے اول قرآن کو دیکھا تو حق تعالیٰ کا ارشاد ملا۔ قُوْمُوْا لِلّٰہِ قَانِتِیْنَ اور اَلَّذِیْنَ ھُمْ فِیْ صَلَاتِھِمْ خَاشِعُوْنَ ○ پہلی آیت میں ارشاد ہے کہ اللہ کے سامنے سکوت اور سکون کے ساتھ کھڑے ہو۔ دوسری آیت میں فرمایا گیا کہ جو لوگ نماز میں خشوع کرنے والے ہیں وہ کامیاب ہیں اور خشوع کے معنی بھی سکون ہی کے ہیں۔ اس کے بعد احادیث کو دیکھا تو صحیح مسلمؒ میں روایت موجود ہے کہ صحابہ نماز میں سلام کے وقت ہاتھ اٹھا کر السلام علی فلان السلام علی فلان فلان کہتے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مالی اراکم رافعی ایدیکم کَاَنَّھَا اَذْنَابُ خَیْلٍ شُمْسٍ اُسْکُنُوْا فِی الصَّلٰوۃِ (یہ کیا حرکت ہے کہ تم اس طرح ہاتھ اٹھا تے ہوئے جیسے گھوڑے دم اٹھاتے ہیں۔ نماز میں سکون سے رہو۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ نماز میں سلام کے وقت بھی ہاتھ اٹھانا سکون کے خلاف ہے حالانکہ سلام کا وقت نماز

میں داخل بھی ہے اور خارج بھی ہے تو رکوع کے وقت ہاتھ اٹھانا کیسے مناسب ہوگا کہ رکوع تو بالکل داخل صلوٰۃ ہے۔ ہاں تکبیر تحریمہ میں ہاتھ اٹھانا درست ہے کہ وہ داخل صلوٰۃ یعنی رکن نہیں بلکہ شرط صلوٰۃ ہے۔ اس لئے حنفیہ نے ان روایات کو ترجیح دی ہے جن میں رکوع کے وقت ترک رفع یدین آیا ہے۔ اسی پر اور مسائل کو قیاس کرو کہ حنفیہ اول قرآن کو دیکھتے ہیں پھر احادیث میں سے جو نص قرآن سے موافق یا قریب ہوں ان کو ترجیح دیتے ہیں۔

شاگرد:۔ واقعی میں نے اب تک اس نکتہ پر غور نہیں کیا تھا مگر یہ شبہ اب بھی باقی ہے کہ حنفیہ بعض مسائل میں صحیح احادیث کے خلاف عمل کرتے ہیں۔

ظفر:۔ عزیز من! پہلے تم صحیح حدیث کی تعریف تو بیان کرو مگر دیکھو حدیث صحیح کی تعریف میں کسی کی تقلید نہ کرنا۔

شاگرد:۔ یہ سن کر کچھ دیر خاموش رہا اور پسینہ پسینہ ہو گیا پھر کہنے لگا کہ میں سمجھ گیا۔ واقعی بغیر تقلید کے کسی حدیث کو صحیح کہنا مشکل ہے۔ پھر بخاریؒ مسلم و ترمذی وغیرہ کی تقلید تو جائز ہو اور امام ابو حنیفہؒ امام مالکؒ اور امام شافعی کی تقلید ناجائز ہو۔ یہ کیونکر ہو سکتا ہے۔ اب میں مسلک اہل حدیث کو چھوڑتا ہوں اور مسلک حنفی اختیار کرتا ہوں۔

ظفر:۔ تم بہت جلدی سمجھ گئے اس سے دل خوش ہوا مگر میں اس کی اچھی طرح وضاحت کر دینا چاہتا ہوں کہ جو لوگ تقلید کا انکار کرتے اور تقلید کی مذمت کرتے ہیں وہ بھی کسی حدیث کو صحیح یا ضعیف یا حسن بغیر تقلید کے نہیں کہہ سکتے۔ رہا یہ عذر کہ حق تعالیٰ نے خبر صادق اور شہادت عادل کو قرار دیا ہے تو یہ تقلید نہیں بلکہ اتباع حجت ہے۔ میں کہتا ہوں کہ حدیث کو صحیح یا ضعیف کہنا محض حجت خبر نہیں بلکہ اس کا مدار محدث کے ظن و اجتہاد پر ہے۔ بعض دفعہ سند کے راوی سب ثقہ ہوتے ہیں مگر حدیث معلل ہوتی ہے اور حجت کی معرفت حاذقین ہی کو ہوتی ہے، ہر محدث کو نہیں ہوتی۔ ابن ابی حاتمؒ نے کتاب العلل میں عبدالرحمٰن بن مہدیؒ کا قول نقل کیا ہے کہ حدیث کی معرفت بھی الہام ہے۔ ابن نمیر نے کہا واقعی سچ ہے اگر محدث سے پوچھو کہ تم نے کیسے کہا (کہ یہ حدیث صحیح ہے یا معلل

ہے) تو اس کے پاس کچھ جواب نہ ہوگا۔ احمد بن صالحؒ فرماتے ہیں کہ حدیث کی معرفت بھی ایسی ہی ہے جیسے سونے اور پیتل کا پہچاننا۔ کیونکہ جوہر کو جوہری ہی پہچانتا ہے۔ پرکھنے والے سے اگر پوچھا جائے کہ تم نے اس کو کھرا اس کو کھوٹا کیسے کہا تو وہ کوئی دلیل نہیں بیان کر سکے گا۔ اس سے ثابت ہوگیا کہ ائمہ حدیث کا کسی حدیث کو صحیح یا معلل کہنا محض خبر نہیں بلکہ ان کا یہ قول ان کے ظن اور اجتہاد پر مبنی ہوتا ہے تو اس باب میں ان کی بات پر اعتماد کرنا عین تقلید ہے۔ علامہ ابن القیمؒ کا یہ فرمانا کہ یہ احکام میں تقلید نہیں، اس لئے صحیح نہیں کہ حدیث صحیح پر عمل کرنا شرعاً واجب اور ضعیف پر عمل کرنا غیر واجب اور موضوع پر عمل کرنا حرام ہے تو یہ تقلید احکام ہی میں ہے۔ غیر احکام میں تو نہیں۔ اسی لئے فقہاء نے بحث سنت کو اور اس کے قبول ورد کے قواعد کو اصول فقہ میں بھی بیان کیا ہے۔ علامہ ابن القیمؒ کا اس کو اتباع کہنا تقلید نہ کہنا لفظوں کا ہیر پھیر ہے۔ حقیقت ایک ہی ہے۔

عبار اتنا شتی وحسنک واحد. و کل الی ذاک الجمال یشیر،

عزیز من! قرآن کا صحیح پڑھنا واجب ہے یا نہیں؟ یقیناً واجب ہے اور غلط پڑھنا حرام ہے۔ اب تم بتاؤ کہ بغیر ائمہ قرأت کی تقلید کے تم قرآن صحیح پڑھ سکتے ہو؟ ہرگز نہیں! اور یہ بھی تقلید فی الاحکام ہی ہے۔ اسی طرح حدیث کو پہچاننا اور صحیح کو ضعیف سے الگ کرنا بھی واجب ہے اور اس میں تقلید ائمہ سے چارہ نہیں۔ پھر جماعت اہل حدیث کس منہ سے تقلید کا انکار کرتی ہے؟ پھر تم کو معلوم ہونا چاہیے کہ محدثین نے جو اصول حدیث کی صحت وضعف کے لئے مقرر کئے ہیں وہ آسمانی وحی سے مقرر نہیں کئے بلکہ اپنے ظن واجتہاد سے مقرر کئے ہیں ایسے ہی ہمارے فقہاء نے بھی صحت وضعف وحدیث کے لئے کچھ اصول مقرر کئے ہیں جو اصول فقہ کی بحث السنہ میں مذکور ہیں تو ہوسکتا ہے کہ ایک حدیث محدثین کے اصول پر صحیح ہمارے اصول پر ضعیف ہو تو اس میں نزاع کرنا غلط ہے دلائل میں غور کرنا چاہیے کہ دلیل سے کس کے اصول قوی ہیں آخر میں اتنا اور بتلا دوں کہ حنفیہ سے زیادہ حدیث کا اتباع کوئی نہیں کرتا۔ حنفیہ تو قرون ثلثہ میں مرسل اور منقطع کو بھی حجت مانتے ہیں جس کو اہل حدیث رد کر دیتے ہیں اور مراسیل مقاطیع کا ذخیرہ احادیث

مرفوعہ سے کم نہیں، کچھ زیادہ ہی ہے تو یہ لوگ حدیث کے آدھے ذخیرے کو چھوڑتے ہیں۔ پھر مرفوعات میں سے بھی یہ لوگ صحیح یا حسن ہی کو لیتے ہیں۔ ضعیف کو رد کر دیتے ہیں اور حنفیہ کے نزدیک ضعیف حدیث بھی قیاس سے مقدم ہے بلکہ قول صحابی وقول تابعی بھی قیاس سے مقدم ہے اب تم ہی بتلاؤ کہ عامل بالحدیث کون ہے اور تارک حدیث کون؟ رہا یہ کہ بعض مسائل میں حنفیہ حدیث صحیح کو چھوڑ دیتے ہیں اس کا جواب میں پہلے دے چکا ہوں کہ اس صورت میں جس حدیث پر حنفیہ نے عمل کیا ہے۔ وہ ان کے اصول پر صحیح تھی گو محدثین کے نزدیک ضعیف ہو۔ حنفیہ کے نزدیک صحت حدیث کا مدار صرف سند پر نہیں بلکہ اس کے لئے کچھ اور بھی شرائط ہیں جو اصول فقہ میں مذکور ہیں اور ہم نے مقدمہ اعلاء السنن میں بھی ان کو بیان کر دیا اور مقدمہ اعلاء السنن کے دوسرے حصہ میں تقلید واجتہاد پر مفصل کام کیا گیا ہے جو زیر طبع ہے۔

شاگرد:۔ الحمد للہ اب میری آنکھیں کھل گئی ہیں اور میں اہلحدیث کے مغالطہ سے نکل گیا ہوں۔ والحمد لله رب العلمین.

(از حضرت مولانا ظفر احمد صاحب عثمانی رحمہ اللہ)

﴿منکرین حدیث خارجی ہیں﴾

حضرت مولانا موصوف رحمہ اللہ کا یہ مضمون کافی عرصہ سے دفتر الصدیق کو موصول ہو چکا تھا لیکن بعض وجوہ (جن کا ذکر سابقہ اشاعتوں میں ہو چکا ہے) کی بناء پر اس مضمون کے طبع ہونے میں تاخیر درتاخیر ہوتی گئی۔ ادارہ الصدیق حضرت مولانا سے اس تاخیر کے لئے معذرت خواہ ہے نیز حضرت والا کا ایک اور مضمون ''تاریخ الخطیب کا پس منظر'' کے نام سے منکرین حدیث کے رد میں دفتر کو موصول ہو چکا ہے انشاء اللہ تعالیٰ الصدیق کے آئندہ شمارہ میں وہ بھی شائع کیا جائے گا۔ واللہ ھو المستعان. (مدیر)

خاتمۃ الحفاظ علامہ حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ صفحہ ۳۵۸ جلد ا فتح الباری میں ارشاد فرماتے ہیں۔

﴿ ویقال لمن یعتقد مذهب الخوارج حروری لان اول فرقة منهم خرجوا علیٰ علیّ رضی اللّٰه عنه بالبلدة المذکورة ای حروراء علی میلین من الکوفة فاشتهروا بالنسبة الیها وهم فرق کثیرة لکن من اصولهم المتفق علیها بینهم الاخذ بمادل علیه القرآن ورَدّ ما زاد علیه من الحدیث مطلقاً اھ ﴾

ترجمہ'' جولوگ مذہب خوارج کے معتقد ہیں ان کو حروری کہا جاتا ہے کیونکہ ان کی پہلی جماعت نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے مقابلہ میں اسی شہر حروراء سے خروج کیا تھا جو کوفہ سے دو میل پر تھا اسی کی طرف ان کی نسبت مشہور ہوگئی ان کے بہت سے فرقے ہیں لیکن اس اصول پر سب کا اتفاق ہے کہ وہ اسی بات کو مانتے ہیں کہ جو قرآن سے ثابت ہو وہی صحیح ہے اور حدیث سے جو کچھ اس کے

علاوہ معلوم ہو اس کو مطلقاً رد کر دیتے ہیں۔''

ہندوستان اور پاکستان میں یہ فرقہ اہل قرآن کے نام سے مشہور ہے ان کا بھی یہی اصول ہے کہ صرف قرآن کو حجت کہتے ہیں۔ حدیث رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کو حجت نہیں مانتے اس فرقے کی ابتداء ہندوستان میں عبداللہ چکڑالوی سے ہوئی تھی۔ علمائے وقت نے اس کے دعویٰ کی قلعی اچھی طرح کھول دی تھی اور عام طور سے سب مسلمان اس کو نفرت کی نگاہ سے دیکھنے لگے تھے۔ چنانچہ اس کی موت کے ساتھ ہی اس کا مذہب بھی مردہ ہو گیا تھا۔ مگر اب کچھ دنوں سے پھر اس مذہب نے سر ابھارا ہے جس کے ماہنامے اور ہفتہ وار رسالے شائع ہو رہے ہیں۔ مسلمانوں کو ہوشیار ہو جانا چاہیے۔ یہ جماعت خارجی ہے اور اسی خارجی فرقہ کی یادگار ہے جس کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا۔

﴿یخرج قوم فی آخر الزمان احداث الاسنان سفهاء الاحلام یقرؤن القرآن لایجاوز حنا جرهم یما قون من الدین مروق السهم من الرّمیة یقتلون اهل الاسلام ویدعون اهل الاوثان لئن انا ادرکتهم لا قتلنهم قتل عاد رواه الشیخان وغیرهما.﴾

آخر زمانے میں ایک قوم نکلے گی نوجوانوں کا جتھا ہوگا عقل کے کورے ہوں گے قرآن پڑھیں گے مگر گلے سے آگے (دل میں) نہ اترے گا۔ دین سے ایسے نکل جائیں گے جیسے تیر شکار میں سے نکل جاتا ہے مسلمانوں کو قتل کریں گے بت پرستوں کو چھوڑ دیں گے (چنانچہ خارجیوں نے ہمیشہ مسلمانوں ہی کے مقابلہ میں تلوار اٹھائی کفار سے کبھی جہاد نہیں کیا) اگر میں نے ان کو پا لیا تو اس طرح قتل کروں گا جیسا (خدا نے) قوم عاد کو تباہ کیا (یہ حدیث بخاری و مسلم اور جملہ کتب صحاح میں موجود ہے) تاریخ اسلام شاہد ہے کہ خارجیوں نے سب سے پہلے حضرت علی رضی اللہ عنہ کا مقابلہ کیا پھر برابر خلفائے اسلام پر خروج کرتے رہے یہ لوگ حضرت عثمان اور حضرت علی اور حضرت معاویہ سب کو کافر کہتے تھے اس لئے کوئی عثمانی یا علوی اور سید کبھی خارجی (منکر حدیث)

نہیں ہوسکتا اسی طرح صدیقی، فاروقی خانوادے بھی منکر حدیث (خارجی) نہیں ہوسکتے کیونکہ یہ سب کے سب تمام صحابہ کا احترام کرتے ہیں اوران کی پوری عزت کرتے ہیں۔ ہندوستان اور پاکستان میں یہ فتنہ عجمی لوگوں کا لایا ہوا ہے۔عربی خاندان اس سے بالکل بے زار ہیں وہ برابر حدیث نبوی کا درجہ قرآن کے بعد مانتے آئے ہیں اور حدیث کو دینی حجت سمجھتے ہیں۔ یہ جماعت گوحضرت علی حضرت عثمان حضرت معاویہ کو کافر نہیں کہتی مگر انکار حدیث میں اسی خارجی فرقہ کی یادگار ہے کیونکہ حدیث نبوی کو حجت نہ سمجھنا فرقہ خوارج ہی کا اصول ہے ورنہ تمام مسلمان برابر قرآن کے بعد حدیث نبوی کو دوسرے درجہ میں دینی حجت مانتے آئے ہیں۔ خارجیوں کے سوا کسی نے یہ جرأت نہیں کی کہ حدیث شریف کے دینی حجت ہونے سے انکار کردے اور گو یہ جماعت ظاہر میں عبداللہ چکڑالوی کی جماعت سے اپنے کو الگ کرتی ہے اور اس کا دعویٰ ہے کہ ہم اہل قرآن کی طرح حدیثوں کو اٹھا کر نہیں پھینکتے مگر حقیقت میں دوسرے عنوان سے یہ لوگ اسی مذہب کو فروغ دینا چاہتے ہیں اور جس حیثیت سے وہ حدیث کو ماننے کا دعویٰ کرتے ہیں وہ نہ ماننے سے بھی بدتر ہے۔ کیونکہ ان کا دعویٰ یہ ہے کہ قرآن نے صرف دین کے اصول دیئے ہیں اور بجز چند احکام کے باقی امور کی جزئیات خود متعین نہیں کیں بلکہ اسے قرآنی نظام (یعنی اسلامی اسٹیٹ) پر چھوڑ دیا ہے۔ان جزئیات کو سب سے پہلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے متعین کیا تھا۔ اب یہ چیز قرآنی نظام (اسلام اسٹیٹ) کے دیکھنے کی ہوتی ہے کہ کسی پہلے سے متعین شدہ جزئیات میں زمانہ کے تقاضوں کے مطابق کسی تبدیلی کی ضرورت ہے یا نہیں الخ (ملاحظہ ہو طلوع اسلام مورخہ ۵ فروری ۱۹۵۵ء صفحہ ۱۰)

یہ بات اس شخص کے جواب میں کہی جا رہی ہے جو پوچھتا ہے کہ اگر تمام حدیثوں کو اٹھا کر پھینک دیں تو نماز کیسے پڑھیں؟ جواب کا حاصل یہ ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو کچھ قرآن کی تشریح میں فرمایا ہے وہ بحیثیت رسول و نبی کے نہیں بلکہ بحیثیت ہیڈ آف دی اسٹیٹ کے فرمایا ہے اور جب کبھی طلوع اسلام کی تجویز کے مطابق قرآنی نظام (اسلامی اسٹیٹ) قائم ہوگا اس کے ہیڈ آف دی اسٹیٹ کو حق حاصل ہوگا کہ اپنے زمانے کے تقاضوں کے مطابق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی متعین کردہ جزئیات

میں ردو بدل کر دے اور یہ اختیار صرف سیاسیات ہی میں نہیں بلکہ عبادات و معاملات میں بھی اسے ردو بدل کرنے کا پورا اختیار ہے خدانخواستہ اگر طلوع اسلام کا تجویز کردہ نظام قائم ہوگیا (جس میں سنت رسول اور حدیث نبوی کی یہ درگت بنائی جائے گی) تو مسلمانوں کو ہوشیار ہو جانا چاہیے کہ اس جماعت کے نزدیک اس وقت کے ہیڈ آف اسٹیٹ کو نماز کی صورت بدلنے کا بھی حق حاصل ہوگا۔ روزہ اور حج و زکوٰۃ و نکاح و طلاق سب کی صورتیں بدل کر نئی نئی جزئیات متعین کرنے کا بھی پورا اختیار ہوگا یقیناً اس صورت حال کے متعلق ہر مسلمان کا فیصلہ یہی ہوگا کہ حدیث رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کی یہ درگت بنا کر اس جماعت کا یہ کہنا کہ ہم حدیث کو مانتے ہیں اس کے ماننے سے بدتر ہے قرآنی نظام اگر ایسی ہی موم کی ناک ہے جس کو ہر ہیڈ آف اسٹیٹ جب چاہے جس طرح چاہے بدل سکتا ہے تو ایسا نظام طلوع اسلام ہی کو مبارک ہو۔

مسلمانانِ عالم ایسے نظام کو قرآنی نظام ہرگز نہیں مان سکتے۔ چودہ سو برس سے تمام مسلمانوں کا یہی عقیدہ ہے کہ نماز، روزہ، حج، اور زکوٰۃ کے فرائض و ارکان میں کسی نظام کو بھی ردو بدل کرنے کا کوئی حق نہیں۔ اسی طرح نکاح و طلاق، بیوع و میراث اور حدود شرعیہ میں کسی کو تبدیلی کا کوئی حق نہیں۔ نصوص قرآن کی جو تشریح تعیین، جزئیات کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرما دی ہے اس کو نہ کوئی خلیفہ بدل سکتا ہے نہ ہیڈ آف دی اسٹیٹ کیونکہ آپ کی یہ تشریح خدا کے حکم سے خدا کا رسول و نبی ہونے کی حیثیت سے ہے۔ وَاَنْزَلْنَا اِلَیْکَ الذِّکْرَ لِتُبَیِّنَ لِلنَّاسِ ما نُزِّلَ اِلَیْهِمْ (سورہ نحل) اور ہم نے آپ پر یہ قرآن نازل کیا ہے تا کہ آپ لوگوں کے سامنے اس چیز کو بیان کر دیں جو ان کی طرف نازل کی گئی ہے۔ اس حیثیت میں کوئی خلیفہ یا ہیڈ آف دی اسٹیٹ آپ کا شریک نہیں آپ پر نبوت و رسالت ختم ہو چکی ہے تو آپ کی تشریح و تعیین کے بدلنے کا بھی کسی کو حق نہیں۔ خلیفہ یا اس کی جماعت اہل شوریٰ کو اگر ان میں اجتہاد کی اہلیت ہو صرف ایسے امور میں اجتہاد کا حق ہے جن کے متعلق قرآن و حدیث میں کوئی نص موجود نہ ہو اور اگر اہلیت اجتہاد مفقود ہو تو ان کو خود اجتہاد کرنے کا حق نہ ہوگا بلکہ آئمہ مجتہدین کا اتباع لازم ہوگا جن کے متعلق قرآن کا حکم ہے فَاسْئَلُوْا اَهْلَ الذِّکْرِ اِنْ کُنْتُمْ لَا

تَعْلَمُوْنَ اگر تم کو کسی بات کا علم نہ ہو تو جاننے والوں سے پوچھو۔ طلوع اسلام کی ناواقفیت ...... ملاحظہ ہو کہ وہ ایک طرف تو زہری جیسے حافظ حدیث امام و حجت پر اپنے صفحات میں جرح و تنقید کے لئے قلم تیز کرتا ہے اور دوسری طرف خطیب بغدادی جیسے مورخ کی تاریخ سے امام ابوحنیفہؒ کی طرف ایسے رکیک اور بے ہودہ اقوال منسوب کرتا ہے جن سے بظاہر امام ابوحنیفہؒ حدیث نبوی کے ساتھ گستاخی اور بے ادبی کرنے والے نظر آتے ہیں اور اس طرح وہ اپنے لئے حدیث نبویؐ کے ساتھ گستاخی و بے ادبی کی سند جواز حاصل کرنا چاہتا ہے اس کو معلوم ہونا چاہیے کہ تاریخ خطیب بغدادی کی ان ہفوات اور خرافات کا رد سب سے پہلے ملک معظم عیسیٰ بن ابی بکر ایوبی نے اپنی کتاب السہم المصیب فی کید الخطیب میں کیا ہے۔ جو خدیو مصر کے حکم سے تاریخ خطیب کے ساتھ ہی طبع کر دی گئی تھی۔ مگر طلوع اسلام کی بلا کو غرض پڑی تھی کہ جو اس رد کو مطالعہ کر لیتا؟

یہ بادشاہ صلاح الدین ایوبی کے خاندان میں بہت بڑا عالم محدث و فقیہ حنفی تھا۔ نیز اسی زمانہ میں علامہ سبط بن الجوزی نے بھی اپنی کتاب الانتصار لامام ائمۃ الامصار میں تاریخ خطیب کی ان روایات و ہفوات کی اچھی طرح قلعی کھولی ہے۔ پھر ابوالموید خوارزمی نے جامع مسانید الامام کے مقدمہ میں اس کا پوری طرح رد کیا ہے اور حال ہی میں علامہ مصر شیخ محمد زاہد کوثری رحمہ اللہ علیہ نے (جن کا ابھی دو سال ہوئے انتقال ہو گیا ہے) اپنی کتاب تانیب الخطیب فی ماساقہ ترجمہ ابی حنیفہ من الاکاذیب میں ثابت کر دیا ہے کہ خطیب نے جن راویوں کو خود ہی کذاب اور وضاع قرار دیا ہے ان ہی کے واسطہ سے اس کتاب میں امام ابوحنیفہؒ کی شان میں غلط اور جھوٹ باتیں روایت کر کے اپنی تاریخ کو داغدار کر دیا ہے۔ عاقل کے لئے اتنا اشارہ کافی ہے۔ انشاء اللہ تعالیٰ آئندہ نمبروں میں طلوع اسلام اور اس کی جماعت کی غلط بیانیوں کا پردہ اچھی طرح چاک کیا جائے گا۔

ظفر احمد عثمانی عفا اللہ عنہ شیخ الحدیث دار العلوم الاسلامیہ ٹنڈو الہ یار سندھ

ضروری نوٹ:۔ قسط نمبر ۱۸ کے بعد مزید کوئی قسط شائع ہوئی یا نہیں؟ یہ بات بھی قابل تحقیق ہے۔ سنا ہے کہ اس کے بعد حضرتؒ کو لکھنے کا موقع نہیں مل سکا۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

﴿خطیب بغدادی اور منکرین حدیث﴾

از مولانا ظفر احمد صاحب عثمانی رحمہ اللہ تعالیٰ

الصدیق کے مدح صحابہ نمبر میں امام اعظم ابوحنیفہ رحمتہ اللہ علیہ کی شان میں منکرین حدیث کی ہرزہ سرائیوں کا اجمالی جواب مذکور ہو چکا ہے۔ اب اجمالی جواب کے بعد کسی عاقل کے لئے تو تفصیلی جواب کی ضرورت باقی نہیں رہتی مگر عوام کی تسلی کے لئے میں طلوع اسلام بابت دسمبر ۱۹۵۳ھ کے ایک مقالہ پر جس کا عنوان ''مقام حدیث امام اعظم ابوحنیفہؒ کی نظر میں'' ہے۔ تفصیل کے ساتھ گفتگو کرنا چاہتا ہوں۔ (مولف)

الف:۔ طلوع اسلام نے دعویٰ کیا ہے کہ امام اعظم نے تدوین فقہ میں حدیثوں سے بہت کم مدد لی ہے۔ یہ محض افتراء ہے امام صاحب سے زیادہ حدیث کا اتباع کرنے والا کوئی بھی نہیں۔ دنیا جانتی ہے کہ امام صاحب کے نزدیک کتاب اللہ کے بعد حدیث حتی کہ حدیث مرسل بھی حجت ہے ضعیف حدیث بھی حجت ہے جو چند طرق سے مروی ہو۔ قول صحابی بھی قیاس سے مقدم ہے۔ امام صاحب کا یہ قول عام و خاص ہر طبقہ کے علماء میں مشہور ہے کہ

﴿کان ابو حنیفة یقول ما جاء نا عن اللّٰه و رسوله قبلناه علی الرأس و العین وما جاء نا عن الصحابة اخترنا احسنه ولم نخرج عن اقاویلهم وما جاء نا عن التابعین فهم رجال ونحن رجال وقال ایضاً من کان من الائمة التابعین افتی فی زمن الصحابة وزاحمهم فی الفتوی وسوّغ واله الاجتهاد فانا اقلده مثل شریح و مسروق و

علقمة من مقدمة البخاری و اعلاء السنن نقلا من کتب الاصول للحنفیه کالتوضیح وغیرہ ۔ ٭

''ہمارے پاس جو کچھ اللہ کے پاس سے آیا ہے (قرآن) اور اس کے رسول کے پاس سے آیا ہے (حدیث) ہم اس کو سر آنکھوں پر رکھ کر قبول کرتے ہیں اور جو کچھ صحابہ کی باتیں آئی ہیں ہم ان میں سے بہتر کو لے لیتے ہیں (اور سب ہی بہترین ہیں) اور ان کے اقوال سے باہر نہیں جاتے اور جو باتیں تابعین سے آتی ہیں تو وہ بھی آدمی ہیں۔ ہم بھی آدمی ہیں۔ نیز یہ بھی فرماتے تھے کہ آئمہ تابعین میں سے جو حضرات صحابہ کے زمانہ میں فتویٰ دیتے تھے اور صحابہ کے فتاویٰ سے مزاحمت کرتے تھے اور صحابہ نے ان کو اجتہاد کا اہل قرار دیا تھا میں ان کی بھی تقلید کرتا ہوں جیسے قاضی شریح اور مسروق وعلقمہ ۱۲۔''

٭قال ابن حزم جمیع الحنفیه مجتمعون علی ان مذهب ابی حنیفة ان ضعیف الحدیث عنده اولیٰ من الرأی فتامل هذا الاعتناء العظیم بالاحادیث و جلالتها وموقعها عندهٗ من الخیرات الحسان (ص ۷۸) وقال علی القاری فی المرقاة ان مذهبهم القوی تقدیم الحدیث الضعیف علی القیاس المجرد الذی یحتمل التزییف ٭(ص ۳ ج ۱)

''ابن حزم کہتے ہیں کہ سب حنفیہ کا اس پر اتفاق ہے کہ امام ابوحنیفہؒ کا مذہب یہ ہے کہ ضعیف حدیث ان کے نزدیک رائے سے مقدم ہے۔ حدیث کے اس قدر اہتمام اور اس کی عظمت وجلالت کو دیکھو جو اس امام کے نزدیک تھی (خیرات حسان) علی قاری مرقاۃ میں

فرماتے ہیں ۔ حنفیہ کا مذہب قوی یہ ہے کہ ضعیف حدیث اس تنہا قیاس پر مقدم ہے جس میں غلطی کا احتمال ہے۔'' (مرقاۃ)

○ وقال ابن القيم في اعلام الموقعين واصحاب ابي حنيفة مجتمعتون على ان مذهب ابي حنيفة ان ضعيف الحديث عنده اولى من القياس والرأى وعلى ذلك بنى مذهبه كما قدم حديث القهقة مع ضعفه على القياس والرأى وقدم حديث الوضوء بنبيذ التمر في السفر مع ضعفه على الرأى والقياس و منع قطع السارق بسرقة اقل من عشرة دراهم والحديث فيه ضعيف الى ان قال وليس المراد بالضعيف في اصطلاح السلف هو الضعيف في اصطلاح المتأخرين بل مايسميه المتاخرون حسنا (لغيره اذا تأيد بالشواهدو نحوها) قد سميه المقتدمون ضعيفا كما تقدم بيانه اھ ﷺ (ج ا ص ۲۷)

''ابن القیم اعلام الموقعین میں فرماتے ہیں امام ابوحنیفہ کے اصحاب کا اس پر اتفاق ہے کہ ابوحنیفہ کا مذہب یہ ہے کہ ان کے نزدیک ضعیف حدیث قیاس ورائے سے مقدم ہے۔ اسی قاعدہ پر ان کے مذہب کی بنیاد قائم ہے۔ چنانچہ انہوں نے حدیث قہقہہ کو باوجود ضعف کے رائے اور قیاس پر مقدم کیا (امام صاحب کے نزدیک نماز میں قہقہہ سے نماز کے ساتھ وضو بھی ٹوٹ جاتا ہے) اسی طرح نبیذ تمر سے سفر میں وضو کو جائز کہتے ہیں یہاں بھی ضعیف حدیث کو رائے اور قیاس پر مقدم کیا۔ اسی طرح دس درہم سے کم قیمت کا مال چوری کرنے سے ہاتھ کاٹنے کو منع کرتے ہیں۔ یہاں بھی ضعیف حدیث کو رائے پر مقدم کیا مگر سلف کی اصطلاح میں ضعیف سے وہ

مراد نہیں جس کو متاخرین ضعیف کہتے ہیں بلکہ جس کو متاخرین حسن (لغیرہ) کہتے ہیں اس کو متقدمین ضعیف کہتے ہیں۔"

﴿وقال ایضاً ان لم یخالف الصحابی صحابی آخر فاما ان یشتهر قوله فی الصحابة او لا یشتهر فان اشتهر فالذی علیه جما هیر الطوائف من الفقهاء انه اجماع وحجة و ان لم یشتهر قوله اولم یعلم هل اشتهر ام لا فاختلف الناس هل یکون حجة ام لافا لذی علیه جمهور الامة انه حجة هذا قول جمهور الحنفیة صرح به محمد ابن الحسن و ذکر عن ابی حنیفة نصاً وهو مذهب مالک و اصحابه وهو منصوص الامام احمد فی غیر موضع عنه و اختیار جمهورا صحابه وهو منصوص الشافعی فی القدیم والجدید اه﴾

"نیز اعلام الموقعین میں ہے اگر کسی صحابی (کے قول) کی مخالفت دوسرے صحابہ نے نہ کی ہو۔ تو اس کی دو صورتیں ہیں یا تو وہ قول صحابہ میں مشہور ہو گیا تھا یا مشہور نہیں ہوا، اگر مشہور ہو گیا ہے تو فقہا کی سب جماعتوں کا مذہب ہے کہ ایسا قول حجت ہے اور اجماع ہے۔ اور اگر مشہور نہیں ہوا یا ہم کو خبر نہیں کہ مشہور ہوا یا نہیں اس میں اختلاف ہے کہ ایسا قول حجت ہے یا نہیں؟ سو جمہور امت کا قول یہ ہے کہ یہ بھی حجت ہے۔ جمہور حنفیہ کا یہی مذہب ہے۔ امام محمد نے اس کی تصریح کی ہے اور امام ابوحنیفہ سے واضح طور پر اس کو روایت کیا ہے یہی امام مالک اور ان کے اصحاب کا مذہب ہے۔ اسی کی امام احمد نے مختلف مقامات میں اور امام شافعی نے قدیم و جدید کتابوں میں تصریح کی ہے۔" (اھ ص ۲۱۴ ج ۲)

علامہ ذہبی نے امام ابوحنیفہ کو اپنی کتاب تذکرۃ الحفاظ میں حفاظ حدیث میں شمار کیا ہے۔ جن کے اجتہاد و رائے کی طرف حدیث کی تصحیح و تضعیف میں رجوع کیا جاتا ہے۔ ابن خلدون مؤرخ لکھتا ہے کہ امام ابوحنیفہؒ کا فن حدیث میں بڑا مجتہد ہونا اس سے معلوم ہوسکتا ہے کہ امت کو ان کے مذہب پر اعتماد اور بھروسہ ہے۔ ابن القیم نے اعلام الموقعین میں یحییٰ بن آدم کا قول نقل کیا ہے کہ امام ابوحنیفہ نے اپنے شہر کی تمام حدیثیں جمع کرلی تھیں۔ ان میں اول سے آخر تک خوب نظر کی تھی۔ خطیب نے اسرائیل میں یونس سے نقل کیا ہے کہ امام ابوحنیفہؒ بڑے ہی اچھے تھے۔ ان احادیث کے بڑے حافظ تھے جن میں احکام کا ذکر ہے اور ایسی حدیثوں کو بہت تلاش کرتے اور ان کے فقہی احکام کو خوب جانتے تھے۔ یحییٰ بن معین (امام اہل نقد) کا قول ہے کہ میں نے کسی کو نہیں دیکھا جسے وکیع پر ترجیح دوں اور وہ امام ابوحنیفہ کی رائے پر فتویٰ دیتے اور ان کی سب حدیثوں کے حافظ تھے ابوحنیفہؒ سے انہوں نے بہت حدیثیں سنیں تھیں۔ یحییٰ بن معین سے کسی نے پوچھا کیا ابوحنیفہؒ سے حدیث سنی جائے؟ کیا وہ ثقہ ہیں میں نے کسی کو انہیں ضعیف کہتے نہیں سنا۔ یہ شعبہ ابن الحجاج ان کو لکھتے ہیں کہ میرے حکم سے حدیث کا درس دو اور شعبہ تو شعبہ ہی ہیں (جن کا لقب امیر المومنین فی الحدیث ہے یعنی حدیث کے بادشاہ) محمد بن سماعہ کا قول ہے کہ امام نے اپنی تصانیف میں (یعنی ان مسائل میں جو شاگردوں کو لکھوائے تھے) ستر ہزار سے اوپر حدیثیں بیان کی ہیں اور کتاب الآثار کو چالیس ہزار احادیث میں سے انتخاب کیا ہے۔ اھ

امام صاحب کے املا کردہ مسائل کا یہ مجموعہ تو اب ناپید ہوگیا مگر امام محمد کی ظاہر روایت اور نوادر اور امام ابو یوسف کی امالی و کتاب الخراج اور کتب ابن المبارک وغیرہ سے ان مسائل کا انتخاب کیا جائے جو حدیث و آثار کے موافق ہیں خواہ صراحۃً ہوں یا دلالۃً تو امید ہے کہ ستر ہزار کے اوپر ہی ہوں گے اور اتنی بڑی مقدار کا حدیث کے موافق ہوجانا بغیر اس کے ممکن نہیں کہ امام صاحب نے ان احادیث کو روایت کیا ہو۔

عقود الجمان

یہ تو وہ احادیث ہیں جن کو امام صاحب نے فقیہانہ طرز پر اپنے جوابات میں بطور فتویٰ کے بیان فرمایا ہے اس کے بعد ان احادیث کا جائزہ لیا جائے جو آپ نے محدثانہ طریقہ پر روایت کی ہیں تو حافظ محمد بن یوسف صالحی شافعی عقود الجمان میں فرماتے ہیں کہ امام ابو حنیفہ اکابر حفاظ حدیث میں بڑے درجہ کے لوگوں میں تھے۔ اگر ان کو حدیث کا اس قدر اہتمام نہ ہوتا تو اس کثرت سے مسائل فقہیہ کا استنباط ممکن نہ تھا۔

مسانید الانام

اس کے بعد انہوں نے بہت سی روایات بیان کیں جن سے امام ابو حنیفہ کے پاس احادیث کا بڑا ذخیرہ جمع ہونا ثابت ہوتا ہے۔ انہوں نے امام صاحب کے سترہ مسانید کی سندات بڑی تفصیل سے بیان کیں جو ان مسانید کے جمع کرنے والوں تک پہنچتی ہیں۔ جن کے اسما گرامی یہ ہیں۔ حماد بن ابی حنیفہ۔ امام ابو یوسف، امام محمد بن حسن، حسن بن زیاد بولوی، حافظ ابو محمد حارثی، حافظ ابن ابی العوام، حافظ طلحہ بن محمد (العدل)، حافظ ابن المظفر ، حافظ ابن عدی، حافظ ابو نعیم اصبہانی، عمر بن الحسن اشنانی، ابوبکر کلاغی، ابوبکر بن المقری، حافظ ابن خسرو، ابوعلی البکری پھر فرماتے ہیں کہ ہم ان مسانید کو اجازۃً حافظ خیر الدین الری کے طریق سے محمد بن سراج عمر حانوتی سے روایت کرتے ہیں حافظ شمس بن لمولون نے بھی ان سترہ مسانید کی سندیں فہرست اوسط میں بیان کی ہیں۔ بلکہ خطیب بھی جب دمشق گئے اپنے ساتھ دارقطنی کا مسند ابی حنیفہؒ لے گئے تھے اور مسند ابی حنیفہ لابن شاہین بھی ہمراہ تھا اور ایک مسند ابی حنیفہ خود خطیب نے بھی لکھا ہے یہ ان سترہ مسانید کے علاوہ ہیں۔ جن کا ذکر عقود الجمان میں ہے۔

ابن عقدہ

اور علامہ بدر الدین عینی نے اپنی تاریخ کبیر میں لکھا ہے کہ حافظ ابن عقدہ

نے جو مسند ابی حنیفہؒ جمع کیا ہے وہ تنہا ایک ہزار احادیث سے زائد پر مشتمل ہے یہ بھی مسانید مذکورہ کے علاوہ ہے۔ حافظ سیوطی نے تعقبات اعلی الموضوعات) میں فرمایا ہے کہ ابن عقدہ حفاظ حدیث میں بڑے درجہ پر ہے لوگوں نے اس کو ثقہ کہا ہے۔ متعصب کے سوا کسی نے اس کو ضعیف نہیں کہا۔ اھ

(امام محمدؒ وابو یوسف کے علاوہ) امام زفرؒ کی بھی ایک کتاب الآثار ہے جس میں وہ کثرت سے امام صاحب کی احادیث روایت کرتے ہیں اور حدیث میں امام زفرؒ کے دو نسخوں کا تذکرہ حاکم کی علوم الحدیث میں بھی موجود ہے (یہ کتاب الآثار کے علاوہ ہیں) ان مسانید وآثار کے سوا امام محمد کی موطا اور کتاب الحجج اور امام ابو یوسف کی امالی اور کتاب الرد علی سیر الاوزاعی اور کتاب اختلاف ابن لیلی وابی حنیفہ۔ اور مسند وکیع بن الجراح اور کتب ابن المبارک اور کتب حسن بن زیاد اور مصنف ابن ابی شیبہ ومصنف عبدالرزاق اور مستدرک حاکم اور صحیح ابن حبان وثقات ابن حبان اور سنن کبری بیہقی اور کتب دارقطنی اور معاجم ثلثہ طبرانی اور جامع سفیان اور سنن کبری للنسائی وغیرہ کتب احادیث سے امام صاحب کی حدیثوں کو جمع کیا جائے تو بڑی ضخیم کتاب تیار ہو جائے گی۔ اس کے باوجود بھی جو بعض محدثین نے امام صاحب کو قلیل الحدیث کہا ہے (کہ ان کی حدیثیں کم ہیں) اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ عام محدثین کی طرح حدثنا واخبرنا کہہ کر ہر باب کی ہزاروں حدیثیں بیان کرتے تھے نہ ان کی طرح درس حدیث کا ایسا حلقہ جماتے جس میں ہر کس و ناکس جلاہا۔ تیلی۔ موچی۔ بزار۔ حلاق وحجام اور ہر طبقہ کے لوگ جمع ہو کر حدیث سنا کریں بلکہ وہ صرف فقہ حاصل کرنے والے مخصوص علماء کے سامنے احادیث احکام وآثار احکام بیان کرتے اور ان سے مسائل کا استنباط کرتے اور استنباط کا طریقہ بتلاتے تھے۔ چنانچہ امام شافعی اور امام مالک سے بھی عام محدثین کی طرح زیادہ حدیثیں روایت نہیں کی گئیں۔

ب۔ طلوع اسلام میں دوسرا عنوان یہ قائم کیا گیا ہے کہ امام ابوحنیفہ احادیث کو ناقابل تبدیل نہیں سمجھتے تھے اور ضرورت پڑنے پر سختی سے رد کر دیا کرتے تھے۔ پھر سفیان بن عیینہ کا قول نقل کیا ہے کہ میں نے ابوحنیفہ سے زیادہ کسی کو اللہ پر جرأت کرنے والا نہیں

دیکھا وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیثوں کے لئے مثالیں گھڑتے اور ان کو رد کر دیا کرتے تھے ان کو معلوم ہوا کہ میں یہ حدیث روایت کرتا ہوں البیعان بالخیار مالم یتفرقا ابوحنیفہ کہنے لگے ذرا بتلاؤ تو سہی اگر دونوں کسی ایک کشتی میں سفر کر رہے ہوں۔" الخ اس روایت سے یہ اخذ کرنا کہ امام صاحب احادیث کو نا قابل تبدیل نہیں جانتے تھے۔ ماروں گھٹنا پھوٹے آنکھ کا مصداق ہے۔ اس کے کس نقطہ سے یہ مفہوم پیدا کیا گیا......؟ رہا سفیان بن عیینہ کی طرف یہ قول منسوب کرنا کہ امام صاحب حدیث کو رد کر دیتے تھے۔ سو یہ سفیان بن عیینہ وہی ہیں جو فرماتے ہیں۔

﴿اول من اقعدنی للحدیث و فی روایة اول من صیرنی مُحدّثا ابو حنیفة قدمت الکوفة فقال ابو حنیفة ان هذا اعلم الناس بحدیث عمرو بن دینار فاجتمعوا علی فحدثتهم﴾

(ترجمہ) "مجھے سب سے پہلے جس شخص نے درس حدیث کے لئے بٹھلایا۔ ایک روایت میں یہ کہ جس نے سب سے پہلے مجھے محدث بنایا وہ ابوحنیفہ ہیں کیونکہ میں جب کوفہ پہنچا تو ابوحنیفہ نے فرمایا یہ شخص عمرو بن دینار کی حدیثوں کو سب سے زیادہ جاننے والا ہے۔ اس بات کے سنتے ہی لوگ میرے پاس جمع ہو گئے اور میں نے ان سے حدیث بیان کی۔" (خطیب)

جس سے معلوم ہوا کہ امام صاحب فقط محدث ہی نہیں بلکہ محدث گر بھی تھے۔ جس کی تعریف کر دیتے لوگ اس کے گرد جمع ہو جاتے سفیان بن عیینہ امام صاحب کے شاگرد ہیں مسانید ابی حنیفہ میں امام صاحب سے ان کی روایات موجود ہیں۔ بالخصوص مسند حارثی میں سب سے زیادہ ہیں (ابن ابی العوام ابن عبد البر ملاحظہ ہو تانیب الخطیب للکوثری ص ۱۵۵) اس لئے تاریخ بغداد کی یہ روایات ہرگز قابل اعتبار نہیں اس کی سند میں ابراہیم بن بشار رمادی دھرا ہوا ہے۔ جس کے متعلق ابن ابی حاتم نے امام احمد کا یہ قول

نقل کیا ہے کہ یہ شخص ہمارے ساتھ سفیان کے درس میں آتا تھا۔ پھر لوگوں کو وہ حدیثیں املا کراتا تھا جو سفیان سے سنی گئی تھیں۔ تو بعض دفعہ ایسی باتیں بھی املا کرا دیتا جو لوگوں نے نہیں سنی تھیں میں نے اس سے کہا تو خدا سے نہیں ڈرتا ایسی باتیں لکھواتا ہے جو لوگوں نے سفیان سے نہیں سنیں اور اس کی بہت سخت مذمت کی اھ۔ تو جو شخص حدیث رسول میں زیادتی کرنے سے بھی نہیں ڈرتا وہ ابوحنیفہ اور سفیان کی باتوں میں کیا خاک احتیاط کرے گا؟ ص ۸۲۔ پھر اس مسئلہ میں امام صاحب نے حدیث کو رد کب کیا ہے؟ ان کے نزدیک اس میں تفرق سے مراد تفرق بالا بدان نہیں بلکہ تفرق بالا قوال ہے شافعیہ نے تفرق بالا بدان مراد لیا ہے۔ حدیث کو سب مانتے ہیں تفسیر میں اختلاف ہے اہل علم اس امر سے بخوبی واقف ہیں۔ اگر اس کا نام حدیث کو رد کرنا ہے تو امام ابوحنیفہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ جو لوگ تفرق بالقول مراد لیتے ہیں وہی اس حدیث کو رد کرتے ہیں کیونکہ ہمارے پاس قرآن و حدیث سے بہت دلائل موجود ہیں جو ہماری تفسیر کی تائید کرتے ہیں۔ پھر اس حدیث کا جو مطلب امام صاحب نے سمجھا ہے امام سفیان ثوریؒ اور امام مالکؒ نے بھی وہی سمجھا ہے (ملاحظہ ہو ترمذی وغیرہ) امام ابوحنیفہ اس مسئلہ میں تنہا نہیں ہیں۔ فقہاء کوفہ و اہل مدینہ ان کے ساتھ ہیں۔ تو یہ الزام سب پر عائد کرنا چاہیے۔

اس عنوان کے تحت طلوع اسلام نے مفضل بن موسیٰ سنیانی (فضل لکھنا چاہیے) کا یہ قول بھی نقل کیا ہے کہ اس نے ابوحنیفہ کو کہتے سنا ہے کہ میرے اصحاب میں ایسے لوگ موجود ہیں جو دو قلے پیشاب کرتے ہیں۔ امام ابوحنیفہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی اس حدیث کو کہ پانی اگر دو قلے ہو تو وہ نجس نہیں ہوتا'' رد کرتے ہوئے ایسا فرمایا تھا''

امام ابوحنیفہ کا وقار و متانت اور نزاہت لسان اور تہذیب مشہور و معروف ہے ایسے گندے الفاظ ان کی زبان پر ہرگز نہیں آسکتے۔ طلوع اسلام کو شرمانا چاہیے کہ وہ ایسی مہمل خرافات سے اپنا مدعا ثابت کرنا چاہتا ہے۔ جس کو امام تو امام کسی معمولی درجہ کے عالم کے لئے بھی کوئی سننا گوارا نہیں کر سکتا۔

ابن دوما۔ ابار۔ ابن سلم۔ ابو عمار مروزی

اس حکایت کی سند میں ابن دوما، ابن سلم، ابار، ابو عمار مروزی رکھے ہوئے ہیں ابن دوما کے متعلق خود خطیب نے جرح کی ہے کہ وہ تزدیر کرتا ہے، اس نے خود ہی اپنے کو برباد کر دیا ہے کہ جن روایات کا سماع اسے حاصل نہیں ہوا ان کو بھی اپنی مسموعات میں داخل کر دیتا ہے۔ اھ۔ ایسے مزور کی روایت ہرگز قابل اعتبار نہیں۔ تانیب ص ۴۶ ابن سلم احمد بن جعفر ختلی سخت متعصب عقل کا اندھا ہے ص ۲۲۔ احمد بن علی ابار ان راویوں میں سے ہے جن کو دعلج سوداگر وظیفے دیا کرتا تھا۔ تاکہ ایسی روایتیں جمع کریں جو اصول و فروع میں اس کے مخالفوں کو زخم پہنچائیں۔ تو ابار کا قلم بھاڑے کا ٹٹو ہے۔ ائمہ اہل حق کے متعلق بڑا منہ پھٹ۔ بدزبان ہے۔ تاریخ خطیب میں امام صاحب کے مثالب و معائب اکثر اس کے حوالے سے ہیں جن سے اس کا تعصب اور امام ابوحنیفہ سے عداوت صاف ظاہر ہے اور دشمن کی شہادت کسی کے نزدیک بھی معتبر نہیں۔ پھر ابار ہمیشہ امام کی شان میں اس قسم کی خرافات مجہول راویوں اور جھوٹوں ہی سے نقل کرتا ہے چنانچہ یہاں بھی اس کا شیخ ابو عمار مروزی کثیر الاغراب ہے۔ جو اکثر ایسی باتیں روایت کرتا ہے کہ جو کوئی بیان نہیں کرتا خطیب کی تاریخ میں امام صاحب کے مثالب اس قسم کے راویوں سے منقول ہیں تاکہ عند اللہ و عند الناس خطیب یا بعد کو اس کی تاریخ میں اضافہ کرنے والے اچھی طرح رسوا ہو جائیں اس روایت میں جو الفاظ امام صاحب کی طرف منسوب کئے گئے ہیں ان کی زبان سے کبھی نہیں نکل سکتے یقیناً یہ ابن دوما یا ابن سلم یا ابار کی منگھڑت ہے۔

حدیث القلتین

وہی حدیث قلتین تو دوسری صدی ہجری سے پہلے فقہاء میں سے کسی نے بھی اس کو اختیار نہیں کیا کیونکہ اس میں سخت اضطراب ہے۔ بجز چند تساہلین کے کسی نے اس کو صحیح نہیں مانا پھر صحیح کہنے والے بھی اس پر عمل کیسے کر سکتے ہیں؟ جبکہ قلتین کی مقدار کسی دلیل سے متعین نہیں کی جا سکتی؟ اس لئے علامہ ابن دقیق العید مالکی ثم الشافعی نے شرح

عمدۃ الاحکام میں اقرار کیا ہے کہ حنفیہ کی دلیل جو ماء راکد کے متعلق صحیح میں وارد ہے۔ بہت قوی ہے (کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ٹھہرے ہوئے پانی میں پیشاب کر کے پھر اس سے وضو یا غسل نہ کرو۔ حضورؐ نے ٹھہرے ہوئے پانی میں نجاست گرنے کے بعد اس سے مطلقاً وضو اور غسل کو منع فرمایا ہے۔ دو قلہ کی قید نہیں اور یہ حدیث باتفاق محدثین صحیح ہے اسی کو امام نے اختیار کیا ہے۔

ج۔ طلوع اسلام میں تیسرا عنوان یہ قائم کیا گیا ہے کہ ''امام اعظم نے چار سو سے زیادہ احادیث کو رد کیا''۔ پھر یوسف بن اسباط کا قول نقل کیا گیا ہے کہ امام ابوحنیفہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر چار سو بلکہ چار سو سے بھی زیادہ حدیثوں کو رد کر دیا ہے پھر جب یوسف سے ان احادیث کو دریافت کیا گیا تو صرف چار حدیثیں بیان کیں۔ الخ

اگر ادارہ طلوع اسلام میں کوئی پڑھا لکھا سمجھدار ہوتا تو اسی سے اس روایت کے غلط ہونے کا اندازہ کر لیتا کہ چار سو کا دعویٰ کرنے والا چار ہی حدیثیں بیان کر رہا ہے اگر پوری نہیں تو آدھی ہی بیان کر دیتا۔ کیا اس کے نزدیک یہ چار ہی چار سو کے برابر ہیں؟ پھر جس نے باقاعدہ علوم اسلامیہ کی تحصیل کی ہے وہ خوب جانتا ہے کہ امام صاحبؒ نے ان چار احادیث کو بھی رد نہیں کیا بلکہ ان کا مطلب وہ بیان کیا ہے جو اہل ظاہر محدثین نہیں سمجھے۔

حدیث البیعان بالخیار مالم یتفرقا

چنانچہ ان میں ایک تو وہی حدیث البیعان بالخیار مالم یتفرقا ہے کہ جب تک خرید و فروخت کرنے والے جدا نہ ہوں ان کو اختیار رہتا ہے ہم بتلا چکے ہیں کہ امام صاحبؒ نے اس کو رد نہیں کیا بلکہ تفرق سے تفرق بالقول مراد لیا ہے نہ کہ تفرق بالابدان'' حدیث کا مطلب یہ ہے کہ جب تک بائع اور مشتری کی باتیں ختم نہ ہوں یعنی ایجاب وقبول تمام نہ ہو اس وقت تک ہر ایک کو اپنی بات کے واپس لینے کا اختیار ہے۔ ایجاب وقبول ختم ہو جانے کے بعد یہ اختیار نہیں رہتا مگر جب کہ ان میں سے ایک نے

خیار کی شرط کرلی ہو جیسا اس حدیث کے دوسرے طرق میں الا ان یکون بیع خیار کی قید موجود ہے اور تفرق کا اطلاق تفرق بالقول پر بکثرت وارد ہے۔ قرآن میں ہے۔

﴿وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعاً وَّلاَ تَفَرَّقُوْا. وَمَاتَفَرَّقَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ اِلَّا مِنْ بَعْدِمَا جَآءَ تْهُمُ الْبَيِّنَةُ ط وَاِنْ يَّتَفَرَّقَا يُغْنِ اللّٰهُ كُلاًّ مِّنْ سَعَتِهٖ﴾

اور چونکہ آیت قرآنیہ اِلَّآ اَنْ تَكُوْنَ تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ مِنْكُمْ بتلا رہی ہے کہ رضا مندی کے ساتھ ایجاب وقبول کے بعد (کہ تجارت کا مفہوم لغت میں یہی ہے) بائع و مشتری میں سے ہر ایک کو بیع وثمن میں تصرف کرنے کا حق ہے اس حق کو مجلس سے علیحدگی پر موقوف کرنا نص پر زیادتی کرنا ہے جو خبر واحد سے امام صاحبؒ کے اصول پر درست نہیں اس لئے لفظ تفرق کو حدیث میں تفرق بالاقوال پر محمول کرنا چاہیے اور اگر تفرق بالابدان ہی مراد لیا جائے تو اس کو استحباب پر محمول کیا جائے گا جیسا راوی حدیث عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کا قول كانت السنة ان المتبايعين بالخيار مالم يتفرقا (رواہ البخاری) اس پر دال ہے۔

حدیث للفارس سہمان وللرجل سہم

اسی طرح دوسری حدیث کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا گھوڑے کے دو حصے اور پیادہ آدمی کا ایک حصہ ہے (ترجمہ طلوع اسلام نے غلط کیا ہے صرف آدمی لکھنا چاہیے) مگر ابوحنیفہ کہتے ہیں میں جانور کا حصہ مومن کے حصہ سے زیادہ نہیں کرسکتا۔'' (طلوع اسلام)

اس کو بھی امام صاحبؒ نے رد نہیں کیا بلکہ یہ فرمایا ہے کہ اس حدیث کے الفاظ میں راویوں نے اختلاف کیا ہے۔ بعض نے ان ہی الفاظ سے روایت کیا ہے للفرس سهمان وللرجل سهم وفی رواية والصاحبه سهم گھوڑے کے دو حصے اور آدمی کا ایک۔ دوسری روایت میں ہے گھوڑے کے مالک کا ایک حصہ ہے اور بعض نے ان لفظوں سے روایت کیا ہے للفارس سهمان وللراجل سهم گھوڑے سوار کے دو

حصے ہیں اور پیادہ کا ایک حصہ ہے۔ چنانچہ مجمع بن جاریہؓ سے سنن ابی داؤد میں ان ہی الفاظ کے ساتھ یہ حدیث مروی ہے اور قاعدہ ہے کہ جب کسی حدیث کے الفاظ میں راوی اختلاف کریں تو دلیل سے ایک کو دوسری پر ترجیح دی جائے گی۔ امام صاحبؒ کے نزدیک مجمع بن جاریہؓ کی روایت کو ترجیح ہے کہ گھوڑے سوار کو مال غنیمت سے دو حصے دیے جائیں گے اور پیادہ کو ایک سوار کو تین حصے نہیں دیئے جائیں گے اور جس حدیث سے سوار کے تین حصے معلوم ہوتے ہیں اس میں یا تو راوی کو وہم ہوا ہے کہ فرس کو فرس اور رَجل کو رَجُل پڑھ لیا یا اس کو تنفیل پر محمول کیا جائے گا کہ کسی وقت بطور انعام کے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سواروں کو بجائے دو حصے کے تین حصے دیدیے اور تنفیل قانون عام نہیں بلکہ امام کی رائے پر ہے۔ اگر کسی وقت مصلحت ہوا ایسا بھی کر سکتا ہے۔

حدیث اشعار الہدی

رہی تیسری حدیث کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اور آپؐ کے اصحاب نے برابر قربانی کے جانوروں پر نیزہ مار کر نشان لگایا ہے (یہاں بھی طلوع اسلام نے ترجمہ غلط کیا ہے ہدی کے جانوروں پر لکھنا چاہیے) مگر ابوحنیفہ کہتے ہیں کہ ایسا کرنا جاندار کی صورت کو بگاڑنا ہے۔'' (طلوع اسلام)

تو یہ تنہا امام صاحبؒ کا قول نہیں بلکہ ابراہیم نخعی کا قول ہے جو حماد کے واسطہ سے وہ روایت کرتے ہیں جیسا ترمذی نے اس پر اشارہ کیا ہے اور ان کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ اشعار مطلقاً منع ہے بلکہ وہ اپنے زمانہ کے جاہلوں کے اشعار کو مثلہ کہتے تھے۔ جس میں مبالغہ کے ساتھ جانوروں کے کوہان پر نیزہ مارا جاتا تھا جس سے گہرا زخم ہو جاتا اور جانور کو بہت تکلیف ہوتی تھی اور جس طریقہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اور صحابہؓ نے اشعار کیا ہے کہ صرف کوہان کو ذرا سا چیر دیا جاتا گوشت تک زخم نہ پہنچتا تھا۔ اس کو نہ ابراہیم نخعی نے مثلہ کہا نہ امام صاحبؒ نے۔ علامہ طحاویؒ نے شرح معانی الآثار میں اس کی تصریح کی ہے اور وہ مذہب حنفیہ کو سب سے زیادہ جاننے والے ہیں۔

حدیث الاقراع بین النساء عند السفر

رہی چوتھی حدیث کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سفر میں تشریف لے جاتے تو اپنے ہمراہ لے جانے کے لئے ازواج مطہراتؓ میں قرعہ اندازی کیا کرتے تھے مگر ابو حنیفہ کہتے ہیں کہ قرعہ اندازی خالص قمار اور جوا ہے (طلوع اسلام) (لفظ خالص کس لفظ کا ترجمہ ہے مدیر طلوع اسلام کو بتلانا چاہیے)۔

یہاں بھی یہ دعویٰ غلط ہے کہ امام صاحبؒ نے حدیث کو رد کیا ہے۔ کیونکہ اس صورت میں قرعہ اندازی کرنا امام صاحبؒ کے نزدیک بھی مستحب ہے کتب حنفیہ میں اس کی تصریح ہے۔ متون وشروح سب اس پر متفق ہیں۔ امام صاحبؒ بس یہ فرماتے ہیں کہ جس صورت میں حدیث سے قرعہ اندازی ثابت ہے اسی پر اکتفا کرنا چاہیے اس سے آگے نہ بڑھنا چاہیے قرعہ اندازی سے کسی حق ثابت کو باطل نہیں کیا جا سکتا۔ ہاں جہاں کسی کا حق ثابت نہ ہو وہاں ایک کو دوسرے پر ترجیح دینے کیلئے بطور تطییب قلب کے اس سے کام لے سکتے ہیں جیسا حدیث میں ہے کیونکہ سفر میں شوہر پر قسم واجب نہیں رہتی کہ ہر بی بی کی باری میں اس کے پاس رات گزارے کیونکہ سفر میں سب بیبیوں کا ساتھ لینا دشوار ہے جب بیویوں کا یہ حق ساقط ہو گیا تو اب کسی ایک کو ساتھ لے جانا جائز ہے اور قرعہ اندازی سے ایک کا انتخاب کرنا بہتر ہے جیسا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا تاکہ کسی بیوی کو ترجیح بلا مرجح کا خیال پیدا نہ ہو لیکن قرعہ اندازی سے حق غیر ثابت کو ثابت کرنا یا حق ثابت کو باطل کرنا حدیث سے تجاوز کرنا ہے اس لئے امام صاحب ہر جگہ قرعہ اندازی کے قائل نہیں ہیں۔ کیا اسی کا نام حدیث کو رد کرنا ہے؟ اسی سے بقیہ تین سو چھیانوے حدیثوں کا اندازہ لگایا جائے کہ وہاں بھی راوی کی فہم کا قصور ہوا ہے ورنہ امام صاحب اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر کسی حدیث کو رد کریں؟ معاذ اللہ۔

حدیث نبوی ﷺ کی تعظیم میں امامؒ صاحب کے اقوال

امام صاحبؒ کا یہ قول مشہور ہے

﴿ كل شئ تكلم النبي صلى الله عليه وسلم سمعناه اولم نسمعه فعلى الرأس والعين قدآمنا به ونشهدانه كما قال النبي صلى الله عليه وسلم وقال ايضاً لعن الله من يخالف رسول الله صلى الله عليه وسلم به اكرمنا الله به استنقذنا ﴾

(ملاحظہ ہو کتاب العالم والمتعلم لابی حنیفۃ وکتاب الانتقاء لابن عبدالبرؒ)

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو کچھ بھی فرمایا ہے (بشرطیکہ آپؐ کا فرمانا ثابت ہو جائے) وہ ہمارے سر آنکھوں پر ہے ہم اس پر ایمان رکھتے ہیں اور گواہی دیتے ہیں کہ جیسا آپؐ نے فرمایا ہے وہی (حق) ہے۔'' نیز فرماتے ہیں ''خدا لعنت کرے اس شخص پر جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی (حدیث کی) مخالفت کرتا ہے۔ آپؐ ہی کے وسیلہ سے تو اللہ تعالیٰ نے ہم کو عزت دی اور آپؐ ہی کے ذریعہ ہم کو (گمراہی سے) بچایا اور نجات دی۔''

نیز فرمایا کہ کسی شخص کی حدیث کو رد کرنا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف قرآن کے خلاف بات منسوب کرتا ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بات کو رد کرنا یا (معاذ اللہ) حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بات کو جھٹلانا نہیں ہے بلکہ اس شخص کی بات کو رد کرنا ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف غلط بات کو منسوب کر رہا ہے۔

اور یہ کون کہہ سکتا ہے کہ امام صاحب پر یا کسی مجتہد پر ان تمام حدیثوں کا ماننا ضروری ہے۔ جو راویان حدیث ہزاروں لاکھوں کی تعداد میں روایت کرتے ہیں جب تک راویوں کی عدالت وامانت کو اچھی طرح نہ جانچ لیا جاوے اور باہم تمام روایات میں موازنہ کر کے راجح ومرجوح میں تمیز نہ کر لی جائے۔ اگر یوں ہی ہر روایت کو مان لیا جائے تو دین ضائع ہو جائے اور بیوقوفوں کے ہاتھ میں کھلونا بن جائے گا۔ جو لوگ حدیث کو دینی حجت سمجھتے ہیں ان کے یہاں حدیث کے صحیح اور معتبر ہونے کے لئے اصول مقرر

ہیں جو حدیث ان اصول پر پوری اترے گی وہی حجت ہے ہر حدیث کو کسی نے حجت نہیں کہا کیونکہ سب جانتے ہیں کہ بعض حدیثیں کمزور اور بے دین لوگ بھی روایت کرتے ہیں جو ضعیف یا موضوع کے نام سے یاد کی جاتی ہیں۔

اس تحقیق کے بعد ہم اس روایت کے راویوں کی بھی جانچ کرنا چاہتے ہیں جو کہتے ہیں کہ امام ابوحنیفہ نے چار سو حدیثیں رد کی ہیں اس کی سند میں ایک تو عمر بن فیاض ہے جس کو کسی نے ثقہ نہیں کہا دوسرا ابوطلحہ الوساوی ہے۔ اس میں بھی محدثین نے جرح کی ہے تو اس کے وساوس قابل التفات نہیں۔ تیسرا عبداللہ بن خبیق ہے جو قراءت کے سوا اور کسی روایت کے قابل نہیں، چوتھا ابو صالح فرار ہے۔ محدثین نے کہا ہے کہ بغیر کتاب کے وہ جو کچھ کہے قابل التفات نہیں۔ پانچواں یوسف بن اسباط ہے۔ یہ مغفل زاہد ہے جس نے اپنی کتابوں کو دفن کر دیا تھا۔ اور حافظہ خراب ہونے کی وجہ سے گڑبڑ روایتیں بیان کرنے لگا محدثین کا فیصلہ ہے کہ اس کی کوئی روایت حجت نہیں۔ (تانیب ص ۱۷۔ ۸۵) یہ تو اس روایت کی سند کا حال ہے اور متن کے بارہ میں ہم بتلا چکے ہیں کہ امام صاحب نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایک بات کو بھی رد نہیں کیا البتہ ان مغفلین کی باتوں کو رد کیا ہے جو اپنی طرف سے حدیث کا مطلب متعین کر کے مجتہد کی تشریح وتفسیر کو رد حدیث پر محمول کرتے ہیں۔

طلوع اسلام میں اسی عنوان کے تحت ابوسائب کا یہ قول بھی نقل کیا گیا ہے کہ میں نے وکیع کو کہتے سنا کہ ہم نے ابوحنیفہ کو دوسو حدیثوں کی مخالفت کرتے ہوئے پایا ہے۔

سبحان اللہ یا تو امام صاحب کو چار سو حدیثوں کے رد کرنے کا الزام دیا جا رہا تھا۔ یا اب چار سو سے اتر کر دوسو کی تعداد رہ گئی۔ مگر چار سو کا دعویٰ کرنے والے نے چار حدیثوں کا تو پتہ دیا تھا۔ جس کی حقیقت ہم بتلا چکے کہ امام صاحب نے ان میں سے ایک کو بھی رد نہیں کیا۔ محض راوی کی غلط فہمی اور کوتاہ بینی تھی مگر دوسو کا دعویٰ کرنے والے نے ایک دو حدیث کا بھی پتہ نہیں دیا۔

کاش یہ لوگ بھی ابوبکر بن ابی شیبہ کی طرح ان حدیثوں کا پتہ دے دیتے کہ

اس غریب نے تو اپنی مصنف میں ایک خاص باب منعقد کر کے ایک سو پچیس حدیثیں بیان کر دی ہیں جن کی امام ابوحنیفہ نے ان کے خیال میں مخالفت کی تھی۔ اس کا جواب بھی علامہ محمد زاہد کوثری مصریؒ نے بہت تفصیل کے ساتھ دیدیا ہے۔ ان سے پہلے عقود الجواہر المنیفۃ اور مقدمہ مسانید الامام میں اس کا جواب بھی دیا گیا ہے تو ہم ان دو سو یا چار سو حدیثوں کی بھی حقیقت واضح کر دیتے اور بتلا دیتے کہ ان میں سے بھی امام صاحب نے کسی حدیث کو رد نہیں کیا بلکہ دوسری احادیث کی بنا پر ان کا مطلب وہ بیان کیا ہے جو ان محدثین نے نہیں سمجھا۔

وکم من عائب قولا صحیحا وآفتہ من الفھم السقیم

بہت سے آدمی سچی بات میں بھی عیب نکال دیا کرتے ہیں مگر یہ ان کی فہم سقیم کی آفت ہوتی ہے پھر غضب یہ ہے کہ امام وکیع کی طرف اس قول کو منسوب کیا گیا ہے کہ امام صاحب نے دو سو حدیثوں کو رد کر دیا۔ حالانکہ خطیب نے خود ہی اپنے شیخ حافظ الصمیری کے واسطہ سے بسند صحیح یحییٰ بن معین کا یہ قول نقل کیا ہے کہ میں نے وکیع سے بہتر کسی کو نہیں دیکھا پھر ان کی تعریف وتوصیف کر کے کہا کہ وہ امام ابوحنیفہ کے قول پر فتویٰ دیا کرتے تھے اور ان سے بہت حدیثیں سنی تھیں۔ یحییٰ بن معین نے کہا کہ یحییٰ بن سعید قطان بھی امام ابوحنیفہ کی رائے پر فتویٰ دیتے تھے۔ دوری نے بھی یحییٰ بن معین سے اسی طرح روایت کی ہے اھ (ج ۱۳ صفحہ ۵۰۱) اب فرمائیے تاریخ خطیب کی کس روایت کو مانا جائے؟ اور یہ کچھ وکیع ہی کے ساتھ خاص نہیں غضب یہ ہے کہ اسی تاریخ میں امام ابو یوسف اور عبداللہ بن مبارک جیسے خاص شاگردوں سے بھی امام صاحب کی مذمت نقل کر دی گئی ہے۔ ان ظالموں کو جنہوں نے تاریخ خطیب میں یہ خرافات شامل کی ہیں اتنی بھی حیاء شرم نہ تھی کہ جھوٹ ایسا تو بولتے جس کے کچھ سر پاؤں ہوتا مگر وہ تو ایسا صریح جھوٹ بولتے ہیں جس کو ادنیٰ طالب علم بھی باور نہیں کر سکتا۔ اللہ تعالیٰ اسی طرح جھوٹوں کو رسوا کیا کرتا ہے۔“

اس کے بعد طلوع اسلام میں عبدالاعلیٰ بن حماد اور مسئومل کے واسطہ سے حماد

بن سلمہ کا قول نقل کیا گیا ہے کہ امام ابوحنیفہ کے سامنے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیثیں آتی تھیں۔ مگر وہ اپنی رائے سے رد کر دیا کرتے تھے۔ الخ (طلوع اسلام)

علی بن احمد بزاز

مگر پہلی روایت کی سند میں علی بن احمد بزاز ہے جس کے متعلق خود خطیب کو اعتراف ہے کہ اس کا بیٹا اس کی اصل کتابوں میں اضافات کر دیا کرتا تھا۔ اور یہ ان کو بیان کرتا تھا ایسے شخص کی روایت کا کچھ اعتبار نہیں کیا جا سکتا (تانیب ص ۲۱) اس کے بعد علی بن محمد موصلی ہے اس کے متعلق عینی بن فیروز کے ترجمہ میں خطیب نے تصریح کی ہے کہ وہ ثقہ نہیں ہے۔

عبداللہ بن احمد

دوسری سند میں عبداللہ بن احمد صاحب کتاب السنۃ ہے۔ اس کتاب کے مطالعہ ہی سے اس کی حقیقت معلوم ہو سکتی ہے کہ وہ علم کے کس درجے پر ہے ایسا شخص امام ابوحنیفہ کے متعلق سچ نہیں بول سکتا خصوصاً جبکہ جرح و تعدیل کے بارہ میں اس کا جھوٹ ثابت بھی ہو چکا ہے۔ چنانچہ علی بن حمشاد حافظ ثقہ کا قول ہے کہ مجھ سے احمد بن عبداللہ اصبہانی نے بیان کیا کہ میں ایک دن عبداللہ بن احمد بن حنبل کے پاس گیا تو پوچھا تم کہاں تھے میں نے کہا کہ کریمی کی مجلس میں تھا کہا اس کے پاس نہ جایا کرو وہ تو کذاب ہے۔ پھر ایک دن میں کریمی کی مجلس پر گزرا تو عبداللہ بن احمد کو اس کی روایتیں لکھتا ہوا دیکھا میں نے کہا یہ کیا آپ نے تو مجھ سے کہا تھا کہ اس کی روایت مت لکھو یہ کذاب ہے کہا چپکے رہو۔ پھر جب فارغ ہو کر وہاں سے اٹھے میں نے پھر سوال کیا تو کہا میں نے تم سے یہ بات اس لئے کہی تھی کہ مبادا کہیں آج کل نوجوان سند میں ہمارے برابر ہو جائیں۔ (خطیب ص ۴۳۹، ج ۳)

احمد بن عبداللہ اصبہانی

خطیب نے احمد بن عبداللہ اصبہانی کو مجہول کہہ کر اس روایت کو کمزور کرنے کی کوشش کی ہے مگر یہ اس کا تجاہل عارفانہ ہے تاریخ اصفہانی لابی نعیم میں اس کا ترجمہ موجود ہے وہ ابن حمشاد کے ثقات شیوخ میں سے ہے۔

علی بن حمشاد

اور ابن حمشاد جیسا حافظ ثقہ مجاہیل اور قابل اعتماد لوگوں سے روایت نہیں کرسکتا (تانیب ص ۱۵۱) پس عبداللہ بن احمد کو اگر حدیث کے بارہ میں سچا سمجھ لیا جائے تو محدثین کو اختیار ہے مگر جرح وتعدیل کے باب میں اس واقعہ کے بعد اس کو ہرگز ثقہ نہیں کہا جاسکتا۔

مؤمل بن اسمعیل

مؤمل بن اسماعیل بھی اس سند میں ہے۔ جس کے متعلق امام بخاریؒ نے منکر الحدیث کہا ہے اور یہ لفظ امام بخاری اسی شخص کے بارہ میں کہتے ہیں جس کے متعلق دوسرے محدثین کذاب کا صیغہ استعمال کرتے ہیں ابو زرعہ رازی فرماتے ہیں کہ وہ حدیث میں بہت خطا کرتا ہے۔ ایسا شخص جرح وتعدیل کے باب میں اصلا حجت نہیں اور جو حدیث میں بکثرت خطا کرتا ہو وہ حکایات میں بھی ہرگز قابل اعتبار نہیں۔

حماد بن سلمہ

پھر دونوں سندوں کا منتہی حماد بن سلمہ ہے اس کو اس بات کی کیا تمیز کہ حدیث کو لینا اور رد کرنا کس چیز کا نام ہے؟ یہ وہی حضرت ہیں جنہوں نے باب الصفات میں قیامت ڈھائی ہے ایک روایت میں کہا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کو جوانمرد کی صورت میں دیکھا اس کو تو آئمہ مجتہدین کی شان میں زبان کھولنے کا حق نہیں۔ بہت ممکن ہے کہ امام صاحب نے اس کی بیان کردہ بعض روایات کو اس لئے رد کر دیا ہو کہ ان کو اس پر اعتماد نہ تھا جیسا امام بخاری کو بھی اس پر اعتماد نہیں۔ اب یہ امام صاحب پر طعن کرنے لگا کہ وہ حدیث کو رائے سے رد کر دیتے ہیں۔ حالانکہ وہ راوی کے ناقابل اعتماد ہونے کی وجہ سے اس کی روایت کو رد کر رہے تھے۔ حماد سلمہ کا امام بخاری کے نزدیک ناقابل اعتماد ہونا مقدمہ فتح الباری اور مقدمہ اعلاء السنن میں مذکور ہے۔

طلوع اسلام کا اتہام

اس کے بعد طلوع اسلام نے چوتھا عنوان قائم کیا ہے''انکار حدیث میں امام ابوحنیفہ کا تشدد'' اس عنوان کے تحت طلوع اسلام نے ان کلمات سے اپنے لئے انکار حدیث کا جواز نکالنا چاہا ہے جن کو راویوں نے کفر سمجھ کر روایت کیا ہے۔ کیونکہ یہ لوگ تو امام صاحب کو جہنمی کہتے ہیں۔ جن کو اس زمانہ میں جہنمی کہا جاتا تھا۔ مگر مدیر طلوع اسلام ان کلمات کو کفر نہیں سمجھتا بلکہ پوری ڈھٹائی کے ساتھ ان کو امام ابوحنیفہ کی طرف منسوب کر کے اپنا مدعا ثابت کرنا چاہتا ہے حالانکہ ایک جاہل سے جاہل مسلمان بھی ان کلمات کے کفر ہونے میں شبہ نہیں کرسکتا نہ کسی مسلمان کی طرف ان کی نسبت گوارا کرسکتا ہے چہ جائیکہ امام اعظم ابوحنیفہ کی طرف جن کی امانت وتقدس، تقویٰ وادب سنت پر ساری امت کا اجماع ہے اس کو لازم تھا کہ پہلے تاریخ خطیب بغدادی کا جائزہ لیتا پھر ان بے ہودہ کلمات کے راویوں کی تحقیق کرتا مگر افسوس ہے کہ انکار حدیث کے نشہ میں وہ ایسا مخبوط الحواس ہوگیا ہے کہ کلمات کفر سے بھی استدلال کرنے میں باک نہیں کرتا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون نقل کفر کفر نہ باشد اب ذرا اس ہذیان کو دل تھام کر سنئے۔

''ابواسحاق فزاری کہتا ہے کہ میں ابوحنیفہ سے مسائل جہاد پوچھا کرتا تھا۔ ایک دن میں نے ایک مسئلہ پوچھا انہوں نے جواب دیا میں نے کہا اس بارہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد تو اس طرح ہے ابوحنیفہ نے کہا ہمیں اس سے معاف رکھو۔ ایک اور دن میں نے ان سے ایک مسئلہ پوچھا انہوں نے جواب دیا میں نے پھر کہا کہ اس بارہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے تو ایسا ایسا منقول ہے تو ابوحنیفہ نے کہا اسے لے جا کر خنزیر کی دم سے رگڑ دو۔'' الخ

ان لوگوں کو خدا کا خوف نہ آیا کہ ان کلمات سے آسمان گر پڑے گا زمین پھٹ جائے گی زلزلہ آ جائے گا۔ بھلا امام ابوحنیفہ جن کی متانت وتہذیب اور شائستگی کلام دنیا کو معلوم ہے کہ وہ بحث ومباحثہ میں بھی کبھی اپنے مقابل کو نازیبا الفاظ سے خطاب نہ کرتے

تھے وہ حدیث رسول کے بارہ میں ایسا کہیں ۔ استغفر اللہ نعوذ باللہ۔

اب سنئے اس روایت کی سند میں عبدالسلام بن عبدالرحمٰن ہے جس کو قاضی یحییٰ بن اکثم نے عہدہ قضاء سے معزول کر دیا تھا۔ جب ظاہر یہ حشویہ کا بازار گرم ہوا اسے پھر منصب قضا پر لا بٹھایا اور اس کا شیخ اسمعیس بن عیسیٰ مجہول ہے۔

اسحاق فزاری

اور ابواسحاق فزاری نے خود اپنا ایک ایسا واقعہ امام ابوحنیفہؒ کے ساتھ بیان کیا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کو امام صاحب سے عداوت ہوگئی تھی اس لئے دشمن کی روایت ان کے حق میں ہرگز قبول نہیں ہو سکتی۔ امام صاحب نے اس کے بھائی کو جب اس نے امام ابراہیم بن عبداللہ بن حسن کے متعلق دریافت کیا کہ وہ حق پر ہیں اور ان کی مدد واجب ہے یا نہیں؟ فتویٰ دے دیا تھا کہ وہ حق پر ہیں اور مدد کے مستحق ہیں۔ اس پر وہ ان کے ساتھ معرکہ میں شہید ہو گیا تو ابواسحاق فزاری نے امام صاحب سے کہا کہ تم نے فتویٰ دے کر میرے بھائی کو مروا دیا۔ فرمایا اگر تو بھی اپنے بھائی کے ساتھ مارا جاتا تو اس جگہ رہنے سے اچھا تھا۔ جہاں سے تو آیا ہے (یہ بصرہ میں رہتا تھا جو خارجیوں کا اور قدریہ کا اڈہ تھا) بس اس واقعہ نے اس کا توازن دماغ کھو دیا۔ اب وہ منہ پھٹ ہو کر ہر مجلس میں امام صاحب کو برا بھلا کہنے لگا۔ بھلا اس میں امام ابوحنیفہ کا کیا قصور تھا کہ ایک شخص فتویٰ پوچھتا ہے اور وہ جو حق سمجھتے ہیں اس کے موافق فتوے دے رہے ہیں۔

یہی ابواسحاق فزاری امام صاحب کی طرف (بقول خطیب) یہ بات منسوب کرتا ہے کہ ابوبکر صدیقؓ اور ابلیس کا ایمان ایک ہے وہ بھی یا رب کہتے ہیں یہ بھی یا رب کہتا ہے۔ امام صاحب کے مثالب کی روایات میں اس شخص کا موجود ہونا ہی اس کے غلط در غلط ہونے کی کافی دلیل ہے کیونکہ اس کو واقعہ مذکور کی بناء پر امام صاحب سے خاص عداوت تھی۔

علاوہ ازیں یہ ابواسحٰق فزاری بجز مغازی اور سیر کے کسی علم میں بھی کوئی درجہ نہیں رکھتا مگر ابن سعد جو مغازی و سیر میں مسلم امام ہے ابواسحاق فزاری کو کثیر الغلط فی الحدیث

کہتا ہے کہ حدیث میں بہت غلطی کرتا ہے۔ یہی جرح ابن قتیبہ نے معارف میں کی ہے اور یہی محمد بن اسحاق الندیم نے فہرست میں کہا ہے اور تہذیب میں حافظ ابن حجر نے بھی انہ کثیر الخطاء فی حدیثہ فرمایا ہے کہ یہ شخص اپنی حدیثوں میں بہت خطا کرتا ہے پھر لسان میں ان کا محمد بن اسحاق الندیم پر اس وجہ سے طعن کرنا ہے کہ اس نے ابو اسحاق فزاری پر جرح کی ہے بیکار سی بات ہے جبکہ اس نے وہی کہا ہے جو خود حافظ نے تہذیب میں فرمایا ہے (تانیب صفحہ ۴۰) اور یہ ابو اسحاق صاحب اصطرلاب فلسفی نہیں ہے۔ جیسا حافظ کو وہم ہوا ہے اس کے باپ کا نام حبیب ہے اور صاحب اصطرلاب کے باپ کا نام محمد ہے۔ یہ ابو اسحاق فزاری محدث قرن ثانی میں ہوا ہے اور فلسفی ابو اسحاق فزاری قرن رابع کا آدمی ہے۔ دونوں کی کنیت اور نسبت کے اتحاد سے حافظ کو وہم ہوگیا ہے پھر طرفہ تماشا یہ ہے کہ ابو اسحاق فزاری نے وہ حدیث بیان نہیں کی تاکہ دنیا کو معلوم ہو جاتا کہ وہ رد کرنے کے قابل تھی یا نہیں اس کو بالکل یہ گول کر گیا۔ ہم بتلا چکے ہیں کہ کہ یہ شخص صرف مغازی اور سیر کو جانتا ہے اور اکابر محدثین کا قول ہے کہ اس باب میں کثرت سے مراسیل اور منقطع موضوع اور ضعیف کمزور مجروح روایات ہوتی ہیں اس لئے امام احمد بن حنبل نے فرمایا ہے کہ تین علوم کی کوئی جڑ بنیاد نہیں ان میں سے ایک علم مغازی ہے اگر یہ فزاری اس حدیث کو بیان کر دیتا تو شاید خود ہی رسوا ہو جاتا اور دنیا جان لیتی کہ واقعی وہ حدیث قابل قبول نہ تھی۔ مگر پھر بھی جن الفاظ کو وہ امام صاحب کی طرف منسوب کر رہا ہے ہرگز امام کی زبان پر نہیں آ سکتے تھے۔ وہ ضعیف یا موضوع حدیث کو رد کر سکتے ہیں مگر ایسے گندے الفاظ زبان پر نہیں لا سکتے۔

''پھر اسی ابن اسحاق فزاری کے حوالہ سے کہا گیا ہے کہ اس نے بادشاہ وقت کے خلاف خروج و بغاوت کے جائز ہونے پر ابوحنیفہؒ کے سامنے ایک حدیث بیان کی تو ابوحنیفہ کہنے لگے یہ حدیث خرافات ہے۔'' الخ

اس کی سند میں ابن دوما، ابن سلم اور ابار موجود ہیں۔ جن پر ہم پہلے کلام کر چکے ہیں کہ ان کی روایت کا اعتبار نہیں کیا جا سکتا۔

حسن بن علی حلوانی

ان کے بعد حسن بن علی حلوانی ہے جس کو امام احمد اچھا نہیں سمجھتے تھے یہی چاروں اس روایت کی سند میں بھی موجود ہیں جو امام اوزاعی کی طرف نسبت کی جاتی ہے کہ جب امام ابوحنیفہ کا انتقال ہوا تو انہوں نے کہا خدا کا شکر ہے وہ اسلام کے ایک ایک دستہ کو توڑ رہا تھا۔ طلوع اسلام نے اسی پرچہ کے صفحہ ۴۲ پر اس کو نقل کیا ہے حالانکہ خطیب نے بروایت ثقات سند صحیح کے ساتھ امام اوزاعی سے امام صاحب کی تعریف بیان کی ہے ملاحظہ ہو صفحہ ۳۳۸ جلد ۱۳۔ خدا اس طرح جھوٹوں کو رسوا کیا کرتا ہے۔

ابوصالح فراء

ان چار کے بعد پانچواں ابوصالح فراء ہے جس کے متعلق ابوداؤد کا قول گزر چکا ہے کہ اس کی باتوں اور حکایتوں کا اعتبار نہیں صرف کتاب کا اعتبار ہے۔ اس روایت کو رد کرنے کے لئے صرف ابن دوماہی کا سند میں ہونا کافی تھا چہ جائیکہ چار اور مجروح بھی اس کے ساتھ لگے ہوئے ہیں۔ پھر جاننے والے جانتے ہیں کہ اہل شام کے یہاں ایسی بہت حدیثیں تھیں جن کو واضعین نے سلاطین بنی امیہ کی خاطر وضع کیا تھا تا کہ لوگ ان کے خلاف کچھ نہ بولیں تو ممکن ہے فزاری نے کوئی ایسی ہی حدیث بیان کی ہوگی۔ جس سے یزید کا واجب اطاعت خلیفہ ہونا اور امام حسین رضی اللہ عنہ کا باغی ہونا ثابت کیا ہوگا۔ امام صاحب نے اس کو خرافات کہہ دیا ہوگا۔ ورنہ ہم کو بتلایا جائے کہ وہ کون سی حدیث تھی کس سند سے روایت کی گئی تھی؟ اصل حدیث کو گول کر جانا اور صرف امام صاحب کے جواب کو نقل کر دینا یہ خود ہی فزاری کی خرافات ہے۔ حافظ ابن ابی العوام نے اپنی سند کے ساتھ اسمٰعیل بن داؤد سے نقل کیا ہے کہ عبداللہ بن مبارک امام ابوحنیفہ سے روایت کیا کرتے تھے۔ مگر جب شہر عصیصہ میں جاتے تو امام صاحب سے کوئی روایت نہ بیان کرتے اور جب تک عبداللہ بن مبارک اس شہر میں رہے ابواسحاق فزاری بھی امام ابوحنیفہ کی شان میں خلاف ادب کچھ نہ کہتے اور اس سے سمجھ لیا جائے کہ اس شخص کی امام

صاحب سے عداوت کیسی مشہور ہوگئی تھی۔

اس کے بعد طلوع اسلام میں علی بن عاصم کا قول نقل کیا گیا ہے کہ میں نے ابوحنیفہ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث سنائی تو کہا میں اسے قبول نہیں کرتا۔ میں نے کہا یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔ ابوحنیفہ نے پھر کہا ہاں ہاں میں اس کو قبول نہیں کرتا۔ (طلوع اسلام)

مدیر طلوع اسلام اس مضمون کو لکھتے ہوئے نہ معلوم سو رہا تھا یا افیون کھا رکھی تھی؟ کیا اسے اتنی خبر نہیں کہ صرف علی بن عاصم کے اتنا کہہ دینے سے کہ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے اس کی بات حدیث رسول نہیں بن سکتی؟ پھر اس کی بات قبول نہ کرنے سے امام صاحب کا حدیث کو رد کرنا کیسے لازم آ گیا؟ کیا جو لوگ حدیث کو دینی حجت کہتے ہیں انہوں نے یہ بھی کہیں کہا ہے کہ علی بن عاصم جس بات کو رسول اللہ کا ارشاد کہہ دے وہ حدیث رسول بن جاتی ہے؟

علی بن عاصم

اس کی سند میں بھی ابن دوما موجود ہے اس کے بعد بھی جتنے راوی ہیں سب میں جرح کی گئی ہے۔ خود علی بن عاصم کا یہ حال ہے کہ وارقین (ناقلین، جلد ساز یا کتب فروش) جو کچھ اس کتاب میں بڑھا دیتے ہیں اس کو بھی روایت کرنے لگتا تھا۔ حالانکہ وہ باتیں اپنے استادوں سے اس کی سنی ہوئی نہ ہوتی تھیں نہ کتاب کا صحیح اصل سے مقابلہ کرتا تھا۔ ناقدین نے کتب ضعفاء میں اس شخص پر بہت کلام کیا ہے۔ پھر اس کا یہ منہ کہ جس بات کو ارشاد رسول کہہ دے وہ حدیث بن جاوے اور اپنی بات کے رد کرنے والے کو حدیث رسول کا رد کرنے والا قرار دے؟

اس کے بعد طلوع اسلام میں بشر بن المفضل کے حوالے سے نقل کیا گیا ہے کہ اس نے ابوحنیفہؒ سے کہا کہ نافع ابن عمر سے روایت کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا بائع اور مشتری جب تک جدا نہ ہوں انہیں اختیار رہتا ہے (ترجمہ میں فسخ بیع

کا لفظ حدیث میں اضافہ ہے) ابوحنیفہؒ نے کہا یہ تو رجز ہے (یعنی گیت) میں نے کہا (کہنے والا وہی بشر بن المفضل ہے کہ) قتادہ حضرت انسؓ سے نقل کرتے ہیں کہ ایک یہودی نے ایک مسلمان لڑکی کا سر پتھروں کے درمیان کچل دیا تھا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اس یہودی کا سر دو پتھروں کے درمیان کچل دیا۔ ابوحنیفہ نے کہا یہ ہذیان ہے۔ (طلوع اسلام)

اس کی سند میں ابن بہتہ محمد بن عمر بن محمد بن بہتہ بزاز شیعی ہے جس پر خطیب نے خود جرح کی ہے اس کے بعد ابن عقدہ[1]۔

کوفی کٹر شیعی ہے جس میں خطیب نے سخت جرح کی ہے تو اس کی روایت پر اعتماد کرنا اسے کب جائز ہے؟ اس کے بعد ابوبکر بن الاسود ہے جس کے متعلق ابن معین بری رائے رکھتے تھے۔ پس ہذیان بکنے والے وہی لوگ ہیں جو ایسی مہمل سند سے امام ابوحنیفہؒ کی طرف اس قسم کی بیہودہ بکواس کو منسوب کرتے ہیں۔

اور نفس مسئلہ کی تحقیق ہم اوپر بیان کر چکے ہیں کہ امام صاحبؒ نے حدیث **المتباعیان بالخیار مالم یتفرقا** کو ہرگز رد نہیں کیا بلکہ ان لوگوں کے قول کو رد کیا ہے جو تفرق سے جسمانی مفارقت مراد لیتے ہیں اور خیار سے خیار مجلس ثابت کرنا چاہتے ہیں امام صاحب کے نزدیک تفرق سے گفتگو کا ختم ہو جانا اور خیار سے خیار رجوع مراد ہے۔ مطلب حدیث کا یہ ہے کہ جب تک بائع اور مشتری ایجاب وقبول سے فارغ نہ ہو جائیں ہر ایک کو اپنے قول سے رجوع کا اختیار ہے۔ مثلاً خریدار نے کہا کہ میں اس مال کو سو روپیہ میں خریدتا ہوں تو جب تک بائع یہ نہ کہے کہ میں نے بیچ دیا۔ خریدار اپنی بات کو واپس لے سکتا ہے۔

تفرق کا استعمال تفرق بالاقوال پر قرآن و حدیث میں بکثرت وارد ہے۔ وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا، وَمَا تَفَرَّقَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ وَاِنْ

[1] اگرچہ سیوطی اور بعض دیگر محدثین نے ابن عقدہ کو ثقہ مانا ہے مگر خطیب کے نزدیک وہ ثقہ نہیں بلکہ سخت مجروح ہے اس کی روایت پر اعتماد کرنا کسی طرح جائز نہیں۔

يَتَفَرَّقَا يُغْنِ اللّٰهُ كُلًّا مِّنْ سَعَتِهٖ اوراس کی ضرورت اس لئے پیش آئی کہ نص قرآنی اِلَّا اَنْ تَكُوْنَ تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ مِّنْكُمْ سے عاقدین کی باہمی رضامندی کے تحقق کے بعد ہر ایک کو مبیع اور ثمن میں تصرف کی اجازت معلوم ہو رہی ہے۔ اس پر خبر واحد سے خیار مجلس کا اضافہ نہیں کیا جاسکتا۔ پس یا تو تفرق کو تفرق بالا قوال پر محمول کیا جائے اور خیار سے خیار رجوع مراد لیا جائے یا اس کو محض استحباب پر محمول کیا جائے جیسا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کی ایک حدیث کے الفاظ سے ایسا ہی واضح ہوتا ہے (ملاحظہ ہو بخاری) پھر تفرق بالا بدان سے عقد کا کامل ہو جانا شریعت میں معروف نہیں بلکہ اس کی تاثیر تو عقد کو فاسد کر دینا ہے جیسا بیع صرف میں مبیع یا ثمن پر پہلے اور بیع سلم میں راس المال پر قبضہ سے پہلے مفارقت ہو جائے تو بیع فاسد ہو جاتی ہے تو حدیث کو تفرق بالا بدان پر محمول کرنے سے اصول معروفہ کی بھی مخالفت لازم آتی ہے اور کتاب اللہ پر بھی خبر واحد سے زیادتی لازم آتی ہے اور تفرق بالا قوال پر محمول کرنانے سے نہ اصول کی مخالفت لازم آتی ہے نہ کتاب اللہ پر زیادت۔ اب اہل علم خود ہی فیصلہ کر سکتے ہیں کہ امام ابوحنیفہؒ کا قول قوی ہے یا دوسرے علماء کا؟ اس مسئلہ میں حنفیہ کے پاس بڑے قوی دلائل موجود ہیں جس کو تفصیل کا شوق ہو تو عقود الجواہر المنفیہ فی ادلۃ مذہب الامام ابی حنیفہ السید مرتضی الزبیدی اور احکام القرآن للجصاص الرازی کا مطالعہ کرے۔ ان دونوں نے بڑی شرح وبسط کے ساتھ اس مسئلہ پر کلام کیا ہے ہم اوپر بتلا چکے ہیں کہ امام مالکؒ بھی اس مسئلہ میں امام ابوحنیفہؒ کے ساتھ ہیں اور جس بات پر امام اہل عراق اور امام اہل حجاز دونوں متفق ہو جائیں اس کو کمزور سمجھنا اپنی عقل وفہم کی کمزوری کا اعلان کرنا ہے۔

حدیث رضخ راس الیہودی بین حجرین

رہی دوسری حدیث تو اس کو بھی امام صاحب نے رد نہیں کیا بلکہ منسوخ مانا ہے کیونکہ بعد میں جنگ خیبر کے موقعہ پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مثلہ کو حرام کر دیا تھا (مثلہ اس کو کہتے ہیں کہ کسی کو اس طرح قتل کیا جائے جس سے اس کی صورت بگڑ جائے

جیسے ہاتھ، پیر، کان، ناک کاٹنا یا آگ سے جلا دینا یا پتھر سے کچل دینا) تو جن احادیث میں مثلہ کے ساتھ قتل وارد ہوا ہے اس کو ممانعت سے پہلے زمانہ پر محمول کرنا لازم ہے۔ اس سے کسی عاقل کو انکار کی گنجائش نہیں۔ اسی لئے جب امام حسن بصریؒ کو یہ معلوم ہوا کہ حضرت انسؓ بن مالک صحابی نے حجاج بن یوسف کے سامنے عرینین والی حدیث بیان کی ہے جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ان لوگوں کو ہاتھ پیر کاٹ کر تپتی دھوپ میں ڈال دینا اور آنکھوں میں گرم سلائی پھیر دینا مذکور ہے تو ان کو بہت رنج ہوا اور فرمایا کاش! حضرت انس یہ حدیث حجاج کے آگے بیان نہ کرتے (کیونکہ اس کو اس سے کیا بحث کہ یہ حدیث منسوخ ہو چکی ہے اور ممانعت مثلہ سے پہلے حضورؐ نے ان لوگوں کے ساتھ یہ معاملہ اس لئے کیا تھا کہ انہوں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے چرواہوں کے ساتھ ایسی بے دردی کا معاملہ کیا تھا۔ حجاج جیسے ظالم کو تو یہ حدیث مخلوق پر ستم ڈھانے کے لئے بہانہ بن جائے گی) مگر حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی عمر سو سال سے زیادہ ہوگئی تھی یہ حدیث انہوں نے اخیر عمر میں بیان کی ہے اس وقت وہ حجاج سے یہ کہنا بھول گئے کہ یہ حدیث منسوخ ہے اب اس پر عمل کرنا جائز نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ امام مالک نے موطا میں اس حدیث کو نہیں لیا کیونکہ الصحابۃ کلھم عدول (صحابہ سب کے سب عادل ہیں) کا یہ مطلب نہیں کہ عمر زیادہ ہونے کی وجہ سے ان کو سہو ونسیان بھی پیش نہیں آسکتا۔ آخر وہ بھی بشر ہیں۔ زیادہ لمبی عمر کے آثار ان پر بھی طاری ہو سکتے ہیں۔ چنانچہ یہ حدیث بھی جس میں ایک یہودی کے سر کو دو پتھروں کے درمیان کچلنے کا ذکر ہے حضرت انسؓ نے اخیر عمر ہی میں بیان فرمائی ہے جس سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ صرف مقتول لڑکی کے بیان پر آپؐ نے یہودی سے بدلہ لیا۔ گو ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ یہودی نے قتل کا اقرار کر لیا تھا اس کے بعد اس سے بدلہ لیا گیا۔ مگر اقرار والی حدیث میں قتادہ کا عنعنہ ہے اور اس کا عنعنہ محدثین کے نزدیک مقبول نہیں۔ یہ تو اس حدیث کی سند پر کلام تھا مگر پھر بھی امام ابوحنیفہؒ نے اس کو رد نہیں کیا بلکہ ممانعت مثلہ کی حدیث سے اس کو منسوخ مانا ہے اور حدیث ''لا قود الا بالسیف'' پر فتویٰ دیا ہے کہ قصاص تلوار ہی سے لیا جائے آگ یا پتھر وغیرہ

سے قصاص نہ لیا جائے گو قاتل نے کچھ ہی کیا ہو۔ اسی لئے حنفیہ نے اس حدیث کے اس جملہ پر عمل نہیں کیا جو قتادہ کی ایک روایت میں وارد ہے کہ حضورؐ نے ان لوگوں کو اونٹوں کے پیشاب پینے کا مشورہ دیا۔ کیونکہ یہ حدیث حضرت انسؓ نے اخیر عمر میں بیان کی ہے جب کہ حافظہ کمزور ہو گیا تھا اور اگر اس کو صحیح مان لیا جاوے تو اس سے اونٹ کے پیشاب کی طہارت ثابت نہ ہوگی۔ بہت سے بہت یہ ثابت ہوگا کہ بیماری میں حرام چیز سے بھی دوا کر سکتے ہیں جب اور کوئی چیز نافع نہ ہو۔

اس کے بعد طلوع اسلام میں عبدالصمد ابن عبدالوارث عبری) اپنے باپ کے حوالہ سے نقل کرتا ہے کہ امام ابوحنیفہؒ کے سامنے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد نقل کیا گیا **افطر الحاجم والمحجوم** (پچھنے لگوانے والے اور لگانے والے (دونوں کا) روزہ ٹوٹ جاتا ہے (ابوحنیفہؒ نے کہا یہ محض قافیہ بندی ہے۔ ایسے ہی ان کے سامنے ولاء کے بارے میں حضرت عمرؓ کا ایک فیصلہ نقل کیا گیا تو ابوحنیفہ نے کہا یہ کسی شیطان کا قول ہے۔ (طلوع اسلام)

اس واقعہ کو خطیب نے دو سندوں سے روایت کیا ہے ایک میں تو ابن رزق، ابن سلم، ابار، ابو معمر قدری، دھرے ہوئے ہیں جن پر کلام گزر چکا ان کی روایت ہرگز معتبر نہیں۔ دوسری سند میں خطیب کے سوا اور کوئی مجروح نہیں۔ مگر عبدالوارث کا یہ لفظ کہ ابوحنیفہ کے سامنے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد نقل کیا گیا یا حضرت عمرؓ کا فیصلہ نقل کیا گیا، سند کو منقطع کر رہا ہے۔ اس نے یہ نہیں بتلایا کہ ناقل کون تھا؟ نہ یہ کہتا ہے کہ یہ واقعہ اس کے سامنے کا ہے، نہ یہ کہتا ہے کہ میں نے ابوحنیفہ کا یہ جواب خود سنا ہے۔ نہ حضرت عمر کے فیصلہ کو بیان کرتا ہے کہ وہ کیا تھا؟ ممکن ہے وہ کوئی ایسا ہی غلط فیصلہ ہو جس کو حضرت عمرؓ کی طرف کوئی وضاع، کذاب، دجال، شیطان ہی منسوب کر سکتا ہے؟ وضاعین نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر تھوڑے جھوٹ بولے ہیں کہ حضرت عمرؓ ان کے ہاتھ سے بچے رہتے۔ امام ابوحنیفہ صحابہ کی خصوصاً حضرت عمرؓ کی جس قدر تعظیم و احترام کرتے تھے۔ اگر ان سب روایات کو جمع کیا جائے ایک ضخیم دفتر ہو جائے۔ دنیا جانتی ہے

کہ امام صاحبؒ حدیث رسولؐ کے بعد اقوال صحابہ کو حجت مانتے ہیں اور ان کے اقوال سے باہر جانے کو ناجائز کہتے ہیں۔ حالانکہ بعض فقہا جن میں خطیب بغدادی اور ان جیسے بعض شافعیہ بھی ہیں صحابہ کے اقوال کو حجت نہیں جانتے۔ وہ امام ابوحنیفہؒ ہی تو تھے جن سے خلیفہ ابوجعفر منصور نے جب یہ پوچھا کہ آپ نے یہ علم کس سے لیا؟ تو فرمایا میں نے یہ علم حماد سے لیا ہے اس نے ابراہیم نخعی سے انہوں نے حضرت عمرؓ، حضرت علیؓ، عبداللہ بن مسعودؓ اور عبداللہ بن عباسؓ کے اصحاب سے لیا ہے۔ جیسا کہ ص ۳۳۴ میں خطیب نے صحیح سند کے ساتھ خود ہی بیان کیا ہے۔ اس کے بعد کیا کسی عاقل کی عقل باور کر سکتی ہے کہ امام صاحبؒ حضرت عمرؓ کے کسی قول کو شیطان کا قول کہہ سکتے ہیں؟ ہاں کوئی غلط بات یا غلط فیصلہ کسی کمزور راوی نے حضرت عمرؓ کی طرف منسوب کیا ہو تو اس راوی کو شیطان کہہ دیا ہوگا۔ اس تاویل کی ضرورت بھی اس وقت ہے جب کہ اس لفظ کا ثبوت ہو جائے۔ ہنوز اسی میں کلام ہے کیونکہ دو سندوں میں سے ایک تو بالکل ساقط ہے دوسری میں عبدالوارث نے صیغہ انقطاع استعمال کیا ہے جس سے سند کا اتصال ختم ہوگیا۔ افسوس یہ ہے کہ انقطاع، جہالت وغیرہ علتیں جو سند کو ہر جگہ محدثین کے نزدیک معلول اور ناقابل قبول بنا دیتی ہیں امام ابوحنیفہؒ کی مذمت میں یہ علتیں اپنا کچھ اثر نہیں دکھاتیں۔ محدثین بے دھڑک ان مہملات کو روایت کرتے جاتے ہیں اور کچھ کلام نہیں کرتے حتیٰ کہ امام بخاری بھی تاریخ صغیر میں اسمٰعیل بن عرعرۃ مجہول الحال سے اور امام صاحب کی مذمت میں ایک حکایت نقل کر جاتے ہیں اور نہیں خیال کرتے کہ اول تو اسماعیل بن عرعرہ مجہول پھر اس امام صاحبؒ کے درمیان مسافت طویل جس کی وجہ سے خبر منقطع اور معلول وغیر مقبول ہے۔ مگر ابوحنیفہؒ کی مذمت میں ہر خبر قابل قبول ہے چاہے فاسق و فاجر ہی کی روایت ہو پھر عبدالوارث عبری فرقہ قدریہ میں سے ہے اور بصرہ کے قدریوں کو امام ابوحنیفہؒ سے خاص طور پر انحراف تھا، کیونکہ امام صاحب اپنے ابتدائی دور میں مناظرہ اور علم کلام کے ماہر تھے اور بار ہا بصرہ جا کر خارجیوں اور قدریوں سے مناظرہ کرتے اور ان کا ناطقہ بند کرتے تھے۔ اس لئے کسی خارجی یا قدری کا قول امام صاحبؒ کے متعلق قابل

قبول نہیں ہوسکتا۔ دشمن کی بات اس کے مخالف کے حق میں کوئی بھی نہیں مان سکتا۔

اس کے بعد طلوع اسلام میں یحیٰ بن آدم کا قول نقل کیا گیا ہے کہ ابوحنیفہؒ کے سامنے یہ حدیث نقل کی گئی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے وضو آدھا ایمان ہے۔ ابوحنیفہؒ کہنے لگے پھر تو دو مرتبہ وضو کر ڈالو تاکہ تمہارا ایمان کامل ہو جائے۔ ایسا ہی قول لاادری کے متعلق ذکر کیا گیا ہے۔ (طلوع اسلام)

یہ سند منقطع ہے۔ یحیٰ بن آدم نے امام صاحبؒ کو نہیں پایا جو صیغہ وہ استعمال کر رہا ہے وہ صیغہ انقطاع ہے۔ ایسی مہمل سند سے کسی مسلم امام پر جرح کرنا خود اپنے کو مجروح کر دینا ہے۔

یہ تو سند پر کلام تھا، اب حقیقت کی طرف رجوع کیا جائے تو حدیث **افطر الحاجم والمحجوم** کو اکثر محدثین نے جن میں یحیٰ بن معین بھی ہیں ثابت نہیں مانا (ملاحظہ ہو نصب الرایہ) اور جن کے نزدیک ثابت بھی ہے وہ اس کو منسوخ کہتے ہیں کیونکہ دوسری صحیح حدیث سے ثابت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے روزہ کی حالت میں پچھنے لگوائے ہیں اور جو حضرات منسوخ نہیں کہتے وہ اس میں تاویل کرتے ہیں کہ مطلب یہ ہے کہ حاجم اور محجوم اپنے کو خطرہ میں ڈالتے ہیں۔ کیونکہ حاجم تو خون چوستا ہے اندیشہ ہے کہ اس کے حلق میں پہنچ جائے اور محجوم خون نکلوا کر کمزور ہو جاتا ہے اندیشہ ہے کہ ضعف بڑھ جانے سے روزہ پورا نہ کر سکے۔ اور لاادری نصف العلم حدیث نہیں ہے بعض صحابہ کا قول ہے اگر کسی کمزور راوی نے اس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد بنا دیا ہو تو اس کا رد ضرور کیا جائے۔ اسی طرح الطہور شطر الایمان بعض محدثین کے نزدیک ضعیف حدیث ہے ممکن ہے امام صاحبؒ بھی اس کو صحیح نہ مانتے ہوں۔ مگر جو الفاظ تاریخ خطیب میں ان کی طرف منسوب کئے گئے وہ ہرگز امام صاحبؒ کی زبان سے نہیں نکل سکتے۔ امام ابوحنیفہؒ کا عام لوگوں کے ساتھ گفتگو میں شائستہ اور مہذب ہونا مشہور و معروف ہے ان کی متانت و وقار کا سب کو اقرار ہے وہ کسی حدیث پر ایسے ناشائستہ الفاظ سے ہرگز کلام نہیں کر سکتے تھے۔

اس کے بعد صفحہ ۳۵ پر مدیر طلوع اسلام نے یہ عنوان قائم کر کے کہ ''یہ احکام گزر چکے اور ختم ہو چکے'' یہ ثابت کرنا چاہا ہے کہ امام اعظم ابوحنیفہؒ کے نزدیک احادیث رسولؐ کے احکام دائمی نہ تھے بلکہ وقتی تھے ان میں تبدل وتغیر کیا جا سکتا ہے۔''

مگر روایت خطیب کے لفظ پر اس نے ساری عمارت قائم کی ہے وہ خود اس کی جہالت کا پردہ چاک کرتی ہے واقعہ یوں بیان کیا جاتا ہے کہ امام صاحبؒ نے شہد کا چھتہ چرانے والے کے ہاتھ کاٹنے کا فتویٰ دے دیا تو ابوعوانہ نے کہا یہ تو حدیث ''**لا قطع فی ثمر ولا کثر**'' کے خلاف ہے۔ امام صاحبؒ نے فرمایا **ذاک حکم قد مضی فانتھی** اب تو یہ حکم نافذ ہو گیا اور فیصلہ ہو چکا۔ اس میں ذاک حکم سے حکم رسول مراد نہیں بلکہ خود امام کا اپنا فتویٰ مراد ہے کہ اب تو میں فتویٰ دے چکا اور فیصلہ ہو چکا جس کی دلیل دوسری روایت کے یہ الفاظ ہیں **قلت الرجل الذی افتیتہ فردہ قال دعہ فقد جرت بہ النعال الشھب** میں نے کہا جس شخص کو آپ نے حدیث کے خلاف فتویٰ دیا ہے اس کو واپس بتلایئے (اور صحیح فتویٰ سنا دیجئے تاکہ چور کا ہاتھ نہ کاٹا جائے) فرمایا جانے بھی دو اس کو تو تیز رو خچر کہیں سے کہیں لے گئے ہیں۔ یہ دوسری روایت بھی اسی واقعہ مذکورہ کے متعلق ہے جس کو خطیب نے تحویل سند کے ساتھ دوبارہ بیان کیا ہے اس سے یہ مضمون نکالنا کہ امام صاحبؒ نے حدیث رسولؐ کے متعلق فرمایا تھا کہ یہ احکام گزر چکے ختم ہو چکے۔ مدیر طلوع اسلام کی نری جہالت ہے۔

اب اس روایت کی حقیقت بھی ملاحظہ ہو پہلی سند میں تو ابوعمرو بن السماک ہے جس پر ذہبی نے طعن کیا ہے کہ وہ بہت بیہودہ باتیں روایت کرتا ہے اس کے بعد رجاء بن السندی ہے جو بہت زبان دراز ہے۔ پھر بشر بن السری ہے جس کے متعلق حمیدی نے کہا ہے کہ یہ جہمی ہے اس سے روایتیں لکھنا جائز نہیں۔ دوسری سند میں دوما مزدر (صاحب تزویر) ہے اس سے پہلے قدم ہی میں یہ روایت ایسی گر گئی کہ اٹھنے کے قابل نہیں۔ اس کے بعد ابن سلم، ابار اور حلوانی بھی موجود ہیں جن میں پہلے کلام ہو چکا ہے۔ نیز ابو عاصم عبادانی بھی ہے جس کو منکر الحدیث کہا گیا ہے۔ اس کے بعد ابوعوانہ ہے۔ گو علی بن عاصم

نے اس پر بھی سخت جرح کی ہے مگر یہ اس کی زیادتی ہے اتنا ضرور ہے کہ ان کی کتاب صحیح تھی اس کو دیکھ کر روایت کرتے تو ٹھیک بیان کرتے اور حفظ سے روایت کرتے تو غلطی کرتے تھے۔ اور اپنی عمر کے آخری چھ سالوں میں جو کچھ انہوں نے روایت کیا ہے اس کا اعتبار نہیں کیونکہ (حواس میں) اختلاط پیدا ہو گیا تھا۔ ہمارا خیال یہ ہے کہ اس حکایت میں ابوعوانہ کی خطا نہیں ہے بلکہ اس سے نیچے جو مجروح راوی دھرے ہوئے ہیں خطا ان کی ہے دوسری روایت میں کہا گیا ہے کہ امام صاحب نے حدیث **لا قطع فی ثمر و لا کثر** (پھل اور کھجور کے گودے کی چوری میں ہاتھ نہیں کاٹا جاتا) کو سن کر یہ فرمایا کہ مجھے یہ حدیث نہیں پہنچی حالانکہ امام محمد نے کتاب الآثار امام ابوحنیفہ سے ہیثم بن الہیثم سے، شعبی سے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اور ابوبکر بن المقری نے سند ابی حنیفہ میں ابوحنیفہ سے شعبی سے حضرت علیؓ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بسند صحیح روایت کیا ہے۔

> ﴿**لا یقطع السارق فی ثمر و لا کثر قال محمد وبه نأخذ والثمر ما کان فی رؤس النخل والشجر لم یحرز فی البیوت فلا قطع علی من سرقه و الکثر جمار النخل فلا قطع علی من سرقه وهو قول ابی حنیفةؒ**﴾
>
> ”چور کا ہاتھ نہ کاٹا جائے پھل کی چوری میں اور نہ کھجور کے گودے کی چوری میں۔ امام محمد نے کہا ہم بھی یہی کہتے ہیں۔ ثمر وہ ہے جو کھجور پر یا کسی درخت کے اوپر (پھل) لگا ہوا ہو گھر میں لا کر حفاظت سے نہ رکھا گیا ہو اس کی چوری سے ہاتھ نہ کاٹا جائے گا اور کثر کھجور کے گودے کو کہتے ہیں اس کی چوری میں بھی ہاتھ نہیں کاٹا جاتا۔ یہی امام ابوحنیفہؒ کا قول ہے۔“

تم نے دیکھا امام ابوحنیفہؒ کو یہ حدیث اس وقت پہنچ چکی تھی جب کہ ابوعوانہ بچے تھے اور واسط شہر میں اپنے آقا کی غلامی میں دن گزار رہے تھے ان کی ولادت ۱۲۲ھ میں ہوئی ہے اور جرجان کے قیدیوں میں شامل ہو کر واسط آئے تھے۔ یہ بات مشہور ہے۔ پھر

ایک مدت تک اپنے مولیٰ یزید بن عطاء کی غلامی میں رہے اس حالت میں امام صاحبؒ کی حیات میں ان کا کوفہ آنا اور ان کے حلقہ درس میں مدت تک رہنا جیسا کہ تاریخ خطیب میں ص ۴۰۱ پر مذکور ہے قیاس سے بعید ہے مگر بعض لوگوں کے نزدیک امام ابوحنیفہؒ کی مذمت میں ناممکن بھی ممکن ہو جاتا ہے۔ پس خطیب کی یہ روایت جس میں کہا گیا ہے کہ امام صاحبؒ نے اس حدیث کے خلاف فتویٰ دیا اور شہد کا چھتہ چرانے والے کا ہاتھ کٹوا دیا اور ابوعوانہ سے فرمایا کہ مجھے یہ حدیث نہیں پہنچی سراسر غلط اور کھلا بہتان اور سفید جھوٹ ہے۔

اس کے بعد طلوع اسلام نے اپنے ''انکار حدیث'' پر پردہ ڈالنے کے لئے دو روایتیں امام احمدؒ سے بھی امام ابوحنیفہؒ کے انکار حدیث کی نقل کر دی ہیں۔ ایک کا حاصل یہ ہے کہ احمد بن حنبلؒ نے عقیقہ کے باب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بہت سی حدیثیں صحابہ کے آثار اور تابعی[illegible] اقوال بیان کر کے تعجب سے مسکراتے ہوئے فرمایا ''مگر ابوحنیفہ کہتے ہیں کہ یہ جاہلیت [illegible] اعمال میں سے ایک عمل ہے۔''

مگر ہم امام احمد ہی سے پوچھتے ہیں کیا جاہلیت میں عقیقہ نہیں تھا؟ اگر جواب اثبات میں ہے تو ابوحنیفہ نے کیا خطا کی؟ اور اگر نفی میں [illegible] تاریخ عرب اور احادیث و آثار اس کی تردید کرتے ہیں۔ واقعہ یہ ہے کہ جاہلیت میں عقیقہ کو واجب سمجھا جاتا تھا۔ اسلام نے وجوب ساقط کر دیا۔ اباحت کو باقی رکھا۔ امام محمد نے آثار میں امام ابوحنیفہؒ سے، حماد سے، ابراہیم نخعی سے۔ دوسری سند میں محمد بن الحنفیہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔

﴿کانت العقیقة فی الجاهلیة فلما جاء الاسلام رفضت قال محمد وبه نأخذ وهو قول ابی حنیفة﴾

''عقیقہ جاہلیت میں تھا جب اسلام آیا تو چھوڑ دیا گیا۔ امام محمد کہتے ہیں ہمارا عمل بھی اسی پر ہے اور ابوحنیفہ کا بھی یہی قول ہے۔''

اس سے کوئی بھی انکار نہیں کر سکتا کہ عقیقہ جاہلیت کے وقت سے چلا آ رہا ہے اسلام میں بھی اس پر عمل کیا گیا ہے۔ امام صاحبؒ کی رائے یہ ہے کہ اسلام میں اس کا وجوب باقی نہیں رہا صرف اباحت و استحباب باقی ہے اور اسی رائے میں ان کے ساتھ

محمد ابن الحنفیہ بھی ہیں جو بہت بڑے فقیہ ابن الفقیہ ہیں کہ صحابہ سے بھی فتاویٰ میں مزاحمت کرتے تھے نیز ابراہیم نخعی بھی ان کے ساتھ ہیں جن کے بارے میں شعبی کا قول یہ ہے کہ ابراہیم نخعی نے اپنے بعد اپنے سے بڑا عالم نہیں چھوڑا۔ کسی نے کہا حسن بصریؒ اور ابن سیرینؒ بھی نہیں؟ کہا حسن اور ابن سیرین بھی ان سے زیادہ عالم نہیں۔ بصرہ، کوفہ، حجاز میں ان سے بڑا عالم کوئی نہ تھا۔ ایک روایت میں شام کو بھی شامل کیا گیا ہے نیز امام محمد بن حسنؒ بھی ان کی موافقت کرتے ہیں جو اتنے بڑے فقیہ ہیں کہ فقہ ابی حنیفہ کے ساتھ علم ابی یوسف وعلم اوزاعی وعلم سفیان ثوری اور علم امام مالکؒ کے بھی جامع تھے۔ یہ حضرات فقہاء ان احادیث سے جو عقیقہ کے باب میں وارد ہیں وجوب نہیں سمجھے اگرچہ امام احمدؒ نے جماعت فقہا سے الگ ہو کر وجوب کا دعویٰ کیا ہے باقی عقیقہ کی اباحت یا استحباب کا انکار حنفیہ میں سے کسی نے بھی نہیں کیا۔ اس مسئلہ میں علماء نے طویل بحث اور بہت لمبی گفتگو کی ہے جس کا خلاصہ ہم نے بیان کر دیا ہے۔

دوسری روایت محمد بن یوسف بیکندی کے حوالہ سے بیان کی گئی ہے کہ امام احمد کے سامنے امام ابوحنیفہ کا یہ قول نقل کیا گیا کہ نکاح سے پہلے بھی طلاق ہوسکتی ہے۔ امام احمد کہنے لگے مسکین ابوحنیفہ! گویا وہ عراق میں تھے ہی نہیں گویا انہیں علم سے کچھ مس تھا ہی نہیں۔ اس باب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، صحابہ اور تیس کے قریب کبار تابعین کے ارشادات واقوال موجود ہیں کہ نکاح سے پہلے طلاق نہیں پڑسکتی۔ الخ۔

اس کے بعد طلوع اسلام بڑے طنطنہ سے کہتا ہے کہ ”آپ نے دیکھا کہ حدیث کے متعلق فقہ اسلامی کے سب سے بڑے امام کا مسلک کیا ہے؟ لیکن نہ تو امام اعظم کو منکر حدیث کہا جاتا ہے اور نہ ہی حنفی مسلمانوں کو۔ حالانکہ جس تشدد سے انکار حدیث امام ابوحنیفہ کے ہاں پایا جاتا ہے کسی ”منکر حدیث“ کے ہاں کم ہی ایسا پایا جائے گا۔ کم از کم طلوع اسلام میں ایسا تشدد آپ کو کبھی نظر نہیں آئے گا۔ لیکن اس کے باوجود طلوع اسلام کو منکر حدیث قرار دے کر کافر ٹھہرایا جاتا ہے............ الخ۔“ جی ہاں طلوع اسلام کو اس لئے منکر حدیث قرار دے کر جماعت اہل سنت سے الگ کیا جاتا ہے کہ اسے

اپنے انکار حدیث کا اقرار بھی ہے اور اس کی تحریروں اور ادارہ کی تقریروں سے اس کا ثبوت بھی ہو چکا ہے۔ اور امام ابوحنیفہؒ کو اس لئے منکر حدیث نہیں کہا جا سکتا کہ ان کو اپنے منکر حدیث ہونے کا اقرار نہیں نہ ان سے اور ان کے اصحاب سے اس قسم کا کوئی قول پایہ ثبوت کو پہنچا اور جو کچھ تاریخ خطیب سے اس باب میں نقل کیا جا رہا ہے سراسر غلط اور سفید جھوٹ ہے جیسا اب تک ہم اچھی طرح دکھلاتے آئے ہیں اور آئندہ بھی بتلائیں گے۔ کیا طلوع اسلام کو تاریخ خطیب جس کی عبارتوں کو توڑ موڑ کر پیش کیا گیا ہے کے سوا علماء حنفیہ کی اصولی کتابیں حسامی، اصول الشاشی، نورالانوار، توضیح تلویح، اصول بزدوی وغیرہ کچھ بھی دکھائی نہیں دیتیں جن میں کتاب اللہ کے بعد باب السنہ بھی قائم کیا ہوا ہے جس میں صاف صاف کہا گیا ہے کہ قرآن کے بعد دوسری حجت شرعیہ حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔ پھر حدیث کے اقسام واحکام سے تفصیل کے ساتھ بحث کی گئی ہے۔ یہ الٹی منطق طلوع اسلام ہی نے سیکھی ہے کہ امام ابوحنیفہ کے مسلک حدیث کو تاریخ کی کتاب سے معلوم کرنا چاہتا ہے جس کی حقیقت ہم اوپر بتلا چکے ہیں اور خود مذہب حنفی کی اصولی کتابوں سے آنکھیں بند کر لیتا ہے۔ حالانکہ سیدھی بات یہ ہے جس سے کسی عاقل کو انکار نہیں ہو سکتا کہ ہر امام کا مسلک اس کے مذہب کی اصولی، فروعی کتابوں سے معلوم ہو سکتا ہے دوسروں کی کتابوں سے معلوم نہیں ہو سکتا۔

اب میں اس مہمل روایت کی حقیقت بھی آپ کو بتلا دوں جس پر طلوع اسلام نے خوشی کے شادیانے بجائے ہیں۔

واقعہ یہ ہے کہ نکاح سے پہلے طلاق واقع ہونے کا کوئی بھی قائل نہیں۔ امت کا اجماع ہے کہ نکاح سے پہلے طلاق واقع نہیں ہوتی۔ کیونکہ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے یَـٰٓأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوٓا إِذَا نَكَحْتُمُ الْمُؤْمِنَاتِ ثُمَّ طَلَّقْتُمُوهُنَّ (سورۃ الاحزاب) اور حدیث میں ہے **لاطلاق قبل النکاح** یہی امام ابوحنیفہؒ کا مذہب ہے جس سے امام احمد بن حنبلؒ ناواقف نہیں ہو سکتے کیونکہ وہ خود بھی عراقی ہیں اور علماء عراق سے ہی انہوں نے فقہ حاصل کی ہے۔ جو امام ابوحنیفہؒ کے شاگرد یا شاگردوں کے شاگرد تھے۔ اسی تاریخ

خطیب میں احمد بن حنبلؒ کا یہ قول مذکور ہے کہ جب میں نے طلب علم کا ارادہ کیا تو سب سے پہلے امام ابو یوسفؒ کے حلقہ درس میں پہنچا۔ یہ بھی اسی تاریخ میں ہے کہ امام احمدؒ سے کسی نے پوچھا یہ دقیق مسائل آپ نے کہاں سے سیکھے؟ فرمایا محمد بن حسنؒ کی کتابوں سے۔ اس کے بعد کسی کی عقل باور کرسکتی ہے کہ امام احمدؒ کی زبان پر امام ابوحنیفہؒ کے متعلق یہ بات آسکتی ہے۔ کہ ''مسکین ابوحنیفہ گویا وہ عراق میں تھے ہی نہیں۔ گویا انہیں علم سے مس تھا ہی نہیں الخ۔ اگر اس روایت کو صحیح مان لیا جائے تو امام ابوحنیفہ تو مسکین ہی بنیں گے مگر امام احمد کو دنیا (خدانخواستہ) بے ادب، احسان فراموش قرار دے گی۔ اس لئے ہمارے نزدیک درایۃً یہ روایت صحیح نہیں۔ پھر اس کی سند میں محمود بن اسحٰق بن محمود القواس ہے جس کو کسی نے ثقہ نہیں کہا۔ اسی طرح اس کے شاگرد احمد بن محمد بن حسین رازی کو بھی ہماری تحقیق ثقہ نہیں قرار دیتی۔ پھر بیکندی نے صیغہ انقطاع استعمال کیا ہے کہ امام احمد بن حنبلؒ کے سامنے امام ابوحنیفہؒ کا قول نقل کیا گیا۔ یہ نہیں بتلایا کہ ناقل کون تھا؟ ثقہ تھا یا غیر ثقہ؟ اور جس وقت یہ قول بیان کیا گیا بیکندی اس مجلس میں حاضر تھا یا نہیں؟ اس نے ناقل کا قول اور امام احمدؒ کا جواب خود سنا ہے یا اور کسی سے سن کر بیان کر رہا ہے؟ ایسی حالت میں محدثین کے اصول پر بھی یہ روایت ساقط الاعتبار ہے۔

غرض اس پر پوری امت کا اتفاق ہے کہ نکاح سے پہلے طلاق واقع نہیں ہوتی۔ اختلاف اس میں ہے کہ نکاح سے پہلے طلاق کو معلق بھی کیا جاسکتا ہے یا نہیں؟ امام ابوحنیفہؒ کا مذہب یہ ہے کہ اگر نکاح یا ملک پر طلاق یا عتاق کو معلق کیا جائے تو تعلیق صحیح ہے مثلاً یوں کہے ان نکحت فلانۃ فہی طالق اگر میں فلانی عورت سے نکاح کروں تو اس کو طلاق۔ یہ طلاق معلق ہو جائیگی۔ اور اگر اس نے اس عورت سے کسی وقت نکاح کیا، طلاق پڑ جائے گی۔ مگر ظاہر ہے کہ اس کو طلاق قبل النکاح نہیں کہا جاسکتا کیونکہ وہ نکاح سے پہلے تو معلق رہتی ہے۔ واقع نہیں ہوتی نکاح کے بعد واقع ہوتی ہے۔ اس لئے یہ صورت آیت وحدیث کے تحت شامل نہیں۔ اس مسئلہ میں عثمان بتی، امام سفیان ثوری، امام مالک، ابراہیم نخعی، مجاہد، شعبی او خلیفہ راشد عمر بن عبدالعزیز بھی امام صاحب کیساتھ ہیں۔ حضرت عمر بن الخطاب

رضی اللہ عنہ کا قول صراحۃً امام ابوحنیفہ اوران کے اصحاب کی تائید میں ہے۔ امام شافعیؒ نے سعید بن المسیب کے قول کو لیا ہے یہی امام احمد کا مسلک ہے۔ اس مسئلہ میں علماء نے بہت طویل کلام کیا ہے۔ ملاحظہ ہو احکام القرآن للجصاص ص ۳۶۱ ج ۳ پھر یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ امام ابوحنیفہ کے متعلق امام احمد وہ الفاظ استعمال کریں جو اس مہمل روایت میں مذکور ہیں حالانکہ وہ خوب جانتے ہیں کہ اس مسئلہ میں ابوحنیفہ کی حجت واضح اور دلیل راجح ہے۔ اوران کے ساتھ فقہاء سلف کی ایک بڑی جماعت ہے جن کو شمار نہیں کیا جاسکتا جن میں تنہا حضرت عمرؓ ہی ہزاروں پر بھاری ہیں اوراس بات میں مرفوع حدیثیں جو بیان کی جاتی ہیں اضطراب سے خالی نہیں اور جو صحیح ہیں ان میں وہ صورت داخل نہیں جو مابہ النزاع ہے جس میں اختلاف ہورہا ہے، غالباً اب تو طلوع اسلام کی آنکھیں شرم سے جھک گئی ہوں گی کہ جس بات پر خوشی کے شادیانے بجائے گئے تھے الٹی موجب تعزیت ہوگئی اور یہ کہ عوام کی جہالت سے ہم فائدہ نہیں اٹھارہے بلکہ خود طلوع اسلام جہالت کے دریا میں غوطے لگا رہا اوراپنے جیسے انگریزی تعلیم یافتہ طبقہ کواس میں ڈبونے کی کوشش کررہا ہے۔

اس کے بعد اس نے ایک نہایت ہی بیہودہ عنوان قائم کیا ہے کہ ''اگر میں رسول اللہ کے عہد میں ہوتا تو آپ بھی میرے بہت سے اقوال کواختیار فرمالیتے''۔ اور اس کواسی تاریخ خطیب کے حوالہ سے امام صاحب کی طرف منسوب کیا گیا ہے۔اس بیہودہ روایت کی حقیقت ہم اوپر واضح کرچکے ہیں کہ ایسا گستاخی کا بول امام صاحب کی زبان سے کبھی نہیں نکل سکتا۔ واقعہ یہ ہے کہ امام صاحب نے عثمان بتی کی نسبت ان کے ایک شاگرد کوخطاب کرتے ہوئے فرمایا تھالو ادرکنی البتی لاخذ بکثیر من اقوالی وترک کثیرا من اقواله اگر (عثمان) بتی مجھے پالیتا تو میرے بہت سے اقوال کو لے لیتا اوراپنے بہت سے اقوال چھوڑ دیتا۔ مہمل اور مغفل راویوں نے تعصب یا جہالت سے بتی کو نبی بنادیا اور صلی اللہ علیہ وسلم کا اضافہ کرکے بات کوکہاں سے کہاں پہنچادیا۔

اس بیہودہ روایت پر عمارت قائم کرتے ہوئے طلوع اسلام کو ذرا بھی شرم نہ آئی وہ بڑی ڈھٹائی سے امام اعظم ابوحنیفہؒ کی طرف اس قول کومنسوب کرتا ہے کہ ''خود

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقہ یہ تھا کہ آپ تعیین جزئیات (تدوین فقہ) میں صحابہؓ سے مشورہ لیا کرتے تھے اور جس کی رائے بہتر معلوم ہوتی اسے اختیار فرمایا کرتے تھے'' (یہ قول کس کتاب سے نقل کیا جا رہا ہے؟ تاریخ خطیب میں تو یہ اضافہ نہیں ہے۔ طلوع اسلام کو جھوٹ بولتے ہوئے بھی شرم نہیں آتی، اس کے بعد وہ کہتے ہیں کہ اگر میں بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ہوتا تو میں بھی اس مجلس مشاورت میں شریک ہوتا۔'' (یہ کس لفظ کا ترجمہ ہے؟ طلوع اسلام کو ترجمہ میں دیانت کا بھی پاس نہیں)'' اور میرا خیال ہے کہ کئی امور میں حضورؐ میری رائے کو اختیار فرما لیتے'' اھ۔ بعد والے مضمون کی حقیقت تو ہم نے بتلا دی کہ یہ محض دروغ بے فروغ ہے۔ اس سے پہلے مضمون کا حوالہ طلوع اسلام دیدے گا تو اس کی حقیقت بھی واضح کر دی جائے گی، مگر ہمارا خیال یہ ہے کہ وہ اس کا حوالہ نہیں دے سکتا کیونکہ وہ تو سراسر ایجاد بندہ اور اس کی ہی اختراع گندہ ہے۔

اس کے بعد طلوع اسلام میں ابو صالح فراء کے حوالہ سے یوسف بن اسباط سے اسی بات کو روایت کیا گیا ہے کہ ''ابوحنیفہ فرمایا کرتے تھے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم مجھے پاتے الخ۔ اس میں اتنا اضافہ اور بھی ہے کہ (امام ابوحنیفہ نے فرمایا) دین اس کے سوا اور کیا ہے کہ وہ ایک اچھی اور عمدہ رائے کا نام ہے۔''

اگر طلوع اسلام اس روایت کو صحیح اور اس قول کو امام ابوحنیفہ کا قول سمجھتا ہے تو پھر دین میں نہ قرآن کی ضرورت رہتی ہے نہ کسی مشورہ اور کمیٹی کی۔ بلکہ ہر شخص کو اچھی رائے پر عمل کرنا چاہیے جو اس کے نزدیک اچھی ہو۔ امام صاحب کے اس قول میں مشورہ اور کمیٹی اور کثرت رائے اور ہیڈ آف دی اسٹیٹ کی صدارت وغیرہ کا کچھ ذکر نہیں لہٰذا ان قیود کا اضافہ قابل قبول نہ ہوگا۔

مگر طلوع اسلام کو تو انکار حدیث کے جنون نے ایسا حواس باختہ کر دیا ہے کہ جس طرح ڈوبتا ہوا آدمی تنکے کا سہارا ڈھونڈتا ہے وہ بھی ذرا ذرا سی بات کا سہارا لینا چاہتا ہے گو بعد میں اسے منہ ہی کی کھانی پڑے۔ حقیقت یہ ہے کہ جس طرح مہمل یا مغفل راویوں نے بتی کو بدل کر نبی بنا دیا اور صلی اللہ علیہ وسلم بڑھا کر بات کو کہیں سے کہیں پہنچا

دیا تھا اسی طرح ھل اریٰ الا الرأی الحسن کو ھل الدین الاالرأی الحسن بنا دیا۔ امام صاحب عثمان بتی فقیہ بصرہ کی نسبت فرمارہے ہیں کہ اگر وہ مجھے پالیتا تو میرے بہت سے اقوال کو لے لیتا (کیونکہ وہ بھی صاحب اجتہاد تھا قیاس ورائے کا قائل تھا) اور میں بھی اچھی رائے اور بہترین اجتہاد سے کام لیتا ہوں۔ اس صورت میں یہ جملہ پہلے جملہ کی دلیل ہوگا کہ عثمان بتی میرے اقوال کو اس لئے اختیار کر لیتا کہ میں اچھے طریقہ پر قیاس واجتہاد کرتا ہوں اور ظاہر ہے کہ جن راویوں نے البتی کو النبی پڑھ دیا وہ ہل اری کو ہل الدین، پڑھ دیں تو کیا تعجب؟ اور چونکہ ہم امام طحاوی کے حوالہ سے بسند صحیح ثابت کر چکے ہیں کہ اس روایت میں راویوں نے تصحیف کر کے البتی کو النبی بنا دیا ہے۔ اس لئے دوسرے جملہ میں بھی ہمارے نزدیک تصحیف سے کام لیا گیا ہے۔ ورنہ طلوع اسلام جیسے ناواقفوں کے سوا کسی کی عقل باور نہیں کر سکتی کہ ایک عظیم الشان امام جس نے امت کے دلوں میں بہت بڑا مقام حاصل کر لیا ہے صدیوں سے امت اس کی پیروی کرتی چلی آرہی ہے اعلانیہ یوں کہتا ہے کہ اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مجھے پالیتے تو میری بہت سی باتوں کی پیروی کر لیتے اور وہ دین جس کو قرآن میں تَنْزِيْلٌ مِّنْ حَكِيْمٍ حَمِيْدٍ ٥ کہا گیا ہے چند آدمیوں کی اچھی رائے کا مجموعہ ہے اور کچھ نہیں'' اور کوئی مسلمان بھی اس کی گردن نہیں ناپتا، نہ یہ امت دامن جھٹک کر اس سے الگ ہوتی ہے؟ اس کو پاگلوں ہی کی عقل ممکن سمجھ سکتی ہے۔ ہمارے نزدیک تو خدانخواستہ اگر امام صاحب نے ایسی بیہودہ بات زبان سے نکالی ہوتی تو اسی وقت ان کی گردن اڑا دی جاتی اور ہر طرف سے لعنت و ملامت کے تیر برسنے لگتے۔ وہ زمانہ برطانیہ کی حکومت یا آج کی حکومتوں کا زمانہ نہ تھا اس وقت تو اس سے بھی کم تر بات پر گردن ناپ دی جاتی تھی۔ مگر طلوع اسلام نے اس جگہ پوری طرح عقل سے ہاتھ دھو لئے ہیں۔ وہ نہیں سمجھتا کہ وہ کیسی بے تکی باتوں سے اپنا الو سیدھا کر رہا ہے۔ وہ اس بیہودہ مصحف (مبدل مہمل روایت سے خلق خدا کو دھوکہ دینا چاہتا ہے کہ طلوع اسلام وہی کہتا ہے جو امام ابوحنیفہ نے کہا تھا کہ مرکز ملت نمائندگان امت کے مشورہ سے قرآنی اصولوں کی روشنی میں جو فیصلے کرے وہی شریعت اسلامی

کہلاتے ہیں اور یہ فصلے زمانہ کے حالات کے ساتھ ساتھ قابل تغیر و تبدل ہوتے ہیں..... (سبحان اللہ یہ آج کل کی اسمبلیاں جن کے ممبر عموماً روٹی اور روپیہ یا دباؤ کے زور سے ایم این اے بنتے ہیں امت کے نمائندے ہو گئے اور آج کل کی مرکزی حکومتیں جن کو نہ دین کے اصول سے واسطہ نہ فروعات سے، مرکز ملت قرار پانے کے قابل ہو گئیں؟ اگر یہ سب واقعی امت کے نمائندے اور سچ مچ مرکز ملت بننے کے قابل ہوتے جب بھی ان کے فیصلے شریعت نہیں بن سکتے تھے۔ چہ جائیکہ اس ناگفتہ بہ حالت میں) ہم واضح کر چکے ہیں کہ امام ابوحنیفہ نے ایسا کبھی نہیں کہا اور اگر وہ ایسی بے ہودہ باتیں زبان سے نکالتے ان کی گردن اڑادی جاتی اور مدیر طلوع اسلام اس زمانہ میں ہوتا اور ایسی بات زبان یا قلم سے نکالتا تو اس کو اسی وقت روک دیا جاتا۔ یہ پاکستان ہی کی حکومت ہے جو دین مبین کے ساتھ ایسی کھلی گستاخی کرنے والوں کو نہیں روکتی بلکہ ان کو پھلنے پھولنے کا موقع دے رہی ہے۔ طلوع اسلام کو شرم نہیں آتی کہ تاریخ خطیب میں جو باتیں امام ابوحنیفہؒ کو بدنام کرنے کے لئے درج کی گئی تھیں جن کے راویوں کی قلعی کھول کر اس وقت سے آج تک ملت حنفیہ امام ابوحنیفہؒ کے دامن کو ان لغویات سے پاک ثابت کرتی آ رہی ہے طلوع اسلام اپنا الو سیدھا کرنے کے لئے اپنے ساتھ امام ابوحنیفہؒ کے دامن کو بھی ان لغویات سے ملوث کرنے کی کوشش کر رہا ہے۔ مگر وہ یاد رکھے کہ حق حق ہے اور باطل باطل ہے اس کی کوشش سے امام ابوحنیفہ کا دامن تو ان کفریات سے ملوث نہیں ہو سکتا مگر اس بیہودہ کوشش نے طلوع اسلام کی غلطیوں کو پوری طرح طشت ازبام کر دیا ہے۔ کیونکہ وہ ان کفریات کو جنہیں مجروح، کمزور، جھوٹے یا متعصب راویوں نے امام صاحب کی طرف غلط طور سے منسوب کیا تھا عین ایمان سمجھتا ہے اور انہیں اپنے مسلک کی تائید میں خوشی کے شادیانے بجا کر پیش کر رہا ہے یہ صریح ظلم نہیں تو اور کیا ہے۔

اس کے بعد طلوع اسلام نے یہ عنوان قائم کر کے کہ ''جس چیز کا مدار نقل در نقل روایت پر ہو وہ دین نہیں بن سکتی۔'' دعویٰ کیا ہے کہ ''اگر کوئی شخص یوں کہتا ہے کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ کعبہ حق ہے مگر یہ نہیں جانتا کہ آیا کعبہ وہی ہے جو مکہ میں ہے یا کوئی اور

ہے تو یہ شخص سچا مومن ہے۔ یا کوئی یوں کہتا ہے کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد بن عبداللہ، اللہ کے نبی ہیں، مگر میں یہ نہیں جانتا کہ آیا یہ وہی ہیں جن کی قبر مدینہ میں ہے یا اور کوئی ہیں تو یہ شخص بھی سچا مومن ہے۔'' پھر اسی مضمون کو چند طرق سے بحوالہ تاریخ خطیب امام ابو حنیفہ کی طرف منسوب کیا گیا ہے (جس کی حقیقت عن قریب واضح ہو جائے گی) اس کے بعد لکھتا ہے کہ '' آپ نے غور فرمایا کہ تاریخ اور دین کا فرق کس قدر نمایاں طور پر واضح ہو جاتا ہے۔''

گویا اس کے نزدیک کعبہ کا مکہ میں ہونا بھی تاریخی واقعہ ہے اور دین میں داخل نہیں کیونکہ وہ تو نقل در نقل روایت سے معلوم ہوا ہے۔ گویا اس کے نزدیک آیت قرآنی اِنَّ اَوَّلَ بَيْتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِىْ بِبَكَّةَ مُبَارَكًا وَّهُدًى لِّلْعٰلَمِيْنَ ٥ بھی کوئی تاریخی روایت ہے اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مکہ سے مدینہ کی طرف ہجرت کرنا، اس کو اپنی قیام گاہ بنانا بھی محض تاریخی روایت ہے قرآن میں اس کا کہیں ذکر نہیں؟ یہ ہے منکرین حدیث کی قرآن دانی اور قرآن فہمی۔

اس کے بعد میں پوچھنا چاہتا ہوں کہ اگر کوئی شخص یہ کہے کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ قرآن کلام اللہ ہے مگر میں نہیں جانتا کہ یہ وہی ہے جو تیس سیپاروں میں تقسیم کیا گیا ہے یا وہ ہے جس کے بقول بعض شیعہ چالیس سیپارے تھے۔ اس کے بارے میں طلوع اسلام کیا کہتا ہے؟

وہ ہمیں بتلائے کہ جس دلیل سے اس نے کعبہ کے مکہ میں ہونے کو اور قبر رسولؐ کے مدینہ میں ہونے کو تاریخی واقعہ قرار دیا ہے اسی دلیل سے اس قرآن کا جس کے تیس سیپارے کئے گئے ہیں کلام اللہ ہونا تاریخی واقعہ ٹھہرتا ہے یا نہیں؟ پھر اس کے نہ جاننے والے کو بھی سچا مومن اور پکا مسلمان کہنا چاہیے؟ ورنہ فرق بتلائے کہ تیس سیپارے والے قرآن کا کلام اللہ ہونا تاریخی واقعہ کیوں نہیں۔ اور کعبہ کا مکہ میں ہونا تاریخی واقعہ کیوں ہے؟ رہا یہ کہ آسمان کے نیچے یقینی چیز اللہ کی کتاب ہے جس کی حفاظت کا ذمہ اس نے خود لیا ہے۔'' تو یہ بھی اسی تیس سیپارے والے قرآن کی ایک آیت کا مضمون ہے جس

کا کلام اللہ ہونا طلوع اسلام کے اصول پر محض ایک تاریخی واقعہ ہے اور تاریخ یقینی نہیں بلکہ ظنی چیز ہے تو اس کی اس مہمل منطق سے قرآن بھی یقینی نہیں ٹھہرتا بلکہ ظنی ہوا جاتا ہے۔ ہمیں بھی دیکھنا ہے کہ طلوع اسلام اس گرفت سے کس طرح نکلنے کی کوشش کرتا ہے؟ اس کا معقول جواب تو ہرگز وہ نہیں دے سکتا اور نامعقول جواب سے کون کس کی زبان پکڑ سکتا ہے؟

حمیدی اور نعیم بن حماد

اب ان روایات کی حقیقت سنیے جو امام صاحب کی طرف منسوب کی گئی ہیں۔ اس کی ایک سند میں بخاری کے راوی حمیدی ہیں اور امام بخاری کے راویوں میں حمیدی اور نعیم بن حماد کو امام صاحب سے للّٰہی بغض ہے۔ نعیم بن حماد کے متعلق تو ابو بشر دولابی نے تصریح کی ہے کہ ابو حنیفہ کے معائب میں ایسی روایتیں گھڑتا ہے جو سراسر جھوٹ اور بہتان ہوتی ہیں۔ مگر حمیدی بھی اس سے کچھ کم نہیں۔ حنفیہ سے اس کو سخت تعصب ہے ان کی آبرو کے پیچھے پڑا رہتا ہے۔ خود اسی تاریخ خطیب کے ص ۴۰۷ میں حنبل بن اسحٰق ہی کے حوالہ سے یہ روایت موجود ہے کہ حمیدی امام ابو حنیفہ کی کنیت بدل کر ابو جیفہ کہا کرتا تھا۔ مسجد حرام میں اعلانیہ اپنے حلقہ درس میں صاف صاف ایسا کہتا اور کچھ پروا نہ کرتا۔ شریعت میں تنابز بالالقاب (کسی کو برا لقب دینا) حرام ہے۔ جو شخص اس جرم کا ارتکاب مسجد حرام میں بیٹھ کر کرتا ہو اس کے تعصب کا آپ خود ہی اندازہ کرلیں، یہ شخص کمال تعصب اور بدزبانی میں مشہور ہے بلکہ امام شافعیؒ کے شاگرد محمد بن عبدالحکم نے تو عام گفتگو میں اس کو جھوٹا بتلایا ہے۔ اگرچہ حدیث رسول میں ثقہ کہا جاتا ہے۔ اگر یہ شخص سفیان بن عیینہ کی احادیث کا حافظ اور راوی نہ ہوتا تو لوگ اس کی بدزبانی اور شدت تعصب کی وجہ سے اس کو منہ بھی نہ لگاتے نہ اس کی احادیث کو روایت کرتے۔ اور غالباً امام شافعیؒ نے ایک بار عبداللہ بن مبارک کے یہ اشعار پڑھ کر اسی پر اشارہ کیا ہے۔

الا یا جیفة تعلوک جیفه   واعیا قارئ ما فی صحیفه

امثلک لا هدیت ولست تهدے — یعیب اخا العفاف ابا حنیفه
تعیب مشمرا سهر اللیالی — وصام نهاره للّٰه خیفه
وصان لسانه عن کل افک — وما زالت جوارحه عفیفه
وعض عن المحارم والمناهی — ومرضاة الالٰه له وظیفه
فمن کابی حنیفة فی نداه؟ — لاهل الفقر فی السنة الجحیفه

ترجمہ:- ''ارے مردار جس پر دوسرا مردار سوار ہے اور پڑھنے والے کو جس کے نامۂ اعمال کا پڑھنا دشوار ہے۔ تجھے ہدایت نہ ہو اور تو ہدایت پر نہیں آسکتا کیا تیرا یہ منہ ہے کہ تو پاک دامن امام ابوحنیفہ پر عیب لگاتا ہے۔ تو ایسے شخص پر عیب لگا رہا ہے جو راتوں کو کمر کس کر نماز پڑھتا اور اللہ کے خوف سے دن کو روزہ رکھتا تھا، جس نے اپنی زبان بیہودہ بات سے محفوظ کر لی تھی اور اس کے تو سارے ہی اعضا ہمیشہ پاک صاف رہتے تھے۔ حرام مواقع سے نگاہ کو بچاتا تھا اور اللہ کی رضا حاصل کرنا ہی اس کا وظیفہ اور مشغلہ تھا پھر قحط سالی کے زمانے میں فقراء کے اوپر سخاوت کرنے میں بھی تو ابوحنیفہ جیسا کوئی نہ تھا۔''

شارح ملل ونحل نے تو ان اشعار کو خود امام شافعیؒ کا بتایا ہے مگر ظاہر یہ ہے کہ امام نے بطور تمثّل کے ان کو اس موقعہ پر پڑھ دیا ہے ورنہ یہ ان کا اپنا کلام نہیں بلکہ عبداللہ بن المبارک کا منظوم کلام ہے۔ بہر حال حمیدی کی فحش گوئی اور بدزبانی کے جواب میں امام شافعی کا ان اشعار کو پڑھ دینا اور ہمارا نقل کر دینا ہی کافی ہے اس سے زیادہ کی ضرورت معلوم نہیں ہوتی۔ پھر اس روایت میں حمیدی کا اضطراب بھی ملاحظہ ہو، کبھی حمزہ بن الحارث سے روایت کرتا ہے کبھی بلاواسطہ حارث سے روایت کرتا اور حارث بن عمیر کے متعلق ذہبی کا فیصلہ یہ ہے کہ میرے نزدیک اس کا ضعف کھلا ہوا ہے کیونکہ ابن حبان نے کتاب الضعفاءٔ میں کہا کہ یہ شخص ثقات سے موضوع اور گھڑی ہوئی باتیں روایت کرتا

ہے۔ حاکم نے کہا ہے کہ یہ شخص امام جعفر صادق اور حمید (طویل) سے موضوع حدیثیں روایت کرتا ہے۔ پھر یہ بات کس کی عقل میں آسکتی ہے کہ امام ابوحنیفہ ایسی صریح کفر کی بات مسجد حرام میں زبان سے نکالیں اور اس کا نقل کرنے والا ایک کذاب کے سوا دوسرا کوئی نہ ہو؟ اور اس بدترین کلمہ کفریہ پر امام صاحب کو کچھ سزا بھی نہ دی گئی ہو؟ سفید جھوٹ اسی کو کہتے ہیں۔

امام صاحب کا فتویٰ تو کعبہ کے متعلق یہ ہے کہ جس کو حافظ ابن ابی العوام نے اپنی سند سے حسن بن ابی مالک سے امام ابو یوسف سے امام ابوحنیفہ سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ اگر کوئی شخص غیر کعبہ کی طرف نماز پڑھنے کا ارادہ کرے گا کافر ہو جائے گا۔ اگرچہ غلطی سے اس نے کعبہ ہی کی طرف نماز پڑھ لی ہو۔ پھر فرمایا کہ میں نے کسی کو اس کے خلاف کہتے نہیں سنا۔ دوسری سند میں بھی حمیدی متعصب منہ پھٹ اور حارث بن عمیر کذاب دونوں موجود ہیں اور تیسرا احمد بن محمد باغندی بھی دھرا ہوا ہے۔ جس کے متعلق محدثین نے طویل کلام کیا ہے۔ ابراہیم بن الاصبہانی نے اس کو جھوٹا بتلایا ہے اور تماشا یہ ہے کہ باپ بیٹے بھی باہم ایک دوسرے کو جھوٹا کہتے تھے۔ اور اکثر ناقدین کی رائے میں دونوں ایک دوسرے کی تکذیب میں سچے ہیں۔ یہ ہیں وہ موضوع اور غلط روایات جن کو طلاع اسلام اپنے مسلک باطل کی تائید میں پیش کر کے جاہلوں کو دھوکہ دے رہا ہے۔

باغندی کی روایت

باغندی کی روایت میں ایک سفید جھوٹ یہ بھی ہے کہ وہ کہتا ہے کہ ''عبداللہ بن زبیر (حمیدی) کے پاس امام احمد بن حنبلؒ کا خط آیا کہ مجھے امام ابوحنیفہؒ کا کوئی شنیع ترین (بدترین) قول لکھ کر بھیج دو۔ الخ''

دنیا کو معلوم ہے کہ حمیدی حجازی ہے وہ امام صاحب کے شاگردوں کے حلقہ میں نہ کبھی بیٹھا نہ ان کی فقہ کو پڑھا۔ اور امام احمد بن حنبلؒ عراقی ہیں۔ امام ابوحنیفہؒ اور ان

کے اکثر اجلہ اصحاب بھی عراقی ہیں۔ امام احمد نے امام ابوحنیفہ کے شاگردوں سے علم فقہ و حدیث بھی حاصل کیا ہے تو یہ الٹی گنگا کیسے بہنے لگی کہ امام احمدؒ حمیدی سے امام ابوحنیفہ کے اقوال دریافت کرنے لگے؟ اگر معاملہ برعکس ہوتا قیاس میں آ بھی سکتا تھا۔ مگر جھوٹوں کو اچھی طرح جھوٹ بولنا بھی نہیں آتا، اس طرح کی باتیں کرتے ہیں جن سے جلدی بھانڈا پھوٹ جاتا ہے۔ خداتعالیٰ اسی طرح اہل باطل کو رسوا کیا کرتا ہے۔

اس کے بعد تیسری سند بھی ایسی ہی ہے اس میں بھی حارث بن عمیر کذاب موجود ہے۔

چوتھی روایت میں سفیان ثوری کہتے ہیں ہم سے عباد بن کثیر نے بیان کیا کہ میں نے ابوحنیفہ سے پوچھا ایک آدمی کہتا ہے کہ میں کعبہ کو برحق مانتا ہوں کہ وہ اللہ کا گھر ہے لیکن یہ نہیں جانتا کہ وہ مکہ میں[1] ہے یا خراساں میں الخ۔

اس کی سند میں عامر بن اسمٰعیل ابو معاذ بغدادی مجہول ہے۔ پھر امام سفیان ثوری نے عباد بن کثیر کو جھوٹا بتلایا ہے اور اس سے روایت کرنے کو منع کیا ہے تو یہ کیسے عقل میں آسکتا ہے کہ وہ خود اس سے روایت کریں؟ اسی سے اس حکایت کا من گھڑت، جھوٹ اور موضوع ہونا واضح ہے۔ ایسی جھوٹی روایات پر طلوع اسلام کا اپنے مسلک کی عمارت قائم کرنا خود اس کے مسلک کے غلط اور جھوٹا ہونے کی دلیل ہے۔

---

[1] خطیب بغدادی علامہ ابن حزم کی رائے کا بہت اتباع کرتے ہیں۔ انہوں نے اپنی کتاب الفصل ج ۳ ص ۲۴۹ میں لکھا ہے اگر کوئی شخص یہ کہے کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں مگر یہ نہیں جانتا کہ آپ زندہ ہیں یا نہیں اور آپ عربی ہیں یا فارسی، حجاز میں تھے یا خراسان میں؟ تو اگر یہ شخص جاہل ہے سیر واخبار کا کچھ علم نہیں رکھتا۔ اس کو تعلیم دینا واجب ہے۔ کافر نہیں کہا جائے گا۔ اور اگر صاحب علم ہے حقیقت سے باخبر ہے پھر عناداً ایسی بات کہتا ہے تو کافر مرتد ہے۔ ہم جانتے ہیں کہ بہت سے مفتی اور بہت سے نیک آدمی نہیں جانتے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے انتقال کو کتنی مدت ہوئی، نہ یہ جانتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کہاں تھے کس شہر میں تھے، ان کے لیے اتنی بات کافی ہے کہ ایک ہستی جن کا نام نامی محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہے اللہ تعالیٰ نے ان کو اس دین کے ساتھ رسول بنا کر بھیجا تھا تو اگر بالفرض امام صاحب نے یہ باتیں کہی بھی ہوں تو ان کو نو مسلم جاہل پر محمول کرنے سے کیا بات مانع ہے؟

تاریخ میں دروغ بیانی

اس کے بعد بڑی جسارت کیساتھ تاریخ میں دروغ بیانی سے کام لے کر دعویٰ کیا گیا ہے کہ ہر ''صحیح حدیث کا واجب التعمیل اور نا قابل تبدیل ہونا امام شافعی کا مذہب ہے وہی اس مسلک کے سب سے پہلے اور بڑے داعی ہیں۔ اس دور میں ہم دیکھتے ہیں کہ امت میں دو گروہ سامنے آتے ہیں ایک وہ جو صحابہ اور امام ابو حنیفہ کے مسلک کا پابند تھا۔ یعنی جو احادیث کو غیر متبدل نہیں مانتا تھا۔ اور دوسرا گروہ جو امام شافعی کے مسلک کا پابند تھا اور حدیث کو ہمیشہ کے لئے واجب الاتباع خیال کرتا تھا۔ اول گروہ کو اصحاب الرائے کے نام سے مشہور کیا گیا اور دوسرا گروہ اصحاب الحدیث کے نام سے متعارف ہوا۔ (طلوع اسلام)

اس دروغ بے فروغ کا صریح جھوٹ ہونا اسی سے واضح ہے کہ امام ابو حنیفہ کے اجلہ اصحاب امام محمد بن الحسن الشیبانی اور امام ابو یوسف اور عبداللہ بن المبارک وغیرہم کی کتابیں احادیث نبویہ کے ساتھ احتجاج سے بھری پڑی ہیں۔ امام محمدؒ کی کتاب الحج اور موطا آج بھی دنیا میں موجود ہیں جس میں مذہب مالک کے بہت سے مسائل کو احادیث کے ساتھ رد کیا گیا ہے۔ امام ابو یوسف نے کتاب ''اختلاف ابی حنیفۃ وابن ابی لیلیٰ'' میں ابن ابی لیلیٰ کے مذہب کو حدیث ہی سے رد کیا ہے اور دنیا جانتی ہے کہ امام ابو حنیفہ کے نزدیک حدیث مرسل بھی حجت ہے جس سے قیاس کو ترک کر دیا جاتا ہے۔ امام شافعی کے یہاں مرسل حجت نہیں۔ پھر امام ابو حنیفہؒ انواع قیاس میں سے صرف دو قسموں یعنی قیاس موثر اور قیاس طرد کو لیتے ہیں اور بعض روایات میں قیاس طرد کو بھی نہیں لیتے صرف قیاس مؤثر کو استعمال کرتے ہیں اور قیاس اشبہ اور قیاس مناسبت کو تو اصلاً استعمال نہیں کرتے۔ مگر امام شافعیؒ چاروں قسموں سے کام لیتے ہیں۔ پھر امام شافعی کو قائلین حجیت حدیث کا امام کیسے مانا جا سکتا ہے جب کہ وہ صرف حدیث صحیح کو حجت کہتے ہیں مرسل کو حجت نہیں مانتے، حالانکہ ہزار ہا احادیث مراسیل ہیں جن کو وہ مرسل کہہ کر رد کر دیتے ہیں اور امام ابو حنیفہ

ان کو رد نہیں کرتے بلکہ قیاس پر مقدم کرتے ہیں۔ پھر امام ابو حنیفہ کے نزدیک حدیث رسولؐ کے بعد قول صحابی بھی حجت ہے بلکہ اس تابعی کا قول بھی حجت ہے جو صحابہ کے زمانہ میں فتویٰ دیتا رہا ہو۔ وہ قول صحابی اور تابعی کبیر کے مقابلہ میں قیاس سے ہرگز کام نہیں لیتے اور اصحاب امام شافعی کے نزدیک نہ قول صحابی حجت ہے نہ قول تابعی بلکہ قیاس کو اس پر مقدم کرتے ہیں۔ پھر تماشا ہے کہ امام شافعی اور ان کے اصحاب تو اہل الرائے نہ ہوں اور امام ابو حنیفہ اور ان کے اصحاب اہل الرائے ہو جائیں۔

کیا طلوع اسلام کو معلوم نہیں کہ امام ابو حنیفہ کے نزدیک نماز میں قہقہہ لگانے سے وضو اور نماز دونوں ٹوٹ جاتے ہیں کیونکہ اس باب میں چند مرسل حدیثیں وارد ہیں جن کی وجہ سے قیاس کو چھوڑ دیا گیا۔ اور امام شافعی اور جمہور فقہا قہقہہ سے صرف نماز کو فاسد کہتے ہیں، وضو ٹوٹنے کے قائل نہیں کیونکہ وہ قیاس کو حدیث مرسل پر مقدم کرتے ہیں۔ اسی طرح امام ابو حنیفہؒ سفر میں وضو بالنبیذ کے قائل تھے کہ اگر مسافر کے پاس پانی نہ ہو اور چھوہارے پانی میں بھگو کر نبیذ بنایا ہوا اس کے پاس موجود ہو تو اس سے وضو کرنا ضروری بتلاتے تھے کیونکہ عبداللہ بن مسعودؓ کی ایک حدیث اس باب میں موجود ہے۔ جس سے قیاس کو ترک کر دیا گیا مگر امام شافعیؒ وغیرہ نبیذ سے وضو کو جائز نہیں کہتے بلکہ اس حالت میں تیمّم کا حکم دیتے ہیں اور عبداللہ بن مسعود کی حدیث کو مرسل اور منقطع کہہ کر رد کرتے اور قیاس کو اس پر مقدم کرتے ہیں۔ تو کیا طلوع اسلام کے نزدیک امام ابو حنیفہؒ یا ان کے اصحاب نے امام شافعی اور اہل حدیث سے مرعوب ہو کر یہ مسائل اپنے مذہب میں داخل کیے تھے؟ اس کے علاوہ صدہا مسائل حنفیہ کے مذہب میں ایسے موجود ہیں جن میں حنفیہ نے حدیث کی وجہ سے قیاس کو ترک کر دیا ہے اور امام شافعیؒ نے قیاس پر عمل کیا ہے حدیث پر عمل نہیں کیا کیونکہ وہ ان کے نزدیک ضعیف تھی۔ تو اسی کا نام مرعوبیت ہے۔ ابن حزم و ابن تیمیہ و ابن القیم وغیرہ نے تصریح کی ہے کہ امام ابو حنیفہ کے مذہب میں حدیث ضعیف قیاس سے مقدم ہے اور اس پر حنفیہ کا اجماع نقل کیا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ امام ابو حنیفہؒ پہلے شخص ہیں جو حدیث کو مطلقاً حجت سمجھتے ہیں خواہ صحیح ہو یا مرسل ہو یا

ضعیف ہو۔ بشرطیکہ زیادہ ضعیف نہ ہو۔

پھر یہ بھی غلط ہے کہ حنفیہ کو اصحاب الرائے کا لقب امام شافعیؒ کے مقابلہ میں دیا گیا۔ بلکہ یہ لقب امام شافعیؒ کی ولادت سے بھی پہلے ان فقہاء کو دیدیا گیا تھا۔ جو صرف روایت حدیث پر اکتفانہیں کرتے بلکہ احادیث سے احکام مستنبط کرتے تھے چنانچہ اہل علم کو بخوبی معلوم ہے کہ امام مالکؒ کے استاد ربیعۃ بن عبدالرحمٰن کا لقب ربیعۃ الرائے تھا جن کو امام شافعیؒ نے دیکھا بھی نہیں۔

اسی طرح امام مالکؒ کے اصحاب میں جو لوگ فقیہ تھے ان کو بھی اہل الرائے کہا جاتا اور ان کے مقابلہ میں جو اصحاب صرف روایت کرنے والے تھے ان کو اہل الحدیث کہا جاتا تھا۔ علامہ حافظ ابن عبدالبر اندلسی اپنی کتاب الانتقاء فی فضائل الثلثۃ الفقہاء'' میں لکھتے ہیں کہ امام مالک سے امام ابوحنیفہ کے متعلق اقوال شنیعہ روایت کرنے والے ان کے وہ اصحاب ہیں جو اہل حدیث کہلاتے ہیں اور جو اہل الرائے فقہاء ہیں[1] وہ امام مالک سے اس قسم کی باتیں اصلاً روایت نہیں کرتے قال ابن عبدالبر فی الانتقاء (ص ۱۵۰) روی ذلک کلہ عن مالک اهل الحدیث و اما اصحاب مالک من اهل الرای فلا یروون من ذلک شیئا عن مالک. اھ ابوالولید باجی نے ''المنتقی شرح المؤطا'' میں تصریح کی ہے کہ امام مالک سے فقہاء کی شان میں کوئی کلام یا جرح ثابت نہیں۔ انہوں نے صرف راویان حدیث میں ضبط وغیرہ کی جہت سے کلام کیا ہے۔ اس کے بعد لکھا ہے کہ امام مالک عبداللہ بن مبارک کی بہت تعظیم کرتے تھے جو امام ابو حنیفہ کے خاص تلامذہ میں سے ہیں۔ اھ تانیب ص ۱۱۷۔

طلوع اسلام کی دیانت

اس کے بعد طلوع اسلام نے امام شافعیؒ کی کتاب الام سے انکار حدیث کے

[1] یہاں سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اہل الرائے فقہاء کو کہا جاتا ہے جو حدیث و قرآن سے مسائل کا استنباط کرتے ہیں۔ اہل الرائے کے یہ معنی ہرگز نہیں کہ وہ حدیث پر قیاس یا رائے کو مقدم کرتے ہیں جیسا طلوع اسلام نے سمجھا ہے۔

متعلق متکلمین اور اصحاب الرائے کے دلائل بیان کئے ہیں۔ مگر دیانت ملاحظہ ہو کہ امام شافعی کا جواب نقل نہیں کیا کیونکہ جواب نقل کرنے سے اس کی ساری بنی بنائی عمارت منہدم ہو جاتی ہے۔ امام شافعیؒ نے اپنے جواب میں قرآن اور سنت مشہورہ اور سلف امت کے اجماع و تعامل سے خبر واحد صحیح کا حجت شرعیہ ہونا اچھی طرح ثابت کر دیا ہے جس کے بعد یہ دعویٰ غلط ہو جاتا ہے کہ حدیث صحیح کا واجب التعمیل اور ناقابل تبدیل ہونا صرف امام شافعیؒ کا مسلک ہے وہی اس کے سب سے پہلے اور بڑے داعی ہیں۔ ہم اوپر بتلا چکے ہیں کہ امام ابوحنیفہ ان سے زیادہ حجیت حدیث کے قائل ہیں۔

طلوع اسلام اور عقیدہ خلق قرآن

اس کے بعد فتنہ مسئلہ خلق قرآن کا ذکر کرتے ہوئے طلوع اسلام نے دعویٰ کیا ہے کہ ''عقیدہ خلق قرآن کے مؤید وہی لوگ تھے جو دین میں قرآن و اجتہاد کے پابند تھے (حدیث کے پابند نہ تھے) پھر ایک قدم آگے بڑھا کر یہ دعویٰ بھی کیا ہے کہ ظاہر ہے کہ امام ابوحنیفہ بھی ان ہی کے ہم نوا تھے بلکہ بعض شہادات سے تو پتہ چلتا ہے کہ سب سے پہلے انہوں ہی نے یہ کہا کہ قرآن مخلوق ہے اھ لا الہ الا اللہ

اس عبارت میں طلوع اسلام نے اقرار کرلیا ہے کہ وہ خود بھی ''عقیدہ خلق قرآن'' کا حامی ہے اور امام ابوحنیفہؒ کو بھی (معاذ اللہ) اس کا حامی سمجھتا ہے۔ اسی لئے تو میرا خیال ہے کہ ''منکرین حدیث'' خارجیوں کے ہم نوا ہیں۔

امام ابوحنیفہؒ کا خلق قرآن کا قائل ہونا تو یہ ایسا سفید جھوٹ ہے جسے کوئی عاقل بھی ایک سیکنڈ کے لئے تسلیم نہیں کرسکتا۔ امام ابوحنیفہؒ کا خط عثمان بتی عالم بصرہ کے نام اور ان کا رسالہ ''الفقہ الاکبر'' کتب خانہ خدیویہ مصر میں قلمی بھی موجود ہے اور طبع بھی ہو چکا ہے جس سے اہل علم بخوبی واقف ہیں ان میں عقیدہ خلق قرآن کی صراحۃ تردید موجود ہے۔ تاریخ الخطیب البغدادی کا جائزہ ہم پہلے لے چکے اور بتلا چکے ہیں کہ اس میں خطیب کی وفات کے بعد بہت زیادات والحاقات ہوئے ہیں۔ اس لئے اس کی ان

روایات پر جن میں امام صاحب کا قرآن کو مخلوق کہنا مذکور ہے کسی درجہ میں بھی اعتبار کرنا ہرگز جائز نہیں۔ خصوصاً جب کہ ہر روایت کی سند میں ضعفاء و مجروحین و مجہولین دھرے ہوئے ہیں۔

امام ابوحنیفہؒ کے دشمنوں کو اتنی ہی بات پر صبر نہ آیا کہ ان کی طرف خلق قرآن کا مسئلہ منسوب کر دیں بلکہ انہیں اس قول کا موجد اور اول قائلین بنا دیا اور اس جھوٹ کو امام ابو یوسف کے واسطہ سے وضع کیا جو امام ابو حنیفہؒ کے اخص الخاص شاگرد ہیں ان سے روایت کرنے والا امام حسن بن ابی مالک کوٹھہرایا جو امام ابو یوسفؒ کے اخص الخاص تلامذہ میں سے ہیں اور امام ابوحنیفہؒ کا غایت درجہ ادب واحترام کرنے والے ہیں۔

خزاز ورزاز

اب سنیئے اس من گھڑت افسانہ کی سند میں محمد بن عباس الخزاز ہے جس پر خود خطیب نے (ج ۳ ص ۱۲۲) میں جرح کی ہے کہ وہ ابوالحسن بن الرزاز کی کتاب سے روایتیں بیان کیا کرتا تھا حالانکہ اس میں اس کا سماع نہ تھا اور رزاز کے بیٹے نے اپنے باپ کی کتاب میں بہت اضافات کئے تھے جو بالکل تازہ تھے اور ظاہر ہے کہ ایسی کتاب سے روایت کرنے والے پر کسی درجہ میں بھی بھروسہ نہیں کیا جاسکتا اس کے بعد اسحٰق بن عبدالرحمٰن راوی مجہول ہے۔ پھر کمال یہ ہے کہ امام ابو یوسف کے ترجمہ میں خود ان کو جہمی کہا گیا ہے اگر وہ جہمی تھے تو مسئلہ خلق قرآن کی بنا پر امام ابوحنیفہؒ کی مذمت کیسے کر سکتے تھے؟ اور اگر اس مسئلہ کی وجہ سے وہ امام صاحبؒ کی مذمت کرتے تھے تو ان کا جہمی ہونا غلط ہے۔ مگر دروغ گورا حافظہ نباشد۔ جھوٹوں کی علامت ہی یہ ہے کہ ان کے اقوال میں تضاد ہوتا ہے۔ انہیں یاد نہیں رہتا کہ ہم نے پہلے کیا کہا تھا اور اب کیا کہہ رہے ہیں۔

مورخین مذاہب کا اس پر اتفاق ہے کہ جس شخص نے سب سے پہلے قرآن کو مخلوق کہا وہ جعد بن درہم ہے اس کے بعد جہم بن صفوان اس کا قائل ہوا۔ پھر بشر بن غیاث مریسی۔ ملاحظہ ہو کتاب شرح السنۃ لالکائی اور کتاب الرد علی الجہمیۃ لابن ابی حاتم وغیرہما۔

تاریخ خطیب میں دو سندوں سے امام ابو یوسف کی طرف یہ قول منسوب کیا گیا ہے کہ میں تو خلق قرآن کا قائل نہیں ہوں، مگر ابو حنیفہ اس کے قائل تھے۔

مگر پہلی سند میں ابو القاسم بغوی ہے جس کے متعلق ابن عدی نے کہا ہے کہ میں نے علماء اور مشائخ بغداد کو اس کے ضعف پر متفق پایا ہے۔ اور دوسری سند میں عمر بن الحسن الاشنانی القاضی ہے جس کو دار قطنی نے ضعیف کہا ہے اور حاکم نے جھوٹا بتلایا۔ اس کے بعد اصمعی ہے جس کو ابو زید انصاری نے جھوٹا کہا اور علی بن حمزہ بصری نے اپنی کتاب ''التنبیہات علی الاغلاط فی الروایات'' میں اس کی بہت سی غلطیاں روایات میں بیان کی ہیں جن سے ابو زید انصاری کے قول کی تائید ہوتی ہے اور خود خطیب نے اس کے نوادر میں جو کچھ بیان کیا ہے وہ بھی کم نہیں ہے۔ ابو قلابہ جرمی نے اصمعی کے جنازہ کے ساتھ جو اشعار پڑھے ہیں ان میں بتلایا گیا ہے کہ اس شخص کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپؐ کے اہل بیت اور طیبین وطیبات سے بغض تھا۔ اس کے بعد سعید بن سلم باہلی ہے جو ہارون رشید کے زمانہ میں ارمینیہ کا عامل تھا جس کی وجہ سے وہاں کے مسلمانوں پر بہت آفتیں نازل ہوئی تھیں۔ یہ اس قابل نہیں کہ اس سے اس باب میں روایت کی جائے نہ ایسے مسائل میں اس کا قول قابل قبول ہے۔

حافظ لالکائی نے شرح السنۃ میں ابو الحسن علی بن محمد رازی سے ابو بکر محمد بن مہرویہ رازی سے محمد بن سعید بن سابق سے روایت کیا ہے کہ میں نے امام ابو یوسف سے پوچھا آپ خلق قرآن کے قائل ہیں؟ کہا نہیں نہ میں قائل ہوں نہ امام ابو حنیفہ یہ جواب انہوں نے اس طرح دیا جیسا کہ میرے سوال پر ان کو انکار او رتعجب تھا۔ حافظ ابن ابی العوام اور حافظ صمیری وغیرہما نے صحیح اسانید کے ساتھ امام ابو یوسف اور حسن بن ابی مالک اور احمد بن القاسم البرقی سے متعدد روایات نقل کی ہیں جن سے امام ابو حنیفہ کا خلق قرآن کے قول سے بری ہونا۔ بخوبی واضح ہے اب جو لوگ اپنے من گھڑت طریقوں سے اس کے خلاف روایتیں لاتے ہیں وہ خود ہی سر کے بل گر پڑتے ہیں۔ اتمام حجت کے لئے حافظ ابن ابی العوام کی ایک روایت یہاں پیش کی جاتی ہے وہ کہتے ہیں ہم سے

محمد بن احمد بن حماد نے بیان کیا ان سے محمد بن شجاع (ثلجی) نے، وہ کہتے ہیں میں نے حسن بن ابی مالک سے سنا انہوں نے امام ابو یوسف سے سنا، وہ فرماتے تھے کہ ایک شخص جمعہ کے دن مسجد کوفہ میں آیا، اور (علماء کے) سب حلقوں میں گھومتا پھرتا۔ ان سے قرآن کے متعلق سوال کرتا تھا (کہ مخلوق ہے یا غیر مخلوق؟) امام ابو حنیفہؒ اس وقت مکہ میں تھے۔ (کوفہ میں نہ تھے) لوگ اس مسئلہ میں گفتگو کرنے لگے اور گڑ بڑ میں پڑ گئے۔ بخدا یہ شخص میرے گمان میں نرا شیطان تھا جو انسان کا روپ بھر کر آیا تھا۔ وہ ہمارے حلقہ میں بھی پہنچا اور ہم سے بھی یہی سوال کیا۔ ہمارے ساتھیوں میں سے ایک نے دوسرے کو جواب دینے سے روک دیا۔ ہم نے اس سے کہہ دیا کہ ہمارے شیخ اس وقت یہاں نہیں ہیں اور ہم ان سے پہلے اس مسئلہ میں کچھ نہیں کہنا چاہتے وہی اس کا جواب دیں گے۔ یہ سن کر وہ شخص چلا گیا۔ ابو یوسف فرماتے ہیں کہ جب امام صاحب تشریف لائے ہم نے قادسیہ میں ان کا استقبال کیا اور سلام عرض کیا۔ انہوں نے گھر والوں اور بستی والوں کی خیریت دریافت کی ہم نے ان کا حال بتلایا۔ پھر ہم نے موقعہ دیکھ کر عرض کیا کہ اے امام ابو حنیفہ! ایک سوال ہمارے پاس آیا تھا اس کے متعلق آپ کیا فرماتے ہیں؟ سوال ابھی ہمارے دل میں ہی تھا کہ ہم نے امام صاحب کا چہرہ بدلا دیکھا وہ سمجھ گئے کہ یہ تو فتنہ برپا کرنے والا کوئی سوال ہے اور ہم نے اس کے متعلق کچھ گفتگو کی ہے۔ فرمایا کیا سوال تھا؟ ہم نے سارا واقعہ بیان کر دیا۔ امام صاحب نے کچھ دیر سکوت کر کے پوچھا پھر تم نے اس کا کیا جواب دیا؟ ہم نے کہا اس کے متعلق ہم نے کوئی بات نہیں کی۔ ہمیں اندیشہ ہوا ایسا نہ ہو ہمارے منہ سے کوئی ایسا جواب نکل جائے جو آپ کو ناپسند ہو۔ یہ سن کر امام کا چہرہ چمک گیا اور الجھن دور ہوگئی فرمایا جزاکم اللہ خیرا، جزاکم اللہ خیرا۔ میری وصیت یاد رکھو اس مسئلہ میں ایک لفظ بھی نہ کہنا اور نہ کسی سے اس کے متعلق گفتگو کرنا۔ بس اتنا ہی کہو کہ قرآن اللہ عز و جل کا کلام ہے۔ اس سے آگے ایک حرف نہ بڑھانا۔ میرا خیال یہ ہے کہ یہ مسئلہ طول پکڑے گا یہاں تک کہ مسلمانوں کو ایسے فتنہ میں مبتلا کر دے گا کہ نہ اس کے مقابلہ کے لئے کھڑے ہو سکیں گے نہ بیٹھ ہی سکیں گے اللہ ہمیں اور تمہیں شیطان مردود (کے فتنہ)

سے بچائے۔''

مسئلہ خلق قرآن میں یہ ہے امام ابوحنیفہؒ کا مسلک، اور یہ ہے امام ابو یوسفؒ کا اور ان کے ساتھیوں کا ادب، معاذ اللہ وہ اپنے استاد کی شان میں ایسے بے ادب گستاخ نہ تھے۔ جیسا تاریخ خطیب کے جھوٹے راویوں نے بیان کیا ہے۔ غضب یہ کہ ان ظالموں نے امام صاحبؒ کے استاد حماد بن ابی سلیمان کی طرف بھی یہ قول منسوب کر دیا کہ انہوں نے امام ابوحنیفہ کے پاس پیغام بھیجا (بعض روایات میں امام سفیان ثوری کو پیغام بر بنایا گیا ہے) کہ میں تمہاری باتوں سے بیزار ہوں مگر یہ کہ توبہ کرلو (سفیان ثوری کو جس روایت میں پیغام بر بنایا ہے اس میں خلق قرآن کا قول مراد ہے) مگر ان بہتان باندھنے والوں کو اتنی خبر نہیں کہ مورخین مذاہب کا اتفاق ہے کہ خلق قرآن کا قول سب سے پہلے جعد بن درہم نے ۱۲۰ھ کے چند سال بعد شروع کیا تھا اور حماد بن ابی سلیمان کی وفات ۱۲۰ھ میں ہو چکی تھی۔ جعد کے بعد اس قول کو جہم بن صفوان نے پھیلایا جو ۱۲۸ھ میں گرفتار ہوا اور اسی سال قتل ہوا۔ اس کے بعد بشر بن غیاث نے اس قول کو لیا۔ تو یہ کیسے عقل میں آسکتا ہے کہ امام ابو حنیفہؒ نے اپنے استاد کی زندگی میں ۱۲۰ھ سے پہلے یہ بات زبان سے نکالی ہو حالانکہ یہ بات سب سے پہلے جعد بن درہم کی زبان سے ۱۲۰ھ کے چند سال بعد نکلی ہے۔ پھر دنیا جانتی ہے کہ امام ابوحنیفہ اپنے استاد حماد بن ابی سلیمان کی حیات میں برابر ان کی خدمت میں رہے سب شاگردوں سے زیادہ وہی ان کے پاس رہتے اور ان کے گھر کا کام کاج بھی کرتے تھے۔ حماد بن ابی سلیمان کی وفات کے بعد امام ابوحنیفہ ہی سب شاگردوں کے اتفاق سے ان کے جانشین بنائے گئے تو یہ کیونکر ممکن ہے کہ سفیان ثوری کے واسطہ سے حماد بن ابی سلیمان کا پیغام امام ابوحنیفہؒ کے پاس پہنچے حالانکہ سفیان سے زیادہ امام صاحب ان کی خدمت میں حاضر باش تھے۔ یہ تو وہ شواہد ہیں جو اس روایت کے متن کو غلط اور موضوع قرار دینے کے لئے کافی ہیں۔

پھر سند کا حال یہ ہے کہ اس میں عمر بن محمد بن عیسیٰ السند ابی الجوہری دھرا ہوا ہے جو تنہا اس حدیث موضوع کا راوی ہے القرآن کلامی ومنی خرج قرآن میرا کلام

ہے اور مجھ سے ہی نکلا ہے۔ ملاحظہ ہو میزان (للذہبی) اس کے بعد اسمٰعیل بن ابی الحکم مجہول ہے اور یہ وہ اسمٰعیل بن ابی الحکیم نہیں جس کی وفات ۱۳۰ھ میں ہوئی ہے کیونکہ اس کو ہارون بن اسحٰق ہمدانی متوفی ۲۵۸ھ نہیں پاسکتا اور خطیب کی سند میں وہی اسماعیل سے روایت کر رہا ہے۔ یہ دوسرا اسمٰعیل ہے جس کے باپ کی کنیت ابوالحکم ہے ابوالحکیم نہیں اور وہ مجہول ہے۔ اور سفیان ثوری کو جس روایت میں پیغام بر بنایا گیا ہے اس کی سند میں محمد بن یونس کدیمی ہے جس پر میزان میں بہت جرح کی گئی ہے اس کے بعد ضرار بن صرد ہے جس کی کنیت ابونعیم اور لقب طحان ہے یحیٰی بن معین نے اسے کذاب کہا ہے۔ پھر بخاری کی کتاب خلق الافعال میں اس روایت کے اندر ابوحنیفہ کی جگہ ابوفلاں ہے۔ تاریخ خطیب کے راویوں نے ابوفلاں کو ابوحنیفہ بنا دیا۔ ایسا ہی ان لوگوں نے ابومسہر کی روایت میں کیا ہے۔ وہ یہ کہ سلمہ بن عمرو قاضی نے منبر پر کھڑے ہو کر کہا لا رحم اللّٰہ ابا فلان فانہ اول من زعم ان القرآن مخلوق خدا رحم نہ کرے ابوفلاں پر وہ پہلا شخص ہے جس نے قرآن کو مخلوق کہا۔ تاریخ ابن عساکر میں اسی طرح ہے۔ مگر تاریخ خطیب بغدادی کے ص ۳۷۸ و ۳۸۵ میں ابوفلاں کی جگہ ابوحنیفہ لکھ دیا گیا۔ ان سے کوئی پوچھے کہ تم نے کس دلیل سے ابوفلاں کو ابوحنیفہ بنا دیا؟ حالانکہ تمام روایتیں اس پر متفق ہیں کہ یہ قول سب سے پہلے جعد بن درہم نے کہا ہے مگر ایک لفظ کی جگہ دوسرا لفظ بدل دینا اور خبر متواتر کے خلاف جعد بن درہم کے عوض کسی دوسرے کو اول قائل بنا دینا اہل تعصب کے مذہب میں روا ہے قال الحافظ اللا لکائی فی شرح السنة ولا خلاف بین الامة ان اول من قال القرآن مخلوق الجعد بن درھم فی سنة نیف و عشرین و مائة اھ حافظ لالکائی نے شرح السنہ میں کہا ہے کہ امت اسلامیہ کے درمیان اس میں کوئی اختلاف نہیں کہ اول جس شخص نے قرآن کو مخلوق کہا ہے وہ جعد بن درہم ہے جس نے ۱۲۰ھ کے چند سال بعد سب سے پہلے یہ بات کہی تھی۔

سمجھ میں نہیں آتا کہ خطیب بغدادی جیسا بہترین مصنف ایسا حیاباختہ کیوں کر ہوسکتا ہے کہ خود ہی ص ۳۷۶، ص ۳۸۲ میں امام ابویوسف کے واسطہ سے امام ابوحنیفہؒ کا یہ

قول روایت کرتا ہے کہ خراساں میں دو جماعتیں انسانوں میں سب سے بدتر ہیں جہمیہ اور شبہہ۔ اور دوسری سند سے عبدالحمید بن عبدالرحمٰن حمانی کے واسطہ سے روایت کرتا ہے کہ اس نے امام ابوحنیفہ کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ جہم بن صفوان کافر ہے۔ پھر مثالب ابی حنیفہ میں ابن دوما اور احمد بن علی ابار جیسے کاذبین کے واسطہ سے امام صاحب کی طرف مسئلہ، خلق قرآن کی نسبت کرتے ہوئے نہیں شرماتا اس لئے میں پھر یہ کہنے پر مجبور ہوں کہ اس تاریخ میں خطیب کی وفات کے بعد ضرور کچھ الحاقات ہوئے ہیں جیسا حافظ ابوالفضل مقدسی شافعی نے فرمایا ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

عبداللہ بن احمد نے کتاب السنۃ میں ابن الشکاب اور ہیثم بن خارجہ کے واسطہ سے روایت کیا ہے وہ کہتے ہیں ہم نے ابو یوسف قاضی کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ خراسان میں دو جماعتیں ہیں۔ روئے زمین پر ان سے بدتر کوئی جماعت نہیں ایک جہمیہ دوسری مقاتلیہ۔ ان روایتوں سے صاف واضح ہے کہ امام ابوحنیفہؒ اور امام ابو یوسفؒ دونوں کا دامن تجہم اور تشبیہ سے بالکل پاک ہے۔ حافظ ابن ابی العوام نے اپنی سند سے نضر بن محمد سے امام ابوحنیفہ کا یہ قول روایت کیا ہے کہ جہم اور مقاتل دونوں فاسق ہیں ایک نے تشبیہ میں غلو کیا اور دوسرے نے نفی (صفات) میں اھ۔ یعنی مقاتل نے خدا کو مخلوق جیسا کہہ دیا اور جہم نے خدا کو صفات سے معطل کر دیا۔ امام ابوحنیفہ سے جہم اور مقاتل کے عقیدہ کے رد میں اور بہت سی نصوص اور تصریحات موجود ہیں۔ پھر ان کی طرف جہمیہ کے خیالات کو منسوب کرنا صریح بہتان نہیں تو اور کیا ہے؟

مگر طلوع اسلام کی جسارت ملاحظہ ہو کہ وہ عقیدہ خلق قرآن کا مؤید اس گروہ کو بتلاتا ہے جو دین میں قرآن اور اجتہاد کے پابند تھے اور امام ابوحنیفہ کو بھی (معاذ اللہ) ان کا ہم نوا قرار دیتا ہے اگر دین میں قرآن اور اجتہاد کا پابند ہونا اسی کا نام ہے تو ایسی پابندی طلوع اسلام ہی کو مبارک ہو۔ امت مسلمہ نے تو ایسے لوگوں سے ہمیشہ نفرت کی ہے اور کرتی رہے گی۔

اس کے بعد محدثین پر چوٹ کرتے ہوئے (طلوع اسلام) لکھتا ہے کہ انہوں

نے ان لوگوں کے مقابلہ میں جو خلق قرآن کے قائل تھے لوگوں میں یہ مشہور کرنا شروع کیا کہ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قرآن کو غیر مخلوق مانتے تھے ظاہر ہے کہ یہ حدیثیں قطعاً وضعی تھیں۔ الخ

مگر اسے معلوم ہونا چاہیے کہ ان حدیثوں کا وضعی ہونا بھی تم کو محدثین ہی نے بتلایا ہے۔ اس سے کسے انکار ہے کہ محدثین کی جماعت میں کچھ منکرین حدیث، خارجی اور شیعہ بھی گھس پڑے تھے۔ مگر اہل بصیرت محدثین ناقدین نے ان وضاعین کذابین کا پول اچھی طرح کھول دیا اور ان کی موضوع حدیثوں کو صحیح حدیثوں سے اس طرح الگ کر دیا جیسے دودھ میں سے مکھی نکال دی جاتی ہے۔

آگے چل کر لکھا ہے کہ ''سلطنت کے مصالح کچھ اس قسم کے تھے کہ اس نے پہلے گروہ کی مخالفت (کی جو دین میں قرآن و اجتہاد کے پابند اور خلق قرآن کے قائل تھے) اور دوسرے گروہ کی ہم نوائی کی'' (جو دین میں حدیث کے پابند اور خلق قرآن کے منکر تھے)۔

مگر اس کو معلوم ہونا چاہیے کہ یہ سب کچھ سلطنت کے مصالح کی بنا پر نہیں ہوا بلکہ علماء تابعین کے اجماع کی بناء پر تھا کہ سب نے بالاتفاق جعد بن درہم اور جہم بن صفوان کے اس قول کو کہ قرآن مخلوق ہے کفر قرار دیا تھا۔ چنانچہ حافظ ابن ابی حاتم کتاب الرد علی الجہمیۃ میں سعید بن رحمت سے جو ابوالحسن فزاری کا شاگرد ہے روایت کرتے ہیں۔

ف، عقیدہ خلق قرآن کی تحقیق

جب علماء کو جہم بن صفوان کا یہ قول پہنچا کہ قرآن مخلوق ہے سب نے اس کو سنگین کلمہ شمار کیا اور اس پر اجماع کیا کہ اس نے کلمہ کفر کہا ہے اھ اور ظاہر ہے کہ علماء تابعین کا اس کے کفر پر اجماع اسی وقت ہوسکتا ہے جب کہ اس نے قرآن کو مطلقاً ہر جہت سے مخلوق کہا ہو، اور اگر وہ یہ کہتا کہ قرآن اللہ تعالیٰ کی صفت کلام قائم بذات اللہ ہونے کی جہت سے قدیم غیر مخلوق ہے اور ہمارے ساتھ قائم ہونے اور ہماری تلاوت اور

صوت وغیرہ کے ساتھ ملتبس ہو جانے کی جہت سے حادث ہے تو نہ اسے کافر کہا جاتا نہ قتل کی سزا دی جاتی۔ کیونکہ قدیم کا حادث میں حلول کرنا محال ہے یہی امام صاحب نے فرمایا ما قام باللّٰہ غیر مخلوق وما قام بالخلق مخلوق جس کی حقیقت کو اہل ظاہر حشویہ نہیں سمجھے اور امام صاحب کو بدنام کرنے لگے کہ یہ بھی وہی کہتے ہیں جو جہم بن صفوان کہتا ہے حاشا وکلا۔ امام بخاریؒ کو بھی ان لوگوں نے لفظی بالقرآن مخلوق حادث کہنے پر معتزلی بدعتی کہا اور بخارا سے نکال دیا تھا۔ امام ابو حنیفہؒ تو جہم کو اسی طرح کافر یا فاسق کہتے تھے جیسا تمام علماء تابعین نے کہا تھا۔ کیونکہ وہ صفات الٰہیہ کی نفی کر کے خدا کو معطل قرار دیتا تھا اور اس کو طلوع اسلام قرآن اور اجتہاد کی پابندی بتلاتا اور جعد بن درہم اور جہم جیسے گمراہوں کی ہم نوائی کا دم بھرتا ہے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

اس کے بعد طلوع اسلام لکھتا ہے ''چنانچہ خالد بن عبداللہ قسری والیٔ عراق نے جعد کو عید الاضحیٰ کے دن بطور قربانی کے ذبح کیا۔''

خالد قسری کا جعد کو ذبح کرنا غلط ہے

امام زہری جیسے حافظ حدیث پر تنقید کرنے والوں کو ذرا یہ بھی دیکھ لینا چاہیے تھا کہ اس افسانہ کا راوی کون ہے؟ اس کو صرف قاسم بن محمد بن حمید معمری روایت کرتا ہے، جس کو ابن معین نے کذاب، خبیث کہا ہے۔ ملاحظہ ہو میزان ذہبی۔ پھر ابن کثیر وغیرہ تمام مورخین نے جعد بن درہم کے قتل کو ۱۲۴ھ میں بیان کیا ہے اور خالد بن عبداللہ قسری اس سے چار سال پہلے ولایت عراق سے معزول ہو چکا تھا۔ ۱۲۰ھ میں خالد کی جگہ یوسف بن عمر ثقفی ہشام بن عبدالملک کے عہد خلافت میں والیٔ عراق بنایا گیا تو جعد بن درہم کا قتل یوسف ثقفی کی ولایت میں ہوسکتا ہے۔ نہ کہ خالد قسری کی ولایت میں۔ پس یہ سارا افسانہ پادر ہوا ہوگیا کہ خالد قسری نے جعد کو عید الاضحیٰ کے دن بطور قربانی کے ذبح کیا تھا؟ یقیناً علماء تابعین ایک شعار اسلام کے ساتھ، ایسے مذاق کو ہرگز برداشت نہ کر سکتے تھے۔ وہ ضرور خالد کی اس حرکت پر گرفت کرتے کیونکہ کسی واجب القتل کو قتل کر دینا اور بات ہے اور

قربانی کے طور پر ذبح کرنا اور بات ہے اگر خالد نے ایسا کیا ہوتا تو تاریخ اسلام میں اس کی سیرت پر کلنک کا ٹیکہ اور بہت بڑا دھبہ لگ جاتا۔ مگر طلوع اسلام کی ساری عقل و دانش صحیح حدیثوں کو قرآن و عقل کے خلاف قرار دینے ہی میں صرف ہوتی ہے۔ تاریخی واقعات میں اس کی عقل کو خدا معلوم کیا ہو جاتا ہے کہ وہاں ممکن اور ناممکن میں اصلا تمیز نہیں کی جاتی۔

اس کے بعد لکھتا ہے ''اس طرح قتل و غارت کا وہ بازار گرم کیا کہ امام ابوحنیفہ جیسے صاف گو اور جری شخص کو بھی دو تین مرتبہ اس خیال سے توبہ کرنا پڑی۔'' (طلوع اسلام)

ہم بتلا چکے ہیں کہ امام صاحب خلق قرآن کے قائل نہ تھے تو یہ بھی غلط ہے کہ ان کو اس خیال سے دو تین بار توبہ کرنا پڑی۔ اور اس بات میں جتنی روایتیں تاریخ خطیب میں مذکور ہیں وہ سند کے لحاظ سے روایۃً بھی لچر ہیں اور عقل کی رو سے درایۃً بھی غلط ہے۔ چنانچہ توبہ کرانے والوں میں ایک تو خالد بن عبداللہ قسری کا نام لیا جاتا ہے اور ہم بتلا چکے ہیں کہ وہ ۱۲۰ھ میں ولایت عراق سے معزول ہو چکا تھا اس کے زمانہ ولایت میں مسئلہ خلق قرآن کا لفظ بھی کسی کی زبان پر نہ آیا تھا۔ کیونکہ سب سے پہلے جعد بن درہم نے ۱۲۰ھ کے چند سال بعد یہ لفظ زبان سے نکالا تھا پھر یہ کیسے ممکن ہے کہ خالد بن عبداللہ امام ابوحنیفہؒ سے توبہ کرائے؟ پھر جس روایت میں اس جھوٹ کا ذکر ہے اس کی سند میں عبداللہ بن جعفر بن درستویہ موجود ہے جس پر برقانی اور لالکائی نے سخت جرح کی ہے اور اس کو جو کوئی چند دراہم دیدیتا اس کے موافق روایتیں بیان کر دیتا تھا۔ اس کے بعد سلیمان بن فلیح ہے جس کو ابوزرعہ نے مجہول کہا ہے وہ فرماتے ہیں کہ کہ فلیح کے دو بیٹے تھے محمد اور یحیٰ ان کے علاوہ اس کا کوئی بیٹا میرے علم میں نہیں ہے۔ دوسرا نام یوسف بن عثمان امیر کوفہ کا لیا جاتا ہے۔ تاریخ خطیب ص ۳۸۱ و ص ۳۹۰ میں اسی طرح ہے۔ مگر اس عہد کے والیان کوفہ میں یوسف بن عثمان نام کا کوئی والی نہ تھا۔ ممکن ہے کہ یوسف بن عمر کو یوسف بن عثمان کر دیا گیا ہو۔ اس کی سند میں ابن زاطیا ہے جس کو خود خطیب نے غیر محمود کہا ہے کہ یہ اچھا آدمی نہیں اس کے بعد ابو معمر قطیعی ہے جس کے متعلق ابن معین نے کہا ہے خدا اس پر رحم نہ کرے اس نے رقہ میں پانچ ہزار حدیثیں بیان کیں۔ جن میں سے تین ہزار میں

خطا کی۔ پھر یہ خود ان لوگوں میں ہے جنہوں نے قرآن کو مخلوق کہا تھا جب دربار سے باہر آیا تو کہا ہم نے کفر کیا پھر نکل آئے۔ ایسے شخص کی روایت کو محدثین قبول نہیں کرتے۔ اس کے بعد حجاج اعور ہے جس کی روایتوں میں سخت اختلاط ہے۔ تیسرا نام شریک قاضی کا لیا جاتا ہے۔ یہ بھی غلط ہے۔ کیونکہ ان کو عہدہ قضا امام ابوحنیفہؒ کی وفات کے پانچ سال بعد ملا ہے۔ یہ کس طرح امام صاحبؒ کو توبہ کرا سکتے ہیں؟

محمد بن جبویہ ہمدانی نحاس

پھر اس کی ایک سند میں محمد بن جبویہ ہمدانی نحاس ہے جو متہم بالکذب ہے ملاحظہ ہو تلخیص مستدرک للذہبی۔ دوسری سند میں ابن درستویہ ہے جس کے پاس نحو کے سوا کچھ نہیں۔ حافظ لالکائی اور برقانی کی جرح کا ذکر اوپر گزر چکا ہے کہ اس شخص کو کچھ دراہم دیدیے جاتے تو ایسی روایتیں بیان کر دیتا جو اس نے سنی بھی نہیں تھیں۔ تیسری سند میں صواف نے عبداللہ بن احمد سے اجازۃً روایت کی ہے جو ناقدین کے نزدیک منقطع کے حکم میں ہے اور عبداللہ بن احمد کا تعصب اور انحراف اس کی کتاب السنۃ ہی سے واضح ہے۔ اس کے بعد ابو معمر ہے۔ اگر وہ عبداللہ بن عمر و منقری ہے تو وہ قدری ہے اور قدریہ کی روایت امام ابوحنیفہؒ کے خلاف قابل قبول نہیں کیونکہ وہ ان کے دشمن ہیں۔ اور اگر ہروی ہے تو اس کا ذکر پہلے گزر چکا ہے وہ بھی مجروح ہے۔ غرض تاریخ خطیب میں جتنی روایتیں اس قسم کی ہیں جن میں امام ابوحنیفہ سے توبہ کرانے کا ذکر ہے ان میں ابن رزق، ابن زاطیا، عثمان بن احمد جیسے راوی موجود ہیں جن پر طعن کیا گیا ہے کہ وہ بیہودہ روایتیں کرنے والے ہیں۔ بعض میں ابن سلم، ابارہ، نعیم بن حماد وغیرہ ہیں جو امام ابوحنیفہ کے عیوب میں افسانے گھڑنے سے متہم ہیں۔ علامہ حافظ ابن عبدالبر نے انتقاء میں عبداللہ بن داؤد خریبی کے حوالہ سے اس بات کو غلط اور جھوٹ کہا ہے کہ امام صاحبؒ سے توبہ کرائی گئی۔

حافظ ابن ابی العوام کی روایت

ہاں اس باب میں حافظ ابن ابی العوام کی ایک روایت ہم نقل کر دینا چاہتے

ہیں جس سے اس افسانہ کی پوری حقیقت واضح ہو جائیگی ۔ اس کی سند ضعیف نہیں ۔ وہ حسن بن حماد سجارہ سے روایت کرتے ہیں وہ ابوقطن عمرو بن الہیثم بصری سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے کوفہ کا ارادہ کیا تو شعبہ سے پوچھا کوفہ میں آپ کن لوگوں سے خط و کتابت کیا کرتے ہیں؟ فرمایا ابوحنیفہ اور سفیان ثوری سے۔ میں نے کہا میرے متعلق ان دونوں کو خط لکھ دیجئے ۔ انہوں نے خط لکھ دیا، تو میں کوفہ پہنچا اور لوگوں سے دریافت کیا کہ ان دونوں میں بڑا کون ہے؟ لوگوں نے کہا ابوحنیفہ بڑے ہیں۔ میں ان کے پاس گیا اور شعبہ کا خط ان کو دیا۔ انہوں نے دریافت کیا میرے بھائی ابو بسطام کیسے ہیں (یہ شعبہ کی کنیت ہے)؟ میں نے کہا خیریت سے ہیں۔ جب خط پڑھ چکے تو فرمایا جو کچھ میرے پاس ہے وہ آپ کے لئے حاضر ہے اور دوسروں سے کچھ کام ہو تو مجھ سے کہیے میں آپ کی مدد کروں گا۔ اس کے بعد میں سفیان ثوری کے پاس گیا اور ان کے نام خط ان کو دیا۔ انہوں نے بھی وہی کہا جو ابوحنیفہ نے مجھ سے کہا تھا۔ اس کے بعد میں نے ثوری سے پوچھا کہ ایک بات آپ سے روایت کی جاتی ہے کہ آپ فرماتے ہیں ابوحنیفہ سے دو مرتبہ کفر سے توبہ کرائی گئی ہے کیا آپ کی مراد وہ کفر ہے جو ایمان کی ضد ہے؟ فرمایا جب سے میں نے یہ بات زبان سے نکالی ہے۔ یہ سوال تم سے پہلے کسی نے مجھ سے نہیں کیا۔ اس کے بعد سر جھکالیا اور فرمایا نہیں یہ بات نہیں بلکہ واقعہ یہ ہے کہ واصل شاری (منکر حدیث خارجی) کوفہ آیا تھا۔ اس کے پاس ایک جماعت پہنچی اور کہنے لگی یہاں ایک شخص ہے جو اہل معاصی کو کافر نہیں کہتا۔ اشارہ امام ابوحنیفہ کی طرف تھا۔ اس نے امام صاحب کو بلا بھیجا اور کہا اے شیخ! مجھے یہ بات پہنچی ہے کہ تم اہل معاصی کو کافر نہیں کہتے؟ ابوحنیفہ نے کہا ہاں میرا مذہب یہ ہے (کہ گناہ کرنے سے مسلمان کافر نہیں ہوتا جب تک شرک و کفر کا ارتکاب نہ کرے) کہنے لگا یہ تو (ہمارے نزدیک) کافر ہے (خوارج ہر گناہ سے مسلمان کو کافر کہہ دیتے ہیں) اگر تم نے اس سے توبہ کر لی تو ہم قبول کرلیں گے۔ ورنہ مار ڈالیں گے۔ ابوحنیفہ نے پوچھا میں کس بات سے توبہ کروں؟ کہا اسی کفر سے۔ فرمایا ہاں میں کفر سے توبہ کرتا ہوں ۔ یہ کہہ کر ابوحنیفہ (اس کے دربار سے) باہر آگئے ۔ پھر خلیفہ منصور کا لشکر

آ گیا اور اس نے واصل (خارجی) کو کوفہ سے نکال باہر کیا۔ کچھ مدت کے بعد منصور اس کی طرف سے یکسو اور خالی الذہن ہو گیا تو واصل پھر کوفہ پر قابض ہو گیا۔ وہی جماعت اس کے پاس پھر گئی اور کہا جس شخص نے تیرے سامنے توبہ کی تھی وہ پھر اپنے پہلے مذہب پر لوٹ گیا ہے۔ اس نے پھر ابوحنیفہ کو بلا بھیجا اور کہا اے شیخ! مجھے معلوم ہوا ہے کہ تم پھر وہی کہنے لگے جو پہلے کہتے تھے۔ فرمایا وہ کیا؟ کہا تم اہل معاصی کو کافر نہیں کہتے۔ فرمایا میرا تو یہی مذہب ہے۔ کہا ہمارے نزدیک یہ کفر ہے اگر اس سے توبہ کرو تو ہم قبول کریں گے ورنہ مار ڈالیں گے۔ ان شاریوں کا طریقہ یہ تھا کہ تین بار توبہ کرانے سے پہلے کسی کو قتل نہیں کرتے تھے۔ امام ابوحنیفہ نے فرمایا تو میں کس چیز سے توبہ کروں؟ کہا کفر سے۔ ابوحنیفہ نے کہا تو میں بے شک کفر سے توبہ کرتا ہوں۔ بس یہ تھا وہ کفر جس سے امام ابوحنیفہ سے توبہ کرائی گئی تھی۔ اھ۔

ابن ابی العوام حافظ حدیث شاگرد نسائی ہیں

ابوالقاسم بن ابی العوام حافظ حدیث نسائی کے شاگرد ہیں اور سجارہ اور ابوقطن بھی ثقات میں سے ہیں۔ اس روایت نے فیصلہ کر دیا کہ امام ابوحنیفہؒ سے توبہ کرانے والا نہ خالد قسری تھا نہ یوسف بن عمر ثقفی، نہ شریک بن عبداللہ قاضی۔ بلکہ منکرین حدیث کا بھائی بند واصل شاری منکر حدیث خارجی تھا۔ اور اس توبہ کا تعلق مسئلہ خلق قرآن سے نہ تھا بلکہ صرف اس بات سے تھا کہ امام ابوحنیفہؒ گناہ گار مسلمان کو کافر نہ کہتے تھے۔ خدا ان لوگوں کو سمجھے جو اس امام عالی مقام کی شہرت کو کاذبین مارقین کے افترا اور جھوٹ سے داغ لگانا چاہتے ہیں۔

طلوع اسلام کی تاریخ دانی

طلوع اسلام کی تاریخ دانی ملاحظہ ہو کہ صرف جعد بن درہم اور جہم بن صفوان کے قتل سے اس کے نزدیک قتل و غارت کا بازار گرم ہو گیا۔ واقعہ یہ ہے کہ عہد بنی اُمیہ میں مسئلہ خلق قرآن کی وجہ سے ان دو شخصوں کے سوا کسی کو قتل نہیں کیا گیا۔ کیا اسی کو قتل و

غارت کا بازار گرم ہونا کہا جاتا ہے؟ البتہ جس فتنہ کو عہد بنوامیہ میں دبا دیا گیا تھا، خلفاء عباسیہ نے اس کو پھر زندہ کر دیا۔ مامون الرشید عباسی اور اس کا وزیر احمد بن ابی داؤد خلق قرآن کے قائل ہو گئے اور علماء کو بھی اس عقیدہ کے قبول کرنے پر مجبور کرنے لگے۔ اسی لئے مؤرخین کا اس پر اتفاق ہے کہ بنوامیہ کے عہد خلافت میں اسلام اپنی اصلی سادگی پر قائم تھا۔ تمدن عرب بھی محفوظ تھا، عربی زبان بھی دنیائے اسلام میں بڑی سرعت کے ساتھ پھیلتی جارہی تھی۔ خلافت عباسیہ کے زمانہ میں اسلام کے اندر فلسفہ یونان گھس گیا اور اس کی سادہ تعلیم نے فلسفہ کا رنگ اختیار کرلیا، عربیت کی جگہ عجمیت غالب ہوگئی اور زبان عربی کی وہ سرعت اشاعت بھی باقی نہ رہی جو عہد بنوامیہ میں تھی۔

ہم نے اس مقالہ کے شروع میں فتنہ خلق قرآن کا ذکر کر کے بتلا دیا ہے کہ اسی فتنہ سے ائمہ اربعہ کے بعض مقلدین میں افتراق تو پیدا ہوگیا کیونکہ اس فتنہ میں علماء و محدثین کا بعض امتحان لینے والے قاضی اپنے آپ کو حنفی ظاہر کرتے تھے۔ جب متوکل کے زمانہ میں یہ فتنہ فرو ہوا تو محدثین نے غلطی سے حنفیہ سے اپنی کتابوں میں انتقام لینا شروع کیا۔ طلوع اسلام کا یہ دعویٰ غلط ہے کہ محدثین نے ''احتساب کو اپنے ہاتھ میں لے کر متکلمین اور اصحاب الرائے کا تعاقب شروع کیا اور جوش انتقام میں وہ مظالم روا رکھے گئے کہ چاند اور سورج کی آنکھ بھی شرما جائے۔ چن چن کر متکلمین اور اصحاب الرای کے سربرآوردہ حضرات کو قتل کیا گیا۔''

ہم تو سمجھتے تھے کہ تاریخ کو بدل ڈالنا انگریز ہی کا کمال تھا مگر معلوم ہوا کہ انگریز اپنے کچھ شاگرد بھی یہاں چھوڑ گیا ہے۔ جو دنیا کی آنکھوں میں خاک ڈال کر تاریخ کو مسخ کیا کریں گے۔ اس سے ہمیں انکار نہیں کہ بے شک فتنہ خلق قرآن کا ردعمل بعض ظاہرین محدثین کی طرف سے ہوا۔ مگر یہ ردعمل تقریر وتحریر سے آگے ہرگز نہیں بڑھا ہم بتلا چکے ہیں کہ اس فتنہ کے فرو ہونے کے بعد بھی عہدہ قضا بدستور حنفیہ کے ہاتھ میں رہا۔ شافعیہ عراق وخراسان کو حنفیہ کے ہاتھوں سے عہدہ قضا چھیننے کا داعیہ ۳۹۴ھ میں پیدا ہوا۔ پھر بھی وہ اس میں کامیاب نہ ہو سکے ہمیں بتلایا جائے کہ فتنہ خلق قرآن فرو ہو جانے کے بعد محدثین

کے ہاتھ میں محکمہ احتساب کب اور کس خلیفہ کے وقت میں آیا؟ اور انہوں نے متکلمین اور اصحاب الرائے کے کن کن سربرآوردہ حضرات کو قتل کیا؟ جب عہدہ قضا برابر حنفیہ کے ہاتھ میں تھا تو کسی محتسب کی مجال تھی کہ وہ بغیر قاضی کے حکم کے کسی کو بھی قتل کر سکے؟ طلوع اسلام نے یہ سارا افسانہ محض اس لئے گھڑا ہے کہ تاکہ اس پر ایک نئی عمارت قائم کی جاسکے جس کا جلی عنوان یہ ہے ''اصحاب الرائے شافعی بن گئے۔'' اس عقلمند سے کوئی پوچھے کیا امام ابو یوسف القاضی اور امام محمد بن الحسن الشیبانی بھی محدثین کے اس ردعمل سے مرعوب ہو گئے تھے؟ کیا یہ دونوں بھی امام ابوحنیفہؒ کے مسلک کو اعلانیہ پیش کرنے کی جرأت نہ رکھتے تھے؟ کیا یہ بھی شکست خوردگی کی بنا پر اپنی حنفیت کی بقا کے لئے شافعیت کے اصول میں پناہ لیتے تھے؟

اگر جواب اثبات میں ہے تو تاریخ اسلام کا ادنی طالب علم بھی اس کو ہرگز قبول نہیں کرسکتا۔ کیونکہ ان دونوں حضرات کے زمانہ میں عہدہ قضا حنفیہ ہی کے پاس تھا اور ان کا زمانہ متوکل کے زمانہ سے بہت پہلے تھا اور اگر جواب نفی میں ہے تو بتلایا جائے کہ امام محمد کی کتاب الحجج اور کتاب الآثار اور کتاب المؤطا اور امام ابو یوسف کی کتاب الآثار اور کتاب الخراج وغیرہ سے امام ابوحنیفہؒ کا مسلک کیا معلوم ہو رہا ہے؟ کیا ان کتابوں میں مخالفین پر حدیثوں سے حجت قائم نہیں کی گئی؟ کیا ان حضرات نے احادیث سے اپنے مسلک پر احتجاج نہیں کیا؟ حیرت ہے کہ امام ابوحنیفہؒ کا مسلک راویان مذہب کے طرز عمل سے تو معلوم نہیں کیا جاتا۔ ایک مصری عالم کی تاریخ فقہ اسلامی سے معلوم کیا جا رہا ہے جو خود بھی، مذہب حنفی سے اس قدر واقف نہیں جتنا اکابر علماء ہند واقف ہیں۔

طلوع اسلام کی غلط بیانی

اس کے بعد طلوع اسلام کہتا ہے کہ:

''خلق قرآن کا مسئلہ تو ختم ہو گیا مگر اس کے زیر سایہ حدیث کے اقرار و انکار نے اپنی مستقل حیثیت پیدا کر لی'' (طلوع اسلام)

یہ دعویٰ بھی سراسر غلط ہے۔ امام ابوحنیفہؒ اور اس کے اصحاب ابتدا سے حدیث رسول کو شرعی حجت مانتے آ رہے تھے۔ فتنہ خلق قرآن سے اس میں کچھ اضافہ نہیں ہوا۔ البتہ اس فتنہ سے پہلے حنفیہ اور بعض محدثین میں باہم کش مکش نہ تھی، اس فتنہ سے کشمکش پیدا ہوگئی۔ کیونکہ مسئلہ خلق قرآن میں محدثین کا امتحان لینے والے وہی قاضی تھے جو اپنے کو فروع میں حنفی کہتے تھے۔ اب محدثین میں سے اہل تعصب اور غالی فرقہ نے حنفیہ سے اس طرح انتقام لینا شروع کیا کہ جن آئمہ سے صحیح اسانید کے ساتھ امام ابوحنیفہ اور ان کے اصحاب کی مدح و ثنا منقول چلی آ رہی تھی۔ ان کی ہی زبان سے امام صاحبؒ کی مذمت نقل کرنی شروع کر دی اور خطیب بغدادی کی وفات کے بعد اس کی تاریخ میں ان خرافات کو ملحق کر دیا گیا جیسا ہم شروع میں بتلا چکے ہیں۔

طلوع اسلام نے ان ہی خرافات کو اس جگہ نقل کر کے مخلوق خدا کو یہ دھوکہ دینا چاہا ہے کہ امام ابوحنیفہؒ تو پہلے ہی سے صرف قرآن و اجتہاد کے پابند تھے حدیث کو حجت نہ مانتے تھے۔ مگر فتنہ خلق قرآن کے وقت تک کسی کو انہیں انکار حدیث کے ساتھ مطعون کرنے کی جرأت نہ تھی جب یہ فتنہ فرو ہوا اور متوکل نے محدثین کا اکرام کیا تو اب ان کو یہ جرأت ہوگئی۔ (طلوع اسلام)

اس مغالطہ سے وہ صرف جاہلوں کو بہکا سکتا ہے تاریخ اسلام سے واقفیت رکھنے والوں کو نہیں بہکا سکتا وہ خوب جانتے ہیں کہ اس فتنہ کے دب جانے کے بعد بھی حنفیہ کا اقتدار کم نہیں ہوا تھا وہ برابر عہدہ قضا پر تعینات رہے اور جب کسی نے امام ابوحنیفہ اور ان کے اصحاب کی شان میں بے سر و پا باتیں تصنیف کیں تو انہوں نے برابر ان کا دندان شکن جواب دیا پھر اس فتنہ کے فرو ہونے پر سارے محدثین تو حنیفہ کے خلاف نہیں ہو گئے تھے۔ چند اہل طمع اور غالی اہل حدیث نے امام صاحب اور ان کے اصحاب کے خلاف زبان کھولی تھی۔ ان سے وہ اس قدر مرعوب کیسے ہو جاتے کہ اصول حنفیت کو چھوڑ کر شافعیہ کے اصول میں پناہ لینے پر مجبور ہو جاتے؟ اسی زمانہ میں ابو داؤد صاحب سنن موجود تھے جو امام احمد بن حنبلؒ کے شاگرد ہیں اور امام ابوحنیفہ کی تعریف میں رطب اللسان

ہیں۔ ابو داؤد کے شاگردوں میں احمد بن علی جصاص رازی اسی زمانہ میں موجود تھے جو اپنی کتاب احکام القرآن میں مخالفین حنفیہ کے اقوال کا دلائل قرآن و حدیث سے جواب دیتے اور اصول حنفیہ کی قوت ثابت کرتے ہیں۔ امام نسائی کے شاگرد علامہ[۱] طحاوی اسی زمانہ میں اپنی کتاب معانی الآثار و مشکل الآثار میں بڑی شد و مد سے مسائل حنفیہ کو احادیث سے مضبوط کرتے اور اختلاف الفقہاء میں مذہب حنفی کی ترجیح ثابت کرتے ہیں اور حافظ ابو القاسم بن ابی العوام شاگرد نسائی امام صاحب کے مناقب میں کتاب تصنیف کرتے ہیں۔ یہ سب اسی زمانہ میں تھے جب کہ محدثین نے فتنہ خلق قرآن کا ردعمل شروع کر دیا تھا۔ اسی زمانہ میں حافظ حدیث ابو بشر دولابی اور عبدالباقی بن قانع اور مستغفری جیسے حفاظ محدثین حنفیہ میں موجود تھے اسی زمانہ میں امام ابو حفص کبیر، ابو حفص صغیر اور ابو منصور ماتریدی بھی تھے جن کے تفقہ اور تبحر علمی کا دنیا لوہا مانتی تھی، شافعیہ بھی ان کی عظمت و جلالت کے معترف تھے۔ پس کون جاہل اس بات پر کان دھر سکتا ہے کہ اس زمانہ میں حنفیہ محدثین سے ایسے مرعوب ہو گئے تھے کہ حنفیت کو چھوڑ کر اصول شافعی کے ماننے پر مجبور ہو گئے۔

اس کے بعد طلوع اسلام نے ''امام ابو حنیفہ پر محدثین کا طعن و تشنیع'' کا عنوان قائم کر کے بحوالہ تاریخ الخطیب امام مالک اور عبدالرحمٰن بن مہدی اور اوزاعی اور سفیان ثوری وغیرہم سے امام ابو حنیفہ کی شان میں بیہودہ کلمات نقل کر دیے ہیں مگر ان میں سے کوئی سند بھی مجروحین یا کذابین سے خالی نہیں۔

امام ابو حنیفہؒ کی شان میں امام مالکؒ سے جرح ثابت نہیں

امام مالکؒ کا قول عبداللہ بن درستویہ روایت کر رہا ہے جس پر ہم جرح کر چکے ہیں کہ جس نے اسے کچھ دراہم دے دیئے وہ اس کے موافق روایتیں بغیر سماع کے بیان

---

۱ علامہ طحاوی پہلے شافعی تھے پھر مذہب حنفی کی طرف منتقل ہو گئے کیا اس کا نام مرعوبیت ہے؟ طلوع اسلام کی دیدہ دلیری ملاحظہ ہو کہ وہ اس زمانہ میں حنفیہ کو شافعیہ کے دامن میں پناہ لینے والا بتلا رہا ہے لیکن تاریخ بتلاتی ہے کہ اس وقت بھی شافعیہ مذہب حنفی کی طرف آ رہے تھے۔ واعتبروا یا اولی الابصار۔

کر دیتا اس کے بعد اسحٰق بن ابراہیم حنینی، ہے جس کو ابن الجوزی نے ضعفاء میں شمار کیا اور ذہبی نے صاحب اوابد کہا (کہ بے تکی باتیں ہانکتا ہے) بخاری نے فیہ نظر کہا اور یہ لفظ بخاری کے نزدیک سخت جرح ہے۔ ابو احمد حاکم نے کہا یہ اندھا ہوگیا تھا اس کی حدیث میں اضطراب ہے۔ پھر علامہ حافظ ابن عبدالبر نے جامع بیان العلم میں اس روایت کو ابن جریر کی کتاب تہذیب الآثار کے حوالہ سے حسن بن صباح بزار ہی کے واسطہ سے حنینی سے جن الفاظ کے ساتھ روایت کیا ہے۔ ان میں امام ابوحنیفہ کا کچھ ذکر نہیں۔ اس کے الفاظ یہ ہیں ان مالکا قال قبض رسول الله صلى الله عليه وسلم وقد تم هذ الامر واستكمل فانما ينبغي ان تتبع اٰثار رسول الله صلى الله عليه وسلم ولا تتبع الراى الخ امام مالکؒ نے فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات اس حالت میں ہوئی کہ یہ دین کامل ہو چکا تھا تو اب تم کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے آثار کا اتباع کرنا چاہیے اپنی رائے یا کسی کی رائے کا اتباع نہ کرنا چاہیے۔ معلوم ہوتا ہے کہ امام صاحبؒ کا نام اس میں ابن درستویہ دراہمی نے بڑھا دیا ہے۔

امام مالکؒ بڑے درجہ کے اہل الرائے ہیں

اور ظاہر ہے کہ امام مالک جس رائے سے منع کر رہے ہیں اس سے مراد وہ رائے ہے جو قرآن وحدیث سے مستنبط نہ ہو محض عقل کا اتباع ہو۔ ورنہ کون نہیں جانتا کہ امام مالکؒ قیاس اور رائے شرعی میں بڑا مقام رکھتے ہیں۔ ابن قتیبہ نے اپنی کتاب المعارف میں امام مالک کو اور ان کے اصحاب کو اہل الرائے میں شمار کیا ہے۔ مالکیہ میں جو حضرات اہل فقہ ہیں ان کو اہل الرائے کہا جاتا ہے۔ امام مالکؒ کی موطا جو یحیٰی لیثی کی روایت سے مشہور ہے اس سے امام مالک کا صاحب رائے ہونا بخوبی ظاہر ہے۔ انہوں نے ستر کے قریب ایسی حدیثوں کو جو موطا میں اصح الاسانید کے ساتھ روایت کی گئی ہیں ترک کر دیا ہے۔ کیونکہ ان کے نزدیک عمل اہل مدینہ خبر واحد سے مقدم ہے۔ ابن القاسم نے سوالات اسد بن الفرات کے جوابات جو امام مالکؒ کے مذہب پر دیے ہیں جن کو

مدونہ کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔ ببانگ دہل بتلا رہے ہیں کہ امام مالک اہل الرائے میں سے ہیں اور اسی مدونہ پر مذہب مالک کی بنیاد قائم ہے۔ اسی طرح ابو العباس محمد بن اسحاق سراج ثقفی نے امام مالک کے مسائل ستر ہزار کے قریب جمع کئے ہیں (طبقات الحافظ للذہبی ص ۲۶۹ ج ۲) ان سے بھی صاف واضح ہے کہ امام مالک اہل الرائے میں سے ہیں۔ اگر امام مالکؒ کے استاد ربیعۃ[۱] الرائے نہ ہوتے تو امام مالک کا شمار فقہاء میں نہ ہوتا۔ مذہب مالکی کے فقہاء اندلسیین بڑے درجہ کے صاحب الرائے تھے۔ مگر یہ وہی رائے ہے جس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ کو چلایا تھا کہ غیر منصوص جزئیات کو منصوص پر قیاس کر کے نظیر کو نظیر کی طرف راجع کیا جائے۔ چنانچہ فقہاء صحابہؓ اس اجتہاد اور رائے سے کام لیتے تھے۔ یعنی جزئیات غیر منصوصہ کو منصوص پر قیاس کرتے تھے، یہی طریقہ فقہاء تابعین کا تھا۔ خود خطیب بغدادی نے اپنی کتاب ''الفقیہ والمتفقہ'' میں اس رائے کو بہت سی سندوں سے ثابت کیا ہے تو کیا خطیب کو وہ روایتیں یاد نہیں رہیں؟ یہ صحیح ہے کہ دین کامل ہو چکا مگر شریعت میں غیر منصوص جزئیات کے لئے جو قیامت تک پیش آتے رہیں گے، کسی ایسی مقتدر ہستی کے لئے کہ جس میں شرائط اجتہاد موجود ہوں قیاس و اجتہاد کی اجازت ہونا بھی دین کے کمال ہی کا ایک حصہ ہے۔ رائے مطلقاً تو مذموم نہیں، رائے مذموم وہ ہے جو ہوائے نفس کے تابع ہو جس کی کوئی اصل کتاب و سنت میں موجود نہ ہو۔ تو ایسی رائے سے حضرات فقہاء امت اور امام ابو حنیفہ کو کیا واسطہ؟ ہم نے قاضی عیاض کی مدارک کے حوالہ سے امام ابو حنیفہؒ کے متعلق امام مالکؒ کا یہ قول پہلے بیان کیا ہے کہ جب لیث بن سعد مصری نے کہا میں دیکھتا ہوں آپ

---

[۱] فاضل عمر فروخ شامی نے اپنی کتاب عبقریۃ العرب میں ربیعۃ الرائے کو امام ابو حنیفہ کا استاد لکھ دیا اور یہ کہ امام ابو حنیفہ نے اُن سے علم فقہ حاصل کیا ہے یہ غلط ہے۔ وہ امام مالک کے استاد ہیں ان ہی سے امام مالک نے علم رائے حاصل کیا ہے امام ابو حنیفہ کے استاد امام شعبی اور حماد بن ابی سلیمان ہیں ان سے ہی امام صاحب نے علم فقہ حاصل کیا ہے ربیعۃ الرائے سے حاصل نہیں کیا بلکہ ابن الندیم نے فہرست میں ربیعۃ الرائے کو امام ابو حنیفہ کا شاگرد بتلایا ہے۔

عراقی بنتے جا رہے ہیں۔ فرمایا ہاں میں ابو حنیفہ کی وجہ سے عراقی بن رہا ہوں کیونکہ واقعی وہ فقیہ ہیں۔ نیز طحاوی کے حوالہ سے عبدالعزیز درباوردی کا یہ قول بھی گزر چکا ہے کہ امام مالک کے پاس امام ابو حنیفہ کے ساٹھ ہزار مسائل تھے۔ اس کو مسعود بن شیبہ نے بھی کتاب ''التعلیم'' میں نقل کیا ہے۔ حافظ ابوالعباس بن ابی العوام نے فضائل ابو حنیفہ میں ذکر کیا ہے کہ امام مالک امام ابو حنیفہ کی کتابوں سے استفادہ کرتے تھے (یہ کتاب کتب خانہ ظاہریہ دمشق میں محفوظ ہے) اور جب کبھی امام ابو حنیفہ مدینہ منورہ تشریف لاتے امام مالک کے ساتھ رات بھر مسجد نبوی میں ان کا علمی مذاکرہ رہتا تھا۔ (ذکرہ الخوارزمی)

تو کیا کسی کی عقل میں آ سکتا ہے کہ امام مالک کی زبان سے امام ابو حنیفہ کی شان میں وہ بیہودہ الفاظ نکل سکتے ہیں جو تاریخ خطیب سے طلوع اسلام نے نقل کئے ہیں؟ ایک سند کا حال تو اوپر گزر چکا۔ دوسری سند میں علاوہ ابن رزق، ابن سلم اور ابار جیسے مجروحین کے حبیب بن رزیق کاتب مالک موجود ہے جس کے متعلق ابو داؤد کہتے ہیں ''من اکذب الناس۔ سب سے زیادہ جھوٹ بولنے والا تھا''۔ ابن عدی نے کہا اس کی سب حدیثیں موضوع ہیں۔ ابن حبان نے کہا یہ ثقات کے نام سے موضوع روایتیں بیان کرتا ہے۔ (ملاحظہ ہو میزان الاعتدال)

اس کے بعد طلوع اسلام میں امام اوزاعی اور سفیان ثوری سے امام ابو حنیفہ کی مذمت میں بیہودہ اقوال نقل کئے گئے ہیں۔

امام اوزاعی

مگر پہلی سند میں علی بن احمد رزازی ہے جس پر بار بار جرح کی جا چکی ہے کہ اس کا بیٹا اس کی کتابوں میں اضافات کیا کرتا تھا (خطیب) اس کی روایات پر کیسے بھروسہ کیا جا سکتا ہے؟ پھر علی بن محمد بن سعید موصلی ہے جس کو ابونعیم نے کذاب کہا ہے ابن الفرات نے مخلط غیر محمود کہا ہے کہ روایت میں گڑ بڑ کرتا ہے۔ اچھا آدمی نہیں، منتہائے سند ابواسحق فزاری ہے جو امام ابو حنیفہ کی عداوت میں مشہور ہے صرف اسلئے کہ اس کا بھائی

امام صاحب کے فتویٰ سے آئمہ جور کے خلاف جہاد میں شریک ہوگیا اور مارا گیا تھا، دوسری سند میں ابن رزق، ابن سلم، ابارہ، وغیرہ مجروحین ہیں جن پر ہم بار بار کلام کر چکے ہیں۔ تیسری سند میں محمد بن جعفر انباری ہے، جس پر خود خطیب نے جرح کی ہے اور جعفر بن محمد بن شاکر نوے سال کی عمر کو پہنچ کر مختل ہوگیا تھا اور سلیمان بن حسان صلبی کے بارے میں ابو حاتم نے ابن ابی غالب کا قول نقل کیا ہے کہ میں اسے نہیں پہچانتا اور نہ اہل بغداد کو اس سے روایت کرتے دیکھا۔ امام اوزاعی کی شان اس سے کہیں بلند ہے کہ وہ امام ابوحنیفہؒ کی شان میں ایسی بیہودہ بات کہیں، پھر ان راویوں نے اسلام کے ان دستوں میں سے کسی ایک دستہ کا تو نام بیان کیا ہوتا جن کو ابوحنیفہ نے توڑا ہے۔ تاریخ خطیب ہی میں صفحہ ۳۳۸ پر بسند صحیح امام اوزاعی سے امام ابوحنیفہ کی مدح وثنا مذکور ہے امام صاحب سے حج کے موقعہ پر امام اوزاعی کا ملاقات کرنا اور نماز کے اندر رکوع کے وقت رفع یدین کے مسئلہ پر مناظرہ کرنا مشہور ہے جس میں ابوحنیفہؒ نے ان کو لاجواب کر دیا تھا۔ ان کے منہ سے اس قسم کی باتیں ہرگز نہیں نکل سکتی تھیں جو مجروحین کے واسطہ سے نقل کی جاتی ہیں؟

سفیان ثوریؒ

اسی طرح امام سفیان ثوریؒ کی طرف جو بیہودہ کلمات منسوب کئے گئے ہیں اس کی سند میں نعیم بن حماد کے سوا اور کوئی بھی نہ ہوتا تو اس روایت کے رد کرنے کو تنہا وہی کافی ہے ثقات متکلمین نے اس کو مجسمہ میں شمار کیا ہے پھر اس میں بھی شک نہیں کہ وہ امام ابو حنیفہؒ کے مثالب میں وضاع ہے گھڑ کر روایتیں بیان کرتا ہے۔ چنانچہ ابوالفتح ازدی، ابوبشر دولابی وغیرہ نے اس کی تصریح کی ہے، دوسری سند میں ثعلبہ بن سہیل قاضی ضعیف ہے۔ اور سلیمان بن عبداللہ ابوالولید رقی کے بارہ میں یحییٰ بن معین نے کہا ہے۔ لَیسَ بشَیءٍ "کچھ نہیں کسی درجہ معتبر نہیں" دنیا جانتی ہے کہ سفیان ثوری مسائل خلافیہ میں سب سے زیادہ ابوحنیفہؒ کی رائے کا اتباع کرتے ہیں، ترمذی پڑھنے پڑھانے والے اس کو خوب جانتے ہیں۔ تاریخ خطیب کے صفحہ ۳۴۱ پر خود امام سفیان ثوری سے امام ابوحنیفہ کی شان

میں غایت درجہ تعظیم وتکریم کے کلمات منقول ہیں۔ حافظ ابن عبدالبر نے کتاب الانتقاء کے صفحہ ۱۲۷ میں بہت سی روایتیں نقل کی ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ سفیان ثوری کی نظر میں امام ابوحنیفہؒ کا درجہ کس قدر بلند تھا خدا ان لوگوں کی زبانیں کاٹ دے جو سفیان ثوری پر افترا کرتے اور ان کی طرف ایسی بیہودہ باتیں گھڑ گھڑ کر منسوب کرتے ہیں۔

طلوع اسلام کی بیان کردہ ایک اور غلط روایت

اس کے بعد طلوع اسلام نے عمر بن قیس کا قول نقل کیا ہے کہ جو شخص حق کو معلوم کرنا چاہیے اسے کوفہ جا کر ابوحنیفہؒ اور ان کے اصحاب کے قول کو دیکھنا چاہیے اس کے بعد ان اقوال کے خلاف کرنا چاہیے۔ عمار بن رزیق کہتے ہیں کہ ابوحنیفہؒ کی مخالفت کرو تم حق کو پالو گے، ابن عمار کہتے ہیں کہ جب تمہیں کسی بات میں شک ہو تو دیکھ لو ابوحنیفہؒ نے کیا کہا ہے بس اس کی مخالفت کرو کہ حق وہی ہوگا۔ الخ

یہ باتیں کسی عالم کی زبان سے ہرگز نہیں نکل سکتیں کوئی جاہل ہی ایسی بات کہہ سکتا ہے کیونکہ اعتقادیات واصول میں امام ابوحنیفہؒ کا قول عین حق ہے جس سے اہل حق کو انحراف کی اصلاً گنجائش نہیں جس کو شک ہو وہ عقیدہ الطحاوی کا مطالعہ کرے جس میں امام ابوحنیفہؒ اور ان کے اصحاب کے عقائد بیان کئے گئے ہیں کیا اس میں کچھ بھی خلل پایا جاتا ہے؟ سلطان ابن سعود نے باوجودیکہ وہ حنبلی المذہب مشہور تھے عقیدۃ الطحاوی کو اپنے مدارس کے نصاب میں داخل کیا ہے۔ اور فرمایا کہ ہم نے اس کتاب کو اس باب میں بہترین پایا ہے مسائل فروع تو دنیا جانتی ہے کہ امام سفیان ثوری اور فقہاء کوفہ اکثر مسائل میں امام صاحب کے موافق ہیں اسی طرح امام شافعی، امام مالک، امام احمد بن حنبل قریباً تین چوتھائی مسائل میں ان کا نزاع نہیں ہے تو جو شخص مسائل عقائد میں یا ان تین چوتھائی مسائل میں امام صاحب کے خلاف کرے گا جن میں تمام فقہا ان کے ساتھ ہیں وہ یقیناً حق صریح کی مخالفت کرے گا اور جو ان تھوڑے مسئلوں میں امام صاحب کی مخالفت کرے جن میں فقہا کے درمیان اختلاف ہے اور امام صاحب کو خطا کار کہے وہ یقیناً مسائل اجتہادیہ کے حکم سے

اپنی جہالت کا ثبوت دے رہا ہے۔ اہل حق کا اتفاق ہے کہ مجتہد ہر حالت میں ثواب کا مستحق ہے۔ اس کو گنہگار یا خطا کار کہنا گمراہوں کا شیوہ ہے اہل حق کا طریقہ نہیں۔

سند کا حال

اب اس کی سند کا حال بھی ملاحظہ ہو اول تو اس میں وہی اصحاب ثلثہ ابن رزق، ابن سلم ابار دھرے ہوئے ہیں جن پر بار بار جرح کی جاچکی ہے ان کے بعد مؤمل بن اسماعیل ہے جو بخاری کے نزدیک متروک الحدیث ہیں۔ اس کے بعد عمر بن قیس ہے اگر یہ ناصری کوفی ہے تو مؤمل بن اسماعیل مکی نے اس کو نہیں پایا، اور اگر عمر بن قیس مکی ہے تو وہ منکر الحدیث اور ساقط ہے، جب اکثر ناقدین حدیث نے کہا ہے۔ یہ وہی شخص ہے جس نے امام مالک سے کہا تھا اے مالک تم ہلاکت میں ہو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے شہر میں بیٹھ کر بیت اللہ کے حاجیوں سے کہتے ہو کہ صرف حج کا احرام باندھو، تنہا حج کا احرام باندھو (تمتع یا قران نہ کرو) خدا تم کو سب سے الگ کر دے، امام مالک کے شاگردوں نے اس کو دھمکانا چاہا تو امام نے فرمایا اس سے بات نہ کرو یہ تو شراب پیتا ہے۔ (تہذیب التہذیب)

عمار بن رزیق کا قول نقل کرتے ہوئے اہل علم کو شرمانا چاہیے مگر ادارہ طلوع اسلام میں علم کہاں؟ سلیمانی نے اس شخص کے متعلق کہا ہے کہ وہ رافضی تھا، دوسری سند میں ابن درستویہ ہے جس پر ہم جرح کر چکے ہیں وہ یعقوب سے ابن نمیر سے روایت کرتا ہے کہ ہم سے بعض دوستوں نے بیان کیا جو مجہول ہے اور وہ عمار بن رزیق سے روایت کرتا ہے جس کا رافضی ہونا معلوم ہو چکا ہے۔ اس کے بعد والی سند میں ابن عمار موصلی تاجر ہے جس کے متعلق ابن عدی نے کہا ہے کہ میں نے ابویعلی موصلی کو بہت برے الفاظ سے اس کو یاد کرتے دیکھا ہے۔ وہ یہ بھی کہتے تھے کہ اس نے میرے ماموں کے خلاف جھوٹی گواہی دی تھی۔ اور ظاہر ہے کہ ابویعلی موصلی اس کو دوسروں سے زیادہ جانتا ہے اس کا قول دوسروں کے اقوال سے زیادہ وزنی ہے کیونکہ وہ اپنے شہر کے آدمیوں کو خوب پہچانتا ہے۔ یہ تو سند کا حال تھا اور متن کے بارہ میں ہم پہلے کہہ چکے

ہیں کہ ایسی باتیں کسی عالم یا دیندار کی زبان سے نہیں نکل سکتیں کوئی جاہل یا بے دین ہی ایسی باتیں کہہ سکتا ہے۔

طلوع اسلام کی اور ناواقفیت

طلوع اسلام نے اس کے بعد ابوعبید کا قول نقل کیا ہے کہ میں اسود بن سالم کے ساتھ رصافہ کی جامع مسجد میں بیٹھا ہوا تھا وہاں کسی مسئلہ کا ذکر آ گیا میرے منہ سے نکل گیا کہ اس بارہ میں ابوحنیفہ ایسا ایسا کہتے ہیں تو اسود نے مجھے ڈانٹ کر کہا (ڈانٹنا کس لفظ کا ترجمہ ہے؟) تو مسجد میں ابوحنیفہؒ کا تذکرہ کرتا ہے۔الخ

طلوع اسلام کو اتنی بھی خبر نہیں کہ امام ابوعبید سے اسود بن سالم کو کیا نسبت؟ ابوعبید علم فقہ وحدیث ولغت میں امام مسلم ہے اور اسود بن سالم کو علم میں کچھ بھی دخل نہیں نہ فقہ سے کچھ مناسبت وہ تو محض زاہد خشک ...... عبادت گزار ہے، اس کو مسائل فقہ سے کیا واسطہ؟ اس کا حال تو خطیب کی اسی روایت ہی سے معلوم ہوسکتا ہے جو صفحہ ۳۶ ج ۷ میں مذکور ہے کہ ایک دن اسود بن سالم کو صبح سے دوپہر تک منہ دھوتے ہوئے دیکھا گیا۔ کسی نے کہا کیا بات ہے؟ کہا آج میں نے ایک بدعتی کا منہ دیکھ لیا تھا، اس وقت سے اب تک منہ دھو رہا ہوں، مگر میرا خیال یہ ہے کہ پاک نہیں ہوا۔ اور ابوعبید (قاسم بن سلام) کا جو درجہ علم میں ہے اس سے دنیا واقف ہے ابوعبید کا امام ابوحنیفہؒ کے قول کو بطور حجت کے پیش کرنا، امام ابوحنیفہؒ کی جس عظمت شان کو ظاہر کر رہا ہے اہل علم اس کو سمجھ سکتے ہیں، اسود بن سالم کا اس پر انکار کرنا متنبّی کے اس شعر کا مصداق ہے۔

واذا اتتک مذمتی من ناقص فھی الشھادۃ لی بانی کامل

ترجمہ:۔ ''اگر میری مذمت کسی ناقص کی طرف سے تیرے پاس پہنچے تو یہی میرے کامل ہونے کی دلیل ہے۔''

طلوع اسلام کی جانب سے نیا افسانہ

اس کے بعد طلوع اسلام نے سفیان سے ہشام بن عروہ سے ان کے باپ

سے یہ حدیث نقل کی (اس کو حدیث کہنا غلط ہے بلکہ عروہ کا قول کہنا چاہیے) کہ بنی اسرائیل کا معاملہ اعتدال پر قائم تھا حتیٰ کہ ان میں لونڈی بچوں کا غلبہ ہوگیا جنہوں نے دین میں رائے کو دخل دیا۔ خود بھی گمراہ ہوئے، اور لوگوں کو بھی گمراہ کیا۔ اس کے بعد سفیان نے کہا کہ اسلام میں بھی لوگوں کا معاملہ اعتدال پر قائم تھا حتیٰ کہ اسے ابوحنیفہ نے کوفہ میں عثمان بتی نے بصرہ میں اور ربیعہ بن ابی عبدالرحمٰن نے مدینہ میں بدل ڈالا۔ ہم نے غور کیا تو ان سب کو ہم نے لونڈی بچے ہی پایا۔ الخ

مگر اس افسانہ کے گھڑنے والے نے خود سفیان بن عیینہ کا نام چھوڑ دیا کیونکہ وہ بھی تو لونڈی بچے ہیں۔ بنو ہلال کے موالی میں سے ہیں۔

تعجب ہے کہ خطیب بغدادی کے نزدیک صحابہ کے اقوال بھی حجت نہیں۔ تابعین اور تبع تابعین کے اقوال تو کس شمار میں؟ وہ ہشام کا یا ان کے باپ عروہ کا قول حجت کے طور پر کیسے نقل کرسکتا ہے؟ پھر اس روایت کا غلط ہونا اسی سے ظاہر ہے کہ سفیان بن عیینہ خود بھی باندی بچے ہیں۔ عربی النسل نہیں۔ یہ روایت اگر صحیح سند سے عروہ تک پہنچ بھی جاتی تو اس کا درجہ اسرائیلی روایات سے زیادہ نہیں ہوسکتا تھا جن کی کوئی سند نہیں ہوتی۔

جاہلیت کی باتیں

یہ محض جاہلیت کی باتیں ہیں جن کو حق تعالیٰ کا یہ ارشاد غلط قرار دیتا ہے ان اکرمکم عند اللّٰہ اتقٰکم ط اللہ کے نزدیک تم میں سب سے زیادہ عزت والا وہ ہے جو سب سے زیادہ متقی ہو نیز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا خطبہ حجۃ الوداع بھی ان کی مدد کرتا ہے جو حقیقت میں امت کے لئے وصیت ہے اس خطبہ کو حاکم نے کتاب المعرفۃ صفحہ ۱۹۵ میں ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے جاہلیت کے تکبر کو اور باپ دادا کے فخر کو مٹا دیا ہے سب آدمی آدم علیہ السلام کی اولاد ہیں اور وہ مٹی سے بنے ہیں بس کوئی مومن متقی ہے کوئی فاجر بدبخت ہے۔ لوگوں کو ان آدمیوں پر فخر کرنے سے باز آنا چاہیے جو جہنم کے کوئلے ہیں یا وہ اللہ تعالیٰ کے

نزدیک گوہ کے کیڑوں سے بھی زیادہ ذلیل ہوں گے۔

تو جو شخص ایسی جاہلیت کی باتوں پر توجہ کرتا ہے وہ اپنے ہی کو ذلیل کرتا ہے۔ ابولہب کو اس کے خاندانی نسب نے کچھ نفع نہ دیا اور سلمان فارسیؓ کو ان کے عجمی ہونے سے کچھ ضرر نہیں ہوا۔ پھر امام صاحب کو لونڈی بچہ کہنے والا یقیناً جھوٹ بولتا ہے۔ اسماعیل بن حماد بن ابی حنیفہ فرماتے ہیں کہ واللہ ہمارے اوپر غلامی کا دھبہ کسی وقت بھی نہیں لگا۔ نیز ابوعبدالرحمٰن مقری کا قول مشکل الآثار طحاوی میں مذکور ہے کہ امام ابوحنیفہؒ کو جو مولی کہا جاتا ہے وہ صرف ولاء موالاۃ کی وجہ سے ہے نہ ولاء اسلام یا ولاء عتق کی بناء پر امام صاحب کے دادا النعمان بن قیس بن مرزبان یوم نہروان میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے علم بردار تھے اور اسماعیل بن حماد کو محمد بن عبداللہ انصاری نے صحابہ کے بعد تمام قضاۃ بصرہ سے افضل کہا ہے۔

روایت کی کیفیت

اب اس روایت کی سند کا حال بھی ملاحظہ ہو۔ اس میں ایک تو یعقوب بن سفیان ہے جو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شان میں گستاخی کرتا تھا۔ اس کے بعد محمد بن عوف مجہول ہے۔ یہ حافظ ابوجعفر طائی حمصی نہیں ہے کیونکہ وہ بہت متاخر ہے۔ اسماعیل بن عیاش کی وفات کے بعد پیدا ہوا ہے۔ وہ اسماعیل بن عیاش سے روایت نہیں کر سکتا، جیسا اس سند میں ہے۔ یہ محمد بن عوف کوئی اور ہے جس کا حال مجہول ہے۔ دوسری سند میں حمیدی موجود ہے جو امام ابوحنیفہؒ سے سخت تعصب رکھتا ہے اس لئے اس کی کوئی بات امام صاحب کے بارے میں قابل قبول نہیں، یہی حال ابونعیم کا ہے۔

سفیان بن عیینہ

سفیان بن عیینہ کی کمال احتیاط فتویٰ کے باب میں معلوم ہے کہ وہ اس طرح ائمہ مجتہدین کی شان میں زبان درازی ہرگز نہیں کر سکتے نہ وہ جاہلیت کے گڑے مردے اکھاڑ سکتے ہیں۔ جن کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے قدم مبارک کے نیچے دفن کر

دیا تھا نہ وہ ایسے جاہل ہیں کہ اتنی بات بھی نہیں جانتے کہ صحابہ کے بعد بلاد اسلام میں حدیث وفقہ کے عالم زیادہ تر موالی ہی تھے۔ امام حسن بصری محمد بن سیرین، مجاہد، عطاء، مکحول، اوزاعی یزید بن ابی حبیب، لیث بن سعد، طاؤس وغیرہ بے شمار علماء محدثین وفقہا موالی تھے حتیٰ کہ زہری کے نزدیک امام مالک بھی موالی میں سے تھے کیونکہ بخاری کی کتاب الصوم کے شروع میں ایک سند کے اندر زہری کا یہ قول موجود ہے، حدثنی ابن ابی انس مولی الیتم مجھ سے ابن ابی انس نے حدیث بیان کی جو بنو تیم کے مولی تھے اور یہ ابن ابی انس امام مالک کے چچا ہیں، اور بعض علماء کے نزدیک امام شافعیؒ بھی موالی میں سے ہیں۔ جرجانی نے کہا ہے کہ امام مالک کے اصحاب کو امام شافعی کا قریشی ہونا مسلم نہیں۔ ان کا دعویٰ یہ ہے کہ شافع (جو امام شافعی کے جد اعلیٰ ہیں) ابولہب کے غلام تھے۔ اس نے حضرت عمر سے درخواست کی تھی کہ اسے موالی قریش میں شمار کر لیا جائے۔ انہوں نے انکار کر دیا تو حضرت عثمان سے یہی درخواست کی انہوں نے منظور کر لیا، اسی لئے بعض علماء نے اس شافع کو حضرت عثمان کے موالی میں شمار کیا ہے۔

ایک واقعہ

غرض رنگ یا خون سے عزت بڑھنا علماء کی شان نہیں، حاکم نے معرفت علوم الحدیث میں اپنی سند کے ساتھ زہری سے روایت کیا ہے وہ فرماتے ہیں کہ میں ایک دن عبدالملک بن مروان کے پاس گیا تو پوچھا کہاں سے آرہے ہو؟ میں نے کہا مکہ سے، کہا وہاں کس کو مکہ والوں کا امام پایا؟ میں نے کہا عطاء بن ابی رباح کو کہا وہ عربی ہے یا موالی میں سے؟ میں نے کہا موالی میں سے ہے، کہا وہ ان کا امام کیسے بن گیا؟ میں نے کہا دیانت اور روایت کی وجہ سے (یعنی خود دیندار ہے اور صحابہ کی حدیثوں اور روایتوں کا راوی ہے) عبدالملک نے کہا بے شک اہل دیانت و روایت اس لائق ہیں کہ لوگوں کے امام بن جائیں، کہا اہل یمن کا امام کون ہے؟ میں نے کہا طاؤس بن کیسان، کہا وہ عربی ہے یا موالی میں سے؟ میں نے کہا موالی میں سے، کہا وہ کیسے امام بن گیا؟ میں نے کہا

جس طرح عطاء امام بن گئے، کہا اہل مصر کا امام کون ہے؟ میں نے کہا یزید بن ابی حبیب، کہا وہ عربی ہے یا موالی میں سے؟ میں نے کہا موالی میں سے، کہا اہل شام کا امام کون ہے؟ میں نے کہا مکحول، کہا وہ عربی ہے یا موالی میں سے؟ میں نے کہا موالی میں سے (مکحول سندی ہیں اس لئے بعض نے ان کو ہندی بھی کہہ دیا ہے) کہا اہل جزیرہ کا امام کون ہے۔ میں نے کہا کہ میمون بن مہران، کہا وہ عربی ہے یا موالی میں سے، میں نے کہا موالی میں سے، کہا اہل خراسان کا امام کون ہے؟ میں نے کہا ضحاک بن مزاحم، کہا وہ عربی ہے یا موالی میں سے۔ میں نے کہا موالی میں سے، کہا اہل بصرہ کا امام کون ہے؟ میں نے کہا حسن بن ابی الحسن (امام حسن بصری) کہا وہ عربی ہیں یا موالی میں سے؟ میں نے کہا موالی میں سے، کہا تیرا ناس ہو اور کوفہ والوں کا امام کون ہے؟ میں نے کہا ابراہیم نخعی کہا وہ عربی ہیں یا موالی میں سے؟ میں نے کہا وہ عربی ہیں۔ عبدالملک نے کہا اے زہری اب تو نے میری پریشانی کو کچھ کم کر دیا، واللہ یہ موالی اہل عرب کے سردار بن جائیں گے، ممبروں پر ان کا خطبہ پڑھا جائے گا اور عرب ان کے ماتحت ہوں گے، میں نے کہا امیر المومنین یہ تو اللہ تعالیٰ کا قانون اور اس کا دین ہے جو اس کو محفوظ رکھے گا سردار بن جائے گا جو اس کو ضائع کرے گا پست ہو جائے گا۔

دوسرا واقعہ

ابو محمد رامہرمزی نے کتاب المحدث الفاصل میں اپنی سند کے ساتھ عبدالملک بن قریب سے بھی اسی کے مثل دوسرا واقعہ ذکر کیا ہے کہ ایک دفعہ خلیفہ عبدالملک بن مروان مسجد حرام میں آیا تو علم و وعظ کے بہت سے حلقے جا بجا دیکھے جس سے وہ خوش ہوا پھر ایک حلقہ کی طرف اشارہ کر کے پوچھا کہ یہ کس کا حلقہ ہے؟ کہا گیا عطاء کا، پھر دوسرے حلقہ پر اشارہ کیا کہ یہ کس کا حلقہ ہے؟ کہا گیا سعید بن جبیر کا، پھر تیسرے حلقہ کو دریافت کیا کہ یہ کس کا حلقہ ہے؟ کہا گیا میمون بن مہران کا، پھر چوتھے حلقے کو پوچھا کہ یہ کس کا ہے؟ کہا گیا مکحول کا، پھر پانچویں کو پوچھا یہ کس کا ہے؟ کہا گیا مجاہد کا۔ اور یہ سب

کے سب فارسی النسل تھے۔ عبدالملک اپنے محل کی طرف واپس آیا اور قبائل قریش کو جمع کیا پھر خطبہ دیا۔ اور کہا اے جماعت قریش! تم کو معلوم ہے کہ ہم کس حال میں تھے پھر اللہ تعالیٰ نے سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ اور اس دین کی وجہ سے ہم پر احسان فرمایا۔ مگر تم نے اس دین کو حقیر سمجھا اور اس کی تعلیم سے غفلت اختیار کر لی) یہاں تک کہ اہل فارس تم پر غالب آ گئے، (وہ علم دین میں تم سے سبقت لے گئے) اس پر حاضرین پر عالم سکوت طاری ہو گیا کسی سے کچھ جواب نہ بن پڑا تو (امام زین العابدین) علی بن حسین رضی اللہ عنہ نے فرمایا ذالک فضل اللّٰہ یوتیہ من یشاء یہ اللہ کا فضل ہے وہ جس کو چاہے دے دے، عبدالملک نے کہا میں نے اس فارسی قوم جیسا کسی کو نہیں دیکھا۔ زمانہ دراز تک ان لوگوں نے بادشاہت کی اور ہمارے محتاج نہ ہوئے اب ہم ان پر بادشاہت کر رہے ہیں تو ایک ساعت کے لئے بھی ہم ان سے مستغنی نہیں ہیں (کیونکہ علم کا ہر مسلمان محتاج ہے جس میں زیادہ حصہ ان کا ہے۔

تیسرا واقعہ

رامہرمزی نے اپنی سند کے ساتھ حمید طویل سے روایت کیا ہے کہ ایک دیہاتی بصرہ آیا اور خالد بن مہران سے ملا ان سے پوچھا کہ اس شہر کا سردار اور امام کون ہے؟ کہا حسن بصری۔ کہا وہ عربی ہے کہا غلام زادہ؟ کہ غلام زادہ۔ کہا کس کے مولیٰ ہیں؟ کہا قبیلہ انصار کے۔ کہا یہ ان کا سردار کیسے ہو گیا؟ کہا وہ دین میں اس کے محتاج ہیں اور وہ ان کی دنیا سے مستغنی ہے۔ بدوی نے کہا بیشک سردار بننے کے لئے یہ بات کافی ہے۔''

چوتھا واقعہ

ابن عبدربہ نے عقد الفرید میں لکھا ہے کہ امیر عیسیٰ بن موسیٰ عباسی نے قاضی محمد بن ابی لیلیٰ سے پوچھا بصرہ کا فقیہ کون ہے؟ کہا حسن بصری کہا ان کے بعد کون ہے؟ کہا محمد بن سیرین، کہا یہ دونوں کون ہیں؟ کہا غلام زادے، کہا فقیہ مکہ کون ہے؟ کہا عطاء بن ابی رباح، مجاہد، سعید بن جبیر اور سلیمان بن یسار، کہا یہ کون ہیں؟ کہا یہ بھی غلام زادے

ہیں۔ کہا مدینہ کے فقہا کون ہیں؟ کہا زید بن اسلم، محمد بن منکدر، نافع، اوابن ابی نجیح۔ کہا یہ کون ہیں کہا یہ بھی موالی ہیں (غلام زادے) اس پر عیسیٰ بن موسیٰ کا رنگ بدل گیا۔ کہا اچھا اہل قبا کا بڑا فقیہ کون ہے؟ کہا ربیعہ الرائی اور ابن ابی الزناد، کہا یہ کن میں سے ہیں؟ کہا یہ بھی موالی ہیں تو عیسیٰ کا چہرہ سیاہ ہونے لگا کہا یمن کا فقیہ کون ہے؟ کہا طاؤس اور ان کا بیٹا اور ابن منبہ، کہا یہ کون ہیں؟ کہا یہ بھی موالی ہیں۔ تو عیسیٰ کی رگیں پھولنے لگیں اور سیدھا ہو کر بیٹھ گیا۔ کہا خراسان کا فقیہ کون ہے؟ کہا عطاء بن عبداللہ خراسانی کہا یہ عطا کون ہے؟ کہا یہ بھی موالی میں سے ہے تو اس کا چہرہ پہلے سے زیادہ سیاہ ہوگیا۔ کہا اچھا فقیہ شام کون ہے؟ کہا مکحول کہا یہ مکحول کون ہے؟ کہا یہ بھی غلام ہے کہا اچھا بتلاؤ کوفہ کا فقیہ کون ہے؟ ابن ابی لیلیٰ کہتے ہیں میرے جی میں آیا کہ حکم بن عتبہ اور حماد بن ابی سلیمان کا نام لوں (کہ یہ دونوں بھی موالی میں سے ہیں) مگر میں نے سوچا کہ اس کا اثر برا ہوگا تو میں نے کہا کوفہ کے فقیہ ابراہیم نخعی اور شعبی ہیں۔ کہا یہ کون ہیں؟ میں نے کہا یہ دونوں عربی النسل ہیں تو اس نے اللہ اکبر کہا اور غصہ ٹھنڈا ہوگیا۔

موالی کا علم

محدث ابن الصلاح نے اپنے مقدمہ میں عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم کے حوالہ سے ذکر کیا ہے کہ عبادلہ کی وفات کے بعد تمام بلاد اسلام میں علم فقہ موالی کی طرف منتقل ہوگیا۔ بجز مدینہ کے کہ اس میں اللہ تعالیٰ نے ایک قریشی کو علم فقہ سے سرفراز اور ممتاز کیا۔ اور وہ سعید بن المسیب ہیں۔ نیز مدینہ کے فقہاء سبعہ بھی بجز سلیمان بن یسار کے سب عربی ہیں اور ابن المنکدر کو موالی میں شمار کرنا صحیح نہیں وہ عربی ہیں۔ اس طرح بعض روایات ہیں ابراہیم نخعی کو موالی میں شمار کیا گیا ہے یہ بھی غلط ہے اور بدور سبعہ ائمہ قرأت بھی سب موالی ہیں بجز ابن عامر اور ابن العلاء کے کہ یہ دونوں عربی ہیں شاطبی نے اس کی تصریح کی ہے۔ غرض فقہ و حدیث و تفسیر و لغت و قرأت وغیرہ تمام علوم میں موالی نے جس قدر کام کیا ہے اگر ہم ان سب کے نام اور کارنامے شمار کرنے لگیں تو اس کے لئے

ایک دفتر ضخیم بھی کافی نہ ہوگا۔ جتنے نام بیان کر دیئے گئے ہیں انہی سے اس روایت کا حال معلوم ہوسکتا ہے۔

تاریخ خطیب میں اس کی اور بھی روایتیں مذکور ہیں جن کی سندوں میں ابن رزق، ابوعمرو بن السماک اور حمیدی موجود ہیں جن پر بار بار جرح گزر چکی ہے اور بعض سندوں کے راوی مجہول ہیں جن کے تذکرہ سے کلام کو طویل کرنا بے سود ہے حق واضح ہو چکا اور باطل سرنگوں ہوگیا ہے۔ جاء الحق وزهق الباطل ان الباطل كان زهوقا۔

ادارہ طلوع اسلام کے نامہ نگاروں کا یہودی پروپیگنڈے سے متاثر ہونا اور اس پر ایک ضروری تنبیہ

ادارہ طلوع اسلام کے بعض مضمون نگاروں نے ایک شامی یہودی کے پروپیگنڈے سے متاثر ہو کر یہ دعویٰ کیا ہے کہ حدیثیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے دوسو برس بعد جمع کی گئی ہیں اور حدیث جمع کرنے والے زیادہ تر ایرانی عجمی مسلمان تھے جنہوں نے مادی طاقت میں مسلمانوں سے شکست کھا کر دوسرے طریقہ سے ان کو شکست دینے کا یہ طریقہ ایجاد کیا کہ قرآن کے ساتھ حدیث کو بھی حجت شرعی قرار دے کر حدیث میں اپنی طرف سے غلط باتیں ثابت کرنا شروع کر دیں اور اس طرح مسلمانوں کو مذہبی میدان میں شکست دے دی۔

اس عقلمند سے کوئی پوچھے کہ امام حسن بصری عطاء بن ابی رباح، محمد بن سیرین، سعید بن جبیر، سلیمان بن یسار، زید ابن اسلم، نافع، ابن ابی نجیح، ربیعۃ الرائی، امام زین العابدین، سالم بن عبداللہ بن عمر، قاسم بن محمد بن ابی بکر، حکم بن عتیبہ، حماد بن ابی سلیمان، عبداللہ بن مبارک وغیرہ یہ خالص عربی نہیں ہیں ان میں ایرانی خون موجود تھا۔ کسی کے باپ ماں دونوں غلام تھے۔ کسی کی ماں ایرانی تھی تو ان بزرگوں نے بھی مسلمانوں کو گمراہ کیا تھا؟ اگر جواب اثبات میں ہے تو گویا اس وقت کے تمام مسلمان بیوقوف ہی تھے۔ عوام بھی اور خلفاء و حکام بھی کہ ان ایرانی النسل علماء کی علمی و عملی ترقی کو بجائے سازش

سمجھنے کے قابل رشک سمجھتے اور خاندان قریش کو علمی پستی پر زجرو توبیخ کرتے تھے۔

تاریخ اسلام کا ادنیٰ طالب علم بھی جانتا ہے کہ عبدالملک بن مروان کا زمانہ خلافت ۷۰ھ کے قریب تھا اس وقت متعدد حضرات صحابہ دنیا میں موجود تھے۔ اسی زمانہ میں یہ ایرانی النسل جماعت حدیث وتفسیر وفقہ میں مسلمانوں کی امام تسلیم کر لی گئی تھی۔ اگر اس زمانہ کے عوام وخلفاء وحکام بیوقوف تھے تو آج کل کے منکرین حدیث ان سے بڑھ کر بیوقوف ہوں گے ان کو عقلمند کوئی تسلیم کرے گا؟

پھر ان عقلمندوں کو یہ بھی خبر نہیں کہ علم قرآن میں بھی یہ ایرانی النسل بزرگ عربوں پر سبقت لے گئے تھے۔ چنانچہ فن قرأت کے بدور سبعہ میں بجز دو کے سب ایرانی النسل ہی تھے۔ اسی طرح علم لغت اور نحو و بلاغت میں بھی زیادہ تر ایرانی النسل علماء نظر آئیں گے۔ اگر حدیث میں ایرانیوں نے سازش کی تھی تو کیا قرآن اور لغت میں بھی ان کی سازش تسلیم کی جائے گی؟ نعوذ باللہ۔

اگر کہا جائے کہ قرآن تو متواتر ہے تو ان کو سمجھنا چاہیے کہ صحابہ کے بعد قرآن کا تواتر بھی زیادہ تر عجمیوں ہی کے طفیل ہے کہ وہ سب سے زیادہ قرآن کی خدمت کرنے والے اور حفظ کرنے والے نظر آئیں گے۔

قرآن کریم کی حفاظت کا مطلب

اگر کہا جائے کہ قرآن کی حفاظت کا خدا نے وعدہ کیا ہے تو سوال یہ ہے کہ حفاظت قرآن کے وعدہ کا مطلب کیا ہے؟ کیا صرف حروف وکلمات قرآن کی حفاظت کا وعدہ ہے یا اس کے معانی ومطالب کی حفاظت بھی اس میں شامل ہے؟ ظاہر ہے کہ صرف حروف وکلمات کی حفاظت کافی نہیں جب تک معانی ومطالب کی حفاظت نہ کی جائے کہ اصل مقصود کلام کے معانی ہی ہوتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ معانی ومطالب کی حفاظت زبان عربی کی حفاظت۔ اس کے لغت اور گرائمر وغیرہ کی حفاظت۔ اس سے طریق استنباط کی حفاظت، نزول قرآن کے وقت جس کا قسم کا ماحول تھا اور جس قسم کے واقعات درپیش تھے ان کی تاریخی حیثیت سے حفاظت، قرآن پر عمل کر کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جس

طرح صحابہ کو دکھلایا اور اس کے موافق نظام زندگی قائم کرنے کا جو طریقہ بتلایا ان سب کی حفاظت، داخل ہے پس یہ کہنا کہ خدا نے صرف قرآن کے نقوش وحروف اور کلمات کی حفاظت کا وعدہ فرمایا ہے غلط ہے بلکہ اس میں وہ سب امور داخل ہیں جن پر قرآن کا سمجھنا موقوف ہے جن میں سب سے پہلا درجہ حدیث رسول کا ہے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سب سے زیادہ قرآن کو سمجھنے والے اور اس پر عمل کرنے والے تھے۔ آپ کا سب سے بڑا فریضہ کتاب اللہ اور حکمت کی تعلیم وتبیین ہی تھی۔ هُوَ الَّذِىْ بَعَثَ فِى الْاُمِّيّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ آيَاتِهٖ وَ يُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ، وَاَنْزَلْنَا اِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَانُزِّلَ اِلَيْهِمْ. آپ نے جو کچھ فرمایا وہ قرآن ہی کی شرح ہے۔ اس کی حفاظت سب سے پہلے ضروری ہے۔

احادیث صحیحہ کے رد کرنے سے قرآن مجید کو رد کرنا لازم آتا ہے

پھر جس طرح قرآن کے قاریوں میں بعضے شاذ یا غلط پڑھنے والے بھی ہیں جن کی قرأت کو رد کر دیا جاتا ہے اسی طرح حدیث رسول کے راویوں میں بھی بعض غلط قسم کے راوی گھس گئے ہیں جن کی روایتیں رد کر دی جاتی ہیں۔ اگر احادیث رسول کو خواہ وہ کیسی ہی صحیح ہوں۔ بعض غلط قسم کے راویوں کی وجہ سے حجت نہ مانا جائے تو کیا قرآن کو بھی شاذ یا غلط قرأت کرنے والوں کی وجہ سے حجت نہ کہا جائے گا؟ منکرین حدیث کو عقل سے کام لینا چاہیے، یہودیوں کے پروپیگنڈے کا شکار بن کر اپنے دین کو نہ بدلنا چاہیے۔ تمام فقہاء اور خیارِ امت اور صالحین کا اس پر اتفاق ہے۔ کہ قرآن کے بعد حدیث صحیح حجت ہے اور حنفیہ کا مذہب تو یہ ہے کہ حدیث ضعیف بھی رائے اور قیاس سے مقدم ہے۔ جو لوگ حدیث کو حجت شرعیہ نہیں مانتے وہ اجماع امت کی مخالفت کرتے اور مذہب ابو حنیفہؒ کے خروج کا ارتکاب کرتے ہیں۔ منکر حدیث اپنے کو حنفی کہنے کا ہرگز حق نہیں رکھتا اور قرآن کی تفسیر میں اس کا کوئی قول بھی ہرگز قابل قبول نہ ہوگا۔ جو عامۃ مفسرین کے خلاف ہو۔

منکرین حدیث سے ایک سوال

ان سے کوئی پوچھے کہ اگر سلف پر اعتماد نہیں کیا جا سکتا تو قرآن کی تفسیر میں تم پر اعتماد کیسے کیا جا سکتا ہے؟ سلف سے بے اعتمادی اور اپنے اوپر اعتماد اپنی جہالت کا اقرار ہے۔ اگر سلف پر اعتماد نہ کیا جائے تو قرآن کا صحیح پڑھنا بھی دشوار ہے۔ ہاتھ کنگن کو آری کیا ہے۔ ادارہ طلوع اسلام کا سرکردہ بھی جہاں تک ہمارا خیال ہے قرآن صحیح نہیں پڑھ سکتا۔ صحیح تفسیر تو کیا کرے گا؟ ہم نے ایک منکر حدیث حافظ قرآن کو دیکھا ہے جس کے مضامین کبھی کبھی طلوع اسلام میں شائع ہوتے رہتے ہیں اور طلوع اسلام کو اس کی قابلیت پر ناز ہے۔ ایسا غلط قرآن پڑھتا ہے کہ ہمارے گھروں کے بچے بھی اس سے اچھا اور صحیح پڑھتے ہیں۔

طلوع اسلام کی ایک اور غلطی

اس کے بعد طلوع اسلام نے عنوان، ''فقہ حنفی دجالوں کا کلام ہے'' کے تحت حمدویہ کے حوالہ سے محمدؒ بن مسلمہ مدینی کا قول نقل کیا ہے کہ ان سے پوچھا گیا کیا وجہ ہے کہ ابوحنیفہ کی رائے سارے شہروں میں گھس گئی۔ مگر مدینہ میں داخل نہیں ہو سکی۔ محمد بن مسلمہ نے جواب دیا اس کی وجہ یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ مدینہ منورہ کی ہر گلی پر ایک فرشتہ مقرر ہے۔ جو مدینہ میں دجال کو داخل ہونے سے روکے گا اور یہ بھی چونکہ دجالوں کا کلام ہے اس لئے وہاں داخل نہیں ہو سکا۔''

اس روایت کا غلط ہونا اسی سے ظاہر ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ اور مدینہ دونوں میں دجال کے داخلہ کی نفی کی ہے جیسا بخاری اور مسلم کی بعض روایات میں موجود ہے اور حمدویہ کے سوال سے یہ بات واضح ہو رہی ہے کہ مدینہ کے سوا تمام شہروں میں جن میں مکہ بھی داخل ہے امام ابوحنیفہ کی رائے داخل ہو چکی تھی۔ اگر امام ابو حنیفہ کی رائے دجالوں کا کلام ہے تو مکہ میں وہ کیسے داخل ہو گئی؟ پھر خود امام ابوحنیفہ مکہ اور مدینہ میں کیونکر داخل ہو گئے۔ اگر معاذ اللہ وہ دجالوں میں سے ایک دجال تھے؟ تاریخ

شاہد ہے کہ امام صاحب نے پچپن حج کئے تھے اور مدینہ منورہ میں اس سے بھی زیادہ ان کا داخلہ ثابت ہے۔

اس روایت کے غلط ہونے کا ثبوت

اس روایت کی ایک سند میں انقطاع ہے کیونکہ راوی کہتا ہے حدثنا صاحب لنا عن حمدویه ہمارے ایک ساتھی نے حمدویہ سے روایت بیان کی۔ یہ صاحب کون ہے؟ اور محمد بن مسلمہ مدینی بھی مجہول ہے وہ حارث بن مسکین کا کاتب نہیں ہے۔ کیونکہ اس کا نام محمد بن سلمہ ہے۔ وہ مصری ہے۔ مدینی نہیں۔ دوسری سند میں محمد بن الحسن نقاش ہے جو مشہور کذاب ہے اور مجسمہ میں اس کا شمار ہونا معلوم ہے۔ ابو رجاء مروزی نے تاریخ مرد میں بہت غرائب اور منکرات روایت کی ہیں وہ بھی حجت نہیں۔

ابن ابی العوام حافظ نے اپنی سند کے ساتھ عبدالعزیز دراوردی سے روایت کیا ہے کہ میں نے امام ابوحنیفہ اور امام مالک کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مسجد میں عشاء کی نماز کے بعد مذاکرہ اور مدارست کرتے دیکھا ہے جب کوئی کسی کے قول پر توقف اور تامل کرتا۔ دوسرا بے تکلف رک جاتا۔ نہ چہرہ پر بل پڑتا نہ ایک دوسرے کو سخت سست کہتا نہ اس کی خطا نکالتا یہاں تک کی اسی جگہ پر دونوں صبح کی نماز پڑھتے۔ حافظ صیمری (خطیب کے استاد) نے بھی اسی کے قریب الفاظ سے یہ روایت بیان کی ہے۔ اور ہم پہلے بتلا چکے ہیں کہ امام مالک اکثر مسائل میں امام ابوحنیفہ کی موافقت کرتے ہیں اور دراوردی کا بیان ہے۔ کہ امام مالک کے پاس امام ابوحنیفہ کے مسائل فقہ میں سے ساٹھ ہزار کے قریب مسائل تھے۔ امام شافعیؒ نے کتاب الام (جلد ۷ صفحہ ۲۴۸) میں فرمایا ہے میں نے دراوردی سے پوچھا کیا مدینہ کے علماء میں سے کسی کا یہ قول ہے کہ عورت کا مہر ربع دینار سے کم نہیں ہوسکتا؟ کہا نہیں بخدا امام مالک سے پہلے مجھے کسی کا یہ قول معلوم نہیں۔ پھر دراوردی نے کہا میرا خیال یہ ہے کہ امام مالک نے یہ مسئلہ امام ابوحنیفہ سے لیا ہے۔

پھر دنیا جانتی ہے کہ مدینہ میں امام ابوحنیفہؒ کے اصحاب ان کے اصحاب کے

اصحاب بکثرت داخل ہوئے اوران کی فقہ کو وہاں سے رائج کیا ہر زمانہ میں ایسا ہوتا رہا۔ امام محمد نے تین سال مدینہ میں قیام کر کے مؤطا پڑھی اور جن مسائل میں علماء مدینہ کو حنفیہ سے اختلاف تھا ان میں مذہب حنفی کی ترجیح ثابت کرنے کے لئے مدینہ ہی میں کتاب الحجج تصنیف کی جو طبع ہو چکی ہے۔

امام ابو یوسف کا مدینہ پہنچ کر امام مالک سے بعض مسائل میں مذاکرہ کرنا اور ان کو لاجواب کر دینا تاریخ میں موجود ہے۔

حافظ ابن ابی العوام نے اپنی کتاب میں مدینہ منورہ کے جن حنفی علماء کے نام گنائے ہیں وہ بھی کچھ کم نہیں ان میں ہر طبقہ کے علماء موجود ہیں۔

پھر ہم اس غلط گو کے کان میں چپکے سے یہ بھی کہہ دینا چاہتے ہیں اگر امام ابو حنیفہ کی باتیں تیرے نزدیک دجالوں کا کلام ہیں۔ تو خود اپنے امام کے متعلق تیری کیا رائے ہے جو اکثر مسائل میں ابوحنیفہ کی موافقت کرتے ہیں؟ بلکہ ان کی فقہ کا تانا بانا ہی فقہ حنفی سے تیار ہوا ہے اگر تم کو اس سے انکار ہے تو جن کتابوں میں مسائل خلاف کا ذکر ہے وہ گلا گھونٹنے کو کافی ہیں۔ اور نہایت ندامت کے ساتھ تمہیں اس کا اعتراف کرنا پڑے گا۔ مذہب مالک کی کتاب المدونہ کی بنیاد وہ سوالات ہیں جو امام محمد بن حسن شیبانی نے قائم کئے اور ان کے جوابات مذہب ابوحنیفہ کے موافق دیئے۔ اسد بن الفرات نے ان سوالات کے جواب مذہب امام مالک پر حاصل کرنا چاہے تو سوائے عبدالرحمٰن بن القاسم کے کوئی تیار نہ ہوا ان سوالات و جوابات ہی کا مجموعہ مدونہ امام مالک ہے۔

یہ روایت سند اور درایت پر ہر دو لحاظ سے غلط ہے

غرض یہ روایت سند کے لحاظ سے بھی لچر ہے اور درایۃً بھی غلط ہے۔ جس کا جی چاہے آج بھی جا کر دیکھ لے کہ مدینہ منورہ میں فقہ حنفی رائج ہے اور بکثرت علماء حنفیہ اور فقہ حنفی کی درس گاہیں بھی موجود ہیں اسی طرح مکہ معظمہ میں جا کر دیکھ لیا جائے۔

پھر اس متعصب کو یہ بھی نظر نہیں آتا کہ مدینہ میں فرقہ قدریہ کی ایک جماعت

امام مالک کے زمانہ میں موجود تھی جس کا رئیس ابراہیم بن محمد بن ابی یحییٰ اسلمی ہے جس کو اسماء رجال والے اپنی کتابوں میں ہر برائی سے متہم کرتے ہیں۔ اور وہ امام مالک کو ہر قسم کی برائی سے متہم کرتا ہے۔ اور اس نے اپنے علم کو مدینہ میں پھیلایا بھی ہے چنانچہ امام شافعی نے جس طرح امام مالک سے علم حاصل کیا ہے اس سے بھی حاصل کیا ہے۔ مگر اس قدری کو اور اس کی جماعت کو یہ متعصب دجال نہیں کہتا حالانکہ وہ اس کے امام کو بہت برا بھلا کہتا ہے۔ الٹا امام ابوحنیفہ کو دجال کہتا ہے جو امام مالک کا بہت احترام کرتے ہیں اور ان کے شاگرد اور مقلد بھی امام مالک کی سب سے زیادہ عظمت کرتے ہیں۔ اور خود امام مالک بھی امام ابوحنیفہ کا غایت درجہ احترام کرتے ہیں۔ جیسا ہم اوپر بیان کر چکے ہیں۔ سچ ہے بعض دفعہ تعصب سے انسان اندھا ہو جاتا ہے۔

طلوع اسلام کا ایک اور افتراء

اس کے بعد طلوع اسلام نے عبداللہ بن مبارک کا قول نقل کیا ہے کہ ابوحنیفہ حدیث میں بالکل (یہ کس لفظ کا ترجمہ ہے؟) ''یتیم تھے''۔

اس روایت کے غلط ہونے کے دلائل

اس روایت کے غلط اور موضوع ہونے کے لئے یہی دلیل کافی ہے کہ عبداللہ بن مبارک کی کتابیں امام ابوحنیفہ کی حدیثوں اور مسائل فقہیہ سے بھری ہوئی ہیں اور ان کا شمار فقہاء حنفیہ میں کیا جاتا ہے۔ ابوبکر مروزی نے کتاب الورع میں جسے وہ امام احمدؒ سے روایت کرتے ہیں۔ ذکر کیا ہے کہ ابن راھویہ نے عبداللہ بن مبارک کی کتابوں سے تین سو زیادہ حدیثیں انتخاب کی تھیں جو امام ابوحنیفہؒ کے لئے حجت تھیں۔ ابومیلہ شاعر نے عبداللہ بن مبارک کی وفات پر جو ان کا مرثیہ کہا تھا اس میں ایک شعر یہ بھی ہے۔

وبرأي النعمان كنت بصيرا   حين يوتى مقائس النعمان

اور تم امام ابوحنیفہ کی فقہ میں بہت بصیرت والے تھے جبکہ امام کے قیاسات کو بیان کیا جائے۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ عبداللہ بن مبارک مرتے دم تک فقہ ابوحنیفہ میں مشغول

اور اس میں صاحب بصیرت مشہور ہیں۔ حافظ ابن عبد البر نے اپنی متعدد اسانید کی ساتھ عبداللہ ابن المبارک سے نقل کیا ہے کہ کسی نے ان کے سامنے امام ابو حنیفہ پر کچھ طعن کیا تو فرمایا خاموش رہو واللہ اگر تم ابو حنیفہؒ کو دیکھ لیتے تو ان کو بڑا عقل والا اور بڑی عظمت والا پاتے۔ اور یہ بھی نقل کیا ہے کہ عبداللہ بن المبارک امام ابو حنیفہ کو ہر قسم کی بھلائی سے یاد کرتے ان کی بہت مدح و ثنا اور صفت بیان کرتے تھے اور ابو الحق فزاری امام ابو حنیفہ سے کراہت کرتے تھے اور جب دونوں کسی جگہ جمع ہو جاتے تو ابو الحق فزاری کی مجال نہ تھی کہ ابن المبارک کے سامنے امام صاحب کی شان میں کچھ بھی زبان سے نکالے۔ حافظ ابن ابی العوام نے اپنی سند کے ساتھ عبدان سے روایت کیا ہے (جو بخاریؒ کے مشائخ میں سے ہیں) کہ میں نے عبداللہ بن مبارک کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ جب میں لوگوں کو امام ابو حنیفہ کا تذکرہ برائی کے ساتھ کرتے دیکھتا ہوں۔ مجھے بہت رنج ہوتا ہے اور ان پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے غضب نازل ہونے کا اندیشہ ہوتا ہے۔ اس کے علاوہ اور بہت سے اقوال ابن مبارک کے امام ابو حنیفہ کی تعریف میں منقول ہیں جو افتراء کرنے والوں کے جھوٹ کا پردہ فاش کرتے ہیں۔

طلوع اسلام کا امام ابو حنیفہ پر افتراء

اس کے بعد طلوع اسلام نے ابو قطن کا قول نقل کیا ہے ''امام حنیفہ حدیث میں گونگے تھے''۔ (زمن کا ترجمہ گونگا غلط ہے۔ عاجز کہنا چاہیے)

اس کی سند میں عبداللہ بن احمد ہے جس پر ہم پہلے جرح کر چکے ہیں اور اگر اس کو صحیح مان لیا جائے تو مطلب یہ ہے کہ امام ابو حنیفہؒ عام محدثین کی طرح ایک حدیث کو بہت سندوں کیساتھ روایت نہیں کرتے تھے۔ جیسا ابراہیم بن سعید جوہری کا قول ہے کہ ''جو حدیث میرے پاس سو طریقوں سے نہ ہو میں اس میں یتیم ہوں۔'' تو ہم تسلیم کرتے ہیں کہ امام صاحب کا یہ طرز نہ تھا۔ نہ وہ لاکھوں حدیثیں روایت کرنے والے تھے، بس ان کے پاس حدیثوں کے صحائف سے بھرے ہوئے چند صندوق تھے جن میں سے چار ہزار کے قریب حدیثوں کو انتخاب کرلیا تھا جن کا تعلق احکام سے تھا۔

امام ابوحنیفہ کی مجلس فقہی

اس کے علاوہ بقیہ احادیث میں وہ اپنے ارکان مجلس اور شاگردوں کی روایت پر کفایت کرلیا کرتے تھے جو مختلف علوم کے ماہر اور مجلس فقہی کے اراکین تھے جس کے صدر خود امام صاحب تھے۔ اس مجلس میں مسائل و احکام پر ہر پہلو سے بحث کی جاتی پھر ان کو ایک دفتر میں مدوّن کرلیا جاتا تھا۔ حافظ ابن ابی العوام بسند حسن امام ابو یوسف سے روایت کرتے ہیں کہ امام ابوحنیفہ کے سامنے جب کوئی مسئلہ آتا ہم سے فرماتے کہ تمہارے پاس اس مسئلہ میں کیا آثار ہیں؟ ہم اپنے آثار بیان کرتے اور امام صاحب اپنی روایتیں بیان کرتے (اگر ان میں باہم تعارض نہ ہوا تو خیر ورنہ) پھر یہ دیکھتے کہ زیادہ آثار کس طرف ہیں؟ اگر کسی جانب آثار زیادہ ہوتے اس کو اختیار فرما لیتے اگر قریب قریب یا مساوی ہوئے تو اجتہاد سے کسی جانب کو ترجیح دی جاتی تھی۔ (یہ تھا امام صاحبؒ کا اجتہاد! جن کے بارے میں طلوع اسلام کہتا ہے کہ وہ تو بس قرآن اور اجتہاد کے پابند تھے، حدیثوں کے پابند نہ تھے حالانکہ امام صاحب آثار صحابہ کی موجودگی میں بھی اجتہاد نہیں کرتے تھے)۔

خطیب بغدادی کی شہادت

اور یہ تو خود خطیب نے (جلد۱۴ صفحہ ۲۴۷) ابن کرامہ سے نقل کیا ہے کہ وکیع بن الجراح کی مجلس میں کسی نے کہا ابوحنیفہ نے (اس مسئلہ میں) خطا کی وکیع نے فرمایا ابوحنیفہ کیسے خطا کر سکتے ہیں جب کہ ان کی مجلس میں ابو یوسف اور زفر جیسے صاحب نظر و قیاس اور یحییٰ بن ابی زائدہ اور حفص بن غیاث اور مندل جیسے حفاظ حدیث اور قاسم بن معن جیسا ماہر لغت و عربیت اور داؤد طائی اور فضیل بن عیاض جیسے زاہد و متقی موجود رہتے ہیں۔ جس شخص کے جلیس ایسے ہوں وہ خطا نہیں کرسکتا۔ اگر بالفرض خطا کرے بھی تو وہ اس کو راہ صواب کی طرف واپس لے آئیں گے جسے امام صاحبؒ کی اس مجلس فقہی کے ارکان کی پوری کیفیت دیکھنی ہو وہ نصب الرایہ کا مقدمہ مؤلفہ علامہ محمد زاہد کوثری مصریؒ کا مطالعہ کرے۔ اس میں بہت تفصیل کے ساتھ اس مجلس کی ہیئت و شان واضح کردی گئی ہے۔

امام ابوحنیفہ کثرت سے احادیث روایت کرتے تھے

پھر امام صاحب کے پاس احادیث احکام کا بمقدار کثیر موجود ہونا ان کے مسانید ہی سے معلوم ہوسکتا ہے کہ ان میں بغیر تکرار متن اور بغیر تکرار طرق کے امام صاحب نے حدیث کی اتنی کثیر مقدار روایت کی ہے جو امام شافعی اور امام مالک کی روایت کردہ احادیث سے کسی طرح بھی کم نہیں۔ پھر امام صاحب نے جتنی حدیثیں روایت کی ہیں ان میں سے کسی ایک کو بھی نہیں چھوڑا اور امام مالک اور امام شافعی نے خود اپنی روایت کردہ احادیث کی خاصی مقدار کو ترک کر دیا ہے (مگر ترک حدیث سے بدنام امام صاحب کو کیا جاتا ہے)

عبداللہ بن نمیر اور طلوع اسلام کی غلط بیانی

اس کے بعد طلوع اسلام نے عبداللہ بن نمیر کا قول نقل کیا ہے کہ ''میں نے لوگوں کو اس پر متفق پایا ہے کہ وہ رائے تو رائے ابوحنیفہ کی حدیث پر بھی اعتماد نہ کرتے تھے۔''

اس روایت کا غلط ہونا اسی سے واضح ہے کہ عبداللہ بن نمیر خود امام صاحب سے روایت کرتے اور ان کی تعریف کرتے اور ان کی رائے بھی بیان کیا کرتے تھے۔ مصنف ابن ابی شیبہ میں ایسی سند کے ساتھ جو پہاڑ کی طرح مضبوط ہے عبداللہ بن نمیر نے امام صاحب سے حدیث لعان روایت کی اور ان کی رائے بھی بیان کی ہے۔ امام صاحب سے حدیث روایت کرنے والے علماء کی بہت بڑی جماعت ہے۔ جسے شک ہو وہ تہذیب الکمال مصنفہ علامہ مزی کو دیکھ لے معلوم ہو جائے گا کہ امام صاحب سے روایت کرنے والے کیسے کیسے حضرات ہیں جنہوں نے شرق و غرب کو علم حدیث وفقہ سے بھر دیا ہے۔ چنانچہ ابن حجر مکی شافعی نے امام صاحب کے مناقب میں اقرار کیا ہے کہ ''دوسرے آئمہ کو یہ بات نصیب نہیں ہوئی جو امام ابوحنیفہ کو نصیب ہوئی کہ ان کے شاگرد بہت زیادہ ہیں جن کے ذریعہ ان کا علم تمام آفاق میں پھیل گیا ہے۔

طلوع اسلام اور حجاج بن ارطاۃ

اس کے بعد طلوع اسلام نے حجاج بن ارطاۃ کا قول نقل کیا ہے کہ ''ابوحنیفہ کون تھا؟ ابو حنیفہ کی بات کون قبول کرتا تھا (یہ ترجمہ غلط ہے ان سے علم کون لیتا تھا، لکھنا چاہیے) ابوحنیفہ تھا ہی کیا؟''

اگر ادارۂ طلوع اسلام میں کوئی بھی صاحب علم ہوتا تو ایسی لغویات کو ہرگز سپردِ قلم نہ ہونے دیتا۔

اہل علم خوب جانتے ہیں کہ حجاج بن ارطاۃ ناقدین حدیث کے نزدیک خود مجروح ہے۔ اس کے قول کو جرح وتعدیل کے سلسلہ میں وہی بیان کرسکتا ہے جسے علم سے مس بھی نہ ہو۔ پھر اس بات کا مہمل ہونا اسی سے ظاہر ہے کہ امام ابوحنیفہ کوتو دنیا جانتی ہے ان کے علم سے شرق وغرب درخشندہ وتاباں ہے جس کے سامنے علماء کی گردنیں جھکی ہوئی ہیں۔ آدھی سے زیادہ امت مسلمہ ان کی تقلید کرتی ہے۔ مگر حجاج بن ارطاۃ کو کون جانتا ہے؟ اس مقام پر ملک معظم ایوبی نے اسہم المصیب فی کبد الخطیب میں بہت تفصیل کے ساتھ بتلایا ہے کہ امام ابوحنیفہ کون ہیں؟ جسے معلوم نہ ہو اس سے معلوم کرلے۔

طلوع اسلام اور یحییٰ بن سعید القطان

اس کے بعد طلوع اسلام نے یحییٰ بن سعید قطان کا قول نقل کیا ہے کہ ان سے امام ابوحنیفہ کی حدیث کے متعلق دریافت کیا گیا تو کہا وہ حدیث والے تھے ہی کب؟''

اس کی سند میں محمد بن العباس خزاز ہے جس پر جرح گزر چکی۔ خطیب نے بھی خود اس پر جرح کی ہے۔ (ج ۳ صفحہ ۱۲۲) کہ جب اس کے پاس اپنی کتاب نہ ہوتی تو ابو الحسن رزاز کی کتاب سے بغیر سماع کے روایت کردیتا تھا اور رزاز پر بھی جرح گزر چکی ہے کہ اس کی کتابوں میں اس کا بیٹا اضافہ کردیا کرتا تھا۔

پھر اس روایت کا غلط ہونا اس سے بھی ظاہر ہے کہ یحییٰ بن سعید قطان کے متعلق یحییٰ بن معین نے اپنی تاریخ میں جو کتب خانہ ظاہریہ دمشق میں ہے تصریح کی ہے کہ وہ بھی

وکیع بن الجراح کی طرح امام ابوحنیفہ کے فتوے پر عمل کیا کرتے تھے اور ظاہر ہے کہ یحییٰ بن سعید قطان جیسا محدث ایسے شخص کے فتاویٰ پر کیسے عمل کرسکتا تھا جس کو حدیث نبوی میں مہارت تامہ حاصل نہ ہو۔ علامہ ابن عبدالبر نے بھی کتاب الانتقاء میں یحییٰ بن سعید قطان کا امام صاحب کے فتاویٰ پر عمل کرنا بیان کیا ہے اور خود خطیب نے بھی صفحہ ۳۴۵ وصفحہ ۳۴۶ میں اس کو ذکر کیا ہے۔ علامہ ذہبی نے بھی اپنی کتابوں میں اس کو نقل کیا ہے۔

طلوع اسلام کی ایک اور غلط بیانی

اس کے بعد یحییٰ بن معین کا قول طلوع اسلام میں نقل کیا گیا ہے کہ ان سے امام ابوحنیفہ کی حدیث کے متعلق دریافت کیا گیا تو یحییٰ نے کہا کہ ان کے پاس حدیثیں تھیں ہی کتنی کہ تم ان کے متعلق پوچھتے ہو؟''

اس کی سند میں علی بن محمد بن مہران سواق ہے جو کہ دارقطنی کے ضعیف مشائخ میں سے ہے۔ اس روایت کا غلط ہونا ظاہر ہے کیونکہ یحییٰ بن معین حنفی ہیں امام محمد سے جامع صغیر کو روایت کرتے ہیں۔ حافظ ابن عبدالبر نے انتقاء میں متعدد اسانید سے یحییٰ بن معین کا یہ قول ذکر کیا ہے کہ ابوحنیفہ ثقہ ہیں۔ میں نے کسی کو انہیں ضعیف کہتے نہیں سنا۔ یہ شعبہ ان کو لکھتے ہیں کہ میرے حکم سے حدیث بیان کرو۔ اور شعبہ شعبہ ہی ہے (کہ امیر المومنین فی الحدیث ہے)

طلوع اسلام کا ایک اور افتراء

اس کے بعد طلوع اسلام میں ابوبکر بن ابی داؤد کا قول نقل کیا گیا ہے کہ ابوحنیفہ نے کل ایک سو پچاس حدیثیں روایت کی ہیں اس میں بھی آدھی حدیثوں میں غلطی کی ہے۔''

ابوبکر بن ابی داؤد پر جرح گزر چکی اس کو خود اس کے باپ امام ابوداؤد نے جھوٹا بتلایا ہے اور ابن صاعد و ابن الاصبہانی و ابن جریر نے بھی اس کو کذاب کہا ہے۔ وہ ناصبی مجسم ہے۔ اس قابل نہیں کہ جرح وتعدیل میں اس کے اقوال سے احتجاج کیا جائے

کہ وہ خود ہی مجروح ہے۔ پھر امام ابو حنیفہ کے سترہ مسانید ہی میں ایک ہزار کے قریب حدیثیں موجود ہیں۔ کتاب الآثار ان کے علاوہ ہے امام صاحب کی حدیثوں کا صحیح ہونا ''عقود الجواہر المنیفہ'' سے معلوم ہوسکتا ہے جس میں علامہ زبیدی نے امام صاحب کی ایک ایک حدیث کو بیان کر کے بتلایا ہے کہ امام کے علاوہ اور کس کس نے اس کو روایت کیا ہے۔ دنیا جانتی ہے کہ امام صاحب روایت حدیث میں بہت متشدد ہیں۔ جو راوی بغیر حفظ کے اپنے لکھے ہوئے پر ہی اعتماد کرے وہ اس کی روایت کو قبول نہیں کرتے۔ پھر ان کی حدیث غیر صحیح کیسے ہوسکتی ہے؟ ہم اوپر بتلا چکے ہیں کہ امام ابو حنیفہ کے پاس حدیثوں کا بڑا ذخیرہ تھا جس میں سے انہوں نے چار ہزار حدیثوں کو جن کا احکام سے تعلق تھا منتخب فرمالیا تھا۔ جیسا امام بخاریؒ نے جامع صحیح میں بحذف مکررات چار ہزار حدیثوں کو منتخب کیا ہے۔ علامہ ذہبی نے تذکرۃ الحفاظ میں امام صاحبؒ کو حفاظ حدیث میں شمار کیا ہے۔ اس لئے ابو بکر بن ابی داؤد کے قول مذکور کو وہی بیان کرسکتا ہے جس کو علم حدیث سے ذرا بھی مس نہیں۔ کوئی عالم اس کی بات پر اصلا التفات نہیں کرسکتا۔ اگر ابن ابی داؤد میں کچھ بھی علم وتحقیق کی شان ہوتی تو اس طرح کی مہمل بات زبان سے نہ نکالتا بلکہ ان حدیثوں کو بیان کرتا جن میں امام صاحب نے اس کے نزدیک خطا کی تھی اور ان کی خطا بھی ظاہر کرتا اور یہ بھی بتلاتا کہ یہ حدیثیں اس نے کون سی کتاب سے شمار کی تھیں، یا کس کے واسطہ سے اس کو پہنچی تھیں؟

طلوع اسلام میں سفیان ثوری کی طرف ایک قول کی غلط نسبت

اس کے بعد طلوع اسلام میں سفیان ثوری کا قول نقل کیا گیا ہے کہ ان کے سامنے ابو حنیفہ کا ذکر آیا تو کہا کہ ابو حنیفہ نہ ثقہ تھے نہ مامون تھے''۔ الخ۔ اس کی سند میں علی بن احمد رزاز ہے جس کا بیٹا اس کی کتابوں میں اضافات کیا کرتا تھا اور وہ مغفل ان سب کو روایت کردیا کرتا تھا وہ علی بن محمد بن سعید موصلی سے روایت کر رہا ہے وہ بھی ثقہ نہیں ہم پہلے اس پر جرح کر چکے ہیں۔ دوسری سند میں ابراہیم بن ابی اللیث نصر الترمذی

ہے جس کے بارے میں یحییٰ بن معین کا قول ہے کہ اگر اس کے پاس اسی آدمی منصور بن المعتمر جیسے (ثقات) بھی آمد و رفت کرتے جب بھی وہ کذاب ہی رہتا۔ ابن معین کے علاوہ اور بہت لوگوں نے اس کو جھوٹا بتلایا ہے۔ سفیان ثوری بھلا ایسی بیہودہ بات زبان سے کیسے نکال سکتے تھے جب کہ وہ امام صاحب سے بعض احادیث کی روایت بھی کرتے ہیں۔ چنانچہ مسانید امام میں ان کا امام صاحب سے روایت کرنا ثابت ہے اور واقعہ یہ ہے کہ وہ خفیہ طور سے امام صاحب کے درس میں بھی شریک ہوتے تھے۔ بعض دفعہ امام صاحب سفیان ثوری کے والد سے کوئی روایت بیان کرتے تو ان الفاظ سے روایت کرتے تھے اخبر نا ابو هذا المختفی خلف الاستوانه ہم سے اس شخص کے باپ نے جو ستون کے پیچھے چھپ کر بیٹھے ہیں یہ حدیث بیان کی۔''

''طلوع اسلام'' کی عمارت تاریخ خطیب کی لغویات پر قائم ہے

ہم اس فصل کے آخر میں جب محدثین کے تعریفی الفاظ امام صاحب کی ثناء و صفت میں بیان کریں گے اس وقت معلوم ہوگا کہ سفیان ثوری امام صاحب کے کس قدر مداح تھے۔ اس وقت تو ہم تاریخ خطیب کی ان بے ہودہ لغویات کا پول کھولنا چاہتے ہیں۔ جو مجروحین وکذابین کے واسطہ سے امام صاحب کی شان میں روایت کی گئی ہیں۔ طلوع اسلام ان لغویات پر کسی عمارت کا قائم کرنا اگر فریب خوردگی نہیں ہے تو عوام کو مغالطہ میں ڈالنے کا اور دھوکہ دینے کے سوا اور کیا ہے؟ کیا ادارہ طلوع اسلام میں کوئی بھی ایسا صاحب علم نہیں جسے یہ معلوم ہو کہ تاریخ خطیب کی ان لغویات و ہذیانات کا جواب ایک دو نہیں متعدد کتابوں میں دیا جا چکا ہے؟ اگر جواب اثبات میں ہے تو ہم کو بتلایا جائے کہ اس حقیقت کو جانتے ہوئے پھر کس لئے ان بے ہودہ باتوں سے مسلمانوں کے قلوب کو مجروح کیا گیا ہے؟ اور اگر جواب نفی میں ہے تو ایسے ادارہ کو ہرگز یہ حق نہیں پہنچتا کہ اپنے آرگن کا نام طلوع اسلام رکھیں اور مسائل علمیہ واحکام شرعیہ میں دخل درمعقول دے۔

تاریخ خطیب صفحہ ۴۱۹ و صفحہ ۴۵۰ میں احمد بن عطیہ کی یہ روایت بسند صحیح موجود ہے کہ یحییٰ بن معین سے پوچھا گیا کیا سفیان (ثوری) نے امام ابوحنیفہ سے روایت کی ہے؟ کہا ہاں ابوحنیفہ ثقہ ہیں اور حدیث میں سچے اور اللہ کے دین میں قابل اطمینان و اعتماد ہیں۔

احمد بن الصلت پر خطیب کی جرح مہمل ہے

خطیب نے احمد بن عطیہ پر جرح کی ہے کہ وہ احمد بن الصلت کے نام سے مشہور ہے ثقہ نہیں ہے مگر احمد بن الصلت کا جرم اس کے سوا کچھ نہیں ہے کہ اس نے امام ابوحنیفہ کے مناقب میں کتاب لکھی اور عبداللہ بن جزاء صحابی سے امام صاحب کا روایت کرنا اور حضرت انس صحابی سے بھی روایت کرنا بیان کیا ہے۔ حالانکہ اس میں احمد بن الصلت منفرد نہیں ہے بلکہ ابن عبدالبر نے جامع بیان العلم جلد اصفحہ ۴۵ میں دوسرے طریق سے جس میں احمد بن الصلت نہیں ہے۔ امام صاحب کا سماع عبداللہ بن جزء زبیدی سے بیان کیا ہے اور ابن سعد کے حوالہ سے اس کی تصریح کی ہے کہ امام ابوحنیفہ نے حضرت انس بن مالک اور عبداللہ بن جزء صحابی کو دیکھا ہے۔

عبداللہ بن جزء صحابی کا سن وفات

رہا ذہبی کا یہ کہنا کہ عبداللہ بن جزاء کا انتقال ۸۶ھ میں بمقام مصر ہوا ہے۔ ان کو امام صاحب نہیں پا سکتے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ قرن اول یعنی صحابہ کی ولادت اور وفات کے سنہ میں بہت اختلافات ہیں۔ کیونکہ وفیات کے باب میں کتابیں بہت مدت کے بعد لکھی گئی ہیں۔ اس لئے کسی ایک شخص کی روایت سے کسی کے سن وفات پر قطعی حکم لگانا دشوار ہے۔ دیکھو ابی بن کعب رضی اللہ عنہ بڑے مشہور صحابی ہیں۔ ان کے سن وفات میں بہت اختلاف ہے۔ کسی نے ۱۸ھ کہا کسی نے ۲۲ھ کہا ہے۔ ذہبی کو اس پر اصرار ہے۔ حالانکہ واقعہ یہ ہے کہ وہ ۳۲ھ تک زندہ رہے اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے زمانہ خلافت میں جمع قرآن میں دوسرے صحابہ کے ساتھ شریک تھے۔ جیسا طبقات ابن سعد

میں تصریح ہے۔ عبداللہ بن جزاء صحابی کا وہ درجہ کہاں جو حضرت ابی بن کعب کا ہے تو ان کی وفات میں اختلاف ہونا چنداں بعید نہیں۔ چنانچہ حسن بن علی غزنوی نے عبداللہ بن جزاء کی وفات ۹۹ھ میں بیان کی ہے۔ ہمارے نزدیک اسی قول کا صحیح ہونا قرین قیاس ہے اور احمد بن الصلت کی روایت قابل اعتماد ہے۔ خصوصاً جبکہ ابن ابی خیثمہ نے اپنے بیٹے عبداللہ سے کہا تھا کہ بیٹا اس شخص کی روایات کو لکھ لیا کرو۔ کیونکہ وہ ہمارے ساتھ مجلس (حدیث) میں ستر سال سے حدیثیں لکھتا رہا ہے۔ مراد احمد بن الصلت ہے اس کی سند عالی ہے۔ اس سے بہت لوگوں نے حدیث روایت کی ہے۔ جن میں بڑے بڑے آئمہ بھی شامل ہیں مگر اہل تعصب اس کو کس طرح برداشت کر سکتے ہیں جبکہ وہ ابن عیینہ سے یہ بات نقل کرتا ہے کہ علماء چار ہیں۔ عبداللہ بن عباس اپنے زمانہ میں۔ شعبی اپنے زمانہ میں، ابوحنیفہ اپنے زمانہ میں، اور سفیان ثوری اپنے زمانہ میں۔ کیونکہ تاریخ خطیب میں اضافہ کرنے والے تو سفیان بن عیینہ کو امام صاحب کی مذمت کرنے والوں میں شمار کرتے ہیں اور جن راویوں کے ذریعہ سے مذمت نقل کی گئی ہے۔ ان کی حقیقت حال کو ہم اوپر بیان کر چکے ہیں۔ اور بتلا چکے ہیں کہ سفیان بن عیینہ امام صاحب کے شاگردوں اور مداحوں میں سے ہیں۔ ان کی طرف سے امام صاحب کی شان میں مذمت روایت کرنا مجروحین کذابین ہی کا کام ہے۔

آج تک پوری امت اسلامیہ امام ابوحنیفہؒ کو امام اعظم کے لقب سے یاد کرتی آئی ہے

اگر عبداللہ بن عباسؓ و شعبیؒ و ثوریؒ کی صف میں امام ابوحنیفہؒ کو شمار کرنے کی وجہ سے احمد بن الصلت جھوٹا ہو گیا۔ تو کیا یحییٰ بن معین کو بھی جھوٹا کہا جائے گا؟ جن سے خطیب کے استاد صمیری نے عمدہ سند کے ساتھ روایت کیا ہے کہ فقہا چار ہیں۔ ابوحنیفہ، سفیان، مالک اور اوزاعی۔ اور پوری امت اسلامیہ نے ہر زمانہ میں امام ابوحنیفہؒ کو ائمہ مذاہب میں سب سے پہلے رکھا اور امام اعظم کے لقب سے یاد کیا ہے۔ اور خود خطیب نے

اسانید جیدہ کے ساتھ بڑے بڑے اماموں کا یہ قول روایت کیا ہے کہ امام ابوحنیفہ اپنے زمانہ میں سب سے بڑے عالم تھے اور امام ابوحنیفہ کے علم نے شرق وغرب کو بھر دیا ہے۔ جس پر مورخ ابن اثیر کے قول کے موافق آدھی امت عمل کر رہی ہے۔ اور علامہ علی قاری شارح مشکوۃ کے نزدیک دو تہائی امت چل رہی ہے۔ اس کے بعد طلوع اسلام کس ڈھٹائی سے کہتا ہے کہ مندرجہ بالا آراء کو سامنے رکھئے اور غور کیجئے کہ یہ کن لوگوں کی رائے ہے۔ اور کس کے متعلق ہے؟ ان میں کا ہر شخص حدیث اور علم رجال کا ستون تسلیم کیا گیا ہے۔"

سبحان اللہ! سند کے اخیر میں سفیان ثوری۔ یحیٰ بن سعید قطان، یحیٰ بن معین کا نام آنے سے ہی یہ سمجھ لیا گیا کہ ان اساتین امت کا یہ فیصلہ امام ابوحنیفہ کے متعلق ہے۔ یہ نہ دیکھا گیا کہ سند کے شروع اور وسط میں کتنے کذاب وضاع اور مجروحین دھرے ہوئے ہیں۔

خوابوں کے سہارے

تاریخ خطیب میں امام ابوحنیفہؒ کی مذمت کو ایک خواب پر ختم کیا گیا ہے اور اس کو اپنے خاتمہ کا اندیشہ کئے بغیر لکھ دیا گیا۔

سند کی ابتداء میں عبداللہ بن جعفر بن درستویہ دراہمی ہے جس پر برقانی اور لالکائی کی جرح بار بار گزر چکی ہے کہ یہ شخص مبہم ہے اس کو جب کوئی چند درہم دے دیتا تو ایسی باتیں کر دیتا تھا جو اس نے کسی سے سنی بھی نہیں تھیں۔ سند کی انتہا بشر بن ابی الازھر نیساپوری پر ہے جو نیشاپور میں فقہا حنفیہ کے امام تھے اور سب علماء سے زیادہ امام ابوحنیفہ کے متبع اور ان کی تعظیم کرنے والے تھے۔ یقیناً یہ خواب وضع کر کے بشر بن ابی الازھر کے سر تھوپ دیا گیا۔ جیسا تاریخ خطیب میں امام صاحب کے دوسرے شاگردوں کی زبان سے بھی ان کی مذمت میں بہت باتیں وضع کر کے بیان کر دی گئی ہیں۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ خطیب کی زبان یا قلم سے یہ خواب کیسے نکل سکتا ہے۔

امام ابوحنیفہؒ کی مقبولیت کے متعلق چند خواب

حالانکہ امام محمد بن حسن کے ترجمہ میں اس نے (جلد۲ صفحہ ۱۸۲) پر عمدہ سند سے خود ہی یہ خواب نقل کیا ہے کہ ابن ابی رجاء قاضی فرماتے ہیں کہ میں نے محمویہ سے سنا جن کو ہم ابدال میں شمار کرتے تھے۔ کہ میں نے امام محمد بن حسن کو خواب میں دیکھا تو پوچھا آپ کا انجام کیسا ہوا؟ کہا مجھ سے حق تعالیٰ نے فرمایا کہ میں نے تم کو علم کا خزانہ اس لئے نہیں بنایا تھا کہ تم کو عذاب دوں۔ میں نے پوچھا کہ امام ابو یوسف کا کیا حال ہے؟ فرمایا وہ مجھ سے بھی اوپر ہیں۔ میں نے پوچھا امام ابوحنیفہ کا کیا حال ہے؟ فرمایا وہ ابو یوسف سے بھی کئی درجے اوپر ہیں۔

اگر خطیب کو خوابوں سے احتجاج کرنا تھا۔ تو اس خواب کو بھی یہاں نقل کر دینا تھا۔

علامہ حافظ ابن عبدالبر نے کتاب الانتقاء میں اس خواب کو دوسری سند سے بیان کیا ہے۔ جس میں احمد بن الصلت نہیں ہے جس کو خطیب نے گرانا چاہا ہے۔ حالانکہ وہ ثقہ ہے۔ وہ عمدہ سند سے محمد بن شجاع سے روایت کرتے ہیں کہ ہمیں ابو رجاء نے خبر دی۔ جو عبادت اور بزرگی میں بڑے درجہ پر تھے کہ امام محمد بن الحسن کو خواب میں دیکھا۔ پوچھا اللہ تعالیٰ نے آپ کے ساتھ کیا برتاؤ کیا؟ کہا مجھے بخش دیا میں نے کہا اور امام ابو یوسف؟ کہا وہ مجھ سے بھی بلند درجہ پر ہیں۔ میں نے کہا اور امام ابوحنیفہ؟ کہا ارے وہ تو اعلیٰ علیین میں ہیں۔

اس خواب کو اس سند سے خطیب بھی روایت کر سکتا تھا۔ کیونکہ اس کے شیخ عتیقی نے بھی صیدلانی سے اس کو روایت کیا ہے۔

حافظ صمیری نے اپنی کتاب اخبار ابی حنیفہ واصحابہ میں اچھی سند سے محمد بن ابی رجاء سے روایت کیا ہے کہ میں نے اپنے باپ سے سنا کہ میں نے امام محمد بن الحسن کو خواب میں دیکھا تو پوچھا آپ کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے کیا معاملہ کیا؟ فرمایا مجھے جنت میں داخل کر دیا اور فرمایا کہ میں نے تم کو علم کا خزانہ اس لئے نہیں بنایا کہ تم کو عذاب دوں۔ میں نے کہا اور

امام ابو یوسف؟ کہا وہ تو مجھ سے ایک درجہ اوپر ہیں۔ میں نے کہا کہ اور امام ابوحنیفہ؟ کہا وہ تو اعلیٰ علیین میں ہیں۔ اس سند سے بھی خطیب یہ خواب روایت کرسکتا تھا۔ کیونکہ یہ اس کے استاد صمیری کی روایت سے ہے۔ جن کو خطیب ثقہ بتلاتا اور ان کی بہت تعریف کرتا ہے۔ حافظ ابن ابی العوام نے بھی اچھی سند سے اس خواب کو ابو علی احمد کے حوالہ سے محمد بن ابی رجاء سے ابو رجاء سے اسی طرح روایت کیا ہے۔ پھر حافظ ابن ابی العوام نے دوسری سند کے ساتھ ابو نعیم فضل بن وکین سے روایت کیا ہے کہ میں حسن بن صالح کے پاس اس دن کے آخری حصہ میں گیا۔ جس میں وہ اپنے بھائی علی بن صالح کو دفن کر چکے تھے۔ تو انہوں نے ایک اچھا خواب بیان کیا۔ ابو نعیم کہتے ہیں کہ چند دنوں کے بعد میں حسن بن صالح کے پاس پھر گیا۔ تو مجھے دیکھتے ہی بولے ابو نعیم! تمہیں خبر بھی ہے۔ آج رات میں نے اپنے بھائی علی بن صالح کو دیکھا کہ وہ سبز کپڑے پہنے ہوئے میرے پاس آئے میں نے کہا تمہارا تو انتقال ہو چکا ہے؟ کہا ہاں۔ میں نے کہا کہ پھر یہ سبز کپڑے تمہارے بدن پر کیوں ہیں؟ کہا یہ جنت کے سندس و استبرق ہیں اور میرے پاس تمہارے واسطے بھی ایسے ہی کپڑے ہیں۔ میں نے کہا اللہ تعالیٰ نے تم سے کیا معاملہ کیا؟ کہا مجھے بخش دیا اور میری وجہ سے اور امام ابوحنیفہ کی وجہ سے فرشتوں پر مباہات کی (یعنی خوشی کا اظہار فرمایا) میں نے کہا ابوحنیفہ نعمان بن ثابت؟ کہا ہاں۔ میں نے کہا ان کا درجہ کہاں ہے؟ کہا ہمارے پاس ہی اعلیٰ علیین میں ہے۔ قاسم بن غسان راوی کہتے ہیں کہ ابو نعیم جب کبھی امام ابوحنیفہ کا تذکرہ کرتے یا کوئی دوسرا امام صاحب کا تذکرہ ان کے سامنے کرتا تو فرماتے بخ بخ فی اعلی علیین واہ واہ سبحان اللہ وہ تو اعلیٰ علیین میں ہیں۔ پھر یہ واقعہ بیان کیا کرتے۔

حضرت مولینا ظفر احمد صاحب عثمانی رحمہ اللہ کا اپنا خواب

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس فصل کو اپنے ایک خواب پر ختم کروں جو اسی ماہ رجب میں دیکھا ہے کہ حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا میرے پاس تشریف لائیں اور فرمایا السلام علیکم و رحمۃ اللہ یا اسی کے قریب کوئی لفظ تھا، میں نے دریافت کیا آپ کون ہیں؟ میں نے پہچانا نہیں۔ فرمایا میں ام المومنین عائشہ ہوں۔ میں تم

کو دیکھ کر بہت خوش ہوئی اور اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تم کو دیکھیں گے تو آپ بھی بہت خوش ہونگے اور میرے خیال میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی زیارت اسی وجہ سے نصیب ہوئی کہ میں ان ایام میں اللہ کے ایک مقبول بندے فقیہ الامۃ امام ابوحنیفہؒ کے اوپر سے غلط اتہامات کو دور کر رہا ہوں اور حضرت عائشہ صدیقہؓ ہر اس شخص کیلئے موجب تسلی ہیں۔ جس پر کذابین نے جھوٹے الزامات لگائے ہوں کہ حضرت صدیقہ پر بھی منافقین نے واقعہ افک میں جھوٹی تہمت لگائی تھی۔ جس سے ان کا بری اور پاک ہونا سورۃ النور کی آیات میں بیان کیا گیا ہے۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فقہاء صحابہ میں سے ہیں ان کو فقیہ الامت امام اعظم ابوحنیفہؒ سے خاص مناسبت ہے اس لئے ان کے اوپر سے غلط اتہامات کو دفع کرنا ان کی مسرت کا باعث ہوا ہے واللہ تعالیٰ اعلم۔ امید ہے کہ امام صاحب کا یہ تبریہ بارگاہ رسالت پھر بارگاہ صمدیت میں بھی قبول ہو گیا ہے۔ احقر نے امام صاحب کے مناقب میں ایک مستقل کتاب بزبان عربی بھی تالیف کی تھی۔ جس کا نام حضرت حکیم الامت قدس سرہ نے ''ابخا الوطن عن الازدراء بامام الزمن'' تجویز فرمایا تھا اس کا مسورہ خانقاہ امدادیہ تھانہ بھون کے مسودات میں محفوظ ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کے اور اعلاء السنن کے بقیہ حصوں کی طباعت کی کوئی صورت پیدا فرمائیں۔ آمین۔

طلوع اسلام کی ایک اور غلط بیانی

اس کے بعد طلوع اسلام نے ''امام ابو یوسف کے متعلق ائمہ رجال کی رائے کا عنوان قائم کر کے عبداللہ بن مبارک سے ان کی مذمت نقل کی ہے۔

مگر اس کی کوئی سند بھی ایسے مجروحین سے خالی نہیں۔ جن کی روایت سے احتجاج ائمہ رجال کے نزدیک جائز نہیں۔ جیسے سلم بن سالم۔ علی بن مہران۔ عبیدۃ الخراسانی اور عبدالرزاق بن عمر اور ان ہی جیسے دوسرے مجروحین ہیں۔

صریح کذب بیانی

کمال یہ ہے کہ تاریخ خطیب جلد ۱۴ صفحہ ۲۵۶ وصفحہ ۲۵۷ میں ابن المبارک کی طرف یہ بات بھی منسوب کی گئی ہے کہ جب امام ابو یوسف کا انتقال ہوا۔ اور اس کی خبر

ابن المبارک کو پہنچی تو کہا یعقوب الشقی ...... حالانکہ بالاتفاق عبداللہ بن مبارک کا انتقال امام ابو یوسف سے ایک سال پہلے ہو چکا تھا تو کیا وہ امام ابو یوسف کے انتقال کے وقت دوبارہ زندہ ہوکر دنیا میں یہ بات کہنے آئے تھے۔ حق تعالیٰ جھوٹوں کو اسی طرح رسوا کیا کرتا ہے۔ وکفی اللہ المومنین القتال۔

ایک اور دروغ

اس کے بعد امام بخاری سے نقل کیا ہے وہ فرماتے ہیں کہ ہم سے نعمان (امام ابو حنیفہ) کا قول نقل کیا گیا ہے کہ تم لوگوں کو یعقوب (امام ابو یوسف) پر تعجب کیوں نہیں آتا۔ اس نے مجھ پر اس قدر جھوٹ باندھ دیئے ہیں۔ جو میں نے کبھی نہیں کہے''۔ اس روایت کا غلط ہونا اس سے ظاہر ہے کہ امام بخاری نے امام ابوحنیفہ کو نہیں پایا۔ درمیان میں واسطہ ہے۔ جس کا نام ظاہر نہیں کیا گیا۔ اگر وہ واسطہ حمیدی یا نعیم بن حماد ہے تو ہم بتلا چکے ہیں کہ ان دونوں کی کوئی روایت بھی امام ابوحنیفہ کے بارہ میں قابل قبول نہیں ہے۔ اگر کوئی اور واسطہ ہے تو جب تک نام معلوم نہ ہو مجہول کی روایت پر اعتماد نہیں کیا جا سکتا۔

امام احمد بن حنبل امام ابو یوسف کی تعریف کرتے ہیں

اس کے بعد امام احمد بن حنبل اور یحیٰ بن معین سے ان کی مذمت نقل کی گئی ہے۔ حالانکہ احمد بن کامل شجری صاحب ابن جریر نے کہا ہے کہ یحیٰ بن معین اور احمد بن حنبل اور علی بن المدینی تینوں کا اس بات پر اتفاق ہے کہ امام ابو یوسف نقل روایات میں ثقہ ہیں۔ ان کے زمانہ میں ان سے مقدم کوئی نہ تھا۔ علامہ ابن الجوزی نے اپنی کتاب اخبار الحفاظ میں امام ابو یوسف کو ان سو افراد میں شمار کیا ہے جن کی قوت حافظہ ضرب المثل تھی۔ یہ کتاب کتب خانہ ظاہریہ دمشق میں محفوظ ہے۔

تاریخ خطیب کی دارقطنی کی طرف غلط نسبت

اس کے بعد دارقطنی سے نقل کیا گیا ہے کہ ان سے امام ابو یوسف کے متعلق پوچھا

گیا تو انہوں نے کہا کہ وہ محمد بن الحسن کی نسبت زیادہ قوی ہیں مگر اندھوں میں کانے ہیں۔"

یہ روایت بھی غلط ہے۔ کیونکہ دار قطنی نے اپنی کتاب "غرائب[1] مالکؒ" میں امام محمد کو ثقات حفاظ متقین میں شمار کیا ہے اور جب امام ابو یوسف ان سے بھی زیادہ قوی ہیں تو وہ تو ثقہ حافظ متقین سے بھی اوپر ہوئے پس تاریخ خطیب میں دار قطنی کی طرف جو قول منسوب کیا گیا ہے۔ وہ محض بکواس ہے۔

طلوع اسلام کا دروغ بے فروغ

اس کے بعد طلوع اسلام نے "امام محمد بن الحسن کے متعلق ائمہ رجال کی رائے" کا عنوان قائم کر کے یحیٰی بن معین وغیرہ سے ان کا کذاب ہونا نقل کیا ہے اس دروغ بے فروغ کو لکھتے ہوئے ان لوگوں کو شرم نہیں آتی۔ کیا ان کو نظر نہیں آتا کہ ان اقوال کی سندوں میں وہی ہالکین مجروحین دہرے ہوئے ہیں۔ جن پر ہم بار بار جرح نقل کر چکے ہیں۔ اس لئے یہ سب اقوال دیوار پر مار دینے کے قابل ہیں ہم اوپر دار قطنی کا قول نقل کر چکے ہیں کہ انہوں نے "غرائب مالک" میں امام محمد کو ثقات حفاظ متقین میں شمار کیا ہے۔

اب ہم مناسب سمجھتے ہیں کہ امام ابو حنیفہ، امام ابو یوسف اور امام محمد کے متعلق محدثین کے اقوال توثیق و تعدیل بھی نقل کر دیں جو ان حضرات کی مدح و ثناء میں صحیح اور حسن اور عمدہ اسانید سے روایت کئے گئے ہیں۔ تاریخ خطیب بغدادی کا مطالعہ کرنے والے اگر اسماء رجال کا کچھ بھی علم رکھتے ہیں تو وہ خود فیصلہ کر سکتے ہیں کہ ان حضرات کی مدح و ثناء میں جو اقوال روایت کئے گئے ہیں ان کی سندیں کیسی ہیں اور مذمت میں جو اقوال منقول ہیں ان کی سندیں کس قدر ساقط اور مہمل ہیں۔

---

[1] دار قطنی نے اس کتاب میں حدیث رفع یدین عند الرکوع روایت کر کے اس اعتراض کا جواب دیا ہے کہ امام مالک نے حدیث رفع یدین عند الرکوع کو موطا میں روایت نہیں کیا تو دار قطنی نے کہا کہ اس حدیث کو امام مالک سے بیس ثقات حفاظت متقین نے روایت کیا ہے جن میں سے محمد بن الحسن الشیبانی اور یحیٰی بن سعید قطان ہیں۔ (نصب الرایہ) ان میں سب سے پہلا نام امام محمد کا ہے تو وہ نمبر اول کے ثقہ حافظ متقن ہوئے۔

الامام محمد بن الحسن الشیبانیؒ

مجتہد مطلق اور بہت بڑے امام ہیں۔ بڑے بڑے علماء نے ان سے استفادہ کیا ہے امام احمد بن حنبل سے پوچھا گیا کہ یہ مسائل دقیقہ آپ نے کہاں سے لئے ہیں؟ فرمایا محمد بن الحسن کی کتابوں سے خطیب بغدادی کے امام شافعیؒ نے ان سے ہی فقہ حاصل کیا ہے۔ اسی طرح امام ابوعبید قاسم بن سلام اور امام اسد بن الضرات جو مذہب امام مالک کو مدون کرنے والے ہیں۔ اور فقہ میں ان ہی کے شاگرد ہیں۔ دارقطنی نے ''غرائب مالک'' میں ان کو ثقہ حفاظ متقنین میں شمار کیا ہے۔ یحیٰی بن معین فرماتے ہیں کہ میں نے جامع صغیر امام محمد سے سنی ہے۔ ابن المدینی کہتے ہیں کہ محمد بہت سچے ہیں۔ امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ میرے اوپر علم فقہ میں سب سے زیادہ احسان امام محمد کا ہے۔ تاریخ شاہد ہے کہ امام شافعی رحمہ اللہ کے اجتہاد کو امام محمد کی وفات کے چھ سال بعد فروغ حاصل ہوا ہے۔ تو ان کی شان میں ۔بے ہودہ اقوال نقل کرنا خطیب بغدادی کے امام شافعی کی شان کو پست کرنا اور ان کے علم پر دھبہ لگانا ہے۔

تانیب

امام ابوحنیفہ کی صحبت میں بالالتزام رہے۔ ان سے فقہ و حدیث حاصل کیا۔ سفیان ثوری قیس بن الربیع عمر بن زر۔ مسعر بن کدام وغیرہ سے حدیث سنی شام میں امام اوزاعی وغیرہ سے اور مدینہ میں امام مالک وغیرہ سے حدیث سنی۔ ان سے امام شافعی نے حدیث روایت کی۔ چنانچہ مسند شافعی میں ان کی روایتیں امام محمد سے موجود ہیں۔ ابوعبید قاسم بن سلام اور ہشام بن عبیداللہ رازی، ابوسلیمان جوزجانی۔ علی بن مسلم طوسی، ابوجعفر احمد بن محمد بن مہران نے اور بہت لوگوں نے ان سے روایت کی ہے۔ امام شافعی فرماتے ہیں کہ مجھ سے امام محمد نے فرمایا کہ میں نے امام مالک کے پاس تین سال قیام کیا۔ اور سات سو سے زیادہ حدیثیں ان کی زبان سے سنی ہیں۔ حالانکہ امام مالک خود حدیث بہت کم پڑھتے تھے۔ بلکہ عموماً شاگرد پڑھتے اور وہ سنتے تھے۔ اگر امام محمد کا قیام ان کے پاس

طویل عرصہ تک نہ ہوتا اور ان کی عزت امام مالک کے دل میں نہ ہوتی، تو یہ بات ان کو حاصل نہ ہوسکتی تھی۔ امام محمد بھی موطا مالک کے راویوں میں شمار کئے جاتے ہیں۔ (تعجیل المنفعۃ) اور اوپر گزر چکا کہ دارقطنی نے امام محمد کو اپنی کتاب غرائب مالک میں ثقات حفاظ میں شمار کیا ہے۔ ربیع نے امام شافعی سے روایت کیا ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ میں نے امام محمد سے ایک اونٹ کے بوجھ کے برابر کتابیں پڑھی ہیں۔ امام شافعی اور احمد بن حنبل ان کی بہت عظمت کرتے تھے۔ (تعجیل المنفعۃ) ذہبی نے میزان میں کہا ہے کہ امام محمد مالک بن انسؒ سے روایت کرتے ہیں۔ وہ علم کا سمندر ہیں، اور مالک کی حدیثوں میں قوی ہیں۔ میں کہتا ہوں کہ جب وہ مالک سے روایت کرتے ہیں قوی ہیں تو جن مشائخ کوفہ کی صحبت میں امام مالک سے بھی زیادہ رہے ہیں ان کی حدیثوں میں قوی کیوں نہ ہوں گے۔ ابن سعد کہتے ہیں کہ امام محمد کی پیدائش جزیرہ میں ہوئی تھی اور نشوونما کوفہ میں ہوا۔ انہوں نے حدیث کی روایت میں کوشش کی اور بہت حدیثیں سنیں۔ کوفہ سے بغداد آئے تو لوگ ان کے پاس کثرت سے آمدورفت کرتے تھے اور حدیث وفقہ سنتے تھے۔ خطیب کی روایت میں اتنا اور زیادہ ہے کہ جب وہ امام مالک سے روایت کرتے تو گھر بھر جاتا اور لوگ اس کثرت سے حدیث سننے آتے کہ جگہ تنگ ہو جاتی۔ اس سے اندازہ کرلیا جائے کہ علماء کے قلوب میں امام محمد کی کس قدر عظمت تھی۔

الامام ابو یوسف یعقوب بن ابراہیم الانصاری

مجتہد مطلق ہیں بڑے بڑے مجتہدین کے استاذ ہیں۔ ابن حبان کو اگرچہ حنفیہ سے بہت زیادہ انحراف ہے مگر امام ابو یوسف کے متعلق فرماتے ہیں کہ حافظ متقن ہیں۔ بہت نیک تھے۔ پے در پے روزے رکھتے تھے اور علامہ ذہبی فرماتے ہیں کہ قاضی القضاۃ بننے کے بعد بھی دوسو رکعتیں ہر رات پڑھتے تھے۔ حافظ طلحہ بن جعفر معدل فرماتے ہیں کہ امام ابو یوسف کی شان مشہور ہے۔ ان کی فضیلت ظاہر ہے امام ابو حنیفہؒ کے شاگرد اور اپنے زمانہ میں سب سے زیادہ فقیہ تھے ان کے زمانہ میں کوئی ان سے مقدم نہ تھا۔ علم اور

قضا اور ریاست وقدر ومنزلت میں انتہائی درجہ پر تھے۔ سب سے پہلے ان ہی نے مذہب ابوحنیفہ کے اصول فقہ میں کتابیں تصنیف کیں۔ مسائل کا املا کیا فقہ حنفی کو تمام اطراف عالم میں پھیلایا ہے۔ ہلال بن یحییٰ بصری فرماتے ہیں کہ امام ابو یوسف تفسیر ومغازی اور تاریخ عرب کے حافظ تھے۔ ان کے علوم میں فقہ سب سے کم درجہ پر تھا۔ یعنی ان کا فقہ جس درجہ کا ہے اس کو تو عالم اور جاہل سب جانتے ہیں۔ علامہ ذہبی نے یحییٰ بن خالد کے حوالہ سے بیان کیا ہے کہ ابو یوسف ہمارے یہاں آئے اور فقہ ان کے علوم میں سب سے کم درجہ کا علم تھا۔ انہوں نے اپنی فقہ سے شرق وغرب کو مالا مال کر دیا ہے۔ اور یحییٰ بن معین سے دوری نے روایت کیا ہے کہ ابو یوسف صاحب حدیث اور صاحب سنت تھے۔ (یعنی متبع سنت تھے۔ بعض محدثین کی طرح تشبیہ یا تجسیم کے قائل نہ تھے)۔

امام ابو یوسف کا حافظہ

ابن جریر نے اپنی کتاب الذیل المذیل میں لکھا ہے کہ ابو یوسف بعض محدثین کی مجلس میں حاضر ہوتے اور اس سے پچاس ساٹھ حدیثیں سنتے پھر مجلس سے باہر آکر سب حدیثوں کو بجنسہ بیان کر دیتے تھے اور اس سے ان کی قوت حافظہ کا اندازہ ہوسکتا ہے۔ اسی لئے ابن الجوزی نے ان سو افراد میں ان کو شمار کیا ہے جن کی قوت حافظہ ضرب المثل تھی۔ جیسا ہم نے اوپر بیان کیا ہے (تانیب)

اسلام میں سب سے پہلے قاضی القضاۃ

سب سے پہلے قاضی القضاۃ کا لقب ان ہی کو دیا گیا۔ علامہ ذہبی نے اپنی کتاب تذکرۃ الحفاظ میں امام ابو یوسف کو حفاظ حدیث میں شمار کیا۔ اور الامام العلامۃ فقیہ العراقین کے لقب سے یاد کیا ہے۔ انہوں نے ہشام بن عروہ اور ابو اسحٰق شیبانی اور عطا بن اُسائب اور اس طبقہ کے دوسرے محدثین سے حدیث سنی۔ اور ان سے امام محمد بن الحسن الفقیہ اور امام احمد بن حنبل اور بشر بن الولید اور یحییٰ بن معین اور علی بن الجعد (شیخ البخاری) اور بہت مخلوق نے روایت کی ہے۔ امام مزنی نے کہا ہے کہ ابو یوسف سب سے

زیادہ متبع حدیث ہیں۔ امام احمد بن حنبل فرماتے ہیں کہ ابو یوسف حدیث میں عدل و انصاف سے کام لیتے تھے۔ ابن معین فرماتے ہیں کہ اصحاب الرائے میں ابو یوسف سے زیادہ حدیث کا عالم اور زیادہ مضبوط دوسرا نہیں محمود بن غیلان کہتے ہیں کہ میں نے یزید بن ہارون سے پوچھا کہ ابو یوسف کے بارہ میں آپ کیا فرماتے ہیں۔ کہا میں ان سے خود روایت کرتا ہوں۔

ابن عدی کا قول

ابن عدی نے کہا کہ اہل الرائے میں ابو یوسف سے زیادہ حدیث کا عالم نہیں۔ بسا اوقات وہ اپنے اصحاب کی مخالفت کرتے اور آثار کا اتباع کرتے ابن عدی فقہ اور قیاس اور علوم عربیہ سے کوسوں دور رہے اور ابتدا میں وہ امام ابوحنیفہ اور ان کے اصحاب کے متعلق بہت زبان درازی کرتے تھے۔ پھر امام ابو جعفر طحاوی سے ملے اور ان سے استفادہ کیا تو کسی قدر ان کی حالت اچھی ہوگئی، یہاں تک کہ مسند ابی حنیفہ کے نام سے ایک کتاب تالیف کی۔ (تانیب صفحہ ۱۶۹) اس لئے امام ابو یوسف کی شان میں جو تھوڑے سے تعریفی جملے ان کے قلم سے نکل گئے ہیں یہ بھی غنیمت ہیں۔

ابن حبان نے امام ابو یوسف کو ثقات میں ذکر کیا ہے اور کہا کان شیخا متقنا اور یہ لفظ توثیق کے اعلیٰ الفاظ میں سے ہے۔ سمعانی نے کتاب الانساب میں کہا ہے کہ یحییٰ بن معین اور امام احمد بن حنبل اور علی بن المدینی تینوں کا اس پر اتفاق ہے کہ ابو یوسف روایت میں ثقہ ہیں۔ ان کے زمانہ میں کوئی بھی ان سے مقدم نہ تھا۔ علم اور قضا اور ریاست وقدر ومنزلت میں انتہا کو پہنچے ہوئے تھے۔

آئمہ ثلثہ کی تعریف میں امام احمد بن حنبل کا قول

بیہقی نے بھی امام ابو یوسف کو ثقہ کہا ہے اور امام احمد بن حنبل سے روایت کیا ہے کہ جس مسئلہ میں تین شخص متفق ہوں۔ پھر ان کے مخالف کی بات نہ سنی جائے گی، پوچھا گیا وہ تین کون ہیں؟ فرمایا ابوحنیفہ و ابو یوسف اور محمد بن الحسن۔ ابوحنیفہ قیاس میں

سب سے زیادہ بصیرت رکھتے ہیں۔ اور ابو یوسف آثار اور احادیث کو سب سے زیادہ جانتے ہیں۔ اور محمد عربیت میں سب سے زیادہ ماہر ہیں۔

خطیب نے یحییٰ بن معین سے روایت کیا ہے وہ فرماتے ہیں کہ ہم نے ابو یوسف سے بہت حدیثیں لکھیں ہیں۔ عباس (دوری) نے امام احمد بن حنبل سے روایت کیا ہے کہ وہ فرماتے ہیں کہ جب میں نے طلب حدیث شروع کی تو سب سے پہلے قاضی ابو یوسف کے پاس گیا۔ ان کے بعد دوسروں سے حدیثیں لکھی ہیں۔ عاصم بن یوسف کہتے ہیں۔ میں نے امام ابو یوسف سے کہا لوگ اس بات پر متفق ہیں کہ اس وقت علم میں آپ سے بہتر کوئی نہیں۔ فرمایا کہ میرا علم امام ابو حنیفہ کے علم کے سامنے ایسا ہے۔ جیسے دریائے فرات کے سامنے چھوٹی سی نہر۔

لطیفہ

حافظ ابن ابی العوام نے امام طحاوی سے عبدۃ بن سلیمان بن بکر سے ابراہیم ابن الجراح سے روایت کیا ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ جب میں نے (طلب علم کے لئے بصرہ جانے کا ارادہ کیا تو امام ابو یوسف سے پوچھا کہ وہاں کس کی صحبت اختیار کروں؟ فرمایا حماد بن زید کے پاس جاؤ اور ان کی بہت تعریف کی (بڑی عظمت سے ان کا تذکرہ کیا) چنانچہ بصرہ پہنچ کر میں نے حماد بن زید کی صحبت میں رہنے کا التزام کرلیا مگر بخدا جب کبھی ان کی مجلس میں امام ابو یوسف کا ذکر آتا وہ ان کی شان میں بُرے الفاظ ہی استعمال کرتے تھے۔ ایک دن ان کے پاس ایک عورت آئی جو کوئی دستاویز لکھوانا چاہتی تھی۔ حماد بن زید کو اس کی درخواست کا رد کرنا بھی گراں تھا۔ اور درس حدیث کو موقوف کرنا بھی گراں تھا۔ میں نے ان کی پریشانی کا احساس کر کے عرض کیا کہ آپ اس عورت کو فرما دیجئے کہ یہ کاغذ میرے حوالہ کر دے۔ میں دستاویز لکھ دوں گا۔ انہوں نے ایسا ہی کیا۔ اور درس حدیث کو میری فراغت تک موقوف کرنے کا ارادہ کیا۔ میں نے کہا اس کی ضرورت نہیں آپ درس حدیث جاری رکھئے۔ جب میں دستاویز لکھ چکا تو کاغذ ان کے

حوالہ کیا۔ انہوں نے میرے ہاتھ سے کاغذ لے کر پڑھا۔ تو تعجب سے کہنے لگے۔ تم لوگ یہ علم کس سے حاصل کرتے ہو؟ میں نے کہا اسی شخص سے جس کا ذکر آپ کی مجلس میں کبھی آتا ہے تو آپ اس کی مذمت بھی ساتھ ساتھ کر دیتے ہیں۔ اور ان کا برتاؤ آپ کے ساتھ غائبانہ یہ ہے کہ جب میں نے بصرہ آنے کا ارادہ کیا تو انہوں نے مجھے یہ وصیت کی تھی کہ آپ کے سوا کسی کے پاس نہ جاؤں فرمایا وہ کون صاحب ہیں؟ میں نے کہا امام ابو یوسف اس پر حماد بن زید شرمندہ ہو گئے اور اس کے بعد ہمیشہ ان کا ذکر خیر بھلائی سے کرنے لگے (پھر کبھی برائی نہیں کی) یہ تو حماد بن زید کا حال ہے۔ اسی سے اندازہ کرلیا جائے کہ بعض راویان حدیث بعض دفعہ کسی فقیہ کا قول ظاہر حدیث کے خلاف سنتے ہیں تو اس کو مخالفت حدیث پر محمول کرنے لگتے ہیں۔ حالانکہ حدیث کے مطلب و مقصد کو فقہاء ان جیسے حضرات سے زیادہ جانتے ہیں۔ البتہ جو محدثین فقہا بھی ہوتے ہیں وہ ہرگز امام ابو حنیفہ اور ان کے اصحاب کو مخالف حدیث نہیں سمجھتے۔

امام الائمۃ امام اعظم ابو حنیفہ نعمان بن ثابت رضی اللہ عنہ

مجتہد کبیر، سراج الامۃ کاشف الغمہ امام الائمۃ ہیں۔ آپ کے علم نے دیار اسلام کے شرق و غرب کو منور کر دیا ہے۔ ائمہ متبوعین میں آپ ہی کو شرف تابعیت حاصل ہوا ہے۔

امام صاحب کا تابعی ہونا

امام صاحب کا بعض صحابہ کو دیکھنا اور ان سے ملاقات کرنا ثابت ہے البتہ روایت کرنے میں اختلاف ہے۔ مگر ملا علی قاری وغیرہ کے نزدیک صحیح یہی ہے کہ امام صاحب نے بعض صحابہؓ سے روایت بھی کی ہے۔ جیسا ہم اوپر بیان کر چکے ہیں۔ حضرت انس بن مالک صحابی رضی اللہ عنہ کو امام صاحب کا دیکھنا اور تابعین میں داخل ہونا محدثین کی بڑی جماعت کے نزدیک ثابت ہے۔ چنانچہ ابن سعد نے طبقات میں اور حافظ ذہبی نے تذکرۃ الحفاظ میں اور حافظ ابن حجر نے ایک سوال کے جواب میں اور حافظ عراقی۔

دارقطنی اور امام ابومعشر عبدالکریم بن عبدالصمد طبری شافعی نے اس کی تصریح کی ہے اور وہ صحابہ سے امام صاحب کی روایت بھی ثابت کرتے ہیں۔ حافظ سیوطی نے بھی یہ فیصلہ کیا ہے کہ صحابہ سے امام صاحب کا روایت کرنا باطل نہیں ہے۔ حافظ ابوالحجاج مزی اور حافظ خطیب بغدادی حافظ ابن الجوزی حافظ ابن عبدالبر اور سمعانی صاحب کتاب الانساب اور امام نووی، حافظ عبدالغنی مقدسی، امام جزری اور نورپشتی اور صاحب کشف الکشاف اور صاحب مراۃ الجنان امام یافعی اور علامہ ابن حجر مکی شافعی اور علامہ احمد قسطلانی اور علامہ ازنیقی صاحب مدینۃ العلوم اور علامہ بدرالدین عینی نے بھی امام صاحب کا حضرت انسؓ کو دیکھنا ثابت کیا۔ اور ان کو تابعین میں شمار کیا ہے۔

امام صاحب کا علومرتبہ

پس امام صاحب حق تعالیٰ کے اس ارشاد کا مصداق ہیں والذین اتبعو هم باحسان رضی اللّٰه عنهم و رضوا عنه سمعانی نے کتاب الانساب میں کہا ہے کہ امام ابوحنیفہ طلب علم میں مشغول ہوئے اور اس میں درجہ کمال کو پہنچے تو ان کو وہ مرتبہ حاصل ہوا جو دوسروں کو حاصل نہ ہوا۔

دنیا کا سب سے بڑا عالم

ایک بار خلیفہ منصور عباسی کے دربار میں تشریف لے گئے تو عیسیٰ بن موسیٰ نے منصور سے کہا کہ یہ شخص آج کل دنیا کا سب سے بڑا عالم ہے۔ اور مکی بن ابراہیم کا قول ہے (جن کے واسطہ سے امام بخاری کی اکثر ثلاثیات مروی ہیں) کہ ابوحنیفہؒ اپنے زمانہ کے سب سے بڑے عالم تھے امام ابویوسف فرماتے ہیں کہ میں نے حدیث کی شرح کرنے میں امام ابوحنیفہ سے بڑا عالم نہیں دیکھا اور یزید بن ہارون نے (جو صحاح ستہ کے رجال میں بڑے درجہ کے ثقہ اور حجت ہیں) فرمایا کہ میں نے ایک ہزار علماء کو پایا اور اکثر سے حدیث لکھی ان میں پانچ شخصوں سے زیادہ فقیہ زیادہ متقی زیادہ عالم کسی کو نہیں پایا۔ جن میں پہلا نمبر امام ابوحنیفہ کا ہے اھ علامہ ابن عبدالبر نے جامع العلم میں اس کو

بیان کیا ہے۔ خطیب نے شداد بن حکیم کا قول نقل کیا ہے۔ کہ میں نے امام ابوحنیفہ سے زیادہ علم والا کسی کو نہیں دیکھا اھ۔ ابن سعد کہتے ہیں کہ میں نے عبداللہ بن داؤد خریبی سے سنا وہ فرماتے تھے کہ اہل اسلام پر امام ابوحنیفہ کے لئے نمازوں میں دعا کرنا واجب ہے اس کے بعد حدیث وفقہ کو مسلمانوں کے لئے امام صاحب کا محفوظ کرنا بیان کیا۔ امام ابو جعفر شیرازی نے شقیق بلخی کا قول نقل کیا ہے۔ امام ابوحنیفہ سب سے زیادہ متقی سب سے بڑے عالم اور سب سے بڑے عابد تھے۔ ابراہیم بن عکرمہ مخزومی نے کہا میں نے کسی عالم کو امام ابوحنیفہ سے زیادہ عابد وزاہد اور ان سے زیادہ علم والا نہیں دیکھا اھ۔ عبداللہ بن مبارک فرماتے ہیں کہ میں کوفہ پہنچا تو وہاں کے علما سے دریافت کیا کہ تمہارے شہروں میں سب سے بڑا عالم کون ہے؟ سب نے کہا۔ امام ابوحنیفہ، خلف بن ایوب فرماتے ہیں کہ علم اللہ تعالیٰ کے پاس سے سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا پھر آپ کے اصحاب کو پہنچا پھر تابعین کو اور امام ابوحنیفہ اور ان کے اصحاب کے پاس پہنچ گیا۔'' اور ظاہر ہے کہ اس زمانہ میں حدیث وقرآن ہی کا نام علم تھا۔ جو شخص اس زمانہ میں سب سے بڑا عالم تھا۔ وہ قرآن وحدیث کو سب سے زیادہ جاننے والا تھا۔ اس لئے امت کا اتفاق ہے کہ امام صاحب بڑے فقیہ مجتہد تھے۔ اور اس لئے ان کو امام اعظم کے لقب سے یاد کیا جاتا ہے۔

امام ابوحنیفہ کی تعریف میں اکابر دین کی شہادتیں

(۱) خطیب نے محمد بن بشر سے روایت کیا ہے وہ کہتے ہیں کہ میں امام ابوحنیفہؒ اور سفیان ثوری کے پاس آتا جاتا تھا جب میں سفیان ثوری کے پاس جاتا اور وہ پوچھتے کہاں سے آرہے ہو؟ میں کہتا امام ابوحنیفہؒ کے پاس سے آرہا ہوں تو فرماتے تم سب سے بڑے فقیہ زمانہ کے پاس سے آئے ہو۔

(۲) حجر بن عبدالجبار کہتے ہیں کہ قاسم بن معن سے کسی نے کہا کہ تم امام ابوحنیفہؒ کے شاگردوں میں شمار ہونے پر راضی ہو؟ تو فرماتے ہیں کہ امام بوحنیفہؒ کی مجلس سے زیادہ نفع بخش کسی کی مجلس نہیں۔

(۳) محمد بن مزاحم نے عبداللہ بن مبارک سے روایت کیا ہے وہ فرماتے ہیں

کہ ابوحنیفہؒ سب سے بڑے فقیہ ہیں میں نے فقہ میں ان کی مثل کسی کو نہیں دیکھا۔

(۴) نیز فرمایا کہ اگر اللہ تعالیٰ ابوحنیفہؒ اور سفیان ثوریؒ کے ذریعہ سے میری (علمی) مدد نہ فرماتے تو میں عام لوگوں کی طرح ایک آدمی ہوتا۔

(۵) حافظ ابونعیم کہتے ہیں کہ امام ابوحنیفہؒ مسائل (شرعیہ) میں بڑے باریک بین تھے۔

(۶) یحییٰ بن معین فرماتے ہیں کہ میں نے یحییٰ بن قطان کو یہ کہتے سنا کہ ہم اللہ کے سامنے جھوٹ نہیں بول سکتے ہم نے امام ابوحنیفہؒ کی رائے سے بہتر رائے نہی سنی اور ہم نے بکثرت ان کے اقوال کو اختیار کیا ہے۔

(۷) ربیع وحرملہ (جو امام شافعیؒ کے خاص شاگردوں میں ہیں) فرماتے ہیں کہ ہم نے امام شافعیؒ سے سنا فرماتے تھے کہ فقہ میں سب لوگ امام ابوحنیفہؒ کے عیال ہیں (یعنی ان سے مستفید) ''تہذیب''

(۸) امام اسفرائنی نے اپنی سند سے علی بن المدینی (شیخ الامام البخاری) سے نقل کیا ہے کہ میں نے عبدالرزاق سے سنا ہے کہ ان کے استاد معمر فرماتے تھے کہ حسن بصری کے بعد امام ابوحنیفہؒ سے بہتر فقہ میں گفتگو کرنے والا کسی کو نہیں پایا۔

(۹) ابوحیان توحیدی کہتا ہے کہ تمام بادشاہ سیاست میں حضرت عمرؓ کے عیال ہیں اور فقہاء قیاس میں امام ابوحنیفہؒ کے عیال ہیں۔

(۱۰) نضر بن شمیل فرماتے ہیں کہ لوگ فقہ میں سوئے ہوئے تھے یہاں تک کہ امام ابوحنیفہؒ نے ان کو اپنے بیان وتحقیق سے بیدار کر دیا۔ (تلک عشرہ کاملہ)

امام ابوحنیفہؒ کا حافظ حدیث ہونا مسلم ہے اور اس بارے میں چند شہادتیں

اور ظاہر ہے کہ فقہ بغیر حفظ احادیث وآثار اقوال صحابہ وتابعین اور معرفت اختلافات وناسخ ومنسوخ کے حاصل نہیں ہوسکتا جب علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ امام

ابوحنیفہؒ سب سے بڑے فقیہ تھے تو اس سے ان کا حافظ احادیث ہونا خود مسلم ہو گیا۔

(۱) اسی لئے ابن خلدون مورخ نے کہا ہے کہ علم حدیث میں امام ابوحنیفہ کے مجتہد عظیم ہونے کی دلیل یہ ہے کہ علماء کے درمیان ان کے مذہب پر اعتماد اور بھروسہ کیا جاتا ہے اور اس سے رداً وقبولاً بحث کی جاتی ہے۔

(۲) علامہ ذہبی نے امام صاحب کو حفاظ حدیث میں شمار کیا ہے۔ خطیب نے اسرائیل بن یونس سے نقل کیا ہے وہ فرماتے ہیں کہ ابوحنیفہ بڑے اچھے آدمی ہیں جن حدیثوں میں احکام (شرعیہ) مذکور ہیں ان کے بہت بڑے حافظ اور بہت زیادہ محقق اور مسائل حدیث کے بہت بڑے عالم ہیں۔

(۳) علامہ ابن القیم نے اعلام الموقعین یحییٰ بن آدم کا قول نقل کیا ہے کہ امام ابوحنیفہؒ نے اپنے شہر کی سب حدیثوں کو جمع کرلیا تھا اور شروع سے لے کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات تک تمام حدیثوں پر ان کی نظر تھی اس سے بڑھ کر امام صاحب کے حافظ حدیث ہونے کی اور کیا دلیل ہوگی کیونکہ اس وقت کوفہ مرکز علوم تھا وہاں بڑے بڑے حفاظ حدیث موجود تھے۔

(۴) یحییٰ بن معین کہتے ہیں کہ میں نے وکیع سے افضل کسی کو نہیں پایا اور وہ امام ابوحنیفہؒ کی رائے پر فتوے دیتے اور ان کی سب حدیثوں کے حافظ تھے انہوں نے امام صاحب سے بہت حدیثیں سنی ہیں۔

(۵) سفیان بن عیینہ کا قول گزر چکا ہے کہ مجھے سب سے پہلے امام ابوحنیفہؒ نے محدث بنایا میں کوفہ پہنچا تو امام صاحب نے لوگوں سے کہا یہ شخص عمرو بن دینار کی حدیثوں کا سب سے بڑا عالم ہے ان کے اس فرمانے سے لوگ میرے گرد جمع ہو گئے اور میں نے درس حدیث شروع کر دیا۔

(۶) محمد بن سماء (شاگرد امام محمد بن الحسن) کہتے ہیں کہ امام صاحب نے اپنی کتابوں میں ستر ہزار سے اوپر حدیثیں ذکر کی ہیں اور کتاب الآثار کو چالیس ہزار حدیثوں سے منتخب فرمایا ہے۔

(۷) حافظ ابن حجر نے تہذیب میں فرمایا ہے کہ محمد بن سعد عوفی کہتے ہیں کہ میں نے یحییٰ بن معین سے سنا کہ ابوحنیفہ ثقہ ہیں۔ وہی حدیث بیان کرتے ہیں جو حفظ یاد ہو اور جو حفظ یاد نہ ہو اس کی روایت نہیں کرتے (یعنی صرف کتاب پر اعتماد کر کے روایت نہیں کرتے)

(۸) صالح بن محمد نے یحییٰ بن معین سے روایت کیا ہے کہ ابوحنیفہؒ ثقہ ہیں۔ حافظ ابن عبدالبر نے کتاب الانتقاء میں بیان کیا ہے کہ ابن معین اور عبداللہ بن احمد دورتی سے سوال کیا گیا کہ کیا ابوحنیفہؒ سے حدیث سنی جائے؟ ابن معین نے کہا وہ ثقہ ہیں میں نے کسی کو انہیں ضعیف کہتے نہیں سنا۔ یہ شعبۃ بن الحجاج ان کو لکھتے ہیں کہ میرے حکم سے حدیث بیان کرو اور شعبہ شعبہ ہی ہے۔ الخ۔

(۹) ابن عبدالبر نے جامع العلم میں بیان کیا ہے کہ ابن معین سے کسی نے کہا اے ابوزکریا! کیا ابوحنیفہ حدیث میں سچے ہیں؟ فرمایا ہاں بہت سچے ہیں شعبہ کی رائے ان کے بارے میں بہت اچھی تھی۔ ابن عبدالبر نے یہ بھی نقل کیا ہے کہ علی بن المدینی نے کہا کہ ابوحنیفہ سے سفیان ثوری اور عبداللہ بن مبارک روایت کرتے ہیں وہ ثقہ ہیں ان میں کوئی بات نہیں۔

(۱۰) حافظ ابن الاثیر جزری فرماتے ہیں کہ ابوحنیفہ علوم شرعیہ میں بہت اچھے امام تھے ابن حجر مکی نے خیرات حسان میں لکھا ہے کہ شعبہ نے فرمایا بخدا ابوحنیفہؒ بہت سمجھدار اور اچھے حافظہ والے تھے۔ (تلک عشرۃ کاملہ)

ایک واقعہ

ابن مندہ نے اپنی سند سے ابن معین سے روایت کیا۔ ہے کہ میں نے علی بن سہر سے سنا کہ جب اعمش حج کو چلے تو قادسیہ پہنچ کر مجھے بلایا ان کو معلوم تھا کہ میں ابوحنیفہ کے حلقہ میں بیٹھا کرتا ہوں فرمایا کہ کوفہ واپس جاؤ اور ابوحنیفہ سے درخواست کرو کہ میرے واسطے احکام حج قلم بند فرمادیں۔ چنانچہ میں واپس ہوا اور ان سے یہ درخواست کی تو امام

صاحب نے مجھے احکام حج املا کرا دیئے۔ پھر میں اس کتاب کو لے کر اعمش کے پاس آیا (اس سے معلوم ہو گیا کہ محدثین کو امام صاحب کے علم پر کس قدر اعتماد تھا)

امام ابوحنیفہؒ کے علومرتبہ پر دیگر شہادتیں

(۱) امام اوزاعی فرماتے ہیں کہ مشکل مسائل کو ابوحنیفہ سب سے زیادہ جانتے ہیں۔

(۲) امام جعفر صادق نے فرمایا کہ ابوحنیفہ اپنے شہر میں سب سے بڑے فقیہ ہیں۔

(۳) یحییٰ بن آدم کہتے ہیں کہ میں نے حسن بن صالح سے سنا کہ ابوحنیفہؒ جہاں تک ہم جانتے ہیں حدیث میں بڑے ثقہ تھے۔

(۴) ابن مبارک فرماتے ہیں کہ مسعر (بن کرام) جب امام صاحب کو دیکھتے کھڑے ہو جاتے اور آپ کے سامنے بڑے ادب سے بیٹھتے تھے وہ امام صاحب کے بڑے معتقد اور ثنا خواں تھے، اور دنیا جانتی ہے کہ مسعر بن کرام حفظ حدیث اور زہد میں کوفہ کے لئے فخر تھے۔

(۵) سمعانی نے کتاب الانساب میں لکھا ہے کہ مسعر بن کرام فرماتے تھے جو شخص اپنے اور خدا کے درمیان ابوحنیفہؒ کو واسطہ بنا لے مجھے امید ہے کہ اس کو کوئی اندیشہ نہ ہوگا اور اس نے اپنے لئے احتیاط میں کچھ کوتاہی نہیں کی (کیونکہ امام صاحب کا مذہب احتیاط پر ہی مبنی ہے۔

(۶) ابن حجر نے قلائد العقیان میں لکھا ہے کہ امام سفیان ثوری فرماتے تھے کہ ہم امام ابوحنیفہ کے سامنے ایسے تھے جیسے باز کے سامنے چڑیا اور واقعی وہ سید العلماء ہیں (علماء کے سردار)

(۷) ابن خلکان نے اپنی تاریخ میں ابن معین کا یہ قول نقل کیا ہے کہ میرے نزدیک قرأت تو حمزہ کی قرأت ہے۔ اور فقہ ابوحنیفہؒ کا فقہ ہے میں نے اسی پر لوگوں کو پایا ہے۔

(۸) ابن حجر فرماتے ہیں کہ بعض ائمہ نے کہا ہے کہ مشہور اماموں میں کسی کو ایسے اصحاب اور شاگرد نصیب نہیں ہوئے جیسے امام ابوحنیفہؒ کو نصیب ہوئے اور علماء وعوام نے جتنا نفع امام ابوحنیفہ اور ان کے اصحاب سے احادیث مشکلہ کی تفسیر اور مسائل کے استنباط میں حاصل کیا اتنا اور کسی سے حاصل نہیں کیا۔

(۹) حافظ ابن عبدالبر فرماتے ہیں کہ جن محدثین نے امام اصاحب کے بارے میں کلام کیا ہے ان کے نزدیک امام صاحب میں بڑا عیب یہ تھا کہ وہ رائے اور قیاس میں زیادہ انہماک رکھتے تھے اور ہم بتلا چکے ہیں کہ یہ کوئی عیب کی بات نہیں (اگر فقیہ قیاس سے کام نہ لے تو قرآن حدیث سے مسائل کا استنباط کیونکر ہوگا؟ اور علم فقہ کس طرح مدون ہوگا؟)

(۱۰) یحیٰ بن معین کہتے ہیں کہ ہمارے اصحاب یعنی اہل حدیث امام ابوحنیفہ اور ان کے اصحاب کے بارے میں بہت زیادتی کرتے ہیں۔

(۱۱) ابن داؤد خریبی (جو اصحاب صحاح کے رجال میں ثقہ شمار ہوتے ہیں) فرماتے ہیں کہ امام ابوحنیفہ کے متعلق لوگ دو قسم پر ہیں ایک حاسد دوسرے جاہل اور میرے نزدیک ان میں جاہل اچھا ہے (کہ بے چارہ معذور ہے) ایک شخص نے ابن داؤد خریبی سے پوچھا کہ لوگوں نے (یعنی اہل حدیث نے) امام ابوحنیفہؒ میں کیا عیب دیکھا؟ فرمایا بخدا مجھے تو اس کے سوا اور کوئی عیب معلوم نہیں ہوا کہ ابوحنیفہ بولتے ہیں تو صحیح بات کہتے ہیں اور دوسرے بولتے ہیں تو خطا کرتے ہیں میں نے امام صاحب کو صفا مروہ کے درمیان سعی کرتے ہوئے دیکھا میں خود ان کے ساتھ تھا اور مخلوق کی نگاہیں ان پر جمی ہوئی تھیں۔

(۱۲) موسیٰ بن ابی عائشہ نے (جو اصحاب صحاح کے رجال میں ثقہ عابد تابعی ہیں) ایک بار امام صاحب کی کوئی حدیث بیان کی تو حاضرین میں سے ایک شخص نے کہا ہم ان کی حدیث نہیں چاہتے فرمایا خبردار اگر تم ان کو دیکھتے تو ضرور چاہتے مجھے تمہارے اور ان کے متعلق کسی شاعر کا یہی قول یاد آتا ہے۔

اقلوا علیهم ویلکم لا ابالکم
من اللوم اوسدو المکان الذی سدوا

ترجمہ: تمہارا ناس ہو تمہارا باپ مرے ان پر ملامت کم کردیا اس
جگہ کو پر کردو جسے انہوں نے پر کیا۔ (خطیب بغدادی)

(۱۳) علامہ عینی نبایہ شرح ہدایہ میں فرماتے ہیں کہ بڑے بڑے ائمہ نے امام صاحب کے مدح وثنا کی ہے جن میں عبداللہ بن مبارک، سفیان بن عیینہ، اعمش، سفیان ثوری، عبدالرزاق حماد بن زید اور وکیع جیسے حضرات ہیں۔ ائمہ ثلثہ امام مالک و شافعی احمد رحمہم اللہ امام صاحب کی رائے پر فتویٰ دیا کرتے تھے ان کے علاوہ اور دوسرے بھی بہت حضرات ہیں۔

(۱۴) اسماعیل بن ابی فدیک کہتے ہیں کہ میں نے امام مالکؒ کو دیکھا کہ امام ابوحنیفہ کے ہاتھ میں ہاتھ دیئے ہوئے چل رہے تھے جب مسجدی نبویؐ کے قریب پہنچے تو امام ابوحنیفہ کو آگے کردیا۔

(۱۵) نضر بن محمد مروزی شاگرد امام ابوحنیفہ کہتے ہیں کہ یحییٰ بن سعید انصاری اور ہشام بن عروہ اور سعید بن ابی عرہ کوفہ آئے تو امام صاحبؒ نے ہم سے فرمایا کہ جاؤ دیکھو ان کے پاس کوئی ایسی حدیث ہے جس کو ہمیں سننا چاہیے؟ اس سے امام صاحب کی طلب حدیث کی شان ظاہر ہے۔

(۱۶) حبان بن علی (محدث جلیل) فرماتے ہیں کہ دین و دنیا کے جس معاملہ میں بھی امام صاحبؒ کی طرف رجوع کیا جاتا تھا ان کے پاس کوئی اچھا اثر ضرور ملتا تھا (خواہ حدیث مرفوع ہو یا قول صحابہ و تابعین)

(۱۷) یحییٰ بن زکریا بن ابی زائدہ کہتے ہیں کہ مجھ سے میرے باپ نے فرمایا کہ بیٹا تم نعمان بن ثابتؒ کی صحبت کو اپنے اوپر لازم کرلو ان کی وفات سے پہلے ان سے علم حاصل کرلو۔ یحییٰ کہتے ہیں کہ بعض دفعہ میں امام ابوحنیفہؒ کے فتاوی اپنے باپ کے سامنے پیش کرتا تو بڑا تعجب کرتے تھے (یہ دونوں باپ بیٹے ثقات حفاظ میں سے ہیں)

(۱۸) وکیع بن جراح سے کسی نے کہا آپ امام زفر کے پاس بہت آتے جاتے ہیں؟ فرمایا تم لوگوں نے ہمیں امام ابوحنیفہ کے متعلق تو دھوکہ میں رکھا۔ یہاں تک کہ ان کا انتقال ہوگیا۔اب زفرؒ کے متعلق بھی دھوکہ دینا چاہتے ہوتا کہ ہمیں اس کے بعد اس کے شاگردوں کامحتاج بننا پڑے۔ (یہ وکیع بن جراح وہی ہیں جن کے متعلق یحییٰ بن معین کا قول گزر چکا ہے کہ میں نے ان سے افضل کسی کو نہیں پایا اور وہ امام ابوحنیفہؒ کے قول پر فتوی دیا کرتے تھے۔ ابتداء میں ناواقف حضرات کی طرح یہ بھی امام صاحب سے منحرف تھے۔ جامع ترمذی میں جو ان کے بعض اقوال امام صاحب کے خلاف مذکور ہیں وہ اسی زمانہ کے ہیں۔ بعد میں حقیقت منکشف ہوئی تو امام صاحب کی شاگردی اختیار کی مگر فقہ کی تکمیل نہ ہوئی تھی کہ امام صاحب کا انتقال ہوگیا تو امام زفر کی صحبت اختیار کی اس پر بعض محدثین نے اپنی ناگواری کا اظہار کیا تو بتلا دیا کہ تم لوگ دھوکہ میں ہو اور دوسروں کو بھی دھوکہ دینا چاہتے ہو۔تم نے امام صاحب کے اقوال کو سمجھا نہیں خواہ مخواہ ان کو مخالفت حدیث پر محمول کرنے لگے۔

امام ابوحنیفہؒ کے بارے میں خطیب بغدادی کے استاد کی شہادت

حافظ صمیری (خطیب بغدادی کے استاد جن کی وہ بہت تعریف اور توثیق کرتے ہیں (فرماتے ہیں کہ امام ابوحنیفہؒ کے شاگردوں میں علی بن مسہر بھی ہیں (جو اصحاب صحاح کے رجال ثقات میں سے ہیں) ان سے ہی سفیان ثوری نے امام ابوحنیفہؒ کا علم حاصل کیا اور ان کی کتابوں کو نقل کیا تھا۔ حافظ ابن سندہ نے اپنی سند کے ساتھ نقل کیا ہے کہ اعمش کے پاس ایک شخص آیا اور کوئی مسئلہ ان سے دریافت کیا تو فرمایا اس حلقہ میں پہنچ جاؤ مراد امام ابوحنیفہؒ کا حلقہ تھا کیونکہ ان کے سامنے جب کوئی مسئلہ آتا تو برابر اس میں باری باری کلام کرتے رہتے ہیں یہاں تک کہ صحیح جواب پا لیتے ہیں۔

امام ابوحنیفہ کا مذہب شخصی نہیں بلکہ شورائی ہے

امام طحاوی نے اپنی سند کے ساتھ اسد بن الضرات سے نقل کیا ہے کہ امام ابوحنیفہؒ کے جن اصحاب نے ان کی کتابیں مدون کی ہیں وہ چالیس افراد تھے جن میں دس

حضرات سب سے مقدم تھے جیسے امام ابو یوسف اور امام زفر اور داؤد طائی۔ اسد بن عمرو، یوسف بن خالد سمتی، یحییٰ بن زکریا بن ابی زائدہ یحییٰ بن زکریا نے تو تمیں سال تک خدمت کتابت وتدوین کا حق ادا کیا ہے۔

بقیہ حضرات کے نام خطیب بغدادی کی روایت میں مذکور ہیں یعنی حفص بن غیاث، قاسم بن معن، فضیل بن عیاض، حبان بن علی، مندل بن علی، امام محمد بن الحسن، وغیرہم خطیب نے اپنی سند کے ساتھ ابن کرامہ سے روایت کیا ہے کہ کسی نے وکیع بن جراح سے کہا کہ ابوحنیفہؒ نے (فلاں مسئلہ میں) خطا کی ہے تو انہوں نے امام صاحب کے ان اصحاب گرامی کا نام لے کر فرمایا کہ جس کو مجلس میں ایسے ایسے مجتہد اور حفاظ حدیث اور ماہران عربیت اور زہاد واتقیاء رہتے ہوں وہ کیسے خطا کر سکتا ہے اور خطا کر بھی جائے تو یہ لوگ اسے خطاء پر کیسے چھوڑ سکتے ہیں۔ یقیناً حق کی طرف لے آئیں گے۔ مفصل روایت اوپر گزر چکی ہے اس سے معلوم ہوا کہ مذہب ابوحنیفہؒ شخصی نہیں ہے بلکہ شورائی ہے کہ چالیس ائمہ اجلہ کے مشورہ کے بعد مسائل لکھے جاتے تھے۔

امام ابوحنیفہؒ جس طرح فقہ کے امام اعظم ہیں اسی طرح علم حدیث کے بھی بڑے امام اور مجتہد ہیں

کتب اسماء رجال واصول حدیث کے مطالعہ سے معلوم ہوگا کہ جرح وتعدیل کے باب میں جس طرح شعبہ اور امام مالک کے اقوال نقل کئے جاتے ہیں اسی طرح امام ابوحنیفہؒ کے اقوال بھی بیان کئے جاتے ہیں۔ امام سفیان ثوریؒ جیسے بزرگوں کے متعلق بھی امام صاحب سے دریافت کیا جاتا تھا کہ ان سے روایت کی جائے یا نہیں؟ امام صاحب نے فرمایا ہاں ان سے روایت کرو وہ ثقہ ہیں۔ مگر ابواسحاق کی حدیثیں حارث کے واسطہ سے نہ لینا۔ اسی طرح جابر جعفی کی حدیث بھی نہ لینا (کتاب المدخل للبیہقی) اس سے امام صاحب کا درجہ علم حدیث میں کس قدر بلند نظر آتا ہے کہ وہ سفیان ثوریؒ جیسے محدث جلیل کی حدیثوں پر ناقدانہ کلام فرماتے ہیں۔ حارث اعور اور جابر جعفی امام صاحب کے

نزدیک لائق اعتماد نہ تھے۔ مگر سفیان ثوریؒ ان کی حدیثوں کو بے تکلف روایت کرتے تھے اس لئے امام صاحب نے سائل کو متنبہ کر دیا کہ سفیان کی وہ حدیثیں نہ لینا جو ان مجروحین کے واسطہ سے ہوں۔ امام صاحب نے عطاء بن ابی رباحؒ، امام جعفر صادقؒ کی توثیق کی۔ زید بن عیاش کو مجہول کہا۔ طلق بن حبیبؒ کو قدری بتلایا۔ جہم بن صفوان کو معطلہ میں شمار کیا مقاتل کو مجسمہ میں داخل کیا اور ان کے یہ اقوال محدثین نے کتب اسماء رجال میں نقل کئے اور احتجاج و اعتماد کے ساتھ نقل کئے ہیں۔ عمرو بن دینارؒ کی کیفیت لوگوں کو امام صاحب ہی سے معلوم ہوئی۔ عبداللہ بن مغفلؓ صحابی کے بیٹے یزید کا نام امام صاحب کے سوا کسی کو معلوم نہ تھا اصول حدیث کی کتابوں میں برابر امام صاحب کے اقوال بیان کئے جاتے ہیں۔ ملاحظہ ہو تدریب الراوی اور مقدمہ اعلاء السنن وغیرہ جن سے امام کی عظمت شان کا اندازہ ہوتا ہے کہ وہ جس طرح فقہ میں امام اعظم ہیں اسی طرح علم حدیث کے بھی بڑے امام اور مجتہد ہیں علامہ ذہبی جیسے اہل انصاف نے اس کا اعتراف کیا ہے۔

تاریخ خطیب بغدادی کی مہمل روایات کی حقیقت

اس کے بعد تاریخ خطیب بغدادی کی وہ مہمل روایات جو مجہولین، کذابین، مجروحین سے نقل کی گئی ہیں سب پادر ہوا ہو گئیں کیونکہ اصول حدیث کا یہ قاعدہ مسلمہ ہے کہ جس شخص کی امامت و عدالت درجہ تواتر و شہرت کو پہنچ جائے اس کے متعلق کوئی جرح قبول نہ کی جائے گی۔ اور امام صاحب کی عدالت و امامت کی تو یہ شان ہے۔

کالشمس فی کبدالسماء وضوءھا یغشی البلاد مشارقا ومغاربا

جیسے آفتاب وسط آسمان چمک رہا ہو جس سے مشرق و مغرب میں روشنی پھیل رہی ہے اگر کسی اندھے کو آفتاب کی روشنی نظر نہ آئے تو اس میں آفتاب کا قصور نہیں اس کی آنکھوں کا قصور ہے۔

گر نہ بیند بروز شپرہ چشم چشمۂ آفتاب راچہ گناہ

پھر یہ بھی معلوم ہو چکا ہے کہ بہت لوگوں کو امام صاحب سے اور ان کے شاگردوں سے حسد تھا جو لوگ ان پر جرح کرتے تھے وہ افراط وتفریط اور حدود سے تجاوز کرتے تھے اور ظاہر ہے کہ ایسے لوگوں کی جرح ہرگز قابل التفات نہیں ہوسکتی۔

فدتـه نفوس الحاسدين فانها　　معذبة في حقرة و مغيب

وفي تعب من يحسد الشمس ضؤها　　ويجهد ان يأتي بها لضريب

حاسدوں کی جانیں ان پر فدا ہو جائیں کیونکہ وہ تو ان کے سامنے بھی عذاب میں گرفتار ہیں اور پیچھے بھی اور جو شخص آفتاب کی روشنی پر حسد کرنے لگے اور اس جیسا دوسرا لانے کی کوشش کرے وہ خود بھی پریشان ہوگا جس کو اس سے زیادہ امام صاحب کے فضائل ومناقب معلوم کرنے کا شوق ہو وہ میری کتاب انجاء الوطن کی طباعت کا انتظار کرے۔ انشاء اللہ اس کے مطالعہ سے اچھی طرح حقیقت منکشف ہو جائے گی۔

طلوع اسلام کے غلط دعاوی

اس کے بعد طلوع اسلام نے عنوان قائم کیا ہے کہ ''حنفی کیونکر اہل حدیث بن گئے'' اور یہ دعویٰ کیا ہے کہ حدیث کے معاملہ میں امام ابوحنیفہؒ کے مسلک کو حنفیہ نے چھوڑ دیا ہے وہ روایت پرست حضرات کے طوفان سے تنگ آ کر خود ان ہی کے سایہ میں پناہ لینے پر مجبور ہو گئے۔''

یہ ساری عمارت اسی غلط دعوے پر مبنی ہے جو گزشتہ اوراق میں کیا گیا ہے کہ فتنہ خلق قرآن فرو ہونے کے بعد طاقت اقتدار محدثین کے ہاتھ میں آ گئی تھی اور انہوں نے حنفیہ سے انتقام لینا شروع کیا تو وہ اہل حدیث سے مرعوب ہو گئے۔ ''ہم نے اس غلط بیانی پر طلوع اسلام کو تاریخ میں بدل ڈالنے میں انگریز کا شاگرد بتلا کر اس حقیقت کو واضح کر دیا ہے کہ اس فتنہ کے فرو ہو جانے کے بعد بھی عہدۂ قضا برابر حنفیہ کے ہاتھ میں رہا۔ ہمیں بتلایا جائے کہ فتنہ خلق قرآن فرو ہو جانے کے بعد محدثین کے ہاتھ میں محکمہ احتساب کب اور کس خلیفہ کے زمانہ میں آیا؟ اپنی طرف سے یہ ایک فرضی افسانہ

گھڑ لینا اور اس پر غلط دعوے کی بنیاد قائم کر کے یہ کہہ دینا کہ حنفیہ محدثین سے مرعوب ہو کر اہل حدیث بن گئے تھے۔ شیخ چلی کی خرافات نہیں تو اور کیا ہے؟ (مزید تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو الصدیق امامت نمبر بابت ماہ جمادی الاخری ۱۳۷۵ھ)

طلوع اسلام نے اس غلط بیانی کے بعد اس کا اعتراف کیا ہے کہ "اس طوفان بدتمیزی کے باوجود یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ امت کی اکثریت کا مسلک فقہ حنفی ہی کے مطابق رہا اور حنفی مسلمان اس وقت تک اہل حدیث سے الگ فرقہ کی حیثیت سے موجود چلے آتے ہیں اور نہ صرف موجود ہیں بلکہ اکثریت میں ہیں۔"

میں کہتا ہوں کہ فتنۂ خلق قرآن کے وقت بھی اور اس کے فرو ہو جانے کے بعد بھی امت کی اکثریت کا مذہب فقہ حنفی ہی تھا اور وہ کسی وقت بھی اہل حدیث سے مرعوب نہیں ہوئے نہ ان کے دامن میں پناہ لینے پر مجبور ہوئے یہ سب طلوع اسلام کا تراشا ہوا افسانہ ہے۔

طلوع اسلام کا یہ دعویٰ غلط ہے کہ حنفیہ کے نزدیک صرف متواتر حدیث قابل قبول ہے

آگے چل کر پھر وہی بے تکی ہانکی کہ احناف حدیث کے معاملہ میں ظاہری طور پر اپنی فقہ کے موسس امام اعظم ابوحنیفہؒ کے متبع نہیں رہے لیکن حدیث کو قبول کرنے کے لئے خود ان کی اصول کی کتابوں میں جو شرائط مذکور ہیں وہ اہل حدیث کی شرائط سے بالکل مختلف ہیں پھر علامہ محمد الخضر ی مصری کے حوالہ سے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ "حنفیہ کے نزدیک صرف متواتر حدیث ہی اصولاً قابل قبول ہے۔" ہم پہلے کہہ چکے ہیں کہ کسی امام کا مذہب معلوم کرنے کے لئے خود ان کی کتابوں اور اس کے اصحاب کی کتابوں کا مطالعہ کرنا چاہیے۔ دنیا کے سامنے مسانید امام اعظم موجود ہیں۔ امام محمدؒ کی موطا اور کتاب الآثار، امام ابو یوسفؒ کی کتاب الخراج اور کتاب الآثار طبع ہو چکی ہیں۔ کیا طلوع اسلام یہ دعویٰ کرسکتا ہے کہ ان کی سب حدیثیں متواتر ہیں؟ امام محمد نے کتاب الحج

اور موطا میں جن احادیث سے مالکیہ کے اقوال کا رد کیا ہے اور امام ابو یوسف نے سیر الاوزاعی کی تنقید میں جو روایات بیان کی ہیں کیا وہ بھی سب متواتر ہیں؟ اگر جواب اثبات میں ہے تو اس کا یہ دعویٰ غلط ہو گیا کہ خبر متواتر کی تعداد ایک یا دو سے زیادہ نہیں'' اور اگر نفی میں ہے تو یہ دعویٰ غلط ہے کہ حنفیہ کے نزدیک صرف متواتر حدیث ہی قابل قبول ہے متاخرین کی کتابوں کو چھوڑ دو کہ وہ تو طلوع اسلام کے نزدیک محدثین کے نزدیک مرعوب ہو گئے تھے خود امام اعظمؒ اور ان کے اصحاب کی کتابیں اس بات کو واضح کر رہی ہیں کہ فقہ حنفی کے موسس اخبار آحاد کو حجت مانتے اور ان سے احکام کا برابر استنباط کرتے رہتے ہیں ہلال رازی کی کتاب الاوقاف طبع ہو چکی ہے اور وہ بلا واسطہ امام ابو یوسفؒ کے شاگرد ہیں امام جصاص رازیؒ امام طحاویؒ صرف دو واسطوں سے امام محمدؒ وابو یوسفؒ کے شاگرد ہیں۔ امام سرخسیؒ اور شمس الائمہ بزدویؒ تین چار واسطوں سے صاحبین کے شاگرد ہیں ان کی کتابیں اصول فقہ حنفی میں دنیا کے سامنے ہیں۔ کیا کوئی ان کتابوں سے ثابت کر سکتا ہے کہ حنفیہ کے نزدیک صرف خبر متواتر ہی حجت ہے اخبار آحاد حجت نہیں۔

طلوع اسلام کے دعوی کی تردید اور اخبار آحاد کے قبول کرنے کی شرائط

فقہ حنفی کے موسس اعلیٰ اور ان کے اصحاب کی کتابوں سے اخبار آحاد کے قبول کرنے کی جو شرائط معلوم ہو رہی ہیں مختصراً حسب ذیل ہیں۔

(۱) مراسیل ثقات حجت ہیں جبکہ ان سے قوی تر حجت معارض نہ ہو حدیث مرسل کا حجت ہونا قرون فاضلہ میں سنت متوارث تھی۔ ابن جریر کا قول ہے کہ مرسل کو مطلقاً رد کر دینے کی بدعت دوسری صدی کے شروع میں ظاہر ہوئی ہے (ملاحظہ ہو اصول باجی وتمہید ابن عبدالبر وشرح علل الترمذی لابن رجب) امام بخاری جزو قرأت خلف الامام وغیرہ میں تو مرسل سے احتجاج کرتے ہی ہیں۔ مگر جاننے والے جانتے ہیں کہ انہوں نے بعض مقامات پر اپنی صحیح میں بھی مرسل سے احتجاج کیا ہے۔ صحیح مسلم میں بھی کچھ مراسیل موجود ہیں (ملاحظہ ہو مقدمہ فتح الملہم شرح صحیح مسلم للعلامۃ العثمانی) جو لوگ

محض ارسال کی بناء پر مرسل کو مطلقاً ضعیف قرار دے کر رد کر دیتے ہیں وہ احادیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا آدھا حصہ چھوڑتے ہیں جس کو امام ابوحنیفہ نے قبول کیا ہے امام ابوحنیفہ کا مرسل کو حجت سمجھنا ایسا مشہور مسئلہ ہے جس سے علم فقہ کا ادنیٰ طالب علم بھی انکار نہیں کر سکتا مذہب حنفی کے بہت سے مسائل حدیث مرسل ہی پر مبنی ہیں جیسے نماز میں قہقہہ سے وضو کا باطل ہو جانا اور دارالحرب میں حربی کافر سے سودی معاملہ کا جائز ہونا وغیرہ وغیرہ۔ اگر طلوع اسلام کے نزدیک حنفیہ صرف حدیث متواتر ہی کو حجت مانتے ہیں تو وہ بتلائیں کہ ان مسائل میں حنفیہ کے پاس کون سی متواتر حدیث ہے؟ اور جبکہ امام صاحب کے نزدیک حدیث مرسل حجت ہے تو یہ دعویٰ بھی غلط ہے کہ امام ابوحنیفہ اسی حدیث کو مانتے ہیں جس پر فقہاء امصار متفقۃ عامل ہوں کیونکہ ہر شخص جانتا ہے کہ حدیث مرسل کو تمام فقہاء نہیں مانتے۔

(۲) قرآن وسنت سے جو اصول کلیہ جمع کئے گئے ہیں اگر کوئی خبر واحد ان اصول کے خلاف وارد ہوگی تو اس میں تاویل کی جائے گی۔ اصول کو نہیں چھوڑا جائے گا جیسے حدیث مصراۃ قاعدہ کلیہ الخراج بالضمان کے خلاف ہے حنفیہ نے اس کو حکم سیاسی پر محمول کیا ہے اگر کسی وقت خلیفہ کو ضرورت محسوس ہو تو سیاستۃً حدیث مصراۃ کو جاری کیا جا سکتا ہے۔ ورنہ اصل قاعدہ پر عمل کیا جائے گا۔ علماء اور فقہا اس اشارہ کو سمجھ جائیں گے۔ اگر ادارہ طلوع اسلام نہ سمجھے تو اس کی فہم کا قصور ہوگا۔

مخالفیت اصول کی بناء پر کسی صحیح حدیث کے ظاہر کو چھوڑ دینا اور اس میں تاویل کرنا حدیث کی مخالفت نہیں بلکہ قوی دلیل کو ضعیف پر ترجیح دینا ہے جس سے کسی مجتہد کو بھی چارہ نہیں۔

(۳) امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک کتاب اللہ کے عمومات اور ظواہر بھی قطعی ہیں اگر خبر واحد کسی عام یا ظاہر کتاب اللہ کے خلاف وارد ہوگی تو اس میں تاویل کی جائے گی کتاب اللہ کے عموم یا ظاہر کو نہیں چھوڑا جائے گا۔

(۴) جو خبر واحد کتاب اللہ کے عموم یا ظاہر کے خلاف نہ ہو بلکہ مجمل کتاب اللہ

کا مطلب واضح کررہی ہو وہ امام ابوحنیفہ کے نزدیک حجت ہے کیونکہ جب کتاب اللہ کی عبارت مجمل ہے تو بغیر بیان کے وہ کسی حکم پر دلالت نہیں کرسکتی جیسے آیت وضو میں لفظ وَ امْسَحُوْ ابِرُءُ وْ سِکُمْ مجمل ہے اس سے نہیں معلوم ہوتا کہ پورے سر کا مسح مراد ہے یا بعض کا تو جن اخبار آحاد میں مسح ناصیہ کا ذکر ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سر کے اگلے حصہ پر مسح کیا ہے ان کو آیت کا بیان قرار دے کر حنفیہ نے چوتھائی سر کا مسح لازم کیا۔ اسی طرح والمطلقٰت یتربّصن بانفسھن ثلاثۃ قروء میں لفظ قروء مجمل ہے کہ اس سے مراد حیض ہے یا طہر کیونکہ لغۃً یہ لفظ دونوں معنی میں مستعمل ہے حنفیہ نے حدیث عدۃ الامتہ حیضتان کو اس کا بیان قرار دے کر ثلثۃ قروء سے تین حیض مراد لئے ہیں۔ کیا طلوع اسلام کے نزدیک یہ حدیثیں متواتر ہیں؟ اگر نہیں تو یہ کہنا غلط ہے کہ حنفیہ متواتر کے سوا کسی حدیث کو نہیں مانتے۔

(۴) خبر واحد کے مقبول ہونے کے لئے یہ بھی شرط ہے کہ سنت مشہورہ کے خلاف نہ ہو خواہ سنت مشہورہ قولی ہو یا فعلی کیونکہ سنت مشہورہ بہر حال مقدم ہے اگر اس کے خلاف خبر واحد وارد ہوگی تو یا منسوخ ہوگی یا مؤوّل۔

(۵) ایک شرط یہ بھی ہے کہ ایک خبر واحد کے معارض دوسری خبر واحد نہ ہو اگر دو خبریں معارض ہوں گی تو ایک کو دوسری پر ترجیح دی جائے گی۔ وجوہ ترجیح معلوم کرنے کے لئے میرا مقدمہ اعلاء السنن ملاحظہ کیا جائے نماز کے اندر آمین بلند آواز سے کہنا اور رکوع میں جاتے ہوئے اور رکوع سے سر اٹھانے کے وقت رفع یدین کرنا اسی اصل کے ماتحت ہے کہ اس میں متعارض خبریں وارد ہیں امام صاحب نے آمین بالسر اور ترک رفع یدین کی روایت کو ترجیح دی ہے۔ دوسری روایتوں کو تعلیم پر محمول کیا یا منسوخ قرار دیا۔

(۶) ایک شرط یہ بھی ہے کہ خود راوی کا عمل اپنی روایت کے خلاف نہ ہو۔ جیسے ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث اذا ولغ الکلب فی اناء احد کم فلیغسلہ سبعا الخ جب کتا کسی برتن میں منہ ڈال دے تو اس کو سات دفعہ دھویا جائے ان کے فتوے کے خلاف ہے جس میں تین بار دھونے کو کافی کہا گیا ہے اس صورت میں عمل راوی کو ترجیح دی جائیگی۔ اور

روایت کو استحباب وغیرہ پر محمول کیا جائے گا۔ اس اصول میں بہت سے فقہاء سلف امام صاحب کے ساتھ ہیں۔ جیسا شرح علل الترمذی لابن رجب کے مطالعہ سے معلوم ہوگا۔

(۷) عموم بلویٰ میں خبر واحد قبول نہ کی جائے گی یعنی صحابہ و تابعین و تبع تابعین کے زمانہ میں جو عمل عام طور سے رواج پذیر ہوا اس کے خلاف خبر مشہور یا متواتر ہی قبول کی جاسکتی ہے خبر واحد قبول نہ کی جائے گی۔ جیسے تراویح کا بیس رکعت ہونا حضرت عمر اور حضرت عثمان اور حضرت علی رضی اللہ عنہم کے زمانہ میں اور ان کے بعد بھی عام معمول تھا اس کے خلاف مؤطا کی وہ روایت قبول نہ کی جائے گی جس میں تراویح کی آٹھ رکعت مذکور ہیں۔ اس کو راوی کا وہم قرار دیا جائے گا کہ اس کو تراویح اور تہجد میں خلط ہوگیا ہے یا کسی عذر پر محمول کیا جائے گا۔

(۸) جو خبر واحد کسی ایسے حکم کے متعلق وارد ہو جس میں صحابہ کا اختلاف ہے تو اس کے مقبول ہونے کی شرط یہ ہے کہ اختلاف کرنے والوں میں سے کسی صحابی نے اس حدیث کو رد نہ کیا ہو جسے ایک صحابی روایت کر رہا ہے۔

(۹) خبر واحد کے مقبول ہونے کی ایک شرط یہ بھی ہے کہ سلف میں سے کسی نے اس حدیث میں یا اس کے راوی میں کوئی جرح نہ کی ہو سلف سے مراد صحابہ و اکابر تابعین ہیں۔

(۱۰) حدود اور تعزیرات میں اختلاف روایات کے وقت اسی روایت کو ترجیح ہوگی جس میں زیادہ خفت ہو۔

(۱۱) اسی طرح حدود میں اختلاف روایات کے وقت اسی روایت کو لیا جائے گا جس میں احتیاط کا پہلو زیادہ ہو۔

کیونکہ حدود کو شبہات سے ساقط کر دینے کا حکم ہے۔ اسی لئے امام صاحبؒ نے دس درہم (پونے تین روپے) سے کم قیمت کا مال چرانے میں چور کا ہاتھ کاٹنے کو منع فرمایا ہے کیونکہ اس باب میں روایات مختلف ہیں بعض میں رُبع دینار آیا ہے (اڑھائی درہم) بعض میں دس درہم آیا ہے احتیاط اسی میں ہے کہ دس درہم کی روایت کو ترجیح دی جائے۔

(۱۲) حدیث سننے کے بعد سے روایت کرنے کے وقت تک راوی کو حدیث حفظ یاد ہو۔ درمیان میں کسی وقت بھولا نہ ہو۔ اگر اس نے استاذ سے حدیث سن کر قلم بند کر لی۔ پھر حفظ یاد نہ رہی تو صرف کتاب کے بھروسہ پر روایت کرنا امام صاحب کے

نزدیک جائز نہیں۔ صاحبین اور جمہور فقہا و محدثین کے نزدیک جائز ہے جبکہ اپنی قلم کو پہچانتا ہے اور کتاب کی پوری حفاظت کرتا رہا ہے۔

طلوع اسلام کا دعویٰ جہالت پر مبنی ہے

حافظ محمد بن یوسف صالحی (شافعی) نے اپنی کتاب عقود الجمان فی مناقب النعمان میں حافظ ابوبکر بن ابی شیبہ کے ان اعتراضات کے جواب میں جو امام ابوحنیفہؒ پر انہوں نے اپنی مصنف میں کئے ہیں۔ ان ہی اصول کا ذکر کر کے فرمایا ہے کہ امام نے ان اصول کی بناء پر بعض اخبار آحاد پر عمل نہیں کیا اور اس میں وہ منفرد نہیں ہیں کیونکہ کوئی مجتہد بھی یہ دعویٰ نہیں کر سکتا کہ وہ ساری حدیثوں پر عمل کرتا ہے۔ جب کسی مسئلہ میں مختلف روایتیں ہوں گی لامحالہ ایک کو لیا جائے گا۔ دوسری کو ترک کیا جائے گا۔ پھر وجوہ ترجیح میں مجتہدین کی رائیں مختلف ہو سکتی ہیں کوئی حفظ و اتقان رواۃ کی بناء پر ایک روایت کو دوسری پر ترجیح دیتا ہے کوئی فقہ راوی کی بناء پر ترجیح دیتا ہے کبھی ضعیف روایت کو حسن یا صحیح پر اس لئے ترجیح دی جاتی ہے کہ وہ سنت مشہورہ یا عموم کتاب اللہ یا ظاہر کتاب اللہ یا عمل صحابہ کے موافق ہے اس موافقت کی وجہ سے اس کا ضعف مبدل بقوت ہو جاتا ہے۔ طلوع اسلام کا یہ دعویٰ کہ حنفیہ زبان سے حدیث کا اقرار تو کرتے ہیں لیکن اس طرح کہ جب حدیث پر عمل کرنے کا سوال سامنے آئے تو یا تو کوئی حدیث ان کی شرائط پر پوری ہی نہ اترے اور یا ضعیف اور موضوع حدیثوں کی آڑ لے لی جائے۔" محض جہالت پر مبنی ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ حنفیہ سے زیادہ حدیث پر عمل کسی کا بھی نہیں ہے جب ان کے نزدیک حدیث مرسل بھی حجت ہے تو موصول کیسے حجت نہ ہوگی؟ شافعیہ اور محدثین صرف موصول کو حجت مانتے ہیں۔ مرسل و منقطع کو ارسال و انقطاع کی علت سے رد کر دیتے ہیں۔ اب ہمیں بتلایا جائے کہ حدیث پر عمل حنفیہ زیادہ کرتے ہیں یا شافعیہ اور اہلحدیث؟

ایک غلط فہمی کا ازالہ

یہ ضروری ہے کہ حنفیہ کے پاس بھی خبر واحد کی صحت وضعف کا فیصلہ کرنے کیلئے کچھ اصول ہیں جن کا نمونہ اوپر گزر چکا ہے دوسرے ائمہ اور محدثین کے پاس بھی کچھ

اصول ہیں تو ہوسکتا ہے کہ ایک حدیث محدثین کے اصول پر صحیح ہو حنفیہ کے اصول پر صحیح نہ ہو یا محدثین کے اصول پر ضعیف ہو حنفیہ کے اصول پر ضعیف نہ ہو۔ اس کے باوجود ہمارا دعویٰ یہ ہے کہ جس حدیث کو محدثین نے اپنے اصول پر صحیح کہا ہے حنفیہ نے اس کو رد کبھی نہیں کیا بلکہ ہمیشہ محمل حسن پر محمول کیا ہے جس کو شک ہو وہ ہماری کتاب اعلاء السنن اور اس کے مقدمہ انہاء السکن کا مطالعہ کرے۔

حنفیہ پر ایک افتراء

رہا حدیث کا موضوع کی آڑ لینا یہ تو سراسر افترا ہے۔ حنفیہ نے کسی مسئلہ میں بھی حدیث موضوع کی آڑ نہیں لی۔ یہ ہوسکتا ہے کہ ابن الجوزی جیسے متشددین نے کسی صحیح حدیث کو بھی موضوع کہہ دیا ہو اور دوسرے محدثین نے اس کو موضوع نہ مانا ہو۔ حنفیہ نے عام محدثین کے قول کو راجح قرار دے کر حدیث کے موضوع ہونے سے انکار کر دیا ہو، حدیث کو موضوع مان لینے کے بعد اس سے استدلال کرنا تو کجا اس کا روایت کرنا بھی جائز نہیں۔ جب تک یہ تصریح نہ کر دی جائے کہ یہ حدیث موضوع ہے قول رسول نہیں ہے۔

طلوع اسلام کی ایک اور جہالت

آگے چل کر طلوع اسلام نے علامہ خضری مصری کے حوالہ سے امام ابو یوسفؒ کی کتاب الرد علی الاوزاعی کا اقتباس دیا ہے جس میں امام ابو یوسف فرماتے ہیں کہ

''تم صرف اس حدیث کو لو جو عام طور پر لوگوں کو معلوم ہو اور شاذ حدیث کو چھوڑ دو''

اس میں کوئی ایسی بات نہیں جو طلوع اسلام کے مسلک کی تائید کرتی ہو۔ محدثین وفقہا سب کے نزدیک روایت شاذہ حجت نہیں، خصوصاً جبکہ عموم بلویٰ میں وارد ہو تو حنفیہ کے نزدیک اصلا حجت نہیں۔

طلوع اسلام کی علمیت

اس کے بعد امام ابو یوسفؒ کے واسطہ سے چند حدیثیں بیان کی ہیں جو اکثر مرسل یا منقطع ہیں ان میں سے کوئی بھی مشہور یا متواتر نہیں اور طلوع اسلام کا دعویٰ یہ ہے

کہ حنفیہ کے نزدیک متواتر کے سوا کوئی حدیث قابل قبول نہیں۔ پس یا تو امام ابو یوسفؒ کی طرف ان احادیث کی نسبت غلط ہے یا طلوع اسلام کا یہ دعویٰ غلط ہے کہ حنفیہ کے نزدیک صرف حدیث متواتر ہی قابل قبول ہے۔ پھر جس شمارہ میں امام ابو یوسف کی کتاب الرد علی الاوزاعی کا اقتباس دیا گیا ہے اسی میں حدیث مثلہ معہ کی تحقیق میں یہ دعویٰ بھی کیا گیا ہے کہ محدثین کی کتابوں میں جھوٹی حدیثیں داخل کر دی جاتی تھیں (ص ۶۶ طلوع اسلام دسمبر ۱۹۵۲ء) تو اس کی کیا ضمانت ہے کہ امام شافعی کی کتاب الام میں امام ابو یوسف کی کتاب الرد علی الاوزاعی بھی اسی طرح داخل نہ کر دی گئی ہو؟ آخر اس کی کیا وجہ کہ امام ابو یوسف کی یہ کتاب نہ امام محمد روایت کرتے ہیں نہ ہلال رازیؒ نہ عصام بن یوسفؒ نہ محمد بن سماعہؒ وغیرہم جو امام ابو یوسفؒ کے خاص شاگرد اور ان کی فقہ حنفی کے راوی اور امام ابوحنیفہ کے مقلد و متبع بھی ہیں صرف امام شافعی ہی کتاب الام میں روایت کرتے ہیں اور کتاب الام کو امام شافعیؒ سے روایت کرنے والا بھی تنہا ربیع بن سلیمان ہے جس کی حالت یہ ہے کہ امام شافعیؒ اور امام محمدؒ کے مناظرات و مکالمات کو ایسے انداز سے بیان کرتا ہے جس سے امام محمدؒ امام شافعیؒ کے سامنے طفل مکتب نظر آتے ہیں حالانکہ دنیا جانتی ہے اور خود شافعیہ کو بھی اس کا اعتراف ہے کہ امام شافعیؒ امام محمد کے شاگرد ہیں مسند شافعی میں ایسی روایتیں بکثرت موجود ہیں جو امام شافعیؒ نے امام محمدؒ سے روایت کی ہیں مگر کتاب الام کو اٹھا کر دیکھ لیجئے۔ اس میں ان دونوں استاد شاگرد کے مناظرے اور مکالمے اس انداز سے بیان کئے گئے ہیں کہ استاد شاگرد معلوم ہوتا ہے اور شاگرد استاد پس یا تو ربیع بن سلیمان قابل اعتماد نہیں جیسا بعض محدثین[1] کا خیال ہے یا بقول طلوع اسلام کتاب الام میں بھی جھوٹی حدیثیں داخل کر دی گئی ہیں۔

---

[1] قال مسلمة كان (ای ربیع بن سلمان) یوسف بفضلة شديدة وهو ثقة وروى ابو الحسين الرازى الحافظ عن على بن ابى حسان الزيادى سمعت ابايزيد القراطبى يوسف بن يزيد يقول سماع الربيع بن سلمان من الشافعى ليس بالثبت وانما اخذ اكثر الكتب من ان البويطى بعد موت البويطى كذا فى التهذيب ص ۲۴۶ ج ۳

حدیث رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں جو کچھ ہے وہ قرآن ہی کا بیان ہے اور اسی کی تشریح ہے

مدیر طلوع اسلام کو چیلنج

یہ تو الزامی جواب تھا۔ جس سے عہدہ برآ ہونا طلوع اسلام کیلئے آسان نہیں ہے۔ تحقیقی جواب یہ ہے کہ اس پر تو پوری امت کا اتفاق ہے کہ جو حدیث قرآن کے مخالف ہو۔ وہ ہرگز قابل قبول نہیں مگر اس کا فیصلہ کرنا فقہاء مجتہدین ہی کا کام ہے کہ کون سی حدیث مخالف قرآن ہے۔ یہ کسی پ ت ع کا منصب نہیں۔ جو نہ قرآن کو سمجھتے ہیں نہ حدیث کو اور سمجھنا تو دور رہا قرآن وحدیث کو صحیح طور پر پڑھ بھی نہیں سکتے۔ ان لوگوں کی عقل کا اسی سے اندازہ کرلیا جائے کہ جو حدیثیں ایسے مضامین پر مشتمل ہوں۔ جن سے قرآن خاموش ہے وہ بھی ان کے نزدیک قرآن کے خلاف ہیں اور دلیل کیسی خوبصورت بیان کی گئی ہے کہ قرآن جس مسئلہ میں خاموش ہے، حدیث اگر قرآن کے موافق ہے تو اس کو بھی خاموش ہی رہنا چاہیے۔ ایسی جگہ حدیث کا زبان کھولنا ضرور قرآن کی مخالفت ہے اور مدیر طلوع اسلام اس دلیل پر حاشیہ چڑھاتا ہے سبحان اللہ ایدک اللہ بروح منہ (ص ۵۳ دسمبر ۱۹۵۲ء)

ان عقل کے دشمنوں سے کوئی پوچھے کہ قرآن تو اتنا کہہ کر خاموش ہو گیا ہے نِسَاءُ كُمْ حَرْثٌ لَّكُمْ فَأْتُوا حَرْثَكُمْ اَنّٰى شِئْتُمْ اس نے کچھ نہیں بتلایا کہ یہاں حرف انی کیف کے معنی میں ہے یا مِنْ اَيْنَ کے۔ پہلی صورت میں ترجمہ یہ ہوگا۔ تمہاری بیبیاں تمہارے لئے بمنزلہ کھیت کے ہیں۔ تو اپنے کھیت میں جس طرح چاہو آؤ۔ دوسری صورت میں ترجمہ یہ ہوگا کہ اپنے کھیت میں جس طرف سے چاہو آؤ۔ دوسری صورت میں بیوی سے پیچھے کی طرف سے بھی وطی کرنا جائز ہو جاتی ہے جیسا بعض علماء شیعہ کا خیال ہے تو کیا حدیث کو یہاں خاموش ہی رہنا چاہیے؟ اور اگر کسی حدیث میں اس کی تشریح کر دی گئی کہ یہاں انی بمعنی کیف ہے تو وہ خلاف قرآن ہوگی؟ اور کیا ادارہ طلوع اسلام اس مسئلہ میں شیعہ کی ہم نوائی پر آمادہ ہوگا؟

اسی طرح آیت فَمَا اسْتَمْتَعْتُمْ بِهٖ مِنْهُنَّ فَاٰتُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ فَرِيْضَةً میں قرآن خاموش ہے کہ یہاں استمتاع سے مراد وطی اور دخول ہے یا نکاح متعہ۔ دوسری صورت میں اس سے نکاح متعہ کا جواز نکلتا ہے۔ جیسا عام علماء شیعہ کا خیال ہے تو کیا طلوع اسلام کے نزدیک یہاں بھی حدیث کو خاموش ہی رہنا چاہیے؟ اور کیا وہ نکاح متعہ کو جائز قرار دیگا؟

اسی طرح آیت اَقِمِ الصَّلٰوةَ لِدُلُوْكِ الشَّمْسِ اِلٰى غَسَقِ الَّيْلِ وَقُرْاٰنَ الْفَجْرِ اتنا کہہ کر خاموش ہے کہ آفتاب ڈھلنے سے لے کر رات کی اندھیری تک نماز پڑھتے رہو۔ کیا یہاں بھی حدیث کو خاموش رہنا چاہیے؟ اور کیا ادارۂ طلوع اسلام سورج ڈھلنے سے لے کر رات کی اندھیری تک نماز پڑھتے رہنے اور دنیا کے سب کاروبار چھوڑ دینے کو فرض کہے گا؟ اور جن حدیثوں میں ظہر وعصر مغرب وعشا کے اوقات کی تحدید مذکور ہے۔ ان کو خلاف قرآن کہے گا؟

اسی طرح آیت وَيَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْمَحِيْضِ قُلْ هُوَ اَذًى فَاعْتَزِلُوا النِّسَاءَ فِى الْمَحِيْضِ وَلَا تَقْرَبُوْهُنَّ حَتّٰى يَطْهُرْنَ میں قرآن یہ کہہ کر خاموش ہے کہ حیض گندی چیز ہے اس حالت میں تم بیبیوں سے الگ رہو۔ اور جب تک پاک نہ ہو جائیں ان کے پاس نہ جاؤ۔ جس کا ظاہری مفہوم یہ ہے کہ حائضہ عورت سے بالکل الگ تھلگ رہنا چاہیے نہ اس کے ہاتھ کی روٹی کھائی جاوے نہ پانی پیا جاوے نہ اسے کسی چیز کو ہاتھ لگانے دیا جائے۔ جیسا یہود اور ہنود کا عمل ہے تو کیا یہاں بھی حدیث کو خاموش رہنا چاہیے؟ اور کیا ادارۂ طلوع اسلام حائضہ عورت سے وہی معاملہ کرے گا۔ جو یہود و ہنود کیا کرتے ہیں؟

اسی طرح آیت وَيُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبٰتِ وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبٰٓئِثَ تو اتنا کہہ کر خاموش ہے کہ پاکیزہ چیزیں حلال ہیں اور خبیث چیزیں حرام ہیں ان کی نشان دہی نہیں کی گئی کہ طیبات کیا ہیں۔ خبائث کیا ہیں؟ اگر اس کو ہر قوم کی صوابدید پر چھوڑ دیا جائے تو بعض قومیں تو کتے، بلی، سانپ، بندر، گدھے، خچر کو بھی طیبات میں شمار کرتی ہیں اور بے تکلف کھاتی ہیں۔ تو کیا حدیث کو بھی اس جگہ خاموش رہنا چاہیے؟ اور کیا ادارۂ طلوع اسلام کتے، بلی، گدھے، خچر اور سانپ اور بندر کو حلال قرار دیگا؟ اگر نہیں تو اس کا یہ

دعویٰ غلط ہے کہ قرآن جس مسئلہ میں خاموش ہے۔ وہاں حدیث کو بھی خاموش رہنا چاہیے اور ایسی جگہ حدیث کا زبان کھولنا قرآن کی مخالفت ہے۔

اس عقلمند سے کوئی پوچھے کہ اگر حدیث کا ایسے مسائل میں زبان کھولنا قرآن کی مخالفت ہے تو فقہ کا زبان کھولنا تو اس سے بھی بڑھ کر ہوگا۔ پھر تو فقہ کی ساری عمارت ہی منہدم ہو جائے گی۔ کیا فرماتے ہیں خضری مصری مصنف تاریخ الفقہ الاسلامی ایسی جماعت کے بارہ میں جو ان کی تاریخ الفقہ کے حوالہ سے اپنا الو اس طرح سیدھا کرنا چاہتی ہے کہ سرے سے فقہ ہی دنیا سے نیست و نابود ہو جائے۔ جس پر عالم اسلام کو فخر ہے اور دوسری تو میں بھی اس کی عظمت کے سامنے گردنیں جھکا دیتی ہیں اور علامہ خضری بھی اس کی عظمت وجلالت کے قائل ہیں۔

کوئی بوج بجھکڑ

ممکن ہے ادارہ طلوع اسلام کا کوئی بوج بجھکڑ یہ جواب دینے کی کوشش کرے کہ ان مسائل مذکورہ میں قرآن خاموش تو نہیں ہے۔ بالا جمال ناطق ہے اور اجمال کی تفسیر کے لئے حدیث کو زبان کھولنے کا حق ہے۔

تو ہم کہیں گے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی جتنی بھی صحیح حدیثیں ہیں وہ قرآن کا بیان اور تشریح وتوضیح ہی ہیں۔ مگر اس کے سمجھنے کے لئے عقل سلیم کی ضرورت ہے۔ سلیم کے نام خطوط لکھ دینا کافی نہیں۔ قرآن صاف صاف کہہ رہا ہے، وَاَنْزَلْنَآ اِلَیْکَ الذِّکْرَ لِتُبَیِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَیْهِمْ وَلَعَلَّهُمْ یَتَفَکَّرُوْنَ ○ ہم نے آپ پر یہ قرآن نازل کیا ہے تا کہ آپ لوگوں کے سامنے اس بات کو کھول کر بیان کر دیں۔ جو ان کی طرف نازل کی گئی ہے اور تا کہ وہ خود بھی فکر سے کام لیں۔ پس حدیث رسول میں جو کچھ ہے۔ وہ قرآن ہی کا بیان اسی کی تشریح ہے۔ اس کے سوا کچھ نہیں۔

قرآن کریم کے ارشادات کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے برابر کوئی نہیں سمجھ سکتا

اس لئے وہ حدیث ہمارے خلاف نہیں۔ جس میں بقول طلوع اسلام رسول

اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ میں صرف اس چیز کو حرام کرتا ہوں ۔ جس کو قرآن نے حرام کیا ہے۔'' الخ

مگر قرآن کے ارشادات کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے برابر نہ صحابہ سمجھتے تھے نہ فقہاء مجتہدین تو ادارہ طلوع اسلام کس شمار میں ہے۔ اس لئے جن چیزوں کو حدیث میں حرام کیا گیا ہے اور تم کو قرآن میں ان کی حرمت نظر نہیں آتی ۔ یہ تمہاری نظر کا قصور ہے۔ اور اگر کسی کو یہ دعویٰ ہے کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے برابر قرآن کو سمجھتا ہے۔ وہ اپنے ایمان کی خیر منائے ۔ ایسا شخص قابل خطاب نہیں۔

﴿قال الشاطبی رحمہ اللّٰہ السنة راجعة فی معناها الی الکتاب فهی تفصیل مجمله و بیان مشکله و بسط مختصره و ذلک لانها بیان له وهو الذی دل علیه قوله تعالی و انزلنا الیک الذکر لتبین للناس مانزل الیهم فلا تجد فی السنة امرا الا والقرآن قد دل علی معناه دلالة اجمالیة او تفصیلیة و ایضاً فکل مادل علی القرآن هو کلیة الشرح وینبوع لها فهو دلیل علی ذلک الی ان قال فالسنة فی محصول الامر بیان لما فیه و ذلک معنی کونها راجعة الیه﴾ (مقدمہ فتح الملہم ص ۲۱)

شاطبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ سنت اپنے معانی و مطالب میں کتاب اللہ کی طرف ہی رجوع کرتی ہے کیونکہ اس میں مجملات قرآن کی تفصیل اور مشکلات کا بیان اور مختصر کی توضیح ہے کیونکہ سنت قرآن کا بیان ہے اور یہی مطلب ہے حق تعالیٰ کے اس ارشاد کا و انزلنا الیک الذکر لتبین للناس مانزل الیهم پس تم سنت میں جو بات بھی پاؤ گے قرآن نے اس کو اجمالاً یا تفصیلاً ضرور بتلایا ہے۔ پھر جن دلائل سے یہ بات معلوم ہوئی ہے کہ قرآن میں شریعت کلی طور پر مذکور ہے اور وہ شریعت کا سرچشمہ ہے وہی اس پر بھی دلالت کرتی ہیں (کہ اس کلی کے لئے جزئیات بھی ہونی چاہئیں اور سرچشمہ

سے نہریں اور دریا بھی نکلنے چاہئیں۔ اسی کا نام سنت ہے، خلاصہ یہ کہ (حجیت) سنت کا حاصل اس کے سوا کچھ نہیں کہ وہ مفہوم قرآن کا بیان ہے یہی مطلب ہے قرآن کی طرف سنت کے راجع ہونے کا۔اھ۔

طلوع اسلام کی ایک اور جہالت

آگے چل کر طلوع اسلام نے یہ عنوان قائم کیا ہے کہ فقہ حنفی ابدالآباد تک کیلئے ناقابل تغیر نہیں تھا۔ اور دلیل یہ بیان کی ہے کہ ''جس شخص کا یہ عقیدہ ہو کہ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فیصلے بھی قیامت تک کے لئے غیر متبدل قرار نہیں دیئے جاسکتے وہ کبھی خود اپنے فیصلوں کے متعلق یہ کہہ سکتا ہے کہ انہیں قیامت تک کے لئے غیر متبدل سمجھا جائے؟''

اس کے جواب میں ہم پہلے کہہ چکے ہیں کہ امام ابوحنیفہ کا یہ عقیدہ ہرگز نہیں تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فیصلے غیر متبدل نہیں یا ان کو تبدیل کیا جاسکتا ہے۔ طلوع اسلام نے یہ نتیجہ ان مہمل روایات سے نکالا ہے جن میں امام صاحب کی طرف بعض احادیث کا رد کر دینا منقول ہے۔ ہم نے ان روایات پر مفصل کلام کر کے بتلادیا ہے کہ ان کی سندوں میں مجہولین۔ مجروحین کذابین دہرے ہوئے ہیں اور جن احادیث پر امام صاحب نے عمل نہیں کیا وہاں ان سے زیادہ قوی حدیث یا قرآن کے عموم اور ظاہر پر عمل کیا ہے۔ اس کو رد حدیث پر محمول کرنا جہالت ہے بلکہ اس کی حقیقت دو دلیلوں میں سے اقوی کو ترجیح دینا ہے۔

اس کے بعد طلوع،اسلام نے اسی تاریخ خطیب سے بعض روایات نقل کر دی ہیں۔ جس پر بہت تفصیل کے ساتھ ہم کلام کر چکے ہیں کہ اس میں امام صاحب کے جس قدر معائب بیان کئے گئے ہیں۔ ان کی کوئی سند بھی عیب سے خالی نہیں۔ چنانچہ یہاں بھی نضر بن محمد مروزی سے نقل کیا گیا ہے کہ ایک شامی امام ابوحنیفہ سے فقہ پڑھ کر اپنے وطن کو واپس جانے لگا۔ تو اس سے کہا تم بہت بڑے شر کو اپنے ساتھ لے جارہے ہو۔''

اس کی سند میں حاجب بن احمد طوسی ہے۔ جس کے متعلق حاکم نے لکھا ہے کہ

اس نے کبھی کوئی حدیث نہیں سنی۔ مطلب یہ کہ وہ کبھی علماء کی مجلس میں نہیں بیٹھا۔ اور اگر روایت کو مان لیا جائے تو نضر بن محمد یا امام صاحب نے اہل شام کی مذمت کے طور پر یہ فرمایا ہوگا کہ تم بڑے شر کو اپنے ساتھ لے جا رہے ہو۔ کیونکہ اہل شام فقہ حنفی کو اس وقت شر سمجھتے تھے۔ حالانکہ وہ سراسر خیر ہے۔ مطلب یہ تھا کہ جس فقہ کو تم خیر سمجھ کر لے جا رہے ہو۔ تمہارے ملک والے اس کو خیر نہیں سمجھتے۔ کیونکہ محدث شام اوزاعیؒ اس وقت تک امام صاحب سے منحرف تھے۔ پھر آخر میں حج کے موقعہ پر امام صاحب سے ملے تو ان کی عظمت کے قائل ہو گئے۔

تاریخ خطیب میں اضافہ کرنے والے اصل مقصود کو تو سمجھے نہیں اس روایت کو بھی امام صاحب کے عیوب میں لکھ مارا۔ طلوع اسلام کو تو ڈوبتے کے لئے تنکے کا سہارا چاہیے اس نے اس سے اپنا الو سیدھا کر لیا کہ امام ابوحنیفہ جب اپنی فقہ کو سب سے بڑی شر فرما رہے ہیں۔ وہ اس کو غیر متبدل کیسے کہہ سکتے ہیں؟ اس عقلمند سے کوئی پوچھے کہ متبدل یا غیر متبدل ہونے کا سوال تو الگ رہا۔ سب سے پہلا سوال تو یہ ہے کہ جب امام صاحب اپنی فقہ کو سب سے بڑی شر سمجھتے تھے تو ساری عمر اس میں کیسے مشغول رہے؟ اور امت بھی بے وقوف ہی تھی کہ سب سے بڑی شر میں درجہ اعلیٰ حاصل کرنے پر انہیں امام اعظم کا لقب دے دیا۔ یہ حال ہے منکرین حدیث کی عقل کا بس یوں ہی یہ لوگ قرآن کو بھی سمجھتے ہوں گے کہ ماروں گھٹنا پھوٹے آنکھ''۔

اس کے بعد مزاحم میں زفر سے نقل کیا ہے کہ امام صاحب نے اپنے فتاویٰ کی نسبت فرمایا بخدا مجھے معلوم نہیں۔ ہوسکتا ہے کہ یہ باطل ہو اور اس کے باطل ہونے میں کسی شک و شبہ کی گنجائش نہ ہو۔ پھر امام زفر سے نقل کیا ہے کہ امام صاحب نے ابو یوسف سے فرمایا۔ تیرا ناس ہو جو کچھ تو مجھ سے سنتا ہے۔ اسے سب کا سب نہ لکھ لیا کر کیونکہ آج میری کچھ رائے ہوتی ہے اور کل میں اسے چھوڑ دیتا ہوں اور کل میری کچھ رائے ہوتی ہے اور پرسوں میں اسے چھوڑ دیتا ہوں۔

نیز ابونعیم سے نقل کیا ہے کہ امام ابوحنیفہ نے فرمایا مجھ سے کوئی مسئلہ نقل نہ کرو

کیونکہ بخدا مجھے خبر نہیں کہ میں اپنے اجتہاد میں خطا کار ہوں یا مصیب؟ ان سب روایات کی سندوں میں ابن رزق۔ ابن سلم موجود ہیں جن پر بار بار جرح گزر چکی ہے۔ نیز ابراہیم جوہری بھی سندوں میں دہرا ہوا ہے۔ جس پر حافظ حجاج شاعر نے جرح کی ہے کہ یہ شخص حدیث بیان کرتے ہوئے سو جاتا تھا اور لوگ لقمہ دیتے اور یہ اسی حالت میں لقمہ لیتا تھا۔

صحیح روایت وہ ہے جو حافظ ابن ابی العوام نے امام طحاوی کے حوالہ سے محمد بن عبداللہ عینی سے سلیمان بن عمران سے اسد بن الفرات سے اسد بن عمرو سے بیان کی ہے کہ ہم لوگ امام صاحب کے سامنے مسائل میں اپنے اپنے مختلف جوابات بیان کرتے تھے امام صاحب سب کو سن کر اپنا جواب بیان کرتے جو سب پر حاوی ہوتا تھا۔ بعض دفعہ ایک مسئلہ میں تین دن تک بحث ہوتی رہتی۔ اس کے بعد اس کو دفتر میں لکھا جاتا تھا۔ اسی سند سے یہ بھی روایت کیا گیا ہے کہ امام صاحب کے جن اصحاب نے امام صاحبؒ کے مسائل کتابوں میں جمع کئے ہیں۔ وہ چالیس حضرات تھے۔'' حافظ صمیری (شیخ الخطیب) نے اپنی سند سے اسحٰق بن ابراہیم سے روایت کیا ہے کہ امام ابوحنیفہ کے اصحاب ایک ایک مسئلہ میں ان کے ساتھ غور و خوض کرتے تھے۔ اگر عافیۃ (القاضی) کسی دن مجلس میں حاضر نہ ہوتے تو امام صاحب فرماتے کہ ابھی اس مسئلہ (کی بحث) کو ختم نہ کرو جب تک عافیہ نہ آ جائے۔ جب وہ حاضر ہوتے اور سب کی موافقت کرتے اس وقت امام صاحب اس مسئلہ کو مع جواب کے دفتر میں لکھنے کا حکم دیتے ورنہ منع کر دیتے''۔ اس طرح فقہ حنفی کے مسائل مدون ہوئے ہیں کہ جب تک ہر مسئلہ پر ہر پہلو سے پوری طرح بحث و گفتگو ختم نہ ہو جاتی اس وقت تک اس کو کتاب میں درج نہیں کیا جاتا تھا۔ ممکن ہے امام ابو یوسف نے کسی مسئلہ میں تنہا امام صاحب کا جواب سن کر اسے نوٹ کر لیا ہو۔ اور امام صاحب نے منع کر دیا ہو کہ جب تک جملہ فقہاء و محدثین و اراکین مجلس اس مسئلہ پر ہر پہلو سے گفتگو نہ کر لیں اس وقت تک دفتر فقہ میں کوئی مسئلہ درج نہ کرو۔ اب آپ ہی انصاف کیجئے کہ جس امام نے اس طرح بڑے بڑے محدثین و فقہا و مجتہدین اور ماہرین عربیت کے مشورہ سے قرآن و حدیث کے مسائل کو منضبط کیا ہو اس کی فقہ قیامت تک کے لئے امت مسلمہ کا دستور العمل بننے کے قابل ہے یا جو پ ت ع

تنہا اپنی عقل سے قرآن کے مطالب بیان کریں وہ قیامت تک کے لئے امت کا دستور العمل بن سکتے ہیں؟ جن کی حالت یہ ہے کہ قرآن وحدیث کو صحیح طور سے پڑھ بھی نہیں سکتے۔ سمجھنا تو درکنار ان علقمندوں سے کوئی پوچھے کہ قرآن کے غیر متبدل ہونے سے یہ کہاں لازم آیا کہ جو کچھ تم اس کا مطلب بیان کرتے ہو وہ بھی غیر متبدل ہے؟ امام ابوحنیفہ کا مسلک یہ ہے کہ حدیث رسول قرآن کا بیان ہے۔ اس لئے قرآن کے وہی معانی ومطالب صحیح ہیں جو حدیث کی روشنی میں بیان کئے جائیں۔ اور فقہاء ومجتہدین کا قیاس قرآن وحدیث کے معانی و مطالب کا مظہر ہے۔ خود کسی معنی ومطلب کا مثبت نہیں۔ اس لئے فقہاء ومجتہدین کے اقوال سے قرآن وحدیث ہی کے مطالب ظاہر ہوتے ہیں۔ کسی خارجی حکم کا اثبات نہیں ہوتا۔ تو جب قرآن قیامت تک کے لئے دستور العمل ہے۔ حدیث وفقہ بھی قیامت تک کے لئے دستور العمل ہیں کیونکہ یہ اسی کا بیان اور تشریح ہیں۔

﴿قال ابن عبدالبر فی مباحث السنة ان ذلک المعبر فی السنة هو المراد فی الکتاب فکان السنة بمنزلة التفسیر والشرح لمعانی احکام الکتاب و دل علی ذلک قوله تعالی لتبین للناس مانزل الیهم فاذ احصل بیان قوله تعالی والسارق والسارقة فاقطعوا ایدیهما بان القطع من الکوع و ان المسروق نصاب فاکثر من حرز مثله فذلک هو المراد من الآیة. لا ان تقول ان السنة اثبت هذه الاحکام دون الکتاب. کما اذا بین لنا مالک و غیره من المفسرین معنی آیة او حدیث فعملنا بمقضاه فلا یصح لنا ان نقول انا عملنا بقول فلان دون ان نقول عملنا بقول الله او قول رسوله علیه الصلاة والسلام وهکذا سائر مابینتهُ السنة من کتاب الله تعالیٰ فمعنی کون السنة قاضیة علی الکتاب انها بینة له

فلایوقف مع اجماله واحتماله وقد بینت المقصود منه لا انها مقدمة علیه .ا ھ٭

(من فتح الملهم جلد ا ص ۲۱)

"علامہ حافظ ابن عبدالبر نے سنت کے باب میں فرمایا ہے کہ جو کچھ سنت میں بیان کیا گیا ہے کتاب اللہ کی مراد کا بیان ہے۔ سنت کتاب اللہ کے معانی کی تفسیر اور شرح ہے جس پر حق تعالیٰ کا ارشاد لتبین للناس مانزل الیهم دلالت کررہا ہے۔ مثلاً جب حدیث نے بیان کردیا کہ آیت والسارق والسارقة فاقطعوا ایدیهما (چوری کرنے والے مرد وعورت کا ہاتھ کاٹ دو) سے مراد پہنچے کے گٹے سے ہاتھ کاٹنا ہے جبکہ مقدار نصاب کی چوری کی گئی ہو (یعنی ربع دینار یا ایک دینار) اور محفوظ مال کی چوری کی گئی ہو، تو کہا جائے گا کہ آیت کی مراد یہی ہے۔ جو حدیث میں مذکور ہے۔ یہ نہ کہا جائیگا کہ یہ احکام حدیث نے ثابت کئے ہیں قرآن نے ثابت نہیں کئے۔ جیسے امام مالک یا اور کوئی مجتہد ہمارے سامنے کسی آیت یا حدیث کا مطلب بیان کرے اور ہم اس کے موافق عمل کریں تو یہ کہنا صحیح نہیں کہ ہم نے فلاں کے قول پر عمل کیا ہے بلکہ یہ کہنا چاہیے کہ ہم نے اللہ ورسول کے ارشاد پر (فلاں مجتہد کی تفسیر کی روشنی میں) عمل کیا ہے۔ اسی طرح ان تمام احکام کو سمجھو جو حدیث نے احکام کتاب اللہ کے متعلق بیان کئے ہیں۔ پس یہ جو کہا گیا ہے کہ سنت کتاب اللہ پر فیصلہ کرتی ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ سنت کتاب اللہ کے مقصود کو بیان کرتی ہے۔ لہٰذا قرآن کے اجمال واحتمال پر ٹھہر جانا جائز نہیں

جبکہ سنت نے اس کا مقصود واضح کر دیا ہے۔ اس قول کا یہ مطلب ہر
گز نہیں کہ سنت کتاب اللہ سے مقدم ہے اھ۔

یہی تمام اہل مذاہب کا مسلک ہے کہ وہ امام ابوحنیفہؒ۔ امام مالکؒ امام شافعیؒ واحمد بن حنبلؒ کا اتباع نہیں کرتے بلکہ ان کی تفسیر کی روشنی میں کتاب اللہ اور سنت رسول کا اتباع کرتے ہیں اور جب کتاب اللہ نا قابل تبدیل ہے تو اس کے وہ معانی و مطالب بھی جو حدیث نے بیان کئے ہیں فقہاء امت نے قرآن و حدیث سے سمجھ کر بیان کئے ہیں۔ نا قابل تبدیل ہیں۔ مگر چونکہ مجتہد معصوم نہیں اس لئے وہ قرآن و حدیث سے مسائل کا استنباط کرنے کے بعد یہی کہے گا کہ جو کچھ ہم نے بیان کیا ہے۔ یہ ہماری فہم کے مطابق ہے۔ جو بہتر سے بہتر ہم نے سمجھا ہے اگر کوئی ہمارے قول سے بہتر قرآن و حدیث کا مطلب بیان کر سکے وہی صحت کے زیادہ قریب ہوگا۔ اس میں طلوع اسلام کے لئے کوئی حجت نہیں کیونکہ وہ بھی یہ دعویٰ نہیں کرسکتا کہ قرآن کا مطلب بیان کرنے میں وہ خطا سے معصوم ہے۔ قرآن کی عبارت و الفاظ تو یقیناً محفوظ ہیں۔ مگر اس کا جو مطلب ادارۂ طلوع اسلام اپنی طرف سے بیان کرتا ہے اس کے محفوظ اور معصوم ہونے کی کیا دلیل ہے۔

پس اگر خطا سے معصوم نہ ہونا فقہ کو قابل تبدیل قرار دے سکتا ہے۔ تو وہ معانی و مطالب بھی قابل تبدیل ہیں۔ جو ادارۂ طلوع اسلام قرآن کی شرح میں بیان کرتا ہے۔ ورنہ وہ فرق بتلایئے کہ اس کے بیان کردہ معانی و مطالب کو حدیث و فقہ کے بیان کردہ معانی و مطالب پر کیا ترجیح ہے اور کیوں؟ جماعت منکرین حدیث نے بس ایک لفظ یاد کرلیا ہے کہ آسمان کے نیچے اور زمین کے اوپر غیر متبدل صرف قرآن ہے۔ مگر ان عقلمندوں نے یہ نہیں سمجھا کہ قرآن کے غیر متبدل ہونے کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ اس کے معانی و مطالب بھی غیر متبدل ہیں۔ اب اس کا فیصلہ کرنا رہ گیا کہ قرآن

کے معانی و مطالب وہ صحیح ہیں۔ جو حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اور فقہ میں فقہاء امت نے بیان کئے ہیں یا وہ صحیح ہیں جو پرویز اور تمنا عنادی محض ہٹ دھرمی سے بے پر کی اڑاتے ہیں؟

اس حقیقت کو سمجھ لینے کے بعد ہر شخص یہ کہنے پر مجبور ہوگا کہ طلوع اسلام جس مسلک کی طرف دعوت دے رہا ہے۔ وہ نہ حضرات صحابہ کا مسلک ہے نہ اجلہ تابعین کا نہ امام ابوحنیفہ کا۔ بلکہ خوارج کا مسلک ہے۔ جن کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد شروع مقالہ میں بیان کر چکا ہوں ان ادرکتھم لا قتلنھم قتل عاد و ثمود کہ اگر میں ان کو پاؤں تو قوم عاد و ثمود کی طرح نیست و نابود کر کے رکھ دوں۔

حوائج بشریہ اور تعلیم نبوت

زندگی کی ضروریات سے جن کو حوائج بشریہ کے ساتھ تعبیر کیا جاتا ہے تقریباً ہر شخص واقف ہے اور ان کے پورا کرنے کے لئے ہر انسان کا ایک خاص طرز عمل ہے خواہ وہ اس نے اپنی طبیعت سے ایجاد کیا ہو یا کسی حکیم و ڈاکٹر سے پوچھ کر اختیار کیا ہو یا کسی آسمانی و غیر آسمانی کتاب سے اس نے سمجھا ہو یا اپنے ملک و رواج کے دستور العمل سے اخذ کیا ہو کھانا پینا سونا جاگنا، شادی و غمی، تکلم و سکوت یہ وہ ضروریات ہیں جن سے کوئی شخص مستثنیٰ نہیں اور ان کی تھوڑی بہت ضرورت ہر انسان کا حق ہوتی ہے اس وقت ہم یہ دکھلانا چاہتے ہیں کہ سیدنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ضروریات زندگی کے پورا کرنے میں جس طرز عمل کو اختیار فرمایا اور اس کے اتباع کو اپنی امت کے لئے سنت قرار دیا وہ کس درجہ کامل و مکمل دستور العمل ہے جس میں ثواب آخرت و رضاء الٰہی کا بھرپور خزانہ موجود ہونے کے علاوہ انسان کی دنیوی مصالح اور حفظ صحت وغیرہ کی بھی اس درجہ رعایت کی گئی ہے کہ اس سے زیادہ ممکن نہیں پھر ہر کام میں افراط و تفریط کے دونوں مضر پہلوؤں سے بچا کر ایسا معتدل طریقہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اختیار کیا ہے جس پر نظر کرتے ہوئے ہر منصف کو یہ تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ درحقیقت سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انسان کامل اور سید البشر اور تمام عالم سے عقل و حکمت میں ممتاز ہیں چنانچہ حوائج بشریہ یا ضروریات زندگی کی تین قسمیں ہیں ایک وہ جن میں قلت اور کمی کا پہلو اختیار کرنا افضل ہے دوسری وہ جن میں کثرت اور زیادت قابل مدح ہوتی ہے۔ تیسرے وہ جن میں اختلاف ہے کہ کسی کے نزدیک ان میں قلت اور کمی افضل ہے اور کسی کے نزدیک کثرت و زیادت۔

اب ہم ان تینوں قسموں کے متعلق یہ دکھلانا چاہتے ہیں کہ سیدنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر ضرورت بشری میں ہمیشہ افضل جانب ہی کو اختیار فرمایا ہے اور آپ کا طرز عمل ہر صورت میں وہی رہا ہے جو عقلاً درجہ کمال سمجھا جاتا ہے چنانچہ کھانا پینا اور سونا یہ

وہ ضروریات ہیں جن میں قلت اور کمی کو اختیار کرنا تمام عقلاء وحکماء عرب وعجم کے نزدیک بالاتفاق افضل ہے اور ان کی زیادتی کو عقلاً ونقلاً وعادۃً برا اور مذموم سمجھا جاتا ہے ہر زمانہ میں عقلاء اور حکماء کھانے پینے اور سونے کی قلت کو اپنے لئے مایہ ناز اور سبب افتخار سمجھتے آئے اور ان کی کثرت کو ہمیشہ بری نگاہ سے دیکھتے رہے ہیں کیونکہ کھانے پینے کی کثرت غلبہ حرص کی دلیل ہے نیز اس سے شہوت بہیمیہ بھی بہت بڑھ جاتی ہے اور غلبہ حرص اور غلبہ شہوت یہ دو چیزیں ہی دینی اور دنیوی بہت سی مضرتوں کا سبب ہوا کرتی ہیں نیز کھانے پینے کی کثرت سے جسم انسانی بہت سی بیماریوں کا گھر ہو جاتا ہے اور اس سے طبیعت میں گرانی پیدا ہوتی اور دماغ رطوبات سے بھر جاتا ہے اور کھانے پینے میں کمی کرنا اس کی علامت ہے کہ یہ شخص اپنے نفس پر قابو یافتہ اور قناعت کے جوہر سے ممتاز ہے نیز ان میں کمی کرنے سے شہوت بہیمیہ کا بھی زیادہ غلبہ نہیں ہوتا اور صحت وتندرستی بھی اچھی رہتی ہے طبیعت ہلکی پھلکی اور دل ودماغ میں نشاط وسرور رہتا ہے اور قوت فکریہ میں بہت تیزی پیدا ہو جاتی ہے۔ اسی طرح زیادہ سونا نفس کی سستی اور کمزوری کی علامت اور ذکاوت ذہن اور طبیعت کی تیزی کے زائل ہونے کا سبب ہے نیز زیادہ سونے سے کسل بڑھ جاتا اور بلند حوصلگی کم ہو جاتی اور عمر عزیز بے فائدہ رائیگاں جاتی ہے اور دل کی قساوت وغفلت زیادہ ہو کر گویا وہ بالکل مردہ ہو جاتا ہے اور یہ وہ باتیں ہیں جن کے ثابت کرنے کے لئے کسی دلیل کی ضرورت نہیں بلکہ بداھت اور مشاہدہ خود اس کے لئے کافی دلیل ہے نیز حکماء سابقین کے اقوال اور صحیح احادیث اور حضرات صحابہ وتابعین کے آثار اور حکماء عرب کے اشعار وغیرہ ان کی مذمت ومضرت میں تواتر کے درجہ کو پہنچ چکے ہیں اور جس شخص نے سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرۃ مقدسہ کو ایک نظر سے بھی دیکھا ہے وہ اس کا کبھی انکار نہیں کرسکتا کہ آپ نے کھانے اور پینے اور سونے میں ہمیشہ قلت اور کمی کو اختیار فرمایا ہے۔ غذا او نند میں آپ اس درجہ کمی کرتے تھے کہ اس سے زیادہ کمی جائز ہی نہیں کیونکہ حفظ صحت اور قوت علی الطاعت کے لئے جس قدر غذاء اور نیند کی عادۃً ضرورت ہے اس کا اختیار کرنا تو ہر شخص پر واجب ہے ان دونوں میں اتنی کمی کرنا جس سے صحت پر

برا اثر پڑنے یا طاعات میں بہت کمزوری ہونے لگے شرعاً ناجائز ہے۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ سیدنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سیر ہو کر کبھی اپنا پیٹ نہیں بھرا۔ اور مسلم کی روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تین دن پے در پے گیہوں کی روٹی سیر ہو کر کبھی نہیں کھائی یہاں تک کہ آپ دنیا سے تشریف لے گئے اور قاضی عیاض نے اپنی سند متصل کے ساتھ حضرت مقدام بن معدی کرب رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے ان رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم قال ماملأ ابن آدم وعاءً شرا من بطنہ حسب ابن آدم اکلات یقمن صلبہ فان کان لامحالۃ فثلث لطعامہ وثلث لشرابہٖ وثلث لنفسہ اھ۔ سیدنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ پیٹ سے برا کوئی برتن بھی انسان نہیں بھرتا آدمی کے لئے چند لقمے (کھا لینا) کافی ہیں جو اس کی پشت کو سیدھا کر دیں اور اگر وہ لامحالہ زیادہ ہی کھانا چاہے تو ایک تہائی کھانے کے لئے اور ایک تہائی پانی کے لئے اور ایک تہائی سانس کے لئے رکھنا چاہیے (اس سے زیادہ نہ کھانا چاہیے کیونکہ اتنی مقدار صحت بدن کی حفاظت اور اعتدال مزاج کے لئے کافی ہے اتنی خوراک کھانے والا علاج ومعالجہ کا بہت کم محتاج ہوگا اور اس کی طبیعت میں صفائی اور رقت ہوگی اور شہوت پر قابو یافتہ ہوگا اس میں غفلت اور قساوت نام کو نہ رہے گی عبادات وطاعات پر مداومت واستقامت اس کے لئے آسان ہو جائے گی۔

ناظرین یہ ہے وہ پاکیزہ تعلیم جو سید ولد آدم صلی اللہ علیہ وسلم نے حوائج بشریہ کے متعلق اپنی امت کو فرمائی ہے جس میں دنیا اور آخرت دونوں کی مصالح کا پوری طرح لحاظ کیا گیا ہے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ سیدنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب کسی غلام کو خریدنے کا ارادہ فرماتے تو اس کے سامنے کچھ چھوارے اور کھجور لا کر رکھ دیا کرتے تھے اگر وہ زیادہ کھانے والا ہوتا تو آپ صحابہ سے فرما دیتے کہ اس کو واپس کر دو کیونکہ زیادہ کھانا بھی ایک قسم کی نحوست ہے اور زیادہ کھانے پینے ہی سے نیند بھی زیادہ آتی ہے اور سفیان ثوری رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے کہ شب بیداری (کی نعمت) کم کھانے ہی سے نصیب ہوتی ہے جو لوگ پیٹ بھر کے کھانا کھاتے ہیں ان کو راتوں کو جاگنے کی

ہوس نہ کرنا چاہیے ایں خیال است ومحال است وجنوں۔ ایک مرتبہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عنترہ شاعر کا یہ شعر پڑھا۔

ولقد ابیت علی الطوی واطیلہ حتی انال بہ کریم المأکل

(ترجمہ) میں راتوں کو بھوکا رہتا ہوں اور عرصہ تک بھوکا رہتا ہوں تا کہ اس کے ذریعے سے عزت کی غذا حاصل کروں۔ تو آپ نے فرمایا کہ اس کے مصداق سیدنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور عزت کی غذا سے آپ نے جنت کی طرف اشارہ فرمایا اور سچ یہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس لفظ کو جس معنی پر محمول کیا ہے وہ بہت ہی عجیب و غریب محمل ہے اگرچہ خود شاعر کو بھی نہ سوجھا ہو اور سلف صالحین میں سے بعض کا ارشاد ہے لا تاکلوا کثیرا فتشر بوا کثیرا فتر قدوا کثیرا فتخسروا کثیرا زیادہ نہ کھاؤ پھر اس پر پانی زیادہ پیو گے اور اس سے نیند زیادہ آئے گی اور زیادہ سونے سے نقصان بہت اٹھاؤ گے۔ کیونکہ اس سے عمر گرانمایہ بیفائدہ ضائع ہوتی ہے نیز اطباء کی تحقیق ہے کہ زیادہ سونے سے عمر بھی گھٹ جاتی ہے۔ وقد روی عنہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم انہ کان احب الطعام الیہ ما کان علی ضففٍ ای کثرۃ الایدی اھ۔ ابویعلی وغیرہ نے روایت کی ہے کہ سیدنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو وہ کھانا بہت محبوب تھا جس پر بہت سے ہاتھ پڑتے ہوں۔ یعنی آپ تنہا کھانے کو پسند نہ فرماتے تھے بلکہ مجمع کے ساتھ کھانا آپ کو محبوب تھا کیونکہ اس میں علاوہ امید برکت کے کرم وسخاوت اور ہمدردی ومواسات کی بھی شان پائی جاتی ہے۔

ایک حدیث میں ہے کہ سیدنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے گھر والوں سے کسی خاص کھانے کی درخواست فرماتے اور نہ کسی خاص غذا کی طرف رغبت وخواہش ظاہر فرماتے تھے جو کچھ گھر والوں نے کھلا دیا وہ کھالیا اور جو انہوں نے پیش کر دیا اسے قبول فرمالیا اور جو پلا دیا وہ پی لیا۔

اس پر یہ اشکال نہ کیا جاوے کہ حدیث ابوہریرہؓ سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک بار آپ گھر میں تشریف لے گئے اور آپ کے سامنے کھانا پیش کیا گیا تو آپ نے فرمایا کہ

میں نے ایک ہانڈی میں گوشت پکتا ہوا دیکھا تھا کیا میرا یہ خیال صحیح نہیں (مطلب یہ تھا کہ میرے سامنے وہ گوشت کیوں نہیں لایا گیا) تو اس سے بظاہر یہ شبہ ہوتا ہے کہ آپ نے گوشت کی طرف رغبت ظاہر فرمائی اور یہ بات پہلی حدیث کے خلاف ہے۔

جواب یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے گھر والوں کی عادت معلوم تھی کہ وہ کسی عمدہ اور لذیذ کو میرے بغیر نہیں کھا سکتے تو پھر آج میرے سامنے جو یہ گوشت نہیں لایا گیا تو شاید وہ اس کو میرے لئے حلال نہیں سمجھتے اس لئے آپ نے حقیقت حال دریافت کرنے کے لئے گوشت کا تذکرہ فرمایا تاکہ اگر مسئلہ شرعی میں ان سے کچھ غلطی ہوئی ہو تو اس پر ان کو متنبہ کر دیا جائے چنانچہ واقعہ یہی تھا کہ وہ گوشت حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی آزاد کردہ باندی حضرت بریرہ کو کسی نے بطور صدقہ کے دیا تھا اور سیدنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صدقہ کی چیز نہ کھاتے تھے کیونکہ وہ آپ کے لئے حلال نہ تھا اس لئے گھر والوں نے وہ گوشت آپ کے سامنے اس خیال سے پیش نہ کیا کہ شاید یہ حضور کے لئے حلال نہ ہو۔ جب آپ کے دریافت فرمانے پر انہوں نے یہ واقعہ حضور سے عرض کیا تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ صدقہ تو بریرہ کے حق میں تھا اور اب اگر وہ ہمارے سامنے (بہ نیت ہدیہ) پیش کریں تو وہ ہدیہ ہوگا صدقہ نہ ہوگا پس آپ کو گوشت کی طرف رغبت ظاہر کرنا مقصود نہ تھا بلکہ اپنے گھر والوں کو یہ مسئلہ بتلانا مدنظر تھا کہ تبدل ملک سے بعض احکام بدل جاتے ہیں اور یہ علم فقہ کا اتنا بڑا قاعدہ ہے جس سے ائمہ مجتہدین نے صدہا مسائل مستنبط فرمائے ہیں۔

اور حکمت لقمان میں مذکور ہے کہ انہوں نے اپنے صاحبزادے کو یہ نصیحت فرمائی کہ اے میرے پیارے بیٹے جب معدہ بھر جاتا ہے تو قوۃ فکریہ سو جاتی ہے اور حکمت (یعنی عقل) گونگی ہو جاتی اور اعضاء انسانی (سست ہو کر) عبادت سے بیٹھ جاتے ہیں اور صحیح حدیث میں جس کو امام بخاری وغیرہ نے روایت کیا ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد مذکور ہے کہ میں ٹیک لگا کر کھانا نہیں کھاتا اور ایک حدیث میں آپ کا یہ ارشاد بھی مذکورہ ہے کہ میں تو (خدائے تعالیٰ کا) غلام ہوں غلاموں ہی کی طرح کھاتا ہوں اور غلاموں ہی کی طرح بیٹھتا ہوں اور غلاموں ہی کی طرح پانی پیتا ہوں اور کھانے کے وقت

حضور صلی اللہ علیہ وسلم گھٹنے کھڑے کر کے بیٹھا کرتے تھے اور تجربہ ہے کہ اس صورت میں کھانا کم کھایا جاتا ہے اور جس طرح آپ غذا میں تقلیل فرماتے تھے اس طرح سونے میں بھی بہت کمی کرتے تھے اور رات کا زیادہ حصہ یاد خدا اور نماز و تلاوت قرآن میں گزارتے تھے چنانچہ آثار صحیحہ اس پر بکثرت شاہد ہیں۔ نیز قرآن میں حق تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

﴿اِنَّ رَبَّکَ یَعْلَمُ اَنَّکَ تَقُوْمُ اَدْنٰی مِنْ ثُلُثَیِ الَّیْلِ وَنِصْفَهٗ وَثُلُثَهٗ وَطَآئِفَةٌ مِّنَ الَّذِیْنَ مَعَکَ﴾ (سورۂ مزمل پارہ ۲۹)

آپ کے پروردگار کو خوب معلوم ہے کہ آپ دو تہائی رات کے قریب اور (کبھی) آدھی رات اور (کبھی) تہائی رات (نماز میں) کھڑے رہتے ہیں اور آپ کے ساتھ والوں میں سے ایک جماعت بھی (ایسا ہی کرتی ہے) پھر بایں ہمہ آپ کا یہ بھی ارشاد ہے ان عینی تنامان و لاینام قلبی کہ (نیند میں) میری آنکھیں ہی سوتی ہیں اور دل نہیں سوتا اس سے معلوم ہوا کہ آپ سوتے ہوئے بھی یاد خدا سے غافل نہ ہوتے تھے آپ کا مبارک دل اس وقت بھی خدا کی طرف متوجہ رہتا تھا اور سیدنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سوتے وقت داہنی کروٹ پر لیٹا کرتے تھے کیونکہ اس صورت میں دل کو قرار وسکون حاصل نہیں ہوتا وہ معلق ہونے کی وجہ سے بے چین رہتا ہے تو نیند سے جلد افاقہ ہو جاتا ہے اور بائیں پہلو پہ لیٹنے سے چونکہ دل کو قرار وسکون رہتا ہے اس لئے سونے والے کو راحت زیادہ ملتی اور نیند گہری آتی ہے اسی وجہ سے اطباء نے بائیں کروٹ پر لیٹنے کو مفید بتلایا ہے مگر علامہ ابن القیمؒ نے ثابت کیا ہے کہ طبی اصول سے بھی دائیں کروٹ ہی پر لیٹنا مفید ہے کیونکہ اس صورت میں قلب اونچا رہتا ہے تو اس کی طرف بدن کے بخارات کم پہنچتے ہیں اور خون کا سیلان بھی اس کی طرف نہیں ہوتا اور بائیں کروٹ پر لیٹنے سے قلب کی طرف خون کا سیلان زیادہ ہوتا اور بدن کے بخارات بھی زیادہ پہنچتے ہیں جس سے قلب کمزور ہو جاتا ہے۔

ناظرین کرام اس وقت میں نے بہت اختصار کے ساتھ آپ کے سامنے سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا طرز عمل کھانے پینے اور سونے کے متعلق بیان کر دیا ہے

جس سے آپ کو معلوم ہو گیا ہوگا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان امور میں بہت قلت اور کمی فرماتے تھے اور ان میں کمی کرنا ہی باتفاق عقل ونقل بہتر اور افضل ہے لیکن اتنی گزارش اخیر میں ضروری ہے کہ اس پر عمل کرتے ہوئے اپنی قوت کا اندازہ ضرور کرلیا جائے ایسا نہ ہو کہ آپ ان میں اتنی کمی کر دیں جو صحت اور قوت کے لئے ضرر رساں ثابت ہو کہ ایسا کرنا شرعاً جائز نہیں اب میں اس مضمون کو ختم کرتا ہوں اور اگر توفیق الٰہی نے ساتھ دیا تو انشاء اللہ بقیہ حوائج بشریہ کے متعلق بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا طرز عمل آپ کے سامنے پیش کروں گا۔

والسلام

حوائج ضروریہ اور تعلیم نبوت

نکاح

ناظرین کو النور کے گزشتہ نمبر میں معلوم ہو چکا ہے کہ حوائج بشریہ اور ضروریات زندگی کی تین قسمیں ہیں جن میں سے ایک قسم کا بیان پہلے گزر چکا ہے جس میں عقلاً ونقلاً قلت اور کمی اختیار کرنا موجب مدح ہے آج ہم دوسری قسم کی نسبت کچھ عرض کرنا چاہتے ہیں جس میں کثرت اور زیادت باعث مدح اور سرمایہ ناز شمار کی جاتی ہے۔ جیسے قوت نکاح اور عزت و جاہ یہ دونوں ایسے اوصاف ہیں کہ یہ کسی شخص میں جس قدر زیادہ اور کمال کے ساتھ پائے جائیں اسی قدر اس کی تعریف کی جاتی اور مدح وثناء سے داد دیجاتی ہے چنانچہ قوت نکاح کی زیادت کا محمود ہونا تو شرعاً وعادۃً تسلیم شدہ ہے انبیاء سابقین کی تمام شریعتیں اور عقلاء وحکماء کے اقوال اس کی مدح میں متفق نظر آتے ہیں کیونکہ قوت نکاح کامل ہونا کس کی دلیل ہے کہ یہ شخص قوی المزاج ہے اور مردانگی کا جوہر بدرجہ اتم اس کو حاصل ہے اور اس میں کچھ شک نہیں کہ قوت مردانگی ہی اکثر اخلاق حمیدہ کی جڑ اور بلند حوصلگی کی بنیاد ہے۔ شجاعت اور بہادری، جرات اور دلیری، سخاوت اور اولوالعزمی، بلند حوصلگی اور سیر چشمی یہ تمام صفات قوت مردانگی ہی سے پیدا ہوتی ہیں عنین اور نامرد کو ان خصلتوں کی ہوا بھی نہیں لگتی اسی لئے نامردی ایک ایسا عیب ہے جس کو ہر شخص نفرت کی

نگاہ سے دیکھتا اور اس سے پناہ مانگتا ہے اور بعض لوگوں نے تو اس عیب کی ندامت اور شرمندگی کی وجہ سے حرام موت مر جانے کو بے لطف زندگی پر ترجیح دیکر خودکشی بھی کر لی ہے اور جس قدر یہ عیب ایک سنگین اور نا قابل برداشت عیب ہے۔ یوں ہی قوت مردانگی ایک بہت بڑا مایہ فخر اور اعلیٰ ترین جوہر ہے پھر جس طرح تمام اخلاق حمیدہ ہر شخص میں مختلف طور پر پائے جاتے ہیں کہ کسی میں کوئی خصلت بدرجۂ کمال ہے کسی میں بدرجہ متوسط کسی میں بدرجہ ادنیٰ اسی طرح قوت مردانگی میں بھی لوگوں کے مختلف درجے ہیں اور ظاہر ہے کہ جس طرح کامل بہادر وہ شخص ہے جس سے زیادہ بہادر کوئی نہ ہو کامل سخی وہ ہے جس سے زیادہ سخی کوئی نہ ہو اسی طرح کامل مرد وہ ہے جس سے زیادہ قوت مردانگی کسی میں نہ ہو اور چونکہ یہ قوت تمام اعلیٰ خصلتوں کی بنیاد ہے اس لئے اس کا کامل درجہ میں پایا جانا ہر شخص کو محبوب و مطلوب ہے یہی وجہ ہے کہ ہمیشہ ہر زمانہ میں کثرت نکاح پر لوگ فخر کرتے اور اپنے اکابر کی مدح میں اس وصف کو پیش کرتے رہے ہیں جس کا انکار بجز ہٹ دھرم نا منصف آدمی کے کوئی نہیں کرسکتا اور شرعی نقطہ نظر سے بھی کثرت نکاح باعث افتخار و موجب مدح ہے اور اس کے متعلق بکثرت آثار و احادیث منقول ہیں چنانچہ امام بخاری نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کا یہ قول نقل کیا ہے افضل ہذہ الامۃ اکثرہا نساء کہ اس امت میں سب سے افضل و اکمل وہ ذات ہے جس کی بیبیاں سب سے زیادہ ہیں یعنی سیدنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیونکہ آپ نے گیارہ عورتوں سے نکاح کیا ہے جن میں سے حضرت خدیجہ اور حضرت زینب رضی اللہ عنہما کا انتقال آپ کے سامنے ہی ہو گیا تھا باقی نو بیبیاں آپ کے بعد تک زندہ رہیں اور اتنے نکاحوں کی اجازت اس امت میں حضور صلی اللہ علیہ کے سوا کسی کو نہیں ہوئی نیز ابن مردویہ نے ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مرفوعا روایت کی ہے **تنا کحوا فانی مباہ بکم الامم یوم القیامۃ و فی لفظ الطبرانی فی الاوسط تز وجوا الولود فانی مکاثر بکم الامم و فی روایۃ ابی داؤد و النسائی و ابن ماجۃ فانا مکاثر بکم الامم** سیدنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ نکاح کیا کرو کیونکہ میں قیامت میں تمہارے ساتھ فخر کروں گا اور طبرانی کی

روایت میں ہے کہ زیادہ بچے جننے والی عورتوں سے نکاح کیا کرو کیونکہ میں تمہاری کثرت پر دوسری امتوں کے مقابلہ میں فخر کرونگا اور شیخینؒ نے یہ روایت بھی بیان کی ہے کہ سیدنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تبتل سے منع فرمایا ہے جس کے معنی عورتوں سے علیحدگی اختیار کرنا اور نکاح سے پرہیز کرنا ہے کیونکہ یہ طریقہ راہبوں کا ہے اور نصاری کی شریعت میں اس کی بہت فضیلت بیان کی جاتی ہے مگر شریعت اسلامیہ نے اس سے منع کیا ہے لارہبانیۃ فی الاسلام اسلام میں رہبانیت کا طریقہ نہیں ہے اور اس کی وجہ ظاہر ہے کہ قوت مردانگی انسان کا اعلیٰ ترین جوہر ہے جو فطرۃً اس میں ودیعت رکھا گیا ہے اور یہ قاعدہ ہے کہ جس قوت سے کام نہیں لیا جاتا وہ رفتہ رفتہ کمزور ہو کر زائل ہو جاتی یا زوال کے قریب ہو جاتی ہے پس یہ کسی طرح مناسب نہیں کہ انسان ایسے اعلیٰ جوہر کو جس سے بیشمار عمدہ خصلتیں اس میں پیدا ہوتی ہیں برباد کر کے اپنی فطرت میں نقصان وعیب کو جگہ دے کیونکہ اس قوت کے کمزور ہو جانے کا اثر دوسرے اخلاق پر بھی ضرور پڑتا ہے بہادری اور بلند حوصلگی اسی قوت پر موقوف ہے۔ دوسرا بقاء عالم کیلئے بھی اس کی بہت زیادہ ضرورت ہے پس شریعت اسلامیہ نے اس جوہر کے برباد کرنے کو پسند نہیں کیا، علاوہ ازیں نکاح میں دینی اور دنیوی بہت سے منافع ہیں جو اس کے بدون حاصل نہیں ہو سکتے۔ مثلاً مرد وعورت کی شہوت نفسانی کو سکون حاصل ہونا اور نگاہ وقلب کا عفیف ہو جانا یہ باتیں بدون نکاح کے بہت کم حاصل ہوتی ہیں یہ ممکن ہے کہ کوئی مرد مجاہدات و ریاضات سے اپنی خواہش پر قابو یافتہ ہو جائے لیکن اس میں جس قدر دشواریاں پیش آتی ہیں ان کا اندازہ وہی لوگ کر سکتے ہیں جن پر یہ حالت گزری ہے بالخصوص نکاح نہ کرنے سے عورتوں کی زندگی پر جو برا اثر پڑتا ہے وہ کسی سے مخفی نہیں جن لوگوں میں نکاح نہ کرنے یا کم کرنے کا رواج ہے ان کی عورتیں عفیف و پاکدامن بہت کم ہوتی ہیں آئے دن ایسے عفت سوز واقعات پیش آتے ہیں جن کے سننے سے کلیجہ کانپ اٹھتا ہے اور اس میں کچھ شک نہیں کہ بے حیائی اور فحاشی انسان کے دین و دنیا دونوں کیلئے سخت تباہ کن ہے۔ اسی لئے سیدنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا من استطاع منکم الباءۃ فلیتزوج

فانه اغض للبصر واحصن للفرج ومن لافا لصوم له وجاء رواه النسائی. جو کوئی اسباب نکاح کی قدرت رکھتا ہو اس کو ضرور نکاح کر لینا چاہیے کیونکہ اس سے نگاہ نیچی رہتی ہے اور شرمگاہ (حرام کاری سے) محفوظ ہو جاتی ہے اور جس کو قدرت نکاح نہ ہو وہ روزے رکھا کرے کہ اس سے اس کی شہوت کم ہو جائے گی۔ امت محمدیہؐ میں اولیاء کرام کی جماعت باوجودیکہ دنیا کی لذات سے بے رغبتی میں مشہور ہے اور زہد کی تعلیم ان کے طریق میں سب سے پہلے کی جاتی ہے مگر نکاح کو وہ بھی زہد کے خلاف نہیں سمجھتے۔ سہل بن عبداللہ تستری جو کہ جلیل القدر زاہد اور بہت بڑے عابد گزرے ہیں فرمایا کرتے تھے کہ جو چیز سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کو محبوب تھی اس سے بے رغبتی کیونکر کی جاسکتی ہے اور شیخ علی متقیؒ کا ارشاد ہے کہ ہر خواہش دل کو تاریک بنا دیتی ہے مگر نکاح سے دل میں نور اور صفائی پیدا ہوتی ہے اور سفیان ثوری رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے کہ زیادہ عورتوں (سے نکاح کرنے) میں (کچھ بھی اسراف نہیں بخدا میں نئی شادی کا مشتاق ہوں اس لئے حضرات صحابہ میں جو لوگ زاہد مشہور تھے ان کے پاس بیبیاں اور باندیاں بکثرت تھیں اور قوت باہ میں بھی وہ دوسروں سے زیادہ تھے حضرت علی بن ابی طالب کرم اللہ وجہہ نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے انتقال سے ساتویں دن دوسرا نکاح کیا پھر ان کے پاس چار بیبیاں اور انیس باندیاں ان عورتوں کے علاوہ تھیں جو وفات پا گئیں یا طلاق دیکر الگ کر دی گئی تھیں اور حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہما نکاح میں بہت رغبت رکھتے تھے مگر اس کے ساتھ طلاق بھی بہت جلدی دیدیا کرتے تھے اسی لئے دوسو شریف زادیوں سے آپ نے نکاح کیا ہے اور بعض دفعہ چار عورتوں سے ایک ہی عقد میں نکاح کیا ہے ایک بار حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ نے اپنے خطبہ میں فرمایا کہ اے لوگو! حسن اپنی بیبیوں کو بہت جلدی طلاق دے دیتے ہیں تم ان کو سوچ سمجھ کر اپنی لڑکیاں دیا کرو لوگوں نے جواب دیا کہ اے امیر المؤمنین ہم بخدا اپنی لڑکیاں ان کو ضرور دیں گے اور بلا تامل دیں گے پھر جو ان کو پسند آئے گی اس کو رکھ لیں گے اور جو ناپسند ہوگی اس کو طلاق دیدیں گے ایک مرتبہ امام حسن رضی اللہ عنہ نے سعید بن مسیّب فرازی کی لڑکی کو پیغام نکاح دیا اور

آپ کیساتھ ہی امام حسین اور ان کے چچا زاد بھائی عبداللہ بن جعفر نے بھی پیغام بھیجا، سعید بن میسبؒ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مشورہ کیا کہ میری لڑکی کے لئے تین صاحبوں کا پیغام آرہا ہے میں کس سے اس کا نکاح کروں آپ نے فرمایا کہ حسن تو طلاق بہت دیتے ہیں اور حسین کے مزاج میں سختی ہے لیکن تم عبداللہ بن جعفر کے پیام کو منظور کرلو، چنانچہ انہی سے اس کا نکاح ہوگیا۔

ف۔ سبحان اللہ اسلامی صداقت اس کو کہتے ہیں کہ باپ ہوکر اپنی اولاد کی ذرا پرواہ نہیں کرتے اور لڑکی والے سے اپنی اولاد کی حالت صاف صاف کھول دیتے ہیں کہ ان میں فلاں فلاں بات ہے تم ان سے اپنی بیٹی کا نکاح نہ کرو بلکہ تیسرے شخص سے کردو۔ مسلمانوں کو اس واقعہ سے سبق لینا چاہیے) الغرض نکاح کو کسی نے بھی زہد کے خلاف نہیں سمجھا بلکہ بہت سے علماء نے اس کو مکروہ سمجھا ہے کہ انسان حق تعالیٰ سے ایسی حالت میں ملاقات کرے کہ اس کے نکاح میں کوئی عورت نہ ہو۔

ایک مرتبہ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کی دو بیبیاں طاعون میں فوت ہوگئی تھیں اور وہ خود بھی اس وقت طاعون میں مبتلا تھے آپ نے اسی حالت میں فرمایا کہ میرا نکاح جلدی کسی عورت سے کرو کیونکہ میں بے نکاحی کی حالت میں خدا تعالیٰ سے ملنا پسند نہیں کرتا اور اس میں راز یہ تھا کہ وہ حق تعالیٰ سے ایسی حالت میں ملنا چاہتے تھے کہ اس کی تمام مرضیات پر عمل کئے ہوئے ہوں اور نکاح حق تعالیٰ کو پسند ہے اس لئے بدون نکاح کئے مرنا ان کو گوارا نہ تھا کیونکہ یہ حالت سنت نبویہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف تھی۔

اور حضرت عبداللہ بن عمر صحابہ میں بہت بڑے زاہد تھے مگر اسی کے ساتھ ان کی قوت باہ کی یہ حالت تھی کہ وہ رمضان کا روزہ جماع سے افطار کرتے تھے۔ چنانچہ ایک مرتبہ رمضان کے مہینہ میں انہوں نے عشاء سے پہلے اپنی تین باندیوں سے فراغت حاصل کی حالانکہ اس وقت تک آپ نے کچھ کھایا پیا ہی نہ تھا اور سیدنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم باوجودیکہ کھانے پینے میں بہت کمی کرتے تھے اور بعض دفعہ چند در چند فاقوں کی وجہ سے پیٹ کو پتھر بھی باندھ لیا کرتے تھے اور پہلے یہ بات معلوم ہوچکی ہے کہ سیدنا

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی دو وقت سیر ہو کر گیہوں کی روٹی نہیں کھائی یہاں تک کہ دنیا سے تشریف لے گئے۔ اس حالت میں حق تعالیٰ نے آپ کو قوت جماع اس درجہ عطا فرمائی تھی جو خلاف عادت ہونے کی وجہ سے نہایت حیرت انگیز ہے اسی لئے آپ کے واسطے نو بیبیوں سے نکاح کرنے کی حق تعالیٰ نے اجازت دی حالانکہ اس امت میں چار سے زیادہ نکاح کی ایک وقت میں کسی کو اجازت نہیں۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے بخاری اور نسائی نے روایت کی ہے کہ سیدنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اکثر رات اور دن میں کسی وقت اپنی تمام بیبیوں سے فراغت حاصل کرلیا کرتے تھے حالانکہ وہ شمار میں گیارہ تھیں نو بیبیاں اور دو باندھیاں جن میں ایک کا نام ماریہ قبطیہ تھا اور دوسری کا ریحانہ حضرت انس فرماتے ہیں کہ ہم لوگ آپس میں یہ کہا کرتے تھے کہ حضور کو تیس مردوں کی قوت عطا کی گئی ہے۔

ترمذی اور ابن ماجہ ونسائی نے ابو رافع سے بھی (جو کہ سیدنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے آزاد کردہ غلام ہیں) اسی کے موافق روایت کی ہے کہ ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی سب بیبیوں سے فراغت حاصل کی اور ہر ایک کے پاس جدا غسل کیا اور طاؤس وصفوان بن سلیم رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو چالیس مردوں کی قوت عطا کی گئی تھی اور ابو نعیم نے مجاہد رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو چالیس مردوں کے برابر قوت دی گئی تھی۔ مگر دنیا کے مرد مراد نہیں بلکہ جنت کے چالیس مردوں کے برابر آپ میں قوت تھی۔ اور ترمذی نے صحیح سند کے ساتھ روایت کیا ہے کہ جنت کے ہر مرد میں (دنیا کے) ستر مردوں کے برابر قوت ہوگی اور دوسری روایت سے جس کو ترمذی نے صحیح غریب کہا ہے یہ معلوم ہوتا ہے کہ سو مردوں کے برابر طاقت ہوگی۔ پس پہلی روایت پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم میں دو ہزار آٹھ سو مردوں کی طاقت ہوئی اور دوسری روایت چار ہزار مردوں کی۔

اس صورت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا نو بیبیوں پر اکتفا کرنا آپ کے غایت صبر کی دلیل ہے اگر آپ اس سے زیادہ بھی نکاح کرتے تو کچھ عجیب نہ تھا اور حضرات

انبیاء علیہم السلام میں اس قدر قوت کا ہونا محض اہل اسلام ہی کا دعویٰ نہیں بلکہ دیگر اہل کتاب یہود و نصاری بھی اس کو تسلیم کرتے ہیں کہ انبیاء میں دوسروں سے بہت زیادہ قوت ہوتی ہے توراۃ میں حضرت سلیمان علیہ السلام کی بابت یہ خبر مذکور ہے کہ آپ کی ہزار بیبیاں تھیں بخاری و مسلم نے مرفوعا روایت کیا ہے کہ ایک مرتبہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے فرمایا کہ میں آج کی رات سو بیبیوں کے پاس جاؤں گا یا ننانوے فرمایا (راوی کو شک ہے) پھر ان میں سے ہر ایک کے ایک ایک لڑکا پیدا ہوگا جو اللہ کے راستہ میں جہاد کرے گا اور اس وقت آپ کے وزیر نے یا فرشتہ نے کہا کہ انشاء اللہ کہہ لیجئے مگر آپ بھول گئے پھر آپ نے ایسا ہی کیا (کہ ایک رات میں سو یا ننانوے بیبیوں کے پاس گئے) مگر چونکہ انشاء اللہ نہ کہا تھا اس لئے کسی کو حمل نہ ٹھہرا صرف ایک بی بی حاملہ ہوئی جس سے ناتمام بچہ ساقط ہوگیا۔ سیدنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر وہ انشاء اللہ کہہ لیتے تو ان کی بات پوری ہو جاتی۔

ابن جریر نے اپنی تفسیر میں عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے موقوفاً روایت کیا ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کی پشت میں سو مردوں کے برابر نطفہ تھا حاکم نے محمد بن کعب سے نقل کیا ہے وہ فرماتے ہیں کہ مجھ کو یہ خبر پہنچی ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے پاس سات سو بیبیاں اور تین سو باندیاں تھیں اور سیدنا داؤد علی نبینا و علیہ السلام باوجود یکہ بہت بڑے زاہد تھے کہ اپنے ہاتھ کی کمائی سے کھایا کرتے تھے اس پر بھی ان کے پاس ننانوے بیبیاں تھیں جن کی طرف حق تعالیٰ نے اس آیت میں اشارہ فرمایا ہے **ان ھــذا اخی لہ تسع و تسعون نعجۃً و لی نعجۃً واحدۃ.** طبرانی نے سند جید کے ساتھ حضرت انس سے روایت کیا ہے کہ سیدنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ مجھ کو (بشریت کے لحاظ سے) چار باتوں میں سب آدمیوں پر فضیلت دی گئی ہے ایک سخاوت میں دوسری شجاعت میں، تیسری کثرت جماع میں، چوتھی مضبوطی کے ساتھ (دشمن کو) پکڑنے میں۔

غرض ان تمام دلائل سے یہ بات بخوبی ثابت ہوگئی کہ سیدنا رسول اللہ صلی اللہ

علیہ وسلم قوت مردانگی میں بھی درجہ کمال رکھتے تھے جو کہ مردوں میں بشریت کے لحاظ سے ایک اعلیٰ ترین وصف ہے اور بہت سے اخلاق حمیدہ اسی پر موقوف ہیں۔

اب ہم یہ چاہتے ہیں کہ بعض ان اشکالات کا بھی جواب دیں جو اس مقام پر بعض لوگوں کو پیش آسکتے ہیں۔ سوممکن ہے کہ کسی شخص کو یہ شبہ پیدا ہو کہ حق تعالیٰ نے فرمایا ہے وتبتل الیه تبتیلا (دنیا سے نظر کو قطع کر کے حق تعالیٰ کی طرف یکسو ہو جاؤ) اس میں تو تبتل کا حکم ہے اور حدیث میں ہے۔ نُھی صلی اللّٰہ علیه وسلم عن التبتل۔ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تبتل سے منع فرمایا ہے سو آیت اور حدیث میں تعارض ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ حدیث میں جس تبتل کی ممانعت ہے اس سے وہ تبتل مراد ہے جس کو نصاریٰ باعث فضیلت سمجھتے تھے۔ یعنی رہبانیت اور عورتوں سے علیحدگی اور بے رغبتی۔ اور آیت میں جس تبتل کا حکم ہے اس سے مراد یہ ہے کہ دل کا تعلق مخلوق سے قطع کر کے حق تعالیٰ کی طرف اس کو متوجہ کرو۔ سو نکاح اس تبتل کے منافی نہیں ہے بلکہ تقریر بالا سے معلوم ہو چکا ہے کہ نکاح اس تبتل میں معین ہوتا ہے کیونکہ اس کے ذریعہ سے عفت اور قلب کو سکون اور وساوس وخطرات نفسانی سے نجات حاصل ہوتی ہے۔ جس کے بعد حق تعالیٰ کی طرف اس کا متوجہ ہونا سہل ہے۔

نیز یہ بھی معلوم ہو چکا ہے کہ تمام شہوتیں دل کو تاریک کر دیتی ہیں۔ مگر نکاح سے قلب کے نور وصفا میں ترقی ہوتی ہے پس وہ توجہ الی اللہ سے مانع نہیں البتہ اگر کسی کے پاس اہل وعیال کیلئے نفقہ وغیرہ کا خرچ ہی نہ ہو اور اس کو اندیشہ یہ ہے کہ نکاح کرنے سے حرام کمائی پر مجبور ہوگا تو اس کے لئے نکاح بیشک خدا کی طرف متوجہ ہونے سے مانع ہوگا ایسے شخص کو نکاح کرنا جائز نہیں بلکہ اس کو روزے رکھ کر اپنی شہوت کو قبضہ میں کرنا چاہیے جیسا کہ اوپر ایک حدیث میں یہ مضمون گزر چکا ہے اور دوسرا اشکال بعض لوگوں کو یہ پیش آتا ہے کہ حق تعالیٰ عزوجل نے حضرت یحییٰ بن زکریا علی نبینا وعلیہما الصلوۃ والسلام کی مدح میں فرمایا ہے سَيِّدًا و حَصُورًا وَنَبِيًّا مِّنَ الصَّالِحِيْنَ (کہ وہ سردار ہونگے اور اپنے نفس کو روکنے والے اور نبی ہونگے شائستہ لوگوں میں سے) اور بعض مفسرین نے

حصورا کی تفسیر میں یہ کہا ہے کہ وہ عورتوں کے پاس جانے سے عاجز ہونگے پس اگر نکاح کوئی فضیلت کی چیز ہے تو یحییٰ علیہ السلام کی یہ ثناء وصفت بے موقع ہوئی جاتی ہے۔ نیز عیسیٰ علیہ السلام نے بھی عورتوں کی طرف مطلق التفات نہیں کیا اگر نکاح کرنا بے نکاح رہنے سے افضل ہوتا تو وہ ضرور نکاح کرتے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ حصور کی تفسیر میں جن لوگوں نے یہ کہا ہے کہ یحییٰ علیہ السلام عورتوں کے پاس جانے سے عاجز تھے یہ صحیح نہیں کیونکہ ماہر مفسرین اور علماء ناقدین نے اس کو رد کر دیا ہے۔

نامردی ایک بہت بڑا عیب ہے جو کسی انسان کی تعریف میں ذکر نہیں کیا جا سکتا اور نہ حضرات انبیاء علیہم السلام کی طرف ایسے عیب کی نسبت کی جا سکتی ہے کیونکہ انبیاء علیہم السلام تمام قوی بشریہ میں کامل ہوتے ہیں بلکہ حصور کے معنی یہ ہیں کہ وہ اپنے نفس کو گناہوں سے یا مباح لذتوں سے روکنے والے ہوں گے اور ظاہر ہے کہ نکاح لذت مستحبہ ہے اس سے نفس کو روکنا مراد نہیں ہوسکتا اور تلمانی نے ذکر کیا ہے کہ سیدنا عیسیٰ علیہ السلام آخر زمانہ میں جب آسمان سے دجال کے قتل کرنے کو اتریں گے۔ اس وقت آپ نکاح بھی کریں گے اور آپ کی نرینہ اولاد بھی ہوگی۔ اور وفات کے بعد سیدنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اور صدیق اکبرؓ کے درمیان میں دفن ہونگے

اور یحییٰ علیہ السلام نے انتقال سے پہلے ایک عورت سے نکاح کرلیا تھا لیکن آپ کو اس کے پاس جانے کی نوبت نہیں آئی کہ شہید ہوگئے الغرض قوت نکاح کا نہ ہونا بہت بڑا نقص ہے۔ جس سے انبیاء علیہم السلام منزہ ہیں بلکہ کمال یہ ہے کہ یہ قوت موجود ہو اور پھر اس کا توڑ کیا جاوے خواہ مجاہدات و ریاضات سے جیسا کہ سیدنا عیسیٰ علیہ السلام نے کیا یا محض حق تعالیٰ کی حفاظت سے جس میں مجاہدہ کی ضرورت ہی نہ ہو جیسا کہ سیدنا یحییٰ علیہ السلام سے ثابت ہے۔ سو اس کی فضیلت کا فی نفسہ ہم کو انکار نہیں کیونکہ نکاح بسا

---

[1] اس حدیث میں بعض لوگوں نے ثلث کا لفظ بڑھا دیا ہے جس سے اشکال وارد ہوتا ہے کہ عورتوں اور خوشبو کا دنیا ہونا تو مسلم مگر نماز کو کیونکر دنیا میں شمار کیا گیا۔ سو ملا علی قاری نے شرح شفاء میں فرمایا ہے ولیس **زیادة ثلث فی۔** اصح الروایات کہ لفظ ثلث کی زیادت صحیح روایت میں نہیں ہے فاندفع الاشکال۔

اوقات حق تعالیٰ کے ساتھ یکسوئی میں مخل ہوتا ہے اور دنیا کی طرف مائل کر دیتا ہے لیکن جس شخص کو نکاح کرنے کے بعد حق تعالیٰ سے کسی درجہ میں بھی توجہ کم نہ ہو اور اس کے حقوق کو پوری طرح ادا کر سکے۔ یقیناً یہ مرتبہ پہلے درجہ سے بڑھا ہوا ہے اور سیدنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی کی ہم کو تعلیم دی اور عملی طور پر بھی اس کو کر کے دکھا دیا ہے۔ کہ باوجود کثیر التعداد بیبیوں کے پھر بھی آپ کی عبادت الٰہی اور روز مرہ کے دینی معمولات میں کبھی فرق نہیں آیا اور نہ ان کی محبت نے کسی وقت خدا کے راستہ میں جہاد کرنے سے آپ کو روکا اور نہ آپ نے بیبیوں کی خاطر کبھی دنیا جمع کرنے کی طرف التفات کیا۔ بلکہ جس قدر آپ نے نکاح کئے اسی قدر عبادات الٰہی میں ترقی کرتے گئے کہ راتوں کو اٹھنے اور نماز میں کھڑے رہنے سے آپ کے قدم مبارک ورم کر جاتے تھے اور بعض دفعہ جب کسی بی بی نے اپنے بستر پر آپ کو نہیں پایا اور تلاش کیا تو آپ کو خدا تعالیٰ کی بارگاہ میں سر بسجود ہی پایا فصلی اللّٰہ علیہ وعلی الہ وبارک وسلم پھر اس کے ساتھ آپ اپنی بیبیوں کی خواہش کو بھی پورا کرتے اور ان کے حقوق بھی اس طرح ادا کرتے تھے کہ کوئی شخص اس کی نظیر نہیں دکھا سکتا۔

آپ ان کے لئے روز مرہ کی ضروریات بھی بہم پہنچاتے اور دینی ہدایت سے بھی ان کو آراستہ فرماتے تھے کہ بعد میں وہ صدہا مسائل جن کا تعلق طبقہ نسوان سے ہے انہی بابرکت امہات المومنین سے امت نے معلوم کئے۔ اور یہ وہ باتیں ہیں جن میں سے ہر ایک کا ثواب ایک مستقل درجہ رکھتا ہے۔ اور ایک حدیث میں سیدنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی تصریح فرما دی ہے کہ میرا بکثرت نکاح کرنا دنیوی حظ کی وجہ سے نہیں ہے کیونکہ مجھ کو دنیا سے کوئی بھی علاقہ نہیں آپ کا ارشاد ہے[1] حبب الی من دنیا کم النساء والطیب و قرۃ عینی فی الصلوۃ اھ۔ کہ مجھ کو تمہاری دنیا میں سے دو چیزیں محبوب ہیں ایک عورتیں دوسری خوشبو۔ اور میری آنکھ کی ٹھنڈک نماز میں ہے۔ اس میں تمہاری دنیا کا لفظ جس حقیقت کی طرف اشارہ کر رہا ہے اس سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ آپ نے ان دونوں چیزوں کو دوسروں کے اعتبار سے دنیا فرمایا ہے ورنہ آپ کے اعتبار

سے یہ چیزیں دنیا میں داخل نہ تھیں

کیونکہ آپ حظ نفس اور لذت دنیا کے لئے کوئی کام ہی نہ کرتے تھے آپ نے جو کچھ کیا دین سمجھ کر اور رضاء الٰہی کا ذریعہ سمجھ کر کیا۔ اور آپ کو حقیقی محبت خدا تعالیٰ کی ذات بے مثل سے تھی اور اسی کا مشاہدہ آپ کی آنکھ کیلئے ٹھنڈک کا سبب تھا اور اس پر کچھ تعجب نہ کیا جائے کیونکہ حضور کے غلامان غلام میں بھی بعض لوگ ایسے ہوئے ہیں جن کو عین جماع کے وقت حظ نفس کی طرف مطلق التفات نہ ہوتا تھا۔ چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے کہ میں بعض دفعہ ایک عورت سے نکاح کرتا ہوں اور مجھے اس کی کچھ حاجت نہیں ہوتی اور اس کے پاس جاتا ہوں تو مجھے اس کی طرف شہوت نہیں ہوتی۔ لوگوں نے پوچھا کہ پھر آپ نکاح اور قربت کس لیے کرتے ہیں۔ فرمایا محض اس لئے کہ مجھ سے ایسی نسل پیدا ہو جائے جن کی کثرت پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم قیامت میں فخر فرمادیں اور اولیاء اللہ میں بھی بعض لوگ اس درجہ کے گزرے ہیں بلکہ اب بھی موجود ہیں مستعنا اللہ بفیوضہم وتبرکاتہم اب میں اس مضمون کو ختم کرتا ہوں اور انشاء اللہ آئندہ نمبر میں عزت و جاہ کے متعلق کچھ عرض کیا جائے گا۔

والحمد للّٰہ وعلی خیر البریة افضل الصلوة والتحیه

تعلیم نبوت (عزت وجاہ)

ناظرین کو یہ معلوم ہو چکا ہے کہ ضروریات زندگی میں سے عزت و جاہ بھی ایک ایسی چیز ہے جس کی زیادت و کثرت ہر شخص کو مطلوب ہے اور جس عزت و جاہ سے انسان کمزور اور ضعیف آدمیوں کو نفع پہنچا سکے وہ بالاتفاق عقلاء وحکماء سب کے نزدیک محمود ہے۔

اب ہم دکھلانا چاہتے ہیں کہ حق تعالیٰ شانہ نے سیدنا رسول اللہ علیہ وسلم کو عزت وجاہ کس قدر عطا فرمائی تھی اور دوستوں کے علاوہ دشمنوں کے قلوب میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت کس قدر جاگزیں تھی۔ لیکن سب سے پہلے ناظرین کو یہ سمجھ لینا چاہیے کہ جاہ کی دو قسمیں ہیں ایک وہ جو خداداد ہو۔ دوسری وہ جو کہ انسان کی طلب اور کوشش سے حاصل ہو۔ پہلی قسم جاہ محمود ہے اور دوسری قسم جاہ مذموم شریعت اسلامیہ نے طلب جاہ اور اس کیلئے کوشش اور سعی سے منع فرمایا ہے کیونکہ یہ تکبر کا ایک شائبہ ہے اور شرعاً وعقلاً تکبر سے بدتر کوئی عیب نہیں البتہ شریعت نے بدنامی اور ذلت سے بچنے کی ضرور تاکید کی ہے سیدنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے اتقوا مواضع التھم. تہمت کے مواقع سے بچو نیز آپ کا ارشاد ہے لا ینبغی للمومن ان یذل نفسه. مسلمان کو مناسب نہیں ہے کہ اپنے نفس کو ذلیل کرے اگر کسی پر کوئی غلط الزام یا تہمت رکھ دی جائے تو اس سے اپنی برات ظاہر کرنا اور براءت کیلئے کوشش کرنا شرعاً مطلوب ومحمود ہے جیسا کہ سیدنا یوسف علیہ السلام نے قید خانہ سے رہائی اور خلاصی کا حکم سننے کے بعد قاصد سے فرمایا تھا۔

﴿ اِرْجِعْ اِلٰى رَبِّكَ فَسْـَٔلْهُ مَا بَالُ النِّسْوَةِ الّٰتِىْ قَطَّعْنَ اَيْدِيَهُنَّ اِنَّ رَبِّىْ بِكَيْدِهِنَّ عَلِيْمٌ ۝ ﴾

''تو اپنے آقا کے پاس واپس جا کر اس سے دریافت کر کہ ان عورتوں کا کیا حال ہے جنہوں نے اپنے ہاتھ کاٹ لئے تھے۔''

''یعنی ان سے میرے واقعہ کی تحقیق کرنا چاہیے اور جب تک میری براءت ظاہر نہ ہو جائے اس وقت تک میں قید خانہ سے باہر نہ نکلوں

گا۔) بیشک میرا رب اس طبقہ نسواں کے فریب کو خوب جانتا ہے۔''

یوسف علیہ السلام کے اس فعل سے یہ بات ظاہر ہو گئی کہ غلط اور بیجا اتہام سے اپنی برات کر دینا اور اس میں سعی کرنا شرعاً محمود ہے سو یہ امور طلب جاہ میں داخل نہیں ہیں طلب جاہ یہ ہے کہ انسان اپنی عظمت لوگوں کے قلوب میں بٹھانے کے لئے وسائل و ذرائع تلاش کر کے ان میں سعی اور کوشش کرے۔ سو یہ صورت شرعاً مذموم ہے۔ بلکہ انسان کو چاہیے کہ محض خدا کو راضی کرنے کیلئے اخلاق حمیدہ و اعمال صالحہ اختیار کرے اور بلا وجہ تہمت و ذلت کے مواقع میں نہ پڑے اس سے خود بخود لوگوں کے دلوں میں اس کی عزت و جاہ پیدا ہو جاتی ہے۔ وہ خدا داد عزت ہے جو نعمت الٰہی ہونے کی وجہ سے قابل شکر اور لائق مدح و ثناء ہے۔

پس ہم سب سے پہلے یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ سیدنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عزت و جاہ حاصل کرنے کے لئے خود کوئی کوشش نہیں کی بلکہ بذات خود آپ نے ہمیشہ تواضع اور خاکساری کا طریقہ اختیار فرمایا آپ میں ترفع اور تکبر نام کو بھی نہ تھا پھر طلب جاہ کیلئے کوشش تو آپ کیا کرتے مگر بایں ہمہ آپ کی خداداد عظمت و جاہ دشمنوں کے قلوب میں اس درجہ تھی کہ کسی کو کم نصیب ہوئی ہوگی۔

سیدنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تواضع کے واقعات احادیث میں اس قدر مذکور ہیں کہ ان کے لئے ایک دفتر عظیم کی ضرورت ہے مگر بطور نمونہ کے ہم چند واقعات پر اکتفاء کرتے ہیں قاضی عیاض نے اپنی سند کے ساتھ حضرت ابو امامہ باھلی رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لاٹھی کا سہارا لئے ہوئے باہر تشریف لائے تو ہم تعظیم کیلئے آپ کو دیکھ کر کھڑے ہو گئے، حضورؐ نے ارشاد فرمایا کہ تم میرے لئے اس طرح کھڑے نہ ہوا کرو جیسے اہل عجم اپنے بادشاہوں کی تعظیم کیلئے کھڑے ہوا کرتے ہیں۔

سیدنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت تھی کہ آپ کھانا کھاتے ہوئے گھٹنوں کے بل جھکے ہوئے بیٹھا کرتے تھے کسی نے اس کی وجہ دریافت کی تو آپ نے

فرمایا کہ میں تو (اپنے پروردگار کا) غلام ہوں غلاموں ہی کی طرح کھاتا ہوں اور غلاموں ہی کی طرح بیٹھتا ہوں۔

حضرت عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپ کے داہنے ہاتھ میں ککڑی اور بائیں ہاتھ میں تازہ کھجور ہے کبھی آپ اس کو کھاتے تھے کبھی اس کو۔ نیز سیدنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بعض دفعہ دراز گوش پر بھی سوار ہو لیتے تھے حالانکہ آپ کے پاس اونٹ اور گھوڑے سب کچھ موجود تھے۔ اور کبھی کبھی سواری پر کسی کو اپنے پیچھے بھی بٹھا لیا کرتے تھے۔

آپ مسکین لوگوں کی عیادت (اور مزاج پرسی) کیلئے بھی تشریف لیجایا کرتے اور اکثر غرباء و مساکین ہی کے پاس بیٹھا اٹھا کرتے تھے۔ سیدنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ میں مل جل کر بیٹھتے تھے کوئی امتیازی جگہ آپ کیلئے مقرر نہ تھی۔ اور جب کسی مجلس میں تشریف لے جاتے تو جہاں جگہ خالی ہوتی وہیں بیٹھ جاتے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ سیدنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ میری تعریف میں ایسا مبالغہ مت کرو جیسا کہ نصاریٰ نے عیسیٰ بن مریم علیہما السلام کی تعریف میں مبالغہ کیا ہے۔ (کہ ان کو خدا کا بیٹا بنا دیا) بس میں تو اللہ کا بندہ ہوں۔ مجھے خدا کا بندہ اور اس کا رسول کہا کرو۔ (رواہ البخاری)

حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ ایک عورت کی عقل میں کچھ فتور تھا وہ ایک بار حضورؐ کی خدمت میں آئی اور عرض کیا کہ مجھے آپ سے کچھ کام ہے۔ حضورؐ نے فرمایا کہ بی! تو مدینہ کے راستوں میں سے کسی راستہ پر بیٹھ جا میں وہیں بیٹھ کر بھی تیری بات سنوں گا۔ چنانچہ وہ کسی راستہ پر بیٹھ گئی اور حضور بھی وہیں بیٹھ گئے۔ اور بات سن کر اس کی حاجت پوری فرما دی (رواہ مسلم) حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ غزوہ بنی قریضہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک ایسے دراز گوش پر سوار تھے۔ جس کے گلے میں کھجور کی رسی اور پیٹھ پر پالان کسا ہوا تھا (رواہ ابوداؤد)۔

حضرت انس کا یہ بھی بیان ہے کہ سیدنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غلاموں کی

دعوت بھی قبول فرمایا کرتے اور اگر کوئی جو کی روٹی پرانی چربی سے کھانے کیلئے آپ کو بلاتا تو آپؐ اس کو بھی منظور فرما لیتے تھے اور جب حضور حج کیلئے تشریف لے گئے تو آپ ایک پرانی کاٹھی پر سوار تھے۔ جس پر ایک کمبل پڑا ہوا تھا، جو چار درہم سے بھی کم کا تھا۔ حالانکہ اس وقت زمین عرب کا بہت بڑا حصہ آپ فتح کر چکے تھے اور اس حج میں آپؐ نے سو اونٹوں کی قربانی اپنی طرف سے کی تھی۔ اور جس وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ فتح کیا اور مسلمانوں کے لشکر کو لیکر شہر میں داخل ہوئے۔ اس وقت آپؐ نے تواضع اور عاجزی کی وجہ سے کجاوے پر اپنا سر جھکا لیا۔ یہاں تک کہ وہ کجاوے کی لکڑی سے مل مل جاتا تھا۔

حضرت عائشہ وابوسعید حذری رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ سیدنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب گھر میں تشریف لاتے تو اپنے گھر والوں کے کاموں میں ان کی امداد فرمایا کرتے تھے۔ اپنے کپڑوں کی جوئیں پا لیتے اور کپڑوں میں خود ہی پیوند لگا لیتے تھے۔

فائدہ: ابن سبعؒ نے فرمایا ہے کہ روایت سے یہ بات ثابت ہے کہ آپ کے سر یا لباس میں جوئیں کبھی نہ پڑتی تھیں پھر آپ کا جوئیں پانا محض صفائی اور نظافت کے خیال سے تھا) اور سیدنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنا جوتہ بھی گانٹھ لیتے تھے اور گھر میں جھاڑو دے لیا کرتے اور اونٹوں کو اپنے ہاتھ سے باندھ دیتے اور جانوروں کو چارہ ڈالتے اور اپنے غلام اور نوکر کے ساتھ کھانا کھا لیتے اور کبھی خادمہ کے ساتھ ملکر آٹا بھی گوند لیتے تھے اور بعض دفعہ بازار سے کھانے پینے کی چیزیں خود لا دیا کرتے تھے۔ انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ بعض دفعہ مدینہ کی باندیوں میں سے کوئی باندی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ہاتھ پکڑ کر جہاں چاہتی اپنے کام کے واسطے لے جاتی اور حضورؐ اس کے ساتھ ہو لیتے اور اس کا کام کر دیتے تھے۔ اھ۔ مثلاً اس کے آقا سے سفارش کر دیتے کہ اس سے کام بہت نہ لیا کرو جو اس کے تحمل سے زیادہ ہو (رواہ البخاری تعلیقا وابن ماجۃ موصولا)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ ایک مرتبہ سیدنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تو اس وقت آپ ایک بوریئے پر لیٹے ہوئے تھے جس کے نشانات آپ کے پہلو پر نمایاں ہو گئے تھے اور آپ کے دائیں بائیں کچھ کھالیں لٹکی ہوئی تھیں۔ حضرت

عمر اس حالت کو دیکھ کر رونے لگے اور عرض کیا یا رسول اللہؐ یہ کسریٰ اور قیصر جو خدا کے دشمن ہیں ریشمی گدوں پر آرام کر رہے ہیں اور آپ محبوب خدا ہو کر اس حالت میں ہیں۔ دعا کیجئے کہ حق تعالیٰ آپ کی امت کو وسعت عطا فرمائیں۔ آپ یہ بات سن کر اٹھ بیٹھے اور فرمایا کہ اے عمر! تم اس پر راضی نہیں ہو کہ ان لوگوں کیلئے دنیا ہی میں راحت ہے اور ہمارے واسطے آخرت میں بے شمار نعمتیں ہیں۔

ناظرین! یہ تھی سیدنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تواضع باوجودیکہ آپ صرف پیغمبر ہی نہ تھے بلکہ ایک بہت بڑی سلطنت کا انتظام بھی آپ کے ہاتھ میں تھا۔ سلطان ہو کر جس تواضع کی نظیر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دکھلائی ہے اس کی مثال دنیا کے پردہ میں نہیں مل سکتی۔ آیئے اب ہم آپ کو اس خداداد عزت و جاہ کا نمونہ دکھلائیں جو اس تواضع اور خاکساری پر حق تعالیٰ نے آپ کو عطا فرمائی تھی۔

سیدنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت و جاہ نبوت سے پہلے ہی لوگوں کے دلوں پر اپنا سکہ بٹھا چکی تھی۔ آپ کی رحمدلی، اخلاق و فاداری، سچائی، دیانتداری، نیک چلنی، غربا نوازی، قومی ہمدردی اور انصاف پسندی نے ابتداء ہی سے آپ کو ہر دل عزیز بنا دیا اور قوم سے محمد امین کا خطاب دلا دیا تھا۔ آپ کی نبوت سے پہلے جب قریش نے بیت اللہ کی از سر نو تعمیر کا ارادہ کیا اور اپنی صاف ستھری کمائی سے خدا کے باعظمت گھر کو بنانا شروع کیا تو حجر اسود کو اپنی جگہ پر رکھنے میں قبائل مکہ کے اندر پھوٹ پڑ گئی۔ کیونکہ ہر شخص کی یہی خواہش تھی کہ یہ پاک پتھر میرے ہاتھوں اپنے مقام تک پہنچے عرب کی ضد اور جہالت کو سب جانتے ہیں کہ ان میں جھگڑا پڑے پیچھے بات کا سلجھنا کوئی آسان بات نہ تھی۔ اس لئے خانہ کعبہ کی تعمیر تو یہیں رک گئی اور اب ہر قبیلہ کو لڑ کر اپنی جان کا دیدنا آسان نظر آنے لگا۔ بالآخر پانچ دن مسجد حرام میں کمیٹی ہوئی اور باہمی مشورہ سے منصفانہ فیصلے ہونے لگے۔ بہترین رد بدل کے بعد آخر چند بوڑھے سرداروں اور قوم کے سربرآوردہ تجربہ کاروں نے مشورہ دیا کہ اچھا صبح ہوتے سب سے پہلے جو شخص حرم شریف کے اس دروازہ سے گزرے اس کو منصف قرار دے لو اور جس کو وہ کہے وہی شخص حجر اسود کو

اس کی جگہ رکھ دے۔

چنانچہ اس رائے سے سب نے اتفاق کیا اور اگلے دن پر اپنی اپنی تقدیر کا فیصلہ حوالہ کر کے سب اپنے گھر چلے گئے صبح کو اس دروازہ سے گزرنے والے پہلے شخص سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تھے جن کی سچائی کا سکہ سب کے دلوں میں بیٹھ چکا اور ہمدردی وعزت کی شہرت عام طور پر قبائل عرب کو گرویدہ بنا چکی تھی۔ اس لئے سب نے آپ کو دیکھ کر بالاتفاق کہا **هذا محمد هذا الامين قد رضينا به** یہ محمد ہیں یہ امین ہیں۔ ہم سب ان کے فیصلہ پر راضی ہیں۔ جس کو یہ حکم دیں گے وہی حجر اسود کو اس کے مقام پر رکھنے کی عزت حاصل کریگا۔ چنانچہ آپ نے اس طرح فیصلہ کیا کہ حجر اسد کو اپنی مبارک چادر میں رکھا اور ہر قبیلہ کے صاحب عزت سردار کو حکم دیا کہ اس چادر کو تھام لے تا کہ تمام قبائل مکہ کے ہاتھوں پر پتھر اپنی جگہ پہنچے اور کسی قبیلہ کو یہ کہنے کا حق نہ رہے کہ اس عزت میں میرا کوئی شریک نہیں اس عجیب خوش تدبیری پر چاروں طرف سے صدائے آفریں۔ بلند ہوئی اور قبائل کے سرداروں نے اس طرح حجر اسود کو اس کی جگہ پہنچایا اس کے بعد سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم آگے بڑھے اور بہ نفس نفیس خود اس پتھر کو چادر سے باہر نکال کر اس جگہ رکھ دیا جہاں وہ پہلے رکھا ہوا تھا۔ رواہ احمد والحاکم وصحہ الطبرانی)

ربیع بن خثیم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ وہ فرماتے ہیں کہ سیدنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس زمانہ جاہلیت میں اسلام سے پہلے ہی قبائل مکہ کے اکثر مقدمات فیصلہ کے لئے آیا کرتے تھے۔ اس سے یہ بات ظاہر ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت وعزت نبوت سے پہلے بھی لوگوں کے دلوں میں گھر کئے ہوئے تھی اور نبوت کے بعد تو جو کچھ عزت وجاہ عام قلوب میں آپ کو حاصل ہوئی اس کے واقعات شمار نہیں ہوسکتے۔

چنانچہ ایک مرتبہ ابو جہل نے ایک تاجر سے اونٹ خرید کیا اور معاملہ طے کر کے قیمت دینے کیلئے ایک خاص دن مقرر کر دیا۔ معین وقت پر جب تاجر نے قیمت کا مطالبہ کیا تو اس کو دوسرے دن پر ٹال دیا جب وہ دوبارہ آیا تو کسی اور وقت کا بہانہ کر دیا۔ غرض اسی طرح ٹالتا رہا بالآخر تاجر نے مسجد حرام میں آکر قریش کی ایک مجلس میں ابو جہل کے

اس ظلم کی شکایت کی اور سرداران قریش سے کہا کہ کیا آپ صاحبوں میں سے کوئی میری مدد کیلئے تیار ہوسکتا ہے کہ ابوجہل سے میری رقم وصول کرا دے۔ اہل مجلس نے کہا کہ تم محمد بن عبداللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے پاس جاؤ۔ وہ ابوجہل سے تمہاری رقم دلوا سکتے ہیں۔ دوسرا کوئی اس ہمت کا نہیں (حالانکہ یہ وہ وقت تھا کہ سیدنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے توحید و رسالت کی دعوت اعلانیہ شروع کر دی تھی اور اس وجہ سے ابوجہل آپ کا سب سے بڑا دشمن تھا۔ مگر پھر بھی قریش کو آپ کی عظمت خداداد کی بنا پر یہ پورا یقین تھا کہ ابوجہل آپ کی بات کو ٹال نہیں سکتا گو مذہب کے بارہ میں آپ سے کیسی ہی عداوت رکھتا ہو)

چنانچہ تاجر حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر آپ سے امداد کا طالب ہوا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس کے ساتھ ابوجہل کے گھر پر تشریف لائے اور دروازہ کھٹکھٹا کر اسے باہر بلایا۔ اس نے باہر آ کر دریافت کیا کہ اے محمدؐ آپ کیسے تشریف لائے۔

حضورؐ نے فرمایا کہ تم اس تاجر کی رقم کیوں نہیں دیتے۔ اس کو روز روز کیوں ٹال دیتے ہو

ابوجہل بولا کہ آپ تشریف رکھیں میں ابھی پوری رقم لاتا ہوں۔ چنانچہ آپ کے سامنے ہی اس نے سب روپے گن دیئے اور تاجر آپ کو دعا دیتا ہوا لوٹ گیا۔ قریش کے لوگوں نے ابوجہل پر آوازیں کسیں کہ آج تو محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے کہنے پر تو نے بڑی جلدی عمل کیا حالانکہ رات دن تو ان کی ایذا کے درپے اور عداوت نکالنے کا منتظر رہتا ہے۔

کہنے لگا کہ بس زیادہ نہ بولو بات یہ ہے کہ جب محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے میرے دروازہ پر ہاتھ مار کر مجھے آواز دی ہے۔ اس وقت میرے دل پر ان کی آواز سے کچھ ایسا رعب چھا گیا کہ مجھے سوائے اس کے اور کوئی چارہ نظر نہ آیا کہ جو کچھ انہوں نے کہا وہی کروں۔

ایک اور واقعہ اسی ابوجہل کا یہ ہے کہ ایک شخص قبیلہ بنی زبید کا اپنے تین اونٹ نیلام کرنے لایا۔ ابوجہل نے ان کے خریدنے کا قصد کیا اور بھاؤ تاؤ کرنے لگا ابوجہل کو دیکھ کر دوسرے لوگ بولی بولنے سے رک گئے اور اس نے ان تینوں اونٹوں کے دام بہت

کم لگائے۔ سیدنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس واقعہ کی خبر ہوئی۔ تو آپ تشریف لائے اور قیمت میں (معقول) اضافہ کر کے تینوں اونٹ آپ نے خرید لئے پھر ان میں سے دو اونٹوں کو تو اسی قیمت پر فروخت کر کے اعرابی کے دام ادا کر دیئے اور تیسرے اونٹ کو بیچ کر بنی عبدالمطلب کی بیوہ عورتوں میں اس کی قیمت تقسیم کر دی۔

ابو جہل ذلیل وخوار کھڑا ہوا یہ سب کچھ دیکھ رہا تھا۔ مگر دم نہ مار سکا پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو ایک نظر بھر کر دیکھا اور فرمایا کہ خبردار آئندہ ایسی ظالمانہ حرکت نہ کرنا جیسی آج تو نے اس اعرابی کے ساتھ کی ہے، ورنہ میں بری طرح تیرے ساتھ پیش آؤں گا۔ ابو جہل بولا کہ اے محمدؐ میں پھر ایسی حرکت نہ کرونگا۔ امیہ ابن خلف نے یہ حالت دیکھ کر ابو جہل سے کہا کہ آج تو محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے سامنے تو بہت ہی دب گیا۔ کہنے لگا اس کا سبب یہ تھا کہ مجھے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے دائیں بائیں بہت سے آدمی نظر آرہے تھے جو نیزے ہاتھوں میں لئے ہوئے مجھے گھور رہے تھے۔ اگر میں اس وقت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی مخالفت کرتا تو میری ہلاکت میں دیر نہ لگتی۔ (اخرج القصہ الاولی فی السیرۃ النبویۃ مفصلاً واخرجھا والثانیۃ فی شرح الشفاء مجملاً) الغرض نبوت کے بعد ایسے واقعات بکثرت پیش آتے تھے کہ جو لوگ پیٹھ پیچھے عداوت اور ایذا رسانی میں کمی نہ کرتے وہی جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے آتے تو آپ کی خداداد عظمت سے مرعوب ہو کر جو کچھ آپ فرماتے اس کو ہی بجالاتے اور آپ کو دیکھتے ہی مبہوت وخوف زدہ ہو جاتے تھے۔

ایک دن کا ذکر ہے کہ سیدنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حرم شریف میں تنہا بیٹھے تھے کہ ایک قریشی سردار عتبہ بن ربیعہ آپ کے پاس آیا اور کہنے لگا کہ اے میرے بھائی کے لڑکے بیشک تم شرافت ولیاقت میں مشہور ہو لیکن افسوس تم نے ہم لوگوں میں تفرقہ ڈالدیا ہمارے گھروں میں جھگڑا پھیلا دیا تم ہمارے دیوتاؤں کو برا کہتے اور ہمارے باپ دادا کو گنہگار بددین مشرک اور جہنمی بتاتے ہو اس لئے ہم لوگ تم سے کچھ کہنا چاہتے ہیں، تم اس پر غور کرو اور جو کچھ ہم کہیں اسے منظور کرلو آپ نے فرمایا کہ اے ولید کے باپ تم

کہو میں سنتا ہوں، ابو الولید نے کہا کہ اے میرے بھائی کے بیٹے اگر تم اپنی ان باتوں سے دولت پیدا کرنا چاہتے ہو تو ہم چندہ کر کے تمہارے لئے اتنی دولت جمع کر سکتے ہیں کہ اس قدر ہم میں سے کسی امیر کے پاس بھی نہ ہوگی اور اگر اس سے تم اپنی عزت اور نام چاہتے ہو تو ہم لوگ تمہیں اپنا سردار بنالیں کہ کوئی کام تمہاری رائے کے ہرگز خلاف نہ کریں اور اگر تم ملک چاہتے ہو تو ہم تمہیں اپنا بادشاہ قرار دیں اور اگر تم کو آسیب کا خلل ہے اور وہ بھوت جو تم پر سوار ہے تم سے نہ اترے تو ہم لوگ روپیہ خرچ کر کے کسی حکیم کو لائیں اور ہوشیار طبیب سے تمہارا علاج کرائیں۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ نہ مجھ کو تمہارا روپیہ چاہیے نہ تمہاری سلطنت درکار ہے، نہ تمہارا جاہ وحشم میری نظر میں کوئی چیز ہے، میں تو تم کو اللہ کا پیغام پہنچاتا ہوں، اس کے بعد آپ کھڑے ہوئے اور سورہ حٰم سجدہ کی شروع کی آیات تلاوت فرمائیں۔ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم قرآن شریف کی یہ آیات سنا چکے تو فرمایا کہ اب تم نے سن لیا کہ میرا مقصود کیا ہے۔ میرا مطلب تم پر ظاہر ہو گیا اور میرا منشا تم معلوم کر چکے۔

اب جو مناسب سمجھو کرو۔ عتبہ بن ربیعہ آسمانی وحی سے اس قدر متاثر ہوا کہ آپ کے تلاوت شروع کرتے ہی دونوں ہاتھ پیچھے کی جانب زمین پر ٹیک کر مبہوت بنا سنتا رہا اور جب تک آپ نے آیات سجدہ تک تلاوت ختم نہ کی۔ اسی طرح بے حس و حرکت بنا رہا۔ آخر اپنے رفقاء قریش کے پاس آیا اور کہنے لگا کہ اے قوم آج میں نے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی زبانی ایسا شیریں کلام سنا ہے کہ واللہ نہ اس کو سحر و کہانت کہہ سکتا ہوں نہ شعر و شاعری۔ اے قوم میرا کہنا مانو محمد کی مخالفت نہ کرو اور جس کام میں وہ لگے ہوئے ہیں، اس میں مزاحمت نہ کرو، یاد رکھو مجھے ان کے کلام سے ان کے مقاصد میں کامیابی کی بو آتی ہے۔ سو اگر کسی دشمن نے ان کا کام تمام کر دیا تو اچھا ہے کہ تمہارا کام دوسرے نے کیا اور اگر محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو غلبہ حاصل ہوا جیسا کہ آثار سے نظر آرہا ہے تو ان کی عزت تمہاری عزت ہوگی اور ان کا ملک تمہارا ملک ہے۔ بدبخت لوگوں نے عتبہ کی بات نہ مانی اور اس پر آوازے کسنے لگے۔ مگر اس واقعہ سے یہ بات ظاہر ہو گئی کہ

سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت و ہیبت قلوب میں ایسا گھر کئے ہوئے تھی کہ آپ کی بات سن کر ہر شخص متاثر ہوتا تھا۔ جس وقت آیت فاصدع بما تؤمر کا نزول ہوا۔ جس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو علی الاعلان تبلیغ اسلام کا حکم ہے تو آپ حکم خداوندی کی تعمیل کیلئے عرب کے دستور کے موافق کوہ صفا پر جا کھڑے ہوئے اور نام لے لے کر تمام قبائل مکہ کو پکارا جس وقت آپ نے دیکھا کہ صفا پہاڑی کے نیچے کا میدان آنے والی مخلوق سے بھر گیا تو آپ نے سب سے دریافت فرمایا کہ اے باشندگان عرب اور اے سرداران قریش تم مجھ کو کیسا سمجھتے ہو، سب نے بالاتفاق کہا انت فینا محمدٌ الامین.
آپ ہمارے درمیان محمد امین کے لقب سے پہچانے جاتے ہیں۔

پھر آپ نے فرمایا کہ اگر میں تم سے کہوں کہ اس پہاڑ کی پشت پر تمہارا دشمن لشکر لئے ہوئے چھپا ہوا تمہاری تاک میں بیٹھا ہے کہ موقع پائے تو تم پر حملہ کر دے تو کیا تم میری بات کو سچا سمجھو گے۔ چاروں طرف سے آواز آئی بیشک بیشک، اے محمد ہم تمہاری بات کا یقین کریں گے۔ کیونکہ تمہاری سچائی کا بارہا تجربہ کر چکے ہیں اور ہم خوب جانتے ہیں کہ تم جھوٹ بولنا جانتے ہی نہیں (رواہ اصحاب السنن)۔

قاضی عیاض نے اپنی سند متصل کے ساتھ حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے روایت کی ہے کہ ابوجہل نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک بار کہا کہ اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہم آپ کو نہیں جھٹلاتے اور نہ آپ ہماری قوم میں کبھی جھٹلائے گئے۔ ہم تو صرف اس کتاب کو جھٹلاتے ہیں جو آپ ہمارے پاس لائے ہیں۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

﴿فَاِنَّهُمْ لَا يُكَذِّبُوْنَكَ وَلٰكِنَّ الظّٰلِمِيْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ يَجْحَدُوْنَ﴾

''اے رسول یہ لوگ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو نہیں جھٹلاتے بلکہ یہ ظالم خدا کی آیتوں کا انکار کرتے ہیں۔'' اھ

ابن اسحاق اور بیہقی نے زہری سے اور ابن جریر وطبرانی نے سدی سے نقل کیا ہے کہ جنگ بدر کے دن اخنس بن شریک ابوجہل سے تنہائی میں ملا اور اس سے کہا کہ اے

ابو الحکم اس وقت میرے اور تیرے سوا کوئی ایسا نہیں ہے جو ہماری باتوں کو سن سکے سچ سچ بتلا دے کے تیرے خیال میں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) سچے ہیں کہ جھوٹے ابوجہل نے کہا کہ بخدا محمدؐ یقیناً سچے ہیں اور محمدؐ نے کبھی جھوٹ نہیں بولا۔ لیکن جب بنو ہاشم بیت اللہ کی دربانی اور زمزم پلانے کی تولیت اور قومی جھنڈے اور دارالمشورہ کے اہتمام کے ساتھ نبوت کی عزت کے بھی مالک ہو جائیں گے تو پھر دیگر قریشی خاندانوں کیلئے کونسی بات رہ جائے گی۔

مطلب یہ تھا کہ مجھ کو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع سے محض یہ عناد اور حسد مانع ہے کہ آپ کی نبوت کی وجہ سے بنو ہاشم ہی کے اندر تمام عزتیں جمع ہو جائیں گی۔ باقی سارے قبیلے ان کے مطیع و تابعدار بن جائیں گے اور ایک رقیب خاندان کی یہ عزت ان آنکھوں سے نہیں دیکھی جاتی۔

ابوجہل کے اس کلام سے یہ بات بخوبی ظاہر ہوگئی کہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی عزت وعظمت اور آپ کی سچائی اور امانت کا سکہ دشمنوں کے دل پر بیٹھا ہوا تھا۔ گو عناد وحسد کی وجہ سے وہ مخالفت اور ایذا رسانی سے باز نہ آتے تھے۔ وکفی بہ حجۃ والفضل ماشہدت بہ الاعداء

امام بخاریؒ نے ہرقل شاہ روم اور ابوسفیان بن حرب کا مکالمہ نہایت تفصیل کے ساتھ اپنی صحیح کے شروع ہی میں بیان فرمایا ہے۔ جس کا ابتدائی انتہائی حصہ نقل کر دینا اس وقت ہمارے مقصود کی تائید کیلئے کافی ہوگا۔

سیدنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صلح حدیبیہ سے فراغت پا کر سلاطین عالم کے نام دعوت اسلام کیلئے تبلیغی فرمان ارسال فرمائے تھے جن میں ایک فرمان ہرقل شاہ روم کے نام بھی تھا۔

جس وقت سیدنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا والا نامہ ہرقل کے پاس بیت المقدس میں پہنچا ہے اس وقت ابوسفیان بن حرب بھی (جو رشتہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا ہیں اور اس وقت تک اسلام سے مشرف نہ ہوئے تھے۔ تجارتی ضرورت سے

قریشی قافلے کے ساتھ وہاں گئے ہوئے تھے اس لئے ہرقل نے ان کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات سے زیادہ واقف سمجھ کر گفتگو کیلئے بلایا اور ان سے متعدد سوالات حضورؐ کی نسبت کئے، جن میں سب سے پہلا سوال یہ تھا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نسب اور ذاتی شرافت کے لحاظ سے تمہاری قوم میں کس پایہ کے ہیں۔ ابوسفیان نے جواب دیا کہ وہ نہایت شریف النسب (ہاشمی و مطلبی نسل کے) شریف زادہ ہیں۔ اس کے بعد (ہرقل) نے دوسرا سوال یہ کیا کہ دعویٰ نبوت سے پہلے تم نے کبھی کسی بات میں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو جھوٹ بولتے پایا ہے۔ (ابوسفیان) نے کہا کہ کبھی نہیں بلکہ ہمیشہ سے سچائی میں مشہور اور ضرب المثل رہے ہیں۔

ہرقل نے متعدد سوالات اور بھی کئے پھر ان سوالات کی وجہ بتلا کر اس نے یہ بھی ظاہر کیا کہ ان سے وہ کس نتیجہ پر پہنچا ہے۔ چنانچہ پہلے سوال کے جواب پر اس نے کہا کہ بیشک نبوت ہمیشہ شریف خاندان ہی میں رہی ہے تاکہ مخلوق نبی کو حقیر نظروں سے نہ دیکھے۔ اور دوسرے سوال کا جواب سن کر اس نے یہ نتیجہ نکالا کہ عقل کے نزدیک یہ بات واجب التسلیم ہے کہ جو شخص دنیوی امور میں جھوٹ بولنے سے ڈریگا وہ خدا پر بہتان باندھنے اور غلط بیانی اور نبوت کا جھوٹا دعویٰ کرنے کی بھی کبھی جرأت نہ کر سکے گا۔

پھر اسی طرح تمام جوابات کے نتائج بیان کر کے اس نے ابوسفیان سے کہا کہ اب مجھے صرف یہ پوچھنا باقی ہے کہ وہ اپنا مطیع بنا کر لوگوں سے کیا چاہتے ہیں، کن باتوں سے منع کرتے اور کیا کام کرنے کو کہتے ہیں؟

ابوسفیان نے جواب دیا کہ وہ کہتے ہیں دیوتاؤں کو خدا نہ سمجھو ان کے سامنے سر نہ جھکاؤ، اللہ کے سوا کسی کو سجدہ نہ کرو پانچ وقت کی نماز پڑھو۔ اپنے مال میں سے شرعی مقدار کے موافق زکوۃ ادا کرو۔ محتاج رشتہ داروں کے ساتھ سلوک کرو اور نیک برتاؤ کرو، زنا مت کرو، چوری مت کرو۔ جھوٹ نہ بولو ایک دوسرے کا ناجائز طور سے مال نہ کھاؤ وغیرہ وغیرہ۔

یہ سن کر ہرقل بے اختیار پکار اٹھا کہ جو باتیں تم نے بیان کی ہیں اگر سچ ہیں تو

بیشک محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اللہ کے سچے پیغمبر ہیں۔ اگر مجھ سے ہوسکتا تو میں ان کی خدمت میں حاضر ہوکر قدم چومتا اور پاؤں دھوکر پیتا اور یقین جانو کہ جس جگہ آج میرے قدم ہیں کسی دن ان کی حکومت کا جھنڈا یہاں لہراتا ہوگا۔ ابوسفیان کہتے ہیں کہ ہرقل کے یہ کلمات سن کر میں حیران تھا اس کے چہرے کو تکتا اور خیال کرتا تھا کہ یہ کیسی عجیب بات ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا خوف بادشاہ روم کے دل میں بھی موجود ہے اور اس پر اس قدر رعب چھا گیا ہے کہ وہ اپنے تخت پر بیٹھا ہوا ان کی ہیبت سے ڈرتا اور کانپتا ہے۔

ابوسفیان کہتے ہیں کہ مجھے اسی وقت یقین ہوگیا تھا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) عنقریب قریش پر غالب ہوکر رہیں گے۔ اسی طرح جن جن سلاطین کے نام حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان پہنچا ہے سب نے آپ کے والا نامہ کو نہایت عزت سے پڑھا اور غایت ادب کے ساتھ جواب دیا (جس کی تفصیل کسی موقعہ پر انشاء اللہ ہدیۂ ناظرین ہوگی) صرف ایک شاہ فارس پرویز نے حضورؐ کے والا نامہ کے ساتھ گستاخی کی تھی کہ اس کو غضبناک ہوکر چاک کردیا۔ جس پر حضورؐ نے اس کے حق میں یہ بددعا فرمائی **اللھم مزقه کل ممزق** اے اللہ اس کو بھی تو اسی طرح پارہ پارہ کردیجیو۔

چنانچہ چند دن نہ گزرنے پائے تھے کہ اس کو اس کے بیٹے شیرویہ نے رات کے وقت خنجر سے مار ڈالا اور تھوڑے ہی عرصہ میں اس کی حکومت حصے بخرے ہوکر مسلمانوں کے قبضے میں آگئی۔ ابن اسحٰق اور بیہقی اپنی سند کے ساتھ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ نضر بن حارث نے (جو کہ سیدنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سخت عداوت و عناد رکھتا تھا) ایک مرتبہ سرداران قریش سے کہا کہ اے قریش یہ کیا بات ہے کہ محمدؐ بچپن سے لیکر جوانی تک تو تمہارے اندر نہایت ہر دلعزیز اور بڑے راستگو اور غایت درجہ امانت دار سمجھے جاتے تھے پھر جب تم نے ان کے سر میں کچھ سفید بال دیکھ لئے اور وہ تمہارے پاس ایک شیریں کلام لائے تو تم کہنے لگے کہ یہ تو جادوگر ہیں **لا واللہ ما ھو بساحر** ہرگز نہیں خدا کی قسم وہ جادوگر نہیں۔

ناظرین دشمنوں کی زبان سے ان باتوں کا نکلنا سیدنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

کی حقانیت اور آپ کی اعلیٰ عزت و جاہ کیلئے کافی دلیل ہے۔ واللہ العظیم آپ کی مبارک صورت ایسی نہ تھی جسے ایک نظر دیکھ لینے کے بعد آپ کی عظمت دل میں گھر نہ کر لے باقی ایمان لانا یا نہ لانا یہ ہر شخص کی تقدیر پر ہے۔

حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ نے جب پہلی مرتبہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرہ مبارک پر نظر ڈالی تو بے اختیار بول اٹھے ماھذا وجه کذاب یہ تو جھوٹے آدمی کا چہرہ نہیں۔

حضرات صحابہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شمائل بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔ من راه بداهة هابهٗ و من خالطه معرفةً احبه لم ارقبله و لا بعده' مثله'. جو شخص آپ کو اول وہلہ میں دیکھتا تھا مرعوب ہو جاتا اور جو شناسائی کے ساتھ ملتا جلتا تھا اس کے دل میں آپ کی محبت اپنا گھر کر لیتی تھی۔

ایک روایت میں ہے اذا تکلم اطرق جلساءهٗ کان علی رؤسهم الطیر. جب آپ گفتگو فرماتے تھے تو آپ کے پاس بیٹھنے والے اس طرح سر جھکا کر بیٹھ جاتے جیسے ان کے سروں پر پرندے آکر بیٹھ گئے ہیں۔ بیہقی اور حاکم ابو مسعود انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ ایک شخص سیدنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے کھڑے ہوا تو معاً کانپنے لگا آپ نے (تسلی کے طور پر) فرمایا کہ گھبراؤ نہیں میں کوئی (جابر) بادشاہ نہیں ہوں (صححہ الحاکم)

ابو داؤد اور ترمذی عبداللہ بن حسان سے روایت کرتے ہیں کہ ایک بار قیلہ بنت مخرمہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو مسجد میں دیکھا کہ آپ گھٹنے کھڑے کئے ہوئے نہایت عاجزی سے بیٹھے ہیں۔ اس حالت میں بیٹھے ہوئے دیکھ کر قیلہ کے بدن پر مارے خوف کے لرزہ پڑ گیا۔ اس قسم کے واقعات احادیث میں بکثرت ہیں۔ مگر مضمون کو زیادہ طول نہیں دینا چاہتا اور انہی معدودے چند واقعات پر اکتفا کرتا ہوں۔ جن سے بحمد اللہ یہ بات ثابت ہو گئی کہ حق تعالیٰ شانہٗ نے سیدنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو وہ عزت و جاہ عطا فرمائی تھی کہ موافقین سے گزر کر مخالفین کو بھی اس کا اقرار تھا اور بڑے

بڑے مخالفین حتیٰ کہ سلاطین بھی محض آپ کے نام سے مرعوب ہو جاتے تھے۔

حدیث صحیح میں وارد ہے کہ سیدنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ خدا تعالیٰ نے میری مدد رعب سے بھی فرمائی ہے کہ ایک مہینہ کی مسافت تک میرا رعب دشمنوں پر چھایا ہوا ہے۔ ناظرین کرام! حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ ہیبت وعظمت جاہ اور رعب خداداد تھا۔

ہیبت حق است و ایں از خلق نیست　　ہیبت آں مرد صاحب دلق نیست

خدا تعالیٰ کا شکر ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے طفیل سے ہم کو ایسی شریعت عطا کی گئی ہے کہ جس پر پوری طرح عمل کرنے سے ہم کو بھی خداداد عزت وعظمت جاہ اور رعب کا نہایت کافی حصہ نصیب ہوسکتا ہے۔ تاریخ شاہد ہے کہ جب تک اہل اسلام اپنے نبی پر نازل ہونے والی کتاب اور محبوب خدا کے ارشادات پر کامل طور سے عمل پیرا رہے اس وقت تک سلاطین دنیا مسلمانوں کی ہیبت سے کانپتے ہی رہے اور کسی کی یہ مجال نہ تھی کہ مسلمانوں کو آنکھ بھر کر بھی دیکھ سکے لیکن جب سے ہم نے خود ہی اپنے دین کی عزت اپنے دلوں سے کم کر دی تو خدا تعالیٰ نے یہی ہماری عزت وعظمت لوگوں کے دل سے نکال دی حتیٰ کہ افسوس ہے آج مسلمان اسلام کی حرمت وآبرو سنبھالنے کیلئے اپنے کو دیگر اقوام کی امداد کا محتاج سمجھتے ہیں اور تقریروں اور تحریروں میں ایک کافر ومشرک کا نام لیکر کہتے ہیں کہ وہ اسلام کو آزادی دلوائیگا انا للّٰہ و انا الیہ راجعون ارے غافل مسلمان! تیری عزت وعظمت خود تیرے ہاتھ میں ہے خدا کی کتاب اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات تیرے لئے اور تیری عزت وعظمت کے باقی رکھنے کیلئے کافی ہیں۔ واللہ تو کسی کی امداد کا محتاج نہیں صرف اپنے خدا کی حمایت کا محتاج ہے۔ پس وہ کام کر جس پر خدا راضی ہو اور اس کی نصرت وحمایت تیرے ساتھ ہو۔ اور اگر یہ نہیں تو بخدا تجھ کو دنیا میں کبھی عزت حاصل نہیں ہوسکتی۔

عزیز یکہ از در گہش سر بتاخت　　بہر در کہ شد ہیچ عزت نیافت

الارشاد فی مسئلۃ الاستمداد
مع ضمیمہ

الارشاد فی مسئلۃ الاستمداد

سوال

السلام علیکم و رحمۃ اللہ وبرکاۃ

اما بعد

دریافت طلب یہ امر ہے کہ خیر القرون سے استمداد و استعانت بارواح الانبیاو الاولیاء آج تک معمول اسلام رہا اور سب صلحا و مشائخ اپنے مہماتوں میں استعانت بالغیر کرتے رہے اور کامیاب بھی ہوئے لیکن آجکل بعض حضرات اس کو منع کرتے ہیں اور اس کو شرک و بدعت فرماتے ہیں۔ اتنا خلجان ہے کہ اگر عوام پر شرک کا حکم لگادیں جن میں حضرات مشائخ نے اس امر کو کیا دوسروں کو بھی اس امر کا تجویز فرمایا تو ان کو کس طرح اس حکم سے نکالیں۔ فی الحال محض اپنے تصحیح اعتقاد کیلئے یہ عبارات پیش کرتا ہوں ان کا جواب تحت عنوان دعوت عامہ النور میں تحریر فرمادیں واللہ ثم باللہ مجھے سوائے تصحیح اعتقاد اپنے کے کچھ غرض نہیں ہے نہ مجادلہ وعناد کا خیال ہے اور نہ کسی شے کا واللہ العظیم ثم باللہ العظیم محض لوجہ اللہ تعالٰی۔ ذرا عبارت آتیہ پر غور امعان فرما کر تفصیل جواب دیویں دو چار مہینہ میں بھی ہو تو کچھ ڈر نہیں والسلام۔

عن ربیعۃ بن کعب قال کنت مع رسول اللّٰہ فاتیتہ بوضوئہ وحاجتہ فقال لی سل فقلت اسالک مرافقتک فی الجنۃ الخ رواہ مسلم مشکوۃ ص ۸۴ مجتبائی از طلاق سوا کہ فرمود سل بخواہ و تخصیص نکرد بمطلوبے خاص معلوم میشود کہ ہمہ بدست ہمت وکرامت اوست ہرچہ خواہد ہرکرا خواہد بان پروردگار خود بدہد اگر خیریت دنیا وعقبی آرزو داری بدرگاہش بیا و ہرچہ میخواہی تمنا کن مرقات میں بھی

اسی مضمون کے مطابق ہے۔ عن ابی حنیف ان اعمراتی النبیؐ فقال یا رسول اللّٰہ ادع اللّٰہ ان یعا فینی قال ان شئیت صبرت فھو خیرلک قال فادعہ فامران یتوضأ فحسن وضوء ہ ویدعو بھذ الدعاء اللھم انی اسالک واتوجہ الیک غییک الخ رواہ ترمذی والنسائی و ابن ماجہ والحاکم حرز ثمین حاشیہ حصن حصین مطبوعہ لکھنؤ جوہر منظم میں لکھا ہے استعمل السلف ھذا الدعاء فی حاجاتھم بعد موتہؐ علامہ خفاجی شرح شفا میں لکھتے ہیں و کان بن حنیف ونبوہ یعلمو بہ الناس وقد حکی فیہ حکایات فیھا اجابۃ دعاء من دعابہ من غیر تاخیر. عن یدبن علی عن عقبۃ بن عزوان عن النبی انہ قال اذا ضل احدکم شیئاًاو ارادعوناً وھو بارض لیس بھا افلیس فلیقل یاعباد اللّٰہ اعینونی (۳) فان للّٰہ عباد الا لرلھم رواہ البطرانی حرزا الثمین مطبوعہ لکھنئو صفحہ ۱۲۷ حکی لی بعض شیوخنا الکبار فی العلم انفلتت لہ دابۃ اظنھا بغلۃ و کان یعرف ھذا لحدیث فقال لہ حبسبھا اللّٰہ علیھم فی الحال و کنت انا مرۃ مع جماعۃ فانفلتت بھیمۃ وعجزوا عنھا فوقفت فی الحال بغیر سبب من ھذا الکلام ذکرہ النوری فی الاذکار الحرز الثمین صفحہ ۱۲۷ اور آنحضرتؐ کی پھوپھی صفیہؓ سے ثابت ہے انہوں نے بعد وفات آنحضرت کہا ہے الایام رسول اللّٰہ انت رجائنا و کنت بنا براً ولم تک جافیاً و قد قال رسول اللّٰہ اذتم تم فی الامور فاستعینوا من اھل القبور مرقاۃ الوصول صفحہ ۱۵. روی عن محمد بن الحسن الشیابی عن ابی یوسف و وکیع ان ابا حنیفہ کان یزورقبر محمد، الجعفر الصادق و یکنس علی بابہ ویعطی المجاورین فتوحاً و یطلب الاستعانہ منہ فی الامور قال الشیخ عبدالقادر من استغاث بی فی کربۃ کشفت عنہ و من نادانی باسمی فی شدۃ فرجت عنہ ومن توسل بی الی اللّٰہ تعالیٰ فی حاجۃ قضیت لہ زبدۃ الاثار للشیخ الدھلوی ایسا ہی اخبار الاخیار میں ہے عن بعض اصحاب الشیخ

محی الدین نرلنا فی بریة و لا یقف الاخ علی اخیه من الخوف فلما حملنا الا جمال من اوائل اللیل فقدت اربعه اجمال فلم اجدها فلما نشق الفجر ذکرت قول الشیخ (الذکور قبل) فقلت یا شیخ عبدالقادر جمالی فقدت (۳) ثم التفت الی مطلع الفجر فرایت فی ضوع الفجر من اول مالشق رجلاً شدیدة بیاض الثیاب علی رابیة وهو یشیر الی حکمه ای تعال فلما صعدنا علی الرابیة لم نراحداً ثم رایت الا ربعة الاجمال لحب الرابیة انتهی ملخصاً خلاصة المفاخر للسافعی سیدی احمد بن رزوق که از اعاظم علماء وفقہا ومشائخ مغرب ست گفت روزے شیخ ابوالعباس حضرمی از من پرسید که امداد حی قوی است یا امداد میت من بگفتم که قوی میگوئید که امداد حی قویست ومن میگویم امداد میت اقوی ست پس شیخ گفت نعم زیرا که اودر بساط حق ست ودر حضرت اوست اشعة اللمعات للشیخ الدہلوی حضرت قاضی ثناء اللہ صاحب پانی پتی تفسیر مظہری میں لکھتے ہیں وقد تواتر عن کثیر من الاولیئک یعنی ارواحهم انهم ینصرون اولیائهم ویدمرون اعداهم مجدد الف ثانی بعض مکتوبات میں لکھتے ہیں کہ ہم چنیں ارباب حاجات از اعزہ احیا واموات در مخادف ومہالک مدد ہامی طلسبند ومی مینید کہ صورا عزہ حاضر شدہ رفع بلیر ازینہا نمایند فتوی علمای امرتسر صفحہ ۳۷ منہیہ ردالمختار میں ہے قرر الزیادی ان الانسان اذا ضاع له شی وا رادی دالنه علیه فنیقف علی مکان عال مستقبل التربة ویقول یا سیدی احمد بن علوان ان ترد علی ضالتی والانز عتک من دیوان الاولیاء انتهی ملحصاً اما قولهم یا شیخ عبدالقادر فهو نداء واذا اضیف شیا للّٰه فهو طلب شی اکراما للّٰه فما الموجب لحرمته خیر الدین الملی استاد درمختار حضرت محبوب العالم مریدان خودرا بعد نماز اجازت خواندن شیئا اللہ یا حضرت سلان...... یکصد و سیزدہ بار دادہ اند کہ برائے ہر حاجت کفایت کنہ خواجہ میرم یہ سب نقول نداء غائبانہ واستغانت مذکورہ پر صراحۃ اجازت دے رہے ہیں بلکہ احادیث سے اس کا مندوب مستحسن ہونا صریحاً مستفاد ہے اب ان کو

کس طرح کفر وشرک کہا جائے تفصیلاً اس کا جواب رسالہ النّور میں بھیج دیویں والسلام لوجہ اللہ تعالیٰ جواب باصواب مشکور فرماویں اور الزامی اور اسکاتی جواب چونکہ شفا بخش نہیں ہوتے ہیں اس لئے ان سے معاف رکھیں۔

والسلام علیکم

الجواب

واللہ الموفق للصواب۔ سائل کو جزئیات مذکورہ سے جو خلجان پیش آیا ہے اس کا منشا یہ ہے کہ وہ استمداد واستعانت بالغیر کی انواع واقسام سے غالباً واقف نہیں ہے یا واقف ہے مگر اس کا خیال یہ ہے کہ علماء اہل سنت تمام صورتوں کو شرک وکفر یا حرام و ناجائز بتلاتے ہیں حالانکہ یہ خیال غلط ہے پس سب سے پہلے اس کو استعانت و نداء بالغیر کی اقسام اور ہر ایک کے احکام سمجھنے چاہئیں جس کی تفصیل یہ ہے کہ استمداد واستعانت بالغیر یا تو غیر خدا کو مستقل اور قادر بالذات سمجھ کر ہے یعنی نعوذ باللہ یہ سمجھ کر کسی بشر سے استعانت چاہے کہ اس کے اندر خانہ زاد قدرت ہے کہ وہ جو چاہے خود کرسکتا ہے اور یہ قدرت خدا کی دی ہوئی نہیں ہے یا یہ کہ اس کی قدرت کو خانہ زاد اور مستقل تو نہیں سمجھتا بلکہ خدا کی دی ہوئی سمجھتا ہے مگر اس کا اعتقاد یہ ہے کہ خدا تعالیٰ سے قدرت حاصل کر لینے کے بعد اب یہ مستقل ہو گیا ہے۔ جس وقت جو چاہے کرسکتا ہے جس کو چاہے دے، جس کو چاہے نہ دے اور جب خداوند کریم نے اس کو یہ قدرت کاملہ عطا فرما دی تو اب سوال کرنا اور دعا مانگنا اور مرادیں چاہنا اسی کے ساتھ مخصوص ہو گیا یا مخصوص نہ ہو مگر خدا سے بھی سوال کرو جب بھی دینے والا وہی غیر ہوگا کیونکہ یہ کام اس کے سپرد ہو چکا ہے۔

پہلے اعتقاد کے صریح کفر ہونے میں تو کسی مسلمان کو شک نہیں ہوسکتا کیونکہ ایسا اعتقاد تو کفار ومشرکین بھی اپنے معبودوں کے ساتھ نہیں رکھتے وہ بھی قادر بالذات اور مستقل قدرت والا خدا تعالیٰ ہی کو سمجھتے ہیں چنانچہ زمانہ جاہلیت میں کفار مکہ تلبیہ اس طرح کہتے تھے

﴿لبیک اللھم لبیک لبیک لاشریک لک الا شریکا ھو لک تملکہ وما ملک﴾

''حاضر ہیں اے اللہ ہم حاضر ہیں آپ کا کوئی شریک نہیں ہے مگر وہ شریک جو کہ آپ ہی کے ہیں آپ اُن کے اور ان کی سب مملوکات کے مالک ہیں۔''

اور قرآن میں بھی جہاں جہاں ان کے اقوال مذکور ہیں سب سے یہی پتہ چلتا ہے کہ وہ اپنے معبودوں کو قادر بالذات ہرگز نہ سمجھتے تھے۔ یَقُوْلُوْنَ ھٰؤُلاَءِ شُفَعَآؤُنَا عِنْدَ اللّٰہِ، مَا نَعْبُدُھُمْ اِلاَّ لِیُقَرِّبُوْنَا اِلَی اللّٰہِ زُلْفٰی۔۔

وہ کہتے ہیں کہ یہ (اصنام) خدا کے یہاں ہماری شفاعت کرنے والے ہیں ان کی عبادت ہم صرف اس لیے کرتے ہیں کہ وہ ہم کو خدا کا مقرب بنا دیں۔

دوسری صورت پہلی صورت سے گو بظاہر کم ہے مگر شریعت اسلامیہ نے اس کو بھی شرک وکفر قرار دیا ہے کیونکہ یہ وہی اعتقاد ہے جو کفار ومشرکین اپنے معبودوں کی نسبت رکھتے تھے۔ ان کا خیال یہی تھا کہ خدا تعالیٰ قادر بالذات ہے مگر اس نے ان اصنام کو اپنی طرف سے قدرت عطا کر دی ہے، جس کے حاصل کر لینے کے بعد اب یہ مستقل ہو گئے جو چاہیں کر سکتے ہیں، جس کو چاہیں نفع ونقصان پہنچا سکتے ہیں اور چونکہ یہ کام ان کے سپرد ہے اس لئے خدا سے بھی دعا کی جائے گی تو وہ بھی اس درخواست کو انہی کے پاس بھیج دے گا جیسے سلاطین دنیا بعض کاموں کو اپنے ماتحت حکام کے سپرد کر دیتے ہیں کہ ان کاموں کے لئے ماتحت حکام ہی سے عرض معروض کی جاتی ہے۔

اور اگر کوئی شخص بلاواسطہ بادشاہ کے پاس اس کام کی درخواست بھیج دے تو بادشاہ اس کو ماتحت حاکم ہی کے یہاں واپس کر دیتا ہے کہ یہ کام ہم نے اس کے متعلق کر دیا ہے وہیں سے اس کا فیصلہ ہوگا۔ شریعت اسلامیہ نے صاف صاف بتلا دیا ہے کہ خدا تعالیٰ کے یہاں ایسے نائب اور ماتحت حکام بالکل نہیں ہیں جو خدا تعالیٰ سے اختیارات حاصل کر لینے کے بعد خود مستقل ہو گئے ہوں۔ سلاطین دنیا کو اپنی کمزوری کی وجہ سے ایسے

نائبوں کی ضرورت ہوتی ہے، خدا کو اس کی ضرورت نہیں۔ تمام امور اسی کے ہاتھ میں ہیں کسی کے ہاتھ میں کوئی چیز مستقل طور پر نہیں ہے۔

﴿اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ اَمَرَ اَنْ لَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِيَّاهُ. اِنْ كُلُّ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اِلَّآ اٰتِي الرَّحْمٰنِ عَبْدًا. لَقَدْ اَحْصٰهُمْ وَعَدَّهُمْ عَدًّا. وَكُلُّهُمْ اٰتِيْهِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فَرْدًا بِيَدِهٖ مَلَكُوْتُ كُلِّ شَيْءٍ وَّهُوَ يُجِيْرُ وَلَا يُجَارُ عَلَيْهِ اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الرَّزَّاقُ ذُو الْقُوَّةِ الْمَتِيْنُ. مَنْ ذَا الَّذِيْ يَشْفَعُ عِنْدَهٗٓ اِلَّا بِاِذْنِهٖ. وَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَنْ يُّدْخِلَ اَحَدَكُمْ عَمَلُهُ الْجَنَّةَ قَالُوْا وَلَا اَنْتَ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ وَلَا اَنَا اِلَّا اَنْ يَّتَغَمَّدَنِيَ اللّٰهُ بِمَغْفِرَةٍ وَّرَحْمَةٍ اه. وَقَالَ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يابنی عبدمناف انقذوا انفسکم من النار لا اغنی عنکم من اللّٰه شيئا يا بنی عبدالمطلب انقذوا انفسکم من النار لا اغنی عنکم من اللّٰه شيئا يا فاطمه بنت محمد انقذی نفسک من النار لا اغنی عنک من اللّٰه شيئا ويا صفية عمة رسول اللّٰه انقذی نفسک من النار لا اغنی عنک من اللّٰه شيئا الحديث وقال صلی اللّٰه عليه وسلم اللهم لا مانع لما اعطيت ولا معطی لما منعت ولا رادلما قضيت ولا ينفع ذا الجد منک الجد. وقال صلی اللّٰه عليه وسلم. انما انا قاسم واللّٰه يعطی وقال تعالیٰ ما يفتح اللّٰه للناس من رحمة فلا ممسک لها وما يمسک فلا مرسل له من احدٍ من بعده. وقال تعالیٰ اِنَّكَ لَا تَهْدِيْ مَنْ اَحْبَبْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ. وَمَآ اَكْثَرُ النَّاسِ وَلَوْ حَرَصْتَ

بِمُؤْمِنِيْنَ. اَهُمْ يَقْسِمُوْنَ رَحْمَةَ رَبِّكَ نَحْنُ قَسَمْنَا بَيْنَهُمْ مَعِيْشَتَهُمْ الاية وَ مَا تَشَاؤُنَ اِلَّآ اَنْ يَّشَاءَ اللّٰهُo﴾

ترجمہ :- ''نہیں ہے حکم مگر اللہ ہی کا اُس نے اس کا حکم کیا ہے کہ اُس کے سوا کسی کی پرستش نہ کرو۔ زمین و آسمان میں کوئی نہیں ہے مگر سب کے سب خدائے رحمٰن کے سامنے غلام بن کر حاضر ہوں گے اُس نے سب کو احاطہ کرلیا اور شمار کرلیا ہے۔ اور سب کے سب قیامت کے دن تنہا تنہا آئیں گے۔ اُسی کے ہاتھ میں ہر چیز کی حکومت ہے وہی پناہ دے سکتا ہے اُس کے مقابلہ میں کوئی پناہ نہیں دے سکتا۔ اللہ ہی روزی دینے والا زبردست قوت والا ہے۔ وہ کون ہے جو خدا کے سامنے بدون اس کی اجازت کے شفاعت کر سکے۔ سیدنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم میں سے کسی کو اُس کا عمل جنت میں داخل نہ کرے گا صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ کیا آپ کو بھی (آپ کا عمل داخل نہ کرے گا) فرمایا مجھ کو بھی نہیں مگر یہ کہ حق تعالیٰ مجھے مغفرت و رحمت کے ساتھ ڈھانپ لیں۔'' (رواہ البخاری کذا فی تیسیر الوصول (صفحہ ۱۴)

ابن جریر نے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ جب آیت و انذر عشیرتک الاقربین نازل ہوئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قریش (کے آدمیوں) کو عام اور خاص طور پر پکارا اور فرمایا کہ اے جماعت قریش تم اپنی جانوں کو اللہ تعالیٰ سے خرید لو (یعنی اُس کے عذاب سے بچالو) اے کعب بن لوی کی اولاد اے عبد مناف کی اولاد اے جماعت بنی ہاشم اے جماعت بنی عبدالمطلب سب کے سب اپنی جانوں کو دوزخ کی آگ سے بچالو۔ اے فاطمہؓ محمد (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) کی بیٹی اپنی

جان کو آگ سے بچالے کیونکہ میں خدا کی قسم اللہ کی طرف سے تمہارے لیے کسی چیز پر قدرت نہیں رکھتا ہاں البتہ تمہارے لیے قرابت کا ایک تعلق ہے جس کے حقوق کو میں پورا کرتا رہوں گا۔
اور ایک روایت میں حضرت عباس اور حضرت صفیہ کا نام بھی ہے۔
اور ایک روایت میں حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے نام کے ساتھ اتنا اور زیادہ ہے سلینی من مالی ماشئت لا اغنی عنک من الله شیئا۔ میرے مال میں سے تم جو چاہو مجھ سے مانگ لو لیکن خدا تعالیٰ (کے عذاب) سے بچانے میں میں تم کو کچھ نفع نہیں دے سکتا اھ اس کا یہ مطلب نہیں کہ آپ شفاعت بھی نہ کریں گے بلکہ مطلب یہ ہے کہ میرے قبضہ میں کوئی چیز نہیں ہے شفاعت وغیرہ بھی حق تعالیٰ ہی کے قبضہ میں ہے اور اُسی کے حکم سے ہو سکتی ہے واللہ اعلم اخرجہ ابن جریر فی تفسیرہ بطریق مختلفہ یشید بعضہا بعضا صفحہ ۲۷،۳۷ جلد ۱۹۔۱۲ مولف۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے اللہ جو کچھ آپ دیں اس کو روکنے والا کوئی نہیں اور جو آپ روک دیں اس کو دینے والا وئی نہیں اور نہ آپ کی قضا و قدر کو کوئی رد کرنے والا ہے اور نہ کسی اقبال والے کو آپ کے مقابلہ میں اُس کا اقبال نفع دے سکتا ہے۔
میں تو صرف بانٹنے والا ہوں اور دینے والا خدا ہی ہے۔ حق تعالیٰ لوگوں کے لیے جس رحمت (کے دروزہ) کھول دے اس کو بند کرنے والا کوئی نہیں اور جس کو بند کر دیا اس کو چھڑانے والا کوئی نہیں خدا کے سوا۔
آپ جس کو چاہیں ہدایت نہیں کر سکتے بلکہ خدا تعالیٰ جس کو چاہیں ہدایت کر دیتے ہیں۔ اور بہت سے آدمی گو آپ کتنا بھی چاہیں

ایمان والے نہیں۔ کیا یہ لوگ خدا کی رحمت کو خود بانٹنا چاہتے ہیں
ہم نے ہی ان کے درمیان اُن کی معاش کو تقسیم کر دیا ہے (وہ خود
کچھ نہیں کر سکتے)۔

غرض بکثرت نصوص و آیات اس پر دال ہیں کہ کارخانہ الٰہی میں کوئی نبی یا ولی خود مستقل اور مختار کار نہیں ہے البتہ جس طرح حق تعالیٰ نے عام انسانوں کو بعض افعال کی کچھ قدرت عطا کی ہے۔ جس کی وجہ سے وہ افعال شرعاً بندوں کی طرف منسوب ہوتے اور انہی کے افعال شمار ہوتے ہیں۔ جن میں قدرت حاصل کرنے کے بعد بھی وہ سراسر خدا تعالیٰ کے محتاج ہیں۔ جیسے کھانا پینا چلنا پھرنا، تجارت و حرفت وغیرہ اسی طرح انبیاء و اولیا کو ان کا اعجاز یا کرامت ظاہر کرنے کے لئے عام لوگوں سے کچھ زیادہ قدرت دی ہے۔ جس میں وہ محض آلہ اور سفیر ہوتے ہیں۔ مستقل اور مختار کار نہیں ہوتے۔ پس ایک صورت استمداد و استعانت کی یہ ہوئی کہ غیر خدا سے ایسے امور میں استعانت چاہی جائے جو بظاہر عادۃً انسان کی قدرت میں ہیں مگر اس کو محض آلہ اور ذریعہ اور سفیر سمجھا جائے۔ یہ صورت استمداد زندہ انسان سے بالاتفاق جائز ہے۔ اور چونکہ مرنے کے بعد انسان کو ان امور عادیہ کی قدرت نہیں رہتی جن کی زندگی میں قدرت حاصل تھی۔ اس لئے مرنے کے بعد امور عادیہ میں بھی کسی سے امداد چاہنا خواہ آلہ اور ذریعہ ہی سمجھ کر ہو جائز نہیں۔ کیونکہ اس صورت میں کسی قدر اس کے استقلال اور با اختیار ہونے کا شبہ ہوسکتا ہے اور شریعت نے استقلال کے شبہ سے بھی روکا ہے۔ البتہ مرنے کے بعد فیضان روحانی حاصل کرنے میں انبیاء و اولیاء سے استعانت جائز ہے کیونکہ یہ قوت ان کو وفات کے بعد بھی بدلیل کشفی اسی طرح حاصل رہتی ہے۔ جیسے امور عادیہ جسمانیہ کی قوت زمانہ حیات میں ہوتی ہے۔

اور ایک صورت استعانت کی یہ ہے کہ کسی نبی یا ولی سے زندگی میں یا وفات کے بعد ایسے امور میں استعانت و استمداد کی جائے جو عادۃً قدرت بشری سے خارج ہیں مثلاً ان سے اولاد مانگنا بارش وغیرہ طلب کرنا یا شفاء چاہنا یہ بالکل ناجائز ہے۔ کیونکہ ایسی استعانت سے بہت قوی شبہ ان کے استقلال و خود اختیاری کا ہوتا ہے گو استعانت کرنے

والے کا یہ اعتقاد نہ ہو مگر شریعت اسلامیہ نے ایہام کفر و شرک سے بھی روکا ہے۔ چنانچہ غیر اللہ کی قسم کھانا یا کسی جاندار کی تصویر گھر میں رکھنا اسی لئے حرام ہے کہ اس میں ایہام شرک ہے۔ گو اعتقاد شرک نہ ہو البتہ امور عادیہ و غیر عادیہ میں انبیاء و اولیاء کے ساتھ توسل کرنا جائز ہے۔ یعنی حق تعالیٰ سے دعا کرنا کہ الٰہی فلاں نبی یا ولی کی برکت سے یہ حاجت پوری کر دے۔ محققین کے نزدیک اس کا کچھ مضائقہ نہیں خواہ توسل زندہ کا ہو یا میت کا۔

اور ایک صورت استعانت کی یہ ہے کہ کوئی نبی یا ولی کسی خاص وقت میں باذن الٰہی اپنا اعجاز یا کرامت ظاہر کرنے کے لئے کسی خاص شخص یا جماعت سے یہ فرمادیں کہ فلاں وقت جو شخص یا خاص شخص ہم سے جو حاجت مانگے گا۔ وہ اس کو مل جائیگی۔ یا ہم دیں گے۔ اور مطلب یہ ہوتا ہے کہ حق تعالیٰ شانہ ہمارا معجزہ یا کرامت ظاہر کرنے کیلئے اس کی حاجت کو پورا کر دینگے۔ اس صورت میں اگر وہ خاص شخص یا خاص جماعت جس کی نسبت یہ ارشاد ہوا ہے ان سے اپنی حاجت میں امداد چاہی اور اس نبی یا ولی کو محض ذریعہ اور سفیر سمجھے اور حقیقی حاجت روا خدا تعالیٰ کو خیال کرے تو یہ صورت بھی جائز ہے۔ اور چونکہ کرامت و اعجاز میں خلاف عادت امور ظاہر ہوا کرتے ہیں۔ اس لئے ان میں طاقت بشریہ کو کچھ دخل نہیں ہوتا وہ فعل محض اللہ تعالیٰ کی طرف سے معجزۃً یا کرامۃً صادر ہوتا ہے۔ نبی یا ولی کو اس میں کچھ دخل نہیں ہوتا۔ البتہ اس سے نبی یا ولی کی صداقت اور ان کا مقرب الٰہی ہونا ظاہر ہو جاتا ہے۔ نیز چونکہ خارق عادت کا استمرار ضروری نہیں اس لئے ایسی استعانت مستمراً جائز نہ ہوگی۔

خلاصہ یہ کہ استعانت و استمداد بالغیر کی آٹھ صورتیں ہیں۔

(۱) یہ کہ ماسوائے خدا کو خواہ کوئی ہو قادر بالذات سمجھ کر اس سے مدد چاہنا

(۲) یہ کہ قادر بالذات تو نہ سمجھے بلکہ اس کی قدرت کو خدا کی دی ہوئی جانے مگر یہ اعتقاد رکھے کہ خدا سے قدرت حاصل کر کے یہ مستقل اور خود مختار ہو گیا ہے جو چاہے کر سکتا ہے۔

(۳) یہ کہ اس کو محض آلہ اور ذریعہ سمجھے اور حاجت روا حق تعالیٰ کو سمجھے اس کی

چند صورتیں ہیں ایک یہ کہ اس اعتقاد کے ساتھ کسی زندہ سے امور عادیہ میں (جو عادۃً و شرعاً انسان کا فعل شمار ہوتے ہیں) امداد چاہے اور یوں کہے کہ اے فلاں تم میرا یہ کام کر دو یا مجھے روپیہ پیسہ دیدو۔

(۴) کسی زندہ سے امور غیر عادیہ میں (جو عادۃً و شرعاً انسان کی قدرت سے خارج ہیں اور اس کا فعل شمار نہیں ہوتے، اعانت طلب کرے مثلاً یوں کہے کہ اے مرشد مجھ کو اولاد دیدو۔

(۵) کسی نبی یا ولی سے بعد وفات کے روحانی فیض حاصل کرنے میں مدد چاہے۔

(۶) ان سے بعد وفات کے امور غیر عادیہ میں یا ایسے امور عادیہ میں جو مرنے کے بعد انسان کی طاقت سے باہر ہو جاتے ہیں مدد چاہے۔ مثلاً یوں کہے کہ اے نبی یا ولی میرے مقدمہ میں تم میری امداد کرو یا مجھ کو مرض سے شفا دو یا مجھے اولاد دیدو وغیرہ وغیرہ۔

(۷) امور عادیہ و غیر عادیہ میں کسی نبی یا ولی حی و میت کے توسل سے دعا کرے یا ان سے دعا و شفاعت کی درخواست کرے۔

(۸) جب کوئی نبی یا ولی اعجاز یا کرامت کے طور پر کسی سے کہے کہ مانگو کیا مانگتے ہو۔ اس وقت ان سے اپنی حاجت مانگے خواہ وہ امور عادیہ سے ہو یا غیر عادیہ سے۔ ان کا حکم یہ ہے کہ صورت اول و دوم تو شرک ہے اور تیسری صورت باتفاق اہل تحقیق جائز ہے اور چوتھی صورت ناجائز ہے۔ مگر اعجاز و کرامت کے اظہار کا وقت اس سے مستثنیٰ ہے جیسا کہ نمبر ۸ میں آتا ہے اور پانچویں صورت باتفاق جائز ہے اور چھٹی صورت ناجائز ہے اور ساتویں ایک محقق کے نزدیک اور آٹھویں صورت بھی جائز ہے الغرض چار صورتیں جائز اور چار ناجائز ہیں اور جو صورتیں جائز ہیں وہ اسی شرط کے ساتھ جائز ہیں کہ حاجت روا خدا تعالیٰ کو سمجھے اور نبی یا ولی کو ذریعہ اور وسیلہ خیال کرے۔ اسی طرح نداء بالغیر میں بھی تفصیل ہے۔

(۱) یہ کہ زندہ کو قریب سے پکارے۔

(۲) زندہ کو غائبانہ پکارے پھر اس میں دو صورتیں ہیں ایک یہ کہ محض شوق اور محبت میں ایسا کرے۔ پکارنا مقصود نہ ہو۔

(۳) یہ کہ اعتقاد یہ ہو کہ وہ دور سے بھی سنتے ہیں پہلی دو صورتیں جائز اور تیسری حرام ہے یہی تفصیل وفات کے بعد پکارنے میں ہے۔

(۱) یہ کہ نبی یا ولی کے مزار پر جا کر ان کو پکارے۔

(۲) یہ کہ دور سے ان کو پکارے مگر مقصود پکارنا نہ ہو بلکہ محض محبت وشوق کے غلبہ میں ایسا ہو جائے۔

(۳) یہ کہ اعتقاد ہو کہ وہ دور سے بھی سنتے ہیں۔

(۴) یہ کہ غائبانہ ندا کرے مگر مقصود نہ پکارنا ہے نہ غلبہ شوق ومحبت ہے بلکہ کسی دعا میں ان کا نام بصیغہ ندا مذکور ہے اس کو دعا سمجھ کر ویسے ہی پڑھتا ہے۔

ان میں صورت اول باتفاق محققین جائز ہے۔ بشرطیکہ مزار کے پاس جا کر ندا میں استعانت محرمہ کا قصد نہ ہو۔ جس کی تفصیل اوپر گزر چکی ہے۔ بلکہ محض سلام وغیرہ کے طور پر ندا ہو اور دوسری صورت بھی باتفاق جائز ہے اور تیسری صورت ناجائز ہے کہ عقیدہ شرک ہے چوتھی صورت اس شرط سے جائز ہے کہ وہ صیغہ ندا کسی آیت یا حدیث میں وارد ہوا ہو جیسا کہ تشہد میں السلام علیک ایہا النبی بصیغہ ندا مذکور ہے۔

اس تفصیل سے امید ہے کہ سائل کے شبہات زائل ہو گئے ہونگے۔ مزید اطمینان کیلئے ہم ان تمام جزئیات پر بھی کلام کرتے ہیں جن سے اس کو خلجان پیش آیا ہے مگر مقدمہ کے طور پر سائل کو یہ بات ذہن نشین کر لینی چاہیے کہ استمداد واستعانت بالغیر جس کو ہم منع کرتے ہیں، وہ یہ ہے کہ نبی یا ولی سے یوں کہا جائے کہ تم میری یہ حاجت پوری کردو، تم میرا یہ کام بنا دو اور اگر ان سے اس طرح نہ کہے بلکہ خدا تعالیٰ سے ان کے توسل سے دعا کرے یا ان سے یہ کہے کہ تم میرے واسطے خدا تعالیٰ سے دعا کرو، جبکہ ان کا دعا کر سکنا مشاہدہ یا نص سے ثابت ہو۔ یہ استمداد ہمارے نزدیک ناجائز نہیں اور

درحقیقت اس کو استمداد کہنا ہی مجاز ہے۔ دراصل یہ صورت توسل کے نام سے موسوم ہے۔ جس کو کوئی ناجائز نہیں کہتا۔

پس سائل نے سب سے پہلے جو حدیث ربیعہ بن کعب اسلمی رضی اللہ عنہ کی پیش کی ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ وہ سیدنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس وضو کیلئے پانی اور ضروریات کی چیزیں حاصل کیا کرتے تھے۔ ایک دن حضورؐ نے ان سے ارشاد فرمایا کہ مانگ کیا مانگتا ہے۔ اس نے کہا کہ میں آپ سے یہ مانگتا ہوں کہ جنت میں آپ کی رفاقت مجھے نصیب ہو قال او غیر ذلک قال ہو ذالک قال فاعنّی علی نفسک بکثرۃ السجود ۔ اھ۔ مسلم (ج ا ص ۱۹۳) آپؐ نے فرمایا کہ اس کے سوا اور کچھ مانگو انہوں نے عرض کیا کہ میں تو بس یہی مانگتا ہوں۔ آپ نے فرمایا کہ پھر اپنے نفس کے حق میں کثرت سجود سے تم میری مدد کرو۔ اھ۔

اس حدیث سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ صحابی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک ایسی چیز کی درخواست کی جو عادۃً قدرت بشری سے خارج ہے یعنی جنت میں رفاقت مگر تفصیل گزشتہ میں غور کرنے کے بعد یہ حقیقت واضح ہو جائے گی کہ جو صورت استمداد اس حدیث میں مذکور ہے وہ آٹھویں قسم میں داخل ہے۔ جس کو ہم جائز کہتے ہیں۔ ناجائز نہیں کہتے علاوہ ازیں ربیعہ اسلمی رضی اللہ عنہ سے آپ کا یہ فرمانا کہ مانگو اس کا مطلب محاورہ کے موافق تو یہی ہے کہ جو چیز ہم دے سکتے ہیں وہ مانگو چنانچہ بعض دفعہ سلاطین دنیا بھی اپنے خدام سے ایسا کہہ دیا کرتے ہیں کہ مانگو کیا مانگتے ہو۔ جس کا مطلب ہمیشہ یہی ہوتا ہے کہ جو چیز ہمارے قبضہ قدرت میں ہے، وہ مانگو یہ مطلب ہرگز نہیں ہوتا کہ جو چاہو مانگو سب ہمارے قبضہ میں ہے۔

پس اس حدیث سے یہ سمجھنا کہ حضورؐ کے قبضہ میں سب کچھ ہے آپ جس کو جو چاہیں دے سکتے ہیں۔ بالکل غلط ہے۔ رہا یہ کہ پھر ربیعہ اسلمی نے ایسی درخواست کیوں کی اس کا جواب یہ ہے کہ ان کو قرینہ حال سے یہ معلوم ہو گیا ہوگا کہ اس وقت سیدنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر خاص وقت ہے کہ آپ نے بدون کسی قید کے یہ ارشاد فرما دیا

کہ مانگ کیا مانگتا ہے۔ اس وقت میں جو کچھ مانگ لوں گا حق تعالیٰ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی برکت سے مجھے ضرور عطا فرما دینگے۔ چنانچہ انہوں نے ایک ایسی درخواست کی جو حضور کے اختیار سے باہر اور محض خدا تعالیٰ کی قدرت میں داخل تھی۔ کیونکہ صحابی جانتے تھے کہ میرا سوال حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے محض ظاہری طور پر ہے۔ ورنہ حقیقت میں میرا سوال حق تعالیٰ سے ہے اور اس کی قدرت میں سب کچھ ہے اور سیدنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم محض ذریعہ اور وسیلہ اور دعا وشفاعت فرمانے والے ہیں۔

چنانچہ یہ حقیقت حضورؐ کے آئندہ کلام سے اچھی طرح واضح ہوگئی۔

﴿قال فاعنی علی نفسک بکثرة السجود﴾

''کہ تم کثرت سجود سے اپنے نفس کے حق میں میری مدد کرو۔''

اس سے یہ بات ظاہر ہوگئی کہ یہ درخواست میرے قبضہ سے باہر ہے ہاں میں اس کے لئے دعا وشفاعت سے کوشش کرونگا اور تم کثرت سجود کے ساتھ کوشش کرتے رہنا۔ اس حدیث سے یہ ہرگز نہیں معلوم ہوتا کہ جنت میں داخل کرنا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اختیار میں ہے کہ جس کو چاہیں داخل کردیں۔ اگر آپ کو اختیار تام ہوتا اور کوئی حالت منتظرہ باقی نہ ہوتی تو اس قید کی کیا ضرورت تھی۔ اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کا اختیار تام حاصل ہوتا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابو طالب کو مومن اور جنتی کیوں نہ بنا دیا۔ بلکہ احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابو طالب کو جنتی بنانے کی بہت ہی کوشش کی مگر ان کی قسمت میں جنت نہ تھی۔ اس لئے آپؐ کی کوشش کارگر نہ ہوئی اور آپ کو اس کے خاتمہ کفر سے رنج بھی ہوا۔ جس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

﴿اِنَّکَ لَا تَهْدِیْ مَنْ اَحْبَبْتَ وَلٰکِنَّ اللّٰهَ یَهْدِیْ مَنْ یَّشَآءُ﴾

''(اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم) بے شک آپ جس کو چاہیں ہدایت نہیں دے سکتے لیکن اللہ جس کو چاہتے ہیں ہدایت دیتے ہیں۔''

اور دوسری جگہ ارشاد ہے۔

﴿فَلَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ اَلَّا يَكُوْنُوْا مُؤْمِنِيْنَ ٥ وَمَا اَكْثَرُ النَّاسِ وَلَوْ حَرَصْتَ بِمُؤْمِنِيْنَ﴾

''تو شاید آپ اپنے آپ کو اس وجہ سے ہلاک کر ڈالیں گے کہ یہ لوگ ایمان نہیں لاتے۔''

پس اس حدیث سے یہ سمجھنا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اختیار میں سب کچھ ہے۔ نصوص قرآنیہ کے بالکل خلاف ہے وہاں تو صاف تصریح ہے۔

﴿قُلْ لَّا اَمْلِكُ لِنَفْسِىْ نَفْعاً وَّلَا ضَرًّا اِلَّا مَاشَاءَ اللّٰهُ﴾

''اے رسول فرما دیجئے کہ میں اپنے لئے (بھی) کسی نفع ونقصان کا مالک نہیں ہوں ہاں مگر جو خدا چاہے''

اور جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا گیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیا آپ بھی جنت میں اپنے عمل سے نہ جائیں گے۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ میں بھی اپنے عمل سے نہ جاؤں گا۔ ہاں مگر یہ کہ خدا کا فضل و رحم مجھے ڈھانپ لے۔ غرض بکثرت نصوص موجود ہیں۔ جن سے معلوم ہوتا ہے کہ جنت و دوزخ میں بھیجنے کا اختیار بجز خدا کے کسی کو نہیں۔ ہاں انبیاء و اولیاء باذن الٰہی شفاعت و دعا مومنین کے واسطے کریں گے۔ جو دربار الٰہی میں قبول ہو کر ان حضرات کے اعزاز و تقرب کی دلیل ہوگی۔

پس ربیعہ اسلمی کے سوال سے اتنی بات معلوم ہوئی کہ سیدنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر بعض اوقات ایسی حالت ہوتی تھی کہ اس وقت آپ جس کے لئے جو دعا فرما دیتے تھے وہ بطور اعجاز کے قبول ہو جاتی تھی۔ جس کا دوام واستمرار نہ ضروری ہے نہ اس پر کوئی دلیل ہے۔ بلکہ اس کے خلاف پر دلائل قائم ہیں کہ بعض دفعہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بعض دعائیں قبول نہیں ہوئیں اور حضرت شیخ عبدالحق رحمہ اللہ و علی قاریؒ کا بھی یہی مطلب ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بلاقید جو یہ فرمایا کہ مانگ کیا مانگتا ہے۔ اس وقت حق تعالیٰ کی طرف سے آپ کو یہ خاص حالت نصیب تھی کہ جس کے لئے آپ جو دعا

فرماویں گے قبول ہو جائے گی۔ باقی دعا و شفاعت کے سوا اختیار تام حاصل ہونا یہ مطلب شیخ کا ہرگز نہیں۔ چنانچہ اسی جگہ باذن پروردگار خود کے لفظ سے اس کی نفی ہوگئی ہے۔

اور کتاب الجہاد اشعۃ اللمعات میں تو حضرت شیخ نے اس مطلب کو بخوبی واضح کر دیا ہے ونصہ ہذا چہ میخواہند ایشاں باستمداد و امداد کہ ایں فرقہ منکر اند آنرا آنچہ ما می فہمیم ازاں ایں است کہ داعی محتاج فقیر الی اللہ دعا میکند خدارا و طلب می کند حاجت خود را از جناب عزت وغنائے وے و توسل می کند بروحانیت ایں بندۂ مکرم و مقرب در درگاہ عزت ومیگوید خداوندا بہ برکت ایں بندہ کہ رحمت کردۂ بروئے و اکرام کردۂ او را بلطف و کرمی کہ بوے داری۔ برآوردہ گردان حاجت مرا کہ تو معطی نہ کریمی۔ یا ندای کند ایں بندۂ مکرم و مقرب را کہ اے بندہ اے ولی وے شفاعت کن مرا بخواہ از خدا کہ بدہد مسئول و مطلوب مرا و قضا کند حاجت مرا پس معطی و مسئول پروردگار است تعالیٰ و تقدس و نیست ایں بندہ درمیان مگر وسیلہ و نیست قادرہ فاعل و متصرف در وجود مگر حق سبحانہ و اولیائے خدا فانی و ہالک اند در فعل الٰہی و قدرت و سطوت دے و نیست ایشاں را فعل و قدرت تصرف نہ اکنوں کہ در قبور اند نہ در ہنگام کہ زندہ بوند در دنیا و اگر ایں معنی کہ در امداد و استمداد ذکر کردہ ایم موجب شرک و توجہ بما سوائے حق باشند چنانکہ منکر زعم می کند پس باید کہ منع کردہ شود توسل و طلب دعا از صالحان و دوستان خدا در حالت حیات نیز و ایں ممنوع نیست بلکہ مستحسن و مستحب است باتفاق و شائع است در دین۔ اھ

اس میں صاف تصریح ہے کہ قادر و مختار و فاعل و متصرف حق تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں اور انبیاء و اولیاء و دوستانِ خدا فعل و سطوت و قدرت الٰہی میں ہالک اور فانی ہیں ان کا کچھ بھی فعل و تصرف نہیں ہوتا بلکہ وہ محض دعا و شفاعت کرتے ہیں نیز اس سے یہ بھی معلوم ہوگیا کہ حضرت شیخ جس استمداد کو جائز فرماتے ہیں وہ وہی ہے۔ جس کو توسل کہا جاتا ہے اور اس کو علماء اہل سنت منع نہیں کرتے بلکہ اس کے منکر غیر مقلدین فرقہ وہابیہ ہیں۔

اس کے بعد سائل نے حضرت عثمان بن حنیف کی روایت نقل کی ہے کہ ایک

نابینا شخص نے دربار رسالت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے لئے حق تعالیٰ سے دعا فرمائیے کہ مجھ کو شفا عطا فرمائے آپ نے فرمایا کہ اگر تم چاہو تو صبر کرو یہ تمہارے لئے بہتر ہے اور اگر چاہو تو میں دعا کر دوں۔ اس نے عرض کیا کہ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دعا ہی فرما دیجئے چنانچہ آپ نے اس کو حکم دیا کہ اچھی طرح وضو کر کے دو رکعتیں پڑھے اور اس دعا کو پڑھ کر حق تعالیٰ سے درخواست کرے۔

﴿اللهم انی اسئلک و اتوجه الیک بمحمد نبی الرحمة یا محمد انی قد توجهت بک الی ربی فی حاجتی هذه لتقضی. اللهم فیشفعه فی قال ابو اسحق هذا حدیث صحیح رواه ابن ماجة و اللفظ له و الترمذی وقال حسن صحیح و صححه البیهقی وزاد فقام و قد ابصرا﴾ (ابن ماجه مع انجاح الحاجة (ص. ا)

اس حدیث سے استمداد متعارف پر استدلال کرنا تو کسی طرح ممکن نہیں تفصیل گزشتہ میں غور کر لینے کے بعد ہر عاقل اقرار کرے گا کہ اس میں درخواست دعا اور توسل سے زیادہ کوئی بات نہیں۔ چنانچہ ملاحظہ ہوں الفاظ حدیث (الٰہی میں تجھ سے سوال کرتا اور تیری طرف متوجہ ہوتا ہوں کہ بوسیلہ تیرے نبی محمد نبی الرحمۃ کے صلی اللہ علیہ وسلم) یہ تو خدا سے سوال ہے بوسیلہ سردار دو جہاں صلی اللہ علیہ وسلم کے اور اگلا لفظ اللّٰهم فیشفعه فیّ الٰهی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت میرے بارے میں قبول فرما) طلب شفاعت میں بالکل ہی صاف اور ظاہر ہے اور توسل یا طلب دعا و شفاعت کو ہم ہرگز منع نہیں کرتے اس کو استعانت و استمداد متعارف سے کیا واسطہ استعانت تو جب ہوتی کہ آپ سے سوال ہوتا یہاں تو خدا سے سوال ہے وہی دینے الا ہے پس یہ تو صاف توسل کی صورت ہوگئی پھر آگے اور بھی صاف ہے۔

﴿یا محمد انی اتوجه بک الی ربی فی حاجتی هذه لتقضی﴾

''اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم میں آپ کے ذریعہ سے اپنے رب کی طرف متوجہ ہوتا ہوں تا کہ میری حاجت پوری ہو جائے۔''

رہا یہ کہ اس حدیث میں آپ کو ندا ہے اس کا جواب ظاہر ہے کہ یہ ندائے بعید نہیں بلکہ ندائے قریب ہے کیونکہ وہ نابینا مسجد نبوی میں یہ دعا کر رہا تھا اور حضور صلی للہ علیہ وسلم بھی قریب ہی وہاں تشریف فرما تھے تو جس وقت اس نے حضور کا نام بصیغۂ ندا لیا ہوگا اس وقت آپ نے بھی بطور شفاعت کے دعا فرما دی ہوگی لہٰذا اس میں تو کچھ بھی اشکال نہیں ہاں یہ اشکال ہو سکتا ہے کہ طبرانی وغیرہ کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عثمان بن حنیف نے بعد وصال نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے بھی ایک شخص کو یہ دعا صیغہ ندا ہی کے ساتھ تعلیم فرمائی ہے سو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ ندا کی چوتھی قسم میں داخل ہے جس کو جائز کہتے ہیں کہ ندا غائبانہ ہو مگر ندا کا قصد نہ ہو بلکہ کسی دعا میں آیت یا حدیث سے ندا کا صیغہ ثابت تھا اس کو اسی طرح دعا سمجھ کر پڑھ دیا دوسرے یہ ایک صحابی کا فعل ہے اور فعل صحابی اگر اصول شرعیہ کے خلاف ہو تو اس سے احتجاج نہیں ہو سکتا بلکہ خود اسی میں تاویل کی جائے گی کیونکہ صحابی سے غلطی اجتہادی ہو جانا ممکن ہے اور وصال نبوی کے بعد آپ کو ندا کرنا اصول شرعیہ کے خلاف ہے چنانچہ اسی لئے بعض صحابہ وصال نبوی کے بعد تشہد میں بجائے السلام علیک ایھا النبی کے صرف السلام علی النبی بحذف ندا کہتے تھے۔

﴿قال عبدالرزاق اخبرنا ابن جریج اخبر نی عطاء ان الصحابةؓ کانوا یقولون والنبی صلی اللہ علیه وسلم حی السلام علیک ایها النبی فلما مات قالوا السلام علی النبی وھذا اسناد صحیح . اھ (فتح الباری، صفحہ ۲۶ ج ۲)

عبدالرزاق کو ابن جریج نے خبر دی کہ ان سے عطاء بن ابی رباح نے فرمایا کہ حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم سید نا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں تو السلام علیک ایھا النبی (تشہد میں) کہتے تھے (کہ اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر سلام نازل

ہو) پھر جب آپ کا وصال ہو گیا تو وہ السلام علی النبی کہنے لگے (کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر سلام نازل ہو یعنی حرف ندا کو حذف کر دیا) یہ سند صحیح ہے۔ اور در حقیقت اصول شرعیہ کے موافق قیاس کا مقتضی یہی تھا جو ان بعض صحابہ نے کیا لیکن علماء مذہب نے تشہد میں اس قیاس کو اس لئے ترک کر دیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تشہد کی تعلیم اس اہتمام کے ساتھ فرمائی ہے جیسا کہ آپ قرآن کی سورت تعلیم فرمایا کرتے تھے تو جس طرح آیات قرانیہ میں جا بجا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بصیغۂ ندا یاد کیا گیا ہے مثلاً یَاأَیُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَا أُنْزِلَ إِلَیْکَ مِنْ رَّبِّکَ ط و امثالها اور آیات میں تغیر و تبدل جائز نہیں اسی طرح تشہد میں بھی تغیر کو پسند نہیں کیا گیا چنانچہ حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے عبداللہ بن عباس کے جواب میں اسی امر کی طرف اشارہ فرمایا ہے۔

﴿روی سعید بن منصور من طریق ابی عبیدة بن عبدالله بن مسعود عن ابیه ان النبی صلی الله علیه وسلم علمهم التشهد فذکره قال فقال ابن عباس انما کنا نقول السلام علیک ایها النبی اذ کان حیًّا فقال ابن مسعود هکذا علّمنا وهکذا نعلم اھ (ذکره الحافظ فی الفتح ایضاً ص ۲۶، ج ۲ و اعلّه بان ابا عبیدة لم یسمع من ابیک قلت قد صحح الدارقطنی احادیثه عن ابیه فاما ان ثبت عنده سماعه منه او عرف ان الواسطة بینهما ثقة﴾

''سعید بن منصور نے ابوعبیدہ کے واسطے سے روایت کی ہے کہ وہ اپنے والد بزرگ عبداللہ بن مسعود سے روایت کرتے ہیں کہ سیدنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو تشہد (اس طرح) تعلیم فرمائی پھر اس کو بیان کیا ابوعبیدہ کہتے ہیں کہ اس پر عبداللہ بن عباس نے یہ کہا کہ ہم تشہد میں السلام علیک ایها النبی اس وقت کہتے

تھے جبکہ حضور زندہ تھے۔''

(مطلب یہ تھا کہ اب صیغۂ ندا حذف کردینا چاہیے) عبداللہ بن مسعود نے فرمایا کہ ہم کو اسی طرح تعلیم دی گئی ہے اور اس طرح ہم تعلیم دیں گے۔اھ۔

مگر ظاہر ہے کہ جو دعا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نابینا صحابی کو تعلیم فرمائی تھی اس میں تشہد کے برابر اہتمام تعلیم نہ تھا لہٰذا کوئی وجہ نہیں کہ وصال نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اس میں سے حرف ندا کو حذف نہ کیا جائے۔ نیز حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے تشہد کی عام تعلیم فرمائی تھی جہاں بعض مصلین یقیناً بعید و غائب تھے اس سے اس ندا کا جواز نص سے ثابت ہوتا ہے بخلاف حدیث اعمٰی کے کہ آپ کی تعلیم عام نہ تھی۔ یہاں قیاس پر عمل کیا جاوے گا علاوہ ازیں یہ کہ طبرانی وبیہقی کی روایت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ عثمان بن حنیف رضی اللہ عنہ نے وصال نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد جس شخص کو یہ دعا تعلیم فرمائی تھی اس سے یہ بھی فرمایا تھا کہ میضاۂ پر جا کر وضو کرو پھر مسجد میں جا کر دو رکعتیں پڑھو پھر اس دعا کے ذریعہ سے اپنی حاجت خدا سے مانگو۔ جس سے متبادر یہی ہے کہ آپ نے اس کو مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں نماز پڑھنے کا حکم فرمایا اور وہاں سیدنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اب بھی اسی طرح تشریف فرما ہیں جس طرح بزمانۂ حیات تھے تو اس صورت میں ندا غائب بھی لازم نہیں آتی۔

﴿روى الطبراني في الكبير الحديث بطوله وفيه فقال له ان حنيف ائت الميضأة فتوضأ ثم ائت المسجد فصل ركعتين ثم قل اللهم انى اسئلك الخ و رواه البيهقى من طريقين نحوه و اخرج الطبرانى فى الكبير والاوسط بسند فيه روح بن صلاح و ثقه ابن حبان و الحاكم و فيه ضعف وبقية رجاله رجال الصحيح اھ ملخصا بجاح الحاجة (ص ١٠٠) قلت والاختلاف فى التوثيق لايضر﴾

اور اگر کسی نے مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی قید بھی نہ لگائی ہو تو ممکن ہے کہ اس نے لفظ ندا کو باتباع لفظ وارد استعمال کیا ہو اور ندا کا قصد نہ ہو جیسا کہ تشہد میں بھی محض اتباع لفظ وارد کی وجہ سے ندا کا صیغہ استعمال کیا جاتا ہے اور ندا کا قصد نہیں ہوتا۔ پس یہاں چونکہ حدیث میں بصیغۂ ندا تعلیم واقع ہوئی ہے اس میں تو گنجائش ہے دوسری جگہ استعمال ندا کی کیا دلیل ہے اگر کوئی یہ کہے کہ ہم سب کو عثمان بن حنیف کے فعل پر قیاس کر لیں گے اس کا جواب ظاہر ہے کہ ان کا فعل خود خلاف قیاس ہے جس پر قیاس صحیح نہیں پھر انہوں نے محض لفظ حدیث کی اتباع کی بناء پر خاص ایسی دعا میں ایسا کیا ہے اور تم جو دوسرے اقوال میں ندا کرتے ہو اس میں تعلیم نبوی کا کون سا اتباع ہے پھر سیدنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں امت کا سلام و پیام پہنچانے کے لئے فرشتے مامور ہیں ممکن ہے کہ سلف نے صیغۂ ندا کو اسی خیال سے اس دعا میں استعمال کیا ہو کہ فرشتے اس کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پہنچا دیں گے اور ان کا قصد ندا کا نہ تھا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا کسی اور کو ندا کرنے میں یہ تاویل بھی نہیں ہو سکتی کیونکہ یہ خصوصیت کسی اور کے لئے ثابت نہیں اس کے بعد سائل نے تیسری حدیث زین بن علی کی پیش کی ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ سیدنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جب کوئی راستہ بھول جائے یا جنگل بیابان میں جہاں کوئی آدمی نہ ہو اسے کسی قسم کی امداد کی ضرورت ہو تو وہ **یا عباد اللّٰہ اعینونی** کہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کے بعض ایسے بندے ہیں جو ہم کو نظر نہیں آتے وہ اس کی امداد کر دیں گے۔

اس سے بعض لوگوں نے ندا غائب کے جواز پر استدلال کیا ہے مگر اولاً گزارش یہ ہے کہ یہ حدیث ضعیف ہے جس سے احتجاج نہیں ہو سکتا کیونکہ حدیث ضعیف پر اس وقت عمل جائز ہے جبکہ وہ اصول شرعیہ کے خلاف نہ ہو پس اگر یہ تسلیم کر لیا جائے کہ اس حدیث میں ندا غائب مذکور ہے تو اصول حدیث وفقہ کے مطابق ہم کو یہ عرض کرنے کا حق ہے کہ حدیث ضعیف سے احکام ثابت نہیں ہو سکتے بالخصوص جبکہ وہ اصول شرع کے خلاف وارد ہوں۔ عزیزی شرح جامع صغیر میں اس حدیث کو عبداللہ بن مسعود کی روایت سے نقل

کر کے کہا ہے **قال الشیخ حدیث ضعیف** اھ (صفحہ۵ جلد۱)

اور حاشیہ حصن حصین میں جو لکھا ہے **قال بعض العلماء الثقات حدیث حسن یحتاج الیہ المسافرون** اھ (صفحہ۱۲۷)

سو اس سے تحسین بقاعدۂ محدثین مراد نہیں بلکہ مجرب ہونے کے اعتبار سے تحسین مراد ہے یہ حدیث مسافروں کے لئے کارآمد ہونے کے اعتبار سے عمدہ ہے اور اگر بقاعدۂ روایت ہی تحسین مراد ہو تو چونکہ ان بعض علماء ثقات کا نام معلوم نہیں اس لئے ایسی مجہول تحسین اثبات احکام کے لئے کافی نہیں۔ پھر بعد تسلیم صحت اس حدیث سے نداء غائب کا جواز کسی طرح نہیں نکل سکتا کیونکہ حدیث سے یہ تو ثابت نہیں ہوا کہ وہ عباد اللہ کہاں ہیں اس کے قریب ہیں یا بعید ہاں اتنا معلوم ہوا کہ یہ ان کو دیکھتا نہیں مگر ظاہر ہے کہ متکلم کا نہ دیکھنا مخاطب کے قرب و بعد یا سماع و عدم سماع کی دلیل نہیں ہو سکتا خصوصاً جبکہ عبداللہ بن مسعود کی روایت میں اس کی تصریح بھی ہے کہ وہ عباد اللہ جنگل ہی میں حاضر ہوتے ہیں۔

﴿**کما فی الجامع الصغیر مع العزیزی اذا انفلتت دابة احدکم بارض فلاةٍ فلیناد یا عباد اللّٰہ احبسوا علیَّ فان للّٰہ فی الارض حاضراً سیحبسه علیکم ع و ابن السنی طب عن ابن مسعود قال الشیخ حدیث ضعیف اھ ای رواہ ابو یعلی و ابن السنی والطبرانی عن عبداللہ.**﴾

شارح عزیزی لفظ حاضراً کی شرح میں لکھتے ہیں۔

﴿**خلقا من خلقه انسیا او جنیا او ملکاً لا یغیب**﴾ اھ (ص۱۰۵ جلد۱)

''یعنی زمین میں اللہ کی بعض مخلوق ایسی ہے جو غائب نہیں ہوتی خواہ وہ انسان ہوں یا جن یا فرشتے۔''

پس اب تو کسی طرح اس کو ندا غائب نہیں کہا جا سکتا رہا یہ کہ اس میں مخلوق سے

طلب اعانت ہے اس کا جواب ظاہر ہے کہ یہ استعانت زندہ مخلوق سے امور عادیہ میں ہے (جو عادۃً قدرت بشری یا جنی یا ملکی میں داخل ہیں مثلاً بھاگے ہوئے جانور کو روک دینا یا گم شدہ چیز کو تلاش کر دینا یا رستہ بتلا دینا وغیرہ) اور ایسی استعانت ہمارے نزدیک جائز ہے جیسا کہ تفصیل گزشتہ سے معلوم ہو چکا ہے۔ اس حدیث سے یہ کہاں ثابت ہوا کہ غائبین سے یا مردوں سے بھی دنیوی حاجات میں بالخصوص امور غیر عادیہ میں استعانت جائز ہے۔ اس کے بعد سائل نے یہ اشکال پیش کیا ہے کہ حضرت صفیہؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپھی نے آنحضرت سے بعد وفات کے کہا الا یا رسول اللّٰہ کنت رجاء نا الخ اس کا جواب یہ ہے کہ اول تو انہوں نے یہ اشعار روضۂ اقدس پر حاضر ہو کر کہے تھے جس میں ندا غائب کا احتمال ہی نہیں اور اگر غائبانہ بھی ہو تو اشعار میں محبوب کو خطاب ہمیشہ اظہار شوق ومحبت وغیرہ کے لئے کیا جاتا ہے اس سے ندا مقصود نہیں ہوتی پھر اس جواب کی ضرورت بھی اس وقت ہے جبکہ حضرت صفیہ سے ان اشعار کا ثبوت بقاعدہ محدثین ہو جائے ورنہ محض اہل سیر کی روایت سے احکام کا ثبوت یا رد نہیں ہو سکتا اس کے بعد سائل نے یہ حدیث جواز استعانۃ من اہل القبور کی دلیل میں پیش کی ہے۔

﴿قال رسول الله صلی اللّٰه علیه وسلم اذا تحیرتم فی الامور فاستعینوا من اهل القبور.﴾

مگر سائل نے اس کے ثبوت وصحت کی کوئی دلیل نہیں لکھی لہٰذا سب سے پہلے اس کو یہ ثابت کرنا چاہیے کہ یہ حدیث بقاعدۂ محدثین صحیح ہے اور محض شیخ عبدالحق رحمۃ اللہ کا بلا سند نقل کر دینا صحت کی دلیل نہیں کیونکہ حضرت شیخ قدس سرہ اس باب میں بہت متساہل ہیں۔ پھر بتقدیر تسلیم ثبوت اس پر کیا دلیل ہے کہ اس حدیث میں استعانت کے یہ معنے ہیں کہ مردوں سے اپنی حاجات مانگا کرو۔ بلکہ ظاہر یہ ہے کہ اس سے توسل مراد ہے کہ اموات کے وسیلہ سے دعا کیا کرو اور تخصیص اموات کی وجہ غالباً یہ ہے جو صحاح میں ابن مسعودؓ سے منقول ہے۔

﴿ان الحی لایؤمن علیه الفتنة﴾

''کہ زندہ آدمی پر فتنہ کا اندیشہ رہتا ہے''

اور جو لوگ ایمان پر وفات پا چکے ہیں ان پر یہ اندیشہ نہیں نیز یہ بھی مطلب ہو سکتا ہے کہ جب تم کسی امر میں پریشان ہو تو زیارت قبور سے اعانت حاصل کیا کرو کیونکہ زیارت قبور سے تم کو آخرت اور موت کی یاد تازہ ہوگی جس سے اعمال صالحہ کی طرف رغبت بڑھے گی اور یہ رحمت الٰہی کا سبب ہو جائے گا اس صورت میں اس حدیث کا وہی حاصل ہوگا جو آیت واستعینوا بالصبر و الصلوۃ کا حاصل ہے اس کے بعد سائل نے امام ابوحنیفہؒ کا واقعہ بلا سند نقل کیا ہے کہ آپ امام جعفر صادق رحمہ اللہ کے مزار پر جاتے اور اس کے دروازہ پر جھاڑو دیتے اور مجاوروں کو بخشش عطا فرماتے اور امام رحمہ اللہ سے اپنے کاموں میں استعانت کرتے تھے۔ اھ۔ اس کے متعلق بھی یہ عرض ہے کہ اس میں کوئی لفظ اس پر دلالت نہیں کرتا کہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ ان سے یہ عرض کرتے تھے کہ آپ میرا یہ کام کر دیجئے بلکہ شیخ عبدالحق رحمہ اللہ کی تصریح کے مطابق یہاں بھی استعانت سے محض توسل مراد ہے کیونکہ حضرت شیخ نے صاف صاف بیان فرمایا ہے کہ ان کے نزدیک استعانت اور استمداد چاہنے کا مطلب صرف یہ ہے کہ حق تعالیٰ سے بوسیلہ بندہ مقرب دعا کی جائے یا اس بندۂ مقرب سے یہ عرض کیا جائے کہ وہ حق تعالیٰ سے دعا کرے سو اس کو ہم بھی منع نہیں کرتے اور یہ جواب اس وقت ہے جبکہ امام ابوحنیفہ کا یہ واقعہ بسند صحیح ثابت ہو جائے جو کہ تقریباً ناممکن ہے کیونکہ زمانہ تابعین و تبع تابعین تک مزاروں پر مجاوروں کے رہنے اور ان کو بخشش وغیرہ دینے کی بدعت شروع نہ ہوئی تھی لہٰذا غالب گمان یہ ہے کہ یہ روایت موضوع ہے اسی طرح سائل نے زبدۃ الآثار للشیخ دہلوی سے حضرت غوث اعظم رحمہ اللہ کا یہ قول نقل کیا ہے۔

﴿من استغاث بی فی کربته کشفت عنه و من نادانی باسمی فی شدةٍ فرجت عنه و من توسل بی الی اللّٰه تعالیٰ فی حاجة قضیت له. اھ۔

ہمارے نزدیک یہ بھی سراسر موضوع ہے اور حضرت شیخ عبدالحقؒ کا بلا سند اس کو

نقل کر دینا حجت نہیں جب تک کہ حضرت شیخ سے غوث اعظمؒ تک سلسلہ روایت پھر ان راویوں کا ثقہ ہونا ثابت نہ ہو کیونکہ فاضل سائل کو یہ بات اوپر معلوم ہو چکی ہے کہ اثبات احکام کیلئے حدیث ضعیف بھی کافی نہیں۔ نیز اگر حدیث ضعیف اصول شرعیہ کے خلاف ہو تو اس پر عمل جائز نہیں۔ پھر ائمہ و اولیاء اللہ کے اقوال و افعال سے احکام کا ثبوت کیونکر ہوسکتا ہے جبکہ وہ بلا سند ہوں یا سند ضعیف سے ثابت ہوں۔

پس اب دو صورتیں ہیں اگر اصول سے کام لیا جائے تو ان بلا سند اقوال و افعال کو رد کر دینا چاہیے اور اگر مصنفین کے ساتھ حسن ظن سے کام لیا جائے تو ان اقوال و افعال کو صحیح محمل پر محمول کر لینا چاہیے۔ چنانچہ بتقدیر تسلیم ہمارے نزدیک حضرت غوث اعظم رحمہ اللہ کے اس ارشاد کا مطلب یہ ہے کہ جو کوئی اپنی مصیبت میں خدا تعالیٰ سے میرے وسیلہ سے فریاد کرے گا۔ اس کی مصیبت دور ہو جائیگی اور جو کوئی میرا نام لیکر خدا تعالیٰ سے اپنی تکلیف میں دعا کرے گا اس کی تکلیف زائل ہو جائے گی۔

چنانچہ اگلا فقرہ **ومن توسل بی الی اللّٰہ تعالیٰ فی حاجۃ قضیت لہ** (جو کوئی اپنی حاجت کیلئے اللہ تعالیٰ کے دربار میں مجھ سے توسل کرے اس کی حاجت پوری ہو جائے گی)۔ اس مطلب پر قرینہ ظاہرہ ہے اور ہمارے نزدیک اس عبارت میں کشفت وفرجت وقضیت یہ تمام الفاظ بصیغۂ مونث ہیں بصیغہ تکلم نہیں ہیں اور اگر صیغہ تکلم کو بھی صحیح مان لیا جائے تو اس کے یہ معنی نہیں ہیں کہ میں اپنی قدرت وتصرف سے ایسا کروں گا۔ کیونکہ شیخ عبدالحقؒ کی عبارت میں یہ امر صاف طور پر مذکور ہے کہ اولیاء کیلئے نہ اس وقت قدرت تصرف کسی فعل کی ثابت ہے جبکہ وہ قبروں میں ہیں اور نہ اس وقت ثابت تھی جبکہ وہ زندہ تھے بلکہ قادر و فاعل و متصرف ہر فعل میں حق تعالیٰ شانہ ہیں بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ میں اس مصیبت وکلفت کے زائل ہونے اور حاجت پوری ہونے کے لئے دربار الٰہی میں دعا و سفارش کرونگا۔ جس سے انشاء اللہ وہ مصیبت زائل اور حاجت پوری ہو جائے گی اور نادانی باسمی سے نداء غائب پر استدلال نہیں ہوسکتا کیونکہ اس کا مطلب صرف یہ ہے کہ میرا نام لیکر خدا سے دعا کرے۔ جس کا حاصل وہی ہے کہ مجھ سے توسل

کرے اور خدا تعالیٰ سے سوال کرے اور مجھ کو ذریعہ واسطہ وسیلہ قرار دے

چنانچہ دوسری جگہ یہ الفاظ صاف مذکور ہیں۔ ویذکر اسمی ویذکر حاجة فانها تقضی باذن اللّٰہ تعالیٰ[1] یعنی میرا نام لے اور اپنی حاجت کو ذکر کرے تو وہ خدا کے حکم سے پوری ہو جائیگی (برکات الامداد ص ۱۹) رہا یہ کہ حضرت غوث اعظم کے بعض مریدوں نے ایک مرتبہ خوفناک جنگل میں یا شیخ عبدالقادر جمالی فقدت (اے شیخ عبدالقادر میرے اونٹ کھو گئے) کہا تھا سو اس میں اول تو وہی گزارش ہے کہ اس واقعہ کا صحیح ہونا بسند ثابت کیا جائے دوسرے اس کی کیا دلیل ہے کہ یہ مرید عالم متقی تھے کوئی جاہل نہ تھے۔ ممکن ہے کہ یہ کسی جاہل مرید کا فعل ہو جو کسی درجہ میں بھی قابل التفات نہیں رہا یہ کہ اس مرید کے ایسا کہنے سے فوراً اس کی امداد کیلئے ایک سفید پوش ظاہر ہو گیا تھا۔ جس نے وہ گمشدہ اونٹ اس کو بتلا دیئے تو یہ اس کی دلیل نہیں کہ وہ کوئی عالم متقی شخص تھا کیونکہ جاہل مشرک لوگ بھی بکثرت اپنے دیوتاؤں سے مرادیں مانگتے ہیں اور حق تعالیٰ ان کی بھی بعض مرادیں پوری کر دیتے ہیں اس سے یہ ہرگز دعویٰ نہیں کیا جا سکتا کہ یہ مشرک صحیح راستہ پر ہیں اور اگر تسلیم کر لیا جائے کہ وہ مرید عالم و متقی بھی تھے تو ہر عالم کا فعل کب حجت ہو سکتا ہے۔

پھر ممکن ہے کہ اس کا اعتقاد مشرکانہ نہ ہو اس نے غلبہ شوق و محبت سے صیغہ ندا کا استعمال کیا ہو جس کو ہم ناجائز نہیں کہتے۔ مگر چونکہ آجکل عوام کے عقائد مسئلہ ندا میں شرک و کفر کے قریب پہنچ جاتے ہیں۔ اس لئے ان کو اس سے منع کیا جاتا ہے۔

اس کے بعد سائل نے سیدی احمد مرزوقؒ کا واقعہ نقل کیا ہے کہ ان سے شیخ ابو العباس حضرمیؒ نے پوچھا کہ زندہ ولی کی امداد زیادہ قوی ہے یا مردہ کی۔ انہوں نے کہا کہ بعض لوگ تو زندہ کی امداد کو قوی بتلاتے ہیں مگر میرے نزدیک مردہ کی امداد زیادہ قوی ہے۔ اس پر شیخ نے فرمایا کہ ہاں یہی صحیح ہے کیونکہ وہ دربار حق میں پہنچ گیا ہے۔ اھ۔

سو اس کو استعانت سے کوئی بھی واسطہ نہیں کیونکہ اس میں اس کا کچھ بھی ذکر نہیں کہ مردوں سے استعانت کرنا چاہیے اور ان سے یوں کہنا چاہیے کہ تم ہمارا یہ کام کر دو

بلکہ یہاں امداد سے افاضہ روحانی مراد ہے۔ چنانچہ صوفیہ کے کلام میں مدد اور امداد کا لفظ بمعنی فیض وافاضہ روحانی بکثرت مستعمل ہوتا ہے۔

پس حاصل اس کا یہ ہوا کہ ولی میت کا فیض روحانی زیادہ قوی ہوتا ہے اور ہم اس کو تسلیم کرتے ہیں کہ اولیاء اللہ سے مرنے کے بعد بھی روحانی فیض حاصل ہوسکتا ہے اور جو لوگ اس کے اہل ہیں ان کے لئے بشرائط مخصوصہ اولیاء اللہ کے مزارات پر جا کر ان سے فیض حاصل کرنا ہمارے نزدیک جائز بھی ہے۔ ہم تو صرف اس کو حرام کہتے ہیں کہ ان کو حاجت روا سمجھا جائے یا خود ان سے مزار پر جا کر یا دور ہی بیٹھے یہ کہا جائے کہ تم ہمارا یہ کام کردو باقی ان سے توسل کرنے یا ان کی روحانیت سے فیض حاصل کرنے کو ہم منع نہیں کرتے فافہم۔

اس کے بعد سائل نے جناب علامہ قاضی ثناء اللہ صاحب پانی پتی قدس سرہ کی تفسیر سے یہ عبارت نقل کی ہے. **وقد تواتر عن کثیر من الاولیاء یعنی ارواحھم انھم ینصرون اولیائھم ویدمرون اعدائھم** اھ۔ کہ بہت سے اولیاء یعنی ان کی ارواح سے درجہ تواتر کو یہ بات پہنچ گئی ہے کہ وہ اپنے دوستوں کی مدد کرتے اور ان کے دشمنوں کو تباہ کردیتے ہیں۔ اھ۔ مگر نہ معلوم اس کو استعانت مروجہ سے کیا تعلق ہے کیا تفسیر مظہری میں کہیں بھی یہ ذکر ہے کہ اولیاء اللہ کو دور بیٹھے یا مرنے کے بعد اپنی امداد کیلئے پکارا کرو۔ یا ان کے مزاروں پر جا کر خود ان سے ہی اپنی حاجتیں مانگا کرو۔

جو عبارت فاضل سائل نے نقل کی ہے اس کا حاصل صرف یہ ہے کہ اولیاء اللہ سے وفات کے بعد بھی کرامات کا ظہور ہوتا ہے اس کا کون منکر ہے۔ مگر ظاہر ہے کہ جس طرح زندگی میں جس قدر کرامات ان سے ظاہر ہوتی تھیں۔ ان میں فاعل و متصرف اور قادر صرف حق تعالیٰ ہے اور وہ محض ذریعہ اور وسیلہ ہوتے تھے۔ اسی طرح مرنے کے بعد بھی وہ خود کچھ نہیں کرسکتے بلکہ حق تعالیٰ اپنی قدرت سے ان کی ارواح کو ظہور کرامت کا وسیلہ اور ذریعہ بنا دیتے ہیں اور درحقیقت وہ خدا تعالیٰ ہی کا فعل ہوتا ہے۔

پس اولیاء سے بعد وفات کے ظہور کرامات کا ہم کو بھی انکار نہیں۔ سائل نے مجدد الف ثانی حضرت شیخ احمد سرہندی قدس سرہ کے مکتوبات میں سے بھی ایک عبارت

نقل کی ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ اسی طرح اہل حاجات اپنے زندہ اور مردہ عزیزوں سے خطرناک حوادث میں مدد طلب کرتے ہیں اور یہ دیکھتے ہیں کہ ان عزیزوں کی روحیں حاضر ہو کر ان سے بلاؤں کو دفع کر دیتی ہیں۔اھ۔

اس میں بھی صرف اس کا بیان ہے کہ اولیاء و مشائخ سے حیات میں بھی اور مرنے کے بعد بھی کرامات وخوارق کا ظہور ہوسکتا ہے۔رہا یہ کہ اہل حاجات ان سے امداد طلب کرتے ہیں اس کا وہی مطلب ہے جو شیخ عبدالحق رحمہ اللہ نے استعانت واستمداد کی تفسیر میں بیان فرمایا ہے یعنی وہ ان کے توسل سے حق تعالیٰ کی جناب میں امداد کے خواہاں ہوتے ہیں اور یہ مطلب ہرگز نہیں کہ خود ان سے حاجات مانگتے ہیں اور وہ ارواح خود کچھ کرسکتی ہیں۔ حاشا و کلا قطب وقت شیخ عبدالقدوس قدس سرہ درمکتوبات خود می فرمایند۔ بندہ بیچارہ قادریست کہ درعین قدرت خود عاجز است ۔ ومختاریست کہ درعین اختیار خود ضعیف است چرا کہ تہمت اختیار بروئے نہادہ اند۔

ہر نیک و بدے کہ درجھاں می گزرد خود می کند و بہانہ برعام نہاد

اے عزیز آنکہ اختیار بندہ راقوت می نہد مگر دیدہ اش اینجا نظر نیفتادہ است کہ حق تعالیٰ می فرماید خُلِقَ الانسان ضعیفاً اختیار بندہ صفت بندہ است وصفت از موصوف جدانیست پس لاجرم بندہ با جملہ صفاتِ خود ضعیف و عاجز بود اھ ملخصا (ص ۳۰)

سائل فاضل کو سمجھنا چاہیے کہ کرامات اولیاء معجزات انبیاء سے زیادہ تر نہیں ہوسکتیں اور معجزات کے بارہ میں حق تعالیٰ کا صاف ارشاد موجود ہے .

﴿ومان کان لِرَسُوْلٍ اَنْ یَّاْتِیَ بِاٰیَةٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ﴾

"کسی نبی میں یہ طاقت نہیں کہ وہ بدون خدا تعالیٰ کے حکم کے کوئی معجزہ لا سکے"۔

پھر اولیاء میں کب یہ طاقت ہے کہ وہ خود کوئی کرامت ظاہر کرسکیں یا کسی شخص کی امداد بدون حکم خداوندی کرسکیں۔

﴿یَسْئَلُهٗ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ﴾

''اسی سے تمام زمین و آسمان والے سوال کرتے ہیں''

پس استعانت و استمداد اسی سے ہونی چاہیے ہاں مقربان بارگاہ سے توسل کرنے کا مضائقہ نہیں۔ اس کے بعد سائل نے منہیہ ردالمحتار کی عبارت نقل کی ہے۔ جس کا حاصل یہ ہے کہ جب کسی انسان کی کوئی چیز ضائع ہو جائے اور وہ چاہے کہ حق تعالیٰ اسے واپس فرمادیں تو اس کو چاہیے کہ ایک اونچی جگہ پر روضہ (احمد بن علوانؒ) کی طرف منہ کر کے کھڑا ہو اور یہ کہے کہ اے سیدی احمد بن علوان میری گم شدہ چیز مجھے واپس کردو ورنہ میں تمہارے (نام) کو دفتر اولیاء سے نکال دوں گا۔ انتہی ملخصا۔ نیز علامہ خیر الدین رملی کا یہ قول بھی نقل کیا ہے کہ یا شیخ عبدالقادر کہنا نداء ہے اور جب اس کے ساتھ شیئا للہ ملا دیا جائے تو اس میں خدا واسطے ایک چیز مانگنا ہے۔ اس کی حرمت کا کیا سبب ہے۔ اھ۔

امر اول کی نسبت یہ گزارش ہے کہ یہ منہیہ ردالمحتار میں کسی نے غالباً ملحق کردیا ہے۔ علامہ شامی کا اس کو فتوی سمجھنا بالکل غلط ہے کیونکہ صورت اولی میں ایک ولی کے ساتھ جس قدر گستاخی اور بے ادبی ہے وہ کسی عاقل پر مخفی نہیں۔ بھلا جو شخص ایک ولی سے استعانت کرے اسی کو خود یہ دھمکی بھی دے کہ اگر ایسا نہ کرو گے تو میں تمہارا نام دفتر اولیاء سے نکال دوں گا۔ اس گستاخی کی کچھ حد ہے پس یہ کسی طرح سمجھ میں نہیں آتا کہ اگر علامہ شامی کے نزدیک اولیاء سے استعانت جائز ہے تو وہ اس گستاخی کی کیونکر اجازت دے سکتے ہیں۔ علاوہ ازیں یہ کہ اس نداء و استعانت سے یہ امر مفہوم ہوتا ہے کہ اولیاء اللہ متصرف ہیں اور جو شخص اس طرح ندا کریگا وہ یقیناً ان کو متصرف سمجھے گا اور علامہ شامی نے ایک مقام پر اس کی تصریح کی ہے کہ اولیاء اللہ کو متصرف سمجھنا کفر ہے۔

﴿ومنها انه ان ظنّ ان الميت يتصرف في الامور دون الله تعالىٰ و اعتقادهٗ ذلك كفر﴾ اھ (ص۲۰۶ ج۲)

نیز یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ مقصود ان کا اس عمل کی خاصیت بیان کرنا ہے قطع نظر جواز وعدم جواز سے جیسا قول جمیل میں مولانا حضرت شاہ ولی اللہؒ نے ایک عمل کشف وقائع کا لکھا ہے اور اس میں ایک قرآن پشت کی طرف بھی رکھا جاتا ہے۔ تو یہ دلیل جواز

نہیں ہے اور علامہ رملی کے قول کا جواب یہ ہے کہ وہ یہ فرماتے ہیں کہ یا شیخ عبدالقادر شیئاً للہ کی حرمت کا کیا سبب ہے، جس کا حاصل یہ ہے کہ ان کی سمجھ میں وجہ حرمت نہیں آئی۔ سو ان کی سمجھ میں نہ آنے سے یہ لازم نہیں آتا کہ وجہ حرمت واقع میں بھی نہ ہو لان فوق کل ذی علم علیم ٥ دوسرے علماء کی سمجھ میں وجہ حرمت آ گئی ہے اور انہوں نے اس کو بیان بھی کر دیا ہے۔ چنانچہ درمختار میں ہے۔

﴿کذا قول شیئ للّٰہ قیل بکفرہ ا ہ (ص ۴۷۵ ج ۳) و فی ردالمحتار لعل وجہ انہ طلب شیئا اللّٰہ تعالیٰ واللّٰہ تعالی غنی عن کل شیئ والکل مفتقر و محتاج الیہ و ینبغی ان یرجح عدم التکفیر فانہ یمکن ان یقول اردت اطلب شیئا اکراما للّٰہ اھ شرح الوھبانیہ قلت فینبغی او یجب التباعد عن ھذہ العبارۃ و قد مران مافیہ خلاف یؤمر بالتوبۃ والاستغفار و تجدید النکاح لکن ھذا ان کان لایدری ما یقولُ اما ان قصد المعنی الصحیح فالظاھر انہ لابأس بہ﴾ اھ (ص ۴۷۵، ج ۳)

ترجمہ:- "اسی طرح شیئاً للہ کہنے سے بعض کے نزدیک کفر ہو جاتا ہے۔ شاید اس کی وجہ یہ ہے کہ اس نے اللہ تعالیٰ کیلئے ایک چیز مانگی ہے اور اللہ تعالیٰ ہر چیز سے بے نیاز ہے اور سب اسی کے محتاج ہیں اور مناسب یہ ہے کہ عدم تکفیر کو ترجیح دی جائے کیونکہ قائل یہ کہہ سکتا ہے کہ میرا مقصود خدا کی عظمت کے صدقہ سے سوال کرنا تھا شارح کہتے ہیں۔"

کہ پس مناسب بلکہ واجب یہ ہے کہ ایسے الفاظ سے احتراز کیا جاوے کیونکہ پہلے گزر چکا ہے کہ جن الفاظ سے کفر ہونے میں اختلاف ہے ان میں توبہ واستغفار وتجدید نکاح کا حکم کیا جاویگا لیکن یہ اس وقت ہے جبکہ کہنے والے کو یہ نہ معلوم ہو کہ میں کیا کہہ رہا

ہوں (اور اس کا مطلب کیا ہے) اور اگر صحیح معنی (کو جانتا ہو اور اسی) کا قصد کرتا ہو تو بظاہر اس میں کہنے کی اجازت کیونکر دی جا سکتی ہے جو کہ صحیح معنے اور غلط میں فرق نہیں سمجھتے بالخصوص اگر اس کے ساتھ یا شیخ عبدالقادر بھی ملا دیا جائے۔ جب تو کفر کا قوی اندیشہ ہے کیونکہ عوام حضرت غوث اعظم رحمہ اللہ و دیگر اولیاء کو اس اعتقاد کے ساتھ ندا کرتے ہیں کہ وہ متصرف ہیں سب کچھ کر سکتے ہیں اور جو کوئی ان کو پکارتا ہے اس کی بات کو سنتے ہیں اور اوپر علامہ شامی کا قول گزر چکا ہے جس میں وہ صاف فرماتے ہیں کہ اولیاء کو متصرف سمجھنا اعتقاد کفر ہے۔

مولانا عبدالحی قدس سرہٗ اپنے فتاوی میں یا شیخ عبدالقادر شیئاً للہ کے وظیفہ کی نسبت ارشاد فرماتے ہیں ثانیاً ازیں جہت کہ ایں وظیفہ متضمن است ندائے اموات راز مکنہ بعیدہ و شرعاً ثابت نیست کہ اولیاء را قدرتے حاصل است کہ از مکنہ بعیدہ ندارا بشنو ندا البتہ سماع اموات سلام زائر قبر را ثابت ست بلکہ اعتقاد اینکہ کسی غیر حق سبحانہ حاضر و عالم و حالم خفی وجلی در ہر وقت وہر آں است اعتقاد شرک ست در فتاوی بزازیہ می نویسد۔ تزوّج بلا شہود و قال خدائے و رسول خدا و فرشتگاں را گواہ کردم۔ یکفر لانہ اعتقد ان الرسول و الملک یعلمان الغیب و قال علمائنا من قال ان ارواح المشائخ حاضرۃ تعلم یکفر انتھی وحضرت شیخ عبدالقادر اگرچہ از اجلۂ اولیائے امت محمدیہ ہستند ومناقب وفضائل شاں لا تعد ولا تحصی اند لیکن چنیں قدرت شاں کہ فریاد را از امکنہ بعیدہ بشنوند و بفریادرسند ثابت نیست۔ واعتقاد اینکہ آنجناب ہر وقت حال مریدان خود میدانند و ندائے شاں می شنوند از عقائد شرک است واللہ اعلم۔ (ص ۳۳۱ ج ۴ مع الخلاصۃ)

فتاوی بزازیہ کی عبارت سے یہ امر صاف طور پر واضح ہو گیا کہ ارواح مشائخ کو حاضر سمجھنا کہ وہ سب کچھ جانتے سنتے ہیں۔ عقیدہ کفر ہے اسی لئے ہم یا شیخ عبدالقادر شیئاً للہ کے وظیفہ سے منع کرتے اور اس کی حرمت کا فتوی دیتے ہیں۔ فاضل سائل نے کسی کتاب سے یہ بھی نقل کیا ہے کہ حضرت محبوب عالم اپنے مریدوں کو بعد نماز کے شیئاً للہ یا حضرت سلطان سنجرہ ایک سو تیرہ مرتبہ پڑھنے کی اجازت دیا کرتے تھے اھ۔

اس کا جواب یہ ہے کہ کسی بزرگ کا فعل شریعت میں حجت نہیں ہے۔ اس سے احکام کا ثبوت نہیں ہوسکتا بلکہ اگر کسی بزرگ سے کوئی فعل خلاف شرع صادر ہوا ہے تو حسن ظن کی بنا پر اس میں تاویل کر لینی چاہیے اور حکم شرعی کو نہ بدلنا چاہیے۔ پس اگر تسلیم کر لیا جائے کہ یہ واقعہ صحیح ہے تو ممکن ہے۔ حضرت محبوب عالم رحمہ اللہ نے اس نداء کو غلبہ شوق و محبت پر محمول کر کے جائز سمجھا ہو اور جن مریدوں کو اس کی اجازت دی ہو وہ ان کے نزدیک خوش عقیدہ اور خوش فہم ہوں۔ جن کی نسبت ان کو یہ شبہ نہ ہو کہ وہ۔

لوگ اس نداء میں حضرت سلطان کے متصرف اور حاضر و ناظر ہونے کا اعتقاد کریں گے۔ باقی ان کے قول سے یہ استدلال کرنا کہ نداء غائب مطلقاً جائز ہے اور اولیاء اللہ ندا کو دور سے سنتے ہیں اور مرنے کے بعد بھی جو کوئی ان کو پکارتا ہے اس کی ان کو خبر ہوتی ہے۔ غلط استدلال ہے کیونکہ اولیاء اللہ اتباع شریعت کے مامور ہیں۔ شریعت ان کے افعال کے تابع نہیں ہے۔ پس اگر کسی ولی سے کوئی کام خلاف شریعت ثابت ہو تو اگر وہ امت کے نزدیک مسلم ولی نہیں ہے تب تو اس کے فعل میں تاویل کی بھی ضرورت نہیں۔ اور اگر اس کی ولایت تسلیم شدہ ہے تو اس کے فعل میں تاویل کر کے اس کے ساتھ بدگمانی سے روکا جائے گا۔ لیکن احکام شرعیہ کو کسی حال میں اس کے فعل کے تابع نہ کیا جائے گا۔ جیسا کہ حضرت شیخ ابن عربی رضی اللہ عنہ نے فصوص میں ایمان فرعون کا مسئلہ لکھا ہے یا حضرت بایزید بسطامیؒ سے سبحانی ما اعظم شانی فرمانا اور حضرت حسین بن منصور سے انا الحق کہنا منقول ہے۔

علماء شریعت نے ان سب میں مناسب تاویل کر کے ان حضرات کو کفر سے بچالیا ہے کیونکہ ان کی ولایت مسلم تھی لیکن اس تاویل کا یہ مطلب نہیں ہے کہ یہ الفاظ حقیقت میں کفر کو مستلزم بھی نہیں ہیں یقیناً اگر تاویل نہ کی جائے تو یہ الفاظ بہت سنگین ہیں۔ جن کی اجازت ہرگز کسی کو نہیں دی جاسکتی۔ اس کی ایسی مثال ہے جیسے کسی بزرگ سے یہ منقول ہو کہ انہوں نے ایک تولہ سنکھیا کھالیا تھا۔ سو اس سے کوئی شخص یہ فتویٰ نہیں دے سکتا کہ سنکھیا کھالینا جائز ہے بلکہ ہر عاقل یہی کہے گا کہ سنکھیا کھانا حرام ہے مگر ان بزرگ کے پاس کوئی ظاہری یا باطنی تریاق ہوگا۔ جس کی وجہ سے ان کو یقین تھا کہ مجھ کو سنکھیا

نقصان نہ دے گا۔ اس لئے انہوں نے ایسا کیا دوسروں کے لئے اس کا کھانا حرام ہے۔

اسی طرح یا شیخ عبدالقادر شیاءللہ کا وظیفہ شرعاً حرام ہے کیونکہ اس میں غیر اللہ کو مکان بعید سے نداء اور ان کے حاضر و ناظر ومتصرف ہونے کا ایہام ہے۔ جو کہ موجب شرک ہے اور اگر کسی ولی نے ایسا کیا ہے تو اس نے اس عقیدہ شرک وکفر سے بچنے کیلئے کوئی تاویل کر لی ہوگی ان کے فعل سے حکم شرعی نہیں بدل سکتا۔

درمختار میں ہے کہ دعا میں بمقعد العزمن عرشک کہنا ممنوع ہے۔ علامہ شامی اس کے تحت میں لکھتے ہیں لان مجرد الایھام کاف فی المنع من التکلم بھذا الکلام و ان احتمل معنی صحیحاً اھ (فتاوی مولانا عبدالحی ص ۳۳۱ ج ۴ مع الخلاصة) کہ ایسے کلمات کے ممنوع ہونے کے لئے معنی کفر کا ایہام بھی کافی ہے اگر چہ اس کے صحیح معنی بھی بن سکتے ہوں۔ اھ فاضل سائل غالباً اس سے ناواقف نہیں ہیں کہ آج کل عام لوگ استعانت و استمداد و نداء غیر میں کیسے کیسے شرک وکفر تک پہنچانے والے عقیدوں میں مبتلا ہیں اس صورت میں ایسے کلمات کی ان کو کیونکر اجازت دی جاسکتی ہے۔ جن میں ظاہری الفاظ ہی سے ایہام کفر ہوتا ہے۔ پس ہمارا مسلک یہ ہے کہ ہم استعانت واستمداد ونداء مروجہ زمانہ حال سے عام و خاص سب کو منع کرتے ہیں البتہ توسل کو جائز کہتے ہیں اور اگر بزرگوں سے کوئی بات اس قسم کی ثابت ہوتی ہے تو اگر ان کی ولایت تسلیم شدہ ہے۔ ان کے فعل میں تاویل کر کے بدگمانی کو ان سے رفع کر دیتے ہیں اور حکم شرعی میں کسی طرح تبدیلی وتغیر نہیں کرتے۔

هذا واللّٰه المسئول لان يثبتنا واياكم على الصراط المستقيم و يرزقنا و جميع المسلمين حبه و حب نبيه الكريم و حب اصحابه و اولياء امته ويجمعنا معهم فى دار النعيم والحمد للّٰه وحده و على خير البرية افضل الصلوة والتسليم و على آله و اصحابه و اولياء امته اجمعين دائما ابدا آمين آمين.

ضمیمہ رسالۂ الارشاد فی مسئلۃ الاستمداد

بعد الحمد والصلوۃ۔ مسئلہ استمداد کے متعلق بعض سوالات کے جوابات امداد الفتاوی مؤلفہ حضرت مجدد الملۃ والدین حکیم الامت فاضت انہاء فیوضہم میں بہت نفیس و قابل قدر مذکور ہیں۔ جی چاہا کہ ان کو بھی اپنے رسالہ کے اخیر میں منضم کردوں تا کہ ان مضامین عالیہ کی برکت سے رسالہ مذکورہ مکمل و مدلل ہو جاوے واللہ الموفق والمعین وھا ھوذا واللہ خیر رفیق۔

سوال

صلی اللہ علیک یا محمدؐ یہ درود شریف پڑھنا کیسا ہے۔ یاد آتا ہے کہ لَا تَجْعَلُوْا دُعَاءَ الرَّسُوْلِ كَدُعَاءِ بَعْضِكُمْ بَعْضًا کی تفسیر میں جامع البیان میں لکھا ہے کہ جس طرح عام لوگوں کو نام لیکر پکارتے ہو نہ پکارو اس سے اس درود کی ممانعت کا ثبوت ہوتا ہے۔

الجواب

اس آیت میں اس خطاب کی ممانعت ہے جو خلاف ادب واحترام ہو اور اگر ادب وحرمت کے ساتھ ہو جیسا کہ اقتران صیغہ صلوۃ یہاں اس کا قرینہ ہے گو اسم علم کے ساتھ ہو وہ اس آیت سے ممنوع نہیں چنانچہ حدیث ضریر میں خود یہ خطاب حضور پر نور صلی اللہ علیہ وسلم نے تعلیم فرمایا ہے۔ حصن حصین میں کسی حدیث کی کتاب سے نقل کیا ہے۔ البتہ حالت غیبت میں یہ نداء گو بعنوان رسول و نبی ہی کیوں نہ ہو موہم ہے اعتقاد سماع عن البعید کو جو کہ عوام کے لئے منجر بمفسدہ ہے۔ اس بنا پر اس سے ممانعت کی جاوے گی۔ ۱۳ ذی الحجہ ۲۷ھ

سوال

(اول) دلائل الخیرات کی حزب ششم یوم شنبہ میں جو یہ عبارت واقع ہے یا حبیبنا یا سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انا نتوسل بک

الی ربک فاشفع لنا عند اللہ المولی العظیم یا نعم الرسول الطاہر اس کا پڑھنا جبکہ قاری روضۂ مبارک نبوی صلی اللہ علیہ وسلم پر حاضر نہ ہو یا نسبت حضوری اس کی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ قوی نہ ہوتو کیسا ہے۔ تتمہ قربات عند اللہ وصلوٰت الرسول نے دعائے حاجت کے ضمن میں حاشیہ پر یہ تحریر فرمایا ہے۔ اختصرته لان النداء الوارد له لادليل عليه على بقائه بعد حياته عليه السلام (سوال دویم) قریب قریب اسی کے وہ شبہ ہے جو تشہد میں وقت پڑھنے فقرہ السلام علیک ایہا النبی الخ اکثر اوقات دل میں پڑ جاتا ہے۔ تفصیل اس کی یہ ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ہم (گروہ صحابہؓ) حالت حیات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم میں بوقت تشہد السلام علیک ایہا النبی الخ کہا کرتے تھے اور جب سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انتقال فرمایا یوں کہنے لگے السلام علی النبی الخ۔ تو اب یہ کلمہ تشہد میں کیوں بحال رکھا گیا حالانکہ حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ اکثر فتاوی میں حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ ہی کے پیرو ہوا کرتے تھے فقط۔

الجواب

جواب سوال اول۔ ایسے صیغے بہ نیت تبلیغ ملائکہ جائز ہیں مگر میں نے احتیاط کی ہے کیونکہ عوام میں مفاسد زیادہ ہو گئے ہیں۔ (جواب سوال دوم) یہ ابن مسعودؓ کا اجتہاد تھا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے تعلیم تشہد کی بصیغہ خطاب بلا تخصیص منصوص ہے نص کے سامنے اجتہاد کو چھوڑ دیا جاویگا۔ بخلاف تعلیم اس دعا کے اعمیٰ کو کہ اس وقت میں وہ حاضر تھا اس دعا کے پڑھنے کو فرمایا تھا تو تعلیم تعمیم ثابت نہیں اور تشہد تو نماز میں پڑھنے کو سکھلایا گیا اور آپ خود جانتے تھے کہ سب نمازی قریب نہیں ہوں گے اور جو قریب بھی ہیں وہ اسماع نہ کریں گے۔ فافترقا۔ ۲۹ ذیقعدہ ۲۸ھ

سوال

فخر اقران یادگار بزرگان جناب مولانا اشرف علی صاحب مدت فیوضکم۔

کمترین بعد سلام مسنون گزارش پرداز ہے جناب کی ہمت باصلاح امت بھرنوع قابل شکر گزاری ہے۔ بندہ کو اپنی کم فہمی اور قلت اعتناء با مور دینی سے آپ کے بعض مضامین پر کچھ شبہے ہو جایا کرتے ہیں۔ مگر بوجہ مذکورہ باشتغال مشاغل فاسدہ دنیویہ وقت کے ساتھ ہی رفت و گزشت ہو جاتے ہیں۔ بعض دفع استفہاماً واستفادۃً کچھ عرض بھی کرنا چاہتا ہوں مگر وجوہ مسطورہ کے ساتھ میری علمی بے بضاعتی اور اخلاصی فرومائیگی دست کشی پر آمادہ ہو جاتی ہے۔ ان دنوں شعبان کے القاسم کے ص۱۴ وص ۱۶ کے دیکھنے سے پھر وہی کیفیت پیدا ہوئی وجوہ مذکورہ تو اب بھی مانع عرض حال ہیں۔ مگر ۲۹ رجب گزشتہ کو چند منٹ کی حصول نیاز مقام اس دفعہ معروض کی تقریب کرتی ہوئی نظر آتی ہے۔ لہٰذا نہایت ادب سے مختصراً گزارش ہے بندہ آپ کے مضمون ص۱۴ القاسم کے اس جملہ کو نہیں سمجھ سکا اور اگر مقصود اس عمل سے حق تعالیٰ ہے اور ان بزرگ کو محض ثواب بخشنا ہے تو وہ اس حد تک (یعنی شرک تک) تو نہیں پہنچا اور ظاہراً جائز بھی ہے۔ مولانا آپ مضمون شرط کو لفظ مقصود اور لفظ محض سے اتنا مضبوط و محفوظ فرما چکے ہیں کہ یہ عمل وعقیدہ ہر حد اساءت سے دور اور ظاہراً باطناً جائز اور مستحسن ہوگیا۔ پس یہی جواب شرط ہونا چاہیے تھا۔ اور نہ اس محفوظ و مضبوط مقدم سے کوئی استدراک ہوسکتا ہے اور جناب اپنی تفتیش اور معلوم خیالی کے واسطے جدا مسئلہ قائم فرما سکتے تھے۔ حاشا وکلا کہ مجھے آپ کے بیان سے کوئی مزاحمت یا سیاق سے کوئی مناقشہ مدنظر ہو مگر آپ کے اس بیان سے اس مسئلہ کا مفہوم جو میں سمجھ سکا ہوں، وہ یہ ہے کہ جس صدقہ نافلہ میں مقصود فقط حق تعالیٰ ہو اور بزرگوں کو محض ثواب بخشنا ہو وہ بھی برا اور گناہ ہے اور ظاہراً جائز اور باطناً منع ہے۔ مولانا مجھے اپنے کان لم یکن معلومات میں ایسا کوئی مسئلہ معلوم نہیں ہوتا جس کو ظاہر شرع نے جائز قرار دیا ہو اور وہ بغیر عرض کسی فاسد خارجی کے ناجائز ہو سکے اور مبحوث عنہ میں آپ کی لفظی اور معنوی حد بست حملہ خوارج کا سدباب کر چکی ہے۔ لہٰذا یہ عمل مطلقاً جائز اور مستحسن ہونا چاہیے۔

عقیدہ مدد از بزرگان کی جناب نے دو صورتیں نکالی ہیں ایک عقیدہ مدد بتصرف باطنی جس کو ص۴ میں قریب شرک اور ص ۱۶ میں عین شرک فرمایا ہے دوسری صورت عقیدہ

مدد از دعاء تصرف باطنی کہ اس ہیبتناک مفہوم کی تصریح سے پہلے (جس کا عقیدہ کرنے سے ایک کلمہ خوان نماز گزار روزہ دار مومن باللہ و بالرسول و بالیوم الآخر غرض عامل ارکان اسلام کو اِنَّ اللّٰهَ لا یَغْفِرُ اَنْ یُّشْرَکَ بِهٖ کی سخت ترین وعید کے تحت میں خلود فی النار کا مستوجب بنادے) یہ حکم تصرف باطنی کے ظاہری مفہوم پر جو بحالت غلو بھی کسی مسلمان کی سمجھ یا عمل میں آسکتا ہے نہایت شدید بلکہ متجاوز عن الحق معلوم ہوتا ہے اگر صفحہ ۱۶ کے اس جملہ کو (وہ خوش ہوکر ہمارے کام کر دیں گے) تصرف باطنی کے مفہوم شرک کی تصریح بھی مان لی جائے تو یہ تصریح خود محل توجیہ تاویل ہے کام کر دیں گے یعنی دعاء کریں گے۔ شفاعت کردیں گے اوران کی دعاء خداتعالیٰ قبول فرمالے گا تو ہمارا کام ہوجاوے گا۔

گویا انہوں نے ہی ہمارا کام کیا وسایط ست افعال کی نسبت مجازاً ہر زبان میں رات دن کا روزمرہ ہے قرآن وحدیث میں بھی ایسی نسبتیں بکثرت موجود ہیں غایۃ مافی الباب یہ کہ احتیاط اگر کسی مدبر و مصلح قوم کو دوراندیشی سے لوگوں کو اس سے باز رکھنے کی ضرورت ہوتو وہ مشرک اور کافر قرار دینے کے سوا بھی اور ترہیبی و ترغیبی طریقوں سے ہوسکتی ہے۔ اور زیادہ کیا عرض کروں۔ قرآن وحدیث وتعامل صحابہ وقرون خیر واتفاق صلحاء سلف وخلف ایسی سخت گیری سے کس قدر مانع ہے۔ وہ جناب کے خدام مجلس کی نظر سے بھی پوشیدہ نہیں۔ اس وقت اس حکم کی شدت ہی میری گھبراہٹ کا باعث ہوئی ورنہ من خراب کجا وصلاح کار کجا۔

عقیدہ مدد از دعاء میں بعد جواز عقیدۂ احتمال دعاء دو عقیدے فاسد آپ نے ظاہر فرمائے ہیں ایک عقیدہ وقوع احتمال دعاء دوسرا بغرض وضوع عقیدہ اجابت دعا ان عقیدوں کے فساد پر عدم ثبوت آپ نے دلیل پیش کی ہے۔ بغیر اس کے کہ اندریں مسئلہ عدم ثبوت دلیل فساد ہونے پر کچھ عرض کروں۔ عقیدہ اول کی صحت وثبوت میں یہ حدیث پیش کرتا ہوں جس کو علامہ ابن القیم نے کتاب الروح میں نقل کیا ہے۔ قال ابو عبد اللّٰہ بن مندة وروی موسیٰ بن عبدة عن عبداللّٰہ بن یزید عن ام کبشة بنت المعرور قالت دخل علینا رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم فسألناه عن

هذه الارواح فو صفها صفةً ابکی اهل البیت فقال ان ارواح المومنیں فی حواصل طیر خضر تسرح فی الجنة و تاکل من ثمارها و تشرب من مائها وتاوی الی قنادیل من ذهب تحت العرش یقولون ربنا الحق بنا اخواننا و آتنا ما وعدتنا فتلک دعوتهم قدو قعت لاخوانهم الاحیاء و تدوم الی مادامت المسوات. الارض . اسی عقیدہ اول کی صحت وثبوت میں قرآن شریف کی یہ آیت بھی پیش کرتا ہوں اَلَّذِیْنَ یَحْمِلُوْنَ الْعَرْشَ وَمَنْ حَوْلَهٗ یُسَبِّحُوْنَ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ وَ یَسْتَغْفِرُوْنَ لِمَنْ فِی الْاَرْضِ مَنْ حَوْلَهٗ کے مفہوم میں اگرچہ مفسرین نے ان بزرگوں کو شامل نہ کیا ہو جن کو میں شامل کرنا چاہتا ہوں۔مگر سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی بعض تفریحات اندریں باب اس احقر کائنات کے مدو معاون ہیں چنانچہ ام کبشہ کی حدیث مذکور میں تاوی الی قنادیل من ذهب تحت العرش آیا ہے اور بعض حدیثوں میں الی قنادیل معلقة بالعرش مدلیة تحت العرش آیا ہے نہ معلوم ان تحت العرش داخل فی حول العرش و المعلقات بالعرش هی من حول العرش تیسرا ثبوت قال ابن عبدالبر ثبت عن النبی صلی اللّٰه علیه وسلم انه قال مامن مسلم یمرعلی قبراخیه کان یعرفه فی الدینا فیسلم علیه الاوالّٰله تعالی علیه روحه حتی یرد علیه السلام اور سلامتی بہترین دعا ہے اور

---

[1] وہ پورا مضمون یہ ہے۔ایک کوتاہی یہ ہے کہ بعضے آدمی جو صدقہ نافلہ نکالتے ہیں ان کا دل گوارا نہیں کرتا کہ محض حق تعالیٰ کی خوشنودی کے لیے خرچ کریں بلکہ وہ ہر چیز کو کسی پیر فقیر شہید ولی کے نامزد کر دیتے ہیں سو اگر خود وہ بزرگ ہی اُس سے مقصود ہے۔تب تو وہ مَاۤ اُهِلَّ بِهٖ لِغَیْرِ اللّٰهِ میں داخل ہو کر بڑی دور یعنی حد شرک تک پہنچ گیا اور بعض غلاۃ جہلا کا واقعی یہی عقیدہ ہے سو ایسی چیز کا تناول بھی درست نہیں اور اگر مقصود اس عمل سے حق تعالیٰ ہو اور اُن بزرگ کو محض ثواب ہی بخشنا ہے وہ اس حد تک تو نہیں پہنچا اور ظاہراً جائز بھی ہے۔لیکن عوام بلکہ بعض خواص کالعوام کے حالات وخیالات کی تفتیش سے مفہوم ہوتا ہے کہ وہ لوگ محض ثواب ہی پہنچانے کو مقصود نہیں سمجھتے بلکہ ان کی یہ نیت ہوتی ہے کہ فلاں ولی کو ثواب پہنچے گا تو وہ خوش ہوں گے اور ہماری اس حاجت میں مدد کریں گے تصرف باطن سے اور زیادہ عقیدہ یہی

ما من والا کی نفی و اثبات سے اس کی ضروری الوقوع اور ہر گونہ احتمالات سے بالاتر ہونے پر ایک تجلی پڑتی ہے۔

اور حضرت ابو ہریرہ کی حدیث میں (رضی اللہ عنہ) عرفہ اولا یعرفہ ردعلیہ السلام بھی ہے فتلک دعواتهم لنا بغير احسان مناوالمعاوضة فكيف اذا احسنا اليهم ووصلنا هم وارسلنا اليهم الهدايا وهم متنعمون مكرمون عند ربهم فرحون بما آتا هم الله من فضله وهو تعالىٰ يطلع اليهم فيقول هل تشتهون شيئاً فكيف يدعو ننا في مثل هذا الوقت من الدعاء لنا وهدايا نا تصل اليهم و ربنا القدير يسئلهم تشتهون شيئًا والحمد لله رب العالمين.

عقیدہ ثانیہ یعنی بعد فرض وقوع دعاء کے اس دعاء بالقطع قبول ہونے کا عقیدہ کرنا اس کا ثبوت عقیدہ اولیٰ کے ثبوت میں تقریباً آ ہی چکا ہے مگر علیحدہ بھی اس کے ثبوت میں حضرت ابو ہریرہ کی حدیث پیش کرتا ہوں۔عن ابی هريرة رضى الله عنه قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم اُدعوا الله وانتم موقنون بالا جابة (رواه الترمذی) اس میں شک نہیں کہ دعاء تو بعض اوقات انبیاء علیہم السلام کی بھی قبول نہیں ہوتی۔

ہے اور اُس کا بھی قریب شرک ہونا ظاہر ہے اور خواہ دعاء سے سو احتمال دعاء کا عقیدہ تو ناجائز نہیں لیکن دو عقیدے اس میں بھی فاسد ہیں ایک اس احتمال کے وقوع کا اعتقاد کرنا کہ جس پر کوئی دلیل نہیں اور بلا دلیل عقیدہ کرنا کذب نفس اور مخالفت ہے آیت وَلَا تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ کی دوسرے بعد فرض وقوع دعا کے اس دعا کی بالقطع قبول ہو جانے کا عقیدہ کرنا دعا تو بعض اوقات انبیاء علیہم السلام کی بھی کسی مصلحت سے قبول نہیں ہوتی تا بغیر انبیاء چہ رسد اس ہے مصلحت بھی ہو وہ محب بزرگوں کو کچھ بخشا ہو اپنی حاجت کا خیال اُن میں ملایا کریں کہ توحید کے خلاف ہی کما ذکر اور اگر بہت ہی احتیاط کی تو اخلاص کے تو خلاف ہے ایسی مثال ہوگئی کہ کسی زندہ کو ہدیہ دیا وہ سمجھا کہ محبت سے دیا اور خوش ہوا پھر معلوم ہوا کہ کسی مطلب کو دیا فوراً وہ مکدر ہو گیا ص ۱۴ مسئلہ: بعضے لوگ بزرگوں کے لیے ثواب پہنچاتے ہیں کہ وہ خوش ہو کر ہمارا کام کر دیں گے سو یہ شرک ہے اور اگر یہ سمجھیں کہ دعا کریں گے اور وہ دعا ضرور قبول ہو گی تو یہ دونوں مقدمات بھی غلط ہیں نہ تو کہیں یہ ثابت ہے کہ وہ ضرور دعا کریں گے اور نہ یہ ثابت ہے کہ دعا ضرور قبول ہو گی پس ایسی مشکوک بات کا پختہ یقین کر لینا بھی گناہ ہے۔

مگر ہم کو بصراحت دعاء کے بالقطع قبول ہونے کا عقیدہ رکھنے کا حکم ہے۔ ادعوا اللّٰہ و انتم موقنون بالا جابۃ والسلام اب میں زیادہ جناب کی تضیع اوقات نہیں کرتا چونکہ بندہ کو فقط تحقیق حق مقصود ہے اگر جواب عنایت ہو تو تحقیقی اور مختصر دوم بالعافیۃ۔

الجواب

مخدومی معظمی دامت فیوضکم، السلام علیکم ورحمۃ اللہ میں آجکل سفر میں ہوں سفر ہی میں مکرمت نامہ نے مشرف فرمایا خیر خواہی سے ممنون ہوں اگر جواب لکھنے کا حکم نہ ہوتا تو جواب کو سوءِ ادب سمجھ کر اس کی جرأت نہ کرتا۔ مگر حکم ہونے کے بعد جواب عرض نہ کرنا سوءِ ادب تھا اس لئے کچھ عرض کرتا ہوں میں نے صاف دل سے خلوِ ذہن کے ساتھ پورا مضمون القاسم [1] میں مکرر بغور دیکھا کوئی خدشہ نہیں معلوم ہوا۔ اور والا نامہ کو مکرر دیکھا تب بھی کوئی خدشہ پیدا نہیں ہوا۔ غالباً آپ کو جملہ ظاہراً جائز بھی ہے کے بعد استدراک سے خلجان ہوا ہے۔ سو بقرینہ سیاق اس جملہ کا مطلب یہ ہے کہ ظاہراً علی الاطلاق جائز بھی ہے۔ پس باعتبار قید علی الاطلاق کے یہ استدراک کیا گیا ہے اور گو علی الاطلاق کا لفظ اس مقام پر مصرح نہیں مگر سیاق کو ملا کر دیکھنے سے مطلب واضح ہے۔ پس میں بزرگوں کے نفس ثواب بخشنے کو منع نہیں کرتا۔ جس پر یہ شبہ مذکور والا نامہ متوجہ ہو سکے کہ جس میں صدقہ نافلہ میں مقصود فقط حق تعالیٰ ہو اور بزرگ کو محض ثواب بخشا ہو وہ بھی برا اور گناہ ہے اور یہ مطلب کیسے ہو سکتا ہے جبکہ آٹھ نو سطر بعد ہی اس میں یہ مصرح ہے کہ جب بزرگوں کو کچھ بخشنا ہو اپنی حاجت کا خیال اس میں نہ ملایا کریں۔ الخ

بلکہ مطلب وہی ہے جو اوپر مذکور ہوا کہ گو ظاہراً علی الاطلاق جائز معلوم ہوتا ہے۔ مگر بعد تامل و تفتیش حال عوام اس میں باطنی مفسدہ ہے جو بعد استدراک مذکور ہے اور واقعی یہ عدم جواز بغیر عروض کسی قبیح خارجی کے نہیں ہوا۔ بلکہ قبیح کے عروض ہی سے ہوا اور وہ قبیح دو عقیدے ہیں۔ ایک اعتقاد وقوع دعا دوسرا اس کا بالقطع مقبول ہونا اور جس امر کو میں نے شرک یا قریب شرک کہا ہے۔ وہ ایسا ہی شرک ہے جیسے من حلف بغیر اللہ فقد

اشرک چنانچہ اس کا لفظ قریب بہ شرک ہی تعبیر کرنا اس کا مؤید ہے باقی اس تصرف باطنی کے عقیدہ کی جو تاویل کی گئی ہے۔ جو لوگ ان امور میں منہمک ہیں۔ ان کی تصریحات اس تاویل کو رد کرتی ہیں اور تشدد جو سلف کے خلاف ہے وہ تشدد ہے جو محل عدم تشدد میں ہو اور یہ عقیدہ خود محل تشدد ہے۔ چنانچہ اس سے ان امور پر حدیثوں میں شرک کا اطلاق آیا ہے اور وقوع دعاء میں جو حدیث نقل فرمائی ہے اس میں جو دعاء منقول ہے وہ خود اس استدلال کا جواب ہے۔ یعنی اس سے صرف ایک معین دعاء کا وقوع ثابت ہے۔ ربنا الحق بنا اخواننا اور دعویٰ عدم ثبوت دوسری دعاء کا ہے یعنی جس حاجت کے لئے یہ شخص ایصال ثواب کرتا ہے مثلاً ترقی معاش وصحت اولاد ونحو ذلک تو اس کا ثبوت اس حدیث سے کیسے ہوا اسی طرح قرآن مجید کی آیت میں اگر من حولہ کو بلا دلیل عام بھی لے لیا جائے تب بھی اس سے خاص دعاء کا ثبوت ہوتا ہے۔ نہ کہ دعاء متکلم فیہ کا اسی طرح سلامتی کی دعاء خاص ہے اس سے ہر دعاء کا وقوع اور خاص کر ایصال ثواب کے بعد اس کا وقوع جیسا کہ عقیدہ عوام کا ہے۔ یہ کیسے ثابت ہوا باقی اس پر جو دوسری ادعیہ کو قیاس کیا ہے۔ وہ مع الفارق ہے اور وہ فارق اذن ہے ممکن ہے کہ یہ دعاء ماذون فیہ ہو اور دوسری دعائیں غیر ماذون فیہ جب تک کہ نقل صحیح سے ثابت نہ ہو اور جب دعاء ہی ثابت نہیں تو اجابت کے یقین کا کیا ذکر اور انتم موقنون بالا جابة سے مراد خاص قبول متعارف نہیں اسی کی قطع کی نفی کی گئی ہے۔ ورنہ جب اجابت واقع نہ ہو لازم آتا ہے کہ ہم کو ایک غیر واقعی امر کا یقین دلایا گیا۔ اس کا کوئی متدین قائل ہوسکتا ہے بلکہ مراد اجابت سے عام ہے جیسا کہ اس آیت میں ہے۔ اُدْعُوْنِیْٓ اَسْتَجِبْ لَکُمْ اور عوام اجابہ متعارفہ کا قطع کرتے ہیں بہت غور درکار ہے اور اصل بات جو بناء ہے میرے منع کی وہ یہ ہے کہ عوام الناس یہ اعتقاد رکھتے ہیں کہ اس طریق سے گویا وہ کام ان بزرگوں کے سپرد ہوگیا اور وہ ذمہ دار ہوگئے۔ وہ جس طرح بن پڑے گا، خواہ تصرف سے یا دعاء سے ضروری ہے اس کو پورا کرالیں گے۔ اور ان کا ایسا دخل ہے کہ ان کی سپردگی کے بعد اب اندیشہ تخلف نہیں رہا اور اگر تخلف ہوگا تو یہ احتمال نہیں ہوگا کہ ان کی قوت میں کچھ عجز ہے بلکہ اپنے

عمل میں کمی سمجھیں گے۔ بعینہ جیسا خدا تعالیٰ کے ساتھ یہی اعتقاد ہوتا ہے بس یہ اگر شرک نہیں تو کیا ہے حسب الحکم مختصر لکھا ہے۔ اس سے زیادہ میں عرض کرنا نہیں چاہتا نہ اب نہ پھر اس سے فیصلہ نہ ہوا ہو تو بہتر یہ ہے کہ اپنی تحقیق القاسم میں یا اور کسی پرچہ میں طبع کرا دیجئے تاکہ مسلمانوں کی اصلاح ہو جاوے میں بھی اگر سمجھ لوں گا تو رجوع کا اعلان کر دوں گا ورنہ میں اس کا وعدہ کرتا ہوں کہ اس کا رد نہ لکھوں گا باقی خود اپنا عقیدہ اپنی تحقیق کے موافق رکھنے میں معذور ہونگا۔ ۲۱ محرم ۱۳۳۱ھ

سوال

کلمہ یا شیخ عبدالقادر جیلانی شیئاً للہ کے ورد کے متعلق جناب کی رائے مبارک کیا ہے؟ قرآن کریم کی صدہا آیات ظاہری طور پر تو اس کے مخالف نظر آتی ہیں اور نیز حضرت قاضی ثناء اللہ صاحب جیسے متبحر عالم اور صوفی بھی اس سے منع کرتے ہیں۔ گو دوسری طرف شاہ غلام علی شاہ صاحب اور حضرت مرزا جان جاناں صاحب جیسے اعلیٰ درجہ کے صوفی اس کے عامل نظر آتے ہیں۔ خود اعلیٰ درجہ کے علماء اور فضلاء اور صوفیاء میں ایسے اہم مسائل کے متعلق اختلاف دیکھ کر ہمارے جیسے کم علم جن کو دینی بصیرۃ کما حقہ حاصل نہیں ہے حیران اور سرگرداں رہ جاتے ہیں۔ اور یہ اختلاف حنفی شافعی مالکی حنبلی یا مقلدین اور غیر مقلدین کے خفیف اختلافات سے کوئی تشابہ نہیں رکھتا۔ اس کا ایک فریق تو زبردست دلائل سے اس کو شرک ٹھہراتا ہے اور دوسرا فریق ایک لائق پلیڈر کا پارٹ لے کر اس کی حمایت کے واسطے ویسے ہی زبردست دلائل پیش کرتا ہے۔ امید ہے کہ جناب بندہ نوازی فرما کر اس کے متعلق رائے مبارک کا اظہار فرماویں گے۔

الجواب

ایسے امور و معاملات میں تفصیل یہ ہے کہ صحیح العقیدہ سلیم الفہم کے لئے جواز کی گنجائش ہو سکتی ہے۔ تاویل مناسب کر کے اور سقیم الفہیم کے لئے بوجہ مفاسد اعتقادیہ و عملیہ کے اجازت نہیں دی جاتی۔ چونکہ اکثر عوام بدفہم اور کج طبع ہوتے ہیں ان کو علی

الاطلاق منع کیا جاتا ہے اور منع کرنے کے وقت اس کی علۃ اور مدار نہی کو اس لئے بیان نہیں کیا جاتا ہے کہ قیاس فاسد کر کے ناجائز امور کو جائز قرار دے لیں گے۔ جیسے عوام کی عادت ہے کہ دو امروں کو جن میں واقع میں تفاوت ہے مساوی ٹھہرا کر ایک کے جواز سے دوسرے پر بھی جواز کا حکم لگا لیتے ہیں۔ اس لئے ان کو مطلقا منع کیا جاتا ہے۔ اس قاعدے کے دریافت کر لینے کے بعد ہزار ہا اختلاف جو ان امور میں واقع ہیں۔ ان کی حقیقت منکشف ہو جاوے گی اس کی ایسی مثال ہے کہ بوجہ ردائت اکثر مزاجوں کے کوئی ڈاکٹر کسی فصلی چیز کے کھانے سے عام طور پر منع کر دے مگر خلوۃ میں کسی خاص صحیح المزاج آدمی کو بعض طریق و شرائط کے ساتھ اسی چیز کی اجازت دیدیں۔ اس تقریر سے مانعین و مجوزین کے اقوال میں تعارض نہ رہا مگر یہ اجازت عوام کے حق میں سم قاتل ہے۔

سوال

طریق اربعین یعنی چلہ میں حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ ضیاء القلوب صفحہ ۵۵ میں تحریر فرماتے ہیں استعانت و استمداد ازاروں مشائخ طریقت بواسطہ مرشد خود کردہ الخ استعانت و استمداد کے الفاظ ذرا کھٹکتے ہیں غیر اللہ سے استعانت و استمداد بطریق جائز کس طرح کرتے ہیں۔ خالی الذہن ہونے کی تاویل و توجیہ و بالکل جی کو نہیں لگتی ایسی بات ارشاد ہو جس سے قلب کو تشویش نہ رہے۔

الجواب

(۱) جو استعانت و استمداد بالمخلوق باعتقاد علم و قدرت مستقل مستمد منہ ہو شرک ہے اور جو

(۲) باعتقاد علم و قدرۃ غیر مستقل ہو مگر وہ علم و قدرۃ کسی دلیل صحیح سے ثابت نہ ہو معصیت ہے۔ اور

(۳) جو باعتقاد علم و قدرت غیر مستقل ہو اور وہ علم و قدرۃ کسی دلیل سے ثابت ہو جائز ہے۔ خواہ وہ مستمد منہ حی ہو یا میت۔ اور

(۴) جو استمداد بلا اعتقاد علم وقدرۃ ہو نہ مستقل نہ غیر مستقل پس اگر طریق استمداد مفید ہو تب بھی جائز ہے جیسے استمداد بالنار والماء والواقعات

(۵) التاریخیہ ورنہ لغو ہے۔ یہ کل پانچ قسمیں ہیں۔

پس استعداد ارواح مشائخ سے صاحب کشف الارواح کے لئے قسم ثالث ہے اور غیر صاحب کشف کے لئے محض ان حضرات کے تصور اور تذکر سے قسم رابع ہے کیونکہ اچھے لوگوں کے خیال کرنے سے ان کو اتباع کی ہمت ہوتی ہے اور طریق مفید بھی ہے اور غیر صاحب کشف کے لئے قسم خامس ہے۔ ۱۸۔ ذیقعدہ ۱۳۲۰ھ

سوال

اس مسئلہ کی تحقیق تحریر فرما دیں وہ یہ کہ بعض کتب میں نداء غیر اللہ کے متعلق یہ تحریر موجود ہے کہ اگر تصفیہ باطن سے منادی کا مشاہدہ کر رہا ہے تو بھی جائز ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ بعد تصفیہ باطن اولیاء اللہ کو پکار سکتا ہے جو لوگ اولیاء اللہ سے غائبانہ مدد طلب کرتے ہیں وہ یہ کہتے ہیں کہ مثنوی شریف میں مولانا علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں۔

بانگ مظلوماں زہر جا بشنوند سوئے اوچوں رحمت حق میدوند

مصائب کے وقت اولیاء اللہ سے مدد مانگنا اور پھر اس کی طرف ان حضرات کا توجہ فرمانا اس سے ثابت ہے اور یہ دلیل کافی ہے اور یہ بھی سنا گیا ہے کہ اولیاء اللہ میں سے دو بزرگ صاحب تصرف ہیں اس کارخانہ عالم کا نظام حق سبحانہ وتعالیٰ نے ان کے متعلق کیا ہے وہ مدد کیا کرتے ہیں اور انتظام فرمایا کرتے ہیں۔ اس خادم کو نام مبارک یاد نہیں رہا مگر غالباً ایک بزرگ حضرت سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ دوسرے بزرگ کا نام یاد نہیں ہے۔ اس کے متعلق جو تحقیق ہو آنحضور اس سے مطلع فرما دیں بسا اوقات خلجان رہا کرتا ہے کہ آیا دور سے سنتے ہیں یا نہیں اور مدد فرماتے ہیں یا نہیں اہل تحقیق صوفیہ کرام کا کیا مذہب ہے اور حقیقت میں یہ معاملہ کیا ہے۔

الجواب

صرف تصفیہ کو تو کافی نہیں لکھا بلکہ تصفیہ باطن کے بعد مشاہدہ منادی کو شرط کہا ہے۔ سو مشاہدہ کے بعد جواز ہوا لیکن اس سے نداء متعارف میں کوئی گنجائش نہ نکلی رہا مولنا کا شعر یہ قضیہ بوجہ موجود نہ ہونے کسی حرف استغراق وکلیت کے اور کافی نہ ہونے صیغہ جمع کے مہملہ ہے۔ جو قوت میں جزئیہ کے ہے جس کا تحقق بدلالت دوسرے ادلہ کے باعتبار بعض ازمنہ غیر معینہ کے ہوتا ہے۔ یعنی کبھی بطور خرق عادت کے ایسا بھی ہو جاتا ہے اور خرق عادت میں دوام اور اختیار ضروری نہیں بلکہ نفی ان کی اکثری ہے پھر نداء متنازع فیہ سے اس کو کیا مس ہوا اور جن بزرگوں کی نسبت سنا ہے اگر بطور دوام کے مراد ہے تو یہ سنا ہوا محض غلط ہے اس پر کوئی دلیل قائم نہیں اور اگر احیاناً ہے تو مستدلین حال کو مفید نہیں۔ صوفیہ کرام کا وہی مذہب ہے جو شریعت سے ثابت ہے۔ فقط۔ ۸ جمادی الاول ۱۳۲۲ھ

سوال

خادم کا عقیدہ یہ ہے کہ درود شریف کو فرشتے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچاتے ہیں اس بنا پر الصلوٰۃ والسلام علیک یا رسول اللہ اگر پڑھا جاوے تو یہ خیال کیا جاتا ہے کہ فرشتے پہنچا دیں گے۔ خود سماع آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا بلا واسطہ نہیں ہوتا مگر استاذ مولانا مولوی...... صاحب مدظلہ چند روز ہوئے آرہ تشریف لے گئے تھے ایک بزرگ نے ایک کتاب ابن قیم جوزی کی جس کا نام جلاء الافہام فی الصلوٰۃ والسلام علی خیر الانام ہے دیکھنے کو دی۔ اس میں یہ حدیث موجود ہے جس کو مولانا نے نقل فرمایا ہے۔

﴿حدثنا سعید بن ابی مریم حدثنا یحییٰ بن ایوب عن خالد بن زید عن سعید بن هلال عن ابی الدرداء قال قال رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم اکثروا الصلوٰة علی یوم الجمعة فانه یوم مشهود تشهده الملئکة لیس من عبد یصلی علیے الا بلغنی صوته حیث کان قلنا و بعد وفاتک قال و بعد وفاتی. ان اللّٰه حرم علی الارض

ان تاکل اجساد الانبیاءؑ

اس حدیث میں کوئی کلام بھی نہیں کیا کہ ضعیف ہے یا موضوع اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر شخص کی آواز کو سماع فرماتے ہیں بلاواسطہ ملائکہ اس کے معنے بیان فرمادیں تاکہ تردد رفع ہو یا ایسا ہی عقیدہ رکھنا چاہیے آنحضور کا کیا ارشاد ہے۔

الجواب

اس سند میں ایک راوی یحیٰی بن ایوب بلانسب مذکور ہیں جو کئی راویوں کا نام ہے جن میں سے ایک غافقی ہیں جن کے باب میں ربما اخطاء لکھا ہے یہاں احتمال ہے کہ وہ ہوں دوسرے ایک راوی خالد بن زید ہیں، یہ بھی غیر منسوب ہیں اس نام کے رواۃ میں سے ایک کی عادت ارسال کی ہے اور یہاں عنعنہ سے ہے جس میں راوی کے متروک ہونے کا اور اس متروک کے غیر ثقہ ہونے کا احتمال ہے۔ تیسرے ایک راوی سعید بن ابی ہلال ہیں جن کو ابن حزم نے ضعیف اور امام احمد نے مختلط کہا ہے۔ وھذا کلہ من التقریب.

پھر کئی جگہ اس میں عنعنہ ہے جس کے حکم بالاتصال کے لئے ثبوت تلاقی کی حاجت ہے۔ یہ تو مختصر کلام ہے سند میں باقی رہا متن سواولاً معارض ہے دوسری احادیث صحیحہ کے ساتھ چنانچہ مشکوۃ میں نسائی اور دارمی سے بروایت ابن مسعود یہ حدیث ہے قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم ان للہ ملئکۃ سیاحین فی الارض یبلغونی من امتی السلام اور یہی حدیث حصن حصین میں بحوالہ مستدرک حاکم وابن حبان بھی مذکور ہے اور نیز مشکوۃ میں بیہقی سے بروایت حضرت ابوہریرہؓ حدیث ہے قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم من صلی علی عند قبری سمعتہ و من صلی علی نائیا بلغتہ اور نسائی کی کتاب الجمعہ میں بروایت اوس بن اوس یہ حدیث مرفوع ہے۔ فان صلوٰتکم معروضۃ علیّ الحدیث یہ سب حدیثیں صریح ہیں۔ عدم السماع عن بعید میں اور ظاہر ہے کہ جلاء الافہام ان کتب کی برابر قوت میں نہیں ہوسکتی۔ لہٰذا اقوی کو ترجیح ہوگی۔ ثالثاً لفظ بلغنی صوتہ محتمل تاویل ناشی عن دلیل کو ہے واذا جاء الاحتمال

بطل الاستدلال اور وہ دلیل جو منشاء تاویل کا ہے دوسری احادیث مذکورہ ہیں پس بضرورت جمع بین الاحادیث اس لفظ کی یہ توجیہ ہوگی کہ صوت سے مراد جملہ صلوٰتیہ ہے کیونکہ کلام اور کلمہ قسم ہے لفظ کی اور وہ قسم ہے صوت کی پس درود شریف بھی ایک صوت ہے اور بلاغ عام ہے بلاغ بالواسطہ و بلاواسطہ کو اور بقرینہ (دوسری احادیث کے بلاغ بالواسطہ متعین ہے پس معنے بلغنی صوتہ کے یہ ہونگے۔ بلغنی صلوٰتہ بواسطۃ الملائکۃ رابعًا اگر حدیث کے ضعف سند اور متن کے معارض و محتمل تاویل ہونے سے قطع نظر کر لی جاوے اور کل از منہ و امکنہ و احوال اور جمیع مصلین میں عام لیا جاوے تب بھی اہل حق کے کسی دعوے مقصودہ کو مضر نہیں اور نہ ان کے غیر کے کسی دعوے مقصودہ کو مفید۔ اگر اس اجمال پر قناعت نہ ہو تو اس ضرر یا نفع کو متعین کرنے سے انشاء اللہ تعالیٰ جواب میں بھی تفصیل ہوگی۔ واللہ اعلم، بعد تحریر جواب ہذا بلا توسط فکر قلب پر وارد ہوا کہ اصل حدیث میں صوتہ نہیں ہے بلکہ صلوٰتہ ہے کاتب کی غلطی ہے لام رہ گیا ہے۔ امید ہے کہ اگر نسخ متعددہ دیکھے جائیں تو انشاء اللہ تعالیٰ کسی نسخہ میں ضرور اسی طرح نکل آوے گا والغیب عند اللہ تعالیٰ فقط۔ ۱۶۔ ذیقعدہ ۱۳۲۲ھ

سوال

(۱) نداء غیر اللہ بدون صیغہ صلوٰۃ کلام اکابر میں لاتعد ولاتحصی موجود ہے۔ صرف ندا ہی نہیں اس کے ساتھ استشفاً استشفاع استعانت استمداد بحوائج مختلفہ موجود ہے۔ اس میں اور یا شیخ عبدالقادر جیلانی شیاء للہ یا شیخ شمس الدین ترک پانی پتی مشکل کشا حاجت روا وغیرہ وغیرہ میں کیا فرق ہے۔ یہ فرمانا کہ وہ ندا حالت ذوق شوق میں ہوتی ہے اور منادیٰ کا مقصود نداء نہیں اور نہ وہ منادی کو حاضر ناظر سمجھتا ہے۔ سو اس قسم کا عذر یہاں بھی ہوسکتا ہے۔ عوام کالانعام کا ذکر نہیں لیکن بہتیرے سمجھ والے خوش عقیدہ ہیں جو اس بات کو سمجھتے ہیں کہ شیخ حاضر و ناظر نہیں متصرف حقیقی نہیں کسی وجہ سے ہو ان الفاظ میں کوئی اثر و برکت سمجھتے ہونگے۔ مثلاً یہی سہی کہ خود حضرت شیخ نے فرمایا ہے کسیکہ دو

رکعت نماز بگذارد و بخواند در ہر رکعت بعد از فاتحہ سورۂ اخلاص یا زدہ بار بعد ازان درود بفرستد بہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بعد از سلام و بخواند آن سرور را صلی اللہ علیہ وسلم بعد ازان یازدہ گام بجانب عراق برود و نام مرا گیرد و حاجت خود را از درگاہ خداوندی بخواہد حق تعالیٰ آن حاجت او قضا کند اخبار الاخیار نام مرا گیرد سے نداہی مفہوم ہوتی ہے گوتاویلات ممکن ہیں اور بخواند آن سرور را صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی نداء ہی مترشح ہے۔

پھر اس کے جواز میں ایسے شخص کے لئے جو شیخ کو حاضر ناظر متصرف حقیقی نہ جانتا ہو کیا مضائقہ ہے اور ذوق شوق کوئی حالت سکر (نشہ) نہیں جو مغلوب الحال ہو کہ شرعاً معذور سمجھا جاوے علاوہ ازیں ابتداء جبکہ ذوق شوق نہ ہو اس نداء کی اجازت کیسے ہوگی۔ اس کی بابت شفاء قلب مطلوب ہے اور یہ بھی ارشاد ہو کہ صلوٰۃ مذکورہ مختص بحیات شیخ ہے یا مؤثر دوامی ہے اور اس کی اباحت میں تو کوئی شبہ نہیں ہے جانب عراق چلنے میں کیا سر ہے۔ اگر یہ وجہ ہے کہ شاید قیامگاہ شیخ عراق ہو اور اس جانب چلنے سے شیخ کے ساتھ قربت و مناسبت و رغبت پیدا کرنا مقصود ہو تو اس بناء پر چاہیے کہ مختص بحیات شیخ ہو (۲) دافع البلا دافع القحط والوباء کاشف الکرب مشکل کشا۔ حاجت روا وغیرہ وغیرہ الفاظ کسی پیغمبر ولی کے نام کے ساتھ ملانا ایسے شخص کے لئے جو اس ولی پیغمبر کو حاضر ناظر متصرف حقیقی نہ جانتا ہو۔ محض ذوق شوق میں کہتا ہو جائز ہے یا نہیں۔ اس قسم کے الفاظ بھی کلام اکابر میں بکثرت پائے جاتے ہیں، خصوصاً کلام منظوم میں۔

اولیا را ہست قدرت از اکہ تیر جستہ باز گرد اند زراہ

تصرفات کشف بلایا حل مشکلات انجاح، حاجات وغیرہ خدا تعالیٰ نے ان کو عطا فرمایا ہے بعد الممات اگر یہ تصرفات مسلوب مان لئے جاویں تو بطور القاب ان الفاظ کے برتنے میں کیا مضائقہ ہوسکتا ہے درحالیکہ قائل خوش عقیدہ ہو اور اندیشہ ضرر متعدی بھی نہ ہو۔

الجواب

قال اللّٰہ تعالیٰ لَا تَقُوْلُوْا رَاعِنَا وقال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم

لایقولن احد کم عبدی و امتی ولایقل العبد ربی رواہ مسلم عن ابی هریرة کذا فی المشکوٰة وقال صلی اللّٰه علیه وسلم لاتقولوا ماشاء اللّٰه و شاء فلان رواہ احمد ابوداؤد و فی روایة لاتقولوا ماشاء اللّٰه و شاء محمدؐ رواہ فی شرح السنة کذا فی المشکوة. الفاظ مذکورہ ہر دوسوال بالیقین ایہام شرک میں ان الفاظ منہی عنہا فی الکتاب والسنۃ سے بدرجہا زائد ہیں۔خواہ انہی کا کوئی درجہ ہو اس کی تعیین مجتہد کا کام ہے۔ لیکن ہر حال میں ناپسندیدہ ہے۔

حضرت شارع علیہ السلام کے نزدیک جب اخف ممنوع ہے تو اشد بدرجہ اولی ممنوع ہوگا بلکہ ممنوعیت میں اشد ہوگا۔ایک وجہ اشدیت کی تو یہ ہے۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ الفاظ منہی عنہا فی الحدیث محض محاورہ کے طور سے بولے جاتے ہیں۔جس میں کسی طرح معنے تعبد کے نہیں ہیں۔ بخلاف الفاظ مذکورہ فی السوالین کے کہ باعتقاد برکت وتقرب الی اللہ یا الی الاولیاء حسب اختلاف اعتقاد الناس پڑھے جاتے ہیں۔ جو ایک گونہ تعبد ہے اور ممنوع اور غیر مشروع ہونا ایسے الفاظ کا خواہ کسی درجہ میں ہو اول معلوم ہو چکا اور ظاہر ہے کہ امر ممنوع کو ذریعہ تعبد بنانا جس کا حاصل ہے معصیت کو طاعت سمجھنا یہ بہت زیادہ اقبح و اشنع ہے۔اس سے کہ ممنوع کو غیر تعبد میں استعمال کرنا کہ ثانی میں معصیت کو سبب رضاء حق تو نہیں سمجھتا اور اول میں معصیت کو سبب رضائے حق سمجھا اور جب ممنوع ہونا ان کا ثابت ہو چکا تو اگر کسی ایسے شخص سے منقول ہو جس کے ساتھ حسن ظن کے ہم مامور یا ملتزم ہیں تو اس نقل سے حکم شرعی میں تغیر یا دوسروں کو استدلال و استعمال نہ کیا جاوے گا بلکہ قصاریٰ امر یہ ہوگا کہ منقول عنہ کی شان کے مناسب کچھ تاویل کر لیں گے اور مقصود اس تاویل سے اس کی حفاظت ہوگی نہ کہ دوسروں کو مبتلا ہونے کی اجازت کیونکہ ممنوع ہونا حجت شرعیہ سے ثابت ہے اور قول وفعل مشائخ حجت شرعیہ نہیں بالخصوص نص کے مقابل اور تاویل محض ضرورت کی وجہ سے کی جاتی ہے۔اور ارتکاب کی خود کوئی ضرورت نہیں۔

لہٰذا تجویز تاویل سے تجویز ارتکاب لازم نہیں اور اگر وہ تاویل ضعیف ہوگی تو دوسری تاویل مناسب ڈھونڈے گی یہ نہ ہوگا کہ کسی تاویل کے ضعف سے بلا تاویل جائز

کہہ دیں گے۔ رہی تقریر ضرر متعدی کے نہ ہونے کی سو اول تو جب ضرر لازمی ہی ثابت ہوگیا تو ضرر متعدی کا انتفا نافع نہیں اور دوسرے یہ تقدیر ہی غیر واقعی ہے ان اکابر کا فعل ہم تک منقول ہوکر آیا ہے ہمارا دوسروں تک جاوے گا پھر ضرر متعدی کے انتفاء کا دعوے کب ہوسکتا ہے رہ گئے۔ تصرفات سو بر تقدیر بقاء بعد الموت کے بھی اس کو مسئلہ مجوث عنہا سے مس نہیں کیونکہ اول تو امکان مستلزم وقوع نہیں اور وقوع مطلق مستلزم دوام نہیں دوسرے وہ تصرفات اختیاری نہیں۔ تیسرے ان تصرفات سے منتفع ہونے کا یہ طریقہ شرعاً ماذون فیہ نہیں، ممکن ہے کہ سلطان کسی امیر و وزیر کو کسی کام کا حکم کردے اور رعایا کو منع کردے کہ خبردار اس کام کیلئے اس سے ہرگز نہ کہنا جو کچھ کہنا ہو ہم سے کہنا غرض بقاء تصرفات مستلزم اذن سوال نہیں اور القاب کے طور پر برتنا اول تو برتنے والے بالیقین اس سے متجاوز ہوتے ہیں۔ دوسرے اس کا بھی ممنوع ہونا اوپر ثابت ہو چکا ہے۔ یہ تو استدلالاً کلام تھا۔ اب ذوقاً اتنا قسم کھا کر لکھتا ہوں کہ جس کے قلب میں نور سنت ہوگا وہ ان الفاظ کے بولتے ہی بلکہ سنتے ہی قلب کے اندر ظلمت و کدورت پائے گا کہ بغرض اذن بھی مثل تے...... کے اس سے نفرت کرے گا۔ واللہ اعلم نیز جو لوگ اس وقت خواص کہے جاتے ہیں۔ یقیناً ان کا قلب مرض خفی سے ان امور میں خالی نہیں۔ واللہ اعلم۔ ۲۷ ذی الحجہ ۱۳۲۲ھ

سوال

ایک شاعر نے عاشقانہ مذاق وفرط محبت میں اشعار مندرجہ ذیل کہے۔

کرم دستگیری کر بچا رنج و مصیبت سے

جو ہوں درحالت مضطر معین الدین اجمیری

غمزدہ ہوں کہ مصیبت نے ہے گھیرا مجھ کو۔ غم کے ہاتھوں سے چھڑا چاند سے مکھڑے والے۔

شاعر کی نیت صرف مجاز پر ہے۔ حقیقی معنے پر محمول نہیں کرتا بلکہ حقیقی معنے پر محمول کرنے کو شرک سمجھتا ہے اور قادر بالذات اور متصرف بالاستقلال سوائے ذات وحدہ لاشریک کے کسی کو نہیں جانتا تو اس کے ایسے شعروں کے سبب جو اس کو مشرک و خارج از

اسلام کہے تو اس کی نسبت شریعت کا کیا حکم ہے کیا واقعی دائرہ اسلام سے مشرک و خارج ہے یا اس کو مشرک کہنے والا خود خطاوار ہے اور مجازی استمداد اہل اللہ سے جائز ہے یا نہیں اور شیخ عبدالحقؒ نے جو شرح مشکوٰۃ و زبدۃ الاسرار وغیرہ میں مجازی استمداد کو جائز لکھا ہے تو وہ کیا خارج از اسلام تھے ایسا ہی شاہ عبدالعزیز صاحبؒ جو تفسیر عزیزی میں فرماتے ہیں کہ اولیاء اللہ مدفونین) سے استفاضہ جاری ہے اور وہ زبان حال سے مترنم اس مقال کے ہیں۔ من آیم بجان گرتو آئی بتن۔ وغیرہ وغیرہ اکابر مشائخ جو ایسے عقیدے پر گزرے ہیں وہ مشرک تھے یا مسلمان۔

الجواب

ایسے خطابات میں تین مرتبے ہیں۔

اول ان کو متصرف بالاستقلال سمجھنا یہ تو صریح شرک ہے۔

دوم متصرف بالاذن اور ان خطبات پر مطلع بالمشیۃ سمجھنا یہ شرک تو کسی حال میں نہیں لیکن یہ کہ اس کا وقوع ہوتا ہے یا نہیں اس میں اکابر امت مختلف ہیں۔ فمنہم المثبت و منہم النافی لیکن جو مثبت بھی ہیں وہ یہ اجازت نہیں دیتے کہ بعید سے ندا کرو اور نہ بعید سے دعاء سننے کی کوئی دلیل ہے اور بلا دلیل شرعی ایسا اعتقاد رکھنا گو حقیقۃً شرک نہ ہو مگر معصیت اور کذب حقیقۃً اور شرک صورۃً ہے۔ معصیت ہونے کی دلیل ہے **ولا تقف مالیس لک بہ علم** اور کذب ہونا اس کی تعریف صادق آنے سے ظاہر ہے اور شرک صورۃً اس لئے کہ اول اعتقاد والوں کے ساتھ عادت میں تشبہ ہے اور اگر کسی بزرگ کی حکایت میں بطور کرامت کے ایسا امر منقول ہو تو خرق عادت دوام عادت سے ثابت نہیں ہوتا البتہ قبر پر جا کر مجاز کے مرتبہ سے ان سے استمداد مثبتین کے نزدیک جائز ہے۔ جبکہ اور کوئی مفسدہ عارض نہ ہو جاوے۔

والا فلا سوم نہ تصرف کا اعتقاد ہے نہ سماع کا محض ذوق شوق میں مثل خطاب بادصبا کے خطاب کرتا ہے یہ نہ شرک ہے نہ معصیت فی نفسہ جائز ہے۔

جبکہ الفاظ خطاب کے حد شرعی کے اندر ہوں اور کسی عامی کا اعتقاد فاسد نہ ہو جاوے کیونکہ جس طرح خود معصیت سے بچنا فرض ہے اسی طرح دوسرے مسلمانوں کو خصوصاً عوام کو بچانا فرض ہے۔ پس جہاں عوام کے بگڑ جانے کا اندیشہ ہو وہاں اجازت نہ ہوگی جب یہ تفصیل سمجھ میں آگئی تو اس سے اکابر کے اقوال کے معنے بھی متعین ہو گئے اور قائل کا حکم بھی معلوم ہو گیا اور جو شخص شرک کہتا ہے اگر وہ مرتبہ جائز کو کہتا ہے تو غلطی ہے توبہ واجب ہے اور اگر ناجائز مرتبہ کو کہتا ہے تو تاویل سے جائز ہے۔ جیسا حدیثوں میں بعض معاصی کو شرک فرمایا ہے واللہ تعالیٰ اعلم ۔۲۶۔ ربیع الثانی ۱۳۲۴ھ

دعوت عامہ

سوال

السلام علیکم۔ گزارش آنکہ ایک سوال میرے ذہن میں بہت زمانہ سے موجزن ہے مگر بوجہ شرم کسی سے ظاہر نہیں کرتا تھا۔ کہ مسلمان ہو کر ایسا سوال کروں مگر وہ وسوسہ پریشان کئے ہوئے تھا اسی درمیان اشتہار النور نظر سے گزرا۔ جس میں ایک مضمون دعوت عامہ تھا جسے دیکھ کر دعائی بدرگاہ خدا ہوا کہ جلد اس رسالہ کا اجراء ہو۔ خدا نے اس دعا کو درجہ قبولیت تک پہنچایا اب میں صرف سوال لکھتا ہوں۔ امید کہ بذریعہ النور مطلع کیا جاؤں اور اپنا نام نہیں لکھتا مبادا آپ رسالہ میں نام لکھ دیں تو میں رسوا ہوں۔

(۱) ابو طالب کا دوزخ میں معذب ہونا حالانکہ حدیث کے ایک مضمون سے تصدیق بالقلب و اقرار باللسان دونوں معلوم ہوتے ہیں۔ جس وقت کفار مکہ نے ابو طالب سے کہا کہ تمہارا بھتیجا ہمارے مذہب کو برا بتاتا ہے، ہمارے معبودوں کی بے عزتی کرتا ہے، ہم تمہارے لحاظ سے اسے کچھ نہیں کہتے، غور سے سمجھا دو کہ وہ ان باتوں کو چھوڑے ورنہ ہم بری طرح پیش آئیں گے۔ اس پر ابو طالب نے آپ کو بلا کر جو ان لوگوں نے کہا تھا کہہ سنایا۔

آپؐ نے جواب دیا کہ اے میرے پیارے چچا خواہ تم میری مدد کرو خواہ نہ کرو، میں اپنے فرض منصبی کو کبھی نہ چھوڑوں گا۔ اور جس نے مجھے پیدا کیا اور پیغمبر بنایا اس کے حکم کو سناؤں گا اور جن کو یہ ناحق پوجتے ہیں، میں ان کو کبھی نہ مانوں گا۔ الخ ابو طالب نے کہا اے میرے پیارے بھائی کے بیٹے کچھ خوف نہ کر تو اپنا کام کئے جا کسی کی مجال نہیں کہ تجھے

جھڑک سکے یا کچھ زیادتی کر سکے، تو اپنے کلام میں سچا ہے سب سے بڑھ کر امین ہے۔ تیرا دین سارے دینوں سے اچھا ہے۔ یہ قول ہے ایسا کہ ایسے منہ سے نہیں نکل سکتا جو دل میں یقین نہ رکھتا ہوا گر ابو طالب کو آپ کی رسالت کا یقین نہ ہوتا تو ابولہب کی طرح وہ بھی الگ ہو گئے ہوتے۔ پھر یہ سمجھ میں نہیں آتا کہ ان کے پیر میں آگ کا جوتا کس سزا میں ہوگا۔

(۲) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کے متعلق چند شبہے ہیں۔

(الف) آپ باوجود پیغمبر محتاط ہونے کے نو شادیاں کیں۔

(ب) اگر کوئی عورت چاہتی تو بغیر مہر بھی آپ کے نکاح میں آسکتی حالانکہ کسی امتی کو ایسا حکم نہیں، یہ دونوں باتیں خودغرضی پر محمول معلوم ہوتی ہیں۔

(ج) شریعت میں ممانعت کے بغیر بھی اگر آپ چاہتے تو وہ کام کر سکتے جیسے آپ نے ایک شخص کو سونے کا کڑا پہنایا جس کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ ان کے واسطے مخصوص نہیں، اسی طرح اور چند باتیں ہیں جو اس کے جواب شائع ہونے کے بعد لکھوں گا۔ امید ہے کہ جواب ضرور شائع کیا جائیگا۔ راقم ایک مسلمان

جواب

ابو طالب کے متعلق سائل نے جو شبہ کیا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ سائل نے اس تصدیق کی حقیقت نہیں سمجھی جس کا ایمان کے لئے ہونا ضروری ہے۔ اس لئے کہا جاتا ہے کہ تصدیق دو قسم کی ہوتی ہے، ایک اضطراری، دوسری اختیاری۔

تصدیق اضطراری کے معنی ہیں صرف جاننا اور تصدیق اختیاری کے معنی ہیں ''جاننا اور ماننا'' ایمان کے لئے تصدیق اضطراری کافی نہیں بلکہ تصدیق اختیاری کا ہونا لازم ہے۔ تصدیق اضطراری کفار کو بھی ہو سکتی ہے اور کبھی کبھی اس کا ظہور زبان سے بھی ہو جاتا ہے مگر اس سے وہ مومن نہیں کہلا سکتے چنانچہ اہل کتاب کے بارہ میں حق تعالیٰ فرماتے ہیں۔

﴿يَعْرِفُوْنَهٗ كَمَا يَعْرِفُوْنَ اَبْنَاءَ هُمْ﴾

''وہ لوگ رسولؐ اللہ کو ایسا (یقینی طور پر) پہچانتے ہیں جیسا اپنے بیٹوں کو پہچانتے ہیں۔''

نیز مشکوۃ کتاب الکبائر میں صفوان بن عسالؓ کی روایت درج ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ دو یہودیوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے آیات بینات کی تفصیل دریافت کی تو آپ نے اس کا صحیح جواب دیدیا۔ اس پر ان یہودیوں نے آپ کے ہاتھوں اور پاؤں کو بوسہ دیا اور کہا کہ ہم گواہی دیتے ہیں کہ آپ نبی ہیں۔ اس پر جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے دریافت کیا کہ پھر تم میرا اتباع کیوں نہیں کرتے۔ اس کا انہوں نے جواب دیا کہ داؤد علیہ السلام نے دعا کی تھی کہ میری اولاد میں ہمیشہ نبی رہے اور ہمیں ڈر ہے کہ اگر ہم آپ کا اتباع کریں تو یہود ہم کو مار ڈالیں گے۔

نیز روح المعانی میں ابن اسحٰق و ابن جریر و ابن المنذر اور بیہقی کے حوالہ سے ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی یہ روایت نقل کی ہے کہ جب یہودیوں میں ایک مرد و عورت نے زنا کیا اور مقدمہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لایا گیا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہودیوں سے دریافت فرمایا کہ توراۃ میں رجم کے بارہ میں کیا لکھا ہے۔ انہوں نے کہا کہ (توراۃ میں تو رجم کا حکم نہیں) ہم تو زنا کرنے والوں کو رسوا کر کے کوڑے مار دیتے ہیں۔ آپؐ نے فرمایا کہ تم غلط کہتے ہو، پھر آپ ان کے علماء سے مناظرہ کرنے کے لئے ان کے مدرسہ میں تشریف لے گئے اور علماء کو جمع کیا اور سب نے یہ کہا کہ ہم میں سب سے بڑا عالم توراۃ کا عبداللہ بن صوریا ہے، تو آپ نے تنہائی میں اس سے گفتگو کی اس نے کہا اللھم نعم اما واللّٰہ یا ابا القسام انھم لیعرفون انک نبی مرسل ولکنھم یحسدونک اھ۔ کہ بیشک آپ سچے ہیں اور خدا کی قسم اے ابوالقاسم (صلی اللہ علیہ وسلم) یہودی خوب جانتے ہیں کہ آپ خدا کے بھیجے ہوئے نبی ہیں لیکن وہ آپ سے حسد کرتے ہیں اھ کذا فی البیان۔

ان واقعات و روایات سے معلوم ہوا کہ یہودی کبھی کبھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کا اقرار زبان سے بھی کر لیتے تھے اور دل میں تو ان کے یقین تھا ہی (جیسا کہ

قرآن کی آیت سے معلوم ہوا) مگر اس سے وہ لوگ مومن نہیں قرار دیئے گئے۔

پس معلوم ہوا کہ ایمان کے لئے تصدیق اضطراری اور اس کا کسی موقعہ پر ظاہر کر دینا کافی نہیں بلکہ اس کے لئے تصدیق اختیاری کی ضرورت ہے یعنی جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نبی جان کر نبی مان بھی لینا اور اپنے آپ کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حلقہ بگوشی میں داخل کر دینا جب یہ بات ہوگی اس وقت آدمی مسلمان ہوگا اور اگر صرف نبی جان لیا مگر مانا نہیں تو اگرچہ اپنے علم کا اظہار کسی وقت زبان سے بھی کر دے اس کو مسلمان نہیں کہا جاسکتا۔ سو ابو طالب گو آپ کو نبی جانتے ہوں اور زبان سے کسی وقت اس کا اظہار بھی کر دیا ہو مگر چونکہ آپ کو نبی مانتے نہ تھے اور اپنے آپ کو حضورؐ کا متبع اور مسلمان نہ کہتے تھے اس لئے ان کے ایمان کا حکم نہیں کیا جاسکتا اور ان کا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو نبی جاننا ایسا ہی ہوگا جیسا کہ یہود جانتے تھے۔ مگر حسد کی وجہ سے ایمان نہ لاتے تھے اسی طرح ابو طالب نے بھی باوجود نبی جان لینے کے ننگ و عار کے خیال سے اسلام قبول نہیں کیا۔

چنانچہ مشکوۃ میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی روایت سے ایک حدیث وارد ہے جس کے آخری الفاظ یہ ہیں **قال رسول اللّٰہ صلی اللہ علیہ وسلم من قبل منی الکلمۃ التی عرضتُ علی عمی فردھا فھی لہ نجاۃٌ رواہ احمد** حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص مجھ سے اس بات کو قبول کرلے جس کو میں نے اپنے چچا (ابو طالب) کے سامنے پیش کیا تھا تو اس نے اس کو رد کر دیا (یعنی توحید و رسالت) تو وہ اس کے لئے (باعث) نجات ہے۔ اھ۔

اس سے صاف ظاہر ہے کہ ابو طالب نے حضورؐ کی بات کو باوجود آپ کے پیش کرنے کے بھی رد کر دیا تھا پس جو سزا ان کے لئے حدیث میں بیان کی گئی ہے وہ بیقاعدہ ہرگز نہیں۔ یہ تو سائل کے پہلے شبہ کا جواب تھا۔

(۲) رہے وہ شبہے جو سائل نے خود آنخضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت پر کئے ہیں۔ سو ان کا اجمالی جواب تو یہ ہے کہ اگر اس قسم کی باتیں آپ کی نبوت میں کوئی شبہ پیدا کرسکتیں تو سب سے اول اس زمانہ کے کفار کو ایسے شبہات کا حق تھا مگر اس وقت کے کفار تو

اس قسم کے شبہات نہیں کرتے تھے اور آج کے مسلمان ایسے شبہات پیدا کرتے ہیں یہ کس قدر افسوس کی بات ہے اور تفصیلی جواب یہ ہے۔ (الف۔ب) کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک وقت میں نو بیویاں رکھنے یا کسی عورت سے بلا مہر نکاح کر سکنے سے خودغرضی کا شبہ کرنا اس لئے صحیح نہیں کہ احکام کا مقرر کرنا آپ کے اختیار میں نہ تھا۔ بلکہ ہر حکم خداتعالیٰ کی طرف سے ہوتا تھا پس خدا ہی نے آپ کو نو بیویاں رکھنے کی اجازت دی۔ اسی نے آپ کو بلا مہر نکاح کرنے کی اجازت دی اور آپ نے ان احکام پر عمل کیا۔ اس میں خودغرضی کیا ہوئی۔

خودغرضی تو جب ہوتی کہ آپ خود اپنے لئے کوئی خاص رعایت کسی نفسانی غرض سے مقرر کرتے اور جب کہ ایسا نہیں تو خودغرضی کا شبہ فضول ہے آپ کی خودغرضی (نعوذ باللہ) اس وقت ثابت ہو سکتی ہے جب دو باتیں ثابت کر دی جائیں اول یہ کہ یہ احکام خدا کے مقرر کئے ہوئے نہیں بلکہ خود آپ نے اپنے لئے یہ احکام بنائے۔ دوم یہ کہ ان میں محض نفسانی خواہش کا پورا کرنا مدنظر تھا۔ اور کوئی مصلحت نہ تھی، جب یہ دونوں باتیں ثابت ہو جائیں تو اس وقت خودغرضی ثابت ہو سکتی ہے ورنہ نہیں۔

پس سائل کو چاہیے کہ وہ ان دونوں باتوں کو ثابت کرے۔ سائل کو اپنا شبہ دفع کرنے کے لئے ان باتوں کا بھی لحاظ رکھنا چاہیے۔

(۱) حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی جوانی کا سارا زمانہ صرف ایک بی بی پر قناعت کر کے گزارا اور وہ بھی بیوہ صاحب اولاد کہ نکاح کے وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر مبارک ۲۵ سال اور ان کی چالیس سال کی تھی حضور نے متعدد نکاح حضرت خدیجہ کے انتقال کے بعد کئے ہیں جب کہ آپ کی عمر مبارک ترپین سال سے گزر گئی تھی اگر آپ معاذ اللہ خودغرض شہوت پرست ہوتے تو جوانی اور شباب کا زمانہ اس کے لئے زیادہ موزوں تھا نہ کہ بڑھاپے کا وقت پس جس شخص کی پاکیزگی اور نظافت پر جوانی میں کوئی انگلی نہ رکھ سکا ہو بڑھاپے میں اسے کون خودغرض اور شہوت پرست کہہ سکتا ہے پس یقیناً متعدد نکاح کرنے میں حضور کو کوئی بڑی شرعی مصلحت مدنظر تھی۔

(۲) حق تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر عبادات و معاملات کے متعلق بعض

فرائض امت سے زیادہ لازم کئے تھے۔ مثلاً تہجد کی نماز آپ کے اوپر فرض تھی حالانکہ دوسروں کے لئے مستحب ہے۔ سنن موکدہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں بمنزلہ واجبات کی تھیں اگر کسی ایک وقت کی سنت بھی آپ سے قضا ہوئی ہے تو آپ نے عمر بھر اس کی قضا کی ہے آپ کے لئے کتابی عورتوں سے نکاح کرنا ناجائز تھا حالانکہ دوسروں کو اس کی اجازت ہے اسی طرح آپ کے اہل قرابت میں سے جن مسلمان عورتوں نے ہجرت نہ کی ہو ان سے نکاح کرنا آپ کو جائز نہ تھا حالانکہ اوروں کو اس کی اجازت تھی۔ نیز آپ کو اس کی بھی اجازت نہ تھی کہ اپنی بیبیوں میں سے کسی ایک کو طلاق دیکر اس کی جگہ اور کسی سے نکاح کرلیں حالانکہ مسلمانوں کو اس کی اجازت ہے کہ جس کے چار بیبیاں ہوں وہ ان میں سے ایک کو طلاق دیکر اس کی جگہ دوسری کرسکتا ہے۔ وغیرہ وغیرہ۔

پس اگر حق تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے کچھ سہولتیں بھی امت سے زیادہ کردی ہوں تو اس میں کیا اشکال ہے۔

(۳) جو شخص خود غرضی اور نفس پرستی اور شہوت رانی کرے گا اس کو نو عورتوں پر بس کرنے کی کیا وجہ ہے وہ تو یہ چاہے گا کہ جتنی ملیں تھوڑی ہیں پھر آپ نے نو پر کیوں اکتفا کیا۔

(۴) مہر کی مقدار شریعت میں کچھ زیادہ نہیں جس کا ادا کرنا آپ کو دشوار ہوتا پھر آپ نے بلا مہر کے نکاح کرنے میں کیا نفع سوچا تھا جو اپنے لئے یہ خاص رعایت رکھی۔

(۵) جو عورت بلا مہر آپ سے نکاح کرنے پر راضی ہوگی وہ یہ بھی کرسکتی ہے کہ نکاح کے وقت مہر مقرر کرلے اور بعد نکاح کے معاف کردے کہ آپ کو کوڑی بھی نہ دینی پڑے پھر اس خاص حکم سے آپ نے کیا فائدہ مدنظر رکھنا تھا۔

(۶) آپ نے بلا مہر کے کتنی عورتوں سے نکاح کیا بعض محدثین کا قول تو یہ ہے کہ آپ نے بلا مہر کے کسی سے بھی نکاح نہیں کیا اور بعض نے دو تین نام ان عورتوں کے بیان کئے ہیں۔ جنہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے اپنے آپ کو ہبہ کیا تھا، جن میں سے ایک کی نسبت یہ بھی آیا ہے کہ اس کو آپ نے قبول کیا مگر پہلی جماعت ان روایات کو ثابت نہیں بتلاتی۔ اھ۔ جب سائل ان باتوں پر انصاف سے غور کرے گا تو

انشاءاللہ اس کا شبہ بالکل دور ہو جاوے گا۔

(ج) سائل نے تیسرا شبہ آپ کی نبوت پر یہ کیا ہے کہ شریعت میں ممانعت کے باوجود بھی آپ فعل ممنوع کر سکتے تھے چنانچہ آپ نے ایک شخص کو سونے کا کڑا پہننے کی اجازت دی حالانکہ سونے کا کڑا پہننا شرعاً ممنوع ہے مگر اول تو سائل کو یہ بتانا چاہیے کہ سونے کے کڑے کی روایت اس نے کس کتاب میں دیکھی ہے ہماری نظر سے یہ روایت نہیں گزری۔ دوسرے یہ بتانا چاہیے کہ سونا چاندی پہننے کی حرمت سے پہلے آپ نے اس کو اجازت دی یا حرمت کے بعد۔ کیونکہ اگر وہ روایت ثابت بھی ہو جائے تو یہ احتمال ہو سکتا ہے کہ آپ نے حرمت سے پہلے اجازت دی ہوگی اور ظاہر ہے کہ اس صورت میں کچھ بھی اشکال نہیں واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ اتم واحکم۔

عذاب ابو طالب کے متعلق جو جواب دیا گیا ہے وہ جمہور اہل سنت کے مذہب محقق کی بناء پر ہے جو کہ اس کے قائل ہیں کہ ابو طالب مومن نہ تھے رہے وہ شاذ حضرات جنہوں نے غلط فہمی کی بناء پر یا کسی نفسانی غرض سے ان کے مومن ہونے کا دعویٰ کیا ہے وہ اس شبہ کا یہ جواب دیتے ہیں کہ یہ عذاب کفر کی بناء پر نہیں ہے بلکہ کسی اور معصیت کی بنا پر ہے پس یہ شبہ وارد نہیں ہو سکتا کہ باوجود مومن ہونے کے ان کو عذاب کیوں ہوا۔ الحاصل خواہ ایمان ابو طالب کا دعویٰ کیا جاوے یا عدم ایمان کا بہر تقدیر سائل کا شبہ دفع ہو گیا۔

اب ہم سوال و جواب سے قطع نظر کر کے تحقیق مستانف کے طور پر کہتے ہیں کہ ابو طالب کے بارہ میں جمہور علماء اہل سنت کا مذہب یہ ہے کہ وہ مومن نہ تھے اور گو وہ مذہب اسلام کو حق جانتے اور زبان سے بھی کبھی کبھی اس کا اقرار کرتے تھے مگر انہوں نے علی الاعلان یا خفیہ کسی طور پر اور کسی وقت بھی مذہب اسلام کو قبول نہیں کیا بلکہ وہ برابر یہی کہتے رہے کہ میں اپنے مذہب سابق پر قائم ہوں مگر بعض شاذ افراد نے اقوال ائمہ کو غلط معنی پر محمول کر کے یا روایات غیر صحیحہ پر اعتماد کر کے یا اپنے یا کسی دوسرے بزرگ کے کشف پر بھروسہ کر کے یا ابو طالب کی اولاد میں ہونے کے سبب اپنے جد کی حمایت کے لئے یا ایسے حکام کی خوشامد کے لئے جو ابو طالب سے نسبی تعلق رکھتے تھے۔ ایمان ابو طالب

کا دعویٰ کیا اور اس کے ثبوت میں نہایت کمزور دلائل اور رکیک تاویلات سے کام لیا سو یہ ان حضرات کا تجاوز عن الحد ہے اور حق وہی ہے جو جمہور کہتے ہیں کہ ابو طالب مومن نہ تھے بلکہ وہ اپنے سابق دین پر قائم رہے اور باوجود مذہب اسلام کو حق جاننے کے انہوں نے اس مذہب کو قبول نہ کیا جس کا سبب عناد نہ تھا بلکہ محض دفع عار اس کا سبب تھا۔

پھر جمہور میں سے بعض شاذ افراد ایسے نکلے کہ انہوں نے ابو طالب کی شان میں گستاخیوں کو جائز رکھا اور ان کو برا بھلا کہنا شروع کیا۔ سو یہ بھی اعتدال سے گزر گئے اور حد سے متجاوز ہو گئے کیونکہ گو ابو طالب نے مذہب اسلام کو قبول نہیں کیا مگر باوجود اس کے وہ تاحین حیات جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نصرت واعانت فرماتے رہے اور خواہ اس کا منشاء محبت طبعی ہو یا نصرت حق۔ مگر اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ان سے بیحد تعلق رہا اور آپ ہمیشہ ان کی تعظیم وتکریم کرتے رہے اور کبھی ان کو برا نہیں کہا اور نہ کبھی کوئی توہین کی۔ پس ایسی حالت میں کسی مسلمان کے لئے مناسب نہیں ہے کہ وہ ان کی شان میں گستاخی یا ان کی توہین وتحقیر کرے کیونکہ یہ برتاؤ اس برتاؤ کے خلاف ہے جو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ان کے ساتھ تھا۔ نیز اس میں احتمال ہے تأذی رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا اور احتمال ایذاء رسول سے بچنا ہر مسلمان پر لازم ہے۔ الحاصل حضرت ابو طالب کے بارہ میں معتدل مسلک یہ ہے کہ احادیث صحیحہ وثابتہ کی بناء پر ان کے ایمان کا اعتقاد نہ رکھا جاوے مگر اس کے ساتھ ہی ان احسانات کی بناء پر جو انہوں نے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور دین پر کئے ہیں ان کی شان میں گستاخی اور ان کی تحقیر نہ کی جاوے۔

اللّٰھم ثبتنا علی الصراط المستقیم و جنبنا من الحب المفرط والبغض المفرط امین!

ظفر احمد عثمانی (رجب ۱۳۳۹ھ)

راہ اعتدال

(از عبدالجلیل انصاری)

حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی صاحب سے مندرجہ ذیل سوالات دریافت کئے گئے جو بمعہ جواب ارسال خدمت ہیں۔ شائع کر دیں۔

سوال: جناب والا کا تعلق جماعت اسلامی سے کلیتاً ہے؟

جواب: نہیں

۲۔ یا صرف مطالبہ دستور اسلامی میں ہے؟

جواب: ہاں۔

۳۔ کیا جماعت اسلامی کے لٹریچر میں سلف صالحین کے مسلک کے خلاف بھی کچھ باتیں ہیں یا مطابق ہیں؟

جواب: بعض مسائل میں غلطی کی گئی ہے جس کی غلطی ان کو معلوم بھی ہوگئی مگر رجوع کا اعلان نہیں کیا۔

۴۔ زید کا یہ عقیدہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا مع جسد عنصری آسمان پر تشریف لے جانا قرآن سے ثابت نہیں۔ البتہ نزول پر اجماع ہے۔ کیا یہ صحیح ہے۔

جواب: غلط ہے ان کا آسمان پر جسد عنصری سے مرفوع ہونا بھی تواتر اور نزول بھی تواتر سے ثابت ہے۔

۵۔ عصمت نبوت لوازم ذاتیہ ہے یا نہیں؟

جواب: نبوت کے لئے شرعاً عصمت لازم ہے۔

۶۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے قبل از نبوت ایک بڑا گناہ ہوگیا تھا کیا یہ درست ہے؟

جواب: غلط ہے موسیٰ علیہ السلام سے خطأ ایک کافر کے قتل کا صدور ہوا۔ اس کو گناہ یا خلاف عصمت نہیں کہا جا سکتا۔

۱۰ جمادی الثانی ۱۳۸۲ھ ظفر احمد عثمانی

پوتے کا حق وراثت

بعد الحمد والصلوۃ جنوری ۱۹۵۴ء کے طلوع اسلام میں یہ بحث دیکھ کر میں نے چند صفحات کا مضمون لکھ کر اپنے ایک عزیز کو دیدیا تھا کہ نقل کر کے اخبار میں بھیج دیں۔ مگر اس نے اصل ہی بھیج دی۔ اخبار والے نے اس کو شائع نہ کیا تو مجھے دوبارہ اس پر قلم اٹھانا پڑا۔

یہ مسئلہ ایسا نہیں جس پر کچھ لکھنے کی ضرورت ہوتی کیونکہ چودہ سو برس سے امت کا اس پر اتفاق چلا آ رہا ہے کسی نے بھی آج تک یہ دعویٰ نہیں کیا کہ بیٹے کی موجودگی میں پوتے کا وارث نہ ہونا قرآن کے خلاف ہے۔ اس کو تو کوئی بیوقوف سے بیوقوف مسلمان بھی تسلیم نہیں کر سکتا کہ چودہ سو برس سے امت اسلامیہ قرآن کے خلاف کسی مسئلہ پر متفق چلی آ رہی ہے۔ یہ جسارت و جرأت مدیر طلوع اسلام جیسے منکرین حدیث ہی کے حصہ میں آئی ہے کہ وہ ایسے بدیہی اور اجماعی مسئلہ کو بھی قرآن کے خلاف بتلا رہے ہیں۔ اب ذرا ان کے دلائل ملاحظہ ہوں۔ اسی طرح لِلرِّجَالِ نَصِيبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدَانِ وَالْأَقْرَبُونَ میں اَلْوَالِدَان باپ دادا، پردادا سب کو عام ہے۔ اس سے یہ نتیجہ نکالیا گیا کہ جیسے چچا کی موجودگی میں بیٹا اپنے باپ کا وارث ہے۔ اسی طرح چچا کی موجودگی میں پوتا بھی اپنے دادا کا وارث ہونا چاہیے۔ کیونکہ اولاد میں پوتا بھی داخل ہے اور الوالدان میں دادا بھی شامل ہے۔ مگر ان کو اتنی خبر نہیں کہ اولاد میں پوتوں پر پوتوں کا داخل ہونا اور الوالدان کا دادا۔ پردادا کو شامل ہونا حقیقت نہیں۔ بلکہ مجاز ہے۔ اسی طرح اب اور لفظ ابن باپ بیٹے کے لئے حقیقت ہے۔ دادا اور پوتے کے لئے مجاز ہے آیت میراث میں يُوصِيكُمُ اللّٰهُ فِي أَوْلَادِكُمْ کے بعد ہی اٰبَاءُ كُمْ وَ اَبْنَاءُ كُمْ لَا تَدْرُوْنَ اَيُّهُمْ اَقْرَبُ لَكُمْ نَفْعًا مذکور ہے جس نے ظاہر کر دیا کہ الوالدان سے مراد آباء ہیں اور اولاد سے مراد ابناء ہیں۔ لغت عرب میں دادا کے لئے لفظ جد اور پوتوں کے لئے لفظ حفدۃ مستقل موجود ہے۔ قرآن میں بھی دوسری جگہ اس کا استعمال ہوا ہے۔ وَجَعَلَ لَكُم مِّنْ اَزْوَاجِكُمْ بَنِيْنَ وَحَفَدَةً (سورہ النحل) اللہ نے تمہارے واسطے تمہاری بیبیوں سے بیٹے اور پوتے پیدا کئے۔'' اب ان کو اس پر دلیل قائم کرنا چاہیے کہ آیت میراث میں الـوالـدان اور اولاد کو حقیقی معنی میں نہیں بلکہ مجازی معنی میں

استعمال کیا گیا ہے۔ ائمہ تفسیر وفقہ کے اجماع سے استدلال کرنے کا ان کو حق نہیں۔ کیونکہ ان کا تو اس پر بھی اجماع ہے کہ بیٹے کے ہوتے ہوئے پوتا وارث نہیں ہوتا۔ ایک جگہ اجماع کو ماننا دوسری جگہ ٹھکرا دینا ناحق کی زبردستی ہے۔

پھر اگر قرآن سے بیٹے کی موجودگی میں پوتے کا وارث ہونا ثابت ہے تو اسے ہر حال میں وارث ہونا چاہیے خواہ اس کا باپ موجود ہو یا مر چکا ہو۔ اس کی کیا دلیل ہے کہ یتیم پوتا تو دادا کا وارث ہوگا۔ غیر یتیم وارث نہ ہوگا؟ اور جو دلیل طلوع اسلام نے بیان کی ہے وہ اس کی من گھڑت ہے۔ قرآن کی طرف اس کو منسوب کرنا بالکل غلط ہے۔ وہ لکھتا ہے کہ اس سوال کے حل کے لئے دوسرا اصول سامنے آتا ہے۔ قرآن نے اقربون کا لفظ استعمال کیا ہے، اقرب کے معنی ہیں وہ میت جس کے اور وارث کے درمیان کوئی اور موجود نہ ہو'' یہ کس قدر بیباکی اور جسارت ہے کہ قرآن نے تو وَالْاَ قْرَبُوْنَ کو الوالدان پر عطف کیا تھا۔

آیت کا مطلب یہ تھا کہ مردوں عورتوں کا حصہ ہے، اس چیز میں جو والدین اور نزدیکی قرابت دار چھوڑ جائیں۔ جس سے ہر سمجھنے والا سمجھ سکتا ہے کہ والاقربون کا مصداق والدین نہیں بلکہ ان کے علاوہ دوسرے قرابت دار ہیں۔ مگر طلوع اسلام اس کو والدین اور اولاد کے ساتھ چسپاں کرنا چاہتا ہے پھر اقرب کے معنی میں موجود کی قید لگانا۔ تاکہ میت کے اور وارث کے درمیان کوئی اور موجود نہ ہو۔'' خالص ایجاد بندہ ہے۔ جس پر وہ کوئی دلیل قرآن یا لغت سے قائم نہیں کرسکتا۔ اقرب قریب کا اسم تفضیل ہے جس کے معنی ہیں قریب تر۔ اور قریب تر وہ ہے۔ جس کے اور میت کے درمیان واسطہ نہ ہو۔ جس کے درمیان میں واسطہ ہوگا وہ اقرب نہیں بلکہ بعید ہے خواہ واسطہ زندہ ہو یا مر چکا ہو۔ اب ظاہر ہے کہ پوتا دادا کا اقرب نہیں خواہ یتیم ہو یا غیر یتیم بلکہ بیٹا اقرب ہے تو جس طرح پوتا اپنے باپ کی موجودگی میں دادا کا وارث نہیں ہوسکتا اسی طرح اپنے چچا کی موجودگی میں بھی دادا کا وارث نہیں ہوسکتا۔ کیونکہ چچا دادا کا اقرب ہے۔ پھر نہ معلوم طلوع اسلام کو یتیم پوتے ہی سے کیوں ہمدردی ہے۔ یتیم پوتی سے ہمدردی کیوں نہیں؟ اس کو اس کا بھی قائل ہونا چاہیے کہ یتیم پوتی بھی اپنے چچا کی موجودگی میں دادا کی وارث

ہوگی۔ مگر چونکہ پنجاب کے جاہلوں کو لڑکیوں کا وارث ہونا گوارا نہیں۔ اس لئے وہ ان کی خاطر صرف یتیم پوتے ہی کی میراث پر زور دینا چاہتا ہے۔

اگر اقرب کے وہی معنی ہیں جو طلوع اسلام بیان کرتا ہے تو یتیم بھتیجے اور یتیم بھانجے اور یتیم نواسے کو بھی میت کے بھائیوں اور بہنوں کی موجودگی میں وارث ماننا چاہیے کیونکہ ان کے اور میت کے درمیان کوئی اور موجود نہیں۔

یہ ہے منکرین حدیث کی قرآن فہمی کہ وہ الفاظ کے معانی خود گھڑتے ہیں۔ اور اپنی منگھڑت باتوں کو قرآن کی طرف منسوب کر کے امت کے اجماعی قول کو قرآن کے خلاف قرار دیتے ہیں۔

ان لوگوں کو سوچنا چاہیے کہ جس طرح یتیم پوتے کو چچا کی موجودگی میں دادا کی میراث سے بے تعلق کیا گیا ہے۔ اسی طرح چچا کو بھی اس یتیم کے باپ کی میراث سے محروم کیا گیا ہے۔ اگرچہ وہ لاکھوں روپیہ چھوڑ کر مرا ہو۔ کیونکہ بیٹے کے ہوتے ہوئے بھائی اقرب نہیں۔'' رہا یہ سوال کہ اگر یتیم پوتے کا باپ کچھ بھی چھوڑ کر نہ گیا ہو اور دادا کی میراث کا حقدار اس کا چچا ہو گیا تو اس یتیم پوتے کی پرورش کیونکر ہوگی؟ اس کا جواب یہ ہے کہ دادا اس یتیم پوتے کیلئے اپنی زندگی میں جائیداد کا کچھ حصہ نام زد کر سکتا ہے یا اس کیلئے وصیت کر سکتا ہے اگر دادا نے کچھ نہ کیا تو ایسے نادار یتیم کی پرورش اس کے چچا کے ذمہ ہے۔ حاکم شرعی اس کو مجبور کریگا کہ اپنے یتیم بھتیجے کی تعلیم و تربیت اور نان ونفقہ کا پورا اہتمام کرے۔ پھر اسلامی بیت المال میں بھی یتیموں، بیواؤں کا بڑا حق ہے جس کے بعد وہ پریشان نہیں ہو سکتے۔ منکرین حدیث کو نہ آئین اسلام کی کچھ خبر ہے۔ نہ وہ پاکستان میں اس کو جاری کرانا چاہتے ہیں۔ بس قرآن میں خواہ مخواہ تحریف کر کے علماء اسلام اور فقہائے امت کو بدنام کر کے اپنا من گھڑت آئین چلانا چاہتے ہیں۔ جس کا نمونہ ایسے ایک مسئلہ سے ظاہر ہو رہا ہے۔ والسلام

(ظفر احمد عثمانی رحمہ اللہ تعالیٰ) از ڈھاکہ

﴿مسائل ضروریہ رمضان وعید وصدقۃ الفطر﴾

روزہ

(۱) رمضان شریف کے روزے ہر مسلمان پر جو مجنون اور نابالغ نہ ہو فرض ہیں جب تک کوئی قوی عذر نہ ہو روزہ کا چھوڑنا جائز نہیں مثلاً روزہ رکھنے سے مرجانے یا سخت مرض میں مبتلا ہو جانے کا اندیشہ ہے یا مسلمان طبیب حاذق کسی مریض کے لئے روزہ کو مضر بتلا دے۔ ان صورتوں میں افطار جائز ہے۔

(۲) روزہ کی فرضیت کا انکار کرنا یا اس کی نسبت تمسخر کے کلمات کہنا مثلاً یہ کہ روزہ وہ رکھے جس کے گھر اناج نہ ہو یا یہ کہ ہم سے بھوکا نہیں مرا جاتا کفر ہے۔

(۳) مسافر کو بشرطیکہ تین منزل کی مسافت شرعی کا مسافر ہو اجازت ہے کہ روزہ نہ رکھے بعد میں قضا کرے۔ اسی طرح حاملہ اور دودھ پلانے والی عورت کو اگر بچہ کی ہلاکت یا مضرت کا اندیشہ غالب ہو تو چاہیے کہ بعد میں قضا رکھے۔

(۴) حیض و نفاس والی عورت کو اس حالت میں روزہ رکھنا جائز نہیں بعد میں قضا رکھیں۔

(۵) اگر کسی شرعی عذر کی وجہ سے روزہ نہ رکھا ہو تب بھی رمضان کا ادب ضروری ہے کہ کسی کے سامنے کچھ کھائیں پئیں نہیں روزہ داروں کی سی صورت بنائیں اور شرعی اجازت سے کھائیں تو چھپ کر کھائیں۔

(۶) شرعی عذر سے اگر افطار کیا ہو اور اس عذر کے ختم ہونے کے وقت کچھ دن باقی ہے تو کھانے پینے وغیرہ سے دن کے بقیہ حصہ میں رکنا واجب ہے۔

(۷) روزہ کے لئے نیت یعنی یہ دھیان کرنا کہ کل کو میرا روزہ ہے اور اس کے بعد صبح صادق سے غروب آفتاب تک کھانے پینے اور جماع سے رکنا فرض ہے۔

(۸) اگر زبان سے بھی نیت کرلے یا عربی میں کہہ لے وَ بِصَوْمِ غَدٍ نَوَیْتُ تو بہتر ہے۔

(۹) اگر کچھ کھایا پیا نہ ہو تو دن کے ٹھیک دوپہر سے ایک گھنٹہ پہلے تک رمضان کے روزہ کی نیت کرلینا درست ہے۔

(۱۰) بھول کر کھانے پینے اور سوتے میں احتلام ہونے اور سر میں تیل لگانے اور بلا دھوئیں کی خوشبو سونگھنے اور مسواک کرنے سے روزہ نہیں جاتا۔

(۱۱) ہاں لوبان وغیرہ کی کوئی دھونی سلگا کر اپنے پاس رکھ کر اس طرح سونگھنے سے کہ دھواں حلق میں پہنچ جائے روزہ ٹوٹ جاتا ہے اور حقہ پینے سے بھی روزہ جاتا رہتا ہے۔

(۱۲) کلی کرنے یا منہ اور ناک سے نکلنے سے پہلے تھوک، سنک نگلنے یا سرمہ لگانے سے بھی روزہ نہیں جاتا اگرچہ سنک یا تھوک میں سرمہ کا رنگ دکھائی دے۔

(۱۳) سحری میں پان کھا کر اگر کلی کرلی اور اچھی طرح منہ صاف کرلیا تو پھر پان کی سرخی تھوک میں نظر آنے سے روزہ میں کچھ نقصان نہیں۔

(۱۴) اگر منہ میں پان دبا کر سو رہا اور صبح صادق کے بعد آنکھ کھلی تو روزہ نہیں ہوا۔

(۱۵) اگر آپ ہی آپ قے ہو جائے تو زیادہ ہو یا کم اس سے روزہ میں کچھ خرابی نہیں آتی۔ ہاں اگر قصداً قے کی جائے تو روزہ ٹوٹ جائیگا۔

(۱۶) بلا ضرورت صرف روزہ چھوڑنے کے واسطے سفر کرنا یا بیمار بن جانا حرام ہے۔

(۱۷) بعضے لوگوں کو سفر یا بیماری میں جان کو آ جاتی ہے لیکن افطار نہیں کرتے اس کی بھی ممانعت ہے۔

(۱۸) روزہ میں غیبت کرنا جھوٹ بولنا، لڑنا، جھگڑنا، گالم گلوچ اور فحش الفاظ زبان سے نکالنا یا حرام روزی کھانا۔ یا بری نگاہ سے لڑکوں اور عورتوں کو دیکھنا یا شطرنج

تاش، گنجفہ کھیلنا، ہارمونیم، گراموفون سے دل بہلانا اور دنوں سے زیادہ سخت حرام ہے۔

(۱۹) روزہ میں لایعنی اور فضول باتوں سے بھی پرہیز کرنا چاہیے اور زیادہ وقت یادالٰہی اور تلاوت قرآن میں گزارنا چاہیے کہ یہ وقت سال میں ایک ہی دفعہ نصیب ہوتا ہے۔ حدیث میں ہے کہ رمضان میں نفل کا ثواب فرض کے برابر اور فرض کا ثواب ستر فرضوں کے برابر ملتا ہے۔ اس مہینہ میں غریب محتاجوں کی امداد کا اور دنوں سے زیادہ خیال چاہیے روزہ دار کو افطار کرانے کا بڑا ثواب ہے چاہے ایک گھونٹ پانی ہی پلا دے۔

(۲۰) نابالغ بچوں کو بھی جب کہ وہ متحمل ہوسکیں روزہ کی عادت ڈالنی چاہیے لیکن محض خوشی منانے اور دل کا حوصلہ نکالنے کے لئے بہت چھوٹے بچوں سے روزہ رکھوانا ممنوع ہے۔

(۲۱) منجھلے روزہ کا زیادہ اہتمام کرنے کی شریعت میں کوئی اصل نہیں۔

افطار

(۲۲) جب تک سورج کے ڈوبنے میں شبہ رہے تب تک افطار کرنا جائز نہیں۔

(۲۳) جب سورج یقیناً ڈوب جائے فوراً روزہ کھول دینا چاہیے پھر دیر کرنا مکروہ ہے۔

(۲۴) بادل کے دن خوب احتیاط سے کام لو صرف گھڑی اور نقشہ پر اعتماد کر کے افطار نہ کرو جب تک کہ تمہارا دل گواہی نہ دے دے کہ سورج ڈوب گیا ہوگا۔ بلکہ اگر کوئی اذان بھی کہہ دے لیکن ابھی غروب میں شبہ ہے، تب بھی افطار کرنا جائز نہیں۔

(۲۵) چھوہارے سے افطار کرنا بہتر ہے یا اور کوئی میٹھی چیز ہو، اگر کچھ نہ ہو تو پانی سے افطار کرے اور افطار کے وقت یہ دعا پڑھے۔ (ذَهَبَ الظَّمَاءُ وَابْتَلَّتِ الْعُرُوْقُ وَثَبَتَ الْاَجْرُ انشاء اللّٰه تعالیٰ) افطار کے وقت دعا قبول ہوتی ہے۔

(۲۶) افطاری کھانے میں اس قدر مشغولی کہ مغرب کی جماعت فوت ہو جائے یا کوئی رکعت جاتی رہے بہت ہی خسارہ کی بات ہے بہتر یہ ہے کہ روزہ مسجد میں افطار کیا

کرے تاکہ جماعت نہ جاوے۔

(۲۷) افطاری میں بہت تکلف اور سامان کرنا مکروہ ہے۔

تراویح

(۲۸) ایک ختم کلام مجید تراویح میں سننا اور بیس رکعت تراویح کا ہر رات رمضان میں پڑھنا سنت ہے۔

(۲۹) اگر کوئی شخص مسجد میں ایسے وقت پہنچا کہ تراویح شروع ہوگئی ہے تو اس شخص کو فرض عشا پڑھ کر تراویح میں شریک ہونا چاہیے۔

(۳۰) اگر ایک شخص عشاء کے فرض پڑھ چکا ہے مگر تراویح کی کل رکعتیں یا کچھ رکعتیں جماعت کے ساتھ اس کو نہیں ملیں اور وتر کی جماعت شروع ہوگئی تو اس کو وتر جماعت سے پڑھنا چاہئیں اور تراویح کی رکعتیں وتر کے بعد پڑھے اور اگر ایسے وقت مسجد میں آیا ہو کہ ابھی عشاء کے فرض بھی نہ پڑھے ہوں تو وتر کی جماعت میں شامل نہ ہو پہلے فرض پڑھنا چاہیے۔

(۳۱) تراویح سے جلدی فارغ ہونے کے لئے وقت سے پہلے کھڑے نہ ہوں ورنہ فرض کے چھوٹنے کا گناہ ہوگا۔

(۳۲) عشاء کی اذان تراویح جلدی ختم ہونے کے خیال سے وقت سے پہلے نہ کہلائیں۔

(۳۳) قرآن شریف نہ بہت تیز پڑھیں کہ کچھ سمجھ میں نہ آوے نہ اس قدر ٹھہرا کر کہ مقتدیوں کو تکلیف ہو۔

(۳۴) ثناء اور تشہد اور درود اور رکوع وسجود کی تسبیحیں تراویح میں اطمینان کے ساتھ ادا کرنا چاہئیں۔

(۳۵) اجرت پر قرآن شریف پڑھانا یا سنانا جائز نہیں خواہ تو اجرت ٹھہرالی جائے یا امام کو معلوم ہو کہ مجھ کو دستور کے موافق ضرور کچھ دیا جائیگا دونوں صورتیں ناجائز ہیں۔

(۳۶) ایسے لڑکوں کو تراویح میں امام بنانا مناسب نہیں جن کو پاکی اور نماز کے مسائل معلوم نہیں اگرچہ وہ بالغ ہی ہوں۔

(۳۷) ختم قرآن شریف پر شیرینی کا اہتمام والتزام بدعت ہے خاص کر چندہ کر کے تقسیم کرنا تو اور بھی زیادہ مفاسد کو مشتمل ہے۔

(۳۸) ختم قرآن کے دن مسجد میں روشنی کا خاص اہتمام ثابت نہیں بلکہ گناہ اور اسراف ہے۔

(۳۹) نامحرم حافظوں کو گھر میں بلا کر عورتوں کا قرآن سننا مفاسد سے خالی نہیں۔

سحور (یعنی سحری)

(۴۰) سحری کھانا سنت ہے اور بڑا ثواب ہے اگر بھوک نہ ہو اور کھانا نہ کھائے تو کم سے کم دو تین چھوہارے ہی کھالے ایک آدھ پان کھالے یا پانی ہی پی لے اس سے بھی سحری کا ثواب مل جائے گا۔

(۴۱) بعض لوگ آدھی رات کو سحری کھا لیتے ہیں اس سے پورا ثواب سحری کا نہیں ملتا اور بعض اس قدر دیر کرتے ہیں کہ صبح ہو جانے کا شبہ ہو جاتا ہے اس سے بھی بچنا لازم ہے۔

(۴۲) سحری دیر کر کے کھانا سنت ہے بشرطیکہ اتنی دیر نہ ہو کہ صبح کا شبہ ہونے لگے۔

(۴۳) سحری کے وقت کھانا کھانے سے پہلے یا بعد میں تہجد کی نیت سے کچھ رکعتیں پڑھ لینے کی ضرور ہمت کر لینا چاہیے کہ سال بھر میں ایک مہینہ ہی یہ سنت نصیب ہو جاوے۔

اعتکاف

(۴۴) رمضان کے اخیر دس دنوں میں اعتکاف کرنا سنت ہے اگر بستی بھر میں ایک شخص بھی اعتکاف نہ کرے گا تو سب بستی والے سنت کے تارک ہونگے۔

(۴۵) اعتکاف کے لئے بیسویں تاریخ کو غروب آفتاب سے پہلے مسجد میں داخل ہو جانا چاہیے۔

(۴۶) اکیسویں تاریخ سے پہلے کی رات اور تیئسویں رات اور پچیسویں اور ستائیسویں اور انتیسویں رات یہ راتیں شب قدر کہلاتی ہیں ان میں زیادہ جاگنا چاہیے۔

صدقہ فطر

(۴۷) جس شخص کے پاس پچاس روپیہ کی مالیت کی چیز اپنی حاجت سے زیادہ ہو خواہ نقد ہو یا زیور یا کرایہ پر چلنے والے مکانات یا مویشی وغیرہ ہوں اس پر واجب ہے کہ اپنی طرف سے اور اپنے چھوٹے بچوں کی طرف سے صدقہ فطر ادا کرے۔

(۴۸) انگریزی تول سے ایک سیر ڈھائی پاؤ پختہ گیہوں صدقہ فطر کی مقدار ہے اور پورے پونے دو سیر زیادہ بہتر ہے اگر اتنے گیہوں کی قیمت ادا کر دے یہ بھی جائز ہے۔

(۴۹) بعض جگہ خصوصاً دیہات میں مسجد کے مؤذن اور امام وغیرہ کو یہ کہہ کر مقرر کیا جاتا ہے کہ تم کو عید میں بھی کچھ مل جائے گا۔ یا زبان سے نہ کہا جاوے مگر دستور کے موافق وہ صدقہ فطر کو اپنا حق سمجھتے ہیں اس صورت میں مؤذن اور امام مسجد اور سقہ وغیرہ کو صدقہ فطر دینا جائز نہیں اور اگر دیدیا تو صدقہ فطر ادا نہ ہوگا۔ ہاں اگر مقرر کرتے وقت ان سے صاف کہہ دیا جائے کہ صدقہ فطر میں تمہارا کوئی حق نہیں پھر غریب سمجھ کر ان کو دیا جائے اور وہ واقع میں غریب بھی ہوں، تو اس صورت میں ان کو صدقہ دینا جائز ہے اور یہی حکم قربانی کی کھال کا ہے۔

(۵۰) جو بچہ عید کے دن صبح صادق سے پہلے پیدا ہو اس کی طرف سے بھی فطرانہ دینا باپ کے ذمہ واجب ہے اور اگر صبح صادق کے بعد پیدا ہوا ہے تو واجب نہیں۔ اگر چہ عید کی نماز سے پہلے ہی پیدا ہوا ہو اور جو بچہ عید کے دن صبح صادق سے پہلے مر جاوے اس کی طرف سے بھی فطرہ دینا واجب نہیں اور جو صبح کے بعد مرے اس کی طرف سے دینا واجب ہے۔

(۵۱) یہ ضروری نہیں کہ جس نے رمضان کے روزے رکھے ہوں اس پر صدقہ فطر واجب ہو بلکہ جس نے روزے نہیں بھی رکھے اور وہ پچاس روپیہ کی مالیت رکھتا ہو تو اس کو صدقہ فطر دینا ہوگا۔ روزوں کی فرضیت مستقل ہے اور صدقہ فطر کا وجوب مستقل ہے۔

(۵۲) باپ، ماں، دادا، دادی، نانا، نانی، بیٹا، بیٹی، پوتا، پوتی، نواسا، نواسی کو اور

خاوند کا بی بی کو اور بی بی کا خاوند کو صدقہ فطر دینا جائز نہیں اور بنو ہاشم اور غنی کو دینا بھی جائز نہیں۔ ان کے علاوہ دوسرے رشتہ داروں کو اگر وہ غریب ہوں جائز ہے بلکہ غیروں کو دینے سے عزیزوں کو دینا زیادہ ثواب ہے اور یہ ضروری نہیں کہ یہ کہہ کر صدقہ دے کہ یہ صدقہ فطر ہے بلکہ بہتر ہے کہ ظاہر نہ کیا جاوے تا کہ لینے والے کو شرم و عار نہ آئے۔ پس اگر اپنے محتاج رشتہ داروں کے بچوں کو عیدی کے نام سے صدقہ فطر دیدیا جائے تو کچھ مضائقہ نہیں۔

(۵۳) بہتر یہ ہے کہ عید کے دن صبح صادق کے بعد اور نماز عید سے پہلے صدقہ فطر ادا کر دیا جاوے اگر کسی وجہ سے اس وقت نہ دیا گیا تو یہ واجب ذمہ میں رہے گا پھر کسی وقت ادا کرنا لازم ہے۔

(۵۴) بی بی اور بالغ اولاد کی طرف سے خاوند اور باپ پر صدقہ فطر ادا کرنا واجب نہیں البتہ اگر خاوند نے مہر ادا نہ کیا ہو تو بی بی اس سے یہ کہنے کا حق رکھتی ہے کہ میرے مہر میں سے صدقہ فطر ادا کر دو۔

عید

(۵۵) عید الفطر کے دن بارہ چیزیں مسنون ہیں شریعت کے موافق زینت کرنا، غسل کرنا، مسواک کرنا، عمدہ کپڑے جو پاس موجود ہوں پہننا (بشرطیکہ شرع کے موافق ہوں یعنی ریشمی نہ ہوں، پائجامہ، کرتہ، چوغہ وغیرہ ٹخنوں سے نیچا نہ ہو اور کافروں کے لباس کے مشابہ نہ ہو) خوشبو لگانا، صبح کو سویرے اٹھنا، عید گاہ سویرے جانا۔ عید گاہ جانے سے پہلے کوئی میٹھی چیز کھالینا۔ عید گاہ جانے سے پہلے صدقہ فطر دینا۔ عید کی نماز بلا عذر شہر میں نہ پڑھنا۔ جس راستہ سے جاوے اس کے علاوہ دوسرے راستہ سے واپس آنا، پیادہ جانا اور راستہ میں اللّٰہ اکبر اللّٰہ اکبر لا آلہ الا اللّٰہ و اللّٰہ اکبر اللّٰہ اکبر ولِلّٰہِ الحمد آہستہ کہنا اور نماز عید کے بعد خطبہ مستحب ہے اور حاضرین پر اس کا سننا واجب ہے اس وقت بولنا چالنا نماز پڑھنا حرام ہے۔

(۵۶) عید الفطر کی نماز پڑھنے کا یہ طریقہ ہے کہ اول یوں نیت کرے کہ ”میں

دو رکعت نماز واجب عید الفطر معہ چھے تکبیر کے ادا کرتا ہوں، پھر اللہ اکبر کہہ کر ہاتھ باندھ لے اور سبحانک اللہم پڑھ کر تین مرتبہ اللہ اکبر کہے ہر مرتبہ کانوں تک ہاتھ اٹھاوے اور تکبیر کے بعد ہاتھ چھوڑے اور تیسری تکبیر کے بعد ہاتھ باندھ لے۔ پھر امام قرأت شروع کرے اور مقتدی خاموش کھڑا رہے۔ اور حسب دستور دو رکعت پڑھے۔ دوسری رکعت میں الحمد اور سورت پڑھنے کے بعد امام اور اس کے ساتھ سب مقتدی تین بار اللہ اکبر کہیں ہر مرتبہ کانوں تک ہاتھ اٹھائیں اور یہاں تیسری تکبیر کے بعد بھی ہاتھ چھوڑ دیں پھر چوتھی تکبیر کہہ کر رکوع میں جائیں۔

(۵۷) اکثر لوگ عید کے دن سویاں اور شیر پکانا ضروری سمجھتے ہیں یہ بالکل غلط ہے شریعت میں اس کی کوئی تخصیص نہیں۔

(۵۸) بعض لوگ کپڑوں کا بہت اہتمام کرتے ہیں حتیٰ کہ قرض لیکر نئے بناتے ہیں یا مانگ کر پہنتے ہیں۔ اس کی بھی کوئی اصل نہیں۔

(۵۹) اگر عید کی نماز میں ایسے وقت پہنچا کہ امام رکوع میں جاچکا ہے تو اگر تین تکبیریں کہہ کر یہ رکوع میں شامل ہوسکتا ہو تو تکبیر تحریمہ کے بعد تین تکبیریں جلدی جلدی کہہ کر رکوع میں شریک ہو ورنہ تکبیر تحریمہ کہہ کر رکوع میں شامل ہو جاوے اور رکوع میں وہ تین تکبیریں کہہ لے اگر امام کو عید کی نماز میں کوئی سہو ہو جائے جس سے سجدہ سہو لازم آتا ہے تو سجدہ سہو نہ کرے کہ اس سے بہت آدمیوں کی نماز خراب ہو جائے گی اور دور والوں کو سجدہ سہو کی اطلاع نہ ہوگی۔

(۶۰) عید کے روز باہم ایک دوسرے کو مبارکباد دینا اور عید مبارک کہنا مستحب ہے۔ باقی نماز عید کے بعد معانقہ یا مصافحہ بالالتزام کرنا بدعت ہے البتہ اگر باہر سے لوگ آئے ہوں ان سے اور دنوں کی طرح ملاقات کے طور پر مصافحہ کا مضائقہ نہیں۔

(۶۱) تار کی خبر کا شریعت میں اعتبار نہیں ایسی خبروں سے افطار کرنا جائز نہیں جب تک بقاعدہ شریعت چاند کا ثبوت نہ ہو جاوے ہرگز افطار نہ کریں۔

﴿مسلمانوں کے زوال کے اسباب﴾

حضرت مولانا ظفر احمد صاحب عثمانی ۔ شیخ الحدیث دار العلوم الاسلامیہ ٹنڈو الہ یار

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ ؕ۝

الحمد للّٰہ و کفی و سلام عَلٰی عبادہ الذین اصطفےٰ

اما بعد

(۱) ﴿قَالَ اللّٰہ تعالٰی هُوَ الَّذِیۡۤ اَیَّدَکَ بِنَصۡرِهٖ وَ بِالۡمُؤۡمِنِیۡنَ۝ وَ اَلَّفَ بَیۡنَ قُلُوۡبِهِمۡ ؕ لَوۡ اَنۡفَقۡتَ مَا فِی الۡاَرۡضِ جَمِیۡعًا مَّاۤ اَلَّفۡتَ بَیۡنَ قُلُوۡبِهِمۡ وَ لٰکِنَّ اللّٰهَ اَلَّفَ بَیۡنَهُمۡ ؕ اِنَّهٗ عَزِیۡزٌ حَکِیۡمٌ ۔ یٰۤاَیُّهَا النَّبِیُّ حَسۡبُکَ اللّٰهُ وَ مَنِ اتَّبَعَکَ مِنَ الۡمُؤۡمِنِیۡنَ۝ یٰۤاَیُّهَا النَّبِیُّ حَرِّضِ الۡمُؤۡمِنِیۡنَ عَلَی الۡقِتَالِ﴾

حق تعالیٰ فرماتے ہیں اے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ ہی نے آپ کی تائید کی اپنی نصرت سے اور مؤمنین سے ۔ اور ان کے دلوں میں محبت ڈال دی۔ اگر آپ تمام زمین کی دولت خرچ کر دیتے تب بھی ان میں الفت نہ پیدا کر سکتے۔ لیکن اللہ ہی نے ان میں الفت ڈال دی بیشک وہ بڑا غالب اور حکیم ہے۔ اے نبی آپ کو اللہ کافی ہے اور یہ مؤمنین جو آپ کی پیروی کرتے ہیں۔ اے نبی! نبی مسلمانوں کو جہاد کی ترغیب دیتے رہیئے ۔''

(۲) ﴿وَقَالَ تَعَالٰی وَ اَعِدُّوۡا لَهُمۡ مَّا اسۡتَطَعۡتُمۡ مِّنۡ قُوَّةٍ وَّ مِنۡ رِّبَاطِ الۡخَیۡلِ تُرۡهِبُوۡنَ بِهٖ عَدُوَّ اللّٰهِ وَ عَدُوَّکُمۡ وَ

اٰخَرِيْنَ مِنْ دُوْنِهِمْ لَا تَعْلَمُوْنَهُمْ اَللّٰهُ يَعْلَمُهُمْ. وَ مَا تُنْفِقُوْا مِنْ شَيْءٍ فِي سَبِيْلِ اللّٰهِ يُوَفَّ اِلَيْكُمْ وَ اَنْتُمْ لَا تُظْلَمُوْنَ﴾

(ترجمہ) ''ایک جگہ ارشاد ہے۔ ان کافروں کے مقابلہ کے لئے سامان تیار رکھو جتنا بھی تم سے ہو سکے قوت حاصل کرو اور گھوڑے باندھو جس سے خدا کا دشمن اور تمہارا دشمن مرعوب ہو جائے اور ان کے سوا دوسرے اور بھی جن کو تم نہیں جانتے اللہ انہیں جانتا ہے اور جو کچھ اللہ کے راستہ میں (جہاد کے لئے) خرچ کرو گے تم کو پورا دیدیا جائے گا اور تم پر ظلم نہیں کیا جائیگا۔''

(۳) ﴿وقال تعالٰى وَ مَا لَكُمْ لَا تُقَاتِلُوْنَ فِي سَبِيْلِ اللّٰهِ وَ الْمُسْتَضْعَفِيْنَ مِنَ الرِّجَالِ وَ النِّسَاءِ وَ الْوِلْدَانِ الَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اَخْرِجْنَا مِنْ هٰذِهِ الْقَرْيَةِ الظَّالِمِ اَهْلُهَا وَ اجْعَلْ لَّنَا مِنْ لَّدُنْكَ وَلِيًّا وَّ اجْعَلْ لَّنَا مِنْ لَّدُنْكَ نَصِيْرًا۝﴾

(ترجمہ) ''نیز فرماتے ہیں کہ تم کو کیا ہوا کہ اللہ کے راستہ میں جہاد نہیں کرتے اور ان کمزور مردوں، عورتوں، بچوں کے لئے بھی نہیں لڑتے جو ان ظالموں کے ظلم سے گھبرا کر دعا کرتے ہیں کہ اے پروردگار ہمیں اس بستی سے نکال دے جس کے باشندے بڑے ظالم ہیں اور ہمارے لئے اپنے پاس سے کوئی ہمارا دوست اور مددگار بھیج دیجئے۔''

(۴) ﴿وَلَوْ اَنَّ اَهْلَ الْقُرٰى اٰمَنُوْا وَ اتَّقَوْا لَفَتَحْنَا عَلَيْهِمْ بَرَكَاتٍ مِّنَ السَّمَاءِ وَ الْاَرْضِ وَلٰكِنْ كَذَّبُوْا فَاَخَذْنَاهُمْ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ۝﴾

''نیز ارشاد ہے کہ اگر یہ بستی والے ایمان لاتے اور تقویٰ اختیار کرتے تو ہم ان پر آسمان وزمین کی برکتیں کھول دیتے مگر انہوں نے (اپنے قول یا عمل سے) ہم کو جھٹلایا تو ہم نے ان کے اعمال کے سبب ان کو پکڑ لیا۔''

(۵) ﴿وقال تعالیٰ و قضینا الیٰ بنی اسرائیل فی الکتاب لتفسدن فی الارض مرتین ولتعلن علواً کبیرا فاذا جاء وعد ولهما بعثنا علیکم عبادًا لنا اولی بأس شدید فجاسوا خلال الدیار و کان وعدًا مفعولاً ○﴾

(ترجمہ) ''ایک جگہ ارشاد ہے اور ہم نے بنی اسرائیل سے فیصلہ کن بات کہہ دی تھی کہ تم زمین میں دوبار فساد کرو گے اور بہت زیادہ تکبر کرو گے جب پہلا وقت آیا تو ہم نے تمہارے مقابلہ کے لئے اپنے بہادر بندوں کو کھڑا کر دیا تو وہ ہمارے گھروں میں گھس پڑے اللہ نے تم کو نکال باہر کیا اور ہمارا قول پورا ہو کر رہا۔

(۶) ﴿وقال رسول اللّٰہ صلے اللّٰہ علیہ وسلم و قد سئل عن الساعة اذا ضیعت لامانة فانتظر الساعة قال کیف اضاعتها یا رسول اللّٰہ قال اذا وسّد الامر الی غیر اهله فانتظر الساعة رواه البخاری﴾

(ترجمہ) ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جب امانت ضائع کر دی جائے قیامت کا انتظار کرو۔ پوچھا گیا کہ امانت کیوں کر ضائع کی جائے گی؟ فرمایا جب (حکومت وغیرہ کا) کام نااہلوں کے سپرد کر دیا جائے تو امانت ضائع ہوگی اس وقت کا انتظار کرو۔''

(۷)﴿ وقال رسول اللّٰہ صلے اللّٰہ علیہ وسلم لتتبعن سبل من قبلکم شبراً بشبر ذراعاً بذراعٍ حتی لو دخلوا

حجر ضب لدخلتموها رواه البخاری﴾

(ترجمہ) ''نیز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم بھی اپنے سے پہلے لوگوں کے راستہ پر چلو گے ہاتھ در ہاتھ بالشت در بالشت یہاں تک کہ اگر وہ گوہ کے بل میں گھسیں گے تو تم بھی اس میں گھسو گے۔''

(۸) ﴿وقال صلی اللّٰه علیه وسلم اذا رابت شحا مطاعاً وهوىً متبعاً و دنياً . موثرة واعجاب كل ذی رأی برأيه فعليک بخاصة نفسک ودع عنک لبر االطامه.﴾

(ترجمہ) ''نیز آپ کا ارشاد ہے جب تم دیکھو کہ حرص کی اطاعت کی جا رہی ہے، خواہش نفس کی پیروی کی جا رہی ہے اور دنیا کو آخرت پر ترجیح دی جا رہی ہے اور ہر شخص اپنی رائے کو (دوسروں کو رائے سے) اچھا سمجھتا ہے (اس لئے مشورہ کی ضرورت نہیں سمجھتا) تو اپنی فکر کرو اور عوام کی فکر چھوڑ دو۔''

(۹) ﴿وقال صلی اللّٰه علیه وسلم الدنيا سجن المؤمن وجنة الكافر.﴾

(ترجمہ) ''نیز حضور کا ارشاد ہے کہ دنیا مومن کا جیل خانہ ہے اور کافر کی جنت ہے۔''

(۱۰) ﴿كن فی الدنيا كانک غريب اوعا برسبيل.﴾

(ترجمہ) ''نیز آپ کا ارشاد ہے۔ فرمایا کہ دنیا میں ایسے رہو جیسے پردیسی (پردیس میں) رہتا ہے یا مسافر (راستہ میں رہتا ہے)

اب ان آیات واحادیث کے معانی ومطالب پر غور کیجئے تو مسلمانوں کے عروج وزوال کے اسباب خود بخود واضح ہو جائیں گے۔

(۱) پہلی آیت سے معلوم ہوا کہ مسلمانوں کی کامیابی کا پہلا سبب اللہ تعالیٰ کی

نصرت ہے کہ اللہ تعالیٰ کی مدد ان کے ساتھ تھی ایک آیت میں اللہ تعالیٰ نے صاف طور سے فرمادیا ہے۔

﴿اِنْ يَنْصُرْكُمُ اللّٰهُ فَلَا غَالِبَ لَكُمْ وَ اِنْ يَّخْذُلْكُمْ فَمَنْ ذَا الَّذِيْ يَنْصُرُكُمْ مِّنْ ۢ بَعْدِهٖ ۝ وَ عَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ۝﴾

''اگر اللہ تعالیٰ کی مدد تمہارے ساتھ ہو تو کوئی تم پر غالب نہیں ہوسکتا اور اگر وہ تم کو چھوڑ دے تو پھر کون ہے جو تمہاری مدد کرے؟ اور اللہ پر ہی مسلمانوں کو بھروسہ کرنا چاہیے اس کے سوا کسی کی مدد پر بھروسہ نہ کیا جائے۔''

اللہ تعالیٰ کی مدد کیونکر ہمارے ساتھ ہوگی اس کو دوسرے مقام پر یوں بیان کیا گیا ہے۔

﴿اِنْ تَنْصُرُوا اللّٰهَ يَنْصُرْكُمْ وَيُثَبِّتْ اَقْدَامَكُمْ﴾

''اگر تم اللہ کی مدد کرو (یعنی اللہ کے دین کا بول بالا کرنا چاہو) تو اللہ تمہاری مدد کرے گا۔ اور تمہارے قدم جمادے گا (ثابت قدمی عطا کرے گا)۔''

ایک آیت میں اللہ کے دین کی مدد کا طریقہ بھی بتلا دیا ہے۔

﴿وَ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى نَصْرِهِمْ لَقَدِيْرُ ۙ الَّذِيْنَ اِنْ مَّكَّنّٰهُمْ فِي الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَ اٰتَوُا الزَّكٰوةَ وَ اَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَ نَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ وَ لِلّٰهِ عَاقِبَةُ الْاُمُوْرِ ۝﴾

''اور بلاشبہ اللہ تعالیٰ اپنے ان بندوں کی مدد کرنے پر قادر ہے جن کی شان یہ ہے کہ اگر ہم ان کو زمین پر اقتدار بخشیں (حکومت و سلطنت عطا کریں) تو وہ نماز کو قائم کریں (جو عبادات بدنیہ میں سے بڑی عبادت ہے) اور زکوۃ دیں (جو طاعات مالیہ میں سے

سب سے بڑھ کر ہے) اور نیک کاموں کا امر کریں اور ہر برائی
سے لوگوں کو روکیں اور سب کاموں کا انجام اللہ ہی کے ہاتھ میں
ہے۔''

ایک جگہ ارشاد ہے۔

﴿وَ اَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ﴾

''اور تم ہی سب پر غالب رہو گے اگر تم مؤمن ہو۔''

اور ایمان کی حقیقت یہ ہے کہ قول کے ساتھ عمل بھی ہو جو اوپر بتلا دیا گیا کہ عبادات بدنیہ اور عبادات مالیہ کی پابندی کی جائے۔ نیکی کو پھیلایا جائے بدی کو مٹایا جائے۔ غرض پہلے مسلمانوں کے ساتھ نصرت الٰہی اسی لئے تھی کہ وہ سچے مومن تھے۔ ان میں الفت ومحبت اور اتفاق واتحاد بھی پورا تھا۔ اس کو بھی غلبہ واقتدار میں پورا دخل ہے۔

چنانچہ ارشاد ہے۔

﴿وَ اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ وَ لَا تَنَازَعُوْا فَتَفْشَلُوْا وَ تَذْهَبَ رِيْحُكُمْ وَاصْبِرُوْا اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ۝﴾

''اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو اور آپس میں نزاع مت کرو کہ اس سے دلوں میں بزدلی پیدا ہو جائے گی۔ اور تمہاری ہوا اکھڑ جائے گی (یعنی دشمن پر رعب نہ رہے گا۔''

چنانچہ مشاہدہ ہے کہ جب دشمن کو ہمارے باہمی نزاع واختلاف کا پتہ چل جاتا ہے اس کے حوصلے بلند ہو جاتے ہیں) اور صبر واستقامت سے کام لو کہ اللہ تعالیٰ صابرین کے ساتھ ہے۔

ان آیات سے یہ بھی معلوم ہوا کہ مسلمانوں کے غلبہ کے لئے اللہ کی مدد اور مؤمنین کی جمعیت کافی ہے غیر مسلموں سے مدد لینے کی ضرورت نہیں۔ بشرطیکہ مسلمان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کرنے والے ہوں۔ اس کے بعد ارشاد ہے کہ اے نبی! مسلمانوں کو جہاد کی ترغیب دیجئے۔ کیونکہ جہاد کو بھی مسلمانوں کے غلبہ اور عروج میں

بڑا دخل ہے۔ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے اپنی خلافت میں جو پہلا خطبہ دیا تھا اس میں یہ بھی بتلا دیا کہ جو قوم جہاد کو چھوڑ دیتی ہے ذلیل ہو جاتی ہے۔ اس لئے مسلمانوں کو ہر وقت جہاد کے لئے تیار رہنا چاہیے۔ مسلمانوں کے زوال کا ایک بڑا سبب یہ بھی ہے کہ انہوں نے صدیوں سے جہاد کو چھوڑ دیا عیش پرستی میں پڑ گئے یا آپس میں مسلمان مسلمان سے لڑتا ہے، کفار سے جہاد کا مقصود اسلام اور حکومت اسلام کی حفاظت ہے، تلوار کے زور سے اسلام کی اشاعت مطلوب نہیں۔ کیونکہ تلوار کے زور سے جو لوگ اسلام لائیں گے۔ وہ منافق ہوں گے اور قرآن میں منافقوں کو سب کافروں سے بدتر کہا گیا ہے۔ اِنَّ الْمُنَافِقِيْنَ فِي الدَّرْكِ الْاَسْفَلِ مِنَ النَّارِ۔ پھر مسلمان منافقوں کی بھرتی کے طلبگار کیسے ہو سکتے ہیں؟

(۲) ان آیات میں جہاد کے لئے سامان تیار کرنے کا حکم ہے کہ اپنی استطاعت کے موافق جس قدر ہو سکے قوت بہم پہنچاؤ، اور گھوڑے بھی باندھو۔ حدیث میں قوت کی تفسیر میں تیر اندازی کو بیان کیا گیا ہے، اس وقت یہی بڑی قوت تھی، آجکل اس کی جگہ بندوق، رائفل، توپ، مشین گن، میزائل وغیرہ ہیں۔ گھوڑوں کی ضرورت جنگ میں اب بھی کسی وقت ہوتی ہے۔ مگر زیادہ ٹرٹینک، بکتر بند گاڑیاں کام میں آتی ہیں۔ ان سب کا تیار کرنا اور اپنے یہاں ان کا ذخیرہ رکھنا ہر اسلامی حکومت کا فرض ہے۔ افسوس ہے کہ اسلحہ سازی کے فن میں سلاطین اسلام اس وقت بہت پیچھے ہیں۔ ہمارے اسلاف ایسے نہ تھے وہ اس زمانہ کے اسلحہ خود تیار کرتے تھے اور اس کے لئے کارخانے قائم کرتے تھے۔ تاریخ شاہد ہے کہ حضرت معاویہؓ نے خلافت عثمانی میں پانچ سو بحری جہازوں کا بیڑا تیار کیا تھا۔ جس نے ہرقل کا بحری بیڑہ بری طرح پامال کر ڈالا تھا۔ اور اس کے لئے وہ کفار کی دست نگر نہ تھے بلکہ خود مسلمان کاریگروں سے یہ بیڑا تیار کرایا تھا۔ بندوق سب سے پہلے بابر بادشاہ کے ہاتھ میں دیکھی گئی۔ اس سے پہلے کسی نے بندوق استعمال نہیں کی تھی۔ افسوس کہ سلاطین اسلام نے اس میں ترقی نہ کی۔ یورپ نے بہتر سے بہتر بندوق، رائفل، مشین گن بنا ڈالیں۔ ضرورت ہے کہ مسلمان اسلحہ سازی میں کسی سے پیچھے نہ

رہے۔ خود اپنے یہاں ہر قسم کے ہتھیار بتیار کریں۔ جبھی دشمنان اسلام پر ان کا رعب قائم ہوگا۔ جب تک دوسروں کے دست نگر رہیں گے ہرگز ان پر رعب قائم نہ ہوگا۔ اور حکم الٰہی یہ ہے کہ اتنی قوت بہم پہنچائی جائے جس سے دشمن مرعوب ہوئے۔

خدا کا شکر ہے کہ سلاطین اسلام کے پاس دولت کی کمی نہیں دو درجن کے اوپر مسلمان سلاطین اب بھی موجود ہیں۔ اگر یہ سب مل کر اسلحہ سازی کے کارخانے قائم کر دیں جن میں سب کی شرکت ہو تو امید ہے کہ اتنی قوت بہم پہنچ سکتی ہے جس سے دشمن پر رعب قائم ہو جائے۔ وہ تو سلاطین اسلام کے اتحاد سے ہی خائف ہیں اگر یہ سب مل کر مشترک کارخانے قائم کرلیں تو بہت زیادہ مرعوب ہو جائیں گے۔

(۳) ان آیتوں میں مسلمانوں کو حکم دیا گیا ہے کہ جس جگہ مسلمان کفار کے ظلم کا شکار ہوں وہاں ظالم حکومت سے جہاد کرنا اور مسلمانوں کو ان کے ظلم سے نجات دلانا فرض ہے، جب تک مسلمانوں میں جذبہ جہاد کارفرما تھا کسی جگہ بھی مسلمانوں پر کسی حکومت کو ظلم کرنے کی مجال نہ تھی۔ کفار جانتے تھے کہ حکومت اسلام فوراً جہاد کا اعلان کر کے ہم پر حملہ کردے گی۔ مگر اب یہ حال ہے جا بجا غیر مسلم حکومتوں میں مسلمانوں پر ظلم ہو رہا ہے ان کے لیے عزت و امن و امان کے ساتھ زندہ رہنا دشوار ہے، مگر سلاطین اسلام زبانی یا کاغذی احتجاج کے سوا کچھ نہیں کرتے، اگر سب مسلمان سلاطین متحد ہو کر ان کو الٹی میٹم دیدیں کہ مسلمانوں پر ظلم سے باز آؤ ورنہ ہم سب جہاد کے لئے میدان میں آجائیں گے۔ تو پھر کسی کافر حکومت کو مسلمانوں پر ظلم و زیادتی کی جرأت نہ ہو۔ ۱۹۶۵ء میں بھارت نے پاکستان پر جارحانہ حملہ کیا تھا تو حکومت ایران اور ترکی نے پاکستان کی امداد کا اعلان کر دیا اس سے پاکستانی فوج کے حوصلے بڑھ گئے۔ اور ہندو فوج ایسی مرعوب ہوئی کہ میدان چھوڑ کر بھاگنے لگی، ضرورت ہے کہ اس جذبہ جہاد سے ہر جگہ کام لیا جائے تو انشاء اللہ مسلمان ہر جگہ غالب اور معزز ہوں گے۔

(۴) ان آیات میں بتلایا گیا ہے کہ ایمان اور تقویٰ سے صرف آخرت ہی نہیں بنتی بلکہ دنیا بھی سنورتی ہے اس کی وجہ سے زمین کی برکتوں کے دروازے کھل جاتے

ہیں۔ آجکل ہماری حکومتیں اضافہ آبادی سے خائف ہو کر برتھ کنٹرول اور ضبط تولید کی تدبیریں سوچتی ہیں مگر ایمان وتقویٰ سے زمین و آسمان کی برکتوں کے دروازے نہیں کھولتیں۔ ضرورت ہے کہ زرعی پیداوار میں ترقی کے ساتھ ساتھ ایمان وتقویٰ میں بھی ترقی کریں۔ تو ضبط تولید کی نوبت ہی نہ آوے۔ ان کو سوچنا چاہیے کہ ضبط تولید کی تدابیر سے زنا کی کثرت پہلے سے زیادہ ہوگئی ہے۔ پہلے ہر کنواری اور بیوہ کو زنا کاری سے حمل ٹھہر جانے اور دنیا کی نظروں میں ذلیل ہونے کا خوف تھا اب ضبط تولید کے اسباب سے کام لے کر یہ خوف جاتا رہا۔ اور زنا کی کثرت ہوگئی جس کی وجہ سے نئی نئی بیماریاں اور بلائیں نازل ہونے لگیں۔

ابر نایداز پئے منع زکات   وز زنا افتدو با اندر جہات

(۵) ان آیات میں بتلایا گیا ہے کہ کسی وقت اہل ایمان ظلم وفساد پر کمر بستہ ہو جائیں تو اللہ تعالیٰ کفار کو ان پر مسلط کر دے گا۔ بنی اسرائیل اہل ایمان تھے مگر جب انہوں نے سلطنت وحکومت کے نشہ میں ظلم وفساد پر کمر باندھ لی تو خدا نے کافروں اور بخت نصر جیسے مشرکوں کو ان پر مسلط کر دیا۔ جنہوں نے شام سے بھی اسرائیل کو نکال باہر کیا۔ اور بیت المقدس پر قبضہ کر کے اس کی بیحرمتی کی۔ پس مسلمان یہ نہ سمجھیں کہ ظلم وفساد کے باوجود بھی وہ سب پر غالب ہی رہیں گے۔ خدا ظالم کو ضرور پکڑتا ہے اور مسلمان ظلم پر کمر بستہ ہوں تو کافروں کے ہاتھ سے ان کو ذلیل کرتا ہے۔ اگر کوئی شریف آدمی ناحق کسی کو قتل کر دے تو بھنگیوں کے ہاتھوں اسے سولی پر پھانسی دی جاتی ہے۔ فاعتبروا یا اولی الابصار.

(۶) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مسلمانوں کے عروج اور ترقی کا سبب امانت کا حق ادا کرنا تھا۔ جب سے اس میں کمی آ گئی اسی وقت سے زوال شروع ہوگیا۔ امانت کے ضائع ہونے کی صورت بھی آپ نے بتلا دی کہ نااہلوں کے سپرد کام کیا جائے۔ سب سے بڑا کام حکومت اور سلطنت ہے جب سے اس کو وراثت میں تبدیل کر دیا گیا ایک ہی خاندان میں منحصر کر دیا گیا کہ باپ کے بعد بیٹا بادشاہ ہو خواہ لائق ہو یا نہ ہو اسی وقت سے زوال شروع ہوگیا، باپ کے بعد بیٹے کو بوجہ لیاقت اور صلاحیت کے اہل الرائے بادشاہ

بنالیں تو اس کا مضائقہ نہیں۔ چنانچہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے بعد امام حسن رضی اللہ عنہ کو اسی بناء پر خلیفہ بنایا گیا تھا کہ اس وقت وہ سب سے افضل تھے۔ اس کو میراث بنالینا کہ باپ کے بعد بیٹا ہی بادشاہ ہو خواہ کیسا ہی ہو، امانت کو ضائع کرنا ہے۔ اسی طرح جو طریقہ آجکل رائج ہے کہ اس عہدہ کے لئے چند آدمی اپنا نام پیش کرتے ہیں پھر ان میں الیکشن ہوتا ہے ہر امیدوار اپنے حق میں ووٹ حاصل کرنے کے لئے دورہ کرتا پھرتا ہے۔ یہ بھی اسلام میں پسندیدہ طریقہ نہیں۔ حدیث صحیح میں طلب امارت سے منع کیا گیا ہے اور طالب امارت کو امارت دینے کی بھی ممانعت ہے۔

صحیح طریقہ یہ ہے کہ ہر بستی اور ہر شہر کے باشندوں میں جو سب سے بڑے اور معتمد علیہ شمار ہوتے ہیں ان کو اہل حل وعقد بنا دیا جائے اس مجلس میں سرداران قبائل بھی ہوں وہ اپنی صوابدید سے جس کو قابل اور لائق سمجھیں اس عہدہ کے لئے نامزد کریں۔ کسی کو خود درخواست کرنے اور اپنے حق میں ووٹ حاصل کرنے کے لئے دورہ کرنے کی ضرورت نہ ہو کہ اس صورت میں حکومت کا خرچ بھی بہت زیادہ ہوتا ہے اور ووٹ حاصل کرنے میں بعض دفعہ دباؤ اور طمع سے بھی کام لیا جاتا ہے اور نا قابل پاس ہو جاتا ہے۔ اسی طرح ہر محکمہ کا سربراہ قابل اور لائق آدمی کو بنایا جائے صرف ڈگری یافتہ ہونے کو نہ دیکھا جائے کہ بعض دفعہ کودن بھی ڈگری پالیتا ہے، ہر کام کے لئے جس قابلیت کی ضرورت ہے اہل حل وعقد اس کو خود جانتے ہیں اس کے ساتھ اس وصف کو بھی دیکھنا ضروری ہے جس پر اس آیت میں تنبیہ کی گئی ہے۔ اَلَّذِیْنَ اِنْ مَّکَّنّٰھُمْ فِی الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوۃَ وَ اٰتَوُا الزَّکٰوۃَ وَ اَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَ نَھَوْا عَنِ الْمُنْکَرِ وَاللّٰہِ عَاقِبَۃُ الْاُمُوْرِO جس کا ترجمہ اور مطلب شروع میں بیان ہو چکا۔

(۷) اس حدیث میں مسلمانوں کے زوال کا سبب بتلا دیا گیا ہے کہ جب حرص کی اطاعت کی جائے خواہش نفس کی پیروی کی جائے دنیا کو دین پر مقدم کیا جائے۔ ہر شخص اپنی رائے کو اچھا سمجھے، مشورہ کرنا چھوڑ دیں تو اس وقت عوام کی اصلاح دشوار ہو جائے گی، ہر ایک کو اپنی اصلاح کی فکر کرنی چاہیے۔ اگر مسلمان ترقی اور عروج کے طلبگار

ہیں تو ان کو ان اسباب زوال سے بچنا چاہیے۔ جن کی طرف اس حدیث میں اشارہ کیا گیا ہے۔ ان کو لازم ہے کہ حرص وطمع کی اطاعت نہ کریں۔ خواہش نفس کی پیروی چھوڑ دیں۔ دین کو دنیا پر مقدم کریں اور اپنی رائے کو دوسروں کی رائے سے اچھا نہ سمجھیں کہ یہ تکبر ہے اور متکبروں میں اتحاد و اتفاق نہیں ہوسکتا، تواضع اختیار کریں۔ اور ہر مہتم بالشان کام میں مشورہ کو ضروری سمجھیں، اس سے ہر کام کے سب پہلو سامنے آ جائیں گے۔ مشورہ کے بعد جو کچھ کیا جائے گا اس میں خیر و برکت ہوگی، اور قوم میں اتفاق و اتحاد بھی باقی رہے گا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مشورہ کی ضرورت نہ تھی لیکن تالیف قلوب کیلئے آپ کو بھی مشورہ کا حکم دیا گیا۔ وَشَاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ فَإِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ. تاریخ شاہد ہے کہ حضرت صدیق اکبرؓ اور فاروق اعظمؓ کی خلافت اسی لئے کامیاب تھی کہ وہ مشورہ بہت کرتے تھے۔ اس حدیث سے مسلمانوں کے زوال کا سبب معلوم ہوا کہ یہ دوسری قوموں کی پیروی کرنے لگیں گے۔ مذہب میں بھی تمدن میں بھی ثقافت میں بھی سیاست میں بھی صورت وشکل میں بھی اسی سے ان کا زوال شروع ہو جائے گا۔ مسلم قوم کو دنیا کی امانت سونپی گئی تھی۔ جب امام امانت کو چھوڑ کر مقتدی بن جائے تو زوال یقینی ہے۔ اول خلافت عباسیہ میں ایرانی تمدن نے جگہ لی عربی تمدن ختم ہوگیا۔ پھر رفتہ رفتہ تمام بلاد اسلام میں دوسری قوموں کا تمدن گھر کرنے لگا اور اب تو یہ حالت ہے کہ سیاسیات میں بھی دوسری قوموں کا اتباع کیا جا رہا ہے۔ وہ الیکشن کی لعنت جو یورپ میں ہے۔ مسلمانوں میں آ گئی ہے۔

اسلام نے کہا تھا الرجال قوامون علی النساء مرد عورتوں کے نگران ہیں۔ مسلمان بھی یورپ کی دیکھا دیکھی عورتوں کو مردوں کے مساوی بنا رہے ہیں، ان کو بھی الیکشن لڑنے کا اور انتخابات میں رائے دینے کا حق دیا جا رہا ہے وزارت تک میں ان کو لیا جا رہا ہے۔ مرد کو دوسری شادی کرنے کیلئے پہلی بی بی سے اجازت لینے کو ضروری قرار دیا جا رہا ہے، بیٹے کے ہوتے ہوئے پوتے کو وارث بنایا جا رہا ہے، تعلیم مخلوط کو رواج دیا جا رہا ہے، لڑکے لڑکیاں ساتھ ساتھ تعلیم پائیں۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ لڑکے فیل اور

لڑکیاں پاس ہو رہی ہیں۔ پردہ اٹھایا جا رہا ہے۔ بے پردگی کو رواج دیا جا رہا ہے۔ سینما کی گرم بازاری ہے، جس میں مردوں سے زیادہ عورتیں حصہ لے رہی ہیں۔ اسکولوں میں لڑکیوں کو رقص و سرور کی تعلیم دی جا رہی ہے، علوم اسلامیہ کی تعلیم اسکول کالجوں میں برائے نام ہے، علوم عصریہ ہی کی تعلیم پر زور دیا جا رہا ہے۔ طلبہ میں دین سے اخلاق سے آزادی کی وبا پھیل رہی ہے۔ کوئی کمیونزم کا حامی ہے، کوئی سوشلزم کا کوئی احکام دین میں ترمیم کر رہا ہے۔ اور دعویٰ یہ ہے کہ ہم کو بھی دین میں فتویٰ دینے کا حق ہے۔ فتویٰ دینا کسی خاص طبقہ کی جاگیر نہیں ہے۔ مگر سوال یہ ہے کہ کیا صرف انگریزی یا اردو میں قرآن وحدیث کا ترجمہ دیکھ کر یہ درجہ حاصل ہوسکتا ہے، یا اس کے لئے باقاعدہ تعلیم عربی بھی حاصل کرنا ضروری ہے۔ اگر آپ ترجمہ سے عالم دین بن سکتے ہیں تو ترجمہ پڑھ کر کسی کو ڈاکٹر بننے، وکیل بیرسٹر بننے، انجینئر اور پروفیسر بننے کی بھی اجازت دے دیجئے اور اگر ان علوم کے لئے باقاعدہ تعلیم حاصل کرنا اور امتحان پاس کرنا ضروری ہے تو مفتی دین بننے کے لئے اس کی ضرورت کیوں نہیں؟

یاد رکھئے صرف وسعت مطالعہ اور تراجم پڑھ لینے سے کوئی بھی کسی علم کا عالم نہیں بن سکتا، اکبر حسین جج مرحوم نے صحیح فرمایا ہے

انہوں نے دین کب سیکھا ہے رہکر شیخ کے گھر میں
پلے کالج کے چکر میں مرے صاحب کے دفتر میں

ابوحیان توحیدی نے کہا ہے۔ **ومن طلب العلوم بغير شيخ يضل عن الصراط المستقيم** جو شخص بغیر شیخ (استاد) کے عالم بننا چاہے گا صراط مستقیم سے گمراہ ہو جائیگا۔ یعنی صراط مستقیم کو گم کر دے گا۔ بعض لوگوں کو علماء پر اعتراض ہے کہ انہوں نے اجتہاد کا دروازہ بند کر کے لوگوں کی ہمتیں پست کر دی ہیں ان لوگوں کو معلوم ہونا چاہیے کہ جس اجتہاد کا دروازہ بند کر دیا گیا ہے۔ وہ اجتہاد مطلق ہے جس میں قرآن وحدیث سے استنباط احکام کے اصول بیان کئے جاتے ہیں۔ چونکہ فقہاء اربعہ نے ان اصولوں کو پوری طرح بیان کر دیا ہے کہ اب نہ ان پر اضافہ کیا جا سکتا ہے نہ اس سے بہتر اصول کوئی بیان

کر سکتا ہے۔ اس لئے اب اجتہاد مطلق کی ضرورت نہیں۔

علامہ سیوطیؒ کو ایک وقت یہ خیال ہوا تھا کہ ان کو اسباب اجتہاد میسر ہو گئے ہیں۔ علماء عصر نے مجتمع ہو کر ان کو بلایا اور کہا اگر آپ کو درجہ اجتہاد حاصل ہے تو ائمہ اربعہ کے اصول چھوڑ کر اپنے اصول بیان فرمائیں اس پر انہوں نے اعتراف کیا کہ واقعی نہ اصول پر اضافہ ہوسکتا ہے نہ ان سے بہتر اصول کوئی بیان کر سکتا ہے۔ یہ اجتہاد ان ائمہ پر ختم ہو چکا ہے۔

مگر اجتہاد مقید کا دروازہ بند نہیں ہوا کہ ان اصول کو پیش نظر رکھ کر مسائل کا جواب دیا جائے یہ اجتہاد قیامت کے قریب تک جاری رہے گا اور علماء اصول ائمہ کو سامنے رکھ کر قیامت تک کے حوادث کا جواب دیتے رہیں گے۔ مگر ظاہر ہے کہ اس طرح ہر شخص تو مجتہد نہیں بن سکتا۔ اس کے لئے اصول سے پوری واقفیت لازم ہے مگر آج کل علوم قرآن و حدیث و اصول فقہ میں کمال کون حاصل کرتا ہے علوم عصریہ ہی میں کمال حاصل کرتے ہیں، دوسری ہی قوموں کی اتباع میں خوش ہیں، کھانے پینے کا طریقہ بھی وہی یورپین طریقہ ہے، میز کرسی پر کھاتے ہیں اور انگریزی طریقہ ہی سے کھاتے ہیں، لباس اور صورت شکل میں بھی ان ہی کا اتباع ہے۔ ہمارے بچپن میں سلاطین یورپ ڈاڑھی رکھتے تھے تو مسلمان بھی رکھتے تھے اب انہوں نے منڈانا شروع کیا تو یہ بھی منڈانے لگے۔ ایک حکومت سعودیہ تو اس بلا سے محفوظ ہے کہ ان کا لباس بھی عربی ہے، چہروں پر داڑھی بھی ہے گو بڑی نہیں۔ جب میں ۱۹۴۹ء میں پاکستان کے وفد خیر سگالی میں شامل ہو کر مکہ معظّمہ پہنچا اور وفد نے سلطان عبدالعزیز بن سعود سے ملاقات کی تو میرے سوا سب ڈاڑھی کا شیو کئے ہوئے تھے۔ سلطان نے مجھ سے پوچھا (کیونکہ میں ہی عربی میں ان سے گفتگو کر رہا تھا) **مالی لا اری فیھم ذی الاسلام** کیا بات ہے میں آپ کے ساتھیوں میں اسلام کی شکل وصورت نہیں دیکھتا؟ میں نے عرض کیا کہ یہ لوگ ابھی تک حکومت انگریز کے ماتحت تھے ابھی آزادی نصیب ہوئی ہے انشاء اللہ بتدریج اسلامی شکل اختیار کرلیں گے۔

سلطان نے فرمایا ان سے کہہ دو کہ اس آیت پر عمل کریں اَلَّذِیْنَ اِنْ مَّکَّنّٰهُمْ فِی الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَ اٰتَوُا الزَّكٰوةَ وَ اَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَ نَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ وَ لِلّٰهِ عَاقِبَةُ الْاُمُوْرِ مسلمان عام طور سے داڑھی کو اسلامی شعار سمجھتے ہیں سلطان نے بھی اس کو ذی الاسلام قرار دیا۔ ڈاڑھی مونڈنے والے بھی نماز کا امام ڈاڑھی منڈے کو نہیں بناتے مسلمانوں کو اپنے ضمیر سے پوچھنا چاہیے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی داڑھی تھی یا نہیں؟ ان کو قرآن و حدیث سے معلوم ہوگا کہ جملہ انبیاء علیہم السلام داڑھی رکھتے تھے۔قرآن میں ہے۔ یا ابن ام لا تَاْخُذْ بِلِحْيَتِيْ وَ لَا بِرَاْسِيْ اِنِّيْ خَشِيْتُ اَنْ تَقُوْلَ فَرَّقْتَ بَيْنَ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ وَ لَمْ تَرْقُبْ قَوْلِيْ ط اے بھائی (موسیٰ) میری ڈاڑھی اور سر کے بالوں کو نہ پکڑو۔الخ۔حدیث میں ہے۔

﴿لکن ربی امرنی باعفاء اللحی و قص الشوارب﴾
''میرے رب نے تو مجھے داڑھی بڑھانے اور مونچھیں کترنے کا حکم دیا ہے''

رہا یہ کہ داڑھی کہاں تک بڑھانی چاہیے تو عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ جو صحابہ میں سب سے زیادہ متبع آثار رسول مانے جاتے ہیں بتلا دیا ہے کہ ایک مشت تک بڑھانا ضروری ہے۔

(۹) اس حدیث میں مسلمانوں کے عروج کا راز بتلایا گیا ہے کہ وہ دنیا کو جیل خانہ سمجھتے ہیں جبکہ کافر اس کو جنت سمجھتے ہیں، حدیث میں اس پر بھی اشارہ ہے کہ مسلمان کافر کی جنت پر اسی وقت غالب ہو سکتے ہیں جب خود دنیا کو جنت نہ بنائیں۔ اگر یہ بھی دنیا کو جنت بنائیں اور اس سے دل لگالیں تو کافر کی جنت پر غالب نہیں ہو سکتے کیونکہ یہ تمہاری جنت نہیں ہے کافر کی جنت ہے حضرات صحابہ اور تابعین کے عروج کا راز یہی تھا کہ وہ دنیا کو جنت نہیں سمجھتے تھے۔جیل خانہ سمجھتے تھے اور شہادت کے طالب تھے۔

مسیلمہ کذاب اور اسود عنسی کے قتل کئے جانے کے بعد طلیحہ بن خویلد اسدی نے دعویٰ نبوت کیا تو صحابہ نے اس کو بھی نہ بخشا اور اس کے قتل کے لئے فوج بھیج دی طلیحہ بن

خویلد کی فوج چالیس ہزار سے اوپر تھی اور صحابہ کی فوج پانچ ہزار سے کچھ زیادہ تھی، مقابلہ ہوا تو طلیحہ کو شکست ہوئی اور میدان سے بھاگ گیا، طلیحہ نے اپنے وزیر سے پوچھا کہ مسلمانوں کی فوج تعداد میں ہم سے بہت کم تھی پھر کیا وجہ ہے کہ ہماری فوج کو شکست ہو گئی۔ وزیر نے کہا کہ مسلمان تو یہ کہتے ہیں کہ اللہ کی مدد ان کے ساتھ ہے مگر اتنی بات میں نے بھی دیکھی ہے کہ ہماری فوج کا ہر سپاہی یہ چاہتا تھا کہ میں بچ جاؤں۔ میرے پاس والے مارے جائیں اور مسلمانوں کا ہر سپاہی یہ چاہتا تھا کہ میں پہلے شہید ہو جاؤں۔ دوسرے میرے بعد ہوں تو جو قوم موت سے بیخوف ہو کر شہادت کی طالب ہو اس کا مقابلہ کون کرسکتا ہے۔ بعد میں طلیحہ نے دعوائے نبوت سے توبہ کی اور سچا مسلمان ہو گیا، فتوحات شام وعراق میں بڑے کارنامے انجام دیئے جو قوم دنیا کو جیل خانہ سمجھے گی وہ دنیا کو دین پر مقدم نہ کرے گی احکام الٰہی کی پوری پیروی کرے گی اور ہر وقت جہاد کے لئے تیار اور شہادت کی طلب گار رہے گی۔ پھر اس کا مقابلہ کون کرسکتا ہے۔

(۱۰) اس حدیث میں بھی مسلمانوں کے عروج کا طریقہ بتلایا گیا ہے کہ وہ دنیا میں اس طرح رہتے ہیں جیسے پردیسی پردیس میں رہتا ہے اور ظاہر ہے کہ پردیس سے دل کون لگاتا ہے انسان پردیس میں رہ کر اپنے اصلی وطن کے لئے دولت جمع کرتا ہے، اسی طرح مسلمان دنیا میں رہ کر جنت کے لئے سامان جمع کرتا ہے کہ وہی اس کا وطن اصلی ہے اور بعضے خاص لوگ تو دنیا میں ایسے رہتے ہیں جیسے مسافر راستہ میں کسی جگہ پڑاؤ کرتا ہے ظاہر ہے کہ پڑاؤ سے دل کون لگاتا ہے، اس میں تھوڑی دیر کے لئے ٹھہرتا اور بقدر ضرورت آرام کا سامان کرتا ہے، جب مسلمان دنیا کو اپنا گھر نہ سمجھتے تھے جنت کو وطن اصلی جانتے تھے تو ان کے اعمال، اخلاق، معاشرت اور معاملات سب شریعت کے موافق ہوتے تھے تاکہ وطن اصلی میں اعمال صالحہ کا ذخیرہ پہنچائیں دنیا سے بقدر ضرورت تعلق رکھتے تھے موت سے گھبراتے نہیں تھے بلکہ اس کے مشتاق رہتے تھے کہ وہی پردیس سے اصلی وطن پہنچنے کا وقت ہے۔ اب مضمون تو ختم ہو گیا ہے۔ تتمہ کے طور پر چند واقعات بیان کرنا چاہتا ہوں۔

(۱) ہرمزان فارسی فارس کا بڑا بہادر نواب تھا۔ اس نے مسلمانوں سے جنگ کی اور شکست کھا کر گرفتار ہوا پھر صلح کر کے رہا ہو گیا، شرائط صلح کی خلاف ورزی کر کے پھر مقابلہ پر آیا اور گرفتار کر کے مدینہ بھیج دیا گیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے سامنے پیش ہوا تو انہوں نے فرمایا۔

ہرمزان! تم نے دیکھا اللہ تعالیٰ نے تمہاری سلطنت کو کیسا پارہ پارہ کیا اور تم کیسے ذلیل ہوئے؟

ہرمزان نے کہا مجھے جواب دینے کی اجازت ہے؟

فرمایا ہاں کہو کیا کہنا چاہتے ہو۔

ہرمزان نے کہا کہ یا عمر **اذا کنا نحن وانتم غالبنا کم واذا کان اللّٰہ معکم فاللّٰہ لا بغالب**۔ اے عمر جب تک ہمارا تمہارا مقابلہ تھا ہم ہی تم پر غالب تھے، مگر جب اللہ تعالیٰ آپ کے ساتھ ہو گئے تو اللہ کا مقابلہ کون کر سکتا ہے؟ مسلمانوں کے احوال وافعال سے کفار بھی یہ سمجھنے پر مجبور تھے کہ اللہ کی غیبی امداد ان کے ساتھ ہے۔

(۲) جب مسلمانوں نے مدائن کسریٰ فتح کر لیا تو یزدگرد شاہ فارس ادھر ادھر مارا مارا پھرنے لگا جہاں جاتا بھاگی ہوئی فوج اس کے پاس جمع ہو جاتی اور وہ پھر مسلمانوں کا مقابلہ کرتا بلخ پہنچ کر اس نے خاقان چین کو خط لکھا کہ بادشاہ بادشاہوں کی امداد کیا کرتے ہیں، اس وقت آپ میری مدد کیجئے، عربوں نے مجھ پر حملہ کر کے مجھے شکست دیدی ہے اور میرے اور میرے ملک پر قبضہ کر لیا ہے۔ خط پڑھ کر خاقان چین نے قاصد سے کہا ہم نے سنا مسلمانوں کی فوج بہت کم تھی (چالیس ہزار سے زائد نہ تھی) اور تمہاری فوج بہت تھی (بعض مواقع پر ڈھائی لاکھ کے لگ بھگ تھی) تمہارا سامان جنگ بھی ان سے بہتر تھا پھر وہ کیسے غالب ہو گئے؟ قاصد خاموش رہا تو خاقان چین نے کہا اچھا بتلاؤ ان کے اخلاق کیسے ہیں؟ قاصد نے کہا وہ بات کے سچے ہیں اور وعدے کے پکے جس سے جو وعدہ کر لیتے ہیں اس کے خلاف نہیں کرتے، جس علاقہ کو فتح کر لیتے ہیں وہاں کے باشندوں سے عدل وانصاف کرتے اور رعایا کی بہبود وامن وعافیت کا پورا

بندوبست کرتے ہیں۔ قانون سب کے لئے برابر ہے، خواہ شریف ہو یا چھوٹی قوم کا ہو ان کے خلیفہ کا بیٹا بھی اگر جرم کرتا ہے تو دوسروں کی طرح اس پر بھی قانون جاری کیا جاتا ہے۔ اللہ کو بہت یاد کرتے ہیں اپنے امیر کی پوری اطاعت کرتے ہیں۔ خاقان نے قاصد کا جواب سن کر شاہ فارس کو خط لکھا کہ بیشک بادشاہ بادشاہ کی مدد کرتے ہیں میں آپ کی مدد کے لئے ایسا لشکر جرار بھیجتا کہ اس کا ایک سرا چین میں اور دوسرا سرا بلخ میں ہوتا ہے مگر تمہارے قاصد کی زبانی مجھے عربوں کا جو کچھ حال معلوم ہوا ہے اس سے میں سمجھتا ہوں کہ خدا کی مدد ان کے ساتھ ہے۔ ان سے جنگ کر کے آپ کبھی کامیاب نہ ہوں گے۔ میری رائے یہ ہے کہ آپ ان سے صلح کر لیں (تاریخ طبری)

اب مسلمان خود سوچ لیں کہ ان کی کامیابی اور عروج کے اسباب کیا ہیں، اور ان کا چھوڑنا ہی ان کا زوال ہوا۔ اقبال مرحوم نے سچ کہا ہے۔

وہ زمانے میں معزز تھے مسلماں ہو کر — تم ہوئے خوار تو بس تارک قرآں ہو کر

ضرورت ہے کہ مسلمان سچے مسلمان بن جائیں پھر یہی سب پر غالب ہوں گے۔ وَاَنتُمُ الاَعلَونَ اِن کُنتُم مُؤمِنِینَ. والسلام

﴿مذاکرہ﴾

سوالات

۱۔ جہاد ستمبر میں ہماری فتح کے اسباب کیا تھے؟

۲۔ اس جہاد سے ہمیں کیا سبق ملے اور کیا فوائد حاصل ہوئے؟

۳۔ کیا اس واقعے کے بعد ہماری زندگی میں کوئی تبدیلی آئی ہے؟

۴۔ حق و باطل کا معرکہ کبھی بند نہیں ہوتا، باطل کی تیاریاں واضح ہیں، اس کے جواب میں مسلمانوں کی تیاریاں کس نہج پر ہونی چاہئیں۔

۵۔ جہاد ستمبر میں علماء کا کردار کیا تھا؟ اور آئندہ ایسے مواقع پر کیا ہونا چاہیے؟

آپ کے سوالنامہ کا جواب مختصراً یہ ہے کہ

(۱) جہاد ستمبر ۱۹۶۵ء میں پاکستان کی فتح کے اسباب میں بڑی وجہ نصرت الٰہی تھی جس پر واقعات شاہد ہیں جن کی کچھ تفصیل جنگ و جہاد نمبر خاتون پاکستان بابت جنوری ۱۹۶۶ء میں بھی ہے علالت طبع کی وجہ سے نقل نہ کر سکا۔ اور نصرت الٰہی نے پاکستان کو کیوں نوازا؟ حقیقی علم تو اللہ ہی کو ہے مگر بظاہر اس کے اسباب حسب ذیل ہیں۔

۱۔ صدر پاکستان کا کلمہ طیبہ لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ پڑھ کر جنگ کا نہیں بلکہ جہاد کا اعلان کرنا۔

۲۔ اس اعلان کے بعد سارے پاکستانی مسلمان جذبہ جہاد سے سرشار ہو گئے۔ بڑے چھوٹے مرد و عورت سب میں یہی جذبہ کارفرما تھا عورتوں نے زیوروں سے، بچوں نے اپنی ناشتہ کی رقم سے، اہل وسعت نے کپڑوں سے، اہل ثروت نے اپنی دولت سے

اس جہاد میں خوب امداد کی تاجروں نے نفع خوری، راشیوں نے رشوت خوری، چوروں نے چوری، ڈاکوؤں نے ڈاکہ زنی، بدمعاشوں نے بدمعاشی چھوڑ دی، فوج نے نعرہ تکبیر اور تلاوت قرآن شروع کر دی اکثر مسلمان نمازی اور نیک بن گئے۔ پاکستانی مسلمانوں نے اپنے اختلافات چھوڑ کر اتحاد و اتفاق کو اپنا شعار بنالیا۔

پاکستان سے باہر بھی عام طور سے سب مسلمان فتح پاکستان کے لئے دعائیں کرتے تھے اور انڈونیشیا، ترکی، ایران، اردن اور حکومت سعودیہ نے تو پوری طرح حمایت پاکستان کا اعلان کر دیا اور کہہ دیا کہ پاکستان کو جس قسم کی امداد کی ضرورت ہوگی ہم اس کے لئے حاضر ہیں۔

۳۔ پاکستانی فوج پاکستان کی فتح اور غلبہ کے لئے جان کی بازی لگائے ہوئے تھی۔

۴۔ پاکستانی فوج کی نظر خدا پر تھی، ظاہر سامان پر نہ تھی اس لئے باوجود قلت تعداد اور قلت سامان کے اپنے سے چھ گنی فوج کے مقابلہ پر ڈٹی رہی جو قوت اسلحہ میں اس سے دس گنی تھی۔

۵۔ ہمارے ادبا اور شعراء اور علماء نے بھی جذبہ جہاد کو قوم میں خوب بیدار کیا، علماء نے فضائل جہاد پر تقریریں کیں کتابچے لکھ کر فوج میں بھیجے، ادباء اور شعراء نے اپنی نظموں اور گیتوں سے فوج کے حوصلے بڑھائے۔

۶۔ائمہ مساجد نے صبح کی نماز میں قنوت نازلہ شروع کر دی جس سے سب مسلمانوں کے دل فتح و نصرت کی دعا میں مشغول ہو گئے۔

(۲) اس جہاد سے ہمیں ایک سبق تو یہ ملا کہ جب کفار سے مقابلہ کی نوبت آئے تو سربراہ مملکت کو اعلان جنگ نہیں بلکہ اللہ کا نام لیکر جہاد کا اعلان کرنا چاہیے۔ اعلان جہاد کا مسلمانوں کے دلوں پر خاص اثر ہوتا ہے۔

دوسرے یہ کہ اس موقعہ پر مسلمانوں کو اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہو جانا چاہیے اس کی نصرت و امداد کا طالب ہونا چاہیے اپنے سامان یا دوسروں کی امداد پر بھروسہ نہ کرنا چاہیے۔ ظاہری سامان بھی ضرور کیا جائے کہ اَعِدُّوْا لَهُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ مِنْ قُوَّةٍ میں

اس کا امر بھی ہے دوسروں سے امداد لینے کا بھی مضائقہ نہیں جبکہ وہ ہمارے جھنڈے تلے ہوں مگر بھروسہ اللہ پر کرنا چاہیے وعلی اللّٰہ فلیتوکل المؤمنون.

تیسری یہ کہ جذبہ جہاد کو مسلمانوں کی دینی اور اخلاقی اصلاح میں بڑا دخل ہے جب تک یہ جہاد جاری رہا پاکستانی مسلمان بہت نیک بن گئے تھے جس پر سب کو حیرت تھی مگر جہاد ختم ہوتے ہی پھر وہی حالت ہوگئی جو جہاد سے پہلے تھی غالباً اسی لئے فقہاء نے فرمایا ہے کہ امام کو ہر سال کسی نہ کسی طرف جہاد کرنا چاہیے جہاں کفر کا غلبہ ہو اور مسلمانوں سے معاہدہ نہ ہو، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے جو پہلا خطبہ اپنی خلافت میں دیا تھا اس میں فرمایا تھا کہ جو قوم جہاد کو چھوڑ دیتی ہے ذلیل ہو جاتی ہے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے خلاف جب باغیوں نے سر اٹھایا حضرت عثمانؓ نے اپنے اعمال سے اس کا سبب دریافت کیا تو ایک گورنر نے کہا اس کا سبب یہ ہے کہ آپ نے فوجوں کو آگے بڑھنے سے روک دیا ہے۔ فرمایا میرا مقصد یہ تھا کہ مقبوضہ علاقہ کا نظم ونسق مکمل ہو جائے تو آگے بڑھا جائے۔ عامل نے کہا کہ مقبوضہ علاقہ کا نظم ونسق آپ کے عمال اچھی طرح کرلیں گے۔ فوجوں کو پیش قدمی سے نہ روکا جائے، فرمایا بہتر ہے اب تم سب واپس جا کر فوجوں کو پیش قدمی کا حکم دیدو، مگر وہ ابھی اپنی جگہ واپس بھی نہ پہنچے تھے کہ باغیوں نے خلیفہ مظلوم کا کام تمام کر دیا۔

چوتھے یہ کہ اس جہاد سے پاکستان کا رعب کفار کے دلوں میں بیٹھ گیا اور دنیا کو پاکستان کی قوت کا اندازہ ہوگیا کہ اس سے ٹکر لینا آسان نہیں، پاکستان کا وقار بلند ہوگیا۔ وَجَعَلَ كَلِمَةَ الَّذِيْنَ كَفَرُوا السُّفْلٰى وَ كَلِمَةُ اللّٰهِ هِيَ الْعُلْيَا.

(۳) افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ اس جہاد کے ختم ہوتے ہی ہماری دینی واخلاقی حالت میں جو بہترین انقلاب آیا تھا ختم ہوگیا، پھر وہی حالت ہوگئی، جو جہاد سے پہلے تھی۔ البتہ سیاسی اور عسکری قوت میں برابر اضافہ ہو رہا ہے، مگر میں بتلا چکا ہوں کہ فتح و نصرت کیلئے یہ کافی نہیں۔ اللہ کی نصرت کے اسباب اختیار کرنے کی بھی ضرورت ہے جس کا طریقہ اصلاح اعمال و اخلاق ہے جیسا جہاد کے دنوں میں ہوا تھا۔ ان ینصرکم اللّٰہ

فَلَا غَالِبَ لَكُمْ وَاِنْ يَّخْذُلْكُمْ فَمَنْ ذَا الَّذِىْ يَنْصُرُكُمْ مِنْۢ بَعْدِهٖ وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ.

(۴) مسلمانوں کو ہمیشہ جہاد میں مشغول رہنا چاہیے، جہاد کو ترک نہ کیا جائے جب جہاد جاری رہے گا اس کی تیاری بھی برابر جاری رہے گی، ظاہری قوت بھی بڑھتی رہے گی اور دینی واخلاقی حالت بھی درست ہوتی رہے گی۔

(۵) علماء کو لازم ہے کہ مسلمانوں میں جذبہ جہاد کو بیدار رکھیں اصلاح اعمال و اخلاق کی تاکید کرتے رہیں، جو حضرات علماء درس وافتاء کی ذمہ داری سے فارغ ہوں وہ عملی طور پر خود بھی فوج اسلامی میں بھرتی ہو جائیں اور اعلان جہاد کے بعد علماء اپنی تمام توانائیاں جذبہ جہاد پیدا کرنے میں صرف کر دیں اور یہ بات مسلمانوں کے دلوں میں بٹھلا دیں کہ محض ظاہری قوت غلبۂ مسلمین کے لئے کافی نہیں بلکہ نصرت الٰہی کو ساتھ لینا بھی ضروری ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کو جنگ قادسیہ کے موقعہ پر خط لکھا تھا کہ مسلمان کفار پر اسی لئے غالب ہوتے ہیں کہ یہ اللہ تعالیٰ کے مطیع ہیں اور وہ نافرمان ہیں اگر مسلمان بھی نافرمان بن جائیں گے۔ خدا کی مدد ان کیساتھ نہ ہوگی پھر مقابلہ ظاہری قوت وطاقت سے ہوگا اور اس میں کفار کا پلہ ہی بھاری ہوتا ہے۔ (او کما قال والمستدرک)

درحدیث دیگراں

''پاکستان فضا پر پوری طرح چھایا ہوا ہے، اگر بھارتی طیارے فضا سے بالکل ہی بھاگ نہیں گئے تو کم از کم اس قدر حتم ویقین کے ساتھ کہا جاسکتا ہے کہ انہیں فضا سے بے دخل ضرور کر دیا گیا ہے۔ بھارتی ہوا باز پاکستانی ہوا بازوں کے مقابلہ میں بہت ہی گھٹیا درجہ کے ہیں۔ بھارتی افسروں میں قیادت کی صلاحیتیں بری طرح مفقود ہیں۔ بھارت ایک ایسے ملک کے ہاتھوں پٹ رہا ہے جو آبادی میں اس سے ساڑھے چار گنا چھوٹا اور مسلح افواج کے اعتبار سے تین گنا چھوٹا ہے''۔

رسالہ انکشاف الحقیقہ عن استخلاف الطریقہ

بعد الحمد والصلوۃ کمترین غلامان خانقاہ امدادیہ افاض اللہ برکاتہا علی العالمین احقر ظفر احمد عفاء اللہ عنہ عرض کرتا ہے کہ بعض احباب کو اس جگہ پر خدشہ پیش آتا ہوگا کہ احمد حسن سنبھلی اگر فانی و واصل ہو چکا تھا جیسا کہ حضرت حکیم الامت کی اجازت و خلافت عطا کرنے سے یہی مفہوم ہوتا ہے تو پھر اس سے خلافت سلب کیوں کی گئی کیونکہ سلب خلافت اس کے غیر فانی وغیر واصل ہونے کی دلیل ہے۔ حالانکہ فانی و واصل مردود نہیں ہوسکتا۔

صوفیہ کا مقولہ مشہور ہے الفانی لا یرد اور عوارف المعارف میں ہے الواصل الذی یصلہ اللہ فلا یخشی علیہ القطع ابداً وقال ذو النون بارجع من رجع الامن الطریق ما وصل الیہ احدٌ فرجع منہ (منقول از مکتوبات قدوسیہ ص ۲۳۸)

پس یہ تو نہیں ہوسکتا کہ وہ بعد وصول کے غیر واصل ہوگیا ہو لامحالہ یہی کہا جائے گا کہ وہ پہلے ہی سے واصل نہ ہوا تھا اس پر یہ اشکال پڑتا ہے کہ پھر ایسی حالت میں حضرت شیخ نے اس کو اجازت وخلافت ہی کیوں عطا فرمائی تھی اس اشکال کا جواب یہ ہے کہ اجازت و اعطاء خلافت کا مبنی اور چیز ہے اور وصول و قبول عند اللہ دوسری چیز ہے پس الفانی لا یرد یہ مقدمہ تو بالکل صحیح ہے مگر اس کیلئے المجاز لا یرد لازم نہیں تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ حصول نسبت اور وصول الی اللہ فقط اس کا نام نہیں ہے کہ صرف بندہ کو حق تعالی سے تعلق ہو جائے بلکہ حصول نسبت حقیقت میں اس کا نام ہے کہ بندہ کو خدا تعالی سے تعلق ہو جائے اور خدا تعالی کو بندہ سے تعلق ہو جاوے کیونکہ نسبت تعلق بین الشیئین کا نام ہے جس کے لئے طرفین سے تعلق کا ہونا ضروری ہے ورنہ وہ ایسی نسبت ہوگی ۔

وقوم یدعون وصال لیلی ولیلی لاتقر لہم بذا کا

جیسا کہ ایک طالب علم سے کسی نے پوچھا تھا کہ آجکل کس مشغلہ میں ہو اس

نے کہا شہزادی سے نکاح کرنے کی فکر میں ہوں ۔ جب اس نے دریافت کیا کہ اس کے واسطے تم نے کیا سامان کیا تو وہ فرماتے ہیں کہ آدھا سامان تو ہوگیا آدھا باقی ہے یعنی میں تو راضی ہوں مگر وہ راضی نہیں اور نکاح طرفین کی رضا سے منعقد ہوتا ہے تو میرا راضی ہونا یہ نصف نکاح ہے۔ اور اس کا لغو ہونا ہر شخص پر ظاہر ہے۔

جب یہ بات سمجھ میں آگئی تو اب سمجھئے کہ جس واصل کی نسبت آئمہ صوفیہ کا ارشاد ہے کہ "**الفانی لایرد والو اصل لایقطع**" اس سے مراد وہی واصل ہے جس سے خدا تعالیٰ کو بھی تعلق ہو جاوے۔ جس کی دلیل عوارف کا یہ قول مذکور ہے **الواصل الذی یصله الله** واقعی جس شخص سے حق تعالیٰ کو تعلق ہو جائے گا وہ مردود یا مخذول و مقطوع کیونکر ہوسکتا ہے۔ اس کے بعد سمجھنا چاہیے کہ ہر چند کہ اجازت اور خلافت کے قابل تو حقیقت میں یہی واصل ہے۔ جس سے خدا تعالیٰ کو یہی تعلق ہو اور صحیح معنی میں صاحب نسبت کہلانے کا مستحق وہی ہے مگر ظاہر ہے کہ شیخ کو طالب کے تعلق مع اللہ کا تو علم ہوسکتا ہے مگر تعلق اللہ مع العبد کا علم اسے کیونکر ہوسکتا ہے۔ بندہ کے ساتھ خدا کے تعلق کا علم شیخ کو محض اس قاعدہ اکثریہ کی بنا پر ہوسکتا ہے کہ عادۃ اللہ یوں جاری ہے کہ جب بندہ کو خدا تعالیٰ کے ساتھ تعلق ہوتا ہے تو حق تعالیٰ کو بھی اس سے تعلق ہو جاتا ہے۔ وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا مجاہدہ کے بعد راہ ہدایت مفتوح کر دینے کا تو پختہ وعدہ ہے مگر محض اتنی بات سے واصل نہیں ہوتا وصول تعلق اللہ مع العبد کا نام ہے، اس کے متعلق اسی کے بعد ارشاد ہے۔ وان اللّٰه لَمَعَ الْمُحْسِنِيْنَ یعنی ہدایت سبیل کے بعد اگر طالب میں اخلاص واحسان کامل کی صفت پیدا ہوگئی تو اس وقت معیت حق اس کے ساتھ ہوگی اور وہ واصل ہو جائے گا۔

پس کبھی ایسا ہوتا ہے کہ ایک مرید نے طلب حق میں سعی اور مجاہدہ شروع کیا اور حسب وعدہ حق تعالیٰ نے طریق وصول اس پر مفتوح کر دیا لیکن ابھی مرید میں احسان و اخلاق کامل نہ پیدا ہوا تھا اس لئے اس کو واقع میں وصول نصیب نہ ہوا اور اخلاق کامل ایسا پوشیدہ امر ہے کہ اس کی اطلاع شیخ کو بجز قرائن اور وجدان یا کشف کے اور کسی طرح نہیں

ہوسکتی پس ممکن ہے کہ شیخ کسی طالب کو ریاضات ومجاہدات میں مشغول اور طریق وصول کو اس پر مفتوح دیکھ کر اپنے وجدان یا کشف سے اس کو صاحب اخلاص سمجھ جائے اور اجازت دیدے اور واقع میں وہ صاحب اخلاص نہ تھا کیونکہ وجدان یا کشف وقرائن یہ جملہ امور وحی آسمانی کی طرح قطعی تو نہیں ہیں۔ محض ظنی ہیں۔ جن میں خطاء وصواب دونوں کا احتمال ہے۔ پس شیخ جب کسی طالب کو دیکھتا ہے کہ یہ خدا کے ساتھ تعلق بڑھانے کی سعی کر رہا ہے اور ظاہر میں احکام و اوامر شرعیہ اس کی طبیعت ثانیہ بن گئی ہیں تو وہ قاعدہ اکثریہ کی بنا پر یہ سمجھ کر کہ جب اس کو خدا سے تعلق ہے تو امید ہے کہ حق تعالیٰ کو بھی اس سے تعلق ہوگا اس کو صاحب نسبت جان کر مجاز وخلیفہ کر دیتا ہے اور اکثر ایسا ہوتا ہے کہ حق تعالیٰ شیخ کے اس گمان کو سچا کر دیتے ہیں کہ جس کو وہ واصل سمجھتا ہے، حق تعالیٰ سچ مچ اسے واصل کر دیتے ہیں یعنی خود بھی اس سے اپنا تعلق معیت قائم کر دیتے ہیں۔ مگر قطعی ویقینی طور پر شیخ کو یہ خبر نہیں ہوسکتی کہ واقع میں اس شخص سے حق تعالیٰ کو تعلق ہے یا نہیں کیونکہ غیب کا حال سوائے خدا کے کوئی نہیں جانتا اور وحی کا باب مسدود ہو چکا اور وجدان وکشف غلطی وخطا سے محفوظ نہیں ہیں۔ پس کبھی ایسا ممکن ہے کہ جس شخص کی نسبت شیخ محقق عارف نے یہ امید وابستہ کی تھی کہ انشاء اللہ خدا تعالیٰ کو بھی اس سے تعلق ہو گیا ہوگا۔ واقع میں وہ ایسا نہ ہو اور اس شخص میں جو آثار تعلق مع اللہ کے نظر آئے ہوں وہ محض استدراج ہوں۔ اَفَاَمِنُوْا مَكْرَ اللّٰهِ فَلَا يَأْمَنُ مَكْرَ اللّٰهِ اِلَّا الْقَوْمُ الْخَاسِرُوْنَ ○ وفی الحدیث الصحیح ان الرجل لیعمل بعمل اھل الجنة حتی لا ببیقی بینه و بینها الاذراع فیسبق علیه الکتاب فیرجع ویعمل بعمل اھل النار فیدخل النار الحدیث وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَاَ الَّذِیْۤ اٰتَيْنٰهُ اٰيٰتِنَا فَانْسَلَخَ مِنْهَا فَاَتْبَعَهُ الشَّيْطٰنُ فَكَانَ مِنَ الْغٰوِيْنَ ○ وَلَوْ شِئْنَا لَرَفَعْنٰهُ بِهَا وَ لٰكِنَّهٗۤ اَخْلَدَ اِلَى الْاَرْضِ وَ اتَّبَعَ هَوٰىهُ الایة بلعم باعور کو سب لوگ واصل اور مقرب حق سمجھتے تھے کیونکہ ظاہر میں اس کی کرامات وخوارق ومجاہدات وریاضات کی کچھ حد نہ تھی۔ مگر درحقیقت یہ سب استدراج تھا اور واقع میں وہ مقرب نہ تھا۔

سیدنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بعض مسلمانوں کو ظاہری تقوی وطہارت کی وجہ سے مخلص سمجھ کر اتنا مقرب بنالیا تھا کہ منصب کتابت وحی ان کے سپرد کر دیا مگر بعد میں ایک کاتب وحی مرتد بھی ہوگیا پس خلاصہ کلام یہ ہوا کہ صوفیہ کا قول "الفانی لایرد والواصل لایقطع" فانی حقیقی واصل حقیقی کے بارہ میں ہے اور اجازت وخلافت عطا کرنے کا مدار فانیٔ وجدانی و واصل وجدانی ہوتا ہے کیونکہ یقینی طور پر کسی کا واصل حقیقی ہونا مشائخ کو معلوم نہیں ہوسکتا۔ یہی وجہ ہے کہ بجز ان صحابہ کے جن کے جنتی ہونے کی قطعی خبر وحی سے معلوم ہوچکی ہے باقی کسی امتی کو قطع اور یقین کے ساتھ جنتی نہیں کہا جاسکتا اور نہ ایسا کہنا جائز ہے تو پھر یقین کے ساتھ ہم کسی کے واصل ہونے کا کیونکر حکم لگا سکتے ہیں۔ لہٰذا اجازت کا مدار محض وصول وجدانی ہے جس میں کبھی خطاء کا ہوجانا ممکن ہے جیسا کہ کبھی مجتہد احکام سے بھی اجتہاد میں خطا ہوجاتی ہے۔ جس سے بعد میں وہ رجوع کرتا ہے۔

> فقہ میں ائمہ مجتہدین کے ایسے اقوال موجود ہیں جن سے انہوں نے بعد میں رجوع کیا (گو محقق عارف کے ایسے وجدانات میں جو طریق کے متعلق ہوں غلطی بہت ہی شاذ و نادر اور کم واقع ہوتی ہے جیسا کہ مجتہد احکام سے خطاء ولغزش بہت کم ہوتی ہے چنانچہ مجتہد کی تعریف ہی یہ ہے من کان صوابہ اکثر من خطاہ مجتہد وہ ہے جس کی رائے میں اصابت بہ نسبت خطاء کے زیادہ ہو اسی طرح محقق طریق کا وجدان اکثر تو درست ہی ہوتا ہے مگر امکان خطاء تو ضروری ہے اور قلت کے ساتھ وقوع بھی ہوتا جاتا ہے۔"

چنانچہ ہم اخیر میں حضرت قطب الاقطاب شیخ المشائخ شاہ عبدالقدوس صاحب نور اللہ مرقدہ کے چند مکتوبات مع ترجمہ کے پیش کرینگے جو آپ کے بعض خلفاء ومجازین کے نام ہیں۔ جن میں شیخ عبدالقدوس رحمۃ اللہ علیہ نے ان کو تحریر فرمایا ہے کہ تم مردود و مخذول ہوگئے اور ہم نے جو تم کو اجازت وخلافت دی تھی وہ باطل ہوگئی۔ اب کچھ باقی

نہیں رہا۔ یہ جواب تو اس تقدیر پر ہے جبکہ اجازت اور خلافت دینا اس امر کی شہادت ہو کہ یہ شخص فانی اور واصل بحق ہو چکا ہے۔ مگر اجازت و استخلاف کی یہ حقیقت زمانہ سابق کے موافق ہے۔

آجکل کے مشائخ نے بوجہ کوتاہی عمر وقلت فراغ وغیرہ کے اس میں کسی قدر توسع کرلیا ہے یعنی پہلے زمانہ میں تو اجازت وخلافت اسی وقت دی جاتی تھی جبکہ طالب شیخ کے وجدان یا کشف میں فانی اور واصل ہو چکا ہو اور متأخرین نے یہ دیکھ کر فناء کامل اور وصول کامل حاصل ہونے کے لئے عرصہ دراز کی ضرورت ہے اگر اس درجہ کا انتظار کر کے اجازت دی جایا کرے تو تعلیم وتلقین ذکر کا کام بند ہو جائے گا۔ اس لئے وہ اس وقت اجازت دے دیتے ہیں جبکہ طالب کو تلوین ابتدائی کے مقابل ایک درجہ تمکین کا عطا ہو جاوے اور ذکر اللہ کا غلبہ ایسا ہو جاوے کہ اکثر اوقات ذہول نہ ہوتا ہو اور مقام فنا و دیگر مقامات سلوک سے کچھ کچھ مناسبت حاصل ہو جاوے۔ گو ابھی رسوخ حاصل نہ ہوا ہو۔ اس درجہ میں پہنچ کر طالب فانی و واصل تو نہیں ہوتا مگر وصول کی قابلیت قریبہ ایسی حاصل ہو جاتی ہے کہ اگر طالب اپنے نفس کی نگہداشت اور رزائل کبر وعجب وغیرہ تمام معاصی سے اسی طرح کرتا رہے جس طرح ابتداء سلوک و مجاہدہ کے وقت کرتا تھا اور ذکر و معمولات پر دوام رکھے اور شیخ سے مثل سابق تعلق قائم رکھے تو ایک وقت میں ضرور واصل و فانی ہو جائے گا (اور اس درجہ میں طالب سے ان امور کی امید غالب ہوتی ہے کہ وہ ایسا ضرور کرتا رہے گا) اور چونکہ اس وقت طالب کو طریق سے مناسبت معتد بہا حاصل ہو چکی ہے تو وہ اس قابل ہو جاتا ہے کہ دوسروں کو وصول کا راستہ بتلا سکے، اس لئے اجازت دی جاتی ہے۔

اس کی نظیر بالکل ایسی ہے جیسے آجکل مدارس عربیہ میں درس معمول بہ تمام کرنے کے بعد طلبہ کو اجازت وسند دیدیتے ہیں اس کا یہ مطلب نہیں ہوتا کہ یہ طالب علم فاضل کامل اور عالم متبحر ہو چکا ہے کہ اس کو تمام علوم سے ایسی مناسبت راسخہ حاصل ہوگئی ہے جو کبھی زائل نہیں ہوسکتی اور اب اس سے کسی مسئلہ میں بھی غلطی نہ ہوگی اور جو کتاب

چاہے گا بے تکلف پڑھا سکے گا۔ ہرگز نہیں بلکہ طلبہ کو سند واجازت دینے کا حاصل صرف یہ ہوتا ہے کہ ان کو علوم مقصودہ سے فی الجملہ ایسی مناسبت واستعداد پیدا ہوگئی ہے کہ اگر یہ کتب بینی اور مطالعہ شروح وحواشی اور تعلیم وتدریس میں مشغول رہے تو کسی وقت انشاء اللہ تبحر وفاضل ہو جائیں گے اور محض اتنی مناسبت پیدا ہو جانے کے بعد سند دے دینے کا منشا یہاں بھی وہی ہے کہ اگر حصول مناسبت راسخہ اور تمام علوم میں تبحر کے بعد سند دی جایا کرے تو اس کے لئے زمانہ دراز کی ضرورت ہے اور آجکل لوگوں کو علوم دینیہ کے لئے سات آٹھ برس خرچ کرنا بھی گراں ہوتا ہے پندرہ بیس سال تو کون صرف کرسکتا ہے۔

پس جس طرح ایک طالب علم سند یافتہ مدرسہ سے نکل کر کتب بینی وتعلیم و تدریس کا کام کر کے دس پندرہ سال کے بعد عالم متبحر ہو جاتا ہے اسی طرح وہ طالب بھی جس کو مقامات سلوک سے کچھ مناسبت حاصل ہو چکی ہے اور شیخ نے اس کو اجازت تلقین وغیرہ دیدی ہے اگر برابر کام میں لگا رہا اور نگہداشت نفس سے غافل نہ ہوا تو کچھ عرصہ کے بعد فانی کامل راسخ وواصل ہو جاتا ہے۔ اور جس طرح کہ وہ طالب علم جو مدرسہ سے نکل کر جوتوں کی دکان لے بیٹھے اور دنیا کے دھندوں میں پڑ کر کتب بینی تدریس وغیرہ سے بالکل جدا ہو جائے تو چند سال میں اس کی وہ استعداد مناسبت علمیہ بالکل زائل ہو جاتی ہے جو مدرسہ سے فارغ ہوتے وقت حاصل تھی۔

اسی طرح وہ طالب جو مقامات سلوک سے قدرے مناسبت حاصل کرنے کے بعد اپنے نفس کی نگہداشت سے غافل ہو جائے اور تمکین کے بعد معاصی کا ارتکاب کرنے لگے اس کی مناسبت مذکورہ زائل اور قابلیت قریبہ وصول مفقود ہو جاتی ہے۔ اور جس طرح علوم ظاہرہ میں استاد کے ساتھ بے ادبی وگستاخی کو مناسبت علمیہ سے محرومی میں بڑا دخل ہے۔ اس سے بدرجہازاید طریق باطن میں شیخ کے ساتھ بے ادبی وگستاخی کرنے کو اس مناسبت باطنیہ کے سلب ہو جانے میں دخل عظیم ہے اس تقریر سے واضح ہوگیا کہ آجکل اجازت وخلافت جن لوگوں کو دی جاتی ہے وہ سب واصل وفانی نہیں ہوتے بلکہ ان میں سے بعض بعض افراد فانی وواصل ہوتے ہیں اور اکثر وہ لوگ ہیں جن کو قابلیت وصول

حاصل ہوگئی اور راستہ معلوم ہوگیا ہے۔ اگر وہ اس پر برابر چلتے رہے تو امید ہے کہ واصل ہو جائیں۔

پس آج کل کسی مجاز طریق کا بگڑ جانا کچھ زیادہ بعید نہیں ہے یہ لوگ اگر اجازت کے بعد ذکر و معمولات سے غافل اور نگہداشت نفس میں متساہل اور شیخ سے مستغنی و مستقل ہو جائیں تو ان کی حالت ضرور بگڑ جائے گی اور مناسبت باطنیہ جو کچھ حاصل ہوئی تھی سب سلب ہو جائے گی جیسا کہ طلبہ مدارس اگر علمی مشغلہ کو چھوڑ کر دنیوی کاروبار میں لگ جائیں تو وہ علمی مناسبت سے بالکل کورے ہو جاتے ہیں پس اس زمانہ میں جس خلیفہ و مجاز طریق کی بابت یہ معلوم ہو کہ اس کی حالت خراب و خستہ ہوگئی اور شیخ نے اس سے اپنی اجازت وخلافت کو سلب کرلیا ہے تو سمجھ لینا چاہیے کہ یہ شخص وقت اجازت وخلافت کے واصل وفانی اور صاحب نسبت نہ تھا بلکہ صرف صاحب مناسبت تھا۔ اور مردود ہونا صاحب نسبت کا باستحالہ عادیہ محال ہے نہ صاحب مناسبت کا

فائدہ

مجازین کو جان لینا چاہیے کہ صاحب نسبت اور صاحب مناسبت میں بڑا فرق ہے۔ صاحب نسبت سے حق تعالیٰ کو تعلق ہو جاتا ہے اور صاحب مناسبت کو صرف طریق معلوم ہو جاتا ہے۔ صاحب نسبت ہونے کی علامت یہ ہے کہ حق تعالیٰ ہی کو ہر چیز کا فاعل مشاہدہ کرے مخلوق کے فعل سے نظر بالکل اٹھ جاوے۔ کسی فعل میں مخلوق کو خدا کا شریک نہ پائے اور یہ مضمون محض درجہ اعتقاد میں نہ ہو بلکہ ہر وقت وجدانا اس کا مشاہدہ ہوتا ہو۔ وَمَا هُمْ بِضَآرِّيْنَ بِهٖ مِنْ اَحَدٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ وان يُرِدْكَ بِخَيْرٍ فَلَا رَآدَّ لِفَضْلِهٖ. جس کا اثر یہ ہوگا کہ مخلوق سے خوف وطمع بالکل معدوم ہو جائے گا (یعنی عقلاً) نیز جب کسی سے حق تعالیٰ کو تعلق ہوگا اور وہ فانی و واصل ہوگا تو اس کے لئے یہ بھی لازم ہے کہ اس شخص کا ارادہ اور خواہش بالکل فنا ہو جائے کہ اپنے واسطے کوئی حالت تجویز کرے۔ جس حالت میں حق تعالیٰ شانہ کہیں اس پر راضی رہے۔ کبر و عجب و حب جاہ وغیرہ سے

بالکل بری ہو۔ اگر تکبر و عجب وغیرہ باقی ہیں تو سمجھ لو کہ تم صاحب نسبت اور واصل و فانی نہیں ہو بلکہ تم کو صرف طریق کا علم ہو گیا ہے اور تم محض صاحب مناسبت ہو

فائدہ

اجازت کے بعد مجازین کو امور ذیل کی رعایت ضروری ہے تاکہ ترقی دائم رہے اور جو مناسبت طریق حق تعالیٰ نے عطا فرمائی ہے وہ سلب نہ ہو جائے۔

(۱) شیخ سے اپنے کو مستغنی اور مستقل نہ سمجھے بلکہ ہمیشہ اپنے کو اس کا محتاج سمجھے سال بھر میں دو چار دفعہ کم از کم اس کی زیارت سے مستفیض ہو اور ہر مہینہ خط و کتابت سے اپنے احوال کی اطلاع دیتا رہے۔ اجازت کے بعد اپنے کو شیخ سے مستغنی سمجھ لینا سد راہ اور سم قاتل اور باعث سلب مناسبت ہے۔ قال العلامة الشعرانی قلت مرة سیدی علی الخواصؒ اذا بلغ المرید مقام العرفان هل یستغنی عن شیخه فقال اذا بلغ المرید مقام شیخه افرد شیخه و قطع عنه فیتولاه الحق جل و علا فیفطمه عن الخلق جمیعا ما عدا رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم فانه لا یمکن رفع واسطة ابداویصیر الشیخ بعد فطام الحق جل و علا لهذا المرید کالظئر والدایة ویؤیده حدیث الارضاع بعد الحولین. فقلت له فاذن الشیخ یحتاج الیه مادام عند المرید هو او ارادة دون اللّٰه عز و جل قال نعم لیکسر هما عنه فاذاکسر هما عنه و ذالا فلاکدورة ولانقصان . اھ (ص ۵۷ ج ا کتاب المبین والاخلاق)

(ترجمہ) ”میں نے ایک بار سیدی علی خواص سے عرض کیا کہ جب مرید مقام عرفان پر پہنچ جائے تو کیا شیخ سے مستغنی ہو جاتا ہے فرمایا جب مرید اپنے شیخ کے مقام پر پہنچ جائے اس وقت اس کو شیخ سے الگ کر دیا جاتا ہے اور حق تعالیٰ اس کی پرورش خود فرماتے ہیں اور بجز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام مخلوق سے اس کا دودھ چھڑا دیا جاتا ہے باقی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے واسطہ کا قطع ہونا تو کبھی ممکن نہیں اور جب حق تعالیٰ اس

مرید کا دودھ چھڑا دیتے ہیں اس وقت شیخ اس کے لئے بمنزلہ دایہ اور کھلائی کے ہو جاتا ہے (یعنی اب دودھ تو نہیں پلاتا مگر حفاظت کیلئے شیخ کی پھر بھی ضرورت ہے جیسے دودھ چھوٹ جانے کے بعد بچہ کو دودھ پلانے کی ضرورت تو نہیں رہتی مگر گود میں لینے والی اور کھلانے والی کی ضرورت تو اب بھی ہے اگر بچہ دودھ چھوٹ جانے کے بعد تنہا رہا کرے اور اندر باہر اکیلا پھرا کرے تو ایک نہ ایک دن وہ ضرور ہلاکت میں پڑے گا۔ یہی حال مرید کا شیخ سے دودھ چھوٹ جانے کے بعد ہوتا ہے کہ ابھی اس کو عرصہ تک حفاظت شیخ کی ضرورت ہوتی ہے۔ خوب سمجھ لو ۱۲۔ جامع

اور حدیث الارضاع بعد الحولین اس کی تائید کرتی ہے میں نے عرض کیا کہ پھر تو جب تک مرید کے اندر خواہش اور ارادہ باقی رہے اس وقت تک شیخ کی اسے ضرورت ہے فرمایا ہاں تا کہ شیخ ان دونوں کو توڑ پھوڑ کر مرید سے نکال دے۔ پس جب وہ ان دونوں کو نکال دے گا پھر مرید میں نہ کچھ کدورت رہے گی نہ کچھ نقصان رہے گا۔ اھ۔

ناظرین کو اس عبارت سے معلوم ہو گیا ہو گا کہ مرید جب شیخ کے مقام پر پہنچ جائے اس وقت تو اس کا دودھ چھوٹتا ہے جس کے بعد بھی شیخ کی احتیاج تربیت میں رہتی ہے (گو تغذی میں نہ رہے) تو جو مرید شیخ کے مقام پر بھی ابھی تک نہیں پہنچا اس کا تو ابھی دودھ بھی نہیں چھوٹا۔ وہ شیخ سے کیونکر مستقل و مستغنی ہو سکتا ہے اور آج کل اکثر مجازین کو قبل از وصول بر مقام شیخ اجازت دیدی جاتی ہے جس کی وجہ اوپر مذکور ہو چکی ہے۔

(۲) اجازت کے بعد مجاز کو نفس کی نگہداشت اور مجاہدہ سے غافل نہ ہونا چاہیے ۔مجاہدہ کی اب بھی ضرورت ہے اور ہر وقت رہے گی۔

اندریں رہ مے تراش و میخراش   تادم آخر دمے فارغ مباش
تادمِ آخر دمے آخر بود   کہ عنایت با تو صاحب سر بود

وَاعْبُدْ رَبَّكَ حَتّٰى يَأْتِيَكَ الْيَقِيْنُ. حضرت حکیم الامت فرماتے ہیں کہ تمکین کے بعد مجاہدہ کی ضرورت پہلے سے زیادہ ہوتی ہے کیونکہ اس وقت طبعی، ذوق و شوق اور جوش کا غلبہ نہیں رہتا۔ جس سے قوی نفسانیہ پہلے مغلوب نہیں۔ اس وقت قوی

نفسانیہ پھر ابھرنا شروع ہوتے ہیں مگر تھوڑی دیر توجہ سے نفس درست ہو جاتا ہے۔ جیسے تعلیمیافتہ اور شائستہ گھوڑا بھی کبھی شرارت کرنے لگتا ہے مگر ذرا سے اشارہ سے ٹھیک ہو جاتا ہے۔ خصوصاً کبر و عجب و حب جاہ سے اجازت کے بعد نفس کی نگہداشت پہلے سے زیادہ ضروری ہے کیونکہ علوم و واردات و رجوع خلق سے ان امراض کا عود شروع ہوتا ہے۔

(۳) ذکر لسانی کا اجازت کے بعد بھی پابند رہے صرف مراکبات پر اکتفا نہ کرے معمولات حسب فرصت مناسب مقدار میں مقرر کر کے ان پر ہمت سے دوام کرے معمولات میں تلاوت قرآن اور درود شریف استغفار کی بھی معتد بہ مقدار ہونی چاہیے۔

(۴) حق تعالیٰ سے ہمیشہ لرزاں ترساں رہے اور اس نعمت کے حصول پر نازاں اور مطمئن نہ ہو استدراج و مکر سے ڈرتا رہے اور دعا کرتا رہے کہ خداوند اس نعمت کو سلب نہ کیجیو بلکہ روز بروز اس میں ترقی عطا ہو۔ ان مقدمات اربعہ کی اگر مجازین پابندی کرتے رہیں تو انشاء اللہ سلب نعمت سے ہمیشہ محفوظ و ماموں رہیں گے۔

احمد حسن سنبھلی کو طریق سے فی الجملہ مناسبت ہوگئی تھی اور وہ مجاہدے بھی کرتا تھا جس سے حضرت شیخ کو امید ہوگئی تھی کہ اگر یہ کام میں لگا رہا تو انشاء اللہ واصل ہو جائیگا۔ اس لئے اس کو اجازت دیدی گئی مگر وہ اجازت کے بعد اپنے کو شیخ سے مستغنی و مستقل سمجھنے لگا حتی کہ خود شیخ کی اصلاح کا دعوی کرنے لگا، شیخ کے لحاظ و مروت سے جس کا منشاء اس کا دعوی سیادت تھا نیز طالبین کی تربیت سے کبر و عجب و حسد و حب جاہ بڑھ گیا۔ شیخ نے ان رذائل کی اصلاح کا حکم بھی کیا مگر اس نے کچھ عمل نہ کیا اس لئے وہ مناسبت زائل اور نعمت سلب ہوگئی۔ رَبَّنَا لاَ تُزِغْ قُلُوْبَنَا بَعْدَ اِذْ هَدَيْتَنَا وَ هَبْ لَنَا مِن لَّدُنكَ رَحْمَةً اِنَّكَ اَنْتَ الْوَهَّابُ رَبِّ زِدْنِىْ عِلْمًا o وَ نَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الْحَوْرِ بَعْدَ الْكَوْرِ وَ مِنَ الْعَمٰى بَعْدَ الْاَبْصَارِ وَ مِنَ الْقَطْعِ بَعْدَ الْوَصْلِ وَ مِنَ الصُّدُوْدِ بَعْدَ الْقُرْبِ وَ مِنَ الضَّلاَلَةِ بَعْدَ الْهِدَايَةِ وَ مِنَ الْكُفْرِ بَعْدَ الْاِيْمَانِ اِنَّهٗ هُوَ الْمُنْعِمُ الْمَنَّانُ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رب العالمین اب ہم حسب وعدہ اعلیٰ حضرت قدوۃ العارفین قطب الاقطاب شیخ المشائخ شاہ عبدالقدوس گنگوہی نور اللہ مرقدہ کے وہ کرامت نامے معہ اصل و ترجمہ کے نقل کرتے ہیں۔ جن میں آپ نے اپنے بعض خلفاء و مجازین سے اپنی اجازت و خلافت کو

سلب کیا ہے اس سے ناظرین کو معلوم ہو جائے گا کہ کسی کو خلافت دینے کے بعد اس سے خلافت کا سلب کرنا کوئی نئی بات نہیں ہے بلکہ مشائخ متقدمین بھی ایسا کرتے آئے ہیں اور اس سے شیخ کی معرفت و بصیرت و تحقیق میں کچھ نقص لازم نہیں آتا ورنہ معاذ اللہ حضرت شیخ عبدالقدوسؒ کی بصیرت کو بھی ناقص ماننا پڑے گا حالانکہ ان کے کمال معرفت پر اجماع صوفیہ ہے۔

مکتوب اول صفحہ ۳۵۶ مکتوبات قدوسیہ

بجانب شیخ عبدالرحمٰن شاہ آبادی حق حق حق بعد حمد وصلوۃ دعاء خیر و صلاح عبدالرحمٰن بداند بیت بگذارم این کون و مکان بگذارم این جان و جہان ۔ جائیکہ ہستا آن بے نشان گربندہ ام انجا روم عالم خرابی است بیت راہ حق صنعت و عبارت نیست+ جز خرابی درد عمارت نیست+ چرا کسی از خدا رو بگرواند و درفسا درد آرداز شغل حق بشغل دیوان درآید وعزت خویش بشغل دیوان واند مردان جان بازند جہان نازند و بادوست سازند بیت ایں کارکسا نیست کہ خیز ندز سرجان+ این خانہ خرابی زرہ بو الہوسی نیست+ چرا عبدالشیطان شد ورد۔ نیفاق آوردو نام خود برجرید کا فمثلہ کمثل الکلب ثبت کردہ آہ ہزار آہ افسوس ہزار افسوس کار از کجا بکجا کشید واز چہ درچہ افتاد این چہ واقعہ مسجد بود تبخانہ گشت صلاح بود بفساد پیوست سبک برخیز برخیز برخیز بیب ہرچہ جز حق بسوز غارت کن+ ہرجہ جز دین از وطہارت کن+ ومخلص دیگانہ باش اَلَا لِلّٰہِ الدِّیْنُ الْخَالِص. واگرنہ از خداواز پیران بریدست و از راہ حق رفتہ است اجازت از ما وخلافت از ما بر خود جائز ندارد وخود را بعد ارمیس شیخ و درویش نخواند قطعیت ست ہوش دار ہوس دار ہوش دار اگر توانی دست بدامن استغفار زن ومستغفر شود دیگر تو دانی واللّٰہُ المستعان ارمستان باید ترسید واز زخم ایشان خود را نگاہ باید داشت بیت ماست الستیم قضا را نشناسیم+ از غایت مستی سرو پا را نشناسیم+ ہوشدار ہوشدار ہوشدار کار خود از دست رفتہ است وتر اخبر نیست بیت کشتی من کہ بگرداب خطر افتادست+ وہ چہ بودی کہ رسیدی بکناری یاری+ تو یار دیواں شدہٗ وشیطان گشتہ واز رحمٰن رفتہ یَا لَیْتَنِیْ لَمْ اَتَّخِذْ فُلَانًا خَلِیْلًا زخمے است کہ مردان از اسیت آن زخم بیجان

اندو بے زبان بیت بشتاب سری تو بہ دتو بہ کشادست + واز کردن تاخیر بس واقعہ نادست +
بیت بردم مرکو یتو جان وہم + این حیلہ و چارہ رہا کنم + استغفر اللّٰہ استغفر اللّٰہ
استغفر اللّٰہ من جمیع ما کرہ اللّٰہ بیت جز یاد دوست ہر چہ کنی عمر ضایع است + جز
حرف عشق ہر چہ بجوابی بطالت است + بر خیر مشتاب بیا ہیچ درنگ برحود جایز مدار کہ کار ابتر
است و یار ابتر و زلف ابتر و ہر چہ ہست ہمہ ابتران شائنک ہوالا بتر دوہرہ جگ سبایا
چھوڑ کر ہون نج جوگن ہون + باج پیاری ہی سکھی اکو جگ نہ لیون +

(ترجمہ) حق حق حق۔ بعد حمد و صلوۃ و دعائے خیر و صلاح کے عبدالرحمٰن کو جاننا
چاہیے۔

بگذارم این کون و مکان بگذارم این جان و جہان
جائیکہ ہست آن بے نشان گر بندہ ام آنجا

اور وہ عالم اجڑنے کا ہے (بننے سنورنے اور بڑا بننے کا عالم نہیں) راہ حق صنت
وعبارت نیست جوخرابی در وعمارت نیست + جو شخص کہ خدا سے رخ پھیر لے اور فساد کے
کام کرنے لگے وہ شغل خداوندی سے جدا ہو کر شیطانوں کے کام میں لگ جاتا اور اپنی
عزت انہی کاموں میں سمجھنے لگتا۔ بے سر دہان خدا جانباز ہوتے ہیں اس جہان سے پار ہو کر
دوست کے ساتھ ملاقات کرتے ہیں۔

این کار کسا نیست کہ تیز ندز سر جان این خانہ خرابی زرہ بو الہوسی
نیست + (عبدالرحمٰن)

کیوں شیطان کا بندہ ہو گیا اور نفاق ظاہر کرنے لگا اور اپنا نام فمثلہ کمثل الکلب
کی لوح پر لکھوالیا۔ آہ ہزار مرتبہ آہ۔ افسوس ہزار افسوس کہاں سے کہاں پہنچ گیا اور کس جگہ
سے کس جگہ گر گیا یہ کیا واقعہ ہے مسجد تھی بت خانہ بن گیا۔ صلاحیت میں تھا فساد کی صورت
میں آ گیا جلدی اٹھ جلدی کھڑا ہو جلدی دوڑ۔

ہر چہ جز حق بسوز و غارت کن ہر چہ جز دین از و طہارت کن

مخلص اور دوست بنجا الا للہ الدین الخاص ورنہ خدا سے اور مشائخ (طریق)

سے قطع تعلق ہے اور راہ حق سے جاتا رہا۔ ہماری طرف سے اجازت وخلافت کو جائز نہ سمجھے اور اس کے بعد اپنے کو شیخ و درویش نہ کہے۔ ہم سے قطع تعلق ہے۔ ہوش دار ہوش دار خبردار اگر ہو سکے تو دامن استغفار سے پکڑ اور توبہ کر اور جو ہو سکے تلافی کرو واللہ المستعان۔ مستان خدا سے ڈرنا چاہیے اور ان کے زخم سے اپنے کو بچانا چاہیے۔

ما مست التسیم قضار انشاء سیم   از غایت مستی سرو پار انشنا سیم

ہوشیار ہو جاؤ ہوشیار ہو جاؤ، خبردار ہو جاؤ تمہارا کام قابو سے نکل گیا ہے۔ اور تم کو خبر بھی نہیں

کشتی من کہ بگرداب خطر افتاد است   وہ چہ بودی کہ رسیدی بکنا ریائے

تو شیطان کا دوست اور خود شیطان بن گیا ہے اور رحمٰن سے پھر گیا۔ یا لیتنی لَمْ اَتَّخِذْ فُلَانًا خَلِیْلاً یہ ایک ایسا زخم ہے مردان (طریق) اس زخم کی ہیبت سے بیجان و بیزبان ہیں۔

بشتاب سوی توبہ در توبہ کشاد دست   و از کردن تاخیر بسی واقعہ زادست

بردم سرکوئی تو جان دہم   ایں حیلۂ و چارہ رہا کنم

استغفر اللّٰہ استغفر اللّٰہ. اللہ کی پناہ مانگتا ہوں ان تمام چیزوں سے جو اس کو ناگوار ہیں۔

جز یاد دوست ہر چہ کنی عمر ضائع است   جز حرف عشق ہر چہ بخوانی بطالت است

اٹھو جلدی آؤ۔ ذرا سی دیر بھی اپنے اوپر جائز نہ سمجھو کہ کام ابتر ہو گیا اور یار بھی ابتر اور زلف بھی ابتر اور جو کچھ ہے سب ہی ابتر ہے ان شانئک ہو الابتر دو ہرہ

جک سبایا چھوڑ کر ہون نج جوگن ہون   باج پیاری ہی سکھی ابکو جگ نہ لیون

مکتوب دوم صفحہ ۳۵۶ مکتوبات قدوسیہ

بجانب سیان عبدالرحمٰن شاہ آبادی حق حق حق بعد حمد وصلوۃ عبدالرحمٰن دعاء خیر و صلاح مطالعہ کند و بداند کہ از بعضی کسان بیوفائی و ناہنجاری و نفاق وی چنداں معلوم شد کہ

در تقریر نیاید اگر واقع برین است مردود ومخزول است خدایش ہرگز فلاح نبود این نوع اُزوی محال و بعید نمود از مقبولان ہرگز چنین واقع نشود و درظن ایشان نبود لیس ہذا الاصفة المردو دین المخز ولین و در حال روئ استغفار آرد و تائب گردد مخلص و یگانہ شود تا وقت با قیست وگرنہ مہلک قہر فرد بردودر ہادیہ سپارد وَلَيْسَ لَهٗ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا نَصِيْرٍ حکمی قطعی است ہوشدار ہوشدار ہوشدار عبدالرحمٰن چرا عبالشیطان شود رردی بنفاق آرد تو قیر وتوفیر جوید وتحقیر تنقیص فرزندان ما خواہد والعیاز باللہ من ذلک آری مردود راہمان راہ مردودی ومخزولی درپیش است چہ توان کردا از استاد خود شنیدہ ام دوہرہ بہت بودی بجاہ تون دہک جیون تیرا+ سائیں تہیں تو کی بہرا دیکہہ کنب کہیرا+ ایکو کام نہ اوسی جب پر سی بیرا+ چھوڑ پیارا سائیاں توں چاہتہ گہنیر ا+ قطعیت با پیران کردہ است مخزول ومطرود گشتہ است اگر اورا میسر است اوداند **استغفر الله استغفر الله استغفر الله من جميع ما كره الله قولا و فعلا و ضميرا و حاضرا و ناظرا** + اورا خلافت بطوع ورغبت ندادہ ایم بکوشش فرزندم شیخ حمید دادہ ایم ہمان خلاف برآمد والعیاذ باللہ من ذلک وکل یعمل علی شاکلتہ چہ کند کہ سعید درراہ سعادت رود وشقی درراہ شقاوت رود خاتمہ بخیر باد

(ترجمہ) بعد وصلوٰۃ ودعائے خیر وصلاح کو عبدالرحمٰن مطالعہ کرے اور جان لیوے کہ بعض لوگوں سے اس کی بیوفائی اور بدکرداری اور نفاق کا حال اس قدر معلوم ہوا ہے کہ بیان میں نہیں آسکتا اگر واقعہ یہی ہے تو وہ مردود و مخذول ہو چکا بخدا اس کو ہرگز فلاح نہ ہوگی۔ یہ صورت حال اس سے ایسی محال و بعید ظاہر ہوئی کہ مقبولان الٰہی سے ہرگز ایسا کام واقع نہیں ہوسکتا بلکہ ان کے گمان میں بھی نہیں ہوسکتا۔ یہ طریقہ بجز مردود ین مخزولین کے کسی کا نہیں۔ اسی وقت اس کو استغفار پر توجہ کرنی چاہیے اور تائب ہوکر مخلص و دوست بننا چاہیے۔ ابھی وقت باقی ہے ورنہ تباہ کرنے والا قہر اسے نیچی ڈال دے گا اور جہنم کے سپرد کرے گا وَلَيْسَ لَهٗ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا نَصِيْرٍ۔ اس کے لئے بجز خدا کے کوئی دوست و مددگار نہیں ہوگا (اور خدا کی ولایت و اعانت سے خود الگ ہو چکا تو اب کوئی بھی مددگار نہیں) یہ حکم قطعی ہے ہوشیار خبردار آگاہ ہو جاؤ۔ عبدالرحمٰن عبدالشیطان

کیونکر ہو رہا ہے۔ نفاق ظاہر کرتا اور اپنی توقیر وعزت چاہتا ہے اور ہمارے بیٹوں کی تحقیر و تنقیص پسند کرتا ہے العیاذ باللہ من ذلک بے شک مردود کیلئے وہی مردودی اور مخزولی کا راستہ سامنے ہے کیا کیا جاوے میں نے اپنے شیخ سے سنا ہے۔ دوہرہ بہت بودی بیچاہ تون دہک جیون تیرا+ سائیں تہیں تو کی بہرا دیکھا کنب کہیرا+ ایکو کام نہ اوسی جب پرسی بیرا+ چوڑ پیارا سائیان تون چاتہہ گہنیرا۔ اس نے پیروں سے قطع تعلق کیا ہے مخزول و مطرود ہوگیا۔ اگر اسے کچھ میسر ہے تو وہ جانے۔ استغفر اللہ استغفر اللہ خدا کی پناہ ہے ہر اس چیز سے جو خدا کو ناگوار ہو خواہ وہ بات ہو یا فعل یا حدیث النفس خدا کو سب کچھ معلوم ہے وہ حاضر و ناظر ہے۔ ہم نے اس کو اپنی خوشی سے خلافت نہیں دی تھی بلکہ اپنے فرزند شیخ حمید کی سفارش سے دی تھی وہی غلطی ہوگئی العیاذ باللہ ہر شخص اپنی حالت کے مطابق عمل کرتا ہے نیک بخت سعادت کے راستہ میں جاتا ہے اور بدبخت شقاوت کے راستہ میں جاتا ہے خاتمہ بخیر ہوجیو۔

مکتوب سوم جزو مکتوب ص ۳۵۹ از مکتوبات قدوسیہ

تحقیق مالک عبدالرحمٰن عبدالشیطان آنجا بود بنفاق پیش آمد قاعدہ دیگر بود و دیگر کشود و این سبب خزلان وخسران و سیاہ روئ دو جہان اوست ہر کہ ماہ را خاک انداز د خاک در چشم وی افتدہ ماہ راچہ زیان بلکہ در خلاف مردان زخم کاریست ہرگز فلاح نہ پذیر مذ بیت بس تجربہ کردیم درین دیر مکافات+ بادرد کشان ہر کہ درافتاد برافتاد

(ترجمہ) عبدالرحمٰن بلکہ عبدالشیطان وہاں تھا وہ (میرے بیٹے کے ساتھ) نفاق سے پیش آیا قاعدہ کچھ تھا اس نے دوسرا راستہ نکالا۔ اور یہ اس کی خزلان وخسران اور دونوں جہان کی روسیاہی کا سبب ہے جو کوئی چاند پر خاک ڈالے گا اسی کی آنکھ میں خاک پڑے گی۔ چاند کا اس سے کیا نقصان ہے بلکہ مردان خدا کی مخالفت میں ایسا کاری زخم ہے کہ ہرگز فلاح نہیں ہوسکتی۔

بس تجربہ کردیم درین دیر مکافات بادرد کشان ہر کہ در افتاد بر افتاد

(ایک خط میں حضرت قطب الاقطاب نے اپنے ایک بہت بڑے مایہ ناز مرید کو کہ وہ بھی خلیفہ ومجاز ہیں یہ تحریر فرمایا ہے)۔

مکتوب چہارم ص ۳۵۸ مکتوبات قدوسیہ

بجانب شیخ جلال حق حق حق بعد حمد وصلوۃ دعا خیر وصلاح شیخ جلال مرتکب تباہی بخیال از فقیر حقیر عبدالقدوس اسمعیل الحنفی مطالعہ کند بداند ہر کہ روؤ از پیران بگرداندو تحقیر فرزندان ایشان بکند مردود ہر دو جہان ومطرود گردد اولا دنا اکباد نا مخصوص کہ اہل اللہ و اہل حق باشند اگر تعظیم وتکریم ایشان نکند جز لعنت دیگر بار نیار وبا این نفاق دین کجاو معرفت کجاو مشاہدہ کجا اگر اخلاص واتحاد وخدمتگاری بافرزندان ما نباشد وخود را شیطان صفت شیخ ملاحدہ گویاند وجاہ نفسانی وعز شیطانی خواہد آنچہ دعوی بمشاہدہ ربانی وذوق سبحانی میکند آنہمہ وسوسہ شیطان ست وَمَكَرُوْا وَمَكَرَ اللّٰهُ وَاللّٰهُ خَيْرُ الْمَاكِرِيْنَ زخم جان عارفانست از ہیبت این زخم واقعہ مکر عارفان خواہند کہ در عدم شیوند و ناچیز گردند بیت کاشکے ہرگز نبودے نام من+ نانبودے نیس وآرام من+ در ابہام عاقبت ہمیں سرست وہمیں ہیبت کجا کسی یا خوداست تا باغر خود وچاہ خود ساکن گرددو آن برادر کہ ہیچ التفات بفرزندم شیخ احمد نمیکند وآمد وشد نمیکند تعظیم وتکریم وی نمی آرد وخبر اونمی ستاند وغم روزگار اونمیو خورو عجیب نمودو محال کشودو بعضی معاملات آن برادر چنان معلوم شد کہ ہیچ ملعونے وہیچ مردودے نکند و کتابت برادری با جفت کفش بطور دیگر رسید ومعاملہ بطور دیگر وانمود اگر دیندار ست و طالب کردگار در خدمتگاری فرزندم شیخ احمد باشد وسر در قدم او آرروہمہ کارہا را بر خود لازم گیرد وتواضع وتکریم وخدمتگاری فرزندم کما حقہ بجا آرد واگر چنین تکند از ما بیزاری واند و خداورسول خدارا آزادی واند ہرگز روی او نہ بینم ونام اونگیرم بہشتاد رسیدہ ایم امروز فردادر گزریم کار خود بہوشیاری کند شیطان زندہ است بسیار آنزاراہ زدہ است بلعم باعوروشیخ برصیصا از زخم او بدوزخ رسیدہ اند بسیار چہ نویسم خاطر ابتر شدہ است اگر چیزی کردن بتواند بکند و بخدمت واخلاص پیش رود واگر نہ باما قطیعت ابدی شدہ است یقین

داند یقین داند واللہ المستعان۔

(ترجمہ) حق حق حق۔ بعد حمد وصلوۃ دعائے خیر وصلاح کے شیخ جلال جو میرے خیال میں تباہی کے مرتکب ہیں۔ فقیر حقیر عبدالقدوس اسمعیل حنفی کی طرف سے مطالعہ کریں اور جانیں کہ جو شخص پیروں سے اعراض اور ان کے فرزندوں کی تحقیر کرے گا دونوں جہاں میں مطرود ومردود ہو جائے گا اولاد نا اکبادنا ہماری اولاد ہمارے جگر گوشہ ہیں خصوصاً (وہ اولاد) جو کہ (خود بھی) اہل اللہ اور اہل حق ہوں اگر ان کی تعظیم وتکریم نہ کرو گے تو بجز لعنت کے اور کچھ پھل نہ ملے گا اس نفاق کے ساتھ دیں کہاں اور معرفت کہاں مشاہدہ کہاں اگر اخلاص واتحاد اور خدمتگاری ہمارے فرزندوں کی نہ ہو اور اپنے کو شیطان کی طرح ملاحدہ اور بد دینوں کا شیخ مشہور کرے اور جاہ نفسانی اور عزت شیطانی طلب کرے تو جو کچھ دعوے مشاہدہ ربانی اور ذوق وشوق سبحانی کا کیا جاتا ہے وہ سب شیطانی وسوسہ ہے۔ ومکروا ومکر اللّٰہ واللّٰہ خیر الماکرین یہ عارفوں کی جان کا زخم ہے اس زخم مکر کی ہیبت سے عارفین یوں چاہتے ہیں کہ مٹ جائیں نیست و نابود ہو جائیں۔ کاشکی ہرگز نبودی نام من + تا نبودی جنبش وآرام من + انجام کے مخفی رکھنے میں یہی راز اور یہی ہیبت ہے۔ کوئی اپنی ذات کے ساتھ موجود ہی کہاں ہے یہاں تک کہ وہ اپنی عزت وجاہ کے ساتھ ساکن ومطمئن ہونا چاہتا ہے۔ اور آن برادر (یعنی مکتوب الیہ جو کہ میرے فرزند شیخ احمد کی طرف کچھ التفات نہیں کرتے نہ ان کی خدمت میں آمد ورفت کرتے ہیں نہ ان کی تعظیم وتکریم بجالاتے ہیں نہ ان کی خبر لیتے نہ ان کا غم کھاتے ہیں۔ عجیب برتاؤ ظاہر کیا اور نفاق کھول دیا اور بعضے معاملات آن برادر کے ایسے معلوم ہوئے ہیں کہ کوئی مردود اور کوئی ملعون ایسا نہیں کرسکتا۔

اگر آپ دیندار ہیں اور خدائے طالب تو میرے فرزند شیخ احمد کی خدمتگاری میں رہیں اور ان کے قدموں میں سر رکھیں اور ان کے تمام کام اپنے اوپر لازم سمجھیں اور خاطر تواضع وتعظیم وتکریم میرے فرزند کی کما حقہ بجالائیں۔ اگر ایسا نہ کرو گے تو ہماری طرف سے بیزاری جانو اور خدا ورسول خدا کی دل آزاری سمجھو۔ میں ہرگز تمہارا منہ نہ دیکھوں گا

نہ کبھی نام لوں گا۔ میں اسی سال کی عمر کو پہنچ گیا ہوں آج کل میں چل بسوں گا اپنا کام ہوشیاری سے کرو شیطان زندہ ہے اس نے بہتوں کا راہ مارا ہے۔ بلعم باعور اور شیخ برصیصا اس کے زخم سے جہنم میں پہنچ چکے ہیں زیادہ کیا لکھوں خاطر ناساز ہے۔ اگر کچھ کر سکتے ہو کر لو۔ اور خدمت اور اخلاص کے ساتھ پیش آؤ ورنہ ہم سے ہمیشہ کیلئے قطع تعلق ہو چکا ہے۔ یقین جانو یقین جانو واللہ المستعان اھ۔

ناظرین نے غور کیا ہوگا ان مکتوبات میں حضرت قطب الاقطاب نے اپنے بعض بڑے بڑے خلفاء کو ایک ذراسی بے اعتنائی پر جو فرزند شیخ کے ساتھ ان سے ظہور میں آئی تھی سلب خلافت و اجازت و مطرودیت و مردودیت وغیرہ کی کیسی سخت سخت دھمکیاں دی ہیں تو بھلا جس شخص نے خود اپنے عارف ومتبع سنت شیخ کے ساتھ بے اعتنائی سے زیادہ بے حیائی گستاخی و عداوت کا وہ برتاؤ کیا ہو جو کوئی دشمن کسی دشمن کے ساتھ بھی نہیں کر سکتا تو اس کے مردود ہونے میں کیا کسر رہ گئی ہے۔ (۲) جن حضرات کو شیخ نے یہ دھمکیاں تحریر فرمائی ہیں انہوں نے بہت جلد خائف و ترساں ہو کر توبہ و معذرت کی اور حضرت شیخ کی اولاد ہی کو طلب عفو کا ذریعہ بنایا جس کے بعد ان کا قصور معاف ہوا اور نعمت سلب شدہ پھر واپس مل گئی۔ (جیسا کہ مکتوبات مندرجہ ص ۳۶۰ و ۳۳۲ سے معلوم ہوتا ہے) اور یہ علامت ہے ان حضرات کی سعادت مندی کی اور اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان سے جو کچھ بے اعتنائی فرزند شیخ کے ساتھ ظاہر ہوئی تھی وہ کسی عذر یا تساہل کی وجہ سے تھی عناد یا تحقیر کا قصد نہ تھا و فقنا اللہ تعالیٰ لما یحب و یرضی و نعوذ باللہ من غضب اللہ و غضب رسولہ وغضب اولیائہ اجمعین آمین.

(طرفہ) اس مضمون کے ختم کر چکنے کے بعد جی چاہا کہ اس موذی کے متعلق دیوان حافظ سے تفاؤل کروں اور جو کچھ مضمون نکلے ناظرین کی تصریح طبع کیلئے پیش کروں چنانچہ بعد فاتحہ اور دعا کے بسم اللہ کر کے جو دیوان مذکور کھولا تو ص ۲۰۲ کے شروع ورق ہی پر اشعار ذیل نمودار ہوئے جو اس موذی کی حالت کے بالکل مطابق ہیں۔

چند بناز پردرم مہر بتان سنگ دل ⠀⠀ یاد پدر نمی کنندن این پسران ناخلف

از خم ابروئے توام ہیچ کشائشے نشد　　وہ کہ درین خیال کج عمر عزیز شد تلف

الی قولہ

بیخبر نذر زاہدان نقش بخوان ولا تقل　　مست ریاست محتسب یادہ بنوش ولا تخف

صوفی شہر بین کہ چون لقمہ شبہہ می خورد　　پال دومش دراز یاد ایں حیوان خوش علف

شعر اول میں سنگدلی و احسان فراموشی اور پسر نا خلف ہونے کا ذکر ہے۔ دوسرے شعر میں کجی طبیعت کی طرف اشارہ ہے تیسرے شعر میں زاہد ومحتسب کو بیخبر اور ریا کار بتلایا ہے یہ ایک واقعہ ہے کیونکہ اس موذی کو بھی زہد واحتساب کا بڑا دعویٰ تھا مگر سب کا منشا ریاکاری اور طریق سے بیخبری تھی چوتھے شعر میں ذریعہ معاش کے مشتبہ ہونے کا ذکر ہے اور اس وجہ سے اس کو حیوان خوش علف کہا گیا ہے یہ بھی ایک واقعہ ہے اس موذی کو توکل کا ایسا دعویٰ تھا کہ جائز صورت ملازمت کو بھی حرام سمجھتا تھا اور اب وہ سب توکل خاک میں مل گیا اور ایسی جگہ ملازمت ہے جہاں چندۂ حلال وحرام کی کچھ پروانہیں۔

اعاذنا اللہ منہ اللھم ارحمنا بترک المعاصی ابداما ابقیتنا و ارزقنا حسن النظر فیما یرضیک عنا

ظفر احمد رحمہ اللہ

﴿القول الماضی فی نصب القاضی﴾

سوال [1]

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ آجکل بعض مسلمان ممبران کونسل گورنمنٹ سے یہ درخواست کرنے والے ہیں کہ ہندوستان میں مسلمانوں کیلئے منصب قضا قائم کر دیا جائے اس کے متعلق چند امور دریافت طلب ہیں۔

(۱) کیا شرعاً مسلمانوں کیلئے نصب قاضی ضروری ہے۔

(۲) قاضی کی تعریف کیا ہے اور کون شخص قاضی بن سکتا ہے۔

(۳) کن کن معاملات میں قاضی کی ضرورت ہے۔

(۴) جن معاملات میں قاضی کی ضرورت ہے ان میں حاکم غیر مسلم کا فیصلہ معتبر ہے یا نہیں۔

(۵) اگر کسی جگہ کے مسلمان بطور خود اتفاق کر کے فسخ نکاح وغیرہ کے لئے کسی کو قاضی بنالیں تو وہ قاضی شرعی ہوگا یا نہیں اور اس کے فیصلے ان معاملات میں جن میں قاضی کی ضرورت ہے معتبر ہوں گے یا نہیں۔

(۶) اگر گورنمنٹ اپنی طرف سے ہندوستان میں کسی مسلمان کو فسخ نکاح وغیرہ کیلئے قاضی بنادے تو وہ قاضی شرعی ہوسکتا ہے یا نہیں اور اس کے فیصلے فسخ نکاح وغیرہ میں معتبر ہونگے یا نہیں۔

(۷) مسلم ممبران کونسل جو درخواست نصب قاضی کے متعلق کونسل میں پیش کرنے والے ہیں اس میں عامہ مسلمین کو ان کے ساتھ اتفاق کرنا چاہیے یا نہیں اور اس

---

[1] یہ تحریر اس زمانہ کی ہے جب ہندوستان پر انگریزوں کی حکومت تھی۔

معاملہ میں ہم کو کوشش کرنا چاہیے یا نہیں۔

الجواب

(۱) قاضی شرعی کا قائم کرنا مسلمانوں کے ذمہ فرض ہے جہاں قدرت ہو۔ جیسے دارالاسلام اور جہاں قدرت نہ ہو جیسے ہندوستان تو وہاں حکومت سے اس کے متعلق درخواست کرنا ضروری ہے۔

قال فی البدائع فنصب القاضی فرض لانه ینصب لا قامة مفروضٍ وهوا لقضاء قال اللّٰه سبحانه و تعالی لنبینا المکرم علیه افضل الصلوة والسلام فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ بِمَا اَنْزَلَ اللّٰهُ والقضاء هو الحکم بین الناس بالحق والحکم بما انزل اللّٰه عزوجل فکان نصب القاضی لاقامة الفرض فکان فرضاً ضرورةً وقد سماه محمد . فریضة محکمة لانه لا یحتمل النسخ لکونه من الاحکام التی عرف وجوبها بالعقل والحکم العقلی لا یحتمل الانتساخ واللّٰه تعالیٰ اعلم اه ملخصا (ص ۲ ج ۷)

(۲) فی العالمگیریه. والقضاء فی الشرع قول ملزم یصدر عن ولایة عامة کذا فی خزانة المفتین ولا تصح ولایة القاضی حتے تجمع فی المولیٰ شرائط الشهادة کذا فی الهدایة من الاسلام والتکلیف والحریة و کونه غیر اعمی ولا محدوداً فی القذف ولا اصم ولا اخرس واما الا طرش الذی یسمع القوی من الاصوات فالا صح جواز تولیته کذا فی النهر اه (ص ۱۶۰ ج ۳) و فی الدرلمختار القضاء شرعاً فصل الخصومات وقطع

المنازعات و ارکانه ستة حکم و محکوم به وله محکوم علیه و حاکم و طریق و اهله اهل الشهادة و الفاسق اهلها فیکون اهله لکنه لایقلد وجوباً و یاثم مقلده کقابل شهادته به یفتی ا ھ (۴۶۴ ج ۴)

اس سے معلوم ہوا کہ قاضی کیلئے صاحب حکومت ہونا رکن قضا ہے کہ جس مقام پر وہ قضا کرتا ہے وہاں پر اس کی ولایت وحکومت عام ہو (گو کسی خاص فرقہ ہی پر ہو) اور گو خاص خاص معاملات ہی میں ہو، قال فی رد المختار ثم القاضی تتقید ولایته بالزمان والمکان و الحوادث اھ ص ۴۶۲ ج ۴) غیر صاحب حکومت قاضی نہ ہوگا اور صحت قضا کے لئے قاضی میں ان اوصاف کا ہونا ضروری ہے۔ مسلمان ہونا کافر نہ ہو عاقل بالغ ہو آزاد ہو غلام نہ ہو۔ سوانکھا ہو کو اندھا نہ ہو۔ محدود فی القذف نہ ہو۔ اور بہرا گونگا نہ ہو باقی اونچا سنتا ہو تو اس کا مضائقہ نہیں اور ضروری ہے کہ قاضی عالم بھی ہو اگر مسلمان جاہل کو قاضی بنا دیا گیا اور وہ مقدمات میں علماء سے استفتاء کر کے فیصلہ کر دے یہ بھی ممکن ہے مگر بہتر نہیں کیونکہ علماء کے جواب کو بخوبی سمجھنے میں جاہل سے کوتاہی ہوگی اور غلطی کرے گا۔ اور عالم کے ہوتے ہوئے جاہل کو قاضی بنانے سے مسلمان گنہگار ہوں گے جبکہ حکومت کی طرف سے ان کو انتخاب کا حق دیا جائے اور اگر فاسق کو قاضی بنا دیا جائے۔ تو وہ قاضی ہو جائے گا مگر فاسق کو قاضی بنانا جائز نہیں اور فاسق وہ ہے جو گناہ کبیرہ کا مرتکب ہو اور توبہ نہ کرے یا صغیرہ پر اصرار کرتا ہو باقی جن مسائل میں قضاء قاضی شرط ہے جن کا ذکر آگے آتا ہے ایسے مسائل میں حاکم کافر کا فیصلہ ہرگز کافی نہیں حاکم کافر کے فیصلہ سے نہ نکاح فسخ ہو سکتا ہے۔ نہ طلاق واقع ہو سکتی ہے نہ ثبوت نسب ہو سکتا ہے نہ مفقود کو میت کہا جا سکتا ہے۔ وغیر ذلک۔

(۳ و ۴) شریعت محمدیہ اور ملت اسلامیہ میں بعض معاملات ایسے ہیں جن میں قاضی شرعی یعنی حاکم مسلم کا فیصلہ ہی معاملہ کو فیصل کر سکتا ہے حاکم غیر مسلم کا فیصلہ ان معاملات میں کسی درجہ میں بھی مفید نہیں ہو سکتا بلکہ شرعاً حاکم غیر مسلم کا فیصلہ ان معاملات میں کالعدم اور غیر قابل اعتبار ہے نمونہ کیلئے میں چند مسائل کا ذکر کرتا ہوں جن میں

مسلمانان ہند کو قاضی شرعی کی سخت ضرورت پڑتی ہے۔

(۱) کسی لڑکی کا نکاح بلوغ سے پہلے اس کے ولی نے جو باپ دادا کے سوا ہو کر دیا اور بالغ ہونے پر لڑکی اس نکاح سے راضی نہیں تو اس نکاح کو قاضی شرعی چند شرائط کے ساتھ فسخ کر سکتا ہے حاکم غیر مسلم اگر فسخ کرے گا تو وہ فسخ معتبر نہ ہوگا۔ شامی مع درمختار (ص ۴۸۶ ج ۲) وہدایہ (ص ۲۵۷ جلد ۲)

(۲) کسی بالغ عورت نے اپنا نکاح خاندانی مہر سے کم مقدار پر یا کسی غیر کفو سے بدون رضائے ولی کے خود کر لیا تو اصل مذہب میں خاندان والوں کو حق دیا گیا ہے کہ وہ قاضی کی عدالت میں دعویٰ کر کے پہلی صورت میں مہر پورا کرا لیں اور دوسری صورت میں نکاح کو فسخ کرا دیں شامی معہ درمختار (ص ۴۸۶ ج ۲ وص ۵۸۱ ج ۲) فسخ کرنا قاضی ہی کا کام ہے دوسرے کا نہیں۔

(۳) کسی شخص نے اپنے بیٹے کی بیوی سے زنا کیا یا بدنیتی سے ہاتھ لگایا تو یوں عورت اپنے شوہر کیلئے حلال نہیں رہی مگر نکاح اس وقت تک نہیں ٹوٹتا جب تک قاضی نکاح کو فسخ نہ کرے یا زوجین خود قطع تعلق نہ کر دیں اور آجکل بعض دفعہ شوہر قطع تعلق نہیں کرتا تو بدون قاضی شرعی کے ایسی عورت کو سخت تکلیف ہوتی ہے۔ شامی معہ درالمختار (ص ۴۶۳ ج ۲)

(۴) شوہر نامرد ہو اور بیوی کو طلاق بھی نہ دیتا ہو تو اس نکاح کو ایک سال کی مہلت دینے کے بعد قاضی فسخ کر سکتا ہے۔ عالمگیری (ص ۱۵۶ ج ۲) بدون قاضی کے ایسی صورت میں عنین کی بیوی کو سخت مصیبت کا سامنا ہے۔

(۵) اسی طرح شوہر مجنون ہو جاوے تو اس کے نکاح کو بھی قاضی ہی فسخ کر سکتا ہے عالمگیری (ص ۱۵۷ ج ۲)

(۶) کسی عورت کا خاوند لاپتہ ہو جاوے۔ تو اس کی بیوی کو ایک خاص مدت کے بعد جس کی تحقیق کتب مذہب میں ہے قاضی شرعی مفقود کے نکاح سے خارج کر سکتا ہے۔ عالمگیری ص ۱۷۶ ج ۳۔

(۷) اگر شوہر کسی وقت اپنی بیوی کو زنا سے متہم کرے یا اس کی اولاد کو غیر مرد کی

بتلادے تو عورت عدالت قاضی میں مرافعہ کر کے لعان کر سکتی اور اپنی ہتک حرمت کا بدلہ لے سکتی ہے جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ یا تو شوہر کو اگر وہ جھوٹا ہوا اس تہمت کی سزا ملے گی یا نکاح فسخ کرادیا جائے گا۔ عالمگیری (ص ۱۵۱، ۱۵۲ ج ۲)

(۸) اگر کسی نابالغ لڑکی کا کوئی ولی نہ ہو اور پرورش کے لئے جلدی نکاح کرنے کی ضرورت ہو تو ایسی لاوارث لڑکیوں کا ولی قاضی ہے (عالمگیری ص ۱۱ جلد ۲) بدون قاضی شرعی کے ان مسائل میں مسلمانوں کو بڑی دقت کا سامنا ہوتا ہے۔ ہم نے مدارس عربیہ میں ایسے سوالات کے جوابات میں علماء کو یہی لکھتے ہوئے دیکھا ہے کہ اگر قاضی شرعی مفقود کی موت کا حکم کر دے یا عنین کا نکاح فسخ کر دے تو عورت دوسرے مرد سے نکاح کر سکتی ہے اور قاضی شرعی نہ ہو تو عورت کو بجز صبر کے کچھ چارہ نہیں۔

(۹) اگر کوئی شخص اپنی بیوی کو تین طلاق دیکر یہ دعویٰ کرے کہ میں نے ہوش و حواس کی حالت میں طلاق نہیں دی بلکہ میں مدہوش یا مغلوب الغضب تھا تو اس صورت میں عورت کو شوہر کے اس قول کی تصدیق جائز نہیں بلکہ اس مقدمہ کا مرافعہ قاضی کی عدالت میں لازم ہے اگر وہ اس طلاق کو طلاق تسلیم نہ کرے جس کی خاص شرائط ہیں تب تو عورت شوہر کے پاس رہ سکتی ہے ورنہ نہیں رہ سکتی۔ شامی معہ الدر باب طلاق المدہوش جلد ۲۔

(۱۰) کسی نے نکاح فاسد کرلیا تو اس نکاح کو قاضی ہی فسخ کر سکتا ہے یا شوہر بیوی کو خود چھوڑ دے (عالمگیری ص ۴۰ ج ۲) اگر وہ نہ چھوڑے تو بدون قاضی کے عورتوں کو اس حالت میں سخت مصیبت کا سامنا ہے۔

یہ چند مسائل صرف باب نکاح و طلاق کے بطور نمونہ کے عرض کئے گئے ہیں باقی ابواب نسب وقف و میراث وغیرہ میں جو مسائل قاضی شرعی کے وجود پر موقوف ہیں وہ اس سے بھی زیادہ ہیں۔ جن میں بدون قاضی کے مسلمانان ہند کو سخت تکلیف ہے اور اس تکلیف کو وہ بدون گورنمنٹ کی امداد کے حل نہیں کر سکتے۔ کیونکہ قاضی کے لئے مسلم ہونے کے ساتھ صاحب حکومت ہونا بھی ضروری ہے اگر کسی جگہ کے مسلمان از خود کسی کو قاضی بنانا چاہیں تو وہ قاضی نہ ہوگا محض حکم اور ثالث ہوگا جس کا فیصلہ اسی وقت مفید ہوسکتا ہے

جبکہ مدعی و مدعی علیہ دونوں اپنا معاملہ اس کے سپرد کر دیں اور اگر ایک فریق سپرد کرنا چاہے دوسرا نہ چاہے تو اس صورت میں ثالث اور حکم کا فیصلہ کسی درجہ میں بھی معتبر نہیں۔

﴿ قال فی العالمگیریة. والقضاء المولی شرائط الشهادة كذا فی الهداية من الاسلام و التكليف والحرية الخ (ص ۱۲۰ ج ۴) وفيها ايضاً و اذا اجتمع اهلّ بلدة علی رجل و جعلوه قاضيا يقضی فيما بينهم لا يصير قاضيا الخ﴾ (ص ۱۶۴ ج ۴)

ان عبارات میں تصریح ہے کہ قاضی کے لئے مسلمان ہونا صاحب حکومت ہونا شرط ہے اور یہ کہ کسی جگہ کے مسلمان از خود کسی کو قاضی بنالیں تو وہ قاضی نہ ہوگا۔ اور ظاہر ہے کہ صاحب حکومت قاضی وہی ہوسکتا ہے جو سلطنت کی طرف سے مقرر کیا جاوے اس لئے گورنمنٹ کی امداد کے اس مسئلہ میں مسلمانان ہند سخت محتاج ہیں کیونکہ بدون قاضی کے بعض مسائل میں ان کا دین برباد ہوتا ہے اور غیر مسلم حکام کا فیصلہ ان مسائل میں جو قضاء قاضی کے محتاج ہیں محض لغو اور کالعدم ہے اس لئے مسلمانوں کو نہایت التجا کے ساتھ گورنمنٹ سے درخواست کرنا چاہیے کہ وہ ہندوستان میں منصب قضاء کو قائم کر کے اپنی مسلم رعایا کو ان مشکلات سے نجات دے اور جب تک منصب قضاء کی تجویز مکمل نہ ہو اس وقت تک کے لئے کم از کم یہی قانون مقرر کر دیا جاوے کہ جو مسائل قضاء قاضی کے محتاج ہیں ان کا فیصلہ غیر مسلم حکام نہ کریں بلکہ ایسے مقدمات مسلم حکام ہی کے سپرد ہوں اور مسلم حکام کو ہدایت کی جائے کہ ان مسائل میں علماء سے صورت مقدمہ بیان کر کے شرعی حکم حاصل کریں اور شرعی فتوے کے مطابق مقدمہ کا فیصلہ کر دیں اور اپنے فیصلہ کے ساتھ عالم کے فتوے کو بھی نتھی کر دیا کریں۔ جیسا کہ میراث و تقسیم ترکہ کے مقدمات میں ابھی بھی ایسا ہی کیا جاتا ہے اگر یہ صورت بھی ہو جائے تو مسلمانان ہند کی مشکلات بہت کچھ کم ہو جائیں گی ہمیں قوی امید ہے کہ گورنمنٹ ہماری اس درخواست پر ضرور توجہ کرے گی اور اپنی مسلم رعایا کو شکر و امتنان کا موقع دیگی۔ واللّٰہ المستعان فی کل

باب وهو الميسر لكل صعاب۔

(۵) ﴿قال فی الدر و یجوز تقلد القضاء من السلطان العادل والجائر ولو کان کافر ذکره مسکین وغیره الا اذا کان یمنعه عن القضاء بالحق فیحرم اھ(ص ۴۶۸ ج ۴) فی العالمگیریة۔ والاسلام لیس بشرط ای فی السلطان الذی یقلد کذا فی التاتر خانیة﴾ اھ(صفحہ ۱۶۰ ج ۴)

اس سے معلوم ہوا کہ ہندوستان میں اگر گورنمنٹ اپنی طرف سے کسی مسلمان کو قاضی بنا دے اور جن مسائل میں قضاء قاضی کی ضرورت ہے ان میں اس کو فیصلہ کا اختیار دے دے تو وہ شرعی قاضی ہو جاوے گا اور اس کے فیصلے فسخ نکاح و ایقاع طلاق و ثبوت نسب وحکم موت مفقود وغیرہ میں نافذ ہونگے بشرطیکہ اس کو موافق حکم شرع فیصلہ کرنے کا اختیار دیا جائے خلاف حکم شرع فیصلہ پر مجبور نہ کیا جائے۔

(۶) ﴿قال فی العالمگیریة و اذا اجتمع اهل بلدة علی رجل وجعلوه قاضیاً یقضی فیما بینهم لایصیر قاضیا ولو اجتمعوا علی رجل وعقد وامعه عقد السلطنته او الخلافة یصیر خلیفة و سلطاناً﴾ اھ(ص ۱۶۴ جلد ۴)

اس سے معلوم ہوا کہ ہندوستان میں کسی جگہ کے مسلمان بطور خود بدون گورنمنٹ کی اجازت کے اگر کسی کو قاضی بنالیں تو وہ قاضی نہ ہوگا کیونکہ اس کی ولایت[1] عامہ نہ

---

[1] قلت فلا یرد علیه ما فی ردالمختار (ص ۴۷۷ جلد ۴) وهذا احیث لاضرورة والا فلهم ای للعامة تولیة القاضی ایضاً کما یاتی بعده وقال بعد اسطر واما بلاد علیها ولاة کفار فیجوز للمسلمین اقامة الجمیع والا عیادو یصیر القاضی قاضیا بتراضی المسلمین اھ فی مضاء انه یصیر قاضیا بتراضی المسلمین اذا حصلت له ولایة عامة فی محلل قصد لماعرفت ان الولایة احد ارکان القضاء واهل الهند لو جعل اقاضیا منهم بتراضیهم لا یکون له ولایة علی احد اصلا کما هو مشاهد من حالهم فافهم۔

ہوگی۔ البتہ حکم ہو جائے گا جس کا فیصلہ اسی وقت معتبر ہوگا جبکہ مدعی اور مدعی علیہ دونوں رضا مندی سے اپنے معاملہ کو اس کے سپرد کر دیں اور اگر ایک نے معاملہ سپرد کیا اور دوسرے نے سپرد نہ کیا تو اس صورت میں حکم کا فیصلہ کالعدم ہے اور فریقین باہمی رضا مندی سے اگر کسی کو حکم بنالیں اور وہ موافق حکم شرعی فیصلہ کر دے تو اسے بھی فسخ نکاح وغیرہ کا اختیار ہوگا اور اس کے فسخ سے نکاح فسخ ہو جائے گا۔ یعنی جب معاملہ سپرد کر دیا گیا اور فیصلہ تک تحکیم سے کسی فریق نے رجوع نہ کیا تو اب حکم کا فیصلہ بھی مثل فیصلہ قاضی کے لازم و نافذ ہو جائے گا، پھر کوئی فریق اس کو توڑ نہیں سکتا۔ بشرطیکہ فیصلہ موافق حکم شرع ہو۔

﴿قال الشامی. اما المحکم فشرطه اهلية القضاء و يقضی فيما سوی الحدود والقصاص اھ (ص۴۶۲ ج ۴) وفيه ايضاً التحكيم عرفاتو لية الخصمين حاكماً يحكم بينهما ببينةٍ او اقرار اونكول و رضيا بحكمه (الی ان حكم احتراز عما لو رجعا عن تحكيمه قبل الحكم او عما لو رضی احدهما ما فقط ۱۲ شامی) صح فی غير حدو قو دودية علی عاقلة لان حكم المحكم بمنزلة الصلح وهذا لاتجوز با لصلح فلا تجوز بالتحكيم و ينفرد احدهما بنقضه ای التحكيم بعد وقوعه فان حكم لزمهما ولا يبطل حكمه بعزلهما لصدوره عن ولاية شرعية﴾ اھ (ص ۵۴۰ ج ۴)

(۷) جب یہ معلوم ہو چکا کہ قاضی شرعی کا قائم کرنا مسلمانوں کے ذمہ فرض ہے اور یہ بھی ثابت ہو چکا کہ بعض معاملات میں حاکم غیر مسلم کا فیصلہ شرعاً معتبر نہیں۔ بلکہ حاکم مسلم کا فیصلہ ضروری ہے تو عامہ مسلمین پر ضروری ہے کہ وہ اپنی اس شرعی ضرورت کو گورنمنٹ کے سامنے پیش کر کے درخواست کریں کہ ہندوستان میں منصب قضاء کو قائم کر کے اپنی مسلم رعایا کو مشکلات سے نجات دے۔ چونکہ گورنمنٹ اپنی رعایا کی راحت رسانی

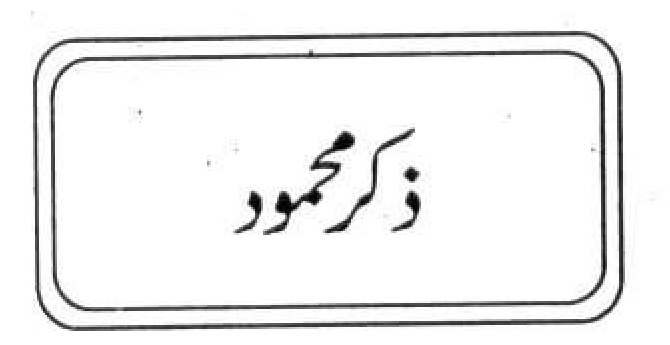
ہ بہت زیادہ خیال کرتی ہے بالخصوص مذہبی معاملات میں اس کو ہر طرح آسانی بہم پہنچاتی ہے۔اس لئے قوی امید ہے کہ یہ درخواست منظور ہوگی۔

نیز جو مسلم ممبران کونسل اس مسئلہ کو کونسل میں پیش کرنے والے ہیں ان کے ساتھ سب مسلمانوں کو اتفاق رائے ظاہر کرنا چاہیے اور ہر ضلع کے مسلمانوں کو اپنی طرف سے الگ الگ اس مسئلہ کی ضرورت ظاہر کرنا چاہیے کیونکہ گورنمنٹ کی طرف سے جو بے توجہی اب تک اس مسئلہ میں ہوئی ہے اس کا سبب صرف یہ ہے کہ اس کو ہنوز ضرورت کی اطلاع اہمیت کے ساتھ کسی نے نہیں کی۔ضرورت پر مطلع ہو کر امید ہے کہ گورنمنٹ بہت جلد مسلمانوں کے حال پر توجہ فرمائے گی۔

الجواب صواب بلا ارتیاب اشرف علی ۴ ذی الحجہ ۱۳۴۴ھ

حررہ الاحقر ظفر احمد رحمہ اللہ عنہ خانقاہ امدادیہ تھانہ بون ۴ ذی الحجہ ۱۳۴۴ھ

تمت رسالہ القول الماضی فی نصب القاضی


ذکر محمود

ضمیمہ ذکر محمود

بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم ○

﴿الحمد للّٰہ الذی کل شیٔ ماخلاہ باطل وھو الحی المعبود. والصّلوۃ والسلام علی افضل الرسل سیدنا محمد ن الذی ھو فخر کل موجود. خاتم الرسالۃ وصاحب الشفاعۃ العظمیٰ والمقام المحمود. وعلی الہ واصحابہ و اتباعہ الطیبین الطاھرین الفائزین بالمقصود﴾

اما بعد

احقر ظفر احمد عثمانی عفا اللہ عنہ عرض کرتا ہے کہ حضرت سیدنا امیر المومنین علی کرم اللہ تعالیٰ وجہ کا ارشاد ہے اذا ذکر الصّالحون فحیھلا بِعُمرَ (رواہ السیوطی فی الجامع الکبیر) جب صالحین کا ذکر کیا جائے تو (حضرت) عمرؓ کا تذکرہ ضرور ہونا چاہیے اھ۔ اس ارشاد سے ذکر صالحین کی اہمیت اور ان میں سے بالخصوص کاملین کی اقدسیت مستنبط ہوتی ہے اس سنت کا اتباع کرتے ہوئے دل چاہتا ہے کہ اس وقت ناظرین کے سامنے حضرت اقدس شیخ العالم قطب العارفین کہف الطالبین مولانا محمود حسن المحدث العارف الصوفی الدیوبندی قدس اللہ سرہ کا جو شدت و غلظت علی المعاندین و رحمت و رافت بالمسلمین میں اپنے وقت کے عمر اور سیاست میں عثمان وقت تھے مختصر تذکرہ پیش کروں۔ کیونکہ مفصل تذکرہ لکھنا انہی حضرات کا کام ہے جو حضرت کی طول صحبت و ملازمت

خدمت سے زیادہ مشرف ہوئے ہیں ۔ جس سے یہ ناکارہ محروم ہے اور اس کو رسالہ ذکر محمود کا جو کہ حضرت حکیم الامت مجدد الملت مربی روحانی وجسمانی سیدی مولانا محمد اشرف علی صاحب رحمہ اللہ نے اس احقر کی درخواست پر مولانا ممدوح قدس سرہ کے تذکرہ میں بالاختصار تحریر فرمایا ہے ضمیمہ سمجھنا چاہیے۔ حق تعالیٰ اس کو قبول فرمائیں اور اس ناکارہ کو حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے فیوض برزخیہ سے فیضیاب فرمائیں۔

منشاء اس تحریر کا صرف یہ ہے من احب شیئا اکثر ذکرہ کہ جس کو جس سے محبت ہوتی ہے وہ اس کو بہت یاد کرتا ہے جیسا کہ اس مضمون کو حضرت مولانا رومی قدس اللہ سرہ نے ایک حکایت کے ضمن میں بیان فرمایا ہے۔

گفت اے مجنون لیلیٰ چیست ایں — می نویسی نامہ بہر کیست ایں
گفت مشقِ نام لیلیٰ می کنم — خاطر خود راتسلیٰ می دہم
باز گوازنجد وا زیاران نجد — تادر و دیوار را آری بوجد
یاد یاراں یار رامیموں بود — خاصہ کان لیلیٰ و ایں مجنون بود

اور مقصود یہ ہے کہ طالبانِ راہ حق کو اتباع اور اقتدا کا ایک نمونہ کھلا دیا جائے اور بس۔ اس لئے امید ہے کہ الفاظ کی بے ربطی پر التفات نہ فرما کر اصل مقصود سے متمتع ہونے پر نظر رکھی جائے گی۔ اس ضمیمہ میں بھی اصل رسالہ کی طرح واقعات کو نمبروار بعنوان (ذکر) بیان کیا جائیگا۔

(ذکر نمبر ا) سادگی

سب سے اول اس ناکارہ کو اس مرکز دائرہ ارشاد کی زیارت اس وقت ہوئی جب کہ میں مدرسہ عالیہ دیوبند میں فارسی اردو وغیرہ کی تعلیم پاتا تھا اور اس وقت میری عمر تقریباً نو دس سال کی تھی اس لئے حقیقی کمالات کو تو میں اس وقت کیا سمجھ سکتا تھا البتہ خداداد محبوبیت کی شان کی وجہ سے میرے دل میں حضرت کی محبت اور عظمت وعقیدت اسی وقت سے جاگزیں ہے۔ مجھے خوب یاد ہے کہ اس وقت حضرت کا لباس بہت ہی سادہ

ہوتا تھا گاڑھے کی نیلی لنگی اکثر کاندھے پر پڑی رہتی اور باقی لباس بھی موٹا جھوٹا ہوتا تھا مگر اس کے باوجود ایک خداداد عظمت تھی جو اس لباس کے اندر بھی نمایاں ہوتی تھی۔

ہیبت حق ست و ایں از خلق نیست ہیبت آں مرد صاحب دلق نیست

(ذکر نمبر ۲) ذکاوت وظرافت وجفاکشی

ایک بار میں سہارنپور سے (جب کہ وہاں خدمت تدریس پر مامور تھا) دیوبند حضرت کی خدمت میں حاضر ہوا تو حضرت اس وقت حدیث کا سبق پڑھا رہے تھے۔ باوجود یکہ اس وقت آپ کے ہاتھ میں کچھ تکلیف بھی تھی غالباً چوٹ لگ گئی تھی اور طلبہ اصرار کر رہے تھے کہ ہم اس حالت میں پڑھنا نہیں چاہتے جناب کو تکلیف ہوگی۔ مگر آپ نے ارشاد فرمایا کہ ناغہ کرنا اچھا نہیں اور میں ہاتھ سے تھوڑا ہی پڑھاؤں گا جو تکلیف ہو میں تو زبان سے پڑھاؤں گا۔ غرض سبق شروع ہوا۔ کتاب غالباً ترمذی تھی اس میں یہ حدیث آئی۔

﴿لا یمنعکم اذان بلال فانه یؤذن باللیل فکلوا واشربوا حتی یوذن ابن ام مکتوم الخ﴾

''حضورؐ نے ارشاد فرمایا ہے کہ بلال کی اذان تم کو کھانے پینے سے نہ روکے کیونکہ وہ رات میں اذان دیتے ہیں بلکہ تم کھاتے پیتے رہو یہاں تک کہ ابن ام مکتوم اذان دیں۔ (کیونکہ وہ صبح ہو جانے کے بعد اذان دیتے ہیں)''

اس پر ایک طالب علم نے سوال کیا کہ اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اذان دینا وقت سے پہلے بھی جائز ہے کیونکہ بلال صبح ہونے سے پہلے اذان دیتے تھے۔ حضرت مولانا نے فوراً جواب دیا کہ اگر اذان دینا وقت سے پہلے جائز ہوتا اور وہ اذان کافی ہو جایا کرتی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم دو اذانیں کیوں دلواتے بس بلال کی اذان صبح کی نماز کے لئے کافی تھی۔ عبداللہ ابن ام مکتوم کی اذان کی کیا ضرورت تھی۔ اس سے تو خود یہ بات معلوم ہوتی ہے

کہ بلال کی قبل از وقت اذان صبح کی نماز کے لئے کافی نہ تھی۔ یہی حنفیہ کا مذہب ہے۔ اگر وقت سے پہلے اذان دے دی جائے تو وہ کافی نہ ہوگی۔ بلکہ اس کا اعادہ ضروری ہے۔

رہی یہ بات کہ جب بلال کی اذان صبح کی نماز کے لئے کافی نہ تھی تو وہ کس لئے اذان دیتے تھے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ بلال کی اذان درحقیقت اذان نہ تھی بلکہ وہ روزہ داروں کو سحری کے لئے جگانے کا اعلان تھا۔ آج کل سحری میں جگانے کے واسطے نقارے بجائے جاتے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے لئے اذان کی صورت کو مناسب سمجھا اور صحابہ کو مطلع کر دیا کہ بلال رات میں اذان دیا کرینگے اس سے صبح ہو جانے کا گمان نہ کرنا سو اس سے حنفیہ کو بھی انکار نہیں اگر اس وقت کوئی امام (اور خلیفہ) ہو اور وہ سحری میں جگانے کے واسطے یہی صورت اختیار کرے جائز ہے مگر ہر شخص کو ایسا اختیار نہیں ہے کیونکہ خلیفہ جو کچھ کریگا انتظام سے کریگا اور دوسرے لوگ نہ معلوم کیا کیا گڑ بڑ کریں گے۔ پس حنفیہ کے دعوے کی اس حدیث سے نفی نہیں ہوتی بلکہ تائید ہوتی ہے۔ اھ۔

یہ بات تو مولانا کی خصوصیات میں سے تھی کہ دلائل خصم سے اپنا مدعی ثابت کر دیتے تھے اور اس آسانی سے کہ یوں معلوم ہوتا تھا کہ یہ حدیث تو حقیقت میں حنفیہ ہی کی دلیل ہے دوسرے خواہ مخواہ اس سے اپنا مدعی ثابت کرتے ہیں۔ سنا ہے کہ بعض حضرات کے پاس مولانا کی تقریریں فن حدیث کے متعلق محفوظ ہیں خدا کرے وہ شائع ہو جائیں افسوس ہے کہ اب تک حضرت مولانا گنگوہی قدس اللہ سرہ کی تقریریں بھی شائع نہیں ہوئیں جو استاذی مولانا محمد یحیٰ صاحب رحمہ اللہ علیہ نے قلمبند فرمائی تھیں خدا ان کی اشاعت کا بھی سامان کر دے۔

(ذکر نمبر ۳) اکمال صلوۃ

حضرت قدس سرہ نماز بہت اچھی ادا فرماتے تھے ایک مرتبہ مجھے بریلی کے سفر میں حضرت کی معیت نصیب ہوئی مغرب کے بعد جو حضرت نوافل کی نیت باندھ کر کھڑے ہوئے تو قیام کی حالت میں ایسا معلوم ہوتا تھا کہ گویا بدن میں حس و حرکت ہی

نہیں۔ پھر قیام کی طرح رکوع اور سجدے بھی لمبے لمبے نہایت سکون کے ساتھ ہوتے تھے۔غرض کہ آپ کی نماز بالکل مطابق سنت تھی۔ رمضان کی راتوں میں سنا ہے کہ مولانا بہت ہی کم سوتے پھر سحری کے وقت تک نوافل میں قرآن سنتے رہتے تھے اور بعض دفعہ تمام رات نماز اور تلاوت ہی میں گزار دیتے تھے۔نوافل کی جماعت میں آپ کو توسع تھا ثقات سے سنا ہے کہ رمضان کی راتوں میں آپ کے یہاں نوافل کی بڑی جماعت ہوتی تھی لیکن ہمارے دیگر مشائخ اس میں تنگی کرتے ہیں اور نفل کی جماعت کو مکروہ فرماتے ہیں کہ اصل مذہب حنفیہ کا یہی ہے مگر مسئلہ مجتہد فیہا ہے اس لئے حضرت قدس سرہ اس میں توسع فرماتے تھے۔

(ذکر نمبر ۴) چھوٹوں پر شفقت

ایک بار میں سہارنپور سے دیوبند گیا اور حضرت کی خدمت میں حاضر ہوا آنے والوں کے ساتھ شفقت اور محبت کا برتاؤ اور خندہ پیشانی سے پیش آنا یہ تو حضرت کی جبلت ثانیہ تھی۔ مجھ کو اپنے پاس ہی بٹھلا لیا اس وقت حضرت عمدہ پوشاک پہنے ہوئے تھے اور ڈاک کے خطوط ملاحظہ فرمارہے تھے۔ان میں ایک خط خاص شخص کا تھا جو حضرت مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ سے بیعت ہیں اور حضرت شیخ العالم مولانا دیوبندی نے ان کو خلافت و اجازت عطا فرمائی تھی مگر درحقیقت وہ اس وقت اجازت کے قابل نہ تھے حضرت نے خط پڑھ کر ان کا تذکرہ کیا (اس وقت میرے دل میں یہ خطرہ گزرا کہ حضرت نے ان کو خلافت کیوں دیدی یہ تو اس قابل نہیں ہیں) حضرت نے فوراً مجھ سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ میں نے سنا ہے کہ وہ ذکر و شغل پابندی سے کرتے ہیں اور اکثر خلوت میں رہتے ہیں۔ مجاہدہ بھی بہت کرتے ہیں اور جو ان سے بیعت ہوتا ہے اس کو صحیح عقائد تعلیم کرتے اور نماز وغیرہ کی بہت تاکید کرتے ہیں اور ان اطراف میں لوگ ان کے بہت معتقد ہیں تو میں نے اس مصلحت سے ان کو اجازت دے دی ہے کہ کام کرتے کرتے قابل ہو ہی جائیں گے اور عوام ان کے ذریعہ سے گمراہ پیروں سے بچے رہیں گے۔

اگرچہ یہ میں بھی جانتا ہوں کہ ابھی وہ اجازت کے اہل نہیں مگر بات یہ ہے کہ کام کرنے والا محروم نہیں رہتا۔ اھ۔ میں اپنے خطرہ پر بہت شرمندہ ہوا اور حضرت کی اس شفقت پر بہت ہی حیرت ہوئی کہ مجھ جیسے نااہل کے سامنے اپنے اسرار ظاہر فرمادیئے۔ مکہ معظّمہ سے حضرت حکیم الامت کے نام جو والا نامہ آپ نے تحریر فرمایا اس میں احقر کو اور چند دیگر صاحبوں کو بھی سلام سے یاد فرمایا جو خدام پر غائبانہ شفقت کی دلیل ہے۔

(ذکر نمبر ۵) مزاح

اہل اللہ کی طبیعت میں چونکہ ذکر وشغل کی برکت سے نشاط اور انشراح زیادہ ہوتا ہے اس لئے یہ حضرات اکثر زندہ دل ہوتے ہیں جس کا ظہور کبھی کبھی ان کے کلام میں بضمن ظرافت ہو جاتا ہے۔ حضرت قدس سرہ بہت زندہ دل تھے اور بعض دفعہ چبھتے ہوئے فقرے ایسے فرمادیا کرتے تھے کہ مجلس کی مجلس لوٹ جاتی ۔ حضرت حکیم الامت بواسطہ روایت فرماتے تھے کہ ایک مرتبہ اپنے بعض حضرات جمع تھے مولانا محمد یحیٰ صاحب رحمۃ اللہ علیہ بھی تھے اور وہ کسی بات پر اپنے چھوٹے بھائی کو دھمکا رہے تھے۔ اس وقت انہوں نے ان کو یہ کہا کہ تو بڑا گدھا ہے تو حضرت مولانا قدس سرہ بیساختہ کیا فرماتے ہیں کہ گدھا ہونا تو مسلم لیکن بڑا ہونے میں کلام ہے۔ اس فقرہ پر سب حاضرین لوٹ گئے اور مولوی صاحب بھی ہنسنے لگے۔

(ذکر نمبر ۶) قوت نسبت

حضرت حکیم الامت سے میں نے سنا فرماتے تھے کہ مجھ سے مولوی بدر الدین صاحب مرحوم ساکن گلاؤٹھی نے بیان کیا کہ ایک مرتبہ حضرت مولاناؒ خورجہ تشریف لے گئے عشاء کے بعد سونے کے لئے لیٹ گئے تھے کہ امیر محمد شاہ صاحب جو ایک صاحب نسبت بزرگ تھے حضرتؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کچھ دیر تک حضرت کی طرف مراقب ہو کر بیٹھے پھر دیوانوں کی طرح اٹھ کر حضرتؒ کے تلوے چومنے لگے حضرت مولانا فوراً اٹھ بیٹھے اور فرمایا کہ صاحب یہ کیا غضب کرتے ہو انہوں نے کہا کہ حضرت میں نے

بہت صاحب نسبت دیکھے ہیں مگر آپ جیسا قوی النسبت نہیں دیکھا۔ مجھے اپنے فیض سے محروم نہ فرمائیے۔ ف۔ میں کہتا ہوں کہ حضرتؒ کی قوت نسبت ایسی ظاہر تھی کہ اس کے لئے کسی دلیل کا بیان کرنا اس کی تنقیص کرنا ہے۔

زمدرح نا تمام ما جمالِ یا رمستغنی ست
بآب و رنگ و خال و خط چہ حاجت رویے بنارا

(ذکر نمبر ۷) انفاق محبوب

حضرت حکیم الامت فرماتے تھے کہ جس وقت میں دیوبند میں پڑھتا تھا اس زمانہ میں حضرتؒ کے یہاں ایک گائے تھی جس کو مولانا نے قربانی کے واسطے خریدا تھا۔ عصر کے بعد اپنے ساتھ جنگل لیجا کر اسے دوڑایا کرتے اور دانہ وغیرہ خوب کھلاتے تھے چند دنوں میں وہ ایسے تیار ہوگئی کہ قصائی اس کے ۸۰ روپے دیتے تھے حالانکہ اس زمانہ میں گائیں ایسی ارزاں ملتی تھیں کہ دس بارہ روپے کو اچھی مل جاتی تھی اس سے اندازہ کرلیا جاوے کہ اس زمانہ میں جس گائے کے ۸۰ روپے قیمت ملتی ہو وہ کیسی کچھ ہوگی مگر حضرت مولانا نے اس کو نہیں بیچا اور قربانی کے دن ذبح کردی. حالانکہ خود مولانا کو اس سے محبت بھی بہت ہوگئی تھی اور ذبح کرتے ہوئے آنسو بھی نکل آئے مگر آپ نے خدا کے لئے اس کی قربانی کردی اور فروخت نہیں کی سبحان اللہ لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ پر عمل کر کے دکھلا دیا۔

(ذکر نمبر ۸) ہر کس و ناکس کا خیال

یہ صفت حضرتؒ میں بہت ہی بڑھی ہوئی تھی حضرت حکیم الامت فرماتے تھے کہ دیوبند کے جلسہ دستار بندی کے موقعہ پر مولوی احمد صاحب رامپوری نے مہتمم صاحب کے پاس ایک مزدور کو خط دیکر بھیجا تھا۔ جس میں مدرسہ کے متعلق کوئی بات لکھی تھی۔ مہتمم صاحب نے اس مزدور کو ۴ آنہ کے پیسے خوراک کے لئے دیدیئے کہ بازار سے کچھ لیکر کھالینا اور خط کا جواب لکھ دیا جب حضرتؒ کو معلوم ہوا کہ رامپور سے مزدور آیا تھا تو آپ

نے دریافت فرمایا کہ اس کو کھانا بھی کھلا دیا۔ عرض کیا گیا کہ حضرت چار آنہ کے پیسے دے دیئے گئے فرمایا کہ غریب آدمی پیسے خرچ نہیں کرتا وہ ان پیسوں کو تو اپنے ساتھ لے جائیگا اور بھوکا رہے گا۔ جلدی اس کو تلاش کرو۔ چنانچہ چند آدمی اس کو تلاش کرنے نکلے اور خود حضرت نے بھی تلاش کیا یہاں تک کہ بہت دور سے ملا اس کو واپس بلا کر حضرت نے کھانا کھلوا کر پھر رخصت کیا۔

فائدہ

واقعی اخلاق نبوت یہی ہیں اور کمالات انہی کا نام ہے۔ یہ کوئی کمال نہیں کہ ذرا رقت طاری ہوگئی اور رو لئے یا دوسروں کو رلا دیا۔

عرفی اگر بگریہ میسر شدے وصال صد سال می تواں بتمنا گریستن

(ذکر نمبر۹) سوز و درد

حضرت حکیم الامت فرماتے تھے کہ مولانا کی نسبت میں سوز درد اور بیتابیٔ عشق بہت زیادہ ہے۔

(ذکر نمبر۱۰) حب شیخ

مولانا گنگوہی قدس سرہ کی حیات میں حضرتؒ کا اکثر معمول یہ تھا کہ جمعرات کی شام کو دیو بند سے چل کر عشاء کے وقت تک گنگوہ پہنچ جاتے پھر وہاں سے شنبہ کی رات کو عشاء کے بعد چل کر صبح تک دیو بند پہنچ جاتے اور حسب معمول سبق شروع کرا دیتے (میں نے ثقات سے یہ بات سنی ہے)۔

فائدہ

اس سے مولانا کے دو کمال ثابت ہوتے ہیں ایک محبت شیخ میں پاپیادہ پا طویل مسافت طے کر کے زیارت کے لئے پہنچنا جو بدون شدید بیتابی کے نہیں ہوسکتا۔ دوسری

تقوی اور دیانت کہ مدرسہ کی تعلیم میں حرج واقع نہ کرتے تھے۔

(ذکرنمبر۱۱)

میں نے ثقات سے سنا ہے کہ گنگوہ پہنچ کر بعض دفعہ مولاناؒ عشا کے بعد حضرت قطب العالم گنگوہی کی جوتیوں کو اپنے سینہ سے لگا کر رات بھر کھڑے رہتے تھے اور تہجد کے وقت حضرت کو وضوء کے لئے پانی دیتے تھے۔

فائدہ

سبحان اللہ ایسے واقعات پہلے بزرگوں کے سنے جاتے تھے جن کو حضرت نے کر کے دکھلا دیا۔

(ذکرنمبر۱۲)

میں نے بعض احباب سے سنا ہے کہ ایک شخص نے حضرت قطب عالم گنگوہی سے عرض کیا کہ حضرت میں نے سنا ہے کہ آپ کو تسخیر کا عمل آتا ہے۔ مولانا نے فرمایا کہ ہاں بھائی ہاں مجھے تسخیر کا عمل نہ آتا تو مولوی محمود حسن صاحب جیسے عالم میرے پاس کیوں آتے یہ تسخیر ہی تو ہے کہ مجھے کچھ بھی نہیں آتا اور ایسے ایسے عالم میرے معتقد ہیں۔

فائدہ

اس میں حضرت قطب عالم کی تواضع اور مولانا دیو بندی کے علم پر ناز وافتخار ظاہر ہے۔

(ذکرنمبر۱۳) اجازت وخلافت

حضرت مولانا نے اول حضرت قاسم العلوم قدس سرہ سے سلوک حاصل کیا اور تکمیل حضرت قطب عالم گنگوہی کے آستانہ پر ہوئی اور حضرت نے آپ کو خلعت اجازت وخلافت عطا فرمایا اس لئے مولانا کی نسبت میں دونوں رنگ موجود تھے اس کی مجھے تحقیق

نہیں کہ آپ کو اجازت کس سنہ میں حاصل ہوئی۔

(ذکر نمبر ۱۴)

مولانا گنگوہیؒ فرمایا کرتے تھے کہ مولوی محمود حسن صاحب تو علم کا کھٹلا ہیں
(تذکرۃ الرشید)

(ذکر نمبر ۱۵) فنافی الشیخ

حضرت سید مولانا خلیل احمد صاحب رحمہ اللہ سے میں نے سنا فرماتے تھے کہ جب میں اور مولانا محمود حسن صاحب بہاولپور مناظرہ کے لئے جانے لگے تو ہم دونوں گنگوہ حاضر ہوئے۔ مولانا محمود حسن صاحب نے حضرت گنگوہیؒ سے عرض کیا کہ مسئلہ امکان کذب میں، آپ اپنی رائے ہم کو بتلا دیں پھر مقدمات اور دلائل تو ہم اپنے آپ قائم کرلیں گے۔

فائدہ

حضرت مرشدی دامت برکاتہم فرماتے تھے کہ یہ مولانا کا کمال تھا ہم تو حضرت کی بات بھی دلیل کے بعد مانتے تھے۔ میں کہتا ہوں کہ ان دونوں صورتوں میں ایک حال ہے ایک مقام ہے۔

(ذکر نمبر ۱۶) صبر و شکر

جب حضرت مولانا مالٹا سے تشریف لائے تو اپنی اسیری کی تکلیف اور مصیبت کا مطلق تذکرہ نہیں فرمایا۔ جب بمبئی سے دیوبند تشریف لا رہے تھے تو سنا گیا ہے کہ میرٹھ کے اسٹیشن پر مضمون مبارکباد پیش کیا گیا۔ جس میں آپ کی تکالیف اسیری پر غم کا اظہار بھی تھا۔ مولانا نے اس کے جواب میں یہ شعر پڑھا

سفینہ جبکہ کنارہ پہ آلگا غالب　　خدا سے کیا ستم و جور نا خدا کہئے

(ذکر نمبر ۱۷)

حضرت حکیم الامت فرماتے تھے کہ جب مالٹا سے مولانا تشریف لائے اور میں زیارت کے لئے گیا اس وقت حضرت نے یہ فرمایا کہ مجھ کو مالٹا میں ایسی یکسوئی رہتی تھی اور خلوت ایسی پسند تھی کہ بعض دفعہ یوں جی چاہتا تھا کہ یہ رفقاء بھی میرے پاس نہ ہوتے تو اچھا تھا بس میں اکیلا ہی ہوتا۔

فائدہ

سبحان اللہ سچ ہے اہل اللہ کے لئے کوئی تکلیف تکلیف نہیں ان کے لئے مصائب میں بھی راحت ہے۔

درد از یاراست و درماں نیز ہم دل فدائے اوشد و جاں نیز ہم

(ذکر نمبر ۱۸)

حضرتؒ نے سنت یوسف علیہ السلام پر حالت اسیری میں پوری طرح عمل کیا کہ زندان میں بھی دین کی خدمت ادا کرتے تھے۔ مالٹا میں بہت لوگ حضرت سے بیعت ہوئے اور آپ نے اسی حالت میں ترجمہ قرآن شریف پورا کیا اور کچھ تراجم بخاری شریف کی شرح بھی تحریر فرمائے تھے جو افسوس ہے کہ مکمل نہ ہونے پائی۔

(ذکر نمبر ۱۹) تواضع

حضرت نے دیوبند میں سب علماء کو جمع کر کے (جو کہ حضرت کے خدام اور تلامذہ تھے) یہ فرمایا کہ بھائی میں نے یہ قرآن کا ترجمہ پورا تو کر دیا ہے لیکن سب مل کر اس کو دیکھ لو۔ اگر پسند ہو تو شائع کرو ورنہ رہنے دیا جائے۔

فائدہ

اللہ اکبر اس تواضع کی بھی حد ہے۔

(ذکر نمبر ۲۰)

حضرتؒ میں چونکہ سوز و درد غایت درجہ تھا اس لئے کبھی کبھی فارسی اور اردو میں اشعار بھی نظم ہو جاتے تھے مولانا کا کلام بہت پاکیزہ عالمانہ مضامین سے بھرا ہوا اور درد و سوز میں ڈوبا ہوا ہوتا تھا عربی کلام مولانا کا میں نے آج تک نہیں دیکھا۔

(ذکر نمبر ۲۱)

جب حضرت رمضان ۳۸ھ میں مالٹا سے دیو بند پہنچ گئے تو اس وقت خدام کو زیارت کی بیحد تمنا تھی چنانچہ صدہا آدمی دیو بند پہنچ گئے تھے۔ احقر بوجہ اس کے کہ رمضان میں روزے کے ضعف کی وجہ سے سفر دشوار ہوتا ہے فوراً نہ جاسکا مگر اس وقت شوق اور بیتابی کی حالت میں چند عربی اشعار موزوں ہو گئے تھے جس میں حضرت کی تشریف آوری پر اظہار مسرت و مبارکباد کا مضمون تھا جس کو میں نے قلمبند کر کے مولانا شبیر احمد صاحب عثمانی کی خدمت میں بھیج دیا تھا کہ حضرت کو سنا دیئے جائیں چنانچہ مولانا موصوف نے وہ اشعار سنا دیئے رمضان کے بعد جب میں خود حاضر خدمت ہوا تو احباب سے معلوم ہوا کہ ان اشعار کو سن کر حضرت نے یہ فرمایا کہ جو کچھ پیش آیا بحمد اللہ اس میں بھی خدا کی طرف سے نعمت اور راحت تھی اور احقر کے لئے دعائیہ کلمات فرمائے مطلع کے دو اشعار یہ تھے۔

زال الظلام و ضاء کل مکان — بطلوع بدر تم فی اللمعان

روح الحیاۃ اعید فی الابدان — بقدوم شیخ عارف ربانی

اب میں نے انہی اشہار کو مطلع بدل کر مرثیہ کی صورت میں کر دیا ہے جو آگے حاشیہ پر نقل ہوگا۔

(ذکر نمبر ۲۲)

جب میں حاضر خدمت ہوا رات کا وقت تھا اس وقت زیادہ بات چیت کا موقعہ نہ مل سکا، ہجوم زیادہ تھا۔ صبح کو اچھی طرح زیارت ہوئی اور میں نے اپنی کتاب الدر

المنضود ترجمۃ بحر المورود حصہ اول حضرت کی خدمت میں پیش کی جس کو حضرت نے بہت خوشی سے قبول کیا اور اسی وقت کچھ کہیں کہیں سے ورق لوٹ کر دیکھا اور دعائیہ کلمات سے سرفراز فرمایا۔ **فالحمدُ للّٰہ علی ذلک**

(ذکر نمبر ۲۳)

حضرت مولانا کو مالٹا سے تشریف لانے کے بعد افسوس یہ ہے کہ راحت کا موقعہ نہ ملا اس لئے بہت جلد بوجہ ضعف کے بیمار ہو گئے اور علالت دن بدن بڑھتی گئی ایک مرتبہ دیو بند ہی میں بہت زیادہ نازک حالت ہو گئی تھی مگر پھر افاقہ ہو گیا اس وقت آپ کو مدرسہ اور اپنی حدیث پڑھانے کی جگہ بہت یاد آئی اور دیکھنے کا اشتیاق ظاہر فرمایا چنانچہ پالکی میں لٹا کر آپ کو اس جگہ لایا گیا جہاں آپ درس دیا کرتے تھے پالکی کو علماء کی جماعت نے اپنے کاندھوں پر اٹھایا وہ بھی عجیب سماں ہوگا۔ (یہ واقعہ اخبار ہمدم سے معلوم ہوا) پھر دوبارہ آپ کی طبیعت ناساز ہو گئی اور علالت بڑھتی گئی تو آپ کو معالجہ کے لئے دہلی لایا گیا۔ ہوش وحواس آپ کے اخیر تک درست تھے اور ذکر اللہ میں اکثر مشغول رہتے تھے (یہ مولانا حسین احمد صاحب کا بیان ہے جو اخبار الخلیل میں طبع ہوا ہے) یہاں تک کہ ۱۸ ربیع الاول ۳۹ھ کو صبح سے پہلے یا اس کے بعد آپ کا وصال ہو گیا ماہ و تاریخ وصال اردو میں بھی ہے، "ہائے آج چراغ دینی بجھ گیا" اور نظم فارسی میں یہ ہے۔

گفت ہاتف بہر تاریخش کہ دو ہائے مرشد محمود آواں شد شہید

اور نثر عربی میں یہ ہے **المحمود عاش حمیدا ومیت شہیدا**

(ذکر نمبر ۲۴)

حضرت رحمۃ اللہ علیہ دستخط وغیرہ میں اکثر بندہ محمود لکھا کرتے تھے تصنع سے غایت درجہ نفرت تھی مہر میں نے حضرت کی نہیں دیکھی لیکن سنا ہے کہ مہر بھی تھی جس پر یہ سجع کندہ تھا۔ الٰہی عاقبت محمود گرداں (آمین)

(ذکر نمبر ۲۵)

دنیا دار الفنا ہے یہاں سے سب کو ایک نہ ایک دن جانا ہے اس لئے بجز صبر و شکر کے کوئی چارہ نہیں۔ ہم کو ایسے موقع پر سیدنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کو یاد کر کے دل کو تسلی دینا چاہیے۔ حق تعالیٰ فرماتے ہیں۔ وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ اَفَإِنْ مَّاتَ اَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلٰى اَعْقَابِكُمْ وَ مَنْ يَّنْقَلِبْ عَلٰى عَقِبَيْهِ فَلَنْ يَّضُرَّ اللّٰهَ شَيْئًا ط وَ سَيَجْزِى اللّٰهُ الشّٰكِرِيْنَ ٥ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال پر بھی ہم کو شکر کی تعلیم ہے تو بندگان دین کی وفات پر بدرجہ اولی۔ سچ ہے۔

الا انما كانت وفاة محمد دليلا على ان ليس لله غالب

بیشک سیدنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات اس کی بڑی دلیل ہے کہ خدا کی مشیت میں کسی کو کچھ دخل نہیں حضرت عباس بن عبد المطلب کی وفات کے موقعہ پر ایک بدوی نے عبد اللہ بن عباسؓ کو ان الفاظ سے تسلی دی تھی۔

اصبر تكن بك صابرين فانما صبر الرعية بعد صبر الرأس
خير من العباس اجرك بعده والله خير منك للعباس

(ترجمہ) آپ صبر کیجئے تا کہ ہم بھی آپ کی وجہ سے صابر ہو جاویں کیونکہ رعیت کا صبر سردار کے صبر کے تابع ہے۔ آپ کے لئے وہ اجر حضرت عباس سے بہتر ہے جو ان کے بعد (صبر کرنے سے) آپ کو ملا اور عباس کے لیے خدا تعالیٰ آپ سے بہتر ہیں۔ واقعی خوب تسلی دی۔

میں بھی حضرت کے تمام اعزہ واقارب اور خدام عالی مقام کی خدمت میں یہی مضمون عرض کرتا ہوں حق تعالیٰ ہم سب کو صبر جمیل عطا فرماوے۔ حقیقت یہ ہے کہ اہل اللہ کی وفات کو وفات نہ کہنا چاہیے۔ وہ اپنے بیشمار کارنامے دنیا کے سامنے چھوڑ جاتے ہیں جو ہمیشہ ان کے نام کو زندہ رکھتے ہیں۔

ہرگز نہ میرد آنکہ دلش زندہ شد لعشق ثبت ست بر جریدۂ عالم دوام ما

پس ہم کواس کی کوشش کرنی چاہیے کہ حضرت قدس سرہ ہمارے سامنے اتقا اور زہد اور محبت الٰہی و اتباع سنت و اخلاق حمیدہ کا جونمونہ چھوڑ گئے ہیں اس پر کوشش کے ساتھ عمل کریں اوران کی محبت کو اپنے دلوں میں جگہ دیں تاکہ بموجب حدیث المرء مع من احب کے آخرت میں حضرت کے ساتھ محشور ہوں اوران کے قرب سے سرفراز ہوں آمین ثم آمین۔ اب میں اس تذکرہ کو چند اشعار عربیہ پرختم کرتا ہوں۔

حزن بقلبی ام لظی نیران قد احرقت حتی کأنی الفانی

کیف القرارو قد تبدلت السماء لافول بدر تم فی اللمعان

کیف الحیاۃ وقد تفتت مهجتی برحیل شیخ عارف ربّانی

مولائی محمود الانام المقتدی قطب الهدایة منبع الفیضان

بحر الندی شمس الولایة والتقے غوث البریة کامل العرفان

بحریروی الطالبین بفیضه شمس تزیل حنادس الاحزان

او مزنۃٌ جادت بامطار الهدے تشفی الغلیل بضیفها الهتان

رب المحامد و المعارف والعلے وفضائل جلت عن التبیان

کنز العلوم محدث و مفسر متکلم و مترجم القرآن

متبحر فی الفقه والمعقول فی علم الحدیث هو العدیم الثانی

فرد الزمان و بیهقی اوانه ومماثل بن سعید ن القطان

واحسر تامن للحدیث واهله من بعده فی ارض هندستانی

اسدا لا له محبه و حبیبه حامی الشریعة صابر حقانی

قاسی الشدائد والمصائب لم یخف فی اللّٰه لومة لائم بمکان

فرشت لوطئة قلوب اولی النهی وجماله قرت به العینان

وکلامه للطالبین کأنه ماء الحیاۃ اتے الی الظمان

محمود لاتبعد فذکرل خالدٌ والذکر للانسان عمر ثان

للّٰہ انت ایا امام اولی التقی　　للّٰہ درک من عظیم الشان
لازلت مبتھج الفؤادولم تزل　　فی عیشۃ مرضیۃ بجنان
لازلت فی کنف المھیمن فائزا　　بنعیم رؤیتہ مع الرضوان
وانظر الی الظفر الکئیب فانہ　　یرجو جوارک یا رجاء العانی
ثم الصلوۃ علی النبی محمد　　وعلی صحابتہ اولی الاتقان

ترجمہ:- ''(۱) یہ میرے دل میں رنج وغم ہے یا ایسی آگ کا شعلہ ہے جس نے جلا پھونک کر مجھے مردہ اور بے جان بنا دیا ہے۔ (۲) اب کیونکہ قرار آئے کہ بدر کامل کے غائب ہو جانے سے آسمان ہی بدلا ہوا معلوم ہوتا ہے (۳) اب زندگی کیسی جبکہ شیخ عارف ربانی کی رحلت سے دل ہی پارہ پارہ ہو چکا۔ (۴) وہ کون! میرے آقا مخلوق کے محمود۔ مقتدے ہدایت کے قطب فیض کے سرچشمہ (۵) سخاوت کے دریا ولایت اور اتقا کے آفتاب مخلوق کے فریاد رس عرفان میں کامل (۶) ایسا دریا جس سے طالبین خوب سیراب ہوتے تھے ایسا آفتاب جو رنج وغم کی تاریکیوں کو دور کرتا تھا۔ (۷) بلکہ ایسا بادل جو ہدایت کی بارشیں برساتا تھا اور اپنے بہتے ہوئے سیلاب سے سب کی پیاس بجھاتا تھا۔ (۸) محامد وعلوم اور بلندی والے تھے اور اُن میں ایسے فضائل تھے کہ بیان سے باہر ہیں۔ (۹) علوم کا خزانہ تھے محدث ومفسر تھے متکلم مناظر اور قرآن کے مترجم تھے۔ (۱۰) فقہ ومعقول میں متبحر تھے اور علم وحدیث میں تو یکتا و بےنظیر ہی تھے (۱۱) خلاصہ یہ کہ اپنے زمانہ میں فرد اور اپنے وقت کے بیہقی اور سعید بن قطان محدث کے مشابہ تھے۔ (۱۲) واحسرتا اُن کے بعد ہندوستان میں حدیث اور اہل حدیث کے لیے کون ہو گا (۱۳) وہ خدا کے شیر اور اُس کے عاشق اور اُس کے محبوب تھے۔

شریعت کے حامی اور سچے صابر تھے۔ (۱۴) شدائد و مصائب بہت جھیلیں مگر کسی موقع پر خدا کی راہ میں کسی کی ملامت کی پرواہ نہ کی (۱۵) اُن کی شریعت آوری کے لیے عقلا کے دل فرش راہ بن گئے تھے اور ان کے جمال سے ہر ایک کی دونوں آنکھیں ٹھنڈی ہوگئی تھیں۔ (۱۶) اور عاشقوں کے سامنے ان کی باتیں ایسی تھیں کہ گویا پیاسے کے پاس آبحیات پہنچ گیا۔ (۱۷) مولائی محمود آپ دور نہ جایئے کیونکہ آپ کا ذکر یہاں ہمیشہ رہے گا اور انسان کے لیے ذکر خیر بھی دوسری عمر ہے۔ (۱۸) اے متقیوں کے امام بس خدا کے سپرد۔ اے عظیم الشان ذات تیری خوبی خدا ہی کی بنائی ہوئی ہے۔ (۱۹) خدا کرے تم ہمیشہ خوش دل رہو اور جنتوں میں راحت کی زندگی بسر کرتے رہو۔ (۲۰) ہمیشہ خدا کے دامن رحمت میں اس کے دیدار اور رضا کی نعمت سے کامیاب رہو۔ (۲۱) اور ذرا اس پریشان دل ظفر کی طرف ایک نگاہ بھر کر دیکھ لیجیو کہ اے مصیبت والوں کی امید گاہ وہ بھی آپ کی ہمسائیگی کا امیدوار ہے۔ (۲۳) پھر صلوٰۃ وسلام نازل ہو سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر اور آپ کے جان نثاروں پر جو کہ بڑی پختگی والے تھے۔''

هذا وانا المفتقر الى رحمة ربى الصّمد. عبده المذنب ظفر احمد عفا الله عنه بمنه و كرمه عزة رجب المرجب ۳۹ھ

از ترجیح الراجح بابت ۳۹ھ فصل بست وصوم
تنقید در بعض حکایات مندرجہ ذکر محمود

خلاصہ سوال

پرچہ النور بابت ماہ جمادی الثانی ۳۹ھ کو جو ماہواری شائع ہوتا ہے اس میں بلالحاظ وتصحیح جو جناب نے ایک واقعہ مراد آباد نمبر ۱۷ کی کہ جو مولانا محمود حسن صاحب مرحوم ومغفور کی سوانح عمری میں تحریر فرمایا ہے اور اس میں بعض بزرگوں کو ایسے تلفظ سے یاد فرمایا کہ جو آپ کی شان سے نہایت بعید ہے۔ جو واقعہ تحریر فرمایا ہے اس جلسہ میں جناب شریک نہ تھے اور حضرات اس وقت موجود تھے اب بھی بعض ثقات اس میں سے موجود ہیں۔ جناب مولوی عبدالعلی صاحب مدرس مدرسہ عبدالرب دہلی۔ جناب مولوی دائم علی صاحب مراد آباد۔ جناب مولوی ظہورالحسن صاحب رامپور۔ جناب مولوی منور علی صاحب محدث رامپور وغیرہم ان حضرات سے اس کی تحقیق بخوبی ہو سکتی ہے۔ مناسب ہے کہ تحقیق کر کے انصاف کام میں لا کر تصحیح فرمائی جاوے۔

الجواب

راوی کے ثقہ ہونے میں دقت روایت کے مجھ کو شبہ نہیں ہوا نقل کی بناء تو یہ ہوئی اور باوجود اس کے یہ احتیاط کی گئی کہ صاحب قصہ کی تعبیر میں ابہام رکھا۔ اب عبارت سوال پر مطلع ہو کر میں اس مضمون وعنوان دونوں سے رجوع کرتا ہوں۔ جن حضرات کو معنون و عنوان کی تحقیق فرمانا ہو بزرگان مذکورین فی السوال سے تحقیق فرمالیں اور جن صاحبان ان کو اس عنوان سے اس وجہ سے کہ ان کے اذہان میں وہ ابہام نہیں ہے۔ گرانی ہوئی ہو للہ معاف فرماویں۔ وانی استغفر اللہ تعالیٰ منھما. اشرف علی ۲۳ ذیقعدہ ۳۹ھ

تصحیح واقعہ مندرجہ پرچہ النور بابت جمادی الاخری ۳۹ھ

از سید حامد شاہ صاحب محلّہ زینہ عنایت خان ریاست رامپور

جو حضرات اس جلسہ میں موجود تھے ان کی تحریریں ارسال خدمت ہیں، یہی واقعہ اب معتبر ہے۔ اھ۔ اس کے بعد سید صاحب نے تحریرات ذیل نقل فرمائیں۔

بسم اللّٰہِ الرحمٰنِ الرَّحیم ٥

نحمدہ و نصلی علے رسولہ الکریم

امابعد مراد آباد کا جلسہ امتحان اور انعام کا تھا اس میں حضرت میاں مولانا محمد شاہ صاحب محدث رام پوری مرحوم تشریف لائے تھے اور مولانا محمود حسن صاحب مرحوم بھی تشریف لائے تھے۔ اس وقت مراد آباد کے لوگوں کی رائے اور اصرار سے مولانا محمود حسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ تقریر کے واسطے کھڑے ہوئے۔ مولانا محمود حسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے (فقیہ واحد اشد علے الشیطان من الف عابد) یہ حدیث پڑھی اشد کا ترجمہ بھاری اور گراں کے ساتھ فرمایا حضرت میاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ قریب تشریف رکھتے تھے انہوں نے بیٹھے ہوئے اشد کا ترجمہ اضر کے ساتھ فرمایا۔ اس وقت اہل جلسہ کو ناگوار ہوا۔ پھر مغرب کی نماز ہوئی مولانا محمود حسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے میاں صاحب سے یہ کہا کہ آپ نے جو یہ فرمایا کہ اشد کے معنے اضر کے ہیں۔ یہاں اضر کے معنے لے لیے حدیث وحی میں تو اشد کے معنے اضر کے نہیں ہونگے وہاں کیا فرمایئے گا۔ مجھ کو اس کے بعد یاد نہیں ہے لیکن میرے خیال میں حضرت میاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اعتراضاً نہیں فرمایا تھا اور نہ میری رائے میں ان کو تخطبہ کرنا مقصود تھا۔

دستخط جناب مولوی عبد العلی صاحب مدرس مدرسہ عبد الرب دھلی

بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم

ہماری یاد میں یہ قصہ اس طرح واقع ہوا تھا کہ مولانا محمود حسن صاحب مرحوم نے اثناء وعظ میں حدیث (فقیہ واحد اشد علی الشیطان من الف عابد) پڑھ کر اس طرح ترجمہ بیان فرمایا کہ ایک عالم کا وجود شیطان پر اس کے ذہن میں ہزار عابد سے بھاری ہے۔ جلسہ میں علماء وطلبہ موجود تھے۔ چند محدث بھی تھے، مثل مولانا جان علی صاحب مرحوم ومولانا محمد قاسم علی صاحب مرحوم مرادآبادی ومولانا سید محمد شاہ صاحب مرحوم محدث رامپوری جب اس جملہ کی چند مرتبہ تکرار کی نوبت آئی تو مولانا محدث رام پوری مغفور نے اپنی جگہ پر بیٹھے ہوئے جو مولانا واعظ صاحب مرحوم سے قریب تھے مخاطب ہوکر یہ کہا کہ مولانا حضرت نبی علیہ الصلوۃ والسلام امور واقعیہ کی خبر دیتے ہیں نہ کسی کے ذہن کی اور یہاں اشد بمعنی اضر کے انسب ہے۔ اس کے سوا اور کوئی کلمہ محدث صاحب موصوف نے نہیں کہا تھا۔ اس پر مولانا واعظ صاحب نے تو کوئی کلمہ ایجابی فرما کر چند جملوں کے بعد اپنا وعظ ختم فرمایا چونکہ وقت بھی ختم ہو چکا تھا اذان مغرب کا وقت قریب آ گیا تھا۔

لیکن بعد ختم وعظ کے مولانا واعظ صاحب کے حوارییں جو غالباً ان کے طلبہ ہوں گے کچھ شور وغل مچانے لگے مولانا محدث صاحب کے ہمراہی مستعد ہوئے اور جواب دینے لگے اسی اثناء میں مغرب کی اذان ہوگئی۔ نماز مغرب کے بعد مولانا واعظ صاحب مولانا محدث صاحب کے پاس تشریف لائے اور شور وغل والوں کی طرف مخاطب ہوکر یہ کہا کہ مولانا نے جو کچھ مجھ سے فرمایا تھا مجھ کو تسلیم آپ لوگ کیوں شور وغل کرتے ہیں۔ میں خود مولانا سے استفادہ کرتا ہوں یہ کہہ کر مولانا محدث صاحب کے پاس ادب سے بیٹھ کر یہ فرمانے لگے کہ حضرت میں استفادۃً یہ عرض کرتا ہوں کہ میں نے جو یہاں اشد کا ترجمہ اثقل۔ بھاری۔ سے کیا یہ اس حدیث کے موافق کیا تھا جو صحیح بخاری شریف کی اول حدیث وحی میں واحیاناً یاتینی مثل سلسلۃ الجرس وھو اشد علی. واقع ہے تو آیا یہ معنی یعنی اثقل بھاری کے یہاں بھی صحیح ہو سکتے ہیں یا نہیں مولانا

محدث صاحب نے فرمایا میری یہ غرض تھی کہ یہاں اضر کے معنے مناسب اور واضح ہیں۔ نیز حکایت واخبار نفس الامر سے ہے نہ ذہن شیطان سے مولانا واعظ صاحب نے فرمایا کہ جو کچھ حضرت فرماتے ہیں۔ یہ تو مجھ کو تسلیم ہے۔صرف اس قدر گزارش ہے کہ اشد کے معنی أثقل کے بھی آئے ہیں۔ جیسے حدیث وحی مذکور میں۔

مولانا محدث صاحب نے فرمایا میری غرض یہ نہیں کہ لفظ اشد کے معنے کہیں أثقل کے نہیں آتے بلکہ مقصود یہ ہے کہ مانحن فیہ میں معنے اضر کے واضح اور انسب ہیں مع حکایت نفس الامری کے مولانا واعظ صاحب نے پھر اس کا ایجاب فرما کر سلسلہ گفتگو کا ختم کر دیا اور مجمع منتشر ہو گیا مہمانان ہر دو فریق مکان ضیافت پر کھانا کھانے کی غرض سے تشریف لے گئے۔

دستخط جناب مولوی صاحب/محمد ظہور الحسین الفاروقی النقشبندی المجددی الرامفوری

دستخط جناب مولوی صاحب/محمد منور العلی غفرلہ رامپوری

اتم التصحیح

﴿قسمة الشعر و الادب﴾

بقلم حضرة مولانا ظفر احمد العثمانی رئیس جمعیة علماء الاسلام پاکستان، ڈھاکہ

رثاء حَکِیمِ الامّتؒ

وقلت ارثی سیدی حکیم الامة مجدد الملة مفسر العصر فقیه الدهر مولانا محمد اشرف علی التهانوی رحمة اللّٰه علیه توفی الی رحمة اللّٰه لیلة الثلثاء لسادس عشر من رجب ۱۳۶۲ھ (و تاریخ وفات "اشرف علی نور اللّٰه مرقدهٗ") ظفر احمد

بِقلبِیَ هَمٌّ لایکاد یزولُ ثقیلٌ وهمُّ العاشقین ثقیلُ
یُسهّرنی لیلا طویلا ولم اکن لاسهر الآن یبینَ خلیلُ
الی اللّٰه اشکوما اُلاقی من النویٰ ولو ان قلبی للجبال حَمولُ
کأنّ بعینی ما بقلبی من الجویٰ فمن طرفها عن الحَمیم تسیلُ
وداعٍ دعا اذ قام باللیل ناعیًا فطار بقلبی القول حین یقولُ
فقلتُ لهٗ کُن غیر اشرفَ ناعیًا فدته الوریٰ لو للفداء قبولُ
فبکی و نادیٰ ان اشرف قدثوی فضجّت قلوبٌ بالبکا وعقولُ
نعی خیر اهل الارض نفسا و محتدا واشرفَ حُرٍّ یحتویه قبیلُ
مجدّد هذا القرن حقا حکیمُه فقیهٌ لدیهٖ للفروع اصولُ
مفسّر هذا العصر من غیر ریبة له فی المعالی رأیة و رعیلُ
تقی نقی حجة ذواصابة من الرأی اذرأی الانام افولُ

لــهٔ كتــب فــى كـل عـلـم جـمـيـلة　　　بهـا يُشتـفـىٰ لـلـطـالبين غليلٗ
تــفــطّــر قــلـبــى اذرأيتک راحـلا　　　وكـادت لهـاشُمّ الجبال تزولٗ
فـواحسـر تـامـا اقبحَ البينَ بيننا　　　وافـظـعَـه والـنـائبات تهـولٗ
ويـا قـاتـل اللّـٰـه الـنـوى مـا امرَّهٗ　　　واصـرعــه لـلـمـرأحين يصولٗ
فيـــاليــتَ ايــامَ الـفــراق رواحلاً　　　ويـاليـت ايـامَ الوصـال تؤولٗ
فـمـن لـعـلـوم قـد كشفتَ لِثامها؟　　　ولم يقتبسها عن سواک سَؤولٗ
ومـن لـمـعـانٍ قـد نطقتَ بسرّها؟　　　وزلـت بـاقـدام الـعقول وُحولٗ
ومَـن لـنـكـاتٍ قـد فـتحت كنوزها؟　　　لهـا غُـرربيـن الـورٰى وحجولٗ
ومَـن لـعُـضـال اعـجز الـناس طبّه؟　　　وانت لكشف المعُضَلات كفيلٗ
ومــن لبيـان فــى الـقـلـوب مؤثـر؟　　　وبـعـدک قول القائلين فضولٗ
يـبكيک اهـل الـعـلـم والبّر والنهى　　　سـواء شبـابٌ مـنهـم وكهولٗ
يبـكّيک اهـل الارض فـى كل ليلة　　　وفــى كــل يـوم رنّة وعَـويـلٗ
فـقـد حـاق بـالـنـاس البلا كل جانب　　　وكـنـتَ طبيبًا والـزمـان عليلٗ
وكــنــتَ مــلاذا لـلانــام غيــاثهـم　　　ووجهک سيف للهموم صقيلٗ
تـذكـرت ايـامـا مـضـت فى حلاوة　　　اذا انـت حـى والـزمـان جميلٗ
مَضَت فمضى ماكان من طيب عيشة　　　بـمـجلس خير مالذاک عديلٗ
اقـومُ ومـا لـى غيـر ذكـراک ملهَجُ　　　وارقـد والافـكار فيک تجولٗ
بـنـفـسِـىَ مـن لـم يـنسَنى عند موتـه　　　دعـانـى باسمى واللسان كليلٗ
وقـد كـان فـى مـاقبل يومين خطّ لى　　　كتـابـالـه فـى المرُجِفين صليلٗ
بشــارــة شيـخ عـارف عـنـد مـوتــه　　　لــنــعـمة ربــى اٰية و دليـلٗ

جــزاهٗ الـــه الــعــرف خيرا بـمُـدّهٗ
بــخيــر عــظيــم والـجـزاء جزيُـلٗ

جريح الفؤاد ظفر احمد العثمانی عفا اللّٰه عنه ١٥ شعبان ١٣٦٢ھ بدكة المحمية

نداء الحزين

هـذه قـصيدةٌ ارسلها الينا حضرة الفاضل العلامة مولانا ظفر احمد العثمانی الانصاری. اما تعريف هذه الاشعار فنذكرهٗ بكلامهٖ ولفظهٖ كما قال. (التحرير)

رثـاء حبيبتـی و روح حيـاتی زوجی ام عمر عارفه خاتون الملقبة بـمشتـری تـوفيـت الـی رحمة اللّٰه عشية يوم الخميس عند اذان المغرب لـلثـالـث عشـر من المحرم ۱۳۷۰ھ والسـادس و الـعشـرين من اكتوبر ۱۹۵۰ء فـی ارض دكـه (ڈھـاكـه) و دفـنـت فـی مـقبـرة النواب عند قبر الـمـرحـوم مـولانا الحافظ المحدث محمد براءت رحمة اللّٰه تعالیٰ عليه وعـليهـا وعـلـے مـن فے جوار هما من المسلمين والمسلمات والمؤمنين والمؤمنات. (ظفر احمد العثمانی)

اشـكـوالـی الـلّٰـه حـزنـا هاج احزنا — ولوعةً اضرمت فی القلب نيرانا
يـا فـرحة اقبـلـت حتـی اذا كـملت — غـابت و بدّلت الافراح احزانا
كـانـت وقـلبـی عن الافكار مشتغل — بـحسـن طلعتها البيضاء فرحانا
راحـت فـراح بهـا مـا كـان من فرح — فی الدهر والخير عنا بعد ها بانا
كـانـت وكـنـا وكان الشمل مجتمعا — ثـم افتـرقنا كأنَّ الجمع ما كانا
ضـاءت ببهـجتهـا ارض بهـا دفنت — اِنَّ الـجـميلَ جميل حيثما كانا
قد كنت فی سكرة من حُسن طلعتها — ولا أری مثـلها فی الناس انسانا
فـی غـفـلة من صروف الدهر فاجئة — حتـی فُـجِـعـتُ بما لا مثلُه الآنا
يـــاربة الـحُـسـن ان الـدار مـوحشة — مذغبتِ عنها وقد اُدرجتِ اكفانا
يـاربة الـحُـسـن مـاهـذا الـجفاء وقد — كـنـا جـمـعيا كرُوح حَلَّ ابدانا

يا اُمْنية القلب ان الروح فى كمد　　والقلب فى قلق نوما ويقظانا
يا راحة الروح مالى عنكِ مصطبر　　عودى فعودى الى الاحباب احيانا
ما كنتُ اخشاک يا روحى ويا املى　　ان تتركى خلكِ المشتاق حيرانا
ما كان ذَنْبى سوى حبيک ياسكنى　　واننى كنت من رؤياكِ جذلانا
فهل جزائى بلاء قد بليتُ به　　تركتنى مفردا فى الدهر وَلْهانا
غادرتنى دفنا حيرانِ مندهشا　　مادمت حيا على مافات حسرانا
باللّٰه عودى مريضا لا دواء لهُ　　الا لقاء كِ غصنَ البان مَيْسانا
يا ام عَمرٍ و جزاكِ اللّٰه مكرمةً　　ردّى على فؤادى أينما كانا
نلتِ الشهادة فى الشهر الحرام وقد　　اثنى عليک الورى سرا وا علانا
وافيتِ منزلة مانا لها احد　　من النساء ذُرافات و وجدانا
قد كنتِ عابدة للّٰه زاهدة　　مُحِبة لرسول اللّٰه ايمانا
تلّاءةٍ كتاب اللّٰه ناطقةً　　بالحق راجحَة الآراء ميزانا
واللّٰهُ اولاک ما لا اعين نظرت　　فى جنة الخلد اكراما و احسانا
ونور اللّٰه قبر اقد حللَتِ به　　فعادَ من حُسنک الوهّاج بُستانا
ياليتها بقيت او لبيتها رجعت　　يوماً فكل عزيز بعدها هانا
زينُ النَسَاء واعلا هن منزلة　　فى الحُسن كانت لصنع اللّٰه برهانا
فصيحة كنظام الدر منطقها　　بليغةٌ افحمت ضدا واقرانا
بسَّامة تضحک الثكلى ولؤلؤة　　نفيسه فردة من آل عثمانا

منى السلام عليهاد ائما ابدا
ورحمة اللّٰه والغفران رضوانا

طریق الاستقلال

فلا بدلاستقلال الاسلام، من زوال هذه الاوهام، ومن انتشار المعارف التی لایجتمع مع الذلّ فی مکان، ولاتبرح دون تلک الغایة مصاعب وقحم. و مصائب و غُمّم، ولیال مظلمة طوال، ومعارک تشیب لها ذوائب الاطفال. (شکیب ارسلان)

رثاء آخر لاُمّ عُمَر (رحمها اللّٰه تعالیٰ)

هذه ثانیة القصید تین اللتین ارسلهما الینا العلامة مولانا ظفر احمد العثمانی من دکة فی رثاء زوجتهٖ نشرنا الاولی فی العدد القادم وهذه الاخریٰ نتشرف بنشرها الآن (المدیر)

مالـلـضـیـاء تبـدلـت بـظـلام — مـالـلـحـیـاة تحولت لِحمام

تَبًّا لِدُنیا لایدوم نعیمُها — دار الغرور تم کالاحلام

شِیْبَت حَلاوةُ عیشها بمرارةٍ — لم تصفُ لذتها من الآلام

قدکنت محسودَ الانام بعیشةٍ — مرضیة فی ظلِ کل همام

ثم ابتلیتُ بفقدهم متتا بعا — حتی فقدتُ حبیبتی فی العام

وافرقتاه فکیف عیشی بعدها — وَهْیَ الحیاةُ ترحلت بسلام

کانت فکان بها الزمان منوّرا — ومضت فغاب بها ضیا الایّام

شمس النهار بحسنها و ضیاءِ ها — وجمالُها باللیل بدر تمام

زین العشیرة صدرُ کل مجالسٍ — قد شرفته تکرّما بکلام

واذا تبسّمت الحبیبةُ خِلتَها — برقاتلألأ فی خلالِ غمام

حلو الشمائل بضة ريحانة ... غيداء نا عمة بحسن قوام

اللّٰهُ زينها بحُسن ملاحة ... وصباحة برقت كلون مُدام

كانت حياةً للنفوس وراحةً ... للمستهام ببارد دبسّام

كانت فريدة عصر ها فی خلقها ... قدكان كل امور ها بنظام

كانت مطيعة ربها و مُحِبّةً ... لرسوله، ظفرت بحسن ختام

تلاّءة لكتابه ذكّارة ... صوّامة قوّامة بظلام

صبّارة شكّارة بسّامةً ... امّارة بشرائع الاحكام

قوّالةً بالحق مدة عمرها ... لم تخش قط ملامة اللُّوّام

فاقت بهمتها الرجال و غادرت ... همم النساء وراء ها بمقام

حجّت الی البيت الحرام بهمّة ... علياء فوق شوامخ الاعلام

حجت مع الوالدين تحمل واحدا ... فی حجرها بمزالق الاقدام

ركبت وما ركبت حمار اقبله ... واتت من التنعيم بالاحرام

اعجب بهمتها لا مرصلاتها ... حتی الممات بقعدة وقيام

قرأت كتاب اللّٰه ثم تعلمت ... معناه عند مجدد الاسلام

اشرف علی المقتدی بفعاله ... قطب الهداية للحقيقة حامی

روّی الالٰه ضريحها واثابها ... حُسن الثواب غدًا بدار سلام

لاتبعدی فَلاَنتِ وسط قلوبنا ... وعيونِنا فی يقظة ومنام

لاتبعدی فجميلُ ذكركِ خالدٌ ... والذكرُ للانسان عُمرٌ نامی

ولأنت عارفة وانت حميدة ... فی عالم الارواح والاجسام

ثم السلام علی النبی وآله

وعلی الحبيبة مُشتری بدوام

ظفر احمد العثمانی عفا اللّٰه عنه (من دكة ۱۰ ج ۱

۱۳۸۱ھ)

جہاد فلسطین

(حضرت مولانا ظفر احمد صاحب عثمانی شیخ الحدیث دار العلوم الاسلامیہ ٹنڈو الہ یار)

ایک عربی قصیدہ جہاد فلسطین بھیج رہا ہوں، یہ اسرائیل کی پہلی جنگ کے موقعہ پر لکھا تھا اور حفلۃ العلماء منعقدہ مئی ۴۸ء کے یوم فلسطین میں پڑھا گیا تھا۔ مگر شائع نہیں کیا گیا۔ اب اس کی اشاعت کا وقت ہے۔

والدعاء ظفر احمد عثمانی

جاء البريد على الهوا بكتاب — من عندنا عمة القوام كعاب

نفسي ومابيدى فدا مصرية — من آل عثمانٍ ذوى الاحساب

يامنية العشاق كيف رثيت لى — من بعد طول تبتل وعتاب

قالت دعوتك كى تطهر ساحتى — من قوم دجال وجوه كلاب

من معشرباء وابلعنة ربهم — فى العالمين مُدنَّسى الاثواب

جاء وا اوقد ضربت عليهم ذلة — من عند ربّىَ سيد الارباب

جاء ت اميريكا لنصرة معشر — لُعنو الأخر هذه الاحقاب

من ينصر الملعون باء بلعنة — وتردُّ نصرته على الاعقاب

من يلعن اللّٰهُ فلن تجدواله — من ناصريا معشر الاحزاب

نرجو الالٰه ولا نخاف كتيبة — سارت الى اخواننا الاعراب

يكفى الالٰه المؤمنين قتالهم — ويثيبنا فى الاجر خير ثواب

جاء ت يهود لكى تغالب ربها — فليُغلبنَّ مُغالب الغَلاّب

يامعشر الاسلام قوما واضربوا — اعداء كم ضربا بغير حساب

ياقومنا قوموا اليهم وانزعوا — بيت المُقَدَّس من يد الخلاّب

طوبىٰ لقوم قُدّموا فتقدموا — لنكال كل مكذب مرتاب

يامعشر العرب الكرام فديتكم — لايغلبنكم اليهود بباب

انتم جنود اللّٰه فى يوم الوغىٰ — انتم اُسُود فى صريمة غاب

یاقوم لا تهنوا ولا تخشوهمُ	وامحوا ظلامهمُ بضوء شهابِ
بُعد اوسُحقا للیهود ومن اتیٰ	معُهم یرید غنائم الاسلابِ
اللّٰه ینصر کم علی اعدائکم	ویبیدهم حقا بشر عقابِ
هذی فلسطین لنا من غیرما	ریب عطاء ملیکنا الوهابِ
ثم الصلوة علی النبی محمد	خیر الوریٰ والآل والاصحابِ

جتنا علم قرآن میں ہے

اس سے زیادہ علم اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اور دیا تھا

از حضرت مولانا ظفر احمد صاحب عثمانی شیخ الحدیث دارالعلوم اشرف آباد (ٹنڈو اللہ یار) سندھ

حضرت العلامہ مولانا ظفر احمد صاحب عثمانی جزاء اللہ عنا وعن سائر المسلمین کا ایک مضمون ''منکرین حدیث اور خطیب بغدادی'' الصدیق کے اندر ۱۸ قسطوں میں شائع ہو کر پچھلے شمارہ میں مکمل ہو چکا ہے۔ اس مضمون کے شائع ہونے پر منکرین حدیث بہت سٹ پٹائے۔ ادارہ طلوع اسلام نے ہمیں لکھا تھا کہ الصدیق کے وہ پرچے جن میں طلوع اسلام کے مسلک پر تنقید کی گئی ہے۔ ہماری طرف ارسال کرو۔ مگر بغیر قیمت کے ہم کس لئے ارسال کرتے۔ جبکہ طلوع اسلام ہمارے پاس قیمتاً آتا رہا۔

اس مقالہ میں منکرین حدیث کے ایک اور مضمون کا جواب دیا گیا۔ جس کا عنوان ہے ''حدیث مثلہ کی حقیقت'' اس مضمون پر ادارہ طلوع اسلام کو بڑا ناز ہے۔ جیسا کہ حضرت مولانا نے تصریح فرمائی ہے۔ الحمد للہ تعالیٰ حضرت مولانا موصوف، رحمہ اللہ منکرین حدیث کا خوب تعاقب فرماتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ حضرت علامہ مدظلہ العالی کو جزائے خیر عطا فرماوے اور آپ کے مضامین اس فتنہ کی سرکوبی کیلئے ہمیشہ جاری رہیں۔ (ادارہ)

اب تک طلوع اسلام کے اس مضمون کا جواب تھا جو عنوان ''مقام حدیث امام اعظم ابوحنیفہ کی نظر میں'' کے تحت لکھا گیا ہے۔ اس کے بعد اختصار کے ساتھ اس مضمون کا بھی جواب دینا چاہتا ہوں جو حدیث مثلہ معہ کی حقیقت کے عنوان سے اسی شمارہ میں درج کیا گیا ہے۔ کیونکہ اس پر بھی ادارہ طلوع اسلام کو بڑا ناز ہے۔ مدیر نے جابجا حاشیہ میں

مضمون نگار کو بہت داد دی ہے۔ اس مضمون پر جو تعارفی نوٹ دیا اس میں یہ دعویٰ کیا گیا ہے کہ

''قرآن کا دعویٰ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جو کچھ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو وحی کے ذریعہ سے دینا تھا وہ قرآن کے اندر محفوظ و مصئون ہے اور قرآن کے باہر خدا کی وحی کہیں نہیں ہے۔''

ادارہ طلوع اسلام کو قرآن کا یہ دعویٰ کہ قرآن کے باہر خدا کی وحی کہیں نہیں ہے قرآن سے ثابت کرنا چاہیے۔ ہم چیلنج کرتے ہیں کہ وہ ہرگز قرآن سے اس مدعا کو ثابت نہیں کرسکتا۔ بہت سے بہت وہ کھینچ تان کر یہ کہے گا کہ قرآن کا دعویٰ ہے کہ وہ دین کی تمام باتیں کر دینے کے لئے اتارا گیا ہے۔ اور یہ کہ دین کی باتوں میں قرآن نے کوئی کمی نہیں چھوڑی ہے۔''

اس میں اول تو دین کی قید بڑھانا محتاج دلیل ہے قرآن تو اپنے کو تبیانا لکل شیئ کہتا ہے کہ اس میں ہر چیز کا بیان ہے اور مَافَرَّطْنَا فِی الْکِتَابِ مِنْ شَیْئٍ ہم نے اس قرآن میں کوئی چیز نہیں چھوڑی، تم نے اس میں دین کی قید کہاں سے لگائی؟ اگر کہا جائے کہ عقل سے لگائی۔ تو اپنی عقل کا حجت ہونا قرآن سے ثابت کر دو۔ ورنہ علامہ طنطاوی کا قول دلیل قرآن سے رد کرو جو قرآن میں سائنس اور طبیعات و فلکیات اور صنعت و حرفت اور طب وغیرہ کا بیان بھی ان ہی آیتوں سے ثابت کرتا ہے۔

اس سوال سے قطع نظر کر کے ہمارا دوسرا سوال یہ ہے کہ کیا قرآن میں دین کی تمام باتوں کو اس طرح کھول کھول کر بیان کیا گیا ہے کہ ہر جاہل و عالم اس سے احکام معلوم کرسکتا ہے یا کچھ باتیں صاف صاف بیان کی گئی ہیں۔ کچھ بالا جمال، اور کچھ بطور اشارہ؟ اگر پہلی صورت ہے تو مشاہدہ کے بھی خلاف ہے اور قرآن کے بھی۔ کیونکہ ظاہر ہے کہ قرآن فہمی میں ہر عالم و جاہل برابر نہیں ہے۔ قرآن جاہلوں کے متعلق خود کہتا ہے۔

فَاسْئَلُوْا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَاتَعْلَمُوْنَ اہل علم سے پوچھو اگر تم نہیں جانتے۔ هَلْ يَسْتَوِى الَّذِيْنَ يَعْلَمُوْنَ وَالَّذِيْنَ لَايَعْلَمُوْنَ کیا اہل علم اور غیر اہل علم برابر ہو سکتے ہیں؟ اگر دوسری صورت ہے تو قرآن کے اشارات واجمال کو سمجھنے کا معیار کیا ہے؟ اور کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن کے اجمال و اشارات کو واضح کیا ہے یا نہیں؟ اگر جواب اثبات میں ہے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا وہ بیان اور توضیح قرآن میں ہے یا قرآن سے باہر؟ ظاہر ہے کہ رسول اللہ کا بیان قرآن میں نہیں ہوسکتا۔ قرآن میں تو جو کچھ ہے خدا کا کلام ہے لامحالہ قرآن سے باہر ہی ہوگا۔

اسی کو ہم حدیث اور سنت کہتے ہیں اور اس سے قرآن کا ناقص ہونا ہرگز لازم نہیں آتا۔ ہاں یہ ضرور لازم آتا ہے کہ قرآن میں دین کی سب باتیں کھول کھول کر بیان نہیں کی گئیں کچھ احکام اجمال واشارہ کے طور پر بھی بیان کئے گئے۔ جن کی تشریح وتوضیح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کر دی ہے اگر ادارۂ طلوع اسلام کو اس حقیقت کے ماننے سے انکار ہے تو وہ بتلائے کہ قرآن میں حق تعالیٰ فرماتے ہیں اِنَّ عَلَيْنَا جَمْعَهٗ وَ قُرْآنَه o فَاِذَا قَرَأْنَاهُ o فَاتَّبِعْ قُرْآنَهٗ o ثُمَّ اِنَّ عَلَيْنَا بَيَانَه o ہمارے ذمہ ہے قرآن کا جمع کرنا اور اس کا پڑھ دینا تو جب ہم قرآن کو پڑھیں اس کی قرأت کا اتباع کرو پھر ہمارے ذمہ اس کا بیان کرنا بھی ہے۔ اس سے صاف معلوم ہو رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ دو چیزوں کی الگ الگ ذمہ داری لے رہے ہیں۔ ایک قرآن کے جمع کی دوسری اس کے بیان وتوضیح کی۔ اگر قرآن کا بیان اس سے الگ نہیں تو دو چیزوں کا الگ الگ بیان کرنا فضول ہو جاتا ہے۔ صرف اتنا کہہ دینا کافی تھا کہ قرآن کا جمع اور محفوظ کر دینا ہمارے ذمہ ہے ثُمَّ اِنَّ عَلَيْنَا بَيَانَهٗ کی کچھ ضرورت نہ تھی۔

پھر دوسری آیت سے صاف معلوم ہو رہا ہے کہ قرآن کا بیان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان سے ہوا ہے۔

﴿وَ اَنْزَلْنَا اِلَیْکَ الذِّکْرَ لِتُبَیِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَیْھِمْ﴾

''اور ہم نے آپ پر یہ قرآن نازل کیا ہے تاکہ آپ لوگوں کے سامنے اس چیز کو واضح کر دیں۔ جو ان کی طرف نازل کی گئی ہے''

یہ آیت بتلا رہی ہے کہ دین کی سب باتوں کو تنہا قرآن سے سب لوگ نہیں سمجھ سکتے بلکہ بیان رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی بھی ضرورت ہے اور اس سے قرآن کا ناقص ہونا ہرگز لازم نہیں آتا کیونکہ ہم بتلا چکے ہیں کہ سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں جو کچھ بھی ہے۔ قرآن ہی کا بیان ہے اس سے الگ کوئی چیز نہیں۔

اگر قرآن سے باہر خدا کی وحی کہیں نہیں ہے تو اس آیت کا کیا مطلب ہے۔

﴿وَ اَنْزَلَ اللّٰہُ عَلَیْکَ الْکِتَابَ وَالْحِکْمَۃَ وَ عَلَّمَکَ مَالَمْ تَکُنْ تَعْلَمُ وَ کَانَ فَضْلُ اللّٰہِ عَلَیْکَ عَظِیْمًا﴾

''اللہ نے نازل کی آپ پر کتاب اور حکمت اور سکھلائیں آپ کو وہ باتیں جو آپ نہیں جانتے تھے اور اللہ کا فضل آپ پر بہت بڑا ہے۔''

یہاں دو چیزوں کا نزول اللہ کی طرف بتلا دیا گیا ہے۔ ایک کتاب دوسری حکمت، اگر حکمت قرآن ہی کا نام ہے تو اس کو الگ سے بیان کرنے کی کیا ضرورت تھی۔ بس اتنا کہہ دینا کافی تھا کہ ہم نے آپ پر کتاب نازل کی۔ مگر قرآن کے الفاظ بتلا رہے ہیں کہ کتاب اللہ کے علاوہ دوسری چیز بھی آپ پر نازل کی گئی ہے۔ جس کا نام حکمت ہے۔ اسی کو ہم سنت کہتے ہیں۔ قرآن کا مطالعہ کرنے والے جانتے ہیں کہ حق تعالی نے حکمت کو قرآن سے الگ جا بجا بیان کیا ہے۔ چنانچہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا میں فرمایا گیا ہے۔ رَبَّنَا وَابْعَثْ فِیْھِمْ رَسُوْلاً مِّنْھُمْ یَتْلُوْ عَلَیْھِمْ اٰیَاتِکَ وَ یُعَلِّمُھُمُ الْکِتَابَ وَالْحِکْمَۃَ وَ یُزَکِّیْھِمْ اِنَّکَ اَنْتَ الْعَزِیْزُ الْحَکِیْمُ (بقرہ) مسلمانوں پر اپنا انعام بیان کرتے ہوئے فرمایا ہے کَمَا اَرْسَلْنَا فِیْکُمْ رَسُوْلاً مِّنْکُمْ یَتْلُوْا

عَلَيْكُمْ اٰيَاتِنَا وَ يُزَكِّيكُمْ وَ يُعَلِّمُكُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَ يُعَلِّمُكُمْ لَمْ تَكُونُوا تَعْلَمُوْنَ (البقرہ) دوسری آیت میں فرماتے ہیں لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيهِمْ رَسُوْلاً مِّنْ اَنْفُسِهِمْ يَتْلُوا عَلَيْهِمْ اٰيَاتِهٖ وَ يُزَكِّيهِمْ وَ يُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَ اِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِي ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ (آل عمران) سورۂ جمعہ میں ارشاد ہے۔ هُوَ الَّذِي بَعَثَ فِي الْاُمِّيّٖنَ رَسُوْلاً مِّنْهُمْ يَتْلُوْ عَلَيْهِمْ اٰيَاتِهٖ وَ يُزَكِّيهِمْ وَ يُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَ اِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِي ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ○ ان تمام آیات میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چند فرائض بتلائے گئے ہیں (۱) تلاوت آیات (۲) تزکیہ ظاہر و باطن (۳) تعلیم کتاب اللہ (۴) تعلیم حکمت (۵) ایسی باتوں کی تعلیم جو بغیر آپ کے بتلائے ہوئے کوئی نہیں جان سکتا تھا۔ اگر قرآن کے سوا کوئی وحی آپ پر نہیں آئی تو حکمت وغیرہ کی تعلیم کو الگ بیان کرنے کی کیا ضرورت تھی؟ منکرین حدیث کے نزدیک تو رسول کا کام صرف تلاوت قرآن تھا کہ لوگوں کو قرآن پڑھ کر سنا دیں۔ تعلیم قرآن بھی رسول کا کام نہ تھا۔ ورنہ ہم کو بتلایا جائے کہ رسول نے تلاوت آیات کے علاوہ کتاب اللہ کی تعلیم کے سلسلہ میں جو کچھ فرمایا ہے وہ کہاں ہے؟ یقیناً وہ حدیث وسنت ہی میں ہے جب قرآن میں تلاوت آیات، تعلیم کتاب اور تعلیم حکمت کو الگ الگ بیان کیا گیا ہے تو یقیناً یہ تین چیزیں ہیں۔ پس یہ کہنا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کام صرف تلاوت آیات تھا اور آپ نے قرآن کی تعلیم کے سلسلہ میں کچھ نہیں فرمایا نہ آپ نے حکمت کی تعلیم دی سراسر قرآن کے بیان کو جھٹلانا ہے۔ مجموعہ آیات سے ثابت ہوگیا کہ اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر جس طرح قرآن نازل کیا ہے۔ اسی طرح ایک دوسری چیز حکمت بھی نازل کی ہے۔ وَاَنْزَلَ اللّٰهُ عَلَيْكَ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ اور جس طرح آپ نے قرآن کی تلاوت کر کے تبلیغ وحی کا حق ادا کیا ہے۔ اسی طرح آپ نے امت کو اس کے معانی و مطالب کی بھی تعلیم دی ہے اور ہر کلام سے

اصل مقصود معانی و مطالب ہی ہوتے ہیں تو اِنَّا نَحنُ نَزَّلنَا الذِّكرَ وَاِنَّا لَهُ لَحٰفِظُونَ سے جس طرح الفاظ قرآن کی حفاظت کا وعدہ مفہوم ہو رہا ہے اس کے معانی و مطالب کی حفاظت کا بھی وعدہ مفہوم ہو رہا ہے۔ خصوصاً وہ معانی و مطالب جو رسول نے بامرِ الٰہی تعلیم کتاب کے سلسلہ میں بیان فرمائے ہیں پس یہ کہنا غلط ہے کہ اللہ تعالیٰ نے صرف قرآن کے الفاظ و نقوش کی حفاظت کا وعدہ کیا ہے بلکہ آیت کا مطلب یہ ہے کہ قرآن بھی محفوظ رہے گا۔ اور جن چیزوں پر اس کا سمجھنا موقوف ہے وہ بھی محفوظ رہیں گی۔ جن میں سب سے پہلے وہ حکمت داخل ہے جو رسول پر قرآن کی طرح نازل کی گئی اور رسول کی وہ تعلیمات بھی داخل ہیں جو قرآن و حکمت کے سلسلہ میں آپ نے امت کو دی ہیں۔

تمنا عمادی صاحب نے یہ تو تسلیم کرلیا ہے کہ اِنَّا نَحنُ نَزَّلنَا الذِّكرَ وَاِنَّا لَهُ لَحٰفِظُونَ ○ سے صرف اوراق یا حروف و نقوش کی حفاظت مراد نہیں۔ بلکہ اصل دین کی حفاظت کا وعدہ مقصود ہے، اس کے بعد فرماتے ہیں کہ اس کتاب کی حفاظت کے معنی یہی ہیں کہ دین ہر طرح محفوظ ہے۔ اسی لئے دین کے تمام احکام سارے اوامر نواہی اسی کتاب میں محصور رکھے گئے اور اسی کو تبیانا لكل شيئ فرمایا گیا۔ ہم کہتے ہیں کہ یہ سب مقدمات مسلم ہیں مگر اسی کے ساتھ آپ کو آیت وانزل اللّٰه عليك الكتاب والحكمة سے یہ بھی ماننا پڑے گا کہ قرآن کے علاوہ آپ پر حکمت بھی نازل کی گئی تھی اسی کی مدد سے قرآن کا تبيانا لكل شيئ ہونا رسول پر واضح ہوا۔

قرآن کے بعض اشارات کو رسول نے بھی دوسری وحی سے سمجھا ہے۔ جس کا نام حکمت ہے تنہا قرآن سے نہیں سمجھا چنانچہ احادیث میں بہت مسائل ایسے موجود ہیں۔ جن کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا گیا اور آپ نے جواب نہیں دیا وحی کا انتظار فرمایا وحی کے بعد جو جواب دیا وہ قرآن میں صراحۃً مذکور نہیں ہے۔ اشارۃً ہوگا مگر وہ اشارہ رسول کو بھی مستقل وحی سے معلوم ہوا۔ جیسے ایک شخص نے حالت احرام میں عمرہ میں

خوشبو لگانے اور جبہ پہننے کے متعلق سوال کیا۔ آپ نے وحی کے بعد جواب دیا کہ خوشبو کو دھوؤ جبہ الگ کرو قرآن میں صراحۃً مذکور نہیں۔ جب رسول کے حق میں بھی قرآن کا تبیانا لکل شیئ ہونا بغیر نزول حکمت کے واضح نہ تھا تو امت کے حق میں بغیر ان تعلیمات کے جو کتاب وحکمت کے سلسلہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے امت کو دی ہیں۔ کس طرح اس کا تبیانا لکل شیئ ہونا واضح ہوسکتا ہے؟ اور جب ان تعلیمات کے علم پر قرآن کا تبیانا لکل شیئ ہونا موقوف ہے۔ تو دین اس وقت تک محفوظ نہیں ہوسکتا۔ جب تک وہ تعلیمات رسول محفوظ نہ ہوں۔ ورنہ تمنا عمادی صاحب ہم کو بتلائیں کہ نکاح کے لئے کم از کم دو گواہوں کا ہونا شرط ہے یا نہیں؟ اگر نہیں تو نکاح اور زنا میں فرق بتلائیں؟ اگر شرط ہے تو قرآن سے اس شرط کو ثابت کریں؟ نیز گدھے، کتے، بندر، خچر کی حرمت کا قرآن سے ثبوت دیں۔ آپ نے اُحِلَّتْ لَكُمْ بَهِيمَةُ الْاَنْعَامِ سے جوان کی حرمت ثابت کی ہے محض لغو ہے کیونکہ اس آیت سے صرف اتنا معلوم ہو رہا ہے کہ بَهِيمَةُ الانعام (اونٹ گائے بکری) حلال نہیں۔ یہ کہاں معلوم ہوا کہ ان کے ماسوا سب حرام ہیں۔ یہ تو مفہوم مخالف سے استدلال ہوا اور مفہوم مخالف کا حجت ہونا مسلم نہیں اس میں بہت اختلاف ہے اگر وہ مفہوم مخالف کو حجت سمجھتے ہیں تو اس کا ثبوت بھی قرآن سے پیش کریں۔ پھر مفہوم مخالف کو حجت مان بھی لیا جائے تو اس آیت سے یہ مفہوم ہوگا کہ مرغی، بطخ، مرغابی، مور، سرخاب سب حرام ہیں۔ کیونکہ یہ چیزیں بہیمۃ الانعام سے خارج ہیں اور قرآن نے صرف بہیمۃ الانعام کو حلال کیا ہے۔ اس کے سوا سب درندے پرندے چرندے حرام ہیں۔''

اب تو سمجھ میں آ گیا ہوگا کہ قرآن بغیر تعلیمات رسول کی حفاظت کے تبیانا لکل شیئ نہیں ہے۔ اور تعلیمات رسول قرآن ہی کی تفسیر و بیان ہیں۔ اس کے بعد تمنا صاحب فرماتے ہیں کہ وہ وحی جس کا تعلق احکام شریعت دینی اوامر ونواہی اور حلال وحرام

سے یا تبشیر و تنذیر سے ہے (انذار کہنا چاہیے) وہ صرف قرآن مبین اور اس کی آیتیں ہیں۔ اس لئے اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنے الفاظ میں بھی لوگوں کو دینی باتیں سمجھاتے ہوں گے تو قرآن ہی کے مضامین بیان فرماتے ہوں گے۔ شکر ہے کسی قدر راستے پر آئے۔ اب سوال یہ ہے کہ حضورؐ نے اپنے الفاظ میں جو قرآنی مضامین بیان فرمائے ہیں۔ وہ محفوظ ہیں یا نہیں؟ اور محفوظ ہیں تو حجت ہیں یا نہیں؟ اگر حجت نہیں تو کیا آپ قرآنی مضامین کی حجیت سے بھی انکار کرتے ہیں؟ اگر حجت ہیں تو حدیث کی حجیت سے انکار باطل ہوگیا۔ کیونکہ جو جماعت حدیث کو دینی حجت مانتی ہے وہ یہی کہتی ہے کہ سنت میں جو کچھ ہے قرآن ہی کی تفسیر و شرح ہے۔ قرآن ہی کے مضامین کی توضیح وتشریح ہے۔ اور اگر تعلیمات رسول محفوظ نہیں تو ہم بتلا چکے ہیں کہ تنہا قرآن امت کے حق میں تبیانا لکل شیئ نہیں ہوسکتا۔ کیونکہ وہ قرآن سے نہ نماز کا طریقہ معلوم کرسکتی ہے۔ نہ زکوٰۃ کا نہ روزہ کا نہ حج کا نہ نکاح کا، اور نہ غذاؤں میں حلال وحرام کا فیصلہ کرسکتی ہے۔ جس کا جو جی چاہے گا دعویٰ کرنے لگے گا اور کوئی صورت تعیین مراد قرآن کی نہ ہوگی۔ اسی مقالہ میں بطور نمونہ کے ہم نے چند مجملات قرآن کا حوالہ دیا ہے۔ تعلیمات رسول کے بغیر ان مجملات کی مراد واضح نہیں ہوسکتی۔ تمنا صاحب نے قرآن کی ایک آیت پڑھ لی دوسری آیت نہ پڑھی۔ جس میں حق تعالیٰ نے قرآن کے علاوہ حکمت کا نازل کرنا بھی بیان فرمایا ہے وانزل اللّٰہ علیک الکتاب والحکمة اور یہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تعلیم کتاب کے ساتھ حکمت کی بھی تعلیم دیتے تھے، وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ ایسی تعلیم کتاب اور تعلیم حکمت کا نام حدیث و سنت ہے۔ آگے چل کر فرماتے ہیں کہ ”اسی لئے حدیثوں کی صحت کا اصلی اور قطعی معیار مطابقت قرآن مبین ہے۔“ میں بتلا چکا ہوں کہ جو حدیث قرآن کے خلاف ہو۔ وہ کسی کے نزدیک بھی قابل قبول نہیں مگر اس کا فیصلہ کرنا کہ یہ حدیث قرآن کے خلاف ہے۔ فقہاء ومجتہدین ہی کا کام ہے۔ ایرا غیر انتھو خیرا کا

کام نہیں۔ اور آپ کا یہ دعویٰ کہ جن احادیث میں ایسے مضامین ہیں۔ جن سے قرآن خاموش ہے وہ بھی قرآن کے خلاف ہیں سراسر غلط ہے۔ ورنہ چاہیے کہ جہاں قرآن میں اجمال ہے وہاں بھی حدیث خاموش رہے اور اجمال کی تفسیر وتوضیح نہ کرے۔ کیونکہ قرآن نے تفسیر نہیں کی۔ تو پھر مشکلات قرآن کا حل کیا۔ تمنا صاحب کی رائے سے کہا جائے گا؟ اور اگر ان کا یہ دعویٰ ہے کہ قرآن میں کسی جگہ اجمال اور اشکال ہے ہی نہیں۔ تو وہ قرآن دانی سے اپنے جہل کا اقرار کرتے ہیں۔ ہم نے گزشتہ اوراق میں چند نمونے پیشے کر دیئے ہیں اگر ضرورت ہو تو اور بھی مثالیں مجملات قرآن کی پیش کر دی جائیں گی دیکھیں تمنا صاحب کہاں تک اجمال کا انحصار کرتے ہیں۔ آیت قرآنی وَلَا تُبَاشِرُوْهُنَّ وَاَنْتُمْ عَاكِفُوْنَ فِي الْمَسَاجِدِ میں بالا جمال اعتکاف کی طرف اشارہ کیا گیا تھا اور اس کا طریقہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان پر عمل سے بتلا دیا تھا۔ جس پر آج تک امت کا عمل چلا آ رہا ہے اور مولانا تمنا عمادی بھی غالباً اسی کے موافق اعتکاف کرتے آئے ہیں۔ مگر طلوع اسلام بابت جون ۱۹۵۶ء میں اسی طرح اعتکاف کرنے کو رھبانیت قرار دیا گیا اور اس کی حقیقت ٹریننگ سنٹر یا ٹریننگ کیمپ میں کسی کو روک دینا بتلائی ہے اگر اس کا نام قرآن فہمی ہے تو تمنا صاحب ذرا اس پر بھی روشنی ڈالتے جائیں۔ ورنہ جیسا ہم اوپر کہہ چکے ہیں۔ اگر قرآن کو تعلیمات رسول سے الگ کر دیا گیا۔ تو ہرا یرا غیرا نتھو خیرا جو جی میں آئیگا کہے گا اس کی زبان وقلم کو لگام دینے والی کوئی چیز نہ ہوگی۔

آگے بڑھنے سے پہلے اتنا اور بتلا دوں کہ طلوع اسلام بابت جون ۱۹۵۶ء میں آیت وَاَنْزَلَ اللّٰهُ عَلَيْكَ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَعَلَّمَكَ مَالَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ وَكَانَ فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكَ عَظِيْمًا ○ کا ترجمہ یوں کیا گیا ہے ''اور خدا نے اے پیغمبر اسلام تم پر کتاب اور حکمت (دونوں) نازل کی ہیں اور تمہیں وہ چیزیں سکھائی ہیں۔ جو تم نہیں جانتے تھے اور خدا کا تم پر بڑا فضل رہا ہے۔'' جس میں تسلیم کر لیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ

کی طرف سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر دو چیزیں نازل ہوئی ہیں ایک کتاب دوسری حکمت۔ اگر حکمت بھی کتاب ہی ہے تو دو چیزوں کا نزول نہ ہوگا صرف ایک کا ہوگا۔ حالانکہ قرآن میں الکتاب والحکمۃ معطوف معطوف علیہ ہیں جو الگ الگ دو چیزوں کا مقتضی ہے اور طلوع اسلام نے بھی ترجمہ میں ان کا دو ہونا تسلیم کیا ہے اور جب حکمت کتاب سے الگ ہے تو ثابت ہوگیا کہ آپ پر قرآن کے علاوہ بھی وحی آتی تھی۔ جس کا نام حکمت ہے۔ اور جن آیات میں تعلیم الکتاب والحکمۃ بار بار آیا ہے ان سے یہ بات بھی واضح ہوگئی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جس طرح امت کو کتاب کی تعلیم دیتے تھے۔ اسی طرح حکمت کی تعلیم بھی دیتے تھے۔ اسی تعلیم کتاب اور تعلیم حکمت کا مجموعہ حدیث و سنت ہے اور جب قرآن کی حفاظت سے مراد صرف نقوش وحروف کی حفاظت مراد نہیں بلکہ اس کے معانی و مطالب و مقاصد کی حفاظت بھی مراد ہے تو اس سے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی ان تعلیمات کا محفوظ رہنا بھی لازم آگیا جو کتاب و حکمت کے سلسلہ میں آپ نے ارشاد فرمائی ہیں۔ اور جب خود قرآن سے معلوم ہوگیا کہ اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر کتاب اور حکمت (دونوں) نازل فرمائی ہیں تو اگر محدثین نے حدیث مثلہ معہ کو قرآن کے موافق دیکھ کر قبول فرمالیا اور اس کو اپنی کتابوں میں درج فرما دیا تو کیا قصور کیا؟ رہا یہ کہ حکمت سے مراد قانون الٰہی کی علت و وجہ ہے یا مطلق سنتِ رسول جو علل احکام پر بھی مشتمل ہے اور شرح کتاب اللہ پر بھی تو ان میں سے جو بھی مراد ہو آیت وانزل اللّٰہ علیک الکتاب والحکمۃ میں عطف سے صاف معلوم ہو رہا ہے۔ کہ حکمت بھی قرآن کی طرح منزل من اللہ ہے۔ کیونکہ عطف میں اصل مغایرت ہے اور اصل سے بلا دلیل عدول نہیں ہوسکتا۔ اور جب حکمت بھی منزل من اللہ ہے۔ تو حدیث مثلہ معہ اس کے موافق ہے۔ پس مدیر طلوع اسلام کا یہ دعویٰ غلط ہے کہ قرآن سے باہر رسول پر کوئی وحی نازل نہیں ہوئی اور ہم پہلے بتلا چکے ہیں کہ جو حدیث عموم قرآن یا ظاہر

قرآن کے موافق ہو اگرچہ اس کی سند ضعیف ہو قابل قبول ہوگی۔ حدیث مثلہ معہ کی یہی شان ہے کہ وہ آیت و انزل اللّٰہ علیک الکتاب و الحکمۃ کے موافق ہے تو اس کو تمنا صاحب بھی رد نہیں کر سکتے جن کے نزدیک حدیث کی صحت کا معیار موافق قرآن ہی ہے۔ اس کے بعد انہوں نے اپنی عادت کے موافق ایسی بات کو دہرایا ہے۔ جس کو ہر مضمون میں ذکر کیا کرتے ہیں کہ منافقین عجم نے جھوٹی اور مفسدانہ حدیثیں گھڑنے کے لئے اور اسلام کے خلاف مسلسل جدوجہد کرنے کے لئے کچھ مراکز بنا رکھے تھے۔ جیسے خراسان، کوفہ شام، نیشاپور وغیرہ وغیرہ۔

یہ محض ان کی قیاس آرائی ہے۔ اس سے انکار نہیں کہ حدیث روایت کرنے والوں میں بعضے اہل اھواء اور اہل بدعت کذابین و ضاعین بھی تھے۔ جیسا ہر جماعت میں اچھوں کے ساتھ برے بھی ہوتے ہیں۔ جن کی جھوٹی اور من گھڑت حدیثوں کو ناقدین ماہرین وحفاظ حدیث نے اس طرح نکال پھینکا تھا جیسے دودھ میں سے مکھی۔ مگر یہ کہ وضع حدیث کسی منظّم سازش کے ماتحت تھی۔ اور اس کے مراکز بلاد اسلام میں قائم تھے۔ محض افسانہ اور قیاس آفرینی ہے۔ اگر ایسے قیاسات سے منظم سازش کا ثبوت ہوسکتا ہے تو یہ قیاس بھی مان لینا چاہیے کہ انکار حدیث کے سلسلہ میں جو کچھ کیا جا رہا ہے۔ سراسر یہودی سازش ہے۔ کیونکہ حجیت حدیث کا انکار کرنے والے جتنی باتیں حدیث کے متعلق کہتے ہیں یہ سب ایک شامی یہودی کے قول کی صدائے بازگشت ہے جس نے سب سے پہلے یہ باتیں اپنی کتاب میں لکھی تھیں تا کہ مسلمانوں کے دلوں میں حدیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے شکوک وشبہات پیدا ہو جائیں اور اسلام کی قدیم شکل مسخ ہو کر کچھ سے کچھ ہو جائے۔ چنانچہ انگریزی دان طبقہ اس یہودی کے فریب میں آ گیا اور مصر و شام و ہندوستان و پاکستان وغیرہ میں انکار حدیث کے مراکز قائم ہو گئے۔ جن کو یہودیوں اور یہودنواز برطانیہ سے امداد پہنچتی رہتی ہے۔ تو کیا تمنا صاحب اس قیاس آرائی کو قبول

فرمائیں گے؟

اس کے بعد آپ نے خطیب کی کفایہ سے یہ عبارت نقل کر کے باب ما جاءفی التسویۃ بین حکم کتاب اللہ وحکم سنۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی وجوب العلم ولازم التکلیف اور اس کا مہمل ترجمہ کر کے فرمایا ہے کہ ''جہاں تک نفس مضمون کا تعلق ہے وہ تو بالکل صحیح ہے اس لئے کہ سنت رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے تو معنی ہی یہ ہیں کہ کتاب اللہ کے احکام کی تعلیم جس طرح خود رسول نے کی اور رسول کی تعلیم کے مطابق صحابہ (رضی اللہ عنہم) نے کی تو سنت رسول دراصل قرآن کے علاوہ کچھ بھی نہیں۔ قرآنی احکام کی عملی تفسیر کا نام سنت رسول ہے۔ اس لئے سنت رسول کا اتباع عین قرآن کا اتباع ہے۔ جس طرح قرآن میں ارشاد فرمایا گیا مَنْ يُطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ تو جس طرح اللہ کی اطاعت رسول ہی کی اطاعت ہے۔ اسی طرح قرآن کا اتباع سنت صحیحہ رسول کا اتباع کر کے ہی ممکن ہے۔ خط کشیدہ عبارت میں آپ نے تسلیم کرلیا ہے کہ قرآن کا اتباع سنت صحیحہ رسول کا اتباع کر کے ہی ممکن ہے۔ اس کے بغیر ممکن نہیں پھر طلوع اسلام حجیت حدیث کا انکار کیسے کرتا ہے؟ جب سنت صحیحہ رسول کے اتباع پر قرآن کا اتباع موقوف ہے تو اس کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ سنت صحیحہ دینی حجت ہے اور جب احکام قرآن غیر متبدل ہیں تو سنت صحیحہ متبدل کیسے ہو سکتی ہے۔ جس کے اتباع پر قرآن کا اتباع موقوف ہے۔ رہا آپ کا یہ فرمانا کہ

''قرآنی احکام کی عملی تفسیر کا نام سنت رسول ہے اس لئے سنت رسول قرآن کے علاوہ کچھ نہیں۔'' اس پر سوال یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآنی احکام کی جو کچھ عملی تفسیر بیان کی ہے وہ قرآن کے اندر مذکور ہے یا اس سے باہر ہے؟ ظاہر ہے کہ حضور کی عملی تفسیر آپ کے عمل سے ہوئی ہے۔ قرآن میں اس کا ذکر نہیں۔ بلکہ اس کو سنت صحیحہ نے بیان کیا ہے۔ اس سے ثابت ہو گیا کہ قرآن تبیانا لکل شئ نہیں ہے۔

بلکہ رسول کی عملی تفسیر کو ملا کر تبیانا لکل شیٔ ہے۔ یا یوں کہئے کہ قرآن تو تبیانا لکل شیٔ ہے۔ امت کو قرآن پر عمل کرنے اور اس کے مطالب کو سمجھنے کے لئے سنت صحیحہ رسول کی طرف رجوع کرنا لازم ہے۔ یہی ہم کہتے ہیں۔ ہم یہ بھی تسلیم کرتے ہیں کہ قرآن کے خلاف کوئی حدیث قابل قبول نہیں۔ مگر کسی حدیث کا خلاف قرآن ہونا زید وعمر کی رائے سے قبول نہ کیا جائے گا۔ اس میں فقہا مجتہدین کی رائے مانی جائے گی۔ کیونکہ قرآن کا خود فیصلہ ہے **وفوق کل ذی علم علیم** اور فقہاء مجتہدین کا دوسروں سے فوق ہونا ظاہر وبدیہی ہے۔

رہا آپ کا یہ دعویٰ کہ جن مسائل میں قرآن خاموش ہے ان کے متعلق بھی جو حدیثیں وارد ہونگی وہ قرآن کے خلاف ہوں گی۔'' اس کا غلط ہونا اوپر واضح کر چکا ہوں اور ہم یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ جن مسائل میں حدیث ناطق ہے اور آپ قرآن کو ساکت سمجھتے ہیں یہ آپ کی فہم کا قصور ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں ان مسائل میں بھی قرآن ساکت نہ تھا۔ آپ دوسروں سے زیادہ قرآن کو سمجھتے ہیں اس لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بہت سی ایسی باتیں بیان فرمادیں۔ جن کو دوسرے قرآن سے نہیں سمجھ سکتے تھے۔ قرآن سب کے حق میں مساوی طور سے **تبیانا لکل شیئ** نہیں ہے رسول کے حق میں دوسروں سے زیادہ **تبیانا لکل شیئ** ہے۔ اور اس سے انکار کرنے کا کسی مسلمان کو حق نہیں۔ سب مسلمانوں کا عقیدہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے برابر کسی کا علم نہیں تو آپ کے برابر قرآن کو کون سمجھ سکتا ہے۔ اس لئے حضرات صحابہ کو جب کوئی حکم قرآن میں صراحۃً نہ ملتا تو سنت رسول میں تلاش کرتے تھے۔ سنت رسول میں بھی نہ ملتا تو خلفاء راشدین کے قضایا میں تلاش کرتے ان میں بھی نہ ملتا تو اجتہاد سے کام لیتے تھے۔ یہی فقہا امت کا طریقہ رہا ہے۔ جس کی وجہ وہی ہے کہ قرآن کے سمجھنے میں سب برابر نہیں ہیں اس کو سب سے زیادہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سمجھتے تھے۔ آپ کے بعد خلفاء

راشدین کا مرتبہ تھا۔ پھر دیگر فقہاء صحابہ کا پھر مجتہدین تابعین و تبع تابعین کا تو جن مسائل مین حدیث ناطق ہے۔ اور قرآن ساکت ہے وہاں یہی کہا جائے گا کہ ہمارے اور آپ کے نزدیک قرآن ساکت ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں ساکت نہیں۔ آپ نے جو کچھ بھی فرمایا قرآن ہی سے سمجھ کر فرمایا ہے گو ہمیں معلوم نہ ہو کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن کی کس آیت سے کس لفظ سے کس اشارہ سے یہ مسئلہ سمجھا۔ کیونکہ ہمارے سامنے ایسے نظائر موجود ہیں کہ فقہاء مجتہدین نے قرآن کی بعض آیات سے وہ باتیں سمجھی ہیں۔ جہاں دوسروں کی فہم نہیں پہنچ سکتی تھی اور اگر وہ ان پر طریق استدلال کو بیان نہ کرتے تو دوسرے ہرگز نہیں سمجھ سکتے تھے کہ اس آیت سے یہ مسائل بھی مستبط ہو سکتے ہیں۔ جن کو شک ہو وہ احکام القرآن لابن عربی و احکام القرآن للجصاص الرازی کا مطالعہ کر کے اس حقیقت پر مطلع ہو سکتا ہے تو اس میں کیا استبعاد ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن کریم کے اشارات سے وہ باتیں سمجھی ہوں۔ جن تک فقہا مجتہدین کی نظر بھی نہیں پہنچ سکتی تھی؟ تو جن مسائل میں حدیث ناطق ہے اور قرآن ہمارے آپ کے نزدیک ساکت ہے وہاں یہی کہا جائے گا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو کچھ حدیث میں فرمایا ہے قرآن سے ہی سمجھ کر فرمایا ہے۔ گو ہماری عقل وفہم کی رسائی وہاں تک نہیں ہوئی۔ تمنا صاحب نے اس حقیقت کو تسلیم کر کے کہ قرآن کا اتباع سنت صحیحہ رسول کا اتباع کر کے ہی ممکن ہے۔ حدیث مثلہ معہ کے ماننے والوں پر یہ اعتراض کیا ہے کہ مگر یہاں تو مراد ہی کچھ اور ہے۔ ہر حدیث مروی کو سنت قرار دے کر تمام حدیثوں کو حکم و وجوب عمل میں قرآن کا ہم پلہ بنانا ان کا مقصود ہے جیسا اس باب کی حدیثوں سے ظاہر ہے۔''

یہاں تمنا صاحب نے تعارف جاہلانہ سے کام لے کر عوام کو دھوکہ دینا چاہا ہے۔ وہ خوب جانتے ہیں کہ فقہاء و محدثین ہرگز حدیث کو قرآن کا ہم پلہ نہیں بناتے تمام

کتب اصول میں قرآن کو پہلے حجت مانا گیا ہے اس کے بعد سنت کو چنانچہ محدثین نے حجیت حدیث کے باب میں حضرت معاذ کی ایک حدیث روایت کی ہے۔ جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے دریافت فرمایا تھا کیف تقضی؟ تم کس طرح فیصلہ کرو گے؟ قال اقضی بما فی کتاب اللہ کہا میں کتاب اللہ سے فیصلہ کرونگا۔ قال فان لم یکن فی کتاب اللّٰہ؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا اگر کوئی مسئلہ قرآن میں نہ ہو (یعنی تم کو کتاب اللہ میں نہ ملے) قال فبسنة رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم. کہا تو پھر میں سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے فیصلہ کروں گا۔ قال ان لم یکن فی سنة رسول اللہ حضور نے پوچھا اگر کوئی مسئلہ سنت رسول میں بھی نہ ہو (وہی مطلب ہے کہ تم کو سنت رسول میں نہ ملے) قال اجتھد رایی. کہا تو پھر میں اپنی عقل سے اجتہاد کروں گا۔ قال الحمد للّٰہ الذی وفق رسول رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم حضور نے فرمایا اللہ کا شکر ہے کہ جس نے رسول اللہ کے قاصد کو توفیق خیر دی (ترمذی۔ ابوداؤد۔ احمد۔ دارمی۔ بیہقی وصححہ ابن القیم فی زاد المعاد وقوی امرہ وقال انہ مشہور عن معاذ) اس سے صاف ظاہر ہے کہ حدیث مثلہ معہ سے حدیث کو قرآن کا ہم پلہ بنانا مقصود نہیں بلکہ قرآن کے بعد سنت کی طرف رجوع کرنے کا امر ہے۔

حضرات صحابہ کا طرز عمل یہی تھا۔ چنانچہ عبداللہ بن مسعود فرماتے ہیں۔

﴿اذا سئلتم عن شیئ فانظروا فی کتاب اللّٰہ فان لم تجدوہ فی کتاب اللّٰہ ففی سنة رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم فان لم تجدوہ فی سنة رسول اللّٰہ فما اجمع علیہ المسلمون فان لم یکن فیما اجتمع علیہ المسلمون فاجتھد رأیک اخرجہ الدارمی و البیھقی و رجالہ ثقات ونحوہ عن ابن عباس بسند صحیح عند

البیھقی و عن شریح فی کتاب عمر رضی اللّٰہ عنہ عند الدارمی و رجالہ ثقات ﷺ اھ۔

''جب تم سے کوئی مسئلہ پوچھا جائے تو پہلے کتاب اللہ میں دیکھو اگر کتاب اللہ میں نہ پاؤ تو سنت رسول اللہ میں دیکھو اگر سنت رسول اللہ میں نہ پاؤ تو مسلمانوں کے اجماعی مسائل میں دیکھو اگر اجماعی مسائل میں بھی نہ ملے تو اپنی عقل وفہم سے اجتہاد کرو۔ اس کے رجال ثقہ ہیں اور عبداللہ بن عباس سے بھی بسند صحیح اس کے موافق مروی ہے۔ حضرت عمرؓ نے شریح قاضی کے نام پر جو خط لکھا تھا۔ اس میں بھی ایسا ہی ہے اور اس کے راوی ثقہ ہیں۔''

ان ہی احادیث و آثار کو فقہاء نے کتب اصول میں بیان کر کے شرعی حجتوں میں یہی ترتیب بیان کی ہے کہ سب سے پہلے قرآن حجت ہے پھر حدیث رسول پھر اجماع امت پھر قیاس مجتہد''۔

حدیث مثلہ معہ میں جو حدیث کو مثل قرآن کہا گیا ہے۔ تمنا صاحب خوب جانتے ہیں کہ تشبیہ میں عادات من کل وجہ نہیں ہوا کرتی کیا وہ نہیں دیکھتے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن میں اپنے نور کی مثال چراغ کے نور سے دی ہے تو کیا چراغ کا نور حق تعالیٰ کے نور کے برابر ہو گیا؟ اَللّٰہُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ مَثَلُ نُوْرِہٖ کَمِشْکٰوۃٍ فِیْھَا مِصْبَاحٌ اسی طرح ان حدیثوں میں حدیث کو مثل قرآن کہنے کا یہ مطلب نہیں کہ وہ بالکل قرآن کی مثل ہے بلکہ مطلب یہ ہے کہ جب کوئی حکم قرآن میں تم کو نہ ملے اور سنت میں مل جائے تو سنت پر عمل کرنا واجب ہے یہ کہنا جائز نہیں کہ قرآن اس حکم سے ساکت ہے اس لئے ہم قرآن کے سوا اور کچھ نہ مانیں گے۔

تمنا صاحب کا یہ دعویٰ بھی غلط ہے کہ محدثین ہر حدیث مروی کو سنت قرار دے کر

واجب العمل قرار دیتے ہیں کیونکہ اگر محدثین نے ہر حدیث مروی کو واجب العمل قرار دیا ہوتا تو بخاری اور مسلم اور ابوعوانہ وابن جارود اور حاکم وابن السکن وغیرہم کو صحیح حدیثیں جمع کرنے کی ضرورت نہ ہوتی اور ترمذی کو ہر حدیث کا درجہ بتلانے کی حاجت نہ ہوتی۔

ہر صاحب علم جانتا ہے کہ اخبار آحاد میں سے باب احکام میں صرف حدیث صحیح یا حسن کو واجب العمل سمجھا گیا ہے۔ اب حدیث صحیح اور سنت صحیحہ کا معیار معلوم کرنا باقی رہا۔ سو کتب اصول حدیث واصول فقہ میں محدثین وفقہاء نے اس کا معیار روایت اور درایت دونوں کے اعتبار سے مفصل بیان کر دیا ہے۔ میں نے اپنی کتاب انہار السکن مقدمۂ اعلاء السنن میں حنفیہ کے اصول حدیث بیان کر دیئے ہیں۔ مولانا تمنا عمادی اپنے اصول بیان فرمائیں۔ حدیث کی صحت کے لئے یہ شرط تو سب کے نزدیک ہے کہ وہ کتاب اللہ کے خلاف نہ ہو مگر میں پہلے بھی کہہ چکا ہوں اب پھر کہتا ہوں کہ اس باب میں زید وعمر کا قول قبول نہ کیا جائے گا۔

قرآن کے خلاف اس حدیث کو کہا جائے گا۔ جس کو فقہاء ومحدثین نے خلاف سمجھا ہے کیونکہ وہ ہم سے آپ سے زیادہ قرآن وحدیث کو سمجھتے ہیں۔ اس کے بعد مولانا تمنا عمادی سے چند سوالات کے جوابات مطلوب ہیں۔

(۱) جس راوی کو کچھ لوگوں نے ثقہ کہا ہے۔ اور بعض نے اس پر جرح کی ہے اور تعدیل وجرح دونوں مبہم ہیں۔ وہاں ترجیح کس کو ہوگی؟ کیونکہ میں دیکھتا ہوں کہ آپ ہر راوی کو جس میں کسی ایک نے بھی جرح کی ہے۔ مجروح قرار دیتے ہیں اس کے متعلق آپ کو اپنا اصول واضح کرنا چاہیے۔

(۲) اگر کسی روایت کے متعدد طرق ہوں تو کثرت طرق سے اس کو تقویت ہوگی یا نہیں؟ حدیث مثلہ معہ کے متعلق آپ کو تسلیم ہے کہ بائیس طرق سے مروی ہے پھر بھی آپ کے نزدیک یہ حدیث ضعیف کی ضعیف ہی ہے حالانکہ محدثین وفقہاء کے

نزدیک حدیث حسن کثرت طرق سے صحیح لغیرہ ہو جاتی ہے اور حدیث ضعیف کثرت طرق سے حسن لغیرہ بن جاتی ہے۔ مگر آپ کے نزدیک کچھ بھی نہیں بنتی تو اس کے متعلق بھی اپنا اصول واضح کریں۔

(۳) جس راوی میں جرح مبہم بھی ہو اور تعدیل مفسر بھی وہاں آپ کس کو ترجیح دیں گے۔

(۴) قرآن اور سنت صحیحہ سے استنباط احکام کے اصول آپ کے نزدیک کیا ہیں؟

یا صاحب معارف القرآن کی طرح مولانا ابوالکلام آزاد کے ترجمہ اور تفسیر ہی کی مدد سے آپ قرآن کو سمجھتے ہیں؟ اگر استنباط احکام کے اصول وہی ہیں جو فقہاء نے بیان کئے ہیں تو اس کی تصریح کرنا چاہیے۔ اگر ان کے علاوہ کچھ اصول ہیں تو مع دلائل پیش فرمائیں۔

میں بتلا چکا ہوں کہ حدیث مثلہ معہ آیت وَاَنْزَلَ اللّٰهُ عَلَيْكَ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ کے موافق ہے اور مَا فَرَّطْنَا فِي الْكِتَابِ مِنْ شَيْءٍ اور تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ کے ہرگز خلاف نہیں پھر اس کو ضعیف یا موضوع قرار دینا ہٹ دھرمی نہیں تو اور کیا ہے؟

ولكن هذا آخر الكلام في هذا المرام والعلم عند الله الملك العلام والصلوة والسلام على سيد الانام سيدنا محمد و آله و اصحابه البررة الكرام الى يوم القيام و بعده على الدوام والحمد لله رب العلمين.

پنج گنج۔ سود مند

از شیخ الاسلام حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی قدس سرہ

نوٹ :۔ حضرت اقدسؒ نے یہ قیمتی نصائح اپنے خاص مرشد اور مجاز صحبت جناب حاجی ظفر علی صاحب ساکن موضع بانٹھ ضلع پنڈی کی فرمائش پر تحریر فرمائے تھے جن کو افادہ عام کے لیے پہلی مرتبہ قارئین ''الصیانۃ'' کے مطالعہ وافادہ کے لئے شائع کیا جارہا ہے۔ نفعنا اللہ تعالےٰ بھا آمین۔ سید عبدالقدوس ترمذی

۱۰ ذی قعدہ ۱۴۱۳ھ جامعہ حقانیہ ساہیوال سرگودہا

بعد الحمد والصلوٰۃ :۔

۱۔ دنیا میں سب سے بڑا گناہ غفلت ہے اور غفلت کا بڑا سبب حرص اور طول امل ہے غفلت کا

علاج ذکر اللہ ہے اور ان دعاؤں کی پابندی جو رسول اللہ ﷺ نے مختلف اوقات کے متعلق ارشاد فرمائی ہیں اور حرص و طول امل کا علاج فنائے دنیا کو پیش نظر رکھنا اور موت کو یاد رکھنا ہے۔

۲۔ مسجد میں جب بھی داخل ہوں' اعتکاف نفلی کی نیت کر لیں۔

۳۔ سوتے ہوئے دن بھر کے اعمال کا حساب کر لیں جتنی نیکیاں کی ہوں' ان پر شکر کریں جو خطا ہو گئی ہو' اس سے توبہ استغفار کر کے سوئیں۔

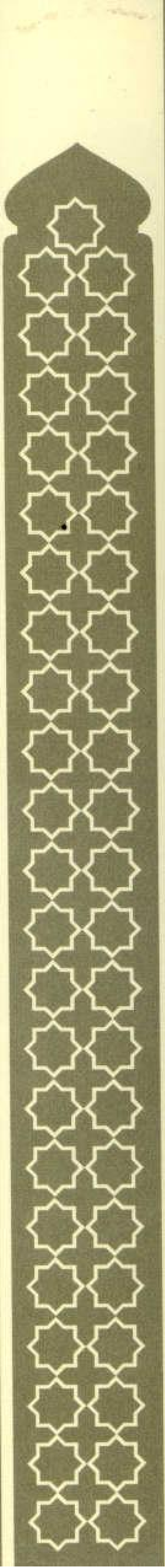
۴۔ تلاوت قرآن پاک کی پابندی کریں اس میں کوتاہی نہ آنے پائے۔

۵۔ ملفوظات و مواعظ حکیم الامۃ قدس سرہ کا مطالعہ کرتے رہیں۔

(ماہنامہ الصیانۃ' لاہور)

تمت بالخیر





شیخ الاسلام حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی نور اللہ مرقدہٗ
کے چند علمی، دینی، اصلاحی اور سیاسی مقالات و بیانات
کا حسین اور نادر مجموعہ

جلد دوم

مرتّب
مولانا شفیع اللہ صاحب
جامعہ دار العلوم کراچی

